

(ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن)

آپنا

PDFBOOKSFREE.PK

عمیرہ امیر

فہرست

9	مجھے یہ کہنا ہے	✽
11	باب ۱	-1
14	باب ۲	-2
31	باب ۳	-3
33	باب ۴	-4
45	باب ۵	-5
47	باب ۶	-6
49	باب ۷	-7
50	باب ۸	-8
58	باب ۹	-9
65	باب ۱۰	-10
83	باب ۱۱	-11
90	باب ۱۲	-12
99	باب ۱۳	-13
112	باب ۱۴	-14
121	باب ۱۵	-15
153	باب ۱۶	-16
168	باب ۱۷	-17
172	باب ۱۸	-18
178	باب ۱۹	-19
192	باب ۲۰	-20
204	باب ۲۱	-21
208	باب ۲۲	-22
217	باب ۲۳	-23
228	باب ۲۴	-24
230	باب ۲۵	-25

مجھے یہ کہنا ہے

بعض کہانیاں لکھتے ہوئے آپ کو ایک مستقل خلش کا احساس ہوتا رہتا ہے کیونکہ آپ جانتے ہیں، یہ کہانی کہیں کوئی تبدیلی نہیں لائے گی۔ امریتل بھی ایک ایسی ہی کہانی ہے جسے لکھتے ہوئے میں اسی احساس سے دوچار ہوں پھر بھی میں اس کہانی کو اس لئے لکھ رہی ہوں تاکہ آپ لوگ زندگی کے ایک اور پہلو کو جان سکیں۔ ان لوگوں کے دلوں اور ذہنوں پر ایک نظر ڈال سکیں۔ جو پاکستان کے قیام کے بعد سے اس ملک کی ہاگ دوڑ سنبھالے ہوئے ہیں۔ اچھے طریقے سے یا برے طریقے سے۔ بہر حال وہ اس ملک کو چلا رہے ہیں اور خود وہ اپنی زندگیوں میں کس اہماریٹلٹی کا شکار ہیں۔ امریتل میں آپ یہی دیکھ پائیں گے۔

اس ناول کو پڑھتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ یہ کوئی سیاسی ناول نہیں ہے، نہ ہی یہ کوئی تاریخی اور معاشرتی ناول ہے۔ یہ خواہش اور چاہ کا ناول ہے یا پھر سود و زیاں کا۔ بعض دفعہ ساری زندگی گزارنے کے بعد بھی ہم یہ جان نہیں پاتے کہ ہمیں آخر زندگی میں کس چیز کی ضرورت تھی..... کس چیز کی ضرورت تھی بھی پانچوں اہم دفعہ زندگی کے آخری لمحات میں ہمیں احساس ہوتا ہے کہ جس چیز کو ہم نے زندگی کا حاصل بنا رکھا تھا، اس چیز کے بغیر زندگی زیادہ اچھی گزر سکتی تھی۔ امریتل کے کردار بھی آپ کو آہنگی کے اسی عذاب سے گزرتے نظر آئیں گے۔ میں نے اس ناول میں کرداروں کی بھیجی اُٹھی نہیں کی۔ صرف چند لوگ ہیں جو پہلے اپنے ارد گرد انسانی رشتوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور بعد میں صرف انسانوں کی..... جو کوشش انہوں نے بھی نہیں کی، وہ اپنے آپ کو تلاش کرنے کی ہے۔

بنیادی طور پر امریتل ان ناولوں میں سے ایک ہے جو صرف ایک کردار کے لئے لکھا گیا اور یہ ایک ہی کردار کا ناول ہے۔ اب وہ کردار کس کا ہے..... یہ آپ کو خود معلوم کرنا ہوگا۔ ہاں میں یہ دعویٰ کر سکتی ہوں کہ آپ اس کردار سے چاہنے کے باوجود بھی نفرت نہیں کر پائیں گے۔ حقیقت میں بھی آپ ایسے کرداروں کے ساتھ ایسی ہی محبت میں گرفتار رہتے ہیں اور..... اور..... یہی آپ کی غلطی ہے۔ آئیے غلطی دہرائیں۔

239	باب ۲۶	-26
244	باب ۲۷	-27
264	باب ۲۸	-28
272	باب ۲۹	-29
283	باب ۳۰	-30
286	باب ۳۱	-31
311	باب ۳۲	-32
315	باب ۳۳	-33
323	باب ۳۴	-34
330	باب ۳۵	-35
336	باب ۳۶	-36
349	باب ۳۷	-37
351	باب ۳۸	-38
360	باب ۳۹	-39
365	باب ۴۰	-40
381	باب ۴۱	-41
391	باب ۴۲	-42
405	باب ۴۳	-43
409	باب ۴۴	-44
488	باب ۴۵	-45
491	باب ۴۶	-46
527	باب ۴۷	-47
597	باب ۴۸	-48
626	باب ۴۹	-48
645	باب ۵۰	-50
656	باب ۵۱	-51
680	باب ۵۲	-52
703	باب ۵۳	-53
726	باب ۵۴	-54
740	باب ۵۵	-55
752	باب ۵۶	-56

کوئی چھاؤں ہو

جسے چھاؤں کہنے میں

دوپہر کا گمان نہ ہو

کوئی شام ہو

جسے شام کہنے میں شب کا کوئی نشان نہ ہو

کوئی وصل ہو

جسے وصل کہنے میں جبریت کا دھواں نہ ہو

کوئی لفظ ہو

جسے کہنے پڑھنے کی چاہ میں

کبھی اک لمحہ گراں نہ ہو

یہ کہاں ہوا ہے کہ ہم تمہیں

کبھی اپنے دل سے پکارنے کی سعی کریں

وہیں آرزو بے اماں نہ ہو۔

وہیں موسمِ غم جاں نہ ہو

باب ا

”عمر آ رہا ہے پرسوں۔“

لچ پر تانوں نے اچانک اس سے کہا۔ وہ کھانا کھانا بھول گئی۔

”پرسوں آ رہا ہے آپ کس نے بتایا؟“

اس نے بے چینی سے تانوں سے پوچھا۔

”تم اس وقت سو رہی تھیں، وہ بھی تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا، مگر میں نے جب یہ بتایا کہ تم سو رہی ہو تو پھر

اس نے چنگے سے منع کر دیا۔“ تانوں نے تفصیل بتائی تھی۔ علیزہ کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔

”چٹیاں گزارنے آ رہا ہے؟“

اس نے پوچھا۔

”ہاں یہی سمجھ لو، فارن سروس چھوڑ رہا ہے۔ کہہ رہا تھا، چند ہفتے تک پولیس سروس جوائن کر لے گا۔“

علیزہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

”عمر اور پولیس سروس، مجھے یقین نہیں آ رہا، تاہم اتنی اچھی پوسٹ چھوڑ کر آخر وہ کرے گا کیا یہاں۔ انکل

نے اس سے کچھ نہیں کہا؟“

اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

”جہانگیر سے اس کا کوئی جھڑا ہو گیا ہے۔ اس نے مجھے تفصیل بتائی لیکن

”they are not on talking terms now-a-days.“

”اس میں کوئی نئی بات ہے، یہ تو پچھلے کئی سال سے ہو رہا ہے۔“

علیزہ کو واقعی کوئی حیرانی نہیں ہوئی تھی۔

”ہاں مگر ابھی پھر کوئی جھڑا ہوا ہے دونوں میں۔ اب آئے گا، تو پتہ چلے گا کہ کیا ہوا۔“

تانو بھی زیادہ فکر مند نہیں لگ رہی تھیں۔

”میں رہے گا کیا؟“

اس نے ناؤ سے پوچھا۔

”ہاں، کہہ رہا تھا کہ پوسٹنگ ملے تک نہیں رہے گا۔ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ تمہارے یا اپنے لئے کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے بتا دیں، وہ لے آئے گا۔ اپنے لئے تو میں نے کچھ نہیں کہا لیکن تمہارے لئے کچھ پر فیومز لانے کے لئے کہا تھا۔ میری بات پر وہ ہنسنے لگا۔“

علیہ کے ذہن میں بے اختیار ایک یاد ابھرائی۔

”کہہ رہا تھا یہ تو کوئی منگوائی والی چیز نہیں ہے، جانتا ہوں علیہ کے سامنے جاؤں گا تو پر فیومز کے بغیر کیسے جاؤں گا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ کچھ اچھی کتابیں لے آئے تمہارے لئے، خاص طور پر چیٹنگ کے بارے میں کوئی نئی کتاب۔“

ناؤ اسے بتاتی گئی تھیں۔

”آپ نے ایسے ہی تکلف دی ناؤ۔“

”ارے نہیں وہ خود اصرار کر رہا تھا، خیر تم ذرا اس کے لئے کمرہ سیٹ کرو ادیانہ، اور انیسکی بھی ذرا صاف کرو ادیانہ۔ اس کا سارا سامان بھی آ رہا ہے۔ ابھی ٹی ایل تو نہیں دھوائے گا، پھر جب پوسٹنگ ملے گی تو لے جائے گا۔“

ناؤ نے اسے ہدایات دیتے ہوئے کہا تھا۔ پھر وہ لے جانے کے بعد اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ وہ بہت دیر تک وہیں بیٹھ بہت کچھ سوچتی رہی تھی۔ ذہن میں بہت کچھ تازہ ہوتا جا رہا تھا۔

”تو عمر بھر گھبرا کر تم واپس آ رہے ہو۔“

اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ پھر کچھ ذہن میں آئے پر وہ اٹھ کر اس کمرے کی طرف آ گئی جہاں وہ ہمیشہ ٹھہرتا تھا۔ دروازہ کھولتے ہوئے اسے بہت خوش گوار سا احساس ہوا تھا۔ وہ آکٹر اس کمرے میں آ کر کچھ وقت گزارا کرتی تھی، اور ہمیشہ ہی یہاں آ کر اسے یوں لگتا جیسے وہ نہیں موجود تھا۔

اس کی رانگ چیز اسے سادگت حالت میں بھی اسی طرح جھولتی ہوئی نظر آتی تھی۔ جس طرح وہ اسے چھلایا کرتا تھا۔ ہر چیز پر جیسے اس کا لمس تھا۔ ہر طرف اس کی جیسے آواز گونجتی تھی۔ وہی دھیمہ، گہرا اور ٹھہرا ہوا لہجہ۔ وہی پرسکون دل کے کہیں اندر تک اتر جانے والی آواز، اور پھر وہی ٹھکھٹاوتے ہوئے بے اختیار تھپتھپ، اس کمرے میں آ کر سب کچھ جیسے زندہ ہو جاتا تھا۔ والوں نکل بن جاتا تھا، اور اس حقیقت بن کر اس کے ارد گرد پھرنے لگتا تھا کہ اسے میں وہی مخصوص خوشبودی ہوئی تھی۔ عمر کے استعمال میں آنے والی چھوٹی چھوٹی چیزیں اسی طرح اپنی جگہ پر تھیں جیسے انہیں کل ہی رکھا گیا ہو۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ جیسا بارود کب آیا تھا۔ اسے اپنے ذہن پر زور نہیں دینا پڑا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ کس سال کس تارخ جس دن اور کس وقت آیا تھا۔ بعض باتیں آپ بھی بھولنا نہیں چاہتے اور وہ کب گیا تھا۔ اسے یہ بھی یاد تھا بعض باتیں آپ بھی یاد رکھنا نہیں چاہتے۔

علیہ کے لئے تب سے آج تک وہ نہیں تھا۔ اسی کمرے میں، کم از کم اس کے لئے۔ اسے اپنے چچے

دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی وہ بے اختیار بٹلی۔

”اچھا کیا تم ابھی یہ کمرہ دیکھنے آئیں، میں نے سوچا میں بھی ایک نظر ڈال ہی لوں۔“

ناؤ اندر آ گئی تھیں۔ چند لمبے تنقیدی نظروں سے وہ کمرے کا جائزہ لیتی رہیں پھر جیسے مطمئن ہو گئیں۔

”میرا خیال ہے، کہ سب کچھ ٹھیک ہی ہے لیکن پھر بھی تم ذرا ہر چیز کو اچھی طرح چیک کر لیتا۔ میں نہیں چاہتی کہ اسے یہاں کوئی تکلیف ہو۔“

ناؤ فرم کر کے سے نکل گئی تھیں۔ وہ ڈیرنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی تھی، اور وہاں بڑا ہوا ایک پرفیومز اس نے ہاتھ میں لے لیا۔ آہستہ آہستہ اس نے پرفیومز کا دھکن اتار کر خوشبو محسوس کرنے کی کوشش کی۔ بے اختیار مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی۔ ایک بار پھر ایک انجی اس کے ذہن میں ابھرایا تھا۔ اس نے ڈیرنگ ٹیبل کے آئینہ کو دیکھا۔ وہاں ایک دم کوئی اور نظر آنے لگا تھا وہیں اسی جگہ چند سال پہلے۔ وہ بے اختیار چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اسے اپنی گردن اور بالوں پر پھوار پڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔



”تمہارے باقی بہن بھائی کیسے ہیں؟“

نانو نے جیسے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔

”بہت اچھے ہیں اب تو بہت بڑے ہو گئے ہیں۔ میں تصویریں لے کر آئی ہوں۔ آپ دیکھ لیجئے گا۔“

اس نے نظریں چراتے ہوئے جھک کر اپنے جاگڑ کھولے شروع کر دیئے تھے۔ نانو خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی تھیں۔

”تم پہلے سے کمزور ہو گئی ہو۔“

”ہاں شاید، میں کچھ دن بیمار رہی تھی وہاں۔ پانی سوٹ نہیں کر رہا تھا۔“

ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے نانو کو بتایا تھا۔

”بیمار ہو گئی تھیں مگر تم نے مجھے تو نہیں بتایا۔ ٹھیکہ نہ بھی فنی پر ذکر نہیں کیا۔“

نانو اٹھ کر نشوونو پیش بھرے انداز میں اس کے پاس آکر بیٹھ گئی تھیں۔

”میں نے منع کر دیا تھا۔ آپ خواہ مخواہ پریشان ہو جاتیں، ویسے بھی زیادہ سیریس بات نہیں تھی۔“

اس نے لاپرواہی سے کہا تھا۔

”پھر بھی تمہیں بتانا تو چاہیے تھا، اس طرح.....؟“

”نانو! پلیز میں ٹھیک ہوں۔ آپ خود دیکھ لیں کیا اب بیمار گ رہی ہوں؟“

اس نے بات ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”مرکشی کہاں ہے۔ اسے یک دم جیسے یاد آیا تھا۔“

”سیرجیوں کے نیچے سو رہی تھی۔ میں نے تم سے چائے کا بھی نہیں پوچھا، میں ذرا تمہارے کھانے کے لئے

کچھ کھہر کر آتی ہوں۔“

نانو اٹھ کر چکن کی طرف چلی گئیں۔ اس نے گھرا سانس لے کر صوفی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ ایک ماہ بعد

واپس آ کر اسے بہت سکون بہت ٹھانیت کا احساس ہو رہا تھا۔ یوں جیسے وہ گھر واپس آ گئی ہو۔ ہر چیز اسی طرح تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آئی۔ مالی گھاس کاٹ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک کے مقصد سے دیکھتی رہی، پھر وہاں سے

کوریڈور کی طرف آ گئی تھی۔ کوریڈور کراس کرنے کے بعد اسے سیرجیاں نظر آئیں۔ بے اختیار ایک مسکراہٹ اس

کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔

”مرکشی!“

اس نے بلند آواز میں پکارا۔

میاؤں کی آواز کے ساتھ ایک بلی سیرجیوں کے نیچے نمودار ہوئی اور تیزی سے اس کی طرف لپکی۔ وہ

گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھ گئی تھی۔ بلی میدھی اس کے پاس آئی تھی اس نے اسے گود میں بٹھالیا۔ چند منٹوں تک وہ

اس کا سر اور جسم بٹھائی رہی پھر اس نے اسے ہاتھوں میں اٹھا کر اپنے چہرے کے پاس کیا تھا۔

باب ۲

وہ کار کا دروازہ کھول رہی تھی جب اس نے لاؤنج کا دروازہ کھول کر نانو کو باہر آتے دیکھا۔ شاید وہ کار کا باران سن کر باہر آئی تھیں۔ انہوں نے اسے دیکھ کر دروازے ہی بازو پھیلادے دیئے۔ وہ سکرانی ہوئی ان کے پاس جا کر لپٹ گئی۔

”اس بار میں نے تمہیں بہت مس کیا۔“

انہوں نے اس کے گال چومتے ہوئے کہا تھا۔

”میں نے بھی آپ لوگوں کو بہت مس کیا ناؤ!“

ان کے ساتھ اندر لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

”میں جانتی ہوں۔“

انہوں نے بڑے پیار سے ساتھ چلتے ہوئے اسے اپنے کندھے سے لگا یا۔

”کیسا رہا تمہارا قیام، انجوائے کیا؟“

”ہاں بہت انجوائے کیا۔“

”ٹھیکہ کیسی ہے؟ پاکستان کب آ رہی ہے؟“

”مئی ٹھیک ہیں ابھی پاکستان آنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ شاید اگلے سال آئیں۔“

لاؤنج میں آکر اپنا بیگ صوف پر رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

”چار سال ہو گئے ہیں اسے وہاں گئے ابھی بھی اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا آنے کو۔“

اس نے نانو کو بڑا تے ہوئے ساتھ ساتھ۔ وہ کچھ دیر ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”وہ لوگ آسٹریلیا سے امریکہ شفٹ ہونے کا سوچ رہے ہیں۔ انکل کا کانٹریکٹ ختم ہو رہا ہے اس سال۔“

امریکہ کی کسی کمپنی کی آفر پر غور کر رہے ہیں۔ مئی کہہ رہی تھیں کہ اگلے سال اگر امریکہ سیٹل ہونے کا ارادہ کر لیا تو وہاں

جانے سے پہلے پاکستان کا ایک پکڑ لگا کر جائیں گی۔“

اس نے جیسے نانو کو تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

نے کہا جب لوگے تو خود ہی دیکھ لیتا کہ باتونی ہے یا نہیں۔ ابھی کچھ ہی دیر میں اٹھنے ہی والا ہو گا لیکن اس سے۔ اسے بھی پتہ ہے کہ آج تم آ رہی ہو۔“

اسے ابھی کچھ ناکو یا باتوں میں کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ کوئی بھی جواب دینے بغیر وہ خاموشی سے چائے پیتی رہی۔

”مئی نے آپ کے لئے کچھ گفٹس بھجوائے ہیں، ابھی نکال دوں یا پھر کل؟“

اس نے ان کی باتوں کے جواب میں کہا تھا۔

”ابھی سامان مت کھلو ہم بھی ہوگی، آرام کرو۔ کل میں خود تمہارے ساتھ سامان کھلاؤں گی۔ پھر دیکھ لوں گی۔“

نانو نے اس سے کہا تھا۔ چائے پینے کے بعد نانو نے آرام کرنے کے لئے کہا تھا، اور وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی اور کپڑے تبدیل کئے بغیر ہی بستر پر لیٹ کر سو گئی۔

عمر جانیگراس کے لئے کوئی نیا نام نہیں تھا۔ وہ دو تین سال کے بعد اکثر چھٹیوں میں اپنے باپ اور فیلی کے ساتھ پاکستان آیا کرتا تھا، اور وہ وہیں ٹھہرا کرتا تھا اور ایسا پچھلے بہت سے سالوں سے ہو رہا تھا۔ مگر اس بار وہ تقریباً چھ سال کے بعد آیا تھا، اور پہلی بار اس طرح آیا تھا۔ ملیرہ اور اس کے درمیان رہی سی جہاں سے تھی۔ اسے ہمیشہ ہی وہ بہت ریزہ لگا تھا۔ بچپن میں بھی وہ اس طرح کا بچہ نہیں تھا جو آسانی سے دوسرے بچوں سے مکمل مل جائے۔ خود ملیرہ بھی اسی طرح تھی، اس لئے دونوں کے درمیان ہمیشہ سی تعلق نہیں ہوتی تھی۔ پھر کی بار ایسا بھی ہوتا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ چھٹیاں گزارنے پاکستان آتا اور خود ملیرہ اپنی مئی کے پاس آسٹریلیا چھٹیاں گزارنے چلی جاتی۔ اس لئے انہیں بھی مئی ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کا موقع نہ ملا تھا، اور اب بھی عمر جانیگراس آداس کے لئے کسی خاص خوشی کا باعث نہیں تھی۔

اسے اندازہ نہیں ہوا، وہ کتنی دیر سو رہی تھی۔ جب دوبارہ بیدار ہوئی تو کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس نے سائیز نیکل پر رکھی ہوئی دست و پاؤں دیکھ میں لے کر غم کی کھینچنے کی کوشش کی تھی، جو یڈم ڈائل سات بج رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر کمرے کی لائٹ آن کر دی۔ دارو رب سے کپڑے نکال کے وہ واش روم میں چلی گئی تھی۔ جب وہ لاؤنج میں آئی تو سوا سات بج رہے تھے۔

”So the lady is here!“ (تو خترمہ یہاں ہیں۔)

نانا نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا، وہ مسکراتے ہوئے جا کر ان سے لپٹ گئی۔

”میں نے دو تین بار تمہارے کمرے میں جانے کی کوشش کی لیکن تمہاری نانو نے منع کر دیا کہ تم ڈسٹر ہوگی۔“

نانا نے اس سے کہا تھا وہ مسکراتے ہوئے ان کے پاس صوف پر بیٹھ گئی تھی، اور اسی وقت اس کی نظر دور کوئے میں رکھے ہوئے صوف پر بیٹھے شخص پر پڑی تھی۔ جو مسکراتے ہوئے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے متوجہ ہونے پر اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ ایک لمبے عرصے کے بعد دیکھنے کے باوجود ملیرہ کو اسے پہچاننے

میں دور نہیں گئی تھی۔ پانچ سال پہلے اس نے جب عمر کو دیکھا تو وہ خاصا بڑا ہڈا تھا۔ مگر اس وقت وہ ایک لمبے چوڑے وجہہ سراپے کا مالک تھا۔ وہ اس سے آٹھ سال بڑا تھا۔ مگر اپنی قد و قامت کے لحاظ سے وہ اپنی عمر سے بڑا نظر آ رہا تھا۔ وہ بے اختیار کچھ جھنجکی۔ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ اسے کیسے مخاطب کرے، گلا صاف کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے کہا۔

”Hello! How are you?“ (ہیلو! آپ کیسے ہیں؟)

عمر نے ہلکے سے سر کو ہنج کیا تھا۔

”Oh! I am fine.“ (اُم! میں ٹھیک ہوں۔)

”Am I right Aleezah?“ “It means you have recognized me.“

اس نے اس طرح اس کی بات کا جواب دیا تھا جیسے وہ اس کا بہت گرا دوست ہو۔

”She was....!“ “Yes! Nano told me about you.“

وہ عمر سے بات کر رہی تھی جب نانو نے اسے آواز دی تھی۔

”ملیرہ! واشنگٹن کا فون ہے بات کرلو۔“

اس نے چونک کر نانو کو دیکھا تھا، ان کے ہاتھ میں کارڈ لیئر تھا۔

”Excuse me!“

وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر نانو کے ہاتھ سے کارڈ لیئر لے کر ڈائیٹنگ کی طرف چلی گئی تھی۔ شہلا اس کی دوست تھی اور وہ جانتی تھی کہ اب، وہ آٹھ گھنٹے سے پہلے وہ فارغ نہیں ہو پائے گی۔ شہلا کو بھی کالز کرنے کی عادت تھی اور آج تو بے بسی ایک ماہ کے بعد اس سے گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ کافی دیر تک فون پر اس سے باتیں کرتی رہی، اور جب فون بند کر کے واپس لاؤنج میں آئی تو عمر وہاں نہیں تھا۔ وہ نانو اور نانا کے ساتھ باتیں کرتی رہی، اور ان ہی سے اسے پتہ چلا کہ کسی دوست کے ساتھ بارگیا ہوا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ دیر تک نانا کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔ پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی عرب تک واپس نہیں آیا تھا۔

صبح دو بجے ابھی تھی جب وہ ناشتہ کے لئے آئی تو ساڑھے دس بج رہے تھے۔ نانا ساناس نے اسے بتایا تھا کہ نانو بارگیا ہیں۔ وہ نانو تو پہلے ہی اس وقت کلب میں ہوتے تھے۔ وہ ناشتہ کر رہی تھی جب عمر بھی وہاں آگیا۔ بلوہ ہائے کے بعد وہ بڑی بے تکلفی سے اس کے سامنے ہی چیئر کھینچ کر بیٹھ گیا تھا، اور خود بھی ناشتہ کرنے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ اس سے باتیں کر رہا تھا، اس کی مصروفیات کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ آسٹریلیا میں اس کی سرگرمیوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ ملیرہ نے نوٹ کیا کہ وہ پہلے کی نسبت بہت خوش مزاج ہو گیا تھا۔ پہلے کی طرح ریزہ ریزہ سامنے تھا۔ کافی دیر تک انکس میں دونوں میں گفتگو جاری رہی، پھر خانسان اس کے لئے جوس لے کر آگیا تھا۔ پہلی بار عمر نے بڑی صاف اردو میں اس سے کہا تھا۔

”مجھے ایک پیالے میں دہی لادیں مگر پہلے دیکھ لیں کہ کھانا ہو، اور کل میرے لئے پورنج بنائیں، اٹھ

فرانی مت کریں، ابال کر دے دیں۔“

اس نے خانسالاں کو ہدایات دیں کہ وہ کھانے اور پینے لگا تھا۔

وہ کچھ ہوش کی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ اس کی حیرانی مہیا پائی تھا۔ گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

”What happened?“ (کیا ہوا؟)

”آپ تو اردو بول سکتے ہیں!“

اس نے قدرے ششما کر کہا۔

”ہاں تو بول سکا ہوں، اس میں حیرانی والی بات کیا ہے؟“

اس نے ٹیبل پر اس کے جملے کا جواب اردو میں ہی دیا تھا۔

”میں سوچ رہی تھی کہ شاید آپ.....!“

وہ کچھ کھینائی ہو گئی تھی۔

”یہ کیوں سوچا تم نے، ماہر رہنے کا مطلب تو انہیں کہ بندے کو اپنی زبان بھی نہ آتی ہوگی۔“

”پہلے جب بھی آپ آیا کرتے تھے تو کبھی بھی اردو بولتے ہوئے نہیں دیکھا تھا آپ کو، اس لئے میں نے

سوچا.....!“

اس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی تھی عمر نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

”پہلے تم سے بھی اتنی لمبی چوڑی باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یہی عجیب چھوٹا تھا تب میں۔“

اس نے عمر کا چہرہ دیکھا تھا، وہ خاصا محفوظ نظر آ رہا تھا۔

”چنگی دفعہ جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تو بہت چھوٹی تھیں۔ میرا خیال ہے گیارہ، بارہ سال کی تھیں

اور اب تو.....!“

”But I must admit you are prettier now!“ (پہلے سے بہت زیادہ خوبصورت ہو

گئی ہو۔)

علیہ کے کال سرخ ہو گئے، اس نے سر جھکا لیا۔ عمر جہانگیر اسے بہت عجیب لگا تھا کہ اسے پہلے باکی کچھ زیادہ پسند نہیں آئی تھی۔

میں دوبارہ کبھی اکیلے اس کے پاس نہیں بیٹھوں گی اس نے نوٹس کھاتے ہوئے سوچا تھا۔ وہ ناشیہ ختم کرتے ہی اٹھ کر واپس اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہ کرسی کو لے کر لائونج میں بیٹھ گئی۔

عمر ناشیہ دیر سے کیا کرتا تھا اور پھر لڑائی نہیں کرتا تھا۔ شام کی چائے بھی وہ اپنے کمرے میں ہی پیتا تھا۔ البتہ رات کا کھانا سب کے ساتھ ہی کھاتا تھا۔ اس دن کے بعد وہ اس سے بہت پہلے ہی ناشیہ کر لیا کرتی تھی۔ اسے آہستہ آہستہ احساس ہونے لگا تھا کہ عمر جہانگیر کے گھر میں آنے کے بعد بہت کچھ بدل چکا تھا۔ اس کے بہت کم گھر والوں کے پاس موجود رہنے کا جو دور گھر میں بہت کچھ اس کی مرضی اور پسند سے ہو رہا تھا۔ نانا اور نانا کی زیادہ تر

گھنٹہ واسی کے بارے میں ہوتی۔ پہلے کی طرح وہ علیہ کے بارے میں اتنی باتیں نہیں کرتے تھے۔ کھانے کی ٹیبل پر زیادہ تر ڈنبر اس کی مرضی اور پسند کے مطابق بنتی تھیں۔ علیہ سے کھانے کے بارے میں رائے لیتا کم کر دیا گیا تھا۔ نانو ہر وقت اس کی صحت اور آرام کے بارے میں مگر مندر ہا کرتی تھیں، اور وہ جیسے گھر میں خانوای حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ یہ سب کچھ اس کے لئے نیا نہیں تھا۔

ہر سال جب بھی اس کے ماموں اور خالاؤں میں سے کسی کی ٹیبل وہاں آتی تھی وہ اسی طرح پس پشت چلی جایا کرتی تھی۔ تب نانا اور نانا کی توجہ صرف آنے والے لوگوں پر ہی مرکوز رہتی تھی مگر اسے یہ سب اتنا برا نہیں لگتا تھا، کیونکہ وہ لوگ صرف چند ہفتے ہی ٹھہرتے تھے۔ مگر عمر جہانگیر کو ابھی بہت عرصہ وہاں رہنا تھا، اور اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے بڑے آرام سے اس کی جگہ بھائی ہے۔

اس دن دوپہر کو کمرے کے بعد اس نے حسب معمول کرسی کو ڈھونڈنا شروع کیا تھا۔ وہ میز جیوں کے نیچے نہیں تھی۔ اس وقت وہ باہر لان میں بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی مخصوص جگہوں پر اسے پانے میں ناکام رہنے کے بعد اس نے اسے آواز دیں وہی شروع کر دی تھیں۔ مگر وہ نہیں آتی تھی۔

”نانا تو کرسی کہاں ہے؟“

وہ نانو کے کمرے میں چلی آئی تھی، وہ ابھی آرام کر رہی تھیں۔

”عمر کے کمرے میں دیکھو وہاں ہوگی۔“

انہوں نے اسے بتایا۔

”عمر کے کمرے میں..... لیکن کرسی تو کبھی کسی کے پاس نہیں جاتی.....“

اسے ان کی بات پر جیسے صدمہ رہا تھا۔

”ہاں! لیکن عمر کے ساتھ بہت اٹھ ہو گئی ہے۔ تمہارے بعد سارا دن اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ ابھی بھی وہی ہوگی۔“

نانو نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا تھا۔

وہ چپ چاپ ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔ اسے ابھی بھی ان کی بات پہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ کرسی اس کے علاوہ کسی اور کے پاس جا سکتی ہے۔ عمر کے کمرے کے دروازے پر اس نے کچھ چنگچکاتے ہوئے دستک دے دی تھی۔

”لیں آکم ان۔“

اندر سے فوراً ہی اس کی آواز ابھری تھی اور وہ دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

”کرسی یہاں تو.....“

اس نے بات اصراری چھوڑ دی۔ وہ سامنے ہی راگنگ چیر پر جمبول رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کتاب تھی اور دوسرا ہاتھ کرسی کو سہارا رہا تھا۔ وہ اس کی گود میں بیٹھی ہوئی تھی۔ علیہ کو دیکھ کر بھی کرسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھی رہی تھی۔ علیہ صدمہ اور مایوسی سے اسے دیکھتی رہی۔

بکڑے نیپیل کی دوسری طرف عمر کو دیکھا۔ وہ اپنی پلیٹ میں چاول نکال رہا تھا۔ نیپیل پر پڑی ہوئی ساری چیزیں یا تو عمر کی مرضی سے جتنی بھی خانا یا پھر ناواور نا نا کی۔ اس نے آسٹریلیا سے واپس آنے کے بعد پہلی فرانس کی تھی، اور..... بیک دم ہی اس کی ہجرت ہو گئی تھی۔

کچھ افسردگی سے اس نے دوبارہ ڈونگے پر ڈھکن رکھ دیا، اور جب اس نے چھچھ بھی رکھ دیا تو ناواور کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

”کیوں کیا ہوا، بہزنی نہیں لی؟“

وہ عمر کی کھینچ کر کھڑی ہو گئی۔ عمر نے اسے پہلی بار چوک کر دیکھا۔

”مجھے کھینچ نہیں ہے۔“

”یہ کیا حماقت ہے، ابھی تم کھانے کے لئے بیٹھی تھیں ابھی ہجرت ہو گئی ہے۔ بیٹھ جاؤ۔“

نانا نے اسے کہا تھا۔

”میں دودھ پی لیوں گی۔“

وہ چل پڑی تھی۔

”دودھ سے کیا ہوگا، عزیز! واپس آؤ تو تھوڑا سا ہی کھیں کھانا کھاؤ۔“

نانو نے اسے واپس بلانے کی کوشش کی تھی۔ وہ پیچھے مڑے بغیر ہی وہاں سے چلی گئی۔ عمر حیرانی سے اسے جاتے دیکھتا رہا تھا۔

”اسے کیا ہوا؟ کیا ناراض ہو کر گئی ہے؟“ اس نے ڈانٹ سے لٹکے ہوئے اپنے پیچھے عمر کی آواز سنی تھی۔

”نہیں عزیز! وہ کبھی ناراض نہیں ہوتی، اسے کبھی غصہ نہیں آتا۔ شاید ویسے ہی ہجرت ہو گئی تھی۔ میں ابھی پوچھوں گی جا کر۔“

نانو نے اس کے جانے کے بعد عمر سے کہا تھا۔

”کچھ دیر بہزنی کے ڈونگے کو دیکھتا رہا پھر کھانا کھانے لگا مگر اس کا ذہن الجھ چکا تھا۔“

نانو کھانے سے فارغ ہو کر سیدھا اس کے کمرے میں آئی تھیں، اور اسے لمبا چوڑا منچر دیا۔

”مجھے حیرانی ہو رہی ہے عزیز! اگر تم نے میری بات بھی نہیں سنی اور اس طرح اسٹھ کر باہر آ گئیں۔ کیا سوچ رہا ہوگا عمر کہ تم کتنی بدتمیز لڑکی ہو۔“

وہ واقعی خفا تھیں۔

”I am sorry.“ (مجھے افسوس ہے)

وہ ہلکے سے مسناتی۔

”اب اس کا کیا فائدہ، بہر حال آئندہ خیال رکھنا کہ ایک بار ڈانٹیں نیپیل پر آنے کے بعد اس طرح اسٹھ کر نہیں آتے۔ وہ بھی اس وقت جب سب کھانا کھا رہے ہوں۔ تمہارا دل کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا تم سلاو لئے لیتیں یا

”ہاں! کرسی میرے پاس ہے، جاؤ کرسی۔“

اس نے کرسی کو گودے میں اتار دیا، اور کرسی بٹھاتے ہوئے اس کی طرف آئے گی۔ عزیز کو ان دونوں پر بے تحاشا غصہ آیا تھا۔

”Just go to hell.“ (دفع ہو جاؤ)

اس نے بلند آواز میں کہا تھا اور زندگی میں پہلی دفعہ پوری قوت سے دروازہ بند کرتے ہوئے بھاگ آئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور شام تک کمرے سے باہر نہ نکلی تھی۔ شام تک اس کا غصہ تشویش میں بدل چکا تھا۔ وہ پریشان تھی کہ اگر عمر نے ناواور کو اس کی اس حرکت کے بارے میں بتا دیا تو وہ کیا سوچیں گی۔ اسے اپنی اس حرکت پر افسوس ہو رہا تھا۔ اسے خود کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس بات پر غصہ آیا تھا کرسی کے کسی اور کے پاس چلے جانے پر یا عمر کے پاس جانے پر، یا اس کو دیکھ کر بھی اس کے پاس نہ آنے پر، یا پھر عمر کے کہنے پر اس کے پاس آئے پر۔

جب وہ لاؤنچ میں آئی تو کرسی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ عزیز کو دیکھتے ہی اس نے اس کے پاس آنے کی کوشش کی تھی مگر عزیز نے اسے درستی سے اسے دور بٹھا دیا تھا۔

عمر رات کے کھانے کے لئے معمول کے مطابق اپنے کمرے سے آیا تھا۔ وہ جس بات پر غور ہوئی تھی ویسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح مسکرایا۔ پھر ویسے ہی کھانے کے دوران اسی طرح سب سے باتیں کرتا رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ وہ سر ہٹائے خاموشی سے کھانا کھاتی رہی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ اسٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ عزیز نے سکون کا سانس لیا تھا۔

اگلے چند دن بھی اسی طرح گزر گئے۔ عمر نے اس واقعہ کے بارے میں نانا، ناواور یا اسے کوئی بات نہیں کی تھی لیکن عزیز نے نوٹ کیا تھا کہ اس نے دوبارہ کرسی کو بلانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کرسی اس کے نظر آنے پر اگر اس کی طرف جانے کی کوشش کرتی بھی تو وہ اسے نظر انداز کر دیتا۔ اس کا مطلب تھا وہ اس کے ان دن کے غصے کی وجہ جان گیا تھا۔

”مریہ بابا! آج رات کے کھانے پر میرے لئے تھوڑی سی بہزنی بنالیں۔“

اس دن کا ٹی دنوں کے بعد عزیز نے رات کے کھانے کے لئے کوئی فرمائش کی تھی۔ رات کو کھانے کی ٹیبل پر اس نے بڑی خوشی کے ساتھ ڈونگے کا ڈھکن اٹھایا تھا ساتھ ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

”ناواور میں چکن کیوں ڈالا ہے، مریہ بابا نے۔ انہیں پتہ ہے میں ہمیشہ چکن کے بغیر ہی بہزنی کھاتی ہوں؟“

اس نے کچھ حیرانی کے عالم میں ناواور سے کہا تھا۔

”میں نے کہا تھا چکن ڈالنے کے لئے۔ میں عمر کو رات کے کھانے کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اس نے کہا کہ بہزنی بن رہی ہے تو چکن والی بنالیں میں بھی تھوڑی کھا لوں گا۔“ عزیز نے ڈونگے کا ڈھکن ہاتھ میں بکڑے

ناو نے اسے پیار سے جھڑکتے ہوئے اس کے گال چھوئے تھے۔ طلیہ نے کچھ کہنے کی بجائے میگزین اٹھایا اور وہاں سے واپس آگئی تھی۔ کچھ شرمندگی کے عالم میں وہ لان میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ چند منٹوں بعد اس نے قدموں کی چاب سنی تھی، عمر اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ کچھ جھنجھلائی، وہ قریب آکر ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔

”تم بہت بدو سے تم سے ایک بات کہنا چاہ رہا تھا بلکہ شاید بہت سی باتیں، مگر تم نظر انداز کر رہی تھی۔“
”مجھے یہ بتاؤ کہ مجھے تھناپن کیوں کرتی ہو؟“
وہ اس کے ساتھ ڈاکٹر کے سوال پر کچھ گڑبڑا گئی تھی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے؟“
وہ کھڑی ہو گئی تھی۔
”تم بیٹھ جاؤ ورنہ میں تمہیں پکڑ کے بٹھا دوں گا۔“
وہ پہلی بار بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ خود بھی کمزور ہو گیا تھا، وہ کچھ خشکی کے عالم میں سامنے بیٹھ گئی تھی۔
عمر نے درمیان میں پڑا ہوا شیل کھینچ کر اس کی طرف کر دیا اور پھر اپنی کرسی کھینچ کر سیدھا اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ وہ اس کے ساتھ قریب بیٹھا ہوا تھا کہ وہ درس ہو گئی۔

”ہاں! اب بتاؤ۔“
”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں آپ کو تھناپن نہیں کرتی ہوں۔“
”ویری گولڈن پھر تمہیں میرا یہاں رہنا اچھا کیوں نہیں لگ رہا؟“
”ایسا نہیں ہے۔“
”ایسا ہی ہے۔ اگر تم چاہو تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔“
”یہ سیر گھر نہیں ہے کہ میں یہاں سے کسی کو نکالوں۔“
وہ تاجاچے ہوئے بھی اپنی خشکی ظاہر کر رہی تھی۔

”دیکھو کچھ باتیں واضح کر دینا چاہتا ہوں، میں نہیں جانتا کہ میری وجہ سے اس گھر میں کوئی تناؤ آئے۔ یہ گھر تمہارا تھا، اور رہے گا۔ مجھے تو یہاں رہنا نہیں ہے۔ چند ماہ کے بعد میں یہاں سے واپس لندن چلا جاؤں گا۔ میرا یہاں قبضہ ہجانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، پھر میری کچھ باتیں نہیں آ رہا کہ تم کسی بات پہ اتنی ناراض ہو۔ شکایت کیا ہے تمہیں مجھ سے؟ میرا تو خیال تھا کہ میں خاصا بے ضرر آدمی ہوں۔“
”مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے، لیکن آپ گھر میں ہر چیز کو dominate کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سارا لکھنا آپ کی پسند کے مطابق بنتا ہے، ٹھیک ہے آپ مہمان ہیں لیکن جو چیز میں کرنا چاہتی ہوں اس میں تو کسی دوسرے کی مرضی.....“
عمر نے اس کی بات کاٹ کر دی۔

سویت ڈش لے لیتیں، مگر تمہیں وہیں بیٹھنا چاہیے تھا۔“
ناو اسے میز پر ڈی پی پٹی پڑھا رہی تھیں جو ہمیشہ سے ہی پڑھاتی آئی تھیں۔ وہ خاموشی سے ان کی بات سنتی رہی، اس کی رنجیدگی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔
”خود عمر نے ان سے میرے بارے میں کچھ کہا ہوگا۔“
وہ ان کی باتوں پر اس سے اور بدگمان ہوئی جا رہی تھی۔
”میں نے مرید سے کہہ دیا ہے وہ ابھی تمہیں دودھ میں اوڈین ملا کر دے جائے گا۔ اب مجھے کوئی اعتراض نہیں ملتا ہے۔“

ناو نے اٹھتے ہوئے اسے اطلاع دی تھی اور ساتھ ہی اس کے متوقع در عمل پر خبردار کر دیا تھا۔ وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ ناو کمرے سے نکل گئی تھیں وہ خاموشی سے بیڈ پر لیٹ گئی۔ عرصہ گیارہ آج اسے سب سے زیادہ برا لگ تھا۔ جو دودھ چھوٹی چھوٹی چیزیں اس کی مرضی سے ہوتی تھیں اب ان میں بھی اس کا عمل دخل ختم ہو گیا تھا۔ مرید بانیے کچھ پر بعد دودھ لا دیا تھا، اس نے خاموشی سے دودھ کا گلاس لے کر پی لیا۔ پھر دوسرے کے لئے لیٹ گئی تھی، لیکن سونے کی کوشش میں اسے بہت دیر لگی تھی۔

اگلے کچھ دن میں اس میں یہ تبدیلی آگئی تھی کہ اس نے عمر سے بات کرنا بند کر دیا تھا۔ وہ اس کی بات کے جواب میں وہ پہلے والی ہوں ہاں بھی نہیں کرتی تھی جب تک وہ باقاعدہ اس کا نام لے کر بات نہ کرتا۔
اس دن وہ لاؤنچ میں کارپنٹ پر فلور کسٹن کے سہارے فٹھی کی میگزین دیکھ رہی تھی۔ جب ہی اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا اس نے احتیاط سے ناو کا سوڈا کینے کی کوشش کی تھی پھر دوسرے کی کوشش کی تھی۔

”ناو! ایک بات پوچھوں؟“

اس نے ہولے سے کہا تھا۔

”ہاں! پوچھو۔“

وہ اخبار میں غرق تھیں۔

”یہ عرصہ اب تک کب جائے گا؟“

اس نے کافی احتیاط سے لفظوں کا انتخاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

”بہت جلد، مائی ڈیر کزن بہت جلد!“

سوال کا جواب کہیں اور سے ملا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر بالکل سکت بیٹھی اسے سوال کا کوئی بہانہ سوچنے لگی۔
اب وہ اس کی پشت سے ہو کر اس کے بالکل سامنے آ کر ناو کے ساتھ صوف پر بیٹھ گیا تھا۔

”ٹھیک آج جب چاہیں مجھے نکال دیں یہاں سے۔“

اس نے طلیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

”فضول باتیں مت کرو، کوئی نہیں نکال رہا تمہیں یہاں سے۔ تمہاری وجہ سے تو روٹن ہو گئی ہے گھر میں۔“

”تم اس دن ڈن ڈن والے واقعہ کی بات کر رہی ہو۔ ٹھیک ہے میں آئندہ ایسی کوئی مداخلت نہیں کروں گا، اور کوئی اعتراض؟“

”تمہیں اور کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

وہ اب واقعی شرمندہ ہوئے گئی تھی۔

”بس ٹھیک ہے، آئندہ تم اپنا موڈ میری وجہ سے خراب مت کرنا، اور اگر میری کوئی بات بری لگے تو بس مجھ سے آکر کہہ دینا۔“

عمر نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ علیزہ نے جھپٹتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا تھا۔ عمر نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا بلکہ خود بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے قدم بڑھا دیے تھے۔

”اب تمہاری ناراضگی دور ہو گئی ہے، اس لئے تمہیں کوئی اچھی سی چیز دوں گا۔“

وہ کئی ننھے ننھے کی طرح اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اندر لے گیا تھا۔ تاوانا بھی لاڈلج میں بھیجی تھیں۔

”گرہنی! میں اور علیزہ بہت اچھے دوست بن گئے ہیں۔ میں علیزہ کے لئے کچھ لایا ہوں۔“

اس نے اندر آتی ہی اعلان کیا تھا، وہ اسے اسی طرح ہاتھ پکڑے اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔

کمرے میں داخل ہونے کے بعد عمر نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

”گرہنی نے بتایا تھا، تمہیں پرفیومز بہت اچھے لگتے ہیں۔ تمہارے اور میرے درمیان پہلی کان کن چیز ہے۔ مجھے بھی پرفیومز بہت پسند ہیں۔“

وہ اس کی طرف پشت کئے ڈرائنگ ٹیبل کی دروازہ کھول کر کچھ تلاش کرتے ہوئے بول رہا تھا۔ علیزہ کی نظریں ڈرائنگ ٹیبل پر مرکوز تھیں۔ جہاں پر پرفیومز کا ایک ڈیسر موجود تھا۔ وہ بے اختیار کچھ آگے بڑھ آئی تھی۔

”عام طور پر مرد بھی عورتوں کے پرفیومز استعمال کرتا پسند نہیں کرتے مگر میں زبردہ پرفیوم خرید لیتا ہوں جو مجھے پسند ہو۔ چاہے وہ خواتین کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ استعمال کروں یا نہ کروں لیکن پاس رکھنے میں کیا حرج ہے۔“

اس سے باتیں کرتے ہوئے اس کی تلاش ابھی جاری تھی۔ پھر جیسے اسے وہ چیز مل گئی تھی۔ وہ سیدھا ہونے کے بعد اس کی طرف سزا علیزہ نے اس کے ہاتھ میں Chanel 5 کی ایک پیکیٹ پیش کر دی تھی۔

مسکراتے ہوئے اس نے ہاتھ علیزہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔

”یہ تمہارے لئے ہے۔“

علیزہ نے کچھ حیران سے اسے دیکھا تھا۔

”میرے لئے؟“

اس نے سوالیہ لہجہ میں پوچھا۔

”ہاں دوستی کرنے کے لئے اس سے اچھا کھٹ تو کوئی نہیں ہو سکتا، اور میں اپنے فریڈ کو ہمیشہ پرفیومز کی گفٹ کرتا ہوں۔“

وہ ہاتھ بڑھا کر کھڑا ہوا۔ علیزہ نے ایک بار پھر اس کے ہاتھ کو دیکھا، وہ کچھ جھجک گئی تھی۔

”Just take it!“

عمر نے ایک بار پھر اس سے کہا تھا۔

”مگر میں.....“

اس نے کہنے کی کوشش کی تھی مگر عمر نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

”اگر مگر کرنے کی ضرورت نہیں بس یہ لے لو۔“

اس نے بڑے مستحکم لہجہ میں کہا تھا۔

کچھ جھجکتے ہوئے اس نے عمر کے ہاتھ سے پرفیوم پکڑ لیا تھا۔

”مجھے یہ تو نہیں پتا کہ تمہارا فیورٹ پرفیوم کونسا ہے مگر مجھے بہت اچھا لگتا ہے، اگر کوئی لڑکی یہ پرفیوم استعمال کرے۔ ویسے تمہیں کونسا پرفیوم پسند ہے۔“

اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

”مجھے دوسرے پرفیوم پسند ہیں بول لو کہ لے لے رہے ہیں۔“

اس کی اس بات پر عمر ایک دم کھٹکھٹا کر فیس پڑا۔

”گڈ تمہارے اور میرے درمیان یہ دوسری کان کن چیز ہے۔ پھر تو تمہیں شہنل 5 کے بجائے 212 Men دینا چاہئے تھا۔“

اس نے ایک دوسرے پرفیوم کا نام لیتے ہوئے کہا تھا۔

”تمہیں مجھے Eternity اور Joy زیادہ پسند ہیں۔“

علیزہ نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

”اور مجھے Baby Doll اور Ripple“

عمر نے اپنی پسند بتائی تھی۔ علیزہ کو یک دم اس میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔

”عمر اتنا برا نہیں ہے جتنا میں سمجھتی تھی۔ وہ اچھا ہے۔“

اس نے فوراً نتیجہ اخذ کر لیا تھا۔

”کیا میں یہ پرفیوم دیکھ لوں؟“

اس نے ہاتھ سے ڈرائنگ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

”Sure why not?“ (ہاں، کیوں نہیں۔)

عمر نے دوستانہ انداز میں کہا اور ڈرائنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

وہ بڑے تجسس انداز میں ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ پرفومز کا انبار دیکھ کر اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کونسا پرفوم پہنچا اٹھا کر دیکھے۔ اس نے سب سے پہلے سب سے چھوٹی شیشی اٹھائی۔ وہ White Linen تھا۔ وہ باری باری ہر شیشی اٹھا کر دیکھتی رہی۔ کچھ پرفومز بالکل استعمال نہیں کئے گئے تھے۔

”میں ہر ماہ کچھ اور خریدوں یا نہ خریدوں لیکن پرفومز ضرور خریدتا ہوں۔ ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔“

وہ پاس کھڑا ہوتا رہا تھا۔

”لیکن آپ پرفومز زیادہ استعمال تو نہیں کرتے۔“

علیظہ نے ایک پرفوم ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

”دن میں نہیں لگاتا، رات میں لگاتا ہوں۔“

علیظہ نے اس کے جواب پر کچھ حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

”سو نے سے پہلے۔“

وہ اس کی حیرانی کی وجہ سے ہنس جان گیا۔

”کیوں؟“

وہ کچھ اور ہی ابھی تھی۔

”دن کے وقت آپ اتنے بہت سے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں کہ پرفوم انجوائے نہیں کر سکتے۔ ہمارا

دھیان دوسری چیزوں کی طرف ہوتا ہے۔ ہاں رات کو آپ کسی بھی پرفوم کی مہک کو بہت اچھی طرح انجوائے کر سکتے

ہیں۔ کیونکہ آپ کسی بھی مہک کو اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں۔ اس وقت senses بہت شارپ ہوتی ہیں۔“

علیظہ نے بہت توجہ سے اس کی فلاسفی سنی اب وہ اسے خود کچھ پرفوم دکھا رہا تھا۔ پھر اس نے ایک چھوٹی سی

بوتل اٹھائی تھی۔ اس کی طرف وہ بوتل بوجھتا ہوا اسے کہا تھا یہ Enigma ہے۔ اس ٹیبل پر سب سے قیمتی

چیز Extracted Essence ہے۔ یہ پیپا نے گفٹ کیا تھا، ورنہ میں اسے افورڈ نہیں کر سکتا۔ بہت اعتیاد سے

میں اسے استعمال کرتا ہوں تاکہ یہ جلدی ختم نہ ہو۔“

علیظہ کی توجہ اس شیشی پر مرکوز تھی۔ اسے ہاتھ میں لے کر اس نے خوشبو کو محسوس کرنے کی کوشش کی تھی۔

سائنس اندر سمجھتی ہی اس نے اپنے اندر ایک عجیب سی تازگی محسوس کی۔

”Exotic“ علیظہ نے بے اختیار کہا تھا۔

اس کے ریمارکس پر عمر کی آنکھوں کی پتک بڑھ گئی تھی۔ علیظہ نے ایک دو بار سو گھٹنے کے بعد اس چھوٹی سی

شیشی بند کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ نہیں جانتی کیا ہوا تھا مگر شیشی ایک دم اس کے ہاتھوں سے ٹکل گئی تھی، اس کے

ہاتھ میں صرف دھکن رہ گیا تھا۔ ایک ٹاپے میں شیشی ڈریسنگ ٹیبل پر گر گئی اور پھر وہاں سے اچھل کر نیچے کارپٹ

پر گر گئی۔ علیظہ نے بے اختیار اسے پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اس کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ سکہ یک دم تیز

فوشبو سے بھر گیا۔ علیظہ نے مایوسی سے شیشی اٹھائی تھی۔ اس میں اب صرف چند قطرے باقی تھے۔ اس نے شرمندگی

سے عمر کو سزا اٹھا کر دیکھا۔

”چھینٹ کیسے.....“ اس کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ بات کیسے مکمل کرے۔

وہ چند لمبے خاموشی سے اسے چہرہ دیکھتا رہا، اور پھر اس نے سکون سے ہاتھ بوجھا کر اس سے شیشی اور

دھکن لے لیا تھا۔

”it's alright.“

”یقینی تھا مگر میرا فورٹ نہیں۔“

علیظہ اس کی اس بات پر ایک دم اضطراب کا شکار ہو گئی تھی۔

”I am sorry، میری وجہ سے.....!“

اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی مگر مگر کی حرکت نے اسے ہکا بکا کر دیا تھا۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے

ایک اور پرفوم اٹھایا اور دیوار پر کھینچ مارا۔ شیشی ٹوٹنے ہی کرہ ایک بار پھر تیز خوشبو سے بھر گیا تھا۔

”چیزیں ٹوٹنے کے لئے ہی ہوتی ہیں، اور بعض دفعہ تو چیزیں توڑنے میں مزہ آتا ہے۔ بے نا علیظہ! آؤ

ایک ایک پرفوم اور توڑیں۔“

اس نے پرسکون انداز میں کہتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل سے دو پرفوم اٹھائے اور ایک اس کی طرف بوجھا

دیا۔ وہ جیسے کرنٹ کھا کر چیخے ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

”آپ بہت عجیب ہیں۔“

اس نے کچھ بے چین ہو کر عمر سے کہا تھا۔

”اس کو میں کیا سمجھوں، Comment یا compliment“ (تعریف یا تبصرہ)

عمر کا اطمینان برقرار تھا۔ وہ یک دم بہت الجھ گئی تھی۔ عمر نے دونوں پرفوم ایک بار پھر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ

دئے، اور پھر ایک اور پرفوم اٹھا کر اس کی طرف بوجھا Ecstasy میں یہ تب لگتا ہوں جب خود کو بہت اکیلا

محسوس کرتا ہوں۔“

اس نے سلسلہ وہیں سے جوڑنے کی کوشش کی تھی، جہاں سے ٹوٹا تھا۔ علیظہ نے ہاتھ نہیں بوجھایا۔ وہ اب

اس کمرے سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ وہاں اس کی ساری دلچسپی یک دم ختم ہو گئی تھی۔

”یہ پرفوم نہیں دیکھنا چاہتیں؟“

عمر نے بڑے دوستانہ انداز میں پوچھا۔ علیظہ نے نفی میں سر ہلادیا۔ عمر نے اس کی آنکھوں میں ابھرتی ہوئی

نی کو دیکھ لیا تھا، اور کمال مہارت سے نظر انداز کر دیا تھا۔ Chanel 5 کی بوتل اٹھا کر اس نے دھکن اتارا تھا

اور پھر بڑے آرام سے علیظہ کے بالوں پر اس نے اسپرے کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بے اختیار ایک دم چیخے ہوئی تھی۔

اسے اپنی گردن اور بالوں پر نمی محسوس ہوئی۔

”یہ پرفوم دنیا کی سب سے اچھی اور precious (مکمل) لڑکیوں کے لئے ہوتا ہے، اور علیظہ میرا

خیال ہے، تم ان میں لڑکیوں میں شامل ہو۔“

اس نے سائین کو پریس کرنا چھوڑ دیا۔ ڈسکن بند کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر پرفیوم ٹیبل پر رکھ دیا۔
علیزہ کی سمجھ میں ہی نہیں آیا وہ کس قسم کا رد عمل ظاہر کرے، عمر بہت عجیب قسم کا تھا۔ اس نے 5 channel اٹھا کر باہر
گھٹنا چاٹا تھا۔

”اب تو تم ناراض نہیں ہونا؟“

علیزہ نے اپنے پیچھے عمر کی آواز سنی تھی۔ اس نے مڑ کر عمر کو دیکھا تھا۔ وہ وہیں ڈرائنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا
مسکرا رہا تھا۔

علیزہ نے کچھ کہنے کی بجائے صرف سر ہلا دیا۔ عمر کی مسکراہٹ کی دلکشی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"So Aleezah we are friends, and true friends are friends for ever."

(تو علیزہ ہم دوست ہیں اور سچے دوست ہمیشہ دوست رہتے ہیں۔)

علیزہ نے اسے کہتے ہوئے سنا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی ایک مسکراہٹ نمودار ہو گئی تھی۔



باب ۳

کمرے کا دروازہ یک دم کھل گیا تھا۔ وہ یک دم ہڑبوا گئی تھی، اور کمرہ ایک بار پھر اس وجود سے خالی ہو گیا تھا۔
”علیزہ لی بی! مجھے پیگم صابن نے بھیجا ہے۔ وہ کہہ رہی ہیں، کمرے کی سینگ بدلتی ہے۔ تو مجھے بتا دیں،
میں چیزیں اٹھا کر ادھر کر دوں گا۔“

ملازم نے اس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا تھا۔ وہ کچھ دیر خالی الذہن کی کیفیت میں اسے دیکھتی رہی، پھر
جیسے وہ اپنے حواس میں آگئی۔ اس نے پرفیوم کو ڈرائنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

”ہاں میں کچھ چیزیں ادھر کر دونا چاہتی ہوں، مگر پہلے تم انٹور روم میں جا کر وہ پردے نکالو جو پچھلے ماہ
تم نے یہاں سے اتارے تھے۔“

علیزہ نے اسے ہدایات دینا شروع کر دیا تھا۔

”وہ نیلے والے!“

ملازم نے علیزہ سے پوچھا تھا۔

”ہاں! وہی والے، اور دیکھو وہ نیلیم ہی لے آؤ۔“

ملازم نے اس کی ہدایات پر سر ہلاتا شروع کر دیا۔ وہ وہاں مڑ رہا تھا جب علیزہ نے ایک بار پھر اسے روکا۔

”اچھا دیکھو، واپس آؤ تو ساتھ حاکم کو بھی لینے آنا۔ میں چاہتی ہوں کہ کمرہ جلدی صاف ہو جائے۔“

اس نے ملازم کو روک کر اسے مزید ہدایات دی تھیں۔

”جی ٹھیک ہے!“

ملازم کمرے سے نکل گیا تھا۔

وہ ایک بار پھر کمرے کا جائزہ لینے لگی تھی۔ کمرے میں بہت سے ان ڈور پائٹس رکھے ہوئے تھے، اور یہ

سب عمر کی چوائس تھے۔ اسے جن چند چیزوں میں دلچسپی تھی، ان میں غائبانی بھی تھی۔ وہ جتنا عمر سے وہاں رہا تھا اس

نے کھڑکوا پنی پسند کے ان ڈور پائٹس سے بھر دیا تھا۔ مینے میں ایک دن وہ ان سب پودوں کو لے کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔

ان کی تراش فراش کرتا، ان میں کھارڈا لیا، ان پر دواؤں کا سپرے کرتا اور اپنے کمرے میں ان کی جگہ بدلتا رہتا۔ اس کے جانے کے بعد یہ کام علیزہ نے سنبھال لیا تھا۔
 ”ان پائٹس کو باہر لان میں لے آؤ۔“

ملازم جب پردے لے آیا تھا تو علیزہ نے اسے ایک نئی ذمہ داری سونپ دی تھی۔ وہ خود بھی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ ملازم باری باری سارے پائٹس باہر لے آیا۔ علیزہ نے پودوں کو دیکھنا شروع کر دیا، اس نے ان کی کنٹینر شروع کر دی تھی۔ وہ نئی پائٹس کو دیکھ رہی تھی چند چھوٹی شانیں تنگ ہو کر لنگ رہی تھیں، اس نے اسے چھانٹنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بڑی احتیاط سے تیل کی شاخوں اور پتوں کو کاٹ رہی تھی۔ صرف ایک لمحہ کے لئے اس کا دھیان کہیں اور گیا تنگ شاخ کے ساتھ ایک ہری بھری شاخ بھی کٹ گئی تھی۔ وہ ایک دم ساکت ہو گئی تھی۔
 ”کوئی بات نہیں۔ ایسا ہو جاتا ہے۔ تم دیکھا، اب یہ بہت تیزی سے بڑھے گا اور پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو جائے گا۔ مجھ سے جب بھی کوئی پائٹ اس طرح کٹتا ہے پھر وہ پہلے سے بہت اچھا ہو جاتا ہے۔“



باب ۴

وہ پرفیوم اپنے کمرے میں رکھ کر لاؤنج میں آگئی تھی۔ وہ پہلے ہی نانو کے پاس موجود تھا۔ نانو اسے دیکھ کر مسکرائے گئی تھیں۔

”عمر نے کون سا گفٹ دیا ہے تمہیں؟“

انہوں نے علیزہ کو دیکھتے ہی پوچھا تھا۔

وہ مدہمی مسکراہٹ کے ساتھ ان کے پاس صوفہ پر بیٹھ گئی۔

”انہوں نے آپ کو کیا نہیں؟“

اس نے عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا، جودہ لکھی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”نہیں! وہ کہہ رہا تھا کہ یہ ایک نیکرٹ ہے، مگر علیزہ آپ کو بتا سکتی ہے۔“

نانو نے بتایا تھا۔ علیزہ نے ایک بار پھر اسے دیکھا تھا۔

”فائل!۔۔۔“

اس نے آہستہ آواز میں بتایا تھا۔

”کونسا پرفیوم؟“

نانو کو کونسا ہوا۔

”Chanel 5“

”تمہارا لیڈرٹ پرفیوم۔ کیوں عمر! تمہیں کیسے پتا چلا، کہ علیزہ کو پرفیوم سب سے زیادہ پسند ہے؟“

نانو نے عمر سے پوچھا۔

عمر نے اسے دیکھا تھا وہ نظریں چرا گئی تھی۔

”میں ہر چیز کا پتا ہوتا ہے۔“

اس نے ایک جھٹلے میں جواب دیا تھا۔

”انگی بارش علیہ کو Joy دوں گا اور اس کے بعد“ Eternity“
چند لمحوں کے بعد اس نے اپنا پروگرام بتایا تھا۔

علیہ نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ ٹانگوں کی رہا تھا، اس طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔

”کیا یہ.....؟“

اور وہ آگے نہیں سوچ سکی تھی۔

نانو نے اسے مخاطب کیا تھا۔

”دیکھو علیہ عمر نے کتنی لمبی پلاننگ کر لی ہے۔ جنہیں بھی اسے کچھ دینا چاہئے۔“

وہ ٹانگوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”مجھے کیا دینا چاہئے؟“

اس نے اٹھتے ہوئے انداز میں ٹانو سے پوچھا تھا۔

”بھئی یہ تو جنہیں سوچنا چاہئے۔“

انہوں نے اپنا دامن چھڑا لیا تھا۔

”گفٹ ہمیشہ بڑوں سے لیتے ہیں، چھوٹوں سے نہیں اور علیہ مجھ سے چھوٹی ہے۔“

عمر نے بڑی مہارت سے بات چلی تھی۔

”ہاں! مجھے مگر کوئی گفٹ دینا ہی چاہئے تو گریڈ پانچ آپ ہی دے دیں۔ کیونکہ آپ مجھ سے بڑے ہیں۔“

”کیا گفٹ چاہئے؟“

ٹانگوں کی ایک دم دلچسپی محسوس ہوئی تھی۔

”کوئی بھی اچھی چیز، Armani کا سوٹ، ڈسکم کی جھڑ، کرکٹن ڈی اور کی مگزی، یا پھر Play Boy اور Lomani کے رفوشر۔“

اس نے ایک لمبی لمٹ مٹائی تھی۔

”اس سے بہتر نہیں کر سکتی ہیں چیک کاٹ کر دے دوں۔“

”ہاں یہ زیادہ بہتر آئیڈیا ہے۔ آپ بہت Innovative (جدت پسند) ہیں۔“

عمر نے شرارتی انداز میں کہا تھا علیہ خاموشی سے ان کی ٹونگ جھونک رہی تھی۔

نانو بہت سنجیدہ حرائج تھیں۔ وہ بہت زیادہ نہیں بولی تھیں۔ مگر جب سے عمر آیا تھا تب سے کچھ بدل گیا تھا۔ وہ

اب آنکھ قبضہ لگانے کی نہیں مہربان تھا، اور اس کی حس مزاج بہت اچھی تھی۔ وہ قدرت کوئی نہ کوئی بات

ضرور کر دیتا تھا جو ان کو قبضہ لگانے پر مجبور کر دیتی تھی۔ ٹانو عام دنوں میں صرف ضرورت کے وقت ہی بولی تھیں، لیکن

جن دنوں ان کے بچوں میں سے کوئی ان کے پاس رہے آتا تو پھر ان دنوں وہ بہت خوش بھرا کرتی تھیں۔ مگر عمر کی آمد

نے تو جیسے اس خوشی کو دو بالا کر دیا تھا۔ کسی اور کے آنے پر ٹانو اور نانو میں اتنی تبدیلیاں کبھی نہیں آئی تھیں، جتنی عمر کے آنے پر آگئی تھیں۔

اس وقت بھی نانو کا موڈ ہی دیکھ رہی تھی۔ ٹانو اب عمر کی باتوں پر بے تماشائیں رہی تھیں۔ وہ انہیں اپنے کسی دوست کا قصہ سنا رہا تھا۔ علیہ کا دھیان لگن اور ہی تھا۔

”کیا میری کسی بات پر ٹانو اس طرح سے ہنس سکتی ہیں؟“

اس نے سوچنے کی کوشش کی تھی اور باپوسی سے غیر محسوس انداز میں سر کو جھٹک دیا تھا۔

”نہیں، میری کسی بات پر تو یہ کبھی اس طرح نہیں ہنس سکتیں۔ بلکہ یہ تو مجھے بھی کبھی نہیں کہیں کہ میں بھی

بلند آواز میں نہ ہنسوں۔“

اس نے سوچا تھا۔

”کیا میں کبھی عمر کی طرح.....!“

ایک بار پھر اس نے سوچنے کی کوشش کی تھی۔ ایک بار پھر اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا۔

”علیہ! تمہارے کتنے فریڈز ہیں؟“

عمر نے اس سے پوچھا تھا۔

”کتنے؟“

وہ اس کے سوال پر کچھ حیران ہوئی تھی۔ چند لمحوں تک اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔

”جلدی کتنی کر اور مجھے بتاؤ۔“

عمر نے اس کی خاموشی سے خود ہی نتیجہ اخذ کر لیا تھا۔

”کیسا کتنی کروں؟“

وہ کچھ اور حیران ہوئی تھی۔

”بھئی فریڈز ز اور کیا۔“

عمر نے کہا تھا۔

”میری صرف ایک فریڈ ہے۔“

”I can't believe it! لاڑکیوں کی کم از کم ایک دوست تو نہیں ہو سکتی۔“

عمر کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا، اور علیہ اس کے چہرے کے تاثرات سے جھنجھلا گئی تھی۔

”ایسا لاڑکیوں کی لڑکوں سے زیادہ سوشل ہوتی ہیں، اور ظاہر ہے پھر فریڈز تو بننا ہی ہوتے ہیں۔“

عمر کو فوراً ہی اس کی ہنگامی کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے سنبھل کر ایک لالچ پیش کی۔

”میں بہت زیادہ سوشل نہیں ہوں۔“

اس نے جیسے جتنا تھا۔

اس نے ہانکواطلاع دی کہ مجھ کو لاؤنچ سے نکل جائیگا۔ اس کے جانے کے کچھ دیر بعد وہ باہر لان میں نکل آئی تھی۔ لان کے ایک کونے میں بیٹھ کر کچھ دیر پہلے کے واقعات کے بارے میں سوچنے لگی۔ وہ عمر کے بارے میں کوئی حتمی اندازہ نہیں لگا پا رہی تھی۔ وہ سمجھنے سے عاجز تھی کہ واقعی ان شخص سے جتنا نظر آ رہا ہے۔ یا پھر اس کے اندازے ٹھیک ہیں۔ وہ عمر کو کچھ نہیں پارتی تھی اس کی شخصیت مزید وہ کوہر تھی جب تک اس کے موزوں نگہری کی سوسیاں سے زیادہ تیز رفتاری سے بدلتے تھے۔ وہ جب بھی اپنے کمرے سے نکل کے لاؤنچ میں آتا تو مغرب میں بیٹھ زندگی کی ایک لہر دوڑ جاتی تھی تاہم، نالو سے لے کر ملازموں تک ہر کوئی اسے پسند کرتا تھا اور اس کی پسند پسند کا خیال رکھتا تھا۔ اس کے پاس یقیناً کسی ایسی خوش بختی جس سے وہ دوسروں کو ہار کر دیوہ یا نینا لیتا تھا۔ عمر مزید وہ ایک ایسی ہی تھی جس کے بارے میں بہت بحثا تھا۔ اسے آخری عمر پر تلوم دینے کی کیا ضرورت تھی، وہ ایسی سوچ رہی تھی۔

”اس کا خیال ہو گا کہ میں گفٹ کے گرض ہو جاؤں گی، اور باقی باتوں کی طرح وہ مجھ پر بھی قبضہ کر لے گا۔“

”.....“

وہ اب الجھن میں گرفتار ہو گئی تھی گرفت کے بارے میں کیا سوچے۔
 ”کیا میں اسے گرفت لے کر ٹھیک کیا جاؤں؟ میری غلطی تھی؟“
 وہ ابھی تک سوچوں میں گم تھی۔ بہت دیر تک سوچوں میں گم رہنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا۔
 ”نہیں! مجھے گفٹ واپس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ پھر توفان ہو سکتی ہیں۔“
 اسے خیال آیا تھا۔
 ”مگر میں اب دوبارہ اسے کوئی گفٹ نہیں لوں گی کیونکہ مجھے اس سے دوستی نہیں کرنا ہے۔“
 اس نے ہلکا خرٹے کر لیا۔

چند دنوں بعد جب عمر نے اسے ایک اور پرنسوم دیا تو وہ انکار نہ کر سکی، اور پھر یہ ایک روشن بین مہنگی جی وہ جب بھی گھر سے باہر کی کام کے لئے جاتا اس کے لئے کچھ نہ کھاتا رہتا۔ بعض دفعہ یہ بڑی معمولی چیزیں جوتی تھیں۔ مثلاً آٹنی کریم کا ایک کپ، ایک بومز، چند کپ کا ایک پیٹ، کبھی لیڈ پینڈ، کبھی ڈال۔ وہ ہر بار یہ لے کر پٹی کے اگلی بار اس سے کچھ نہیں لے گی مگر اگلی بار خاموشی سے اس کا کٹ لے لیتی۔ وہ اسے ہر چیز کٹ کر کھیر دیتا تھا۔

”علیہ! میں تمہارے لئے ایک کٹ لایا ہوں۔ I swear، (میں قسم کھا کر کہتا ہوں) ایک کٹ تمہیں پہننے کی کسی لے نہیں دیا ہوگا، تمہیں کیا کسی نے بھی کی کوئیں دیا ہوگا۔“

وہ باہر سے آئے نہ کہتا اور وہ تجسس ہو جاتی۔

”اور یہ گفت سے ایک عدد بھڑ۔“

نانوں نے کچھ قتل ہو کر توجہ پیش کی۔
 "What do you mean?"
 وہ کچھ حیران ہو گیا تھا۔
 "کون کون، بس وہی ہے..... اصل میں علیزہ کو زیادہ لوگوں میں کس اپ ہونا چاہتا نہیں لگتا۔"
 نانوں نے بات کچھ بدلنے کی کوشش کی تھی۔
 "نہیں مگر ایک دوست قربت کم ہے۔"
 وہ اب بھی حیران تھا علیزہ کو اپنا آپ اس طرح سے زیر بحث لانا انہیں نہیں لگتا تھا۔
 "ہر ایک کی اپنی چرائس ہوتی ہے، مجھے اچھا لگتا ہے کہ میری بس ایک ہی فریڈ ہو تو اس میں عجیب بات
 کون سی ہے؟"

اس بار علیہ نے دو کے اعزاز میں عمر سے کہا تھا۔ وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کو تیار نہ تھا۔ شاید وہ اس تاثرات سے اس کی اندرونی کیفیت سمجھ گیا تھا۔ علیہ کو چاہنا کہ اپنے لہجے کے کھر دے یہاں کا احساس ہوا تھا اسے کچھ نہامتی محسوس ہوئی۔

”ابھی ابھی اس نے مجھے اتنا قیمتی پرغلام دیا ہے اور میں پھر بھی اس کے ساتھ اس طرح کر رہی ہوں۔“

اس نے جیسے اپنے آپ کو یاد دہانی کروانے کی کوشش کی تھی۔

”بھئی فریڈ بہت اچھی ہے۔ وہ اسکول سے میری فریڈ ہے، اس کے علاوہ اور کوئی مجھے اچھا نہیں لگا، بس اسی لئے مجھے میری ایک ہی فریڈ ہے۔“

اس نے جیسے عمر کی ترقی کرنے کی کوشش کی اس بار اس کا لہجہ کمزور تھا۔

”کیا آپ کے بہت سے فریڈز ہیں؟“

اس نے صرف موضوع بدلنے کے لئے پوچھا تھا۔

”ہاں! میرے بہت سے فریڈز ہیں۔ مجھے فریڈز بنانا بہت اچھا لگتا ہے۔ جیسے آج میں نے تم کو اپنی فریڈ بنایا۔“

عمر نے خوشگوار لہجہ میں اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا تھا۔
 ”فرغِ روزِ زیادہ ہوں تو زیادہ مزہ آتا ہے۔“
 ”may be.“ (ممکن ہے)

مرنے اے بھگیا۔

”میں پائش کے بارے میں کچھ نہیں جانتی، اس لیے صحیح رائے دینا تو بہت مشکل ہے۔ آپ کو نانو سے پوچھنا چاہئے، آپ کو زیادہ بھتر طریقے سے بتا سکتی ہیں کہ یہ پائش کیسے ہیں؟“

اس نے مرے کہا۔

”میں حیران ہوں کہ تمہیں گاؤں تک سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تمہیں بچرے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

”نہیں، ایسا نہیں ہے مجھے بچر کو ٹریک کرتی ہے گاؤں تک نہیں۔“

اس نے جیسے غلطی طور پر اسے بتایا تھا۔

”یہ پائش کہاں سے لائے ہو؟“

ناوای وقت لاؤنچ میں آئی تھیں۔

”قدانی میڈیم سے۔ آپ تائیں کیسے کہتے ہیں۔“

اس نے فوراً نانو سے رائے لینے کی کوشش کی تھی۔

”اچھے ہیں، بہت اچھے ہیں، مگر قیمت کیا ہے ان کی؟“

نانو نے فوراً تعریف کی تھی مگر ساتھ ہی سوال بھی داغ دیا تھا۔

مرے نے انڈور پائش کی قیمت بتائی تھی۔

”تمہیں زیادہ بچے دے دیئے ہیں ان لوگوں نے، ان کو پتہ چل گیا ہوگا کہ تم بہت دیر کے بعد یہاں ہو رہے ہو انہوں نے تم سے دوگنی قیمت وصول کی ہے۔“

نانو نے قدرے افسوس سے کہا تھا۔

”کیونکہ یہی بات ہے کہ گرنی! ایسا پہلی بار نہیں ہوا۔ یہ یہاں کا بچر ہے۔ وہ کہتے ہیں Make hay

while the sun shines.“

اس نے بہت عجیب سے لہجہ میں کہا تھا۔ علیحدہ نے کچھ چونک کر اسے دیکھا وہ اب بھی بول رہا تھا۔

”یہاں سب کچھ بہت خراب ہے، جو سو روپے کی کرنشن کر سکا ہے وہ سو روپے کی کرنشن کرتا ہے اور دو رو

روپے کی کرنشن کر سکا ہے وہ دو روپے کی کرنشن کرتا ہے، لیکن ان سب چیزوں سے آپ بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ ایک

روپے کی چیز میں خرید کر کم از کم یہ تو پتہ چل جاتا ہے کہ دوسرا ایسے فائدہ کے لئے کسی حد تک جا سکتا ہے۔“

وہ پہلی بار اس طرح باتیں کرتا تھا۔ ورنہ پہلے علیحدہ نے ہمیشہ اسے صرف ٹوٹی سرکوں ٹوٹی ٹینک جام کے

بارے میں بولتے سنا تھا۔

”تم جوائن کرو گے ماسٹر سر، تو پھر تم جینچ لاؤ، ان چیزوں میں جن پر تمہیں اعتراض ہے۔“

نانو نے اس سے کہا تھا۔

اور وہ کاغذ میں لپٹا ہوا ایک عدد بھڑاس کی طرف بڑھا دیتا۔

”علیحدہ آج میں تمہارے لئے دنیا کی سب سے خاص چیز لے کر آیا ہوں، اور یہ چیز بہت ہی خاص لوگوں کو دی جاتی ہے۔“

انہی بار اس کے الفاظ کچھ اور ہوئے۔ علیحدہ ایک بار پھر دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاتی۔ وہ اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتا اور Kit Kat کا ایک پیکٹ اسے نکالتا۔

”آج میں تمہیں دنیا کی سب سے خطرناک اور پراثر چیز دوں گا۔“

علیحدہ ایک بار پھر اندازے لگانے میں مصروف ہو جاتی وہ کہیں، تیس روپے کا ایک بال پوائنٹ اسے ایک مسکراہٹ کے سامنے پیش کر دیتا۔

”اس بار میں تمہیں ایک ایسا گنٹ دوں گا جو تمام عمر تمہارے ساتھ رہے گا، اور تم ساری عمر اس کو استعمال کرتی رہو گی۔“

علیحدہ پھر روہتے میں ناکام رہی، اور اس کے سامنے ایک کتاب پیش کر دی جاتی۔

اس بار میرا گنٹ سب سے unique (نادر) ہے۔ یہ تمہیں فٹ اور سمارٹ رکھے گا، اور تم کو کبھی، کبھی بھی ڈانٹک کر نہیں پڑے گی۔“

چونکہ ایک پیکٹ اس کے سامنے رکھ کر فرما رہا تھا۔

”بس تم ہر بار بھوک گئے پر اسے منہ میں ڈال لیتا۔“

وہ مرے سے کہہ کر چلا جاتا۔ بعض دفعہ اسے ہنسی آ جاتی بعض دفعہ وہ الجھ جاتی۔ بعض دفعہ اسے فحشہ آتا اور بعض دفعہ وہ مرے بارے میں سوچ میں پڑ جاتی۔

اس دن وہ مارکیٹ سے واپسی پر اپنے ساتھ کچھ پائش لے کر آیا تھا۔

”دیکھو علیحدہ یہ پائش کیسے ہیں؟“

وہ ان پردوں کو علیحدہ کو دکھا رہا تھا۔ آج کل وہ ہر بات میں علیحدہ کی رائے لینا ضروری سمجھتا تھا۔

”میں قدانی میڈیم کے پاس سے گزر رہا تھا وہاں سے انہیں لایا ہوں۔“

”اچھے ہیں!“

علیحدہ نے ایک نظر ان پائش کو دیکھا تھا اور پھر انہیں دیکھتے ہوئے، بڑے عام سے انداز میں تبصرہ کیا تھا۔

وہ کچھ ہانپوں ہو گیا تھا۔

”صرف اچھے ہیں!“

علیحدہ نے کچھ ابھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”تو پھر مجھے کیا کہنا چاہئے؟“

”اپنی رائے دو کہ اچھے ہیں تو کیوں اچھے ہیں، برے ہیں تو کیوں برے ہیں۔“

وہ یک دم ٹھکسلا کر بیٹھنے لگا۔

”آپ بھی بہت عجیب باتیں کرتی ہیں، گر بیٹی!

”آپ کا خیال کیا ہے کہ میں سول سروس پر سب ٹھیک کرنے کے لئے جوائن کر رہا ہوں۔ مجھے مشعل روک کا کوئی شوق نہیں ہے، اور ویسے ہی ایک آری کوئی تبدیلی نہیں لاسکتا۔ میں بدلنا چاہوں بھی تو نہیں بدل سکتا۔ یہاں ہر چیز رتنی (Rotten) اور رستہ (Rusted) (پھسلی ہوئی) ہے کہ جب تک آپ اگر ایک چیز ٹھیک کریں گے تو پچھلے والی اس حالت میں آجاتی ہے۔ ویسے گر بیٹی! آپ نے بھی اپنے بیڑوں کو کیوں نہیں کہا۔ آپ کے تو سامنے بے نیل سول سروس میں ہیں۔ میری جڑبیزن کے لئے ریٹائرڈ کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ مگر مجھ سے پہلے کی جڑبیزن نے کام آسانی سے کر رکھی تھی۔ جب لوگ اسے مجھ سے ہوئے تھے، انہیں کنٹرول نہ کرنا بہت آسان تھا۔“

وہ اب بخیرہ ہو گیا تھا۔

”جب تمہارے پاپا اور آنکھوں نے سول سروس جوائن کی تھی تو میں نے انہیں بھی بہت سی نصیحتیں کی تھیں۔ صرف میں نے ہی نہیں بلکہ تمہارے دادا نے بھی۔ میں آج تک حیران ہوں کہ وہ چاروں، ان ساری نصیحتوں کو کیسے بھول گئے۔ مجھے نہیں پتہ ان چاروں کو زندگی میں کیا چاہئے تھا۔ میں نے اور محاذ نے انہیں دنیا کی ہر چیز دی تھی ہمارے پاس وہ سب کچھ تھا جو ایک خوشحال زندگی گزارنے کے لئے کافی تھا۔ میرا خیال تھا کہ ان چاروں کو ان چیزوں کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر میرا خیال غلط تھا۔ ان چاروں کو اپنی زندگی میں ہر چیز ایک کی تعداد میں نہیں بلکہ درجنوں کی تعداد میں چاہئے تھی۔ جب ذہن میں یہ سب کچھ ہو تو صحت الٹا اثر کرتی ہے۔ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ میں نے جتنا انہیں سمجھانے کی کوشش کی، وہ.....“

مگر نے ان کی بات سنتے سنتے بات کاٹی۔

”اس سے ایک بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ گر بیٹی! آپ کی باتوں میں انہیں مٹا یا پھر شاید آپ کے سمجھانے کا طریقہ غلط تھا۔ جب جو بھی ہو، بہر حال اب تو سب کچھ جیسا ہو رہا ہے ہونے دیں۔ چیزوں کو اب بدلنا ناممکن ہے اور ناممکن کام کرنے کے لئے جن لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے ویسے لوگ ہماری قوم میں نہیں ہیں۔ میں تو فائر سروس جوائن کرنے کے بعد ڈیڑی کی طرح پیش کرنا چاہتا ہوں، دیکھی زندگی گزارنا چاہتا ہوں جیسی وہ گزار رہے ہیں۔ دیکھیں، بات کہاں سے کہاں چلی گئی، میں آپ سے پائشن کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔“

اس نے بات کا موضوع بدل دیا تھا۔ علیزہ بڑی بے زاری سے یہ ساری گفتگوں کر رہی تھی۔

”میں دران پائشن کو لگواؤں۔ گر بیٹی! آپ پلیس کی میرے ساتھ باہر لان میں۔“

اس نے دادو کو ان سے کہا تھا۔

”نہیں مجھی مجھے باہر نہیں جانا۔ کچھ کام کرتے ہیں مجھے، تم خود ہی مانی کے ساتھ جا کر یہ پائشن لگواؤ۔“

نانو نے اس سے کہا۔

”میں اس لئے آپ کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا کہ آپ لان میں مجھے سیٹ کر لیں، ان پائشن کے لئے

بعد میں آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو کہ میں نے غلط جگہ پر پائشن کیوں لگوا دیے ہیں۔

”نہیں! مانی! اچھا ہے، وہ تمہیں بتا دے گا کہ یہ کہاں ٹھیک لگ رہے ہیں اور کہاں نہیں۔ تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ ویسے بھی تم جہاں بھی پائشن لگواؤ گے مجھے برا نہیں لگے گا کیونکہ وہ تمہارے لگوائے ہوئے پائشن ہوں گے۔“

عمر نے نانو کی بات پر مسکرا کر انہیں دیکھا تھا۔ علیزہ نے نانو کی آنکھوں کی چمک کو کچھ اور گہرا ہوتے دیکھا اسے ان دونوں کی مسکراہٹیں بری لگی تھیں۔

”چلو علیزہ! ہم دونوں پائشن لگواتے ہیں۔“

عمر نے کھڑے ہوتے ہوئے اسے آخر کی تھی۔

”میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا ہے، کہ مجھے گاڑ بجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پھر آپ مجھے ساتھ لے جا کر کیا کریں گے۔“

علیزہ نے بخیرہ سے اسے کہا تھا۔

”تم آؤ تو، دلچسپی بھی پیدا ہو جائے گی۔ میں اسی لئے تو تمہیں ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔“

عمر نے بڑے شاش ریش لبو میں اس سے کہا تھا۔

”نہیں میں نے آپ سے کہا۔۔۔“

علیزہ نے ایک بار پھر کھینچنے کی کوشش کی مگر نانو نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

”آج کل علیزہ! جب وہ بار بار تم سے کہہ رہا ہے تو اتنا غور کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ چلی جاؤ اس کے ساتھ۔“

علیزہ نے نانو کے چہرے کو دیکھا تھا، وہاں ناگوار کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ خاموشی سے کھڑی ہو گئی۔

عمر لازم کو پودے اٹھانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ وہ دیکھے دل کے ساتھ باہر لان میں آگئی تھی۔ کچھ دیر بعد عمر بھی لان میں نکل آیا تھا۔ وہ بے مقصد لان میں چکر لگاتے لگی تھی۔

عمر مانی کے ساتھ مل کر لان میں پودے لگوا رہا تھا کہ بگ بگ وہ علیزہ سے بھی رانے لے لی۔ وہوں ہاں میں جواب دے کر اس کے پاس سے ہٹ جاتی۔ وہ مانی سے پوچھ لگواتے ہوئے خامسے غور سے اس کے پکڑوں کو دیکھتا اور کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا۔

تقریباً ایک گھنٹے میں مانی نے سارے پودے لگا دیئے تھے۔ عمر نے واپس اندر جانے کی بجائے اپنے کمرے میں رکھے ہوئے ان ڈور پائشن بھی باہر ہی لگوا لئے تھے۔ علیزہ نے بے زاری سے لازم کو اوپر پائشن کو باہر لانے دیکھا۔

”ان پائشن کی کٹنگ وغیرہ کر دیتے ہیں۔ پھر کل تک انہیں نہیں لان میں ہی رہنے دوں گا۔ تا کہ انہیں کچھ روشنی وغیرہ مل جائے۔ لوزلیئر! تم بھی ان پائشن کو prune کرنا (تراشنا) شروع کر دو کام جلدی فتم ہو جائے گا۔“

اس نے علیزہ کو پاس بلا کر اسے ایک قیمتی تھما دی تھی۔ وہ بے دلی سے پودوں کی کٹنگ کرتے لگی۔ عمر بڑی دلچسپی اور مہارت سے پودوں کی تراش فراش کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ ہر پودے کے بارے میں بھی اسے کچھ دیکھتا

اس نے عجیب سی متعلق پیش کی تھی۔ وہ اس کی اس حرکت سے بالکل متاثر نہیں ہوا تھا۔ وہ دم سادھے، ہونٹ بھیچے چند لمحوں تک دیکھتی رہی، وہ ایک بار پھر پلاس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا پھر ایک دم وہ اندھ کر اندر بھاگتی چلی گئی تھی۔

عمر بھنگیر نے پرسکون انداز میں مراٹھا کر اسے بھاگتے ہوئے اندھ جاتے ہوئے دیکھا تھا، پھر اس نے اس پودے کی کٹی ہوئی شاخ کو اٹھا لیا تھا۔ لاؤنج میں داخل ہونے سے پہلے اس نے سڑک پر ایک بار پیچھے دیکھا تھا تو عمر پودے کی اس کٹی ہوئی شاخ کو اٹھا رہا تھا۔ وہ غیر ارادی طور سے دردناک دھڑکن لگ گئی۔ وہ کچھ دیر تک اس شاخ پر ہاتھ پھیرتا رہا تھا۔ وہ در سے اس کے تاثرات نہیں دیکھ پائی تھی۔ مگر دلچسپی سے اسے دیکھتی رہی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے اسے اس شاخ کو پودے کے پات میں گاڑتے دیکھا تھا۔ وہ کچھ حیران ہوتی ہوئی اندر آگئی تھی۔



باب ۵

”علیہ بی بی! یہ پودے اندر لے جاؤں؟“

ملازم نے ایک بار پھر اس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا تھا۔ علیہ نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تھا، سب کچھ عائب ہو گیا تھا۔ وہاں صرف وہی تھی اور سامنے پڑے ہوئے پودے۔

”علیہ بی بی! یہ پودے اندر لے جاؤں؟“

ملازم ایک بار پھر اس سے بچھڑا رہا تھا۔ علیہ نے ایک مگر اس سانس لیا۔

”ہاں! اندر لے جاؤ۔“

وہ اندھ کر کھڑکی ہو گئی، اور ملازم پودے اٹھا کر اندر جانے لگا تھا۔ یک دم ہی اس کی ان پودوں میں دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔

”مالی بابا! یہ کچھ پلاس رو گئے ہیں، آپ انہیں دیکھ لیں۔“

کچھ دور لان میں کام کرتے ہوئے مالی کو اس نے آواز دے کر بلایا تھا، اور خود اندر آگئی تھی۔

”ہائو! وہ پرسوں کتنے بیج کی فلائٹ سے آئے گا۔“

اندرا آتے ہی وہ ایک خیال آنے پر کھنک کی طرف لگی تھی۔ جہاں نانو خانسماں کو کچھ ہدایات دینے میں مصروف تھیں۔

”پرسوں رات دو بجے کی فلائٹ سے آئے گا۔“

نانو نے اسے بتایا تھا۔

”دو بجے کی فلائٹ سے؟“

وہ کچھ مایوس ہو گئی تھی۔

”پھر تو ہم لوگ اسے ریسیور کئے نہیں جا سکیں گے۔ ڈرائیور کو ہی بھیجنا پڑے گا۔“

اس نے نانو سے کہا تھا۔

”وہ تو کہہ رہا تھا کہ میں ڈرامیڈ کو بھی نہ سمجھوں، وہ خود ہی آجائے گا مگر میں نے زبردستی اس سے کہا کہ وہ ڈرامیڈ کے ساتھ آئے۔“

ناٹو خاندان کو ہدایت دینے کے دوران اس سے بھی گفتگو کرتی جا رہی تھیں۔

”ناٹو اگر تم دونوں اسے ریسیو کرنے چلی جائیں تو؟“

اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کچھ ملتایا نہ انداز میں ناٹو سے کہا تھا۔

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رات کے دو بجے ہم دونوں اسے ریسیو کرنے چلی پڑیں۔ آج کل ایسے حالات نہیں ہیں علیزہ اس طرح کھرے نکلا جائے۔ تمہیں اندازہ ہو چکا ہے اس بات کا۔“

”اچھا ناٹو! تو پھر آپ مجھے ڈرامیڈ کے ساتھ بھیج دیں۔“

”تمہارا دامغ تو ٹھیک ہے علیزہ! میں اس سے بھی بڑی حماقت کروں کہ جواں چہلن لڑکی کو اس طرح اکیلے رات ڈرامیڈ کے ساتھ دو بجے ایئر پورٹ بھیج دوں۔“

”ناٹو! کچھ نہیں ہوتا، پلیز!“

”کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جہیں بالکل بھی آئیگا نہیں بھیج سکتی، اور جہیں آخر اتنی بے چینی کیوں ہو رہی ہے۔ اسے آخر یہیں آنا ہے۔ خالی ریسیو کرنے سے کیا ہوگا۔“

ناٹو نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

”ناٹو! رکھیں، اسے برا نہیں لگے گا کہ وہ اسے سالوں کے بعد رہا ہے اور کوئی اسے ریسیو کرنے تک نہیں آیا۔“

علیزہ نے کچھ سنبھل کر کہا تھا۔

”نہیں، اسے برا نہیں لگے گا کہ وہ کوئی اچھی نہیں ہے، جانتا ہے ہم دونوں یہاں اکیلے ہیں، اور اس طرح رات کو اسے ریسیو کرنے کے لئے آنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ تمہیں میں نے بتایا ہے کہ وہ تو ڈرامیڈ بھیجے سے بھی منع کر رہا تھا یہ تو میں نے ہی ضد کی۔“

”ناٹو! پلیز.....!“

”علیزہ! ایجنٹ کی طرح خدمت کیا کرو۔ کسی کہہ دیا تا کہ اسے ڈرامیڈ سے ریسیو کرنے جائے گا۔“

ناٹو نے فلسفے لہجے میں کہتے ہوئے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی وہ کچھ بددل ہو کر نکلنے سے باہر آگئی تھی۔

شام ہو رہی تھی اپنے کمرے میں آکر اس نے لائسنس آن کر دی تھیں۔ کچھ دیر تک کمرے کے چٹ چٹ کڑی سوچتی رہی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ اسے لائن لگ رہا تھا جیسے وہ ہر کام نہ کیا ہو۔ جیسے کرنے کے لئے کچھ اور رہا ہی نہ ہو۔ کچھ سوچ کر وہ اپنی کچھ کٹال کر بیٹ پر آگئی تھی۔ فارغ وقت وہ اسی طرح گزارا کرتی تھی۔ پہلے سے بنے ہوئے کیکز کو شیل کے ساتھ مزید کچھ میڈر دیتی رہی، پھر خالی صفوں کٹال کر ایک ٹاپک بنانے لگی۔ اس کیلنگ کرتے کرتے

اسے پتہ چلی نہ چلا کہ وقت وہ چہرہ اسے شام لگنے لگا۔ اس نے ہاتھ روک لیا اور چہرے کو پچھانے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے بہت دیر نہیں لگی۔ وہ اس چہرے کو پہچان چکی تھی۔ ایک بار پھر اس کا ہاتھ روانی سے کچھ بک پ پٹنے لگا۔



باب ۶

“These are simply fantastici”

اس دن وہ لاؤنچ میں بیٹھی اپنی اس کچھ بک میں کڑی کا کچھ بنا رہی تھی۔ بہت دیر تک اس کام میں مصروف رہنے کے بعد وہ اس کتاب کی بھی اس کچھ بک کو صوفہ پر رکھنے کے بعد وہ کچھ دیر تک کڑی کو سہلاتی رہی پھر اسے ہاتھ میں لے کر کھانے کی کوئی چیز لینے بہن میں چلی گئی۔ وہاں اسے دس پندرہ منٹ لگ گئے جب وہ دوبارہ لاؤنچ میں داخل ہوئی تو نہ صرف عمر وہاں موجود تھا بلکہ وہ صوفہ پر دروازہ کھل پر اپنی ٹانگیں رکھے، ایک ہاتھ میں چائے کا گلاسے دوسرے ہاتھ سے اس کی کچھ بک دیکھنے میں مصروف تھا۔ قدموں کی آہٹ میں اس نے سر اٹھایا تھا علیزہ کو دیکھ کر سر کھپایا تھا اور اس کے ایک پیچ پر تبصرہ کیا تھا۔ علیزہ کو اس کا اس طرح غیر اجازت اپنی کچھ بک دیکھنا اچھا نہ لگا تھا، مگر وہ خاموش رہی تھی۔ ٹانگیں والے واقعہ کے بعد وہ آج پہلی بار اس سے بات کر رہا تھا۔ وہ چپ چاپ دوسرے صوفہ پر بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگی تھی۔

”علیزہ! پیشینگر میں دلچسپی ہے؟“

اس نے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ علیزہ نے ایک نظر اس کے چہرے پر دوڑائی۔

”اگر ایک پیچ بناتی ہو تو ظاہر ہے کہ پیشینگر سے بھی دلچسپی ہوگی۔“

وہ دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہوئی، اور وہ غور سے اسی کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگا۔

”کون سی کلاس میں پڑھتی ہو؟“

”اے۔۔۔ لیول“

جواب اتنی ہی مختصر تھا۔

”کہاں تک پڑھنے کا ارادہ ہے؟“

”پتہ نہیں!“

”کیوں؟“

علیہ نے اس کی شکل کر لیا تھا۔ عمر جہانگیر کے اس کیچ کو اس کیچ کے لٹالے کے بعد وہ ایک بار پھر اٹھ کر اس کے کمرے میں آگئی تھی۔ لائٹ آن کرنے کے بعد وہ سڑی ٹیبل کی طرف گئی اور وہاں اس کیچ کے کمرے کے بعد اس نے پھر دھت اس کے اوپر رکھ دیا۔ وہ جانتی تھی عمر جہانگیر کے لئے یہ ایک خوشگوار سر پرانز ہوگا۔

یہ پہلا اس کیچ نہیں تھا جس نے عمر جہانگیر کے لئے تیار کیا تھا۔ پچھلے کئی سالوں میں ایسے کئی اس کیچ اس نے تیار کئے تھے۔ اس کا چہرہ ان چند چہروں میں سے تھا جس کی بھی لہو ان کے ذہن سے غائب نہیں ہوتے تھے۔ بعض دفعہ جب وہ عمر کا لائی بہت اچھا اس کیچ بنا لیتی تو اسے پوسٹ کر دیتی۔ جواب میں بعض دفعہ وہ شمریے کے طور پر کارڈ بھیج دیتا یا پھر فون کر لیتا۔ علیہ کے لئے اتنا ہی کافی ہوتا تھا۔ اگر وہ یہ دونوں کام نہ بھی کرتا تو بھی شاید اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ کچھ بر دیں کھڑی اس کیچ کو دیکھتی رہی پھر اس نے جب کہ اس کیچ کے نیچے ایک کونے میں کچھ لکھ دیا تھا۔ سیدھی ہو کر وہ سکرانی تھی اور اس نے چین کو دوبارہ ہالور میں رکھ دیا تھا۔



وہ جواب میں کچھ نہیں بولی تھی۔
 ”تم نائن آؤس میں کچھ کرنا۔“
 ”کیا؟“
 ”کچھ بھی مگر آرٹ سے متعلق ہو۔“
 ”کیوں؟“
 ”کیونکہ تم بہت اچھی آرٹسٹ بن سکتی ہو۔“
 ”آپ مجھے مشورہ دے رہے ہیں۔ خود آرٹسٹ کیوں نہیں بنے؟“
 کھلاؤ ڈ جواب آیا تھا۔ عمر جہانگیر نے اختیار کر لیا۔ علیہ کا چہرہ سیاہ تھا۔ وہ چند لمبے اسے دیکھا رہا۔
 ”آرٹسٹ بننے نہیں ہیں، بننے چاہئے ہوتے ہیں۔ آپ ڈاکٹر بن سکتے ہیں انجینئر بن سکتے ہیں مگر آرٹسٹ بننا بہت مشکل ہوتا ہے۔ تم سے اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ تم میں ٹیلنٹ ہے۔ تم کچھ کر سکتی ہو اس کیلئے میں۔“
 اس سے بات کرنے سے علیہ نے اس کیچ کے بند کر کے علیہ کی طرف بڑھا دی۔
 ”مجھے آرٹ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے، چاہے وہ کیسا بھی آرٹ کیوں نہ ہو، نہ ہی میں آرٹ میں کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے تنہا میں دلچسپی ہے، اور میں وہی پڑھوں گی۔“
 اس نے اس کیچ کے پکڑے ہوئے دو دوک انداز میں عمر سے کہا تھا۔
 ”ٹھیک ہے تم تنہا ہی پڑھ لیتا، لیکن میرا ایک اس کیچ تو بنا سکتی ہو، کیوں علیہ! میرا اس کیچ بناؤ گی!“
 ”میں صرف ان ہی لوگوں کے اس کیچ بناتی ہوں جن کے چہرے مجھے اچھے لگتے ہیں۔“
 وہ ایک بار پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔
 ”اس کا مطلب ہے۔ میرا چہرہ تمہیں اچھا نہیں لگا؟“
 عمر نے اس سے پوچھا کہ وہ خاموشی سے ٹی وی دیکھتی رہی۔
 ”میرا خیال تھا کہ میرا چہرہ اچھا خاصا ہے دیئے علیہ میرے چہرے میں کیا defect ہے، تم یہ بتا دو۔“
 عمر جیسے اس کے ساتھ گفتگو کو انجانے کر رہا تھا۔
 ”مجھے کیا پتہ، بس مجھے آپ کا چہرہ اچھلک کے لئے پسند نہیں ہے۔“
 ”اور کر سکتی کا چہرہ پسند ہے؟“
 علیہ نے کچھ ناراضگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ چاہئے گاگ ٹیبل پر رکھ کر اٹھ رہا تھا۔
 ”مجھے کوئی بھی چہرہ کر سکتی ہے زیادہ اچھا نہیں لگتا، آپ اس طرح کر سکتی کی بات مت کریں۔“
 اس نے کچھ بڑکڑاس سے کہا تھا۔ ”سوری!“
 علیہ نے اس کی معذرت پر کوئی دھیان دینے بغیر دوبارہ اپنی توجہ ٹی وی کی طرف مبذول کر لی تھی۔ وہ کچھ دیر وہاں لاؤنج میں کھڑا رہا، اور پھر وہاں سے باہر نکل گیا۔



ناٹور اور ناٹا کے بھی ذیل اسٹینڈرڈز ہیں، مجھے وہ کسی اور طرح سے فریٹ کرتے ہیں۔ عمر کو کسی اور طرح سے۔ مجھے وہ کچھ اور طرح کا دیکھنا چاہتے ہیں اور عمر کو کسی اور طرح کا، اور پھر بھی ناٹو کہتی ہیں کہ ان کے لئے سب ایک جیسے ہیں۔ وہ سب سے ایک جتنا پیار کرتی ہیں۔ حالانکہ ایسا تو نہیں ہے۔ اب کیا عمر سے وہ میرے جتنا ہی پیار کرتی ہیں..... بالکل بھی نہیں..... میں ان کے پاس اتنے سالوں سے رہ رہی ہوں اور عمر..... عمر کو آئے ہوئے تو چند ہفتے ہوئے ہیں اور..... اور ناٹو نے کتنی آسانی سے اسے میری جگہ دے دی..... حالانکہ عمر کو..... عمر کو تو اس جگہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اسے ناٹا ناٹو کی محبت کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ اس کے پاس تو پہلے ہی سب کچھ ہے۔“

علیہ کو ناٹو سے شکایت ہونے لگی تھی اور ناٹو سے بہت سی شکایتیں ہوتی رہتی تھیں، اور وہ کبھی بھی ان کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ صرف اس کے دل میں ایک اور گرہ کا اضافہ ہو جاتا تھا۔

اس دن دوپہر سے کچھ پہلے وہ کڑی کو کھلا رہی تھی جب ناٹو نے ملازم کے ذریعے اسے لائونج میں بلوایا تھا۔

”علیہ تمہارے پاپا کا فون ہے، وہ تم سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔“

اسے دیکھتے ہی ناٹو نے جو فون پر بات کر رہی تھیں، ریسپونڈر اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

وہ بے اختیار خوش ہوئی تھی۔

”پاپا کا فون ہے؟“

اس نے کچھ سے ہنسی سے کہا۔

عام طور پر وہ دو یا تین ماہ بعد ایک بار اسے کال کرتے تھے، اور وہ بھی رات کے وقت، مگر اس بار ڈیڑھ ماہ کے بعد ہی دوسری کال کر لی تھی۔

”ہیلو علیہ! اکیسی ہو تم؟“

فون پر اس کی آواز سننے ہی پاپا نے کہا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں پاپا! آپ کیسے ہیں؟“

اس نے جواباً پوچھا تھا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں تم آسٹریلیا گئی ہوئی تھیں؟“

انہوں نے پوچھا تھا۔

”ہاں پاپا! ایک ماہ وہ کر آئی ہوں می نے بلایا تھا۔“

اس نے کہا تھا۔

”سب لوگ ٹھیک ہیں وہاں؟“

”ہاں! سب ٹھیک ہیں۔“

”انجوائے کیا وہاں؟“

باب ۸

عمر اچانک بہت ریزرو ہو گیا تھا۔ باقی سب کی طرح یہ تبدیلی علیہ سے بھی نوٹ کی گئی تھی۔ وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہتا اور جب کھانے کے لئے باہر آتا بھی تو خاموش ہی رہتا۔ ناٹور ناٹا کے ساتھ پہلے کی طرح فنی مذاق نہیں کرتا تھا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو پہلے کی طرح ہی ہوں۔ بس ذرا پیچڑی کہ جسے زیادہ معصوم ہو گیا ہوں۔“ اس دن رات کے کھانے پر ناٹو نے اس سے کہہ ہی دیا، اور جواب میں اس نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ وضاحت کر دی۔

”خاموشی تم پر سوٹ نہیں کرتی عمر!“

ناٹا نے دویش ڈال لیتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

”اچھا تو پھر کیا سوٹ کرتا ہے؟“

عمر نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا تھا۔

”تم دیسے ہی ایتھے گتے ہو، جیسے پہلے تھے، بنگارہ کرتے ہوئے، قہقہے لگاتے ہوئے، شور مچاتے ہوئے۔“ ناٹو نے کہا تھا۔

”رہنے دیں گئی! میں اب چوبیس سال کا ہوں، آپ میری جو باتیں بیان کر رہی ہیں اس سے تو میں چھ سال کا بچہ لگتا ہوں۔“

عمر نے ایک شرمندہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا، وہ اب سلا دکھا رہا تھا۔

”ہم لوگوں کے لئے تم کبھی بھی بچپن سال کے نہیں ہو گے، ہمیشہ چھ سال کے ہی رہو گے، اور ہم لوگ

چاہیں گے کہ تم بھی خود کو چھ سال کا ہی سمجھو۔“

علیہ نے بڑی تنجیدگی سے نظریں اٹھا کر ناٹو دیکھا، وہ اپنے ساتھ کسی پریشے ہوئے عمر کا گال جوڑے

ہوئے اس سے کہہ رہی تھیں۔ عمر نے ناٹو کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا، صرف خاموشی سے سلا دکھا رہا تھا۔

”میں بھی تمہیں بہت مس کرتا ہوں طیرہ!“

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

”پھر تم جاری ہو؟“

فون کارل سیورکوں سے بتاتے ہی ہانوں نے اس سے سوالی کر دیا۔

”ہاں ہاؤ!“

”میں تمہاری سیٹ بک کر دیتی ہوں۔ کتنے دن رہو گی وہاں؟“ ہانوں نے اس سے پوچھا تھا۔

”کم از کم ایک ہفتہ اور زیادہ سے زیادہ کا کوئی پتہ نہیں۔“

اس نے سسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”لیکن ایک ہفتہ کے بعد تمہارا کالج بھی تو ختم رہا ہے۔“

ہانوں نے جیسے اسے یاد دلایا تھا۔

”ہاں! اچھے پتہ ہے لیکن ہاؤ! کچھ نہیں ہوتا، اگر میں کالج سے کچھ چٹھیاں بھی لے لوں۔ آپ کو تو پتہ ہے

کہ میں کتنی دیر کے بعد پاپا سے مل رہی ہوں۔“

”لیکن تمہاری سنڈریز کا علاج ہو گا۔“

”کچھ نہیں ہو گا ہاؤ! میں وہاں آنے کے بعد سب کچھ کو کر لوں گی۔ آپ جانتی ہیں مجھے یہ کرنے میں

کوئی پرہیز نہیں ہو گا۔“

اس نے اصرار کیا تھا۔

”ٹھیک ہے تم شہلا کوٹون پر کالج میں Application دینے کے لئے کہہ دیتا۔“

ہانوں نے ہدایت دیتی ہوئی آنکھ کھڑکی ہوئی تھیں۔

اس رات وہ بے سوا خوابوں میں تھیں اور یہ خوشی کسی سے بھی چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ حتیٰ کہ عمر سے بھی رات کے

کھانے پر ہانوں نے نا کراس کے کراچی جانے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ عمر نے اس وقت فورے اس کا چہرہ دیکھا

تھا۔ وہ آج پہلی بار کھانے کی ٹیبل پر سسک رہی تھی۔ نا کچھ دیر اس سے اس کے پاپا کا حال احوال پوچھ رہے۔ وہ

بڑے جوش و خروش سے پروگرام کے بارے میں باتیں رہی۔ رات کو وہ اپنا سامان پیک کر رہی تھی جب ہانوں اس کے

کمرے میں آئی تھیں۔

”کل صبح تو بوجھ کی غلامت ہے، تم سات بجے تیار ہو جانا۔ میں نے عمر کو کہہ دیا ہے وہ تمہیں ایئر پورٹ

ڈراپ کر دے گا۔“

انہوں نے اسے اطلاع دیتے ہوئے کہا تھا۔

”عمر ڈراپ کرے گا مگر عمر کیوں ہاؤ؟ ڈرائیور کو کہیں نا!“

وہ کچھ پشیمانی تھی۔

”کتنی چٹھیاں روگنی ہیں باقی؟“

انہوں نے پوچھا۔

”بیس ایک ہفتہ۔“

”اچھا پھر ایسا کر ایک ہفتہ کے لئے میرے پاس آ جاؤ۔“

”آپ کے پاس، مسقط؟“

وہ حیران ہوئی تھی۔

”نہیں، مسقط نہیں، کراچی میں آیا ہوا ہوں۔“

”پاکستان آئے ہوئے ہیں، کب آئے ہیں؟“

وہ بے اختیار خوش ہوئی تھی۔

”کافی دن ہو گئے ہیں، میرا دل چاہ رہا ہے تمہیں دیکھنے کو۔“

”میرا دل بھی آپ کو دیکھنے کو چاہ رہا ہے۔“

”تو بس ٹھیک ہے۔ تم کل کراچی آ جاؤ۔“

انہوں نے حتیٰ انداز میں کہا تھا۔

”آپ نے ہانوں سے بات کر لی؟“

اس نے حاشیہ مہرے سے پہلے اس سے پوچھا تھا۔

”ہاں! میں نے انہیں بتا دیا ہے۔ ایئر پورٹ سے فون کر دیتا۔ میں ڈرائیور بھیج دوں گا۔ مگر کافر ہے پاپا!“

”میں پاپا۔“

”اور موبائل کا؟“

”وہ بھی ہے!“

”بس ٹھیک ہے۔ اب تم سے کراچی میں ملاقات ہوگی۔ خدا حافظ۔“

انہوں نے بات ختم کرتے ہوئے کہا تھا۔

”پاپا!“

اس نے بڑی تیزی سے کہا تھا وہ فون بند کرتے کرتے رک گئے۔

”کیا بات ہے طیرہ!“

انہوں نے پوچھا تھا وہ چند لمبے خاموش رہی۔

”پاپا! میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔“

اس نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا تھا۔

”ذرا تیر آج نہیں آیا، مجھے نہیں پتہ کل بھی آتا ہے یا نہیں، ویسے بھی ذرا تیر رساڑھے آٹھ بجے آتا ہے اور جہیں آٹھ بجے تک انیر پورٹ پر پہنچ جانا چاہئے آج ذرا تیر آ جانا تو میں اسے کل جلدی آنے کا کہہ دیتی۔“

”آپ ناٹا سے کہہ دیں نا مجھے ذرا پ کرنے کے لئے؟“

اس نے ہنسا کر کہا تھا۔

”تمہارے ناٹا کو میں اتنی صبح کہاں اٹھاؤں، جہیں عمر کے ساتھ جانے میں کیا پراہلم ہے؟“

”نہیں، بس ویسے ہی؟“

”کچھ نیچے کی ضرورت نہیں بس وہی جہیں صبح چھوڑنے جائے گا۔“

نانو نے حتمی طور پر کہا تھا۔

علیہ نے ہونٹ پیچھے لے لئے تھے۔

”وہ تو صبح اٹھتے ہی نہیں، تو پھر کل.....“

نانو نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

”یہ تمہارا نہیں میرا پراہلم ہے، کل وہ آٹھ بجے گا اور نہیں بھی اٹھا تو میں اسے اٹھا دوں گی۔“

نانو کہتے ہوئے سرے سے نکل گئیں۔

اگلی صبح وہ بہت ایکساٹیو تھی۔ اپنا بیک لے کر جب وہ لاؤنج میں آئی تو وہاں عمر نہیں تھا۔

”تم بیچہ کرنا بیچ کرلو۔“

نانو نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

”نہیں ناٹا! مجھے کبھی نہیں کھانا، بس آپ ملازم سے کہیں، میرا بیک گاڑی میں رکھ دے۔“

اس نے بیک فرش پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”کچھ کھائے پیئے بغیر گھر سے نکلا ٹھیک نہیں ہے، ناشتہ کرلو۔“

”ناٹا! مجھے بھوک نہیں ہے۔“

”بھوک ہے یا نہیں، جہیں کچھ نہ کچھ ضرور کھانا ہے۔“

”میں پلٹن میں کھاؤں گی۔“

”پلٹن میں پتہ نہیں کیلئے اور کیا نہیں، بس تم یہیں کھاؤ۔“

نانو کی صبر بردار تھی۔

”بلیئر ناٹا! میرا دل نہیں چاہ رہا، بلیدی۔ میرا دل واقعی نہیں چاہ رہا۔“

وہ سننا لگی تھی۔

”چلو یہ جڑ ہی لٹی لو۔“

علیہ نے کچھ سوچ کر جوں کا گلاس اٹھا لیا تھا۔

نانو نے ملازم کو آواز دے کر بیک گاڑی میں رکھنے کے لئے کہا تھا۔

”آپ دیکھ لیں کہ عمر ابھی تک نہیں آیا۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا۔“

اس نے جوں کا گلاس خالی کر کے ہی کہا۔

”وہ ابھی تک سو رہا ہوگا۔ آپ نے خواہ مخواہ ہی اسے مجھے چھوڑنے کے لئے کہا۔“

علیہ نے کھڑکی دیکھی۔

”میں پتہ کرواتی ہوں، سو بھی رہا ہوگا تو ملازم اٹھا دے گا۔ یہ کون سا اتنا بڑا پراہلم ہے۔“

نانو نے اطمینان سے کہا تھا۔ ملازم کو آواز دے کر انہوں نے اسے عمر کے کمرے میں بھیجا تھا۔ ملازم چند

منٹوں میں ہی واپس آ گیا تھا۔ عمر اس کے پیچھے تھا۔ اس کے پیچھے سے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی سو کر اٹھا ہے، وہ

ناٹ سوٹ اور پلیئر ڈیز میں ہی بیٹھ تھا۔ نانو نے مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا تھا۔

”جہیں یاد نہیں رہا کہ جہیں آج علیہ کو انیر پورٹ چھوڑنے جانا ہے؟“

نانو نے اس سے پوچھا۔

”مجھے جگانے کے لئے، ملازم کو بھیجنا پڑا۔“

”نہیں ملازم کے جانے سے پہلے ہی اٹھا ہوا تھا۔ مجھے یاد تھا۔ میں الام لگا کر سویا تھا۔“

”علیہ نے سات بجے تیار ہو کر بیچے آتا تھا۔ میں نے سوچا، چند روز منٹ میں وہ بیک فاسٹ کرے گی۔“

میں سات بج کر دس منٹ کا الام لگا کر سویا اور باغیچے میں یہاں ہوں۔“

اس نے اٹھدوں سے بالوں میں کھنکھی کرتے ہوئے بتایا۔ اس کی ہر چیز ہمیشہ کی طرح تھی۔ ناٹا اس کی بات

کے اختتام پر کچھ غریب انداز میں علیہ کی طرف دیکھ کر مسکرائی تھیں۔ وہ کچھ کہے بغیر نظریں چمچا گئی۔

”پلیٹیں علیہ!۔“

عمر نے اس بار علیہ سے پوچھا۔ وہ خاموشی سے کھڑکی ہو گئی۔

”آؤ، میں جہیں باہر تک چھوڑ آتی ہوں۔“

نانو نے علیہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

عمران کے آگے چلا ہوا باہر نکل آ گیا۔ وہ گاڑی منارٹ کر رہا تھا جب نانو نے اسے گلے لگا کر خدا حافظہ کہا تھا۔

”وہاں جاتے ہی مجھے رنگ کر لینا۔ مجھے تسلی ہو جائے گی۔“

انہوں نے علیہ سے کہا تھا۔

”اور کوشش کرنا کہ جلدی آجائے۔“

علیہ نے مسکرا کر سر ہلا دیا تھا۔

عمر نے فرنیٹ ڈور کھول دیا تھا۔ علیہ نے ایک بار پھر ناٹو کی طرف ہاتھ ہلایا، اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ناٹو

دوپن پورٹ میں کھڑکی ہاتھ ہلانی رہی تھیں۔

”بہت خوش ہو علیزوہ!“

گاڑی سڑک پر لاتے ہی عمر نے اس سے پوچھا تھا۔

”ہاں!“

اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا تھا۔

”تمہارے پاپا بھی بہت خوش ہوں گے؟“

”نظارے، وہ تو مجھ سے بھی زیادہ خوش ہوں گے!“

اس نے فخریہ انداز میں کہا تھا۔

”دہاں! ائیر پورٹ پر کون ریسیو کرے گا تمہیں؟“

عمر نے سر ہٹیک کرتے ہوئے پوچھا۔

”ظاہر ہے کہ، پاپا ہی ریسیو کریں گے۔“

اس نے بے اختیار جھوٹ بولا تھا۔

”تمہارے پاپا کافی سال کے بعد آئے ہیں پاکستان؟“

اس نے پوچھا تھا۔

”ہاں! تین سال کے بعد۔“

”تم تین سال کے بعد رہی ہو؟“

”چار سال بعد!“

”ہر سال کیوں نہیں آتیں؟“

”بس! دیسے ہی، پاپا تو مجھے مہل بلا تے رچے ہیں مگر میرا دل نہیں چاہتا وہاں جانے کو۔ میں جی کے پاس چلی جاتی ہوں، اس لئے کہ مسٹھ میں بہت گرمی ہوتی ہے۔ میں سوچتی ہوں شاید مجھے وہاں کا موسم سوت نہ کرے۔ مجھے اصل میں آسٹریلیا میں زیادہ مزہ آتا ہے۔“

وہ کیے بعد بگڑے وضاحتیں کرتی جا رہی تھی۔ عمر جھانکنے گردن موڑ کر چند لمے اسے دیکھا تھا۔

”ہاں! واقعی آسٹریلیا میں رہنے میں زیادہ مزہ آتا ہے، میں بھی چند سال پہلے وہاں گیا تھا۔“

اس نے جیسے اس کے جھوٹ میں اس کی مدد کی۔

علیزوہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا، وہ ایک بار پھر دہڑ سکرین کی طرف متوجہ تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر اور پرسکون تھا۔ وہ کچھ مطمئن ہو گئی تھی۔

”ہاں، آسٹریلیا میں زیادہ مزہ آتا ہے، اس لئے میں وہاں جاتی ہوں۔“

اس نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی تھی۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ رستے میں ایک غلاور شاپ پر اس نے گاڑی روک دی۔ کچھ کبے بغیر وہ گاڑی سے اتر گیا تھا۔ چند منٹ بعد جب اس کی واپس ہوئی تو اس کے ہاتھ میں سفید لٹلیس کا کبے تھا۔ اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی اسے علیزوہ کی گود میں رکھ دیا۔ وہ حیران ہو گئی۔

عمیرہ احمد صاحبہ کی ناولز پڑھنے کے لئے ایپلی وٹ کریں

”یہ تمہارے لئے ہے۔“

اس نے ایک سکرابٹ کے ساتھ کہا تھا۔

”مگر کس لئے؟“

”پھول دینے کے لئے کسی وجہ کی ضرورت تو نہیں ہوتی ہے۔ بغیر کسی وجہ کے بھی تو دیے جاسکتے ہیں، اور میں تو دیے بھی تمہیں بہت سے ٹفٹ دیتا رہتا ہوں۔ تم انہیں بھی ٹفٹ سمجھو۔“

اس نے گاڑی ٹائٹ کرتے ہوئے کہا تھا، وہ کچھ دیر اس کا چہرہ ہی دیکھتی رہی۔

”ٹھیک ہے!“

کچھ دیر کے بعد اس نے کہا تھا۔

”وٹنگم!“

اس نے اسی پرسکون انداز میں کہا تھا۔

ائیر پورٹ پر گاڑی پارک کرنے کے بعد اس نے علیزوہ کا بیگ اٹھا لیا تھا۔ علیزوہ نے اس سے بیگ لینا چاہا۔

”اٹھیں! آل رائف علیزوہ! میں تمہیں اندر چھوڑ آتا ہوں۔“

اس نے بیگ نہیں دیا تھا۔ علیزوہ نے دوبارہ اصرار نہیں کیا تھا۔

”تم رابلس کب آؤ گی؟“

اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے پوچھا۔

”تقریباً ایک ہفتے کے بعد یا شاید کچھ دن زیادہ لگ جائیں۔“

اس نے اسے بتایا تھا۔

”واپسی پر تمہیں ایک اور خوشخبری ملے گی۔“

اس نے سرسری سے انداز میں کہا تھا۔ علیزوہ نے چمک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ٹائٹل اینڈز میں مسکرایا تھا۔

”کیسی خوشخبری؟“

”یہ تو تمہیں واپسی پر ہی بتا چکا!“

”مگر پھر آپ بتائیں تو سہی؟“

اس نے اصرار کیا تھا۔

”بس! یہ تو تمہیں واپس آنے کے بعد ہی بتا چکا۔“

وہ فیس سے مس نہیں ہوا تھا۔ علیزوہ نے اس کی طرف دیکھ کر کندھے اچکا دیے۔

بیگ اسے چھوٹے ہوئے اس نے علیزوہ کو خدا حافظ کہا تھا۔ وہ اندر جانے کے لئے مڑ گئی تھی۔

”علیزوہ!“

اسے لپٹے پیچھے اس کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔

”I will miss you!“

اپنی مخصوص سکرابٹ کے ساتھ اس نے انگلیں میں کہا تھا۔ وہ کچھ جروانی سے اسے دیکھتی ہوئی واپس مڑ گئی۔

”البتہ کل کے لئے میں کافی دشمن بخاری ہوں، تم دیکھ لیتا بلکہ خود ہی خانہاں سے کہہ دینا، اگر کوئی خاص چیز وہ بھول جائے تو۔“

وہ اب دوبارہ ملازم کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

”میں دیکھ لوں گی، آپ گھر نہ کریں۔“

وہ مکان سے باہر آگئی تھی، لاڈلچ کی گھڑی تین بج رہی تھی۔

”اوردہ رات کے تین بجے کچھ پیچھے گا۔ ابھی پورے بارہ گھنٹے باقی ہیں اور مجھے ان بارہ گھنٹوں میں کیا کرنا چاہئے؟“

اس نے سوچنے کی کوشش کی تھی۔

اپنے کمرے میں جا کر رات کو بیٹنے کے لئے کپڑے دیکھنے شروع کر دیے تھے۔ پھر ایک لباس اس نے

مختار کی لڑکی اٹھایا تھا خیال آنے پر وہ واہیں مچن میں آگئی تھی۔

”نانو! عمر ڈرائیور کو پچانے کا کیسے؟ یہ ڈرائیور تو نیا ہے اور ڈرائیور بھی عمر کو نہیں پہچانتا!“

”میں نے ڈرائیور کو عمر کی تصویر دکھا دی تھی۔ جزیرہ احتیاط کے طور پر میں نے اسے کارڈ پر عمر کا نام لکھ دیا

ہے۔ عمر کارڈ اس کے پاس دیکھ کر خود ہی آ جائے گا۔“

”ہاں! ایسا ٹھیک ہے۔“

وہ مطمئن ہو کر واہیں اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

رات کا کھانا اس نے نانو کے ساتھ آٹھ بجے کھالیا۔ پہلی بار کاک کو بار بار دیکھتے ہوئے اسے احساس ہوا

کہ وقت کو پر نہیں لگتے بلکہ بعض دفعہ وقت بالکل رک بھی جاتا ہے۔ اس کی تیز رفتاری ہی صبر آزمائیں ہوتی۔ بعض

دفعہ اس کی سست رفتاری بھی تکلیف دہ ہوتی ہے۔

”نانو، آپ ڈرائیور کو کتنے بجے بھیجیں گی؟“

کھانے سے فارغ ہو کر طیز رو نے پوچھا تھا۔

”ایک بجے۔“

”آپ عمر کا انتظار کریں گی؟“

”ظاہر ہے، مجھے تو ویسے بھی رات کو نیند نہیں آتی مگر تم جاہو تو جا کر سو جاؤ۔“

”نہیں نانو! میں بھی انتظار کروں گی۔“

”تمہیں صبح یونیورسٹی جانا ہے۔“

نانو نے اسے یاد دلایا۔

”ہاں! مجھے پتہ ہے لیکن کچھ نہیں ہوگا۔“

اس نے ان کی یاد دہانی کو کسی ان سنی کرتے ہوئے کہا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ نانو کے ساتھ لاڈلچ میں بیٹھ گئی۔ ٹی وی پر پروگرام دیکھتے ہوئے وہ ساتھ ساتھ

باب 9

اچھے دن یونیورسٹی میں اس کا دل نہیں لگتا۔ مگر واہیں آتے ہی وہ سیدھا کچن میں مچی۔

”نانو رات کے لئے کیا پکوا رہی ہیں؟“

”کوئی خاص چیز کھانے کو دل چاہ رہا ہے؟“

نانو نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

”نہیں! میں اپنے لئے نہیں عمر کے لئے پتھر ہی ہوں۔ اس کے لئے کیا بخاری ہیں۔“

نانو کرسی پر بیٹھی ملازم سے فریڑ صاف کر داری تھیں۔ انہوں نے کچھ جیرانی سے دیکھا تھا۔

”عمر کے لئے تو کچھ بھی نہیں بخاری۔“

”کیوں نانو؟“

وہ کچھ حیران رہ گئی۔

”آپ کو یاد ہے تاکہ وہ رات کو آ رہا ہے؟“

”ہاں، مجھے یاد ہے، وہ دو بجے کی فلائیٹ سے یہاں آئے گا۔ پہنچتے پہنچتے اسے تین بج جائیں گے ظاہر

ہے کہ اس وقت وہ کھانا نہیں کھائے گا سیدھا حواسو نے کے لئے چلا جائے گا۔“

”بھریسی نانو! فرض کریں اس نے کھانا نہ کھایا ہوا تو؟“

”یہ فرض کرنے والی بات ہے ہی نہیں، وہ رات کا کھانا یقیناً فلائیٹ میں ہی کھائے گا۔ تم جانتی ہو کہ

کھانے کے معاملہ میں وہ کتنا باقاعدہ ہے۔“

”بھریسی نانو! بھوک کا کیا ہے۔ وہ تو کسی بھی وقت گنگ سکتی ہے، اگر اس نے کچھ کھانے کے لئے مانگ لیا؟“

”بعض دفعہ تم حسادت کی حد کو پہنچتی ہو طیز رو! اس طرح بات کر رہی ہو جیسے عمر کھانے کے لئے کچھ ہو

تی نا۔ جنہیں پتہ ہے ہر وقت فریج میں دو تین دشمن ضرور ہوتی ہیں۔ بھوکا نہیں سوئے گا وہ۔“

طیز رو کچھ خرمندہ کی ہو گئی تھی۔

عمر کے بارے میں بھی باتیں کرتی جا رہی تھیں۔

ایک بیجے انہوں نے باہر گاڑی کے اشارت ہو کر جانے کی آواز سنی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں بہت سست رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھیں۔

..... ڈیڑھ..... دو..... ڈھائی..... تین.....

سواتین بیجے انہوں نے گیٹ پر پارکن کی آواز سنی تھی۔

”عمر آگیا ہے۔“

بے اختیار علیزہ کے منہ سے نکلا تھا۔ وہ نانو کے ساتھ لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر آگئی تھی۔ گاڑی پورچ میں داخل ہو رہی تھی۔

علیزہ کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ گاڑی میں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے حیرانی سے دیکھا۔

”نانو! گاڑی میں عمر نہیں ہے۔“

”پتہ نہیں کیا بات ہے؟“

نانو بڑبڑاتی تھیں۔ ڈرائیور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آگیا تھا۔

”کیا ہوا؟“ عمر کہاں ہے؟ نانو نے اس سے پوچھا۔

”وہ جی فلائیٹ کینسل ہو گئی۔ موسم کی وجہ سے۔“

”کیا فلائیٹ کینسل ہو گئی؟ مجھے تو عمر نے کوئی اطلاع نہیں دی، اگر ایسا کچھ ہوتا تو وہ مجھے بتا دیتا۔“

جسہیں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔

نانو نے فکر مند سی لہجہ میں کہا تھا۔

”نہیں جی، میں تو انکارا کی کاؤنٹر سے پتہ کر دیا تھا۔ آپ بے شک خود ہی فون کر کے پتہ کر لیں، میں نے تو کچھ لوگوں سے بھی پوچھا تھا، انہوں نے بھی یہی کہا تھا۔“

نانو ابھی بھی بے یقینی تھی۔

”کچھ میں نہیں آ رہا، اگر اس نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔“

”ہو سکتا ہے عمر بھول گیا ہو۔“

علیزہ نے کچھ مایوسی سے کہا تھا۔

”نہیں! عمر اتنا لاپرواہ تو نہیں ہو سکتا۔“

”یکدم صاحب! میں کیا کروں؟“

ڈرائیور نے پوچھا تھا۔

”ٹھیک ہے تم بھی جا کر سو جاؤ!“

علیزہ نے نانو کے ساتھ اندر جاتے ہوئے کہا۔

”عمر کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔“

نانو اب بھی گھرنے لگی تھیں۔

”ہو سکتا ہے ابھی کچھ دیر تک اس کا فون آ جائے، یا صبح فون کر دے۔“

علیزہ نے نانو کو تسلی دی تھی۔

”ہاں، ہو سکتا ہے۔“

”اب آپ سو جائیں نانو!“

”ہاں، میں تو سو جاؤں گی۔ تم بھی جا کر سو جاؤ!“

وہ سر ہلا کر وہاں سے ہٹ گئی۔ وہ بے دلی کے ساتھ اپنے کمرے میں آگئی تھی اس کی آنکھوں سے نیند کھل طور پر غائب ہو چکی تھی۔ وہ اب جھنجھلا رہی تھی۔

”کیا فائدہ ہوا اس طرح اچھوتوں کی طرح انتظار کرنے کا۔ نانو ٹھیک کہتی ہیں، بعض فائدہ کم میں واقعی حد کر دینی ہوں حماقت کی۔“

اس کی آنکھوں میں ہلکی سی آنسو آگئی تھی۔

”عمر کو بتانے کا بہ اطلاع تو دینی چاہئے تھی۔ اسے سوچنا چاہئے تھا، یہاں سب لوگ اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔“

وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ بے اختیار اس کا قدم عمر کے کمرے کی طرف اٹھ گئے تھے۔ کمرے کی لائٹ جلا کر اس نے چاروں طرف نظر ڈرائی تھی۔ اسے کمرہ یکدم بہت اداس لگنے لگا تھا۔ کچھ دیر پہلے عمل نظر آنے والی ہر چیز یک دم نامکمل نظر آنے لگی تھی۔ وہ کچھ دور دل گرفتہ ہو گئی۔ کمرے میں رکھی تازہ پھولوں کی اوریج مینکس کو لے کر وہ بیڑ پر بیٹھ گئی اور اس نے انہیں دوبارہ ترتیب دینا شروع کر دیا چند منٹوں میں یہ مصروفیت بھی ختم ہو گئی تھی۔ اس نے انہیں نئی جگہوں پر رکھا تھا۔ مدھم آواز میں سنیر پلانا کر دیا تھا۔ کل کمرے کی صفائی کرواتے ہوئے بھی وہ یہی کیسٹ سن رہی تھی۔

”Every thing I do I do it for you!“

برائن اینڈمر کی خوبصورت آواز کمرے میں ابھرنے لگی تھی۔

”اگر وہ آ جاتا تو اس وقت یہ کمرہ اتنا اداس اور اکیلا نہ ہوتا۔“

وہ بالآخر دھڑکی سے ایک بار پھر اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ریک میں پڑا ہوا ایک ناول اٹھا کر وہ بیڑ پر بیٹھ گئی تھی، وہ جیسے کمرے کی تہائی اور اداسی کو دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جیسے عمر کی کو پورا کرنا چاہ رہی ہو۔

ناول پڑھتے ہوئے اس نے سوچنے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا اور کیا کر رہا ہوگا۔

”وہ جہاں بھی ہوگا، سو رہا ہوگا۔“

فورا اس کے ذہن میں ابھرا تھا۔

ساکت ہو گئی تھی، وہاں ایک والٹ اور سٹ داج چڑی تھی۔ وہ بے چینی سے ان چڑیوں کو دیکھتی رہی تھی پھر اس نے کمرے کا تھیلہ جائزہ لیا کرے میں اس کو دیکھ بھی نہیں تھا۔ پھر خیال آنے پر وہ لپک کر ڈرائیگ روم کی طرف گئی اور دروازہ کھولے ہی اس کے کپڑوں پر ایک مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ وہاں دو بھاری بھر کم سوٹ کیس پڑے ہوئے تھے۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر آئی تھی، ناٹوک وائزس دیتے ہوئے لاؤنج میں آ گئی۔

”ادھر کچن میں ہوں علیز، اوکیا ہو گیا ہے؟“

ناٹوک وائز سے سنا دی، وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

ناٹوک وائز باریا تھیں۔

”ناٹو! عمر آگیا ہے؟“

ناٹو نے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

”دیکھیں تم سے کس نے کہا؟“

انہوں نے انہماں بننے ہوئے کہا۔

علیز نے ان کی مسکراہٹ دیکھ لی تھی۔

”ناٹو! پلیز، رجسٹر نہ بولیں عمر آگیا ہے۔ مجھے پتہ ہے۔“

وہ کرسی کھینچ کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

”ہاں آگیا ہے مگر ساڑھے چار بجے آیا ہے؟“

”مگر اس کی تو فلائیٹ تو کینسل ہو گئی تھی۔“

”ہاں! مگر وہ اس فلائیٹ سے نہیں آیا۔ اور تو تم نے یہ کیا بے وقوفی کی۔ سارا دن کمرہ تیار کرنے کے بعد خود وہاں جا کر سو گئیں۔“

ناٹو نے اسے ڈانٹنا شروع کر دیا۔

”وہ ہے چارہ تھا کہ ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں گیا تو وہاں تم سوئی ہوئی تھیں۔ وہ وہاں آگیا، جس جہیں چکا جا رہی تھی مگر اس نے صبح کر دیا پانڈر جانے سے۔ اس نے کہا کہ وہ کبھی اس رو سو جائے گا۔ میں نے اسے ایک کمرہ کھول دیا مگر کبھی وغیرہ سارے اسٹور میں سے پھر میں نے اسے اپنا کبھل دے اور دیکھا تو تیار ہونے کے کمرے سے کھلے آئے۔“

ناٹوک وائز بتاتے ہوئے اسے بتا رہی تھیں۔

”میں دیکھے ہی اس کے کمرے میں گئی تھی پھر پتہ نہیں، کب مجھے نیند آ گئی۔ مجھے کیا پتہ تھا آج ہی آجائے گا، لیکن وہ آیا کیسے؟“

”جیسی پر آیا ہے؟“

”اب کہاں ہے؟“

”ابھی سویا ہوا ہے۔“

”کہاں؟“

”اور یہاں پر لوگ اس کے انتظار میں جاگ رہے ہیں۔“

اس کی نگاہ میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ ناول پڑھتے ہوئے اسے اپنی آنکھیں پوچھل ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ آنکھوں کو بند کرنے کے اس نے آنکھوں کو کچھ آرام پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ دوبارہ آنکھیں کھولنے کے اسے کوشش ہی نہیں کرنی پڑی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی۔

جس وقت دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تھی تو کمرے میں سوچ کی روشنی چمکی تھی۔ آنکھیں کھول کر وہ کچھ دیر تک وہ دیکھنے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ ہے کہاں؟ پھر یک دم وہ جان گئی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ اسے حیرانی ہوئی تھی کہ وہ وہاں کیسے سو گئی تھی۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ سوئے سے پہلے کیا کر رہی تھی، اسے یاد آگیا وہ ناول پڑھ رہی تھی۔

”اور پھر مجھے نیند آ گئی ہوگی۔“

اس کی نظر سانسے دیوار پر لگے ہوئے وال کاک پر پڑی تھی، ساڑھے دس بجنے والے تھے اور وہ کچا کچا ہو گئی تھی۔

”میں اتنی دیر تک سوئی رہی۔“

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”ناٹو نے یہ سوچ کر مجھے اٹھانے کی کوشش نہیں کی ہوگی کہ میں رات کو دیر سے سوئی تھی، اب اپنی نیند پوری کر لوں۔“

اس نے سوچا تھا، ہاں میں ہاتھ سے بچا رہی ہوں اس نے اپنی آنکھوں سے کھل جانا چاہا، اور ایک بار پھر رات گئی تھی۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ کیا رات کو اس نے اپنے اوپر کھل لیا تھا۔ اسے یاد تھا کہ جس وقت وہ ناول پڑھ رہی تھی اس وقت اس نے کھل نہیں اڑھا تھا۔

”ہو سکتا ہے نیند میں لے لیا ہو۔“

اس نے سوچا تھا۔ کھل جانے کے بعد اس نے بیڈ پر ناول دیکھنے کی کوشش کی تھی، ناول بیڈ پر نہیں نظر آیا تھا۔ اس نے بچے کو روک پتہ پر دیکھا۔ ناول وہاں بھی مگر نہیں تھا۔ وہ کچھ اٹھ گئی تھی، ناول کو وہیں ہونا چاہئے تھا۔ اس نے گردن موڑ کر سائیڈ ٹیبل پر دیکھا، اور کچھ دیر تک وہ اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ ناول کو وہاں ہونا چاہئے تھا۔ اسے یاد ہی نہیں تھا کہ اس نے ناول وہاں رکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے سونے کے بعد ناٹو وہاں آئی ہوں اور ناول اٹھا کر یہاں رکھ دیا ہو۔ اسے بالآخر خیال آیا اور وہ کچھ شرمندہ ہو گئی۔

”پتہ نہیں میرے یہاں ہونے پر ناٹو نے کیا سوچا ہوگا؟ اور اب مجھے کیا بھانہ کرنا چاہئے؟“

کھل جہ کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ کھل کرنے کے بعد اس نے سوچ بیکل کو دیکھا۔ سارے سوچر آف تھے، میسر بھی آف کر دیا گیا تھا اور اب تو اس بات میں کوئی شک ہی نہیں رہ گیا تھا کہ، ناٹو وہاں آئی تھیں اس نے بیڈ کی چادر کھینک کی اور پانڈا پٹہ اٹھا کر کمرے سے نکلے گئی تھی کہ جب اس کی نظر ڈرائیگ بیکل پر پڑی تھی وہ

”میرے کمرے کے ساتھ والے کمرے میں، اب تم اس کو چگانے مت پہنچ جانا۔“

”نہیں نا! میں کیوں اسے چگاؤں گی؟“

وہ کچھ حشر مند ہوئی تھی۔

”ڈپے وہ کب اٹھے گا؟“

”کچھ دیر بعد اس نے پوچھا تھا۔“

”پتہ نہیں لیکن میرا خیال ہے لُچ تک اٹھ ہی جائے گا۔ اسی لئے میں لُچ پر اس کے لئے خاص طور پر ڈشیز

تیار کروا رہی ہوں۔“

نانو نے اسے بتایا تھا۔

”یو ٹیو بی کا نام تو نکل گیا ہے، اب تم منہ ہاتھ دھو لو، کپڑے پہنچ کر دو اور آکر کچھ کھا لو۔“

نانو نے اس سے کہا تھا، دوسرے بلاتی ہوئی کچھ سرورس اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

پندرہ منٹ میں وہ ہمارا حشر مند دوبارہ بکن میں آگئی تھی۔

”ناؤ! میں لُچ ہی کروں گی، ابھی کچھ کھالیا تو پھر بھوک نہیں رہے گی۔“

اس نے آئی اے اعلان کیا تھا۔

”ٹھیک ہے مت کھاؤ۔“

نانو نے اسرار نہیں کیا تھا۔

”آپ نے عمر کے ساتھ باتیں کی تھیں؟“

اس نے بڑی دلچسپی سے پوچھا تھا۔

”نہیں!“

”کیوں؟“

”جیسا کہ میں کرتی، سڑھے چار بجے تو وہ بے چارہ آیا تھا اور میں اس وقت اس سے کیا باتیں کر رہی تھی۔“

ناؤ کسٹروڈ کی گھڑنگ کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”کیسا لگ رہا تھا؟“

علیہ نے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

”He has always been handsome“ (وہ ہمیشہ سے ہینڈسوم ہے۔)

نانو نے فخر سے انداز میں کہا تھا۔

”ناؤ! میں اس لئے پوچھ رہی تھی کہ وہ پہلے سے کچھ بدلا ہوا ہے یا نہیں۔“

”علیہ! ابھی اٹھ جانے کا تو دیکھ لیا کہ بدلا ہے یا نہیں!“

نانو نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔



باب ۱۰

انریٹل پورٹ پر ڈرائیور اس کے نام کا کارڈ لئے موجود تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔ انریٹل پورٹ سے گھر تک کا راستہ بھی خاموشی سے طے ہوا۔ ڈرائیور گاڑی ڈرائیو کرتا رہا تھا اور وہ سڑک پر نظر آنے والی ٹریفک دیکھتی رہی تھی۔ جوں جوں گھر قریب آتا جا رہا تھا اس کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ وہ مسلسل اپنے باپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

”وہ یقیناً مجھے دیکھ کر حیران ہوں گے، کیونکہ اب میں بہت بڑی ہوگئی ہوں۔ ہو سکتا ہے اب میرا قد بھی ان کے برابر آگیا ہو۔“

اس نے مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔

”پاپا یقیناً مجھے بہت مس کر رہے ہوں گے۔ اسی لئے تو انہوں نے مجھے یہاں آئی سی بلا لیا ہے۔“

اسے کچھ فخر کا احساس ہوا تھا۔

گاڑی اب اس کے دوسلیاں گھر پہنچ گئی تھی۔ ڈرائیور کے ہارن بجانے پر گیٹ کھل رہا تھا۔

سانے پورچ خالی نظر آ رہا تھا۔

”ابھی ہارن سننے پر پاپا باہر آ جائیں گے۔“

اس نے کچھ سرور ہو کر سوچا۔

گاڑی اب پورچ میں پہنچ گئی تھی۔

وہ دروازہ کھول کر بیٹے اتر آئی۔ پورچ ابھی بھی خالی تھا۔ ڈرائیور اب ڈکی سے اس کا سامان نکال رہا تھا۔

وہ ابھی بھی اندر سے پاپا کی ادور کی آمد کی منتظر تھی۔ ڈرائیور لے ڈکی سے سامان نکالنے کے بعد اٹھ گیا۔

”علیہ! لی لی! اندر آ جائیں۔“

یہ کہتے ہوئے وہ پیچھے دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اسے یک دم ہلای ہوئی تھی۔

”پاپا! علیہ! لاؤنج میں ہوں گے اور میرے اندر آئے کا انتظار کر رہے ہوں گے۔“

اس نے فوراً خود کو کھلی دی تھی۔ ڈرائیور کے پیچھے دو بھی اندر داخل ہو گئی تھی۔ لاؤنج خالی تھا، وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ڈرائیور نے ایک کونے میں اس کا بیگ رکھ دیا تھا۔

”آپ بیٹھ جائیں، میں اندر بتا دیتا ہوں۔“ ڈرائیور اس سے کہتا ہوا اندر چلا گیا تھا۔

علیہ کو وہ خود سے زیادہ اس گھر کا ایک فرد لگتا تھا۔ کسی مہمان کی طرح وہ ایک صوف پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی مایوسی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ گھر میں اپنی خاموشی تھی جسے وہاں ملازمین کے علاوہ کوئی تھا ہی نہیں۔ اس گھر میں ہمیشہ اپنی ہی خاموشی رہتی تھی۔ بچپن سے لے کر اب تک وہ ہمیشہ بارہاں آئی تھی، ہمیشہ اسی خاموشی نے اس کا استقبال کیا تھا ہاں پہلے فرق یہ تھا کہ پاپا اسے دروازے پر بلا کر آتے تھے اور اس خاموشی کو وہ بعد میں محسوس کیا کرتی تھی۔ آج خاموشی کو اس نے پہلے محسوس کیا تھا اور پاپا سے وہ ابھی نہیں آتی تھی۔

بچپنی بار جب وہ یہاں آئی تو دادا کے علاوہ چچی اور ان کے دو بچوں سے بھی اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس گھر کے کینوں کی تعداد اس اپنی ہی تھی۔

”پاپا اور ان کی بھینسی“

اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا۔ کمرے میں ڈرائیور کے ساتھ ایک عورت داخل ہوئی۔ علیہ نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ خاندان کی بیوی تھی۔ بچپن کی سال سے وہ دونوں وہیں کام کر رہے تھے۔ اس عورت نے آتے ہی بیوی گرم جوشی اور کدھار سے علیہ سے ہاتھ ملا لیا۔ اس کا حال احوال پوچھا تھا۔

”سب لوگ تو ابھی سو رہے ہیں، آدھے گھنٹے تک اٹھ ہی جائیں گے۔ صاحب نے آپ کے آنے کے بارے میں ہمیں رات کو بتا دیا تھا، اور کہا تھا کہ جب آپ آئیں تو میں آپ کو کمرے میں پہنچا دوں اور آرام کرنے کے لئے کہوں!“

زیرینہ نے اسے آگاہ کیا تھا۔ علیہ کو ایک اور ہنسا لگا۔

”پاپا سو رہے ہیں؟“

اسے یقین نہیں آیا تھا۔

”ہاں! یہاں سب لوگ سو رہے ہیں، لیکن آدھے گھنٹے تک اٹھ ہی جائیں گے۔ آپ میرے ساتھ آئیں میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دیتی ہوں۔ آپ چاہیں تو کچھ دیر آرام کر لیں۔“

زیرینہ نے اس کا بیگ اٹھا لیا۔ وہ خاموشی سے زیرینہ کے پیچھے چلتی گئی تھی۔ زیرینہ نے ایک کمرے کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا تھا۔ وہ کمرے تک علیہ کو رہنمائی نہ بھی کرتی جب بھی علیہ کو وہ کمرہ اچھی طرح یاد تھا۔ ہمیشہ یہاں آنے پر وہ اس کمرے میں ٹھہرا کرتی تھی۔ کمرے کی کھرابی اور پردوں کا رنگ بدلا چکا تھا۔ سرگینسٹری وہی تھی۔ زیرینہ نے کمرے کے ایک کونے میں اس کا بیگ رکھ دیا تھا۔ علیہ خاموشی سے بیڈ پر جا کر بیٹھی گئی تھی۔

”آپ کے لئے چائے لاؤں؟“

ملازمہ نے اس سے پوچھا تھا۔

”نہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔“

کچھ بجے ہوئے دل کے ساتھ اس نے زیرینہ سے کہا تھا۔

وہ سر ہلاتی ہوئی اس کمرے سے نکل گئی۔ وہ چپ بیڈ پر سیدھا لیٹ گئی۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہاں میں اس وقت ڈانٹا کر رہی ہوں گی۔ وہ یقیناً دوپہر کا کھانا تیار کروا رہی ہوں گی، اسے خیال آیا تھا اور شاید مجھے یاد کر رہی ہوں گی۔ اس نے خود کو خوش کرنے کی کوشش کی تھی۔

بیڈ پر سیدھی لیٹی وہ بہت دیر تک چمت کو بے مقصد دیکھتی رہی پھر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں جب وہ غنودگی کے عالم میں تھی تو اس نے دروازہ پر دستک پڑی تھی۔ بے اختیار اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ دستک ایک بار پھر ہوئی، اور وہ اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

”میں کون ان!“ اپنے ذہن پر چھائی ہوئی غنودگی کو اس نے جب تک کر دود کرنے کی کوشش کی تھی۔ دروازہ کھول کر خاندان کی بیوی اندر آئی تھی۔

”علیہ! بی بی اسکندر صاحب اٹھ گئے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔“

اس نے اندر آتے ہی اطلاع دی۔ علیہ بے اختیار پیر سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے کی مایوسی ایک دم غائب ہو گئی تھی۔

”پاپا کہاں ہیں؟“ اس نے زیرینہ سے پوچھا تھا۔

”وہ کچھ کرنے کے لئے ڈانٹا کر رہے ہیں۔“

زیرینہ نے اسے بتایا تھا۔

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی تھی۔

”ڈرائنگ روم میں وہ صرف اکیلے ہی ہیں؟“

اس نے کوہ پور میں آ کر زیرینہ سے پوچھا تھا۔

”نہیں، سب لوگ وہیں ہیں، بی بی صاحب، بی بی اور ظہر۔“

اس نے علیہ کو دادا، چچی اور ان کے بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

”اوکل منان کہاں ہیں؟“

اس نے اپنے بچا کے بارے میں پوچھا تھا۔

”چھوٹے صاحب تو ٹیکسری گئے ہوں اور تانیہ بی بی ابھی سکول سے ہی نہیں آئیں۔“

زیرینہ نے گھر کے باقی دو افراد کے بارے میں بھی اسے اطلاع دی، اور وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔

جب وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو سب لوگ گفتگو میں مصروف تھے۔ سکندر اسے دیکھ کر اپنی کرسی پر

اس کی چچی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

اس نے خاموشی سے پلٹ اپنے آگے سرکالی اور اس میں چاول ڈالنے لگی۔ سکندر ابھی بھی اپنے والد سے باتوں میں معزوف تھے۔ چچی اور ملو خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے، اور وہ جوکل سے یہ سوچ رہی تھی کہ یہاں آتے ہی سب اسے خاص اہمیت دیں گے۔ کیونکہ وہ چار سال کے بعد وہاں آئی تھی۔ بے عدول گرفتار تھی۔ یہاں کسی کو اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔

”جتنی کہ میرے پاپا کو بھی نہیں، جوکل یہ کہہ رہے تھے کہ وہ مجھے بہت مس کر رہے ہیں۔“

اس نے بے دلی سے چاول کھاتے ہوئے سوچا۔ چچی نے کھانے کے دوران دو چار بار ڈشز اس کی طرف بڑھائی تھیں، مگر جب اس نے کھانے میں دلچسپی ظاہر نہیں کی تو ان کا جوش و خروش بھی غٹھا پڑ گیا۔ اس نے اعزاء کو لگنے کی کوشش کی تھی کہ نالو کے ساتھ کھانا کھائے اور پاپا کے ساتھ کھانے میں کیا فرق ہے؟ اسے احساس ہوا تھا دونوں جگہ اس کے لئے کوئی خاص تہہ بلی نہیں تھی۔

کھانے کے دوران اس کے دادا ابو نے دو تین بار اسے مخاطب کیا تھا۔ اور پھر کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ آئی ٹی سہ ماہی ملو کے ساتھ ڈانگ روم میں سے نکل گئی تھی۔ تب اس کے پاپا نے اس سے دوبارہ گفتگو کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

”اسٹاپ ریسی جاری ہیں تمہاری؟“

انہوں نے سویت ڈش نکالنے ہوئے پوچھا تھا۔

”بہت اچھی!“

وہ باپ کے مخاطب کرنے پر ایک بار پھر خوش ہو گئی تھی۔

”کوئی کلاس میں ہو؟“

اسے ان کے سوال پر یک دم دھچکا لگا تھا۔ اس کا خیال تھا انہیں یہ یاد ہوگا ہر بار فون پر وہ انہیں اپنی کلاس کے بارے میں ضرور بتایا کرتی تھی۔

”اے۔ لیڈر میں“

مدم آواز میں اس نے کہا تھا۔

”آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟“

”آگے کے بارے میں ابھی سوچا نہیں، آپ بتائیں پاپا! مجھے آگے کیا کرنا چاہئے؟“

اس نے بڑے اشتیاق سے سکندر سے پوچھا تھا۔

”جو تم کرنا چاہتی ہو وہ کرو۔“

انہوں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”مگر میں وہ کرنا چاہتی ہوں جو آپ چاہتے ہیں!“

اتھ کر اس کی طرف آئے اور اسے خود سے لپٹایا تھا۔

”میں تو تمہیں پہچان ہی نہیں سکا علیزو! تم تو اتنی بڑی ہو گئی ہو؟“

انہوں نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا تھا علیزو! کچھ سرخ ہو گیا تھا۔

”اب تو تم میرے جتنی ہو گئی ہو!“

انہوں نے اسے بہلاتے ہوئے کہا تھا۔

”کیسی ہو تم؟“

”میں ٹھیک ہوں پاپا! آپ کیسے ہیں؟“

اس نے جواب پوچھا تھا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں، اور تمہیں سفر میں کوئی پرالہم تو نہیں ہوا؟“

انہوں نے اس کے گال پر تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں!“

اس نے مختصر اجواب دیا تھا۔

”اپنے دادا ابو اور آئی سے ملی ہو؟“

اسے ساتھ لئے ہوئے ڈانگ ٹیکل کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے پوچھا تھا۔

”نہیں جب میں آئی تو سب لوگ سو رہے تھے۔“

اپنی آئی کو دیکھ کر اس نے سگراتے ہوئے کہا تھا، اور دادا ابو نے حسبِ حادث اس کے سر پر ہاتھ بھیرتے ہوئے اس کا حال احوال دریافت کیا۔ آئی نے اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر اسے گلے لگے کیا تھا۔

”تمہارے پاپا ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں کہ تم تو اتنی بہت بڑی ہو گئی ہو۔“

انہوں نے اس کے سر پر ایک کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

آئی میں چار سال بعد یہاں آئی ہوں۔ چار سال میں مجھے کچھ نہ کچھ تو بڑا ہونا ہی تھا۔

اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے، بارہ سالہ ملو سے ہاتھ ملاتے ہوئے دھکی آواز میں کہا۔ اس کی چچی جواباً صرف ہلکے سے سگرا دیں تھیں۔ سکندر اب اپنی کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔

”یہاں میرے پاس آ جاؤ علیزو!“

انہوں نے اپنے تائیں طرف والی کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے ان کی طرف آئی تھی۔ سکندر اب دوبارہ اپنے باپ سے باتوں میں معزوف ہو چکے تھے۔ وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگی، ان کے چہرے پر

چند جھروں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ جھجکی ہار کی نسبت زیادہ تریش اور سارٹ نظر آ رہے تھے۔ اسے وہاں ان کے پاس بیٹھ کر عجیب قسم کے تحفظ کا احساس ہونے لگا۔

”علیزو! کھانا شروع کر دو جیسی تم کس چیز کا انتظار کر رہی ہو؟“

”بھئی، میں کیا تاکتا سکھ ہوں کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے یہ تو تمہیں خود طے کرنا ہے یا پھر تمہاری ہی اور نانو طے کریں گی۔“

سکندر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔

”نو پاپا! ان سے نہیں آپ سے گائیڈ نہیں لینا چاہتی ہوں، یقین کریں میں وہی کردوں گی جو آپ مشورہ دیں گے۔“

اس نے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جیسے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔

اس کے پیالے غور سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

”جوش میں کہوں گا۔ پوچھ لیا کہ اس پر بعد میں بات کریں گے۔“

انہوں نے بات کا موضوع بدل دیا تھا۔

”تمہارے نانا ثانی کیسے ہیں؟“

”ہاں ٹھیک ہیں!“

”تمہارا خیال رکھتے ہیں؟“

انہوں نے جیسے کچھ جانچنے کے لئے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں، اور نانو تو ایک منٹ بھی میرے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ نانا بھی بہت کیرنگ ہیں۔ ابھی بھی یہاں آئے پر وہ دونوں بہت اداس ہو رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ وہ مجھے بہت مس کریں گے۔ اصل

میں ان دونوں کو میری بہت عادت ہو گئی ہے۔ میں نہیں ہوتی تو وہ تہاں کی شکار ہو جاتے ہیں۔ نانو تو آئے ہی نہیں

دے دے تھی کہ میں ابھی چند ہفتہ پہلے ہی آئرلییا سے آئی ہوں، اور اب پھر باہر ہوں۔ مگر میں شکر کہ آئی

ہوں، وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں، پھر بھی پیلا میرا دل وہاں نہیں لگتا۔“ اس نے جھوٹ کا ایک اظہار صبح کرتے

ہوئے کہا تھا۔ سکندر اس کی باتوں سے جیسے مطمئن ہو گئے تھے، ایک بار پھر وہ سوین ڈش کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”کیوں! دل کیوں نہیں لگتا؟“

انہوں نے پوچھا تھا۔

”میں! آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔“

وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ ان کے ساتھ رہتا چاہتی ہے، مگر وہ کچھ جھجک کر بات بدل گئی تھی۔

”تمہیں ان کی محبت کی قدر کرنی چاہئے۔ آخر وہ تمہاری اتنی پردادہ کرتے ہیں، تمہیں کوشش کرنی چاہئے کہ

تمہارا دل بھی وہاں لگا رہے!“

انہوں نے جو کہا تھا۔ وہ ان سے نہیں سنتا چاہتی تھی۔ کچھ مایوس ہو کر اس نے باپ کی طرف دیکھا تھا۔

”میں کوشش کرتی ہوں۔“

کچھ بے دلی سے اس نے کہا تھا۔

”تمہاری آغوش اپنے سینے کی ہوئی ہیں، شام کو آجائیں گی تو تم مل لینا ان سے۔“

انہوں نے اسے تاپایا تھا۔ علیحدہ نے غور سے باپ کا چہرہ دیکھا وہ بہت مطمئن نظر آ رہے تھے۔

”وہ آپ کے ساتھ آئی ہوئی ہیں۔“

”ہاں! وہ میرے ساتھ آئی ہوئی ہیں۔“

وہ کچھ چپ سی ہو گئی۔ اس کے باپ نے اس کی خاموشی کو بغور نوٹ کر لیا تھا۔

”تمہارے لئے کچھ چیزیں لے کر آئے ہوں، کچھ چیزیں تمہاری آغوش نے بھی پسند کی ہیں۔ شام کو جب وہ

آئیں گی تو خود ہی تمہیں دین گی۔“

انہوں نے اسے اطلاع دی تھی۔

”مجھے ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے۔ تم آرام کرو یا پھر اپنی آغوش وغیرہ سے انہیں کرو، شام کو تم سے

دوبارہ ملاقات ہوگی۔“

انہوں نے سوین ڈش ختم کرنے کے بعد منجیل سے مکڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔ وہ بھی خاموشی سے ان

کے ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔

”کیا میں اس طرح ان کے ساتھ ایک ہفتہ گزاروں گی۔“

اپنے کمرے میں جانے کے بعد اس نے کچھ دل گرفتگی سے سوچا تھا۔

”پیلا کو پتہ نہ ہونا چاہتا تھا کہ میں چار سال کے بعد ان سے مل رہی ہوں یا ان کے پاس میرے لئے قہوڑا

سادت بھی نہیں ہے؟“

وہ ایک بار پھر بیڈ پر لیٹ گئی۔

☆☆☆

وہ تین سال کی تھی، جب اس کے والدین کے درمیان طلاق ہو گئی تھی۔ طلاق کی وجوہات پر دونوں میں

سے کسی نے بھی روشنی ڈالنا پسند نہیں کیا تھا اس لئے وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے والدین کے درمیان کون سے

اختلافات تھے۔ ان دونوں سے یہ سوال پوچھنے کی ہمت وہ بھی نہیں کر سکتی مگر نانو سے اس نے چند ایک بار یہ سوال

پوچھا تھا اور ملنے والا جواب اس کی تسلی نہیں کر سکا تھا۔ وہ ہمیشہ یہی کہہ دیتی تھی کہ ان دونوں کے درمیان اظہر

اشیاء تک نہیں ہوئی۔

طلاق کے بعد علیحدہ اپنی ماں کی کسٹڈی میں رہی تھی۔ سکندر نے اس سلسلے میں پورا تعاون کیا تھا۔ طلاق کے

ایک سال کے اندر علیحدہ کی مامی کی دوسری شادی ہو گئی تھی اور جب بے طے آیا تھا کہ علیحدہ اپنے نانا کے پاس رہے گی۔

سکندر نے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ وہ خود بھی دوسری شادی کرنا چاہ رہے تھے، اور علیحدہ کی ذمہ

داری اٹھانے سے کچھ گریزاں تھے، ان کے اپنے کھر میں ایسا کوئی نہیں تھا جو علیحدہ کو بال سکتا اور وہ اسے اتنی چھوٹی عمر

میں اپنے ساتھ مقدمہ بھی نہیں لے جاسکتے تھے اور نہ ہی وہ بے لگا چاہتے تھے کیونکہ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری تھی۔

اس لئے انہوں نے علیحدہ مستقل طور پر اس کے فضیال کے حوالے کر دیا تھا، ہر ماہ وہ اس کے اخراجات کے لئے ایک اچھی خاصی رقم اس کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کر دیا کرتے تھے اور ان کی یہ روشیں اب تک جاری تھی۔

طلاق کے دو سال بعد انہوں نے اپنی پسند کی دوسری شادی کر لی تھی اور وہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ مسقطا لے گئے تھے۔ علیحدہ سے چند ماہ کے وقفے سے وہ فون پر باتیں کیا کرتے تھے اور پاکستان آنے پر چند دن کے لئے اس کو اپنے پاس بلوا لیا کرتے تھے۔ ان کے خیال میں ان کی ذمہ داری سنبھلنے پر پوری ہو جاتی تھی۔

علیحدہ کی کسی اپنے شوہر کے ساتھ آسٹریلیا میں مقیم شخص اور علیحدہ کے ساتھ ان کا سلوک بھی سکندر سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ وہ چینیوں میں علیحدہ کو اپنے پاس آسٹریلیا بلوا لیا کرتی تھیں۔ چھپایاں گزارنے کے بعد علیحدہ وہاں پاکستان آ جایا کرتی تھی۔ پچھلے کئی سالوں سے کمریوں کی چینیوں میں اس کا بھی معمول تھا۔

اس کی بھی اور پاپا بہت پر سکون گزار رہے تھے۔ شاید ان میں سے کسی کو بھی اچھا سا تھوڑا زندگی کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ وہ ہر بار ان سے ملنے کے بعد بھی کہتی تھی کہ اس کے بغیر بھی وہ دونوں بہت خوش تھے شاید ان دونوں کو بھی اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی ہوگی اور وہ صرف فرض نبھانے کے لئے اسے اپنے پاس بلائے ہوں گے۔ ماں باپ سے ملنے کے لئے وہ جتنی بے جا تب رہی تھی۔ ان سے ملنے کے بعد اس کی بے چینی اور باہمی بھی ایسی بے چینی ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

دو برس وقت دوبارہ بیدار ہوئی تھی اس وقت شام ہو رہی تھی۔ اپنا بیگ کھول کر اس نے کپڑے نکالے تھے اور پہنانے کے لئے وہ ہاتھ روم میں چلی گئی تھی۔

آدھ گھنٹہ کے بعد وہ تیار ہو کر لاؤنج میں آئی تھی، وہاں کوئی نہیں تھا۔ کچھ سوچ کر وہ باہر لان میں نکل آئی تو آٹنی شام ساڑھے دو بجوں کے ساتھ موجود تھیں۔ علیحدہ سائیکل چلا رہا تھا اور تانہ آٹنی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ آج یہاں آنے کے بعد تانہ بھی تانہ سے نہیں ملی تھی۔ کچھ سال چار سال پہلے وہ یہاں آئی تھی تو تانہ صرف چار سال کی تھی۔ وہ چلتی ہوئی ان کے پاس آگئی۔ آٹنی شام سے تانہ سے اس کا تعارف کر دیا تھا۔ علیحدہ نے اپنا ہاتھ بڑھا لیا تھا اور تانہ نے کچھ شرماتے ہوئے ہاتھ ملایا۔ وہ کرسی کھینچ کر ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر تک تینوں خاموش رہے پھر علیحدہ نے پوچھا

”انگلستان ابھی وہاں نہیں آئے؟“

”نہیں، وہ تو مجھے کے قریب آتے ہیں۔“

ایک بار پھر خاموشی چھا گئی اور علیحدہ کی طرح شاید آٹنی شام بھی اسی الجھن میں گرفتار تھیں کہ اس سے کیا بات کی جائے۔ ایک بار پھر علیحدہ نے ہی پہلی کی تھی۔

”پاپا تکب آئیں گے؟“

”وہ تمہاری آٹنی کو لینے گئے ہیں اور میرا خیال ہے۔ کچھ دیر تک آجائیں گے۔“

آٹنی نے اسے بتایا۔

”دادا اب کہاں گئے ہیں؟“

”پاپا کالج کھیلنے گئے ہوئے ہیں وہ بھی آنے والے ہی ہوں گے!“

علیحدہ ایک بار پھر اگلے سوال کی تلاش میں سرگرداں تھی مگر اس بار آٹنی شام نے اس کی یہ مشکل حل کر دی تھی۔

”کمری کی کیا لگا؟“

فوری طور پر اس کی کچھ شیں نہیں آیا کر دیا جواب دے۔ صبح اخیر پورٹ سے گھر تک دیکھے جانے والے کمری کے ہارے میں وہ کیا تبصرہ کر سکتی تھی۔

”اچھا ہے!“

اس نے مختصر جواب دیا تھا۔

”لے آ جایا کر کمری کبھی، تم صرف تب ہی آتی ہو جب تمہارے پیپا آتے ہیں۔“

انہوں نے شہدہ کیا تھا یا دولت دی تھی۔ اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ اسے اندازہ لگانے میں کبھی بھی مہارت نہیں رہی تھی۔ وہ ان سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ اسے صرف پیپا کے آنے پر ہی بلایا جاتا ہے۔ وہ خاموش رہی۔

”اپنی کمی سے ملتی رہتی ہو؟“

انہوں نے اچانک پوچھا تھا۔

علیحدہ نے انہیں دیکھا۔ بہت محسوس نظر آ رہی تھیں۔

”ہاں! کمی کے پاس تو جاتی رہتی ہوں، ہر سال چھپایاں دو ہیں ان کے پاس گزارتی ہوں۔ وہ جانتی ہیں کہ میں ان کے پاس وہیں رہوں لیکن یہ مجھے بہت مشکل لگتا ہے۔ یہاں تانا اور تانو ہیں میرے بغیر وہ بالکل اکیلے ہو جاتے ہیں۔ ان کے بغیر میرا کہیں اور دل نہیں لگتا۔ اس لئے میں ہر بار کمی کو بارش کر کے واپس آجاتی ہوں۔“

اس نے ایک بار پھر محسوس کا جال بنا شروع کر دیا۔ آٹنی شام نے بھی جواب کچھ نہیں کہا تھا۔

”سکتے دن کے لئے آئی ہو؟“

کچھ دیر بعد انہوں نے اچانک پوچھا تھا۔

یہ تو پاپا پر زنجیر کرتا ہے، وہ چاہ رہے ہیں کہ جب تک یہاں ہیں میں ان کے پاس رہوں۔“

اس نے جال کو ایک اور گرہ لگا لی تھی۔

”یعنی دو ہفتوں کے لئے۔“

شام آٹنی نے کہا تھا۔

علیحدہ کچھ حیران ہوئی تھی۔

”کیا پیپا اس بار صرف دو ہفتوں کے لئے آئے ہیں۔“

”نہیں سکندر، بھائی کو تو پاکستان آئے یہ چوتھا مہینہ ہے، اب تو وہ ہفتہ بندہ واپس جانے والے ہیں۔“

وہ چاہے کے باوجود مطمئن نہیں ہو سکی تھی۔

گیت پر ہارن کی آواز سنا دی تھی "لگتا ہے تمہارے پایا آ گئے ہیں۔"

شمارہ آئی نے نیت کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا، وہ بھی گیت کی جانب متوجہ ہو گئی جہاں کھلے گیت سے ایک گاڑی اندر داخل ہو رہی تھی۔ گاڑی پورچ میں جا کر رکی تھی۔ پھر اس نے گاڑی میں سے اپنے پایا اور ان کی بیوی کو اترتے دیکھا تھا۔ چھٹی سیٹ کا دروازہ کھول کر اس کے چہرے نے دونوں بھائی گاڑی سے اتر رہے تھے۔

پاپائے اپنی بیوی سے کوئی بات کی تھی اور وہ لان کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں پھر عطیلہ نے پاپا کے ساتھ انہیں اپنی جانب آتے دیکھا۔ ان کے قریب آنے پر عطیلہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

چھٹی سیٹ پر پارک کی طرح اس بار بھی انہوں نے اسے گلے لگا کر اس کا گال چوما تھا اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی عطیلہ کو ان کے انداز میں گرم جوش محسوس نہیں ہوئی تھی۔ سب بالکل غافل تھا۔

"حسن! احسن! ادرہ آؤ بھی۔ عطیلہ سے آ کر ملو۔"

اس کی دوسری می ایپ اپنے بیٹوں کو آواز دے کر بلا رہی تھیں۔ وہ دونوں قریب آ گئے تھے اور ان کے پیچھے موجود وہ عطیلہ کو حیران کر دیا تھا۔ حسن اور احسن نے پاس آ کر عطیلہ سے ہاتھ ملانے تھے مگر اس کی نظر اس ای وجود پر مرکوز رہی تھیں۔ اس نے پاپا کو اس شخص کی ساڑھے تین سالہ بچی کو اٹھاتے اور پھر اس کا گال چومتے دیکھا تھا۔

"عطیلہ! ابہ مریم ہے تمہاری چھوٹی بہن اور مریم! یہ تمہاری آپنی ہیں۔"

پاپائے اس سے کہا تھا۔ وہ دم سادے مریم کے بجائے پاپا کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ساری غالی جگہیں اس کے وجود کے بغیر ہی پر کر گئی تھیں۔

"شاید اسی لئے پاپائے مجھے مس نہیں کیا کیونکہ اب صرف میں ہی نہیں اس کی ایک اور بیٹی بھی ہے جو ہر وقت ان کے پاس ان کے سامنے رہتی ہے اور جسے وہ گود میں بھی اٹھاتے ہیں اور اس کا چہرہ بھی جوتے ہیں۔"

وہ کوشش کے باوجود چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں لاسکی صرف خاموشی سے پاپا اور مریم کو دیکھتی رہی جو ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے۔ اب اندر چلنا چاہئے، یہاں تو بہت اندھیرا ہو گیا ہے۔" پاپائے اچانک کہا تھا۔

"ہاں نمک ہے اندر چلتے ہیں۔" شمارہ آئی نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ خاموشی سے ان سب کی پیروی کرنے لگی تھی۔

"پاپا اب بھی میری ضرورت پڑے گی نہ ہی میں یاد آؤں گی کیونکہ اب ان کی فطرت مکمل ہو گئی ہے۔ میرے لئے اب ان کے پاس بھی کوئی جگہ نہیں ہے اور اہمیت تو شاید مریم کی آمد کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی۔ وہ ایک مکمل فطرتی ہے عطیلہ کے بغیر بھی۔"

اس نے اپنے آگے چلتے ہوئے پاپا، اپنی دوسری می، احسن اور مریم کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

"میں تو ان کے لئے ایک ایکسٹرا چیز ہوں اور پاپائے مجھے مریم کے بارے میں بتانا ضروری نہیں سمجھا

آئی شمارہ نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پرسکون انداز میں کہا تھا۔ گرہ ایک دم سے جیسے مکمل گئی تھی اور عطیلہ کو ہری طرح سے جھٹکا لگا تھا۔

"چارہ ماہ سے پاپا یہاں ہیں، یعنی میرے آسٹریلیا جانے سے بھی بہت پہلے پاپا پاکستان آئے تھے اور تب فون پر بات کرنے کے باوجود انہوں نے مجھے بتایا نہیں۔ انہیں میرا خیال اس وقت آیا جب وہ واپس جا رہے ہیں۔"

"کیا پاپا کو بالکل یہی سیری ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔"

اس نے سوچا۔

"مکمل انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ بھی مجھے محسوس کرتے ہیں تو کیا وہ جھوٹ بول رہے تھے؟"

وہ الجھ کر تھی۔

"میں پاپا کی انگوٹی پہنی تھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پاپا مجھے مس نہ کر سکیں ہوں، ہو سکتا ہے وہ واقعی محسوس ہوں۔"

اس نے ایک بار پھر خود کو بھانسنے کی کوشش کی۔ آئی شمارہ اس سے کچھ کہہ رہی تھیں وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"سکندر بھائی اگلے سال پاکستان شفٹ ہو رہے ہیں۔"

اس کے لئے یہ خبر بھی حیران کن تھی۔

"پاپائے مجھے نہیں بتایا۔"

اس نے سوچا تھا۔

"اگلے سال؟"

اس نے آئی شمارہ سے پوچھا تھا۔

"ہاں اگلے سال تک ان کا مگر مکمل ہو جائے گا۔"

آج شاید اس کے لئے خیراتوں کا دن تھا۔

"پاپا مگر غور ہے ہیں؟"

"ہاں مگر تو انہوں نے پچھلے سال ہونا شروع کر دیا تھا، اب تو کافی حد تک مکمل بھی ہو گیا ہے۔ اگلے سال تک فرسٹنگ بھی ہو جائے گی اور وہ پاکستان شفٹ ہو جائیں گے۔"

وہ کم سمی آئی شمارہ کی بات سن کر بھی سکندر نے اس سے اس بات کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ ان کے ذہن سے نکل گیا ہو اور ابھی اس سے میری تفصیلی بات بھی کہاں ہوئی ہے۔ شاید وہ مجھے بتائیں۔"

"بہشتی طرح اس نے خود کو غلط فہمیوں میں جکڑا کر شروع کر دیا تھا۔"

"مگر پچھلے سال سے اب تک پاپا سے بات ہوئی ہے انہوں نے ایک بار بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا نہ ہی اس بات کا کہ وہ پاکستان شفٹ ہونا چاہ رہے ہیں۔"

سب لوگوں نے خود ہی مجھے اپنی زندگی سے خارج کر دیا ہے۔ کئی نے، پاپا نے اور شاید..... شاید ناٹا اور ناٹو نے بھی۔“ اس کی اس فردگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

”میرے یہاں آنے سے کئی کو فرق نہیں پڑا۔ سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ پھر..... پھر پاپا کو مجھے یہاں بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا یہ نہیں تھا کہ وہ فون پر ہی مجھے جانے سے پہلے خدا حافظ کہہ دیتے۔“ وہ اب رنجیدہ ہو رہی تھی۔

اس رات وہ بہت دیر تک جاگتی رہی تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ اگلے دن وہ بہت دیر سے اٹھی تھی، لیکن اس کے باوجود جب وہ اپنے کمرے سے باہر آئی تھی تو ابھی تک کوئی بھی بیدار نہیں ہوا تھا۔ وہ لاؤنچ میں ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی تھی۔

دو پہر کوچ کرتے ہوئے پاپا نے اس سے کہا تھا۔

”علیہ! آج ہم شام کو تمہیں سیر کرانے کے لئے جا رہیں گے۔ تم کئی سے کھر پری ہو۔ آج ہمیں ایک دو جگہوں پر لے کر جائیں گے۔ تم کہاں جانا چاہتی ہو؟“

انہوں نے بات کرتے کرتے اپنا کچھ اس سے پوچھا تھا۔

”کیس بھی۔“ اس نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ٹھیک ہے پھر تم شام کو تیار رہنا۔ ہم سب باہر ملیں گے۔“

انہوں نے کہا۔

اس کا دل چاہا کہ وہ ان سے کہے کہ وہ سب کے ساتھ نہیں صرف اکیلے ان کے ساتھ باہر جانا چاہتی ہے۔

ان کے ساتھ باتیں کرنا چاہتی ہے اور ان سے بہت سے سوال پوچھنا چاہتی ہے۔ مگر اس نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔

شام کو پاپا، نرالا، آئی، حسن، احسن اور مریم کے ساتھ گاڑی کی کچھل سیٹ پر بیٹھ کر دو بے حد ناخوش تھیں۔

”ایسا کرتے ہیں کہ پیپل کنٹینن چلتے ہیں۔ پھر کئی ریسٹورنٹ میں ڈنر کریں گے اس کے بعد جہاں علیہ چاہے گی وہاں جائیں گے۔“

پاپا نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے پروگرام کیلئے کہا تھا۔

”پاپا! آپ جہاں مرضی لے جائیں۔“

اس نے پھر بات ان کی ہی مرضی پر چھوڑ دی۔

”پاپا! ایسا کرتے ہیں کہ ڈنر کے بعد آپ کو اپنا گھر دکھانے چلیں گے۔ آپ! آپ ہمارا گھر دیکھ کر حیران ہو جائیں گی۔“

حسن نے دوسرا جملہ اس سے کہا تھا۔ گاڑی میں ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید پاپا احسن سے اس تجویز کی امید نہیں کر رہے تھے۔

”ٹھیک ہے نا پاپا! آپ! آپ کو گھر دکھانے چلیں گے۔“

احسن نے پاپا کی خاموشی کو رفاہی دیکھتے ہوئے کہا تھا، علیہ! منتظر تھی کہ پاپا احسن کی بات کے جواب میں کچھ نہ کہے کہیں گے مگر انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ خاموش رہے تھے۔

تو بچہ ایک ریسٹورنٹ میں انہوں نے ڈنر کیا اور اس کے بعد جب وہ گاڑی میں بیٹھے تو احسن نے ایک بار پھر شروع کر دیا۔

”پاپا! اب ہم آپ کے گھر جائیں گے۔ آپ! آپ کو گھر دکھانے گا۔“

”ہاں! ٹھیک ہے وہیں جا رہے ہیں، مجھے یاد ہے۔“

اس نے پاپا کی مدد میں آواز میں سنا تھا۔

انہوں نے گاڑی کا رخ سڑک سے ہٹا کر ایک دیر سے علیہ کو دیکھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

سکندر اس کے چہرے سے کوئی بھی اندازہ لگانے میں ناکام رہے تھے۔

آدھ گھنٹہ گاڑی ڈرائیو کے بعد علیہ نے ایک چھوٹے سے بنگلے کے سامنے گاڑی رکتے دیکھی تھی۔

دروازے پر ایک چرکیدار سوجھتا جس نے دروازہ کھولا دیا تھا۔ سکندر گاڑی کو اندر پورچ میں لے گئے، بنگلے کی

بیرونی لائش آن تھیں، اور ان لائش کی روشنی میں پورچ اور لان میں پڑا ہوا تحیرانی سامان نظر آ رہا تھا۔ سکندر نے

چرکیدار کو اندر دینی دروازہ کھولنے کے لئے کہا تھا۔

علیہ، حسن اور احسن کے ساتھ گاڑی سے نکل آئی تھی۔ چند لمحوں کے لئے پاپا سے اس کی تنگی ہو گئی تھی

مگر اور کہتے ہوئے اسے ایک خوشگوار احساس نے گھیر لیا تھا۔ اس کے باپ کا پاکستان میں ہونے کا یہ مطلب تھا کہ وہ

ان کے پاس مستقل طور پر رہ سکتی تھی۔ احسن اسے بڑے بڑے جوش انداز میں کرے دکھا رہا تھا اور سکندر اور نرالا لاؤنچ

میں چرکیدار کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ شاید یہ کچھ کہہ دیا تھا دے رہے تھے۔

”یہ پاپا اور کئی کا کمرہ ہے!“

اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے علیہ سے کہا تھا۔

اس نے کچھ دیکھ کر غائب ہو کر گئے ہوئے خالی کمرے میں جھانکا تھا۔ احسن نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کر دی

تھی۔ چند لمحوں تک اس کمرے میں رہنے کے بعد وہ ان کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔

”یہ ساتھ والا کمرہ مریم کا ہے۔“ احسن نے ایک اور کمرے کا دروازہ کھول کر لائٹ آن کی تھی۔ اس بار

علیہ نے اندر جانے کی بجائے باہر سے ہی جھانکنے پر اکتفا کیا تھا۔

”اور یہ سامنے والا کمرہ گیسٹ روم ہے!“

وہ اب اسے ایک اور کمرہ دکھا رہا تھا۔

”اب آئیں، اوپر چلتے ہیں اور آپ کو اپنا بیڈ روم دکھاتا ہوں۔“ وہ ایک دم بڑے جوش نظر آنے لگا تھا۔

”اور پھر بیڈ روم نہیں دکھاؤ گے؟“ حسن مینٹا کیا تھا۔

”ہاں! تمہارا بھی دکھاؤں گا۔“

اس نے علیہ کے ساتھ بیڑیاں چڑھتے ہوئے سن کو چکارا تھا۔

اوپر آنے کے بعد احسن نے ایک کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا تھا۔ ”اور یہ اس گھر کا سب سے

خصوصیت بیڑیوں ہے، میرا بیڑیوں۔“

علیہ مہر مری طور سے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے صرف بے دلی سے مسکراتی تھی۔

”اور یہ میرا بیڑیوں ہے۔“

حسن اتنی دیر میں ایک اور کمرے کا دروازہ کھول چکا تھا، اور اس کے پیچھے علیہ بھی اس کے کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

”بس اب بیچہ چلتے ہیں۔“

احسن نے اس کے پیچھے آکر کہا تھا۔

اسے ایک جھکا گیا تھا۔

”احسن! میرا بیڑیوں کہاں ہے؟“

اس نے احسن کے کمرے سے نکلنے ہوئے کچھ اشتیاق سے احسن سے پوچھا تھا۔

”آپ کا بیڑیوں؟“

وہ اس کی بات پر حیران ہوا تھا۔

”مگر آپ تو ہمارے ساتھ نہیں رہیں!“

اس نے علیہ سے کہا تھا۔

”اس گھر میں تو بس اتنے ہی بیڑیوں ہیں۔“

علیہ کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔

”بس اتنے ہی بیڑیوں ہیں؟“

اس نے کچھ بے یقینی سے کہا تھا۔

”ہاں! بس اتنے ہی بیڑیوں ہیں، آپ کو ہمارا گھر اچھا لگا؟“

اس نے بات کرتے علیہ سے پوچھا۔

”ہاں!“

اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

وہ ان دونوں کے ساتھ ایک بار پھر پیچھے لاؤنج میں آگئی۔

”پاپا! آپ پوچھ رہی تھیں۔ میرا بیڑیوں کہاں ہے؟“

حسن نے پیچھے آتے ہی پاپا کا اطلاع دی تھی۔ علیہ کی نظر میں سکندر سے ملی تھیں۔ وہ بڑی مہارت سے

نظریں چراگئے۔

”گیسٹ روم ہے، تاہم مجھے آج کوئی دہانہ نہیں دیا گیا؟“

سکندر نے کمال فحاشی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ اب چلنا چاہئے۔“

وہ کھڑکے غزالہ کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گئے تھے۔ وہ بھی حسن اور احسن کے ساتھ دروازے کی طرف جانے لگی تھی۔

”تمہارا کالج کب کھلے گا؟“

سڑک پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سکندر نے اس سے پوچھا تھا۔

”اس سہڑے کو!“

اس نے ہاہر سڑک گھومتے ہوئے کہا تھا۔

”ہوں! تو اس کا مطلب ہے کہ جمعات کو تمہاری سیٹ بک کروا دینی چاہئے۔ کیونکہ جس کو تم ریسٹ کر سکو گی۔“

وہ چپ چاپ ان کی سیٹ کی پشت کو دیکھتی رہی تھی۔

”تو پاپا! ہم مری کب جائیں گے، آپ نے تو کہا تھا کہ ہم بدھ کو اسلام آباد چلے جائیں گے۔“

احسن نے سکندر کو یاد دہانی کر دی تھی۔

”ہاں! بیٹا وہ پروگرام پہلے قلاب تمہاری آئی آئی میں، تو ظاہر ہے انہیں ایسے چھوڑ تو نہیں جاسکتے

تھا۔“ سکندر نے احسن سے کہا تھا۔

”تو ہم علیہ آئی کو بھی اپنے ساتھ مری لے جاتے ہیں پھر تو کوئی بھی پرائیویٹ نہیں ہوگا۔“

احسن نے ایک ہی سیکنڈ میں مل چش کر دیا تھا۔

”نہیں تمہاری آئی کی چٹیاں ختم ہو رہی ہیں، انہیں کالج جانا ہے اور انہیں قومی میں کچھ دن لگ جائیں گے۔“

غزالہ نے فوراً اپنے بیٹے کو حیرت کرتے ہوئے کہا تھا۔

”اب کیا کرتے ہیں کہ سکندر آپ ہم لوگوں کو اسلام آباد بھجوا دیں پھر آپ بعد میں آ جائیں۔“

”ہاں! یہ ہو سکتا ہے۔ تو پھر ٹھیک ہے میں تم لوگوں کی سٹیشن بھی بک کروا دیتا ہوں۔“

سکندر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔

”پاپا! آپ جمعات کی بجائے میری کل ہی سیٹ بک کروادیں۔“

اس نے مدھمسی آواز میں سکندر کو طلب کرتے ہوئے کہا تھا۔

”کیوں کل کی سیٹ کیوں؟“

سکندر نے جہاز اس سے پوچھا۔

”پاپا میں واپس جا کر تمہارا پڑھنا چاہتی ہوں، پوری چٹیاں میں کچھ بھی نہیں پڑھ سکی، اور اب دو تین دن

ای شخص دین میں رہی تھی پھر بچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ تاہم میں سے باہر نکلتی رہی تھی۔

”میں نے مرید سے کہہ دیا ہے وہ کھانا لگا دے گا تم آ جاؤ!“

انہوں نے اسے دیکھنے ہی کہا تھا۔ وہ ایک بار بھران کے ساتھ دواہن ڈاننگ میں آ گئی تھی۔ اس بار عمر جہانگیران کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے توجہ ہچہ کو بند کر کے ایک طرف ٹھیل پر رکھ دیا تھا اور وہ نانو کے ساتھ ٹھیل پر آ کر بیٹھ گئی۔

”علیہ وہ مجھ سے معہ پر چوری تھی کہ تم کیسے لگ رہے تھے، بدل تو نہیں گئے۔ میں نے اس سے کہا کہ تم خود ہی دیکھ لیتا۔ اب تاؤ علیہ! پہلے سے بدل گیا ہے اور دیا ہی ہے؟“

نانو نے عمر سے بات کرتے کرتے اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ ان کے اس سوال پر کچھ شرمندہ ہو گئی تھی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ نانو عمر کے سامنے ہی بات کہہ دیں گی۔ عمر اب اس کی طرف متوجہ تھا۔

”کیوں علیہ! کیا میں کچھ دیکھ ہوں؟“ اب وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

”پتہ نہیں، میں اعجاز دیکھ نہیں کر سکتی۔“ اس نے کچھ شرمندہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

”تمہارا ماسٹر دیکھا جا رہا ہے؟“

اس بار اس نے ایک اور سوال کیا تھا۔

”ٹھیک جا رہا ہے!“

”کون سا سبکدوش ہے تمہارے پاس؟“

”سوشیا لوجی!“

”مگر پہلے تو تم آکس میں انٹر ملٹھیں، یہ ایک دم سوشیا لوجی کیسے؟“

وہ بہت تنجیدی سے پوچھ رہا تھا۔

”میں ایک این ای او کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں اور سوشیا لوجی پڑھنے سے مجھے بہت کی بنیادی باتوں کا پتہ چل جائے گا اور مجھے اپنے کام میں زیادہ پراہٹ نہیں ہوں گے۔“

اس نے جیسی آواز میں وضاحت کی۔

ڈاننگ ٹھیل پر اب کھانا لگا جا رہا تھا۔

”اور.....! یعنی اس علیہ سکندر سوشل ورک میں انٹر ملٹھ ہیں۔ این ای او کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہیں۔ بیگمات والے کام، توجہ ہچہ میں تصویریں لگوانے کے لئے، سوشل ورک، مختلف مقاصد کے لئے ٹکٹ خریدے بغیر ہی Charity Walks میں شرکت، غریب لڑکیوں کے پیچھے کے لئے جڑاؤں روپیہ روز فریج کرنے والوں سے دس دس روپیہ کے ٹکٹ کے ذریعہ فنڈ اکٹھا کرنا لیکن مختلف ڈونر ایجنسیز سے لئے والے فنڈز سے پاس خرید لیتا۔ مختلف مقاصد کے لئے فنڈز اکٹھے کرنے کے لئے علی حیدر اور حدیثہ کیانی کے ساتھ کنسرٹس اور راج کرنا اور وہ اپنی پوری چلتی کے ساتھ ٹکٹ کے بغیر موجود ہوتا۔ تو آپ بھی کچھ اس قسم کے سوشل ورک میں انواہو ہونا چاہ رہی ہیں؟“

کمرے میں آ گئی تھی اور اس نے دو دن پہلے لئے والی ایک اسائنمنٹ پر کام کرنا شروع کر دیا تھا مگر بار بار اس کا ذہن عمر کی جانب ہی جا رہا تھا۔ کسی نہ کسی طرح بارہ بجے تک وہ اس اسائنمنٹ کو لکھتی رہی تھی اور پھر اٹھ کر ایک بار پھر بچن میں آ گئی۔

نانو شامی کپڑوں کے لئے بنایا جانے والا معطر چمک کر رہی تھیں۔ علیہ نے بہت عمر کے بعد انہیں اس جوش و خروش کے ساتھ بچن میں کام کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی باہر لان میں آ گئی کچھ پھول اور شاخیں کاٹنے کے بعد وہ ایک بار پھر ڈاننگ روم میں آ گئی تھی اور وہاں اس نے انہیں ڈاننگ ٹھیل پر پڑے ہوئے گل دان میں اور راج کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ترتیب مکمل کر چکی تھی اور ٹھیل سے فالو پھول اور شاخیں اکٹھی کر رہی تھی جب اس نے ڈاننگ روم میں دی خصوصی مردانہ آواز سنی۔

”ہیلو علیہ! وہ کچھ بڑا آگاہی تھی۔“

ڈاننگ ٹھیل کی دوسری طرف ایک کرسی کی پشت پر وہ اپنا ٹکٹ لٹکا رہا تھا۔ وہ دم نہادے اسے دیکھتی رہی تھی۔ وہ اب ٹھیل پر اپنا موبائل اور سن گلاسز رکھ رہا تھا۔ کمرے سے ہوتے چند سالوں نے اس میں کچھ تبدیلیاں کر دی تھیں۔ اس کا میز شاگل بدل گیا تھا۔ سول سرش کے میزکٹ میں وہ بہت سویر لگ رہا تھا۔ دائیں ٹرٹ کے ساتھ نیلی ٹائی لگائے وہ بہت فائن گیت اپ میں تھا۔ علیہ نے ڈاننگ روم میں پھیلی ہوئی کلون کی مہک کو محسوس کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اپنا کلون تبدیل کر چکا تھا۔

”کیسی ہو تم؟“

وہ ایک بار پھر اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ علیہ نے اس کے چہرے پر بہت مدہمی مسکراہٹ دیکھی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟“

علیہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

اور وہ ایک بار پھر جہاں مسکراہٹ لگا تھا۔

”Perfectly Alright، (بالکل ٹھیک) مگر یہ کہاں ہیں؟“

اس نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہی پوچھا تھا۔

”وہ جگہ میں ہیں!“

اور وہ کچھ کے بغیر بچن کی طرف چلا گیا۔

”کیا اس مجھ سے صرف اتنی ہی بات کر رہی تھی؟“

علیہ نے ٹھیل پر سے شاخیں اٹھاتے ہوئے سواچھا تھا۔ بچن میں سے اس کی آواز آ رہی تھی۔ وہ شاخیں اور پھول لئے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

جب وہ دواہن ڈاننگ میں آئی تو وہ ٹھیل پر بیٹھا توجہ دیکھ رہا تھا۔ اس کے وہاں آنے پر بھی وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ علیہ کی کچھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے وہاں اس کے باہر بچن میں چلی جائے۔ چند سیکنڈز وہ

”پاپا کی کیا بات ہے وہ جاب تو ابھی کرتے ہیں۔ وہ تو تیش کرتے ہیں۔ میں تو جاب کرنے والوں کی بات کر رہا ہوں۔“

اس کے لہجہ میں طنز تھا۔

ناٹو نے اسے غور سے دیکھا تھا۔ وہ کھانا کھانے میں مصروف تھا۔

”تمہارے اور جہانگیر کے درمیان اب کس بات پر جھگڑا ہوا ہے؟“

”انہوں نے قدرے ہلکی آواز میں پوچھا تھا۔

”میر کھانا کھانے میں مشغول رہا تھا۔

”میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟“

ناٹو نے اسے ایک بار پھر مخاطب کیا تھا۔

”گر بی بی برائی کسی نے بنائی ہے؟“

”کیوں اچھی نہیں ہے کیا؟“

”اچھی ہے اسی نے تو پوچھ رہا ہوں!“

”میں نے بنائی ہے۔“

”پچھلے تین سالوں میں، میں نے ایسی برائی نہیں کھائی۔“

اس نے مسکراتے ہوئے تعریف کی۔

”آج میں نے تمہاری ہر غیوریت و فطرت خود بنائی ہے۔“

ناٹو نے فخریہ انداز میں کہا۔

”اور جب تم تک تمہیں رہو گے، میں تمہارے لئے کھانا خود ہی بناتی رہوں گی۔“

”اس کا مطلب ہے کہ مجھے اپنے انکسار ساز آدور بڑھا دینے چاہئیں۔ ورنہ یہاں سے جاتے ہوئے میں

کسی بھی سازش میں نہیں ہوں گا۔“

اس نے خوشگوار لہجہ میں کہا تھا۔

”تم نے مجھے بتایا نہیں، تمہارے اور جہانگیر کے درمیان اب کس بات پر جھگڑا ہوا ہے؟“

ناٹو اپنا سوال نہیں بھولی تھی۔

علیہ وہ اس کے چہرے پر ایک بار پھر تازہ دیکھا تھا۔

”کوئی جھگڑا نہیں ہے گر بی بی!“

اس نے انہیں بھلائے کی کوشش کی تھی۔

”تم نے خود فون پر کہا تھا کہ تمہارا جہانگیر کے ساتھ جھگڑا ہو گیا ہے! اور اب تم کہہ رہے ہو کہ کوئی جھگڑا ہی

نہیں ہوا ہے۔“

وہ اب ایک گلاس میں پانی ڈال رہا تھا۔ علیہ وہ کچھ بول نہیں سکی۔ اسے عرجانگیر سے ایسے تجربے کی توقع نہیں تھی۔

”میر ایسی باتیں تو نہیں کرتا تھا اور مجھ سے..... مجھ سے تو کبھی بھی نہیں۔“

وہ ایک شاگ کے عالم میں سوچ رہی تھی۔ وہ اب پانی پی رہا تھا۔

ناٹو شاید علیہ کے تاثرات سے بہت کچھ سمجھ گئی تھیں اس لئے انہوں نے بات کا موضوع بدل دیا تھا۔

”علیہ! تو اس قسم کے کام نہیں کر سکتی۔ تو تم بتاؤ جنہیں قاتل دروں چھوڑنے کی کیا سوجھی ہے؟“

عمر نے پانی پی کر گلاس بھل پر رکھ دیا تھا ایک بار پھر وہ علیہ کی طرف متوجہ تھا۔

”ڈورن انجینئر اور این جی اوڈ کے بارے میں بہت سی رپورٹس میری نظروں سے گزرتی ہیں۔ یہ سب بیورو

کریس اور سیاست دانوں کی نیکیات کے ایڈووگٹ اور وقت گزاری ہوئی ہے۔ علیہ! تم تو کسی بیورو کرینٹ سیاست

دان کی بیوی بننے نہیں چاہتی۔ پھر تم ایسا انجینئیر میں کیوں اٹھلا ہو رہی ہو؟“

اس بار اس کا لہجہ نرم مگر الفاظ ویسے ہی جیسے تھے۔ وہ دیکھیں جیسا کہ انہیں اس کا چہرہ دیکھتی رہی تھی۔ عراج

ناٹو کے ساتھ بات کر رہا تھا۔

”میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔ وہاں سے شاید کل واپس ہوں!“

ناٹو قدرے حیران ہوئی تھیں۔ ”کیوں اب اسلام آباد جانے کا ارادہ کیسے بن گیا ہے۔ ابھی تو صبح تم آئے

ہو، آئے ہی اسلام آباد میں کون سی مصروفیت یاد آگئی ہے؟“

”اسلام آباد تو ابھی کافی چکر لگنے پڑیں گے۔ فارن آفس میں کچھ کام چٹانے ہیں پھر انٹرپرائز مینجری کا بھی

ایک چکر لگنا ہے۔“

اس نے پلٹ اپنے آگے کرتے ہوئے کہا تھا۔

”میں نے تم سے پوچھا تھا کہ قاتل دروں کیوں چھوڑ دی تم نے؟“

ناٹو کو جاکب یاد آگیا۔

”بس میرا دل نہیں لگا اس میں!“

اس نے سلام پلٹ میں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

”دعیں چار سال بعد تمہیں پتا چلا کہ تمہارا دل اس میں نہیں لگ رہا۔ اگر دل نہیں لگ رہا تھا تو تمہیں پہلے ہی

قاتل دروں میں نہیں جانا چاہئے تھا۔“ ناٹو نے اس سے کہا تھا۔

”قاتل دروں کو قاتل آفس میں ہی قاتل دروں کہتے ہیں۔“

علیہ اس کے جملے پر ہکا بکا رہ گئی تھی۔ اس نے عمر کے منہ سے پہلی بار اس طرح کا کوئی لفظ سنا تھا۔

”یہ وہ دروں ہے کہ جس میں کام نہ کر کے گالیاں پڑتی ہیں اور کام کر کے زیادہ گالیاں۔“

”جو اس مت کر کہ تمہارا باپ بھی تو اسی دروں میں ہے۔ اس نے تو کبھی اس طرح کی بات بھی نہیں کی۔“

ناٹو نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

”مجھے نہیں پتہ کہ وہ کیوں گھر چھوڑ گیا ہے۔ بہت بیوی نانوا کو میں نے اسے گھر چھوڑنے کے لئے نہیں کہا۔ میں آخر اس سے ایسی بات کیوں کہتی۔“
وہ اپنی صفائی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

تم نے اسے گھر چھوڑنے کے لئے نہیں کہا مگر تم نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ یہاں نہیں رہے۔
وہ نانوا کے اس الزام پر ہچکا رہ گئی۔
”نانوا میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔“

”میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا علیحدہ کہ تم اس طرح کی حرکتیں کر دو گی۔ تم نے میری ساری عمر کی محنت پر پانی پھیر دیا ہے۔“

”نانوا بلیزا! آپ اس طرح مت کہیں۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس کی وجہ سے عمر گھر چھوڑ کر چلا گیا ہو۔“
”علیحدہ! میں نے اس سے بات کی تھی، تمہارا کیا مطلب ہے، میں نے اسے ایسے ہی جانے دیا ہے، اسی لئے مجھے بتایا تھا کہ جہیں اس کا یہاں رہنا پسند نہیں ہے اور وہ یہاں رہ کر خواتین کی ٹینشن کھڑی نہیں کرنا چاہتا، اور میں بھی جانا چاہتی ہوں کہ جہیں اس کے یہاں رہنے پر کیا اعتراض ہے؟“
نانو نے تیز آواز میں بات کرتے ہوئے کہا تھا۔ علیحدہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
”نانو وہ جھوٹ بول رہے۔“
”وہ جھوٹا ہے اور تم؟“

”نانو! اس نے آپ سے ایک بات کہہ دی اور آپ نے سوچے سمجھے بغیر اس کی بات کا یقین کر لیا۔ اب میں جب اس کیلین ٹینشن دے رہی ہوں تو آپ میری بات ہی سننے کو تیار نہیں ہیں۔“
وہ بالکل رو دہائی ہو رہی تھی۔

”آپ کو عمر کی ہر جھوٹی بات پر یقین آ جاتا ہے مگر میری بات پر یقین نہیں ہے۔“
”عمر جھوٹ نہیں دیتی!“

نانو کے کھیلنے سے اس کی رنجیدگی میں اضافہ کر دیا تھا۔

”اور میں..... تم سمجھتی ہیں کہ میں جھوٹ بولتی ہوں؟“

”مجھے تم سے فضول بحث نہیں کرنی۔ میں صرف یہ جانا چاہتی ہوں کہ جہیں عمر کا یہاں رہنا پسند نہیں ہے؟“

”نانو! میں نے آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ مجھے اس کے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اسے ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، یہاں تو بہت سے لوگ آتے اور رہتے ہیں، کیا میں نے پہلے کبھی کسی کے رہنے پر اعتراض کیا ہے مگر اب عمر کے رہنے پر کیوں کروں گی۔“

اس نے ایک کے بعد ایک وضاحت دیتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ اسے دوبارہ واپس بلا لیں۔“

باب ۱۲

وہ نانوا کے پیچھے ان کے بیڑہ روم میں داخل ہو گئی تھی۔
”بیٹھو۔“

نانو نے اندر داخل ہوتے ہی اس سے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے صوفہ پر بیٹھ گئی تھی۔ نانوا خود اپنے بیڑہ پر بیٹھ گئیں۔
”تم نے عمر سے کیا کہا تھا؟“

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے اسی اکلڑے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔
”میں نے ٹھیک اندازہ لگا دیا تھا۔ یہ سب کچھ عمر کا کیا دھرا ہے۔“ اس نے نانوا کے سوال پر سوچا تھا۔
”میں کبھی نہیں نانوا۔“

”میں نے اتنا مشکل سوال تو نہیں پوچھا۔ صرف یہی پوچھا ہے کہ تم نے عمر کو کیا کہا تھا۔“
”نانو کس بارے میں؟“

”اس گھر سے چلے جانے کے بارے میں!“
علیحدہ بالکل ساکت ہو کر رہ گئی۔

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں نانوا، میں نے اس سے کیا کہا ہے؟“

”تمہاری وجہ سے وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ میں نے اس سے کیا کہا ہے؟“
اس بار نانوا کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ سخت تھا۔

وہ تھرائی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”نانو! میں نے اس سے گھر چھوڑنے کے لئے نہیں کہا، آئی سوئیرا میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔“
دو رو دہائی ہو گئی تھی۔

”تو مجھ کو کہہ دیجئے کہ بغیر میری گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔“
اس بار نانوا کا لہجہ طنزیہ تھا۔

ناو کچھ دیر اسے دیکھتی رہی تھیں۔

”وہ اب یہاں واپس نہیں آئے گا۔ یہ بات صاف صاف کہہ کر گیا ہے، کم از کم رہنے کے لئے تو وہ بارہ واپس نہیں آئے گا۔“

”آپ بتائیں، ناو! اس میں میرا کیا قصور ہے۔ وہ اپنی مرضی سے یہاں آیا۔ اپنی مرضی سے واپس یہاں سے چلا گیا۔ اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔“

”مگر تم اس کے ساتھ وہ سلوک نہ کر تھیں جو تم نے کیا تو شاید وہ اس طرح سے یہاں سے نہ جاتا۔“ ناو ابھی بھی اپنی بات پر ہی ہوئی تھیں۔

”میں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ناو! میں نے تو اس کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا۔“

”علیٰ و ائمہ! تم مجھے بہت مایوس کیا ہے، مجھے کم از کم تم سے اس طرح کے رویے کی توقع نہیں تھی۔ اسنے سالوں سے میں اپنی محبت سے تمہاری پرورش کرتی رہی ہوں اور تم نے چند ہفتے میں اس ساری محبت پر پانی پھیر دیا۔ کیا سوچنا جو عمر کا کرشمہ میں نے تمہیں اس طرح کی تربیت دی ہے اور جب وہ چا کر اپنے باپ سے اس بات کا ذکر کرے گا تو جگہ جگہ میرے اور تمہارے بارے میں کا سوچے گا۔ یہ مگر صرف تمہارا نہیں، اس سب کا بھی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ یہاں بہت کم آکر رہتے ہیں مگر نہ رہنے سے اس گھر پر ان کا حق تو ختم نہیں ہو جاتا۔ عمر ہو یا تمہارا کوئی اور کزن، جنہیں کوئی اختیار حاصل نہیں کرتا ان کے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار اپنے رویے سے کرو۔“

وہ چپ چاپ ناو کی باتیں سنتی رہی تھی۔ ناو بہت دھڑا دھڑاٹ دیا کرتی تھیں مگر آج ان کا رویہ بہت زیادہ سخت تھا۔ جس طرح آج وہ اس سے بات کر رہی تھیں۔ اس طرح سے انہوں نے پہلے کسی نہیں کی تھی۔

”عمر کے ساتھ تو غیر جو کچھ تم نے کیا سو کیا مگر آئندہ یہ حرکت بھرگی مت کرنا۔ آپ بھی نہیں ہو جسے ساری باتیں سمجھنا پڑیں۔ بڑی ہو چکی ہو، ہر چیز سمجھ سکتی ہو۔ بہتر ہے کہ اپنے رویے کو ٹھیک کرو۔ اب جاؤ یہاں سے۔ مجھے کچھ کام ہے۔“

انہوں نے ایک لمبے چوڑے وعظ کے بعد بات ختم کر دی وہ شاک کی حالت میں ان کے بیڑم سے نکل کر آئی تھی۔

”سارا قصور صرف میرا ہے اور کسی کا نہیں۔ عمر کا بھی نہیں۔ اس کے یہاں سے چلے جانے کی وجہ سے میری ہر خوبی غای می تبدیل ہو گئی ہے۔ ناو کو میں بدلتی دیکھنے لگتی ہوں۔ عمر کی ناوکو پر وہاں ہے، میری نہیں!“

وہ اپنے بیڑم کی طرف جاتے ہوئے کچھ اور اپنی دل گرفتہ ہو گئی تھی۔

”میری کسی کو ضرورت ہی نہیں ہے۔ تم کی کوئیں، بابا کوئیں، ناو کوئیں نہیں، ضرورت تو عمر جیسے بندے کی ہوتی ہے۔ جس کی دنیا میں کوئی دیکھ ہو۔“

اس کی رنجیدگی میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

”کس قدر فحشاء انسان ہے۔ مجھ سے اور طرح کی باتیں کرنا تھا اور میرے جاتے ہی یہاں جکر چلائے شروع کر دیئے مجھے اپنا دوست کہہ کر اس نے میرے ساتھ ایسے کیا۔“

اور عمر جگہ جگہ کے لئے اس کی ناپسندیدگی میں کچھ اور ہی اضافہ ہو گیا تھا۔

دو پہر کو مرید کے بلانے پر بھی دو بج کے لئے نہیں آئی، اس کا خیال تھا کہ ناو اسے آکر خود ہی بلنے کے لئے کہیں گی، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ناو نے اسے دوبارہ بلنے کے لئے نہیں کہا اور وہ بھی اپنے کمرے سے نہیں نکلی۔

شام کو سو کر اٹھنے کے بعد وہ نہانے کے لئے کچھ روٹم میں چلی گئی۔ اس وقت اسے واقعی جھوک لگ رہی تھی نہانے کے بعد غم دلی سے وہ اپنے کمرے سے نکل آئی تھی۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی کانوں میں پڑنے والی آواز اسے اس کا خون کولے لگا تھا۔ وہ عمر کی آواز تھی۔ اگر وہ لاؤنج میں داخل نہ ہوئی ہوتی اور ناو اور عمر نے اسے نہ دیکھا ہوتا تو وہ وہیں سے واپس اپنے کمرے میں چلی جاتی۔ اس وقت وہ کسی صورت بھی عمر کی شکل دیکھنا نہیں چاہتی تھی مگر لاؤنج میں داخل ہوتے ہی عمر کی نظر اس پر پڑ گئی تھی۔ نہ صرف اس نے علیہ کو دیکھ لیا تھا، بلکہ فوراً اسے مخاطب بھی کیا تھا۔

”علیٰ علیہ! اپنی جلدی دالیں؟“

اس نے کچھ حیرانی سے علیہ سے پوچھا تھا۔ علیہ نے ایک نظر منوڈ پر بیٹھے ہوئے عمر کی ڈالی اور پھر ناو کی ساری نصیحتوں کو بالائے طاقت رکھتے ہوئے کوئی جواب دینے بغیر جگہ میں چلی گئی۔ اسے پیچھے سے ایک بار پھر عمر کو اپنا نام پکارے ہوئے سنا۔ مگر اس وقت وہ دنیا کا آخری شخص تھا، جس سے وہ بات نہ کرنا چاہتی تھی۔

”اگر یہ یہاں سے چلا گیا ہے تو اب یہاں کیا لینے آیا ہے۔“

اس نے جگہ میں داخل ہوتے ہوئے عمر سے عمر سے پوچھا تھا۔

”اور اسے اس بات سے کیا عمر میں اتنی جلدی واپس کیوں آئی ہوں۔“

اس وقت اس کا فہم آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔

”عمر یہ بابا! مجھے کچھ کھانے کے لئے دے دیں۔“

اس نے جگہ میں داخل ہوتے ہی خانساں سے کہا تھا۔

”علیہ! بی بی! آپ کچھ دیر انتظار کر لیں۔ ابھی کھانا ناگنے ہی والا ہوں۔ پھر آپ سب کے ساتھ ہی کھانا کھا لیجئے گا۔“ خانساں نے اس سے کہا تھا۔

”نہیں مجھے ابھی کچھ کھانا ہے اور ان سب کے ساتھ بیٹھ کر کچھ نہیں کھانا۔“

اس نے خند کی تھی۔ خانساں نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔ علیہ نے کبھی خند نہ کی تھی، اور پھر اس طرح کی خند۔ اس نے کچھ کہنے کی بجائے کھانے کی کچھ چیزیں جگہ میں کیٹیں اور پھر شروع کر دیں۔ اس وقت علیہ نے لاؤنج میں سے ناو کی آواز سنی تھی۔ وہ اس کا نام پکار رہے تھے۔ وہ اسے اختیار کچھ سے باہر نکل آئی۔

”علیہ! تم رات کو کبھی مجھ سے ملیں گی نہیں۔ آتے ہی سو گئیں۔“

انہوں نے اسے دیکھتے ہی شکرہ بھی کیا تھا۔

”کراچی سے اتنی جلدی کیوں داہیں آگئیں؟“

انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”بس میرا دل نہیں لگا دہاں، حالانکہ بابا تو بہت کدے رہے تھے اور ناراض بھی ہو گئے تھے میرے اس طرح سے جلدی چلنے آنے پر مگر میں آپ لوگوں کو کس کر رہی تھی۔“ اس نے ایک بار پھر جھوٹا ہون شروع کر دیا تھا۔

”بہت اچھا کیا اتنی جلدی داہیں آکر آ“

نانا نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا، اور کچھ مطمئن ہو گئی تھی کہ کم از کم نانا تو اس سے ناراض نہیں تھے۔ اس نے سوچا عمر خانو کے ساتھ صوفہ پر بیٹھا پڑے خاموشی سے اس کی نانا کے ساتھ ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔ اس بار اس نے طنز و طعنے کا جواب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”مریہ سے کو کھانا کادے؟“

نانا نے نانو سے کہا تھا۔

”مگر بیٹا! میں تو کھانا نہیں کھاؤں گی۔“

عمرانہ کھڑا ہوا تھا۔

”کیوں، اب تمہیں کیا ہوا ہے؟“

”کچھ بھی نہیں بس مجھے ابھی تھوڑی دیر میں داک پر جانا ہے اور اب میں نے کھانا داک سے داہیں پر کھانا شروع کر دیا ہے۔“

”یہ ایک اچھی احتیاط حرکت ہے۔ داک سے داہیں پر کھانا۔“

نانا نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

”میں تو اپنی کچھ چیزیں لینے آیا تھا۔ یہ تو بس گرتی نے پکڑ کر نغلا لیا۔“

اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”جو چیزیں تمہیں ملتی ہیں، ضرور لو لیں کھانا کھائے بغیر تم یہاں سے نہیں جاسکتے۔ سمجھتے تم؟“

نانا نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا تھا۔

اس نے کچھ اور کینے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے اس کی بات نہیں سنی تھی۔ طنز و کواکب بار بار پھرنا آپ بیک گراؤ میں جاتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ یوں لگ رہا تھا وہاں صرف عمر خانو، نانو، عتی، کوئی چوتھا شخص نہیں۔ کسی چوتھے شخص کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ نانا کی پوری توجہ اب عمر پر مرکوز تھی۔ وہ طول ہونے لگی تھی۔

خاناں نے کھانا کھا دیا تھا اور طنز و نازیباں کی طرف متوجہ تھا۔ وہ نانا سے باتوں میں مشغول تھا اور کھانا کھانے کے دوبارہ کوئی بات نہیں ہوئی تھی، نہ ہی وہ اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ نانا سے باتوں میں مشغول تھا اور کھانا کھانے کے بعد نانا کیڑے بدلنے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ نانا کا بیٹا بنانے کے لیے چکن میں گی میں اور ان کے جانے کے بعد عمر کی اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ طنز و ڈانٹ بھیل پر بالکل اکیلی بیٹھی رہی تھی۔ بڑی بے دلی کے ساتھ وہ اپنی

پلیٹ میں موجود کھانا کھاتی رہی۔ پھر یک دم پلیٹ چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

عمر کے کمرے کے دروازے پر دستک دینے سے پہلے وہ چنگاچی تھی پھر اس نے دروازے پر دستک دی۔

”لےیں کم ان؟“

اندرو سے عمر کی آواز ابھری تھی۔

وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ عمر کا ہنٹ پر ایک بیک کوملے کچھ چیزیں اس میں رکھنے میں مصروف تھا۔ طنز و کواکب کر کچھ حیران ہوا تھا مگر پھر اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

”آؤ طنز و!۔“ وہ بد طنز و کا کام میں مصروف تھا۔

”بیٹھ جاؤ!۔“ ایک بار پھر طنز و کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”میں بیٹھنے کے لئے نہیں آئی۔“ اس نے نگلی سے کہا تھا۔

وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا اور پھر بولے سے ہنس دیا۔ ”اچھا۔“ وہ ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

”آپ نے نانو سے میرے بارے میں کیا کہا ہے؟“ اس نے سراٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

”کچھ بھی نہیں!“

”آپ جھوٹ بول رہے ہیں، آپ نے نانو سے کہا کہ میں نے آپ کو اس گھر سے جانے کے لئے کہا ہے۔“

”کم آن طنز و! میں نے ایسا کچھ نہیں کہا!“

اس بار اس نے ایک بار پھر بڑے پرسکون اور غمخیز ہونے لکھے میں کیا۔

”آپ نے نانو سے کہا کہ میں یہاں آپ کا رہنا پسند نہیں کرتی۔“

”ہاں یہ میں نے کہا تھا۔“ اس کا لہجہ اب بھی پرسکون تھا۔

”آپ نے یہ کیوں کہا تھا؟“ وہ تیز آواز میں بولی تھی۔

”کیا میں نے غلط کیا ہے؟“ اس نے بہت سیدھا سوال کیا گیا تھا۔ وہ چھوٹے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ اس کے جواب کا انتظار کرتے بغیر ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

”آپ نے نانو کو میرے خلاف کر دیا ہے۔“ وہ کماؤں کے حلیف کی طرف جاتے جاتے مڑا تھا۔ ”میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔“

”آپ نے کیا ہے؟“

”میں نے جو کچھ میں کیا ہے، وہ تمہاری خوشی اور convenience (سہولت) کے لئے کیا ہے اور اس میں گرتی تمہارے خلاف کرنے کی احتیاط حرکت شامل نہیں ہے۔“ وہ اب کتابیں حلیف پر سے اٹھا رہا تھا۔

”آپ کی وجہ سے نانو مجھ سے ٹھیک سے بات نہیں کر رہا ہیں!“ اس بار وہ رو ہانسی ہو گئی تھی۔

اس نے مڑ کر طنز و کو دیکھا تھا اور پھر بڑی تیزی سے کہا تھا۔ ”وہ گراہیا کر رہی ہیں تو غلط کر رہی ہیں، میں

لے کر آ گیا۔ اس نے پانی پینے کے بعد اس خاموشی سے گھاس داہیں اسے تھما دیا تھا۔

”رونا کس بات پر آیا تھا؟“ وہ اب اس کے پاس بیٹھ کر اس سے پوچھ رہا تھا۔

علیہ کو اب شرمندگی محسوس ہونے لگی تھی۔ اسے رونا نہیں چاہتے تاہم از کم عمر کے سامنے تو بالکل بھی نہیں۔

”کراہی میں کوئی بات ہوئی ہے کیا؟“

علیہ نے خوف کے عالم میں سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بلا کا قیافہ شاس تھا۔ وہ بڑے غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ علیہ کو دل چاہا اسے بتا دے کہ اس کے پاپا نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا مگر وہ ایک بار بھر کر گئی۔ اس کی آنکھیں ایک بار بھر دھندلانے لگی تھیں۔ اس بار عمر نے بڑی نرمی سے اپنی انگلیوں سے آنسو پونچھ دیے تھے۔

”دہنے سے کیا ہوگا علیہ؟“ زندگی میں تو بہت کچھ نہیں کرنا پڑتا ہے۔ ہر بار آنسو پر اطمینان نہیں کرتے۔ اس کا خیال تھا۔ عمر اس سے پوچھنے لگا کہ وہاں ایسا کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ اتنی دل گرفتہ تھی، مگر عمر نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اس کے بجائے نرم لہجے میں ایک نصیحت کی گئی تھی۔

”پلٹا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ میرے پاس جب بھی رو پڑے، میں تمہیں ایک گھر ضرور مفت کروں گا۔“ علیہ نے حیرانی سے سر کو دوڑھکا تھا۔

”آئی ایم سیریس!“ وہ علیہ کی حیرانی کو بھابھ گیا تھا۔

”مجھے گھر نہیں چاہیے“

”تو پھر کیا چاہئے؟“

”کچھ بھی نہیں!“

وہ ابھی بھی اتنی ہی ملول نظر آ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

”آپ پھر یہاں رہیں گے نا؟“

اس نے اچانک سر اٹھا کر عمر سے پوچھا تھا۔

”ہاں! رہوں گا“

عمر کو اس کے چہرے پر کچھ اطمینان نظر آیا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”پھر یہ چیزیں داہیں رکھ دیں۔“

اس نے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

”میں رکھ دوں گا لیکن آج تو مجھے جانا ہی ہوگا کیونکہ میرا باقی سامان تو وہیں ہے۔“

اس نے کہا تھا۔

وہ اٹھ کر دو بارہ اپنے بیگ کی طرف چلا گیا تھا۔ اب وہ بیگ میں سے چیزیں داہیں نکال رہا تھا۔ علیہ نے کچھ مطمئن ہو کر اسے دیکھا تھا اور کمرے سے لٹنے کے لئے مزید کسی دردناک وکیل پتھل پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی نظر کمرے کے کونے میں پڑی ہوئی ایک چیز پر پڑی تھی اور وہ ٹھٹھک کر رو گئی۔



باب ۱۳

”عمر کے بارے میں کیا بات کر رہے تھے؟“

وہ بھی کچھ فکر مند ہو گئی تھی۔ ناواب بہت ابھی ہوئی لگ رہی تھیں۔

”تجارتیں اب کیا پر اطمینان ہے؟“

ناواب بڑبڑاتی تھیں۔

”انگل جہاگیر کل پاکستان آئیں گے؟“

اس نے اس بار سوال بدل دیا تھا۔

”نہیں! پاکستان تو وہ دو دن پہلے ہی آ چکا ہے!“

”انہوں نے آپ کو پہلے انعام کیوں نہیں کیا؟“

”پتہ نہیں!“

”لئے بھی نہیں آئے؟“

”اب میں کیا کر سکتی ہوں۔ اس کی مرضی ہے۔“

”پہلے تو یہ سیدھا نہیں آیا کرتے تھے۔“

”پہلے تو بات ہی اور تھی۔ پہلے تو ہمارے ہاں ناکیا کی وجہ سے وہ سیدھا نہیں آیا کرتا تھا۔ اب جب سے ان کی

دھم ہوئی ہے، جہاگیر بہت لاپرواہ ہو گیا ہے۔“

”انگل لاہور میں ہی ہیں؟“

”جائیں۔ یہ میں نے نہیں پوچھا۔ ہو سکتا ہے لاہور میں ہی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابھی کراچی میں ہو۔“

”کل کل وٹ آرے ہیں؟“

”سمبر ہاتھ کر شام کو آئے گا۔“

”آپ نے ان سے پوچھا کہ یہاں کتنے دن رہیں گے؟“

”تم بے خوف ہو علیہ وہ بھلا میں یہ کیسے پوچھ سکتی تھی۔ وہ ہوتا ہوا کپیلے اس کی داغی کی نگر پڑی ہے۔“
علیہ کو چہرہ خفت سے تھوڑا سرخ ہو گیا تھا۔
”نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا، میں تو اس لئے پوچھنا چاہ رہی تھی تاکہ ان کا کمرہ اسی طرح سیٹ سکوں۔“
”ہاں، کہہ دیجیے رہا ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ وہ ہاں کے کمرے میں رہتا ہے۔“

”میں نے کہا کہ کمرہ تو یہاں ہے ہی نہیں۔“ کہنے لگا کہ میری اس سے میرے آنے کی اطلاع نہیں ہونی چاہئے۔“
”انگل جہاگیر نے ایسا کیوں کہا۔“
علیہ کو کچھ حیران ہوئی تھی۔

”خیر، وہ تو میری آواز کیوں چھپانا چاہ رہے ہیں؟“
”یہ تو میری بھی سمجھ میں نہیں آیا۔“
”چائیں انگل جہاگیر اور عمر کا اتنا جھگڑا کیوں ہوتا رہتا ہے؟“

”دونوں فحش ہیں۔ دونوں اپنی اپنی منوانے والے ہیں۔ پھر جھگڑا نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ بہر حال تم جہاگیر کے لئے بھی کمرہ تیار کر دو۔“

”ہاں تو انگل اکیلے آ رہے ہیں؟“
”ہاں! اکیلا ہی آ رہا ہے۔“
”تاؤں کو کب تک کی طرف جاتی ہیں۔“

علیہ کو کچھ دیر خاموشی سے وہاں بیٹھی کچھ سوچتی رہی پھر اٹھ کر عمر کے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔ کمرے میں عمر کے گلوں کی میبک ایک تنگ سی موجود تھی۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے انڈی ٹیبل کی طرف گئی تھی، وہاں عمر کا وہ انکس موجود نہیں تھا جو اس نے کل وہاں رکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عمر وہ انکس دیکھ چکا تھا۔ اسے مطمئن خوش ہوئی تھی۔ وہ وہاں مڑنے کو تھی جب اس کی نظر انڈی ٹیبل کے پاس پڑی ویسٹ بیک پر پڑی تھی۔ اس میں صرف ایک مڑا توڑا کپڑا پڑا ہوا تھا اور وہ اس کا نڈو کا تھو کہہ لیٹر بھی جاتی تھی کہ کونسا کاغذ تھا۔

☆☆☆

انگل جہاگیر دوسرے دن شام کو بیچ گئے تھے۔ ان کا موڈ واقعی اس بار کچھ اور ہی طرح کا تھا۔ ہر بار جب بھی آتے تھے تو بہت خوش اور موڈ میں ہوتے تھے۔ علیہ سے کافی گرم جوشی سے حال احوال پوچھا کرتے تھے مگر اس بار وہ بہت سنجیدہ تھے۔ علیہ سے ان کی دکانی سلام دعا ہوئی تھی اس کے بعد وہ انوکھے ساتھ ان کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہاں ان دونوں کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئی تھیں، وہ نہیں جانتی تھی اور نہ ہی اس نے جاننے کی کوشش ہی کی۔ اس نے بس ملازم کے ہاتھ جاسے اور کچھ کھانے کی چیزیں اندر بھجوا دیں تھیں۔
ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد انگل انوکھے ساتھ باہر لاؤنج میں نکل کر آ گئے تھے۔ علیہ نے انوکھے چہرے پر

بھی بیٹھیں دیکھی تھی۔ بہت عرصہ کے بعد وہ اس طرح پریشان نظر آ رہی تھیں۔ لاؤنج میں بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد عمر کا فون آ گیا تھا۔ وہ انٹر پورٹ پر تھا اور ڈرامہ دیکھنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ انوکھے نے اس کا فون ریسید کیا تھا اور ڈرامہ دیکھ کر بھجوا دیا تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد پورچ میں گاڑی رکھنے کی آواز سنائی دی تھی۔ علیہ نے انکل کے چہرے پر نظر دوڑائی تھی، وہاں تاؤں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ بیچیلے اگلے گھنٹے سے وہ انوکھے جہاگیر کی باتیں سن رہی تھی، اور وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھنے کیلئے کمزور کے بارے میں معمول کی گفتگو میں مصروف تھے۔ مگر ان کی گفتگو میں گرم جوشی یا خوشی نہیں تھی یوں لگ رہا تھا جیسے وہ صرف وقت گزارنے کے لئے باتیں کر رہے تھے۔

علیہ نے ایک گھری سانس لی تھی۔ لاؤنج کا دروازہ کھلا اور عمر اپنی ہی روش اندر آیا تھا۔ پہلا قدم اندر رکھتے ہی وہ حلق کرک گیا۔ علیہ نے اس کے چہرے پر موجود ہلکی سی مسکراہٹ کو غائب ہونے دیکھا۔ وہ انکل جہاگیر کو دیکھ چکا تھا اور علیہ نے اس سے پہلے اس کے چہرے کو دیکھی اتنا بے تاثر نہیں دیکھا تھا۔ اس نے انکل جہاگیر کو ایک نظر دیکھا اور پھر میری نظروں سے انوکھ دیکھا تھا، اور اس وقت علیہ کو اس کی آنکھوں میں شہو نظر آ رہا تھا۔

دروازہ بند کر کے وہ اب آگے بڑھ آیا تھا۔ السلام علیکم کے دو لفظ کہنے کے بعد وہ وہاں رکے یا کسی کو دیکھے لیٹر لاؤنج سے گزر گیا تھا۔ انکل جہاگیر نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔ اس کے چہرے پر بہت عجیب تاثرات تھے۔
”علیہ! تم جاؤ اور اسے کوکیز سے بدل کر کھانے کے لئے آ جائے، کھانا تیار ہے۔“

انوکھے نے اسی لمحے علیہ کو مخاطب کیا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے بھیجی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔
عمر کے بیڈ روم کے دروازے پر اسے دو تین بار دستک دینی پڑی تھی پھر وہ رک گئی۔ ہوسکتا ہے وہ پہلے ہی ڈریسنگ میں کپڑے تبدیل کر رہا ہو۔ اس نے سوچا تھا۔ چند منٹ وہ وہیں دروازہ کے باہر کھڑی انتظار کرتی رہی پھر اس نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی تھی۔ اس بار اسے انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ فوراً ہی اسے عمر کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ عراب سفید شلوار قمیض میں بیٹھیں تھا اور موہلی پر کوئی نمبر ڈال کر کرنے میں مصروف تھا۔ اسے دیکھ کر عمر کا دھچکا تھا۔

”انوکھ یہاں ہی کو آپ کھانے کے لئے آ جائیں!“
علیہ نے انوکھا پیغام اسے دیا تھا۔
”پاپا کب آئے ہیں۔“
اس نے علیہ کی بات کے جواب میں سوال کیا تھا۔
”انگل آج شام کو آئے ہیں۔“

”اور تم لوگوں کو پہلے سے پاپا کے آنے کا پتا تھا؟“ اس بار اس کا لہجہ بہت نیچا تھا۔
”کل انکل نے فون کر کے انوکھ کو آئے کا بتایا تھا۔“
”صبح میں نے مگر یہی فون کیا تھا تو انہوں نے مجھ سے پاپا کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔“

”اگلے دنے نانو کو سچ کر دیا تھا کہ وہ ان کے آنے کے بارے میں آپ کو کچھ بھی نہ بتائیں۔“

وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔ یہی جیسے اس کی بات کو چاچا رہا ہو۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ، میں آ رہا ہوں۔“

اس نے ایک بار بھر سوسائٹی پر کال لٹانی شروع کر دی تھی۔ وہ خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

لاؤنج میں آکر اس نے نانو کو اس کے آنے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ ملازم نے چند منٹوں بعد انہیں کھانا

لگنے کی اطلاع دی تھی اور وہ تینوں اٹھ کر ڈائننگ روم میں آ گئے تھے۔

ان کے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ہی عمر ڈائننگ روم میں آ گیا تھا۔ کچھ کے بغیر وہ ایک کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔

ملازم نے سوپ سرو کرنا شروع کر دیا تھا۔

”نہیں، مجھے سوپ نہیں چاہیے۔“

ننو

اس نے سوپ کا پیالہ ایک طرف کرتے ہوئے چاولوں کی ڈش اپنی طرف کھینچ لی تھی۔

سب کے کھانا شروع کر دیا تھا۔ نانو باری باری اگلے جہانگیر اور عمر کو ڈش سرور کر رہی تھیں۔ عمر سر جھکا کر

ہوئے ایک لفٹ کے بغیر پوری سنجیدگی سے کھانا کھاتا رہا۔ اس نے ایک بار بھی اگلے کی طرف دیکھنے یا انہیں مخاطب

کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دوسری طرف اگلے جہانگیر بھی بہت خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ علیحدہ

کھانا کھاتے ہوئے باری باری اگلے جہانگیر اور عمر پر نظر دوڑاتی رہی۔

عمر نے سویت ڈش کھانے کے بعد پلیٹ کھسکا کر ٹیبلن اٹھا لیا تھا، اور وہ منہ پر چھ رہا تھا۔ جب نانو نے

اسے مخاطب کیا تھا۔

”عمر! اب تم میرے کمرے میں چلنا چھو۔“ اور جہانگیر نے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“

علیحدہ سے نیکدم اس کے چہرے پر تاؤ دوڑ گیا۔

”مجھے اس وقت کسی سے کچھ بھی بات نہیں کرے۔ میں بہت تھک چکا ہوں اور جو واحد چیز میں اس وقت

چاہتا ہوں وہ تندر ہے۔ جہاں تک آپ کی بات سننے کا تعلق ہے تو وہ میں صبح سن لوں گا اور اس کے علاوہ مجھے کسی

دوسرے کی نہ تو کوئی بات سننا ہے اور نہ ہی کسی سے کوئی بات کرنا ہے۔“

وہ کرسی پیچھے کھسکا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ علیحدہ جان کی تھی کہ اس کا اشارہ کسی کی طرف ہے۔ اس نے اگلے

جہانگیر کے ہاتھ پر مل پڑے دیکھے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی بات پیچھے کرنا ہی تھی۔

”کیوں، مجھ سے بات کرتے ہوئے تمہیں کیا تکلیف ہوتی ہے؟“

علیحدہ نے انہیں تیز آواز میں کہتے ہوئے ستا تھا۔

”مجھے آپ سے جتنی باتیں کرنا تھیں، میں کر چکا ہوں۔ مزید باتوں کی ضرورت نہیں ہے۔“

عمر نے ٹیبل باران کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

”مگر مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں یہ تم ابھی طرح سن لو۔“

”تم اس طرح سے فرار حاصل نہیں کر سکتے۔“

اس بار اگلے جہانگیر نے تقریباً چلائے ہوئے کہا تھا۔ نانو نے اگلے جہانگیر کے کندھے کو دبا یا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے جہانگیر؟ کیوں اس طرح سے چلا رہے ہو؟ آرام سے بات کرو، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“

”میں گریبا انہیں چلائے دیں۔“ پچھلے تیس سالوں میں انہوں نے چلانے کے علاوہ اور کیا ہی کیا ہے۔“

”عمر! تم بھی تیز سے بات کرو، وہ باپ سے تمہارا۔“

اس بار نانو نے عمر کو جھڑکا تھا۔

”یہ آپ نہیں ہیں بلکہ راجہ ہیں۔ ان کے نزدیک ہر چیز بیکے بالیے ہے۔ چاہے وہ دلچیز ہوں یا پھر اولاد۔“

اس نے نئی سے اگلے جہانگیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ سن رہی ہیں اس کی باتیں۔“

اگلے جہانگیر نے تڑپ سے نانو سے کہا تھا۔

”آپ نے ہی خواہش کی تھی باتیں سننے اور سنانے کی۔ یہ میری خواہش نہیں تھی۔“

”عمر تم بیٹھ جاؤ۔“

نانو نے عمر سے کہا تھا۔

”مجھے بیٹھنا ہی نہیں ہے۔ جب مجھے کوئی بات ہی نہیں کرنا ہے تو پھر مجھے یہاں بیٹھ کر کیا کرنا ہے۔“

وہ لیے لیے ڈگ بگڑا ہوا ہاتھ سے چلا گیا تھا۔ اگلے جہانگیر ہونٹ کھینچتے ہوئے اسے جانا دیکھتے رہے تھے۔

”میں نے آپ سے کہا تھا کہ اس کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔“

انہوں نے اس کے جاتے ہی نانو سے کہا تھا۔

”اس وقت اسے سونے دو۔ وہ تھکا ہوا ہے۔ اس لئے زیادہ سلاخ ہو گیا ہے۔ تم صبح دوبارہ اس سے بات

کرنے کی کوشش کرنا اور کچھ نئی سے بات کرنا۔ وہ کوئی چھوٹا سا بچہ نہیں ہے، جہاں ہے اطمینان دے، اور اس

طرح پر وہ بھی بات نہیں سنے گا۔“

نانو اگلے جہانگیر کو سمجھ رہی تھیں۔

”آپ کا کیا خیال ہے کہ میں نے اس سے نئی سے بات نہیں کی ہے، میں اس سے ہر طرح سے بات کر چکا

ہوں مگر وہ اپنی بات پر جتا ہوا ہے۔ اسے احساس ہی نہیں ہے کہ اس کی نقصان دہ باتوں سے کتنی فائدہ دے سکتی ہے۔“

وہ تیز آواز میں نانو سے بات کر رہے تھے جو بڑی خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھیں۔

”ٹھیک ہے فی الحال ابھی تو کچھ نہیں ہو سکا۔ وہ سونے چلا گیا ہے۔ تم بھی جا کر سو جاؤ۔ صبح دیکھوں گی کہ

میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں؟“

نانو نے اگلے جہانگیر کو دلاس دیتے ہوئے کہا، اور وہ اگلے جہانگیر کو اپنے ساتھ لے کر ٹیبل سے اٹھ گئیں۔

علیحدہ چپ چاپ وہیں بیٹھی اگلے جہانگیر کی ہمتیاں سلجھانے کی کوشش کرتی رہی۔ ملازم ٹیبل سے کھانے کے

بہن اٹھانے لگا۔ وہ سوچتی رہی کہ اس بار عمر اور اگل کے درمیان جہ تازہ کیا ہو سکتی ہے۔

ان دونوں کے درمیان ہونے والا یہ پہلا جھگڑا نہیں تھا۔ علیہ کو ایسے بہت سے مواقع یاد تھے، جب ان دونوں کے درمیان اختلافات ہوتے رہے تھے۔ مگر اس بار معاملہ یقیناً زیادہ بے ریش تھا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ پونے دو بجے چلی گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی واپسی تک اگل جہاگیر اور عمر کے درمیان جو بات ہونا ہوگی، وہ بھی ہوگی، اور گھر کا اعصاب شکن باحوال بدل چکا ہوگا۔ مگر وہ بہرہ کو واپسی پر اسے یہ چلا تھا کہ عریض ہی نہیں چلا گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔ اگل جہاگیر کا پارہ آستان سے ہاتھیں کر رہا تھا اور نانو کی کچھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

عمر شام کے وقت واپس آیا تھا اور اس بار اگل جہاگیر نے وقت ضائع کیے بغیر اسے بٹے بات کرنی شروع کر دی۔ وہ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے اور علیہ وہ چند منٹ پہلے ہی نہیں چائے دیکر آئی تھی۔

”میں آپ کو کل بھی بتا چکا ہوں کہ مجھے آپ سے کوئی بھی بات نہیں کرنی۔“

عمر نے لاؤنج میں کھڑے کھڑے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔

”عمر! اس طرح.....!“

عمر نے نانو کو بات بھی مکمل نہ کر نے دی تھی۔

”کر گئی! میں یہاں اسے لے آیا ہوں تاکہ مجھ کو دن سکون سے گزار سکوں۔ اگر یہ ممکن نہیں ہے تو پھر میں

یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

یہ کہہ کر وہ لاؤنج سے نکل گیا۔ نانو نے اسے آواز دی تھی مگر اس نے ان کی آواز کو نظر انداز کر دیا تھا۔

”علیہ! جاؤ اس سے جا کر کہو کہ آج چائے تو پی لے۔“

نانو نے علیہ سے کہا۔ وہ اٹھ کر عمر کے کمرے کی طرف آگئی تھی۔ وہ تک کی آواز سننے ہی اندر سے عمر نے

آواز دی تھی۔

علیہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی تھی۔ وہ اپنے گلے میں بندھی ہوئی ٹائی کھول رہا تھا۔ علیہ نے نانو کا

پیغام اسے پہنچا دیا تھا۔

”نہیں، مجھے چائے نہیں پینی!“

اس نے بڑی ترشی سے کہا۔

علیہ نے اس کے چہرے پر چمکن کے آثار دیکھے تھے۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ شاید وہ رات کو بے

سویا تھا۔ علیہ کو بے اختیار اس پر ترس آ گیا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اگل جہاگیر کو یہاں سے واپس بھیج دے۔

”اگر وہ بات نہیں کرنا چاہتا تو نا تو اور اگل اسے کیوں مجبور کر رہے ہیں؟“

اس نے خود ہی جواب داری سے سوچا تھا۔

”میں چائے یہاں لے آؤں؟“

علیہ نے ہمدردی سے اس سے پوچھا تھا۔

”نہیں! ضرورت نہیں ہے!“

اس نے بڑی رکھائی سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اسی خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

”وہ چائے پینا ہی نہیں چاہتا!“

اس نے لاؤنج میں آ کر کہا تھا۔

”وہ میرا سامنا کرنا نہیں چاہتا، آپ دیکھ رہی ہیں کہ وہ میرے ساتھ کیا کر رہا ہے۔“

اس نے اگل جہاگیر کا چہرہ سرخ ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

”علیہ! اچھا اس سے جا کر کہو کہ باری ہوں۔“

نانو نے اگل جہاگیر کو جواب دینے کے بجائے اس سے کہا تھا۔ وہ ایک بار پھر واپس پلٹ گئی تھی۔ اسے

اپنے پیچھے اگل جہاگیر کی آواز سنائی دی تھی وہ ایک بار پھر نانو سے کچھ کہہ رہے تھے۔

عمر اس بار اس کے پیغام پر جھجکا اٹھا تھا۔

”میں ایک بار بتا چکا ہوں کہ مجھے چائے کی ضرورت نہیں ہے اور اب ہی مجھے باہر آنا ہے۔ تم جا کر گر گئی

کہہ دو اور پلازیر دو بارہ یہاں کوئی پیغام نہ کر مت آنا۔ بار بار مجھے دھڑب دھڑب مت کرو۔“

اس نے خاصی ترشی سے علیہ سے کہا تھا۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ عمر نے کبھی اس طرح اسے جھڑکا ہو۔ وہ

ایک بار پھر پلٹ گئی تھی اور اب ہی ایک منٹ کے دروازہ کھول کر اگل جہاگیر اندر آ گئے تھے۔

”آپ کو میرے کمرے میں اس طرح داخل ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔“

اس نے عمر کو گیز آواز میں کہتے ہوئے سنا تھا، علیہ کی کچھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ وہاں ٹھہرے یا چل جائے۔

”یہ کمرہ میرے باپ کا ہے۔“

اگل جہاگیر نے جواب کہا تھا۔

”لیکن آپ کا نہیں ہے۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔“

عمر نے ترشی سے ان سے کہا تھا۔

”میں نے اپنی زندگی میں تم جیسا خود غرض، خود پسند اور غیر ذمہ دار شخص نہیں دیکھا۔“

اگل نے اس کی طرف اگلی سے اشارہ کیا تھا۔

”ہاں! میں خود غرض، خود پسند اور غیر ذمہ دار ہوں..... کیونکہ آپ کا ہی بیٹا ہوں۔“

عمر نے انہیں اسی لہجے میں جواب دیا تھا۔ علیہ کو اگل جہاگیر کے پیچھے دروازے میں ناظر نظر آئی تھیں۔

”میں تم سے آخری بار صاف صاف بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”مجھے جتنی بات کرنی تھی، کر چکا ہوں اب اور کوئی بات کرنا نہیں چاہتا۔ آپ کو پہلے ہی میں انکار کر چکا ہوں

اور انکی ریچریشن والے شخص کا حوالہ دیتا بہت بڑی حماقت ہے، اور میں انکی حماقت نہیں کرتا۔ عمر کو جہاں گھر جیسے لاحقہ کے بغیر بھی بہت سے لوگ جانتے ہیں اور وہ اس کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ اگر میرے نام کے ساتھ آپ کا نام ہے تو یہ میری جھوٹی ہے، میری ضرورت نہیں۔ مجھے فارن سروس میں لا کر آپ نے میری جو نیوٹرک، میں دو لوگ چکا ہوں۔ اب نہ تو آپ ہی میرے لئے کچھ کر سکتے ہیں نہ میں آپ کے لئے کر دوں گا۔

”تم میرے کسی احسان کو لوٹا نہیں سکتے۔ میں نے تمہارے لئے جو کچھ کیا ہے، وہ بہت کم لوگ اپنی اولاد کے لئے کرتے ہیں، اور جو کچھ تم بدلے میں میرے ساتھ کر رہے ہو وہ بھی کوئی اولاد بہت کم کرتی ہے۔“

”آپ نے میرے لئے ایسا کچھ بھی نہیں کیا جو دنیا سے لوٹا ہو۔“

”میں نے سمجھنا سے آج تک تمہاری ہر خواہش پوری کی۔ تم پر روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہایا۔ سب سے اچھے انٹی ٹوشن میں تمہیں تعلیم دلوائی۔ تمہارا کیریئر بتایا اور تم کہتے ہو کہ میں نے تمہارے لئے کچھ نہیں کیا۔“

”آپ نے مجھ پر یہ ساری افسوسیں اپنے ہی فائدہ کے لئے کی۔ مجھ پر روپیہ اس لئے بہایا تاکہ بعد میں آپ میری اچھی قیمت وصول کر سکیں۔ جس طرح اب آپ وصول کرنا چاہ رہے ہیں۔ آپ نے کوئی چیز بھی میری خوشی کے لئے نہیں کی۔ اپنے فائدہ اور نقصان کے لئے سوچ کر کی۔ آپ وہ انسان ہیں جو اپنے علاوہ کسی دوسرے کے لئے کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔ آپ کی ہر سوچ ”میں“ سے شروع ہوتی ہے اور ”میرے لئے“ پر ختم ہو جاتی ہے۔ آپ لوگوں سے تعلق جب تک رکھتے ہیں جب تک وہ آپ کے لئے فائدہ مند ہیں۔ جب ان کی افادیت ختم ہو جاتی ہے تو آپ کے لئے ان کی اہمیت ہی ختم ہو جاتی ہے اور ان لوگوں میں، میں بھی شامل ہوں۔“

اس کی سختی ہی جتنی بھی جاری تھی، کبھی جھگڑنے سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”یہ میرا جھوٹا تم میری ٹیلی کا حصہ ہو۔“

علیہ نے عمر کے چہرے پر اضطراب دیکھا تھا۔

”اور اب بھی یہ نہ سمجھیں کہ آپ کسی ٹیلی میں ہو ہی نہیں سکتے۔ ٹیلی آپ کی سب سے آخری ترجیح ہے۔“

اس نے عمر کو انگلی اٹھا کر کہتے ہوئے سنا۔

”میرے بارے میں تو بے دینی کی کوشش مت کرو۔ میں کون ہوں اور کیا ہوں، میں اچھی طرح سے جانتا ہوں تم صرف اپنے بارے میں ہی بات کرو۔“

”کیوں بات نہ کی جائے آپ کے بارے میں؟“

”میں تم سے یہاں کوئی فضول بحث کر رہی نہیں آیا ہوں۔ مجھے تم سے صرف ایک سوال کا جواب چاہئے اور وہ بھی صرف ہاں میں۔“

ان کا لہجہ بے حد سرد اور خشک تھا۔

”اور میرا جواب ”نہیں“ میں ہے۔“

وہ اتنا ہی بے خوف تھا۔

ہوتی ہے وہاں تم جیسے جو غیر آفسر کی پوسٹنگ میری مدد کے بغیر کیسے ہو سکتی تھی۔ جو عمارت میں نے تمہیں تمہاری سروس میں دیا، وہ بہت کم لوگوں کو ملتا ہے مگر تمہیں میرا کوئی احسان یاد ہی نہیں ہے۔“

”آپ نے میری پوسٹنگ اس لئے وہاں کر دئی تاکہ آپ اس سینٹ کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکیں۔ آپ مجھے فارن سروس میں لے کر ہی اس لئے آئے تھے تاکہ مجھے استعمال کر کے اپنے لئے کچھ اور فائدہ حاصل کر سکیں۔“

”تمہاری اس ضد کی وجہ سے جانتے ہو کہ کتنا نقصان پہنچ سکتا ہے؟“

اس بار ان کا لہجہ قدرے نرم تھا۔

”میری بلا سے، آپ کو کیا نقصان پہنچتا ہے اور کتنا نقصان پہنچتا ہے۔ یہ آپ کے سونے کی باتیں ہیں۔“

”میری نہیں۔“ وہ ابھی بھی اتنا ہی سخت تھا۔

”تم اس لڑکی سے شادی نہیں کرو گے؟“

”نہیں۔ میں کسی بھی قیمت پر شادی نہیں کروں گا۔“

”جانتے ہو اس لڑکی سے شادی کر کے تم کہاں پہنچ سکتے ہو؟“

”آپ میرا بعد رو بننے کی کوشش مت کریں میں اس سے شادی کر کے کہیں نہیں پہنچوں گا۔ ہاں آپ کے سارے پر اہل عمل ہو جائیں گے۔ سروس میں آپ کو دو سال کی ایک مینشن مل جائے گی آپ کے خلاف چلنے والی انکارا کر پڑ کر پورس غائب ہو جائیں گی۔ انکسی کے فٹرز میں کیا نہ لایا بلاڈر رگول ہو جائے گا اور مستقبل کے لئے جو پرمٹ اور گئے آپ کو چاکائیں دو بھی آپ کو مل جائیں گے۔ مگر مجھے اب آپ کے لئے بلیک چیک نہیں بنانا۔“

”تم اس سب کے لئے بہت بچھتاؤ گے۔“

”میں پہلے ہی بہت بچھتا چکا ہوں اور اب اور نہیں بچھتاؤں گا۔“

”میں تمہیں آسان پر لے جانا چاہتا ہوں اور تم ایک کمرے کے کمرے بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہو۔“

”ہاں! آپ مجھے آسان پر لے جانا چاہتے ہیں لیکن میرے گھر میں پھنساؤ ڈال کر مجھے اذیت دینا چاہتے ہیں۔“

”میں جانتا ہوں میرے خلاف یہ سب کچھ تمہارے دماغ میں ڈالنے والا کون ہے۔ میں اس عورت کو دیکھ

لوں گا۔“

جہاں گھر نے زہریلے لہجہ میں کہا تھا۔

”وہ عورت میری ماں ہے، اور میں اس سے بچھلے پندرہ سال سے نہیں ملا، اور آپ کو جاننے کے لئے مجھے کسی سے کچھ سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بغیر ہی میں آپ کو بہت اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔“

”تمہیں یہ جو بولنا آگیا ہے تو صرف میری وجہ ہے۔ میرے نام، میری مدد کے بغیر تم نے کوئی ہاتھ ملا نا بھی پسند نہ کرے گا۔“

”آپ کا نام میرے لئے کسی غم کا باعث نہیں ہے۔ آپ اپنی ریچریشن بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔“

جیسا چھڑا آسان نہیں ہے۔ میری کچھ جہاں تک ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جس شخص کی بیٹی سے تم شادی کرنے پر انکار کر رہے ہو، وہ شخص میرے پیچھے ہٹ جانے پر تمہیں زندہ گاڑ دے گا۔ کیونکہ یہ تو بات ہی نہ کرو۔ اس انکار کے بعد کم از کم اس ملک میں تمہارے لئے کوئی کیریئر ہے نہ ہی کوئی فوج۔ باہر تم رہنا نہیں چاہتے۔ اندر میں تمہیں رہنے نہیں دوں گا۔ جاب کے چند ہزار روپوں میں تم گزار رہے ہو۔ میری طرف سے اب دوبارہ تمہیں کسی قسم کی کوئی مدد نہیں ملے گی۔ تم اپنی جاب کے ذریعہ پیسہ بنانے کی کوشش کرو، اور یہ ہم ہونے ہی نہیں دیں گے، اور پھر ایک سال کے اندر اندر تم میرے پاس معافی مانگنے آؤ گے۔ جب تم میری ہر بات ماننے کے لئے تیار ہو گے لیکن اس وقت میں تم پر قہقہوں کا بھی نہیں اس کے بجائے تمہیں غور کروں گا۔ یہ ہے تمہارا بڑا مانت فوج جسے حاصل کرنے کے لئے تم قانونوں چھوڑ کر یہاں آ گئے ہو۔“

اگلے جہانگیر کے لہجہ میں یہ حد ہر تھا۔ طیارہ ساکت کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ تاہم اس وقت بالکل ہی خاموش تھیں اور عمر..... عمر کے چہرے پر تو اس وقت وحشت کے علاوہ کچھ دیکھ نہیں رہی تھی۔ وہ خاموشی سے گہرے سانس لے رہا تھا، مگر اس کی سرخ آنکھیں اور سینے ہونے ہونٹ اسے پرسکون ظاہر نہیں کر رہے تھے۔

”آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس بار آپ سے جیسا چھڑا نے لے لئے میں کس حد تک جاسکتا ہوں۔“ وہ غریبا۔

”میں تمہارے لئے کوئی جائے فراہم نہیں چھوڑوں گا۔“

”جہانگیر نے اسے ہی سزا دی میں کہا تھا۔“

”آپ ہر راستہ بند نہیں کر سکتے کوئی نہ کوئی راستہ تو انسان کے پاس ہوتا ہے۔ میرے پاس بھی ہے۔“

طیارہ نے اسے اگلے قدموں سے پیچھے جاتے اور کہتے ہوئے ساتھ اس نے اگلے جہانگیر کے چہرے پر ایک زہریلی مسکراہٹ دیکھی تھی اور پھر..... پھر اس نے عمر جہانگیر کو کھلی کی تیزی سے سائیڈ میبل کی دروازہ کھولنے اور پورا ٹاکا لے دیکھا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنے وجود کو خوف سے سر دھوے پایا تھا۔

”عمر.....“

اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی تھی۔ وہ اب بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ رپا اور کاسیٹیل کچھ ہٹا رہا تھا۔



جہانگیر اسے چند لمحوں سرخ آنکھوں سے گھورتے رہے۔

”میں تمہیں اپنی جائیداد سے عاقی کر دوں گا۔ میں بھی دیکھوں گا میری مذکے بغیر تم کیسے سہا رہ کر رہے ہو۔“

”مجھے آپ کی جائیداد میں سے کچھ نہیں چاہئے مگر جو کچھ دارا نے آپ کے لئے چھوڑا ہے اس میں سے مجھے میرا حصہ چاہئے۔ خاص طور سے وہ بیگ کا ڈنٹ جسے ان کی وصیت کے باوجود بھی میرے حوالے نہیں کیا۔“

”میں تمہیں ایک پیسہ بھی نہیں دوں گا۔“

”میں آپ سے بیک نہیں مانگ رہا ہوں۔ اپنا حق مانگ رہا ہوں، وہ سب کچھ مانگ رہا ہوں جو آپ کا ہے ہی نہیں، جو پہلے سے میرا ہے۔“

”کچھ بھی تمہارا نہیں ہے۔“

”کیوں میرا نہیں ہے؟“

وہ یک دم چلایا تھا۔

”تم میری بات نہیں مانو گے تو میں تمہیں کچھ نہیں دوں گا۔ شاپنی جائیداد سے نہ پاپا کی جائیداد سے۔“

جہانگیر نے زہریلے لہجہ میں کہا تھا۔

”میں اپنی پوری زندگی کسی سے نہیں، نہیں تھی، اس لئے مجھے اس لفظ کی عادت ہی نہیں ہے۔ اب تم سے بھی یہ لفظ نہیں سن سکتا۔ بات اگر قیمت چکانے کی کرتے ہو تو ٹھیک ہے پھر تم بھی قیمت چکاؤ۔ تمہیں اپنے آپ پر خرچ کیا جانے والا روپیہ ایک انویسٹمنٹ لگنا ہے تو ٹھیک ہے۔ تم اسے انویسٹمنٹ سمجھو اور پھر مجھے اس پر نتائج دو، اس شادی کی صورت میں۔“ وہ ہنسنے لگے۔

”اور میں بھی یہ نہیں کروں گا، کبھی نہیں کروں گا۔ آپ نے مجھ پر جو خرچ کیا، اپنی مرضی سے کیا۔ میں نے آپ سے کچھ بھی خرچ کرنے کے لئے نہیں کہا اور جو آپ نے کیا وہ ہر باپ کرتا ہے۔ آپ نے ایسا خاص کیا کیا جس کی قیمت میں آپ کو چکاؤ؟“

”تم تو مجھے اپنا باپ مانتے ہی نہیں، پھر کس حوالے سے ان ساری لگور پر کو کا حق سمجھتے ہو۔ تم میری بات نہیں مانو گے تو میں تمہیں سڑک پر لے آؤں گا اور میں یہ بھی بھول جاؤں گا کہ تم سے کبھی میرا کوئی رشتہ تھا۔“

”میں پھر بھی آپ کی بات نہیں مانوں گا، اور جائیداد میں جو میرا حصہ ہے، میں وہ بھی لوں گا۔ جو راستے آپ استعمال کریں گے وہ راستے میرے لئے بھی انجان نہیں ہیں۔“

”مگر تم یہ شادی نہیں کرتے تو وہ سارا روپیہ لوٹاؤ جو میں نے تم پر خرچ کیا ہے۔ پاپا کی جائیداد سے لئے والے حصہ بھی ان ہی اخراجات میں آ جاتا ہے۔ جو میں نے تم پر کئے تھے، اور اس کے علاوہ جو جتنی تم نہیں چاہتے، وہ میرا ویل بہت جلد تباہ ہو گا۔ اگر تم اپنے حصہ کے لئے کورٹ میں جانا چاہتے ہو تو شوق سے باؤ میں بھی تو دیکھو کہ تم کتنے پانی میں ہو۔ جہاں تک تمہارے کیریئر کی بات ہے تو قانونوں میں تو تم نے چھوڑ دی ہے۔ اور تم سوچ دیتے ہو کہ تم نے مجھ سے جیسا چھڑا لیا ہے۔ تم پولیس جوائن کر رہے ہو، اس کے بعد میں تمہیں تباؤں کا کچھ سے

معرکے واپس آ جانے سے نانو کا رویہ یک دم بالکل ٹھیک ہو گیا تھا، اور اس پر علیزہ نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

عمر کے بچہ شروع ہو چکے تھے اور ان دونوں کا سامنا بہت کم ہی ہوتا تھا۔ خود علینہ بھی کالج جانا شروع کر چکی تھی، اور اپنے سمیٹر کی تیاری میں مصروف تھی۔

اس رات جب دو بجے کے قریب عہرسوں کی تیاری میں مصروف حجاب پیاس لگنے پر اس نے نظریہ جبریل میں پڑی ہوئی بوتل کو خالی پایادور بھر لیا پینے کے لئے وہ کچن کی طرف آیا تھا لاؤنج میں سے گزرتے ہوئے وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ لاؤنج میں کبھی روشنی کلاب آتا تھا اور اس کی روشنی میں اس نے کسی کو لاؤنج کا دروازہ کھول دیکھا اسے پہچاننے میں دیر نہیں لگی، وہ نظریہ جی۔

”مگر رات کے اس وقت لاؤنج کے دروازے پر وہ کیا کر رہی ہے؟“ اس نے حیرانی سے سوچا اور آگے بڑھ کر لائٹ آن کر دی۔ اس کا خیال تھا کہ علیہ واپس پلٹ کر دیکھے گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ واپس پلٹے بغیر وہ دروازہ کھول کر لاؤنج سے نکل گئی تھی۔

”علیہ و!“ عمر نے کچھ حیران ہو کر اسے آواز دی مگر وہ متوجہ نہیں ہوئی۔ عمر کچھ حیران ہو کر خود بھی اس کے پیچھے لائنچ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔ علیہ و آہستہ آہستہ مین گیٹ کی طرف جاری تھی۔

عمر نے ایک بار پھر اسے آواز دی کہ وہ جیسے ہوئی۔ پھر کہہ دو کہ جبران اور دو۔ وہ اب بھی گیت کی طرف چلتی جا رہی تھی۔ وہ چونکہ پریشانی کے عالم میں اسے تاجادیکھا رہا۔ وہ اب گیت کے پاس پہنچ چکی تھی۔ گیت پر موجود چوکیدار کسی سے اٹھ کر اس کے پاس آ گیا اور اس سے چونکہ کہہ رہا تھا کہ وہ گیت کی طرف بڑھتی تھی تو وہ اب گیت کو لے کر کشش کر رہی تھی۔ مگر حیرت خیز قدموں کے ساتھ گیت کی طرف بڑھ آیا۔ چوکیدار کو براہ راست نظر آ رہا تھا۔

”جناب! یہ عظیم و بی باک بی بی گھولنے کے لئے کہہ رہی ہیں۔“ چونکہ کیدار نے عمر کے آئے اس سے کہہ کر ہنسنے کی طرف بڑھ گیا وہ گین پر گئے ہوئے تالے کے ساتھ الجھی ہوئی تھی۔

”عظیم! کیا بات ہے؟ کہاں جانا چاہتی ہو؟“ اس نے عظیم سے پوچھا۔

”گیت نہیں کھل رہا۔ باہر جانا ہے!“
وہ اب بھی گیت کھولنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

”یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کہاں جانا ہے؟“
 ”پاپا کے پاس جانا ہے۔“

عمر سائکت زو مینا: "طیروزہ!"

”گیت کھول دو چوکیدار..... گیت کھول دو۔“

کمرے کے کونے میں وہی پٹانٹ پڑا ہوا تھا۔ جس کی ایک شاخ اس نے چند دن پہلے ہی کاٹ دی تھی۔ مگر جراثیم اسے پٹانٹ کو یکے کرکھین ہوئی، بلکہ رہ پٹانٹ کی کسی کاٹنی جانے والی شاخ کو یکے کرکھین ہوئی جس نے جان بوجھ کر کاٹ دی تھی، اور اس وقت وہ شاخ اس کلمے میں ہی کھنٹی ہوئی تھی۔ شاخ مر جاتا تھی مگر اسے کلمے سے نکال کر پھینک نہیں گئے تھے۔

علیہ و علیہ السلام کی شہادت میں ایک دم ہی زحیرہ اضافہ ہو گیا چند لمبے دروازہ کے پینٹل پر ہاتھ رکھے وہ اس شاخ کو دیکھتی ہی پھر اس نے عمر کی طرف دیکھا تھا وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا، وہ تو اپنے بیگ سے چیزیں نکال رہا تھا۔ علیہ و علیہ السلام کا نکالنا اور بڑھ گیا۔

”پتہ نہیں، مگر کو اس پودے سے کتنی محبت تھی، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

اس نے ایک بار پھر شاخ کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

اسی لمحہ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے اس کی نظریں بھی کمرے کے کونے تک
 مئی، اورو علیزہ کو پلانٹ پر نظریں جمائے دیکر وہ سب کچھ سمجھ گیا۔

”مجھے اپنی ہر چیز سے خاص قسم کی محبت ہوتی ہے۔ اس لئے میں انہیں ہمیشہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں، اور اسے بھی میں نے اسی لئے دیا رکھا تھا۔“

علیہ اس کی آواز پر چونکی وہ اسی سے مخاطب تھا۔

”مگر یہ تو خشک ہو رہی ہے؟“

جب پوری طرح خشک ہو جائے گی، تب پھینک دوں گا!"

کری نظر دے گا۔ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی اور پھر کمرے سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

عمیرہ احمد صاحبہ کی ناولز پڑھنے کے لئے ابھی وزٹ کریں

مرو کس پر ترس آ گیا۔

”انہوں نے کسی سے تمہارا فریٹ کر دیا ہے۔“

”ہاں وہ..... وہ ایک سائیکالوسٹ سے سیشن کر دیتے رہے ہیں۔“

اس نے اچھے ہوئے انداز میں کہا۔

”پھر؟“

”پھر میں ٹھیک ہو گئی تھی؟“

”تو اب کیوں؟“ عمر نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”چاہئیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا مگر آپ نا تو سے بات نہ کریں۔“

”ان سے بات کرنے کا فائدہ ہی ہوگا۔ سائیکالوسٹ سے دوبارہ سیشن ہوں گے تو تم پھر ٹھیک ہو جاؤ گی۔“

عمر نے اسے تسلی دی۔

”میں یہ سب نہیں چاہتی۔“

دوسرے چکر کو دہلی آواز میں چلائی تھی۔

”آپ سمجھتے نہیں میرے انگریز شروع ہونے والے ہیں، میں سیشن میں تھی، اسی لئے ایسا ہوا۔ اب میں ریٹیکس ہونے کی کوشش کروں گی تو سب کچھ ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ نا اور نا نا فضول میں پریشان ہوں گے۔ مجھے بھی ڈسٹرب کریں گے۔ میں بھی اپنے پیچھے رہ تو نہیں دے پاؤں گی۔ بلکہ آپ ان کو کھمت بتائیں!“

اس کے لہجہ میں اتنی سی چارہ لگی تھی کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا۔

”ٹھیک ہے میں اس سے بات نہیں کروں گا۔“

اسے یک دم علیزہ کے چہرے پر اطمینان نظر آیا۔

”تھیک ہو!“

اس نے بے اختیار عمر سے کہا۔

”کوئی بات نہیں!“

وہ کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔ علیزہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

اگلے چند من عمرات کو خود لاؤنج لاک کرنا ہوا تھا اور سونے سے پہلے باہر کا بھی ایک چکر لگنا تھا۔ پھر علیزہ کے کمرے کے پینڈل بہت آہستگی سے کھل کر چپک کر تار دروازہ ہمیشہ ہی اسے لاکڈ ہی ملا۔ وہ مطمئن ہو گیا کہ علیزہ نے اس کی ہدایات پر عمل کیا تھا اور اس رات کا واقعہ واقعی ذہنی سیشن کا نتیجہ تھا۔

مگر یہ اطمینان زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہا تھا۔ اس رات وہ اپنے آخری بیچہ کی تیاری میں مصروف تھا۔ اس نے رات کے پچھلے پھر مگر میں مدغم شور مٹا۔ کچھ چپک کر اس نے غور سے شور کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ

چیزوں کی آواز تھی۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اپنے کمرے سے نکل آیا۔ چیزوں کی آواز علیزہ کی تھی، اور اس کے کمرے سے آ رہی تھی۔ عمر بے اختیار بھاگتا ہوا اس کے کمرے کی طرف گیا دروازہ لاکڈ تھا اور اندر سے وہ کچھ کہتے ہوئے زور سے چیخ رہی تھی۔ عمر نے پوری قوت سے دروازہ ہچکایا۔

”علیزہ! کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟“

اس نے عمر کی بات کے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ اب بھی اسی طرح چیخ رہی تھی۔ عمر کی سرایتیگی میں اضافہ ہو گیا۔ اس نے ایک بار پھر پوری قوت سے دروازے کو ہچکایا۔

”علیزہ!..... علیزہ! دروازہ کھولو۔“

فارگاہ ڈیک..... دروازہ کھولو۔“

اندر کیا ہو رہا ہے۔ علیزہ..... علیزہ.....“

اس بار اندر دم خاموشی چھا گئی تھی اور اس خاموشی نے عمر کے اضطراب میں اور اضافہ کیا تھا۔

”علیزہ! علیزہ! دروازہ کھولو۔ کیا ہوا ہے؟“ اس نے ایک بار پھر بلند آواز میں کہتے ہوئے دروازہ ہچکایا اور تب ہی اس نے ناٹا اور ناٹو کو تیز رفتار سے آگے پیچھے آتے دیکھا۔

”گرینی! علیزہ! وہ بھی کچھ دیر پہلے اندر چیخ رہی تھی، پتہ نہیں کراسے کیا ہوا ہے؟“

عمر نے اضطراب کے عالم میں ناٹو سے کہا۔ ان کے چہرے پر بھی تشویش کی محروہ عمر کی طرح گہرائی نہیں تھی۔

”دوبارہ ڈرنگی ہو گی!“

انہوں نے دروازہ ہچکاتے ہوئے کہا تھا۔

”کیا؟“

عمر نے حیرانی سے ان کا چہرہ دیکھا۔

”دوبارہ ڈرنگی، کس چیز سے ڈرنگی؟“

ناٹا نے اس کے کندھے پر ہتھیکی دیتے ہوئے کہا۔ ”پریشان مت ہو۔ وہ خند میں ڈر جاتی ہے۔“

عمر ساکت کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ وہ بھی اب ناٹو کے ساتھ مل کر دروازہ ہچکا رہے تھے۔

علیزہ لائٹ جلاؤ۔ میری جان دروازہ کھولو۔ گھبراؤ مت۔“

ناٹو اب اسے ہدایت دے رہی تھی۔ چند منوں بعد عمر نے دروازے کی جھری سے کمرے میں روشنی

ہوتے دیکھی۔ پھر چند منوں بعد دروازہ کھل گیا۔

علیزہ کا رنگ زرد تھا اور وہ کانپ رہی تھی۔ عمر نے اس کے چہرے کو پسینے سے بیجا ہوا دیکھا۔ ناٹو نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لٹائیا۔

”کیا ہوا میری جان؟“

وہ اسے ساتھ لٹاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

تاتا بھی کرے کے اندر چلے گئے، لیکن عمر اندر داخل نہیں ہوا تھا۔ وہ وہیں کوریڈور میں کھڑا جگمگا رہا ہے دیکھتا رہا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

”تم ذہن پر اس چیز کو سوار مت کرو۔ اس کے ساتھ پہلے چلی آیا ہوتا ہے۔ جب بھی وہ اپنے پیرش کے پاس رہ کر آتی ہے تو پھر اسی طرح ڈر جاتی ہے، یا پھر تیندھ میں چلنے لگتی ہے۔ تم اگر پہلے مجھے اس رات کے بارے میں بتا دیجے تو میں غلط ہو جاتی اور اسے سائیکالوسٹ کے پاس لے جاتی“

اگلی شام عمر خانو کے ساتھ علیہ کا پرانہ فلم ڈسکس کر رہا تھا۔ اس نے انہیں اس رات علیہ کے باہر جانے کے بارے میں بتا دیا تھا اور اس کے پچھتے پر خانو نے اسے علیہ کی پرانہ فلم کے بارے میں بتا دیا تھا۔

”سائیکالوسٹ کیا کہتا ہے؟“

”وہ کہتا ہے کہ Insecurity (عدم تحفظ) کے احساس کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ وہ خود کو محفوظ محسوس نہیں کرتی، اور پیرش کے لئے کے بعد یہ احساس اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے، اور پچھلے کئی سالوں سے انہی احساسات سے پریشان ہے۔ وہ پیرش سے مل کر آتی ہے، اس کے بعد اگلے دو تین ماہ اسی طرح ڈر رہتی ہے، لیکن پھر آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جاتی ہے۔ سائیکالوسٹ کی عادت ہے کہ پیرش کے پاس نہ جانے دیں۔ کم از کم اسے ایک سال تک ان کے پاس رہنے کے لئے دیکھیں اور پھر دیکھیں کہ وہ کیسے ٹی ہو کر رہتی ہے۔ لیکن میں اسے روک نہیں سکتی کہ وہ ماں یا باپ کے رابطہ کرتے ہی ان کے پاس جانے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔“

”مگر کل رات تو وہ بہت بری طرح ڈر رہی تھی۔ آپ نے اس کی حالت دیکھی۔ وہ تو.....!“

”اب چند دن میں اس کے پاس سوسن کی تو وہ ٹھیک ہو جائے گی، اور کل دوبارہ اسے سائیکالوسٹ کے پاس لے کر جاؤں گی۔“

خانو نے اسے بتایا۔

”مگر نی! آپ سائیکالوسٹ بدل دیں۔ اگر اتنے سالوں میں یہ سائیکالوسٹ اس کا علاج نہیں کر سکا تو کوئی دوسرا سائیکالوسٹ دیکھیں۔“

”سائیکالوسٹ بدلنے سے کیا ہوگا؟“

”ہو سکتا ہے، کوئی دوسرا سائیکالوسٹ اسے زیادہ بہتر طریقہ سے ٹریٹ کرے۔“

”میں نے نہیں بتایا ہے نا اسے یہ پہلے صرف چند ماہ ہی ہوتا ہے۔ وہ بھی جب وہ اپنے پیرش سے مل کر آتی ہے، اور پھر آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جاتی ہے۔“

”مگر مگر نی! ان دو تین ماہ میں ہی اسے کوئی نقصان بھی تو پہنچ سکتا ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ اس رات وہ باہر گیسٹ تک پہنچ گئی تھی، اور اسے بالکل پتہ نہیں تھا۔ اگر اسی طرح تیندھ کی حالت میں اس نے کچھ اور کر لیا تو؟“

”معدنی گرنر منڈ تھا۔“

”یہی کچھ میں یہ نہیں آتا کہ اسے کس قسم کا عدم تحفظ ہے؟ کسی پر لکھیں چاہئے۔ میں نے اسے ہر چیز

محفوظہ احمد صاحبہ کی ناولز پڑھنے کے لئے ابھی وڑت کریں

تو دے رکھی ہے کسی چیز کی نہیں ہے۔“

”مگر نی! چیزیں انسانوں کی جگہ نہیں لے سکتیں، وہ اپنے والدین کو کس کرتی ہے۔ آپ والدین کی کمی کو چیزوں سے پورا نہیں کر سکتیں۔“

عمر نے غصیدگی سے کہا۔

”ٹھیک ہے کہ اس کے والدین اس کے پاس نہیں ہیں، مگر پھر بھی وہ دونوں جس طرح اس کا خیال رکھتے ہیں، بہت کم لوگ یہ دیکھتے ہوں گے۔ ہر سال ٹھینڈ میڈیون میں اسے اپنے پاس بلواتی ہے۔ باپ سے ہر سال نہ سکیا محروہ دو تین سال بعد ملتی ہی رہتی ہے۔ دونوں ہاتھ اسے سے اسے فون کوٹے رہتے ہیں۔ ہر آنے جانے والے کے ہاتھ اس کے لئے کچھ نہ کچھ بچھو جاتے رہتے ہیں۔ ہر ماں اس کے اخراجات کے لئے جو رقم بچھواتے ہیں وہ اگ ہے۔ پھر میں ہوں۔ اس کے نانا ہیں۔ جتنی دیکھ بھال ہم لوگ کرتے ہیں شاید ہی کوئی کرتا ہوگا، پھر بھی اسے ان سیکرٹری کا احساس ہے پھر بھی اسے پر دلکشی چاہئے اور کیا دیا جاسکتا ہے اسے؟ اس کے علاوہ بھی تو جیملی میں بہت سے بچوں کے ساتھ جیملی پرانہ ہے۔ مگر انہوں نے تو ایسی چیزیں اپنے اندر ڈھیلپ نہیں کیں۔ تم بھی تو ہو، جہاں پیرش میں بھی تو Divorce ہو گئی تھی۔ کتنے سالوں سے تم بھی تو بورڈنگ میں رہتے آ رہے ہو۔ تم نے بھی تو سب کچھ سنبھالا ہے نا!“

خانو نے اس کے سامنے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔

”یہ سب اتنا آسان نہیں ہے، مگر نی!“

عمر نے مدح آمیز انداز میں کہا۔

”یہ چیز ہمیشہ تکلیف دیتی ہے!“

خانو چہرے کے ایک طرف اشارہ کر رہی تھی۔

”میں جانتی ہوں، یہ تکلیف دہ ہے۔“

محرم نے تو اس چیز کو اپنے اعصاب پر سوار نہیں کیا۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ بھی اسے lightly لے۔ اسے اور دوسروں کے لئے مسئلے نہ کھڑے نہ کرے۔ میں نے اس کی پرورش بہت سخت سے کی ہے، اور اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میں نے اپنی کتنی ہی مصروفیات اس کی خاطر فرم کر دیں۔ اب اس قسم کا ہمیں مجھے کتنا نہیں لگتا ہے۔ اسے اعزاء وہ نہیں۔“ خانو بہت شام کی نظر آ رہی تھی۔

”مگر نی! وہ جان بوجھ کر یہ سب نہیں کرتی۔ یہ اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے۔“

”میں جانتی ہوں، وہ یہ سب جان بوجھ کر نہیں کرتی مگر وہ خوش رہنے کی کوشش نہیں کرتی۔ کیوں چیزوں کو اپنے اعصاب پر اتنا سوار کر لیتی ہے۔ تم نے غور کیا ہے جب سے وہ کراچی سے ہو کر آئی ہے اس وقت سے وہ بالکل ہی کم مہم ہو گئی ہے۔ کسی بھی کام میں وہ کبھی نہیں لگتی۔ ہر سال ایسا ہی ہوتا ہے۔ ٹھینڈ کے پاس رہ کر آئے تب بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔“

”تو پھر آپ اسے وہاں جانے سے روک دیا کریں۔“
 ”نہیں کیسے روکوں، وہ خود وہاں جانا چاہتی ہے اور ظاہر ہے ٹینڈ کے پاس جانے سے اسے نہیں روک سکتی۔“
 ”تو پھر اس کے باپ کے پاس جانے سے کیسے روکوں؟“
 ”مگر بیٹی! چلیں چھوڑیں کوئی اور بات کرتے ہیں۔“
 ”میرے انہیں زیادہ فکر مند دیکھتے ہوئے بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی تھی۔“
 ”بس علیزہ اسے لیوا کر لے تو میری بھی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔“
 ”میرا ان کی اس بات پر کچھ حیران ہوا تھا۔“
 ”آپ کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔“
 ”اس کا باپ اب اس کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس بار وہاں جانے سے پہلے اسے ۱۲ سالہ عجم سے بات کی تھی۔“

”علیزہ کی شادی!“

عجم جیسے چلا ہی اٹھا۔ نانو نے اسے حیرانی سے دیکھا۔



باب ۱۵

علیزہ اس کے ہاتھ سے ریو اور جیمین لیتا چاہتی تھی۔ مگر وہ کوشش کے باوجود بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں پائی۔ عمر سنبھلی کچھ بنا چکا تھا، اور ریو اور اپنی کنبلی کی طرف لے جا رہا تھا۔ جب انکل جہانگیر بنگلی کی سیڑھی سے اُلکے اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا ہاتھ چھڑاتا۔ انہوں نے اس کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ مارا۔ تھپڑ اتنا زبردست تھا کہ وہ نہ صرف چند قدم پیچھے چلا گیا، بلکہ ریو اور پر اس کے ہاتھ کی گرفت بھی کمزور پڑ گئی۔
 انکل جہانگیر نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریو اور اس سے جیمین لیا اور اس کے چہرے پر ایک اور تھپڑ مارا۔ علیزہ نے اس کی ناک میں سے خون بہتے دیکھا۔ انکل جہانگیر اب اسے گالیاں دے رہے تھے۔ نانو نے ایک دم آگے بڑھ کر انہیں پیچھے کھینچ لیا۔ عراب سامنے کھڑا ٹکلیں جھپکائے بغیر انہیں دیکھ رہا تھا۔ علیزہ نے بھی کسی کے لئے اس کی آنکھوں میں اتنی نفرت نہیں دیکھی تھی۔ جیسی وہ اس وقت عمر کی آنکھوں میں انکل جہانگیر کے لئے دیکھ رہی تھی۔ اس کی ناک سے پگھلا ہوا خون اس کی سفید شرٹ پر گر رہا تھا۔ مگر وہ جیسے اس سے بالکل بے خبر تھا۔
 ”مجھ پر چلا نہیں مٹ۔“ اس نے اب عمر کو انکل جہانگیر سے کہتے سنا۔

”مجھ پر اب ہاتھ اٹھا کر بہت بچھتا نہیں گے۔“

”کیا کرو گے تم؟ یہ ڈرامہ جو ابھی کیا ہے؟ خود کبھی کرتا چاہے ہو تو جاؤ باہر سڑک پر جا کر کرو۔ وہاں جا کر شرٹ کرو اپنے آپ کو لیکن میرے گھر میں نہیں۔“

”نہیں اویسے ہی مردوں کا جیسے مرنا چاہتا ہوں۔“

”اس سے کیا ہو گا۔ مجھے کوئی بھی فرق نہیں پڑے گا۔ تھپڑ چھ دن لوگ بات کریں گے پھر بھول جائیں گے۔ جہانگیر معاذ کو کچھ بھی نہیں ہو گا۔“

”چار، چھ دن ہی کسی گمراہ تو کریں گے آپ کے بارے میں۔“

اس سے پہلے کہ انکل جہانگیر اس کی بات کے جواب میں کچھ کہے نانو نے انہیں کہا تھا۔

”جہانگیر! بس کرو۔ اس بحث کو بند کرو۔ یہاں سے باہر نکلو۔“

انہوں نے اگل جہانگیر کا بازو سے پکڑ کر باہر لے جانے کی کوشش کی تھی۔

”نہیں، مجھے یہاں سے باہر نہیں جانا، کیا سمجھتا ہے؟ خود کو؟ میں اسکی بلیک میلنگ میں نہیں آؤں گا۔“

انہوں نے خود کو نانو سے چھڑا کر ہٹے ہوئے کہا تھا۔

”بلیئر جہانگیرانی الحال ہے سب ختم کر۔“ مجھے اسی طرح پریشان کر۔ ابھی اسے اکیلا چھوڑ دو۔“

نانو نے ایک بار پھر ان کا بازو پکڑ کر اسی انداز میں اعزاز میں اگل جہانگیر ہاتھوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھے۔

”آپ اس کو نہیں جانتی ہیں۔“ تھوڑا سا نئے بجلی ہاتھوں کیا ہے۔ اس سے پہلے بھی یہ دو بار اسی طرح

لڑنے کے بعد سلیپنگ مٹو کھا چکا ہے۔“

انہوں نے آشکاف کیا، عظیمہ نے شاک کے عالم میں عمر کو دیکھا وہ اب بھی اسی طرح باپ پر نظریں

بجائے ہوئے تھا۔

”مجھے شرم آتی ہے اسے اپنی اولاد کہتے ہوئے“

”آپ کو باپ کہتے ہوئے مجھے بھی اتنی ہی شرم آتی ہے۔“ اس نے اگل جہانگیر کو روک دیا۔

”جہانگیر افسانہ کے لئے دوبارہ جھگڑا شروع کر دیا۔ میرے ساتھ باہر آؤ؟“

نانو نے اگل جہانگیر کے کمرے سے پہلے ہی انہیں باہر شرم شروع کر دیا۔ اگل جہانگیر کہتا ہے مجھے عمر نانو

کسی نہ کسی طرح انہیں سمجھنے ہوئے کرے سے باہر لے گئیں۔ عمر اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا انہیں باہر جاتا

دیکھتا رہا۔ کمرے کا دروازہ بند ہوتے ہی اس کی نظریں عظیمہ پر جم گئیں۔

”تم ہی یہاں سے جاؤ؟“

اس نے دوش سے عظیمہ کو کہا تھا۔ وہ اب ہاتھ کی پشت سے ناک صاف کر رہا تھا، اور شاید تب ہی اسے

مٹلی بار اس حواس ہوا تھا کہ اس کی ناک سے خون بہہ رہا ہے۔ عظیمہ اس کے کہنے کے باوجود بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹی۔

عمر نے ایک بار پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا اور اسے وہیں کھڑے دیکھ کر اس کے چہرے کی نگاہیں بڑھ گئی۔

”جسٹیں کہا ہے نا۔ جاؤ یہاں سے؟“

اس بار اس نے بھرائی ہوئی آواز میں عظیمہ کو کہا۔

”بلیئر، میں آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”مگر مجھے کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔“

”مجھ پر..... مجھ پر نہیں رہنا چاہتی ہوں۔“

وہ اس وقت کسی بھی قیمت پر عمر کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

”عظیمہ! مجھے اس وقت یہ بکراہٹ خالی چاہیے۔“ میں تمہاری موجودگی پر راحت نہیں کر سکتا۔ اس لئے

یہاں سے چلی جاؤ۔“

اس نے تیز آواز میں بولے میں اس سے کہا اور وہ بے اختیار رو رہی تھی۔ عمر اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ

کر بیٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ اب اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن اس کی ناک سے چلتے ہوئے خون کے قطرے اب بھی اس کی قمیض پر گر رہے تھے۔ عمر دونوں ہاتھوں سے سر کو پکڑے بہت گہرے سانس لے رہا تھا۔ عظیمہ کی ہچکچاہٹ نے اس کا سر وہ کیا کرے۔ چند لمحوں کے بعد اس نے آؤں کو پونچھتے ہوئے وہ اسی طرح کمرے کے وسط میں کھڑی رہی۔ پھر ایک خیال آنے پر وہ درینک نکل پر پڑے ہوئے کچھ ٹیبلٹ لے لی۔

عمر کے ہاتھوں کا مقابلہ کھنکھوں کے مل کا لین پر بیٹھے ہوئے اس نے ایک ٹیبلٹ لے لی اس کی ناک سے بہتا ہوا خون صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ کھنکھ کا کچھ پانی پیا تھا۔ عظیمہ کو اس کے چہرے پر پہلے والی دھشت نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اب تھا کہ ہوا لگ رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد عظیمہ کو دیکھتا رہا پھر اس نے اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ٹیبلٹ لئے اور خود اپنا چہرہ صاف کرنے لگا۔ عظیمہ کیسے کھنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اس کی نظریں عمر کو مضرب کر رہی تھیں۔

”میں آپ کے لئے کچھ لے کر آؤں؟“

عظیمہ نے اچانک ہی اس سے پوچھا۔ وہ چہرہ صاف کرتے کرتے رک گیا۔

”نہیں میری بڑا ہے؟“

اس نے عجیب سے لہجے میں عظیمہ سے پوچھا۔ وہ ایسے کسی سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ چند لمحوں کے بعد اس کا سر دھتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔

”ہاں! سب سے زیادہ۔“

”ٹھیک ہے پھر مجھ پر جی بات ناؤ اور یہاں سے چلی جاؤ۔“

عظیمہ کو اس کے سطلے پر شاک لگا۔

”اس وقت مجھے صرف تمہاری درکار ہے۔“

اس نے ایک بار پھر کہا کہ وہ چند لمحوں کے بعد اس کا چہرہ دیکھتی رہی، جو اس کے جواب کا مختصر تھا۔

پھر اس نے کہا۔

”اگر آپ وعدہ کریں کہ آپ..... آپ نہیں کریں گے تو میں چلی جاتی ہوں۔“

”کیا نہیں کروں گا؟“

اس نے عظیمہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”جو کچھ وہ پہلے آپ.....!“

عظیمہ نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ خاموشی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا۔

”آپ نہیں کریں گے؟“

اس بار عظیمہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر یقین دہانی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ”نہیں کروں گا۔“ بہت دھچکے

لہجے میں کہتے ہوئے اس نے عظیمہ سے آنکھیں چرائی تھیں۔ اسے عمر کی آنکھوں میں کی کی ہلکی سی چمک نظر آئی۔ اس کے

لہجے میں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے بنا کر چہرہ جھکا چکا تھا۔

معاذ حیدر نے ملازمت صاف ہاتھوں سے چھوڑی تھی۔ چھوٹی موٹی چیزوں کو اگر ایک طرف رکھ دیں تو انہیں اپنی ملازمت کے دوران کسی ایکٹیوٹل کا سامنا کرنا پڑا تھا، نہ ہی انہیں کوئی ایسا کام کرنا پڑا تھا کہ جس پر انہیں شرمندگی ہو یا ان کا خمیر خود کو مجرم تصور کرنا ہو۔ روٹے میں پاپ سے لپی چوڑی جاکیر کی تھی، اور انہوں نے اسی روپے سے اولاد کو بیرون ملک تعلیم کے لئے بھیجا دیا تھا۔ لیکن بیرون ملک قیام کے دوران ان کے بیٹوں کی مکمل برین واشنگ ہو گئی تھی۔ وہ چاروں زندگی کو ایک ہی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے باپ نے اپنی سروس میں صرف اچھی ریویوشن کمانی ہے اور یہ کمائی ان کی محنت کے مقابلے میں کچھ نہیں تھی۔ ان چاروں نے سول سروس جوائن کرتے ہوئے اپنے ذہن میں کچھ اور معاہدہ رکھے تھے اور پھر انہوں نے ہمیشہ ان ہی معاہدے حصول کے لئے کام کیا تھا۔ چاروں نے اپنی سروس کے دوران ہر طرح کی کرپشن کی۔ مگر اس کے باوجود وہ فیملی بنک گراؤ ڈالر اور تعلقات کی وجہ سے ایسے اہم عہدوں تک پہنچ گئے تھے جس کی مثال صرف پاکستان میں ہی ملتی تھی۔

معاذ حیدر سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے کسی اپنی اولاد کے ذہن کو پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے خود کو ضرورت سے زیادہ برلن ٹھاکر کیا تھا۔ ان کی ضروریات ہمیشہ ان کے اپنے بچوں کے ساتھ رابطوں میں آڑے آتی رہیں۔ مگر انہوں نے اس کی خاص پروا نہیں کی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ بچوں کی ایکٹیوٹل تربیت کر رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں دنیا کی ہر نعمت دے رکھی تھی۔ اس لئے وہ ہر لحاظ سے ایک مثالی باپ ہیں۔ بعد میں بھی بیٹوں کو کسی چیز سے منع کرنے کے بجائے انہوں نے اس چیز کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے انہیں ہر کام کی اجازت دے دی تھی۔

جب ان کے بیٹوں کی کرپشن کا ذکر ہوئے گا تب بھی انہوں نے انہیں دور رکھنے کے بجائے انہیں بھانے کے لئے اپنے تعلقات کو بخوبی استعمال کیا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے بیٹے جو کچھ کر رہے ہیں وہ ساری بیوروکریسی کرتی ہے اور ان چیزوں کے خمیر ان کے بیٹے اپنا کیریئر نہیں بگاڑتے۔ کبھی اگر انہیں پچھتاوا ہو گیا تو وہ خود کو سوا دہائیوں سے بچھا لیتے۔

ان کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کو انہوں نے اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی، لیکن بیٹیوں کو فائنت میں پڑھانے کے بعد بہت ہی کم عمری میں ہی ان کی شادیاں کر دی تھیں۔ ان کے بیٹے اور بیٹیاں مالی لحاظ سے جتنے آسودہ تھے، انہی زندگی میں اتنے ہی زیادہ مسائل کا شکار تھے۔

ان کے سب سے بڑے بیٹے یازن نے بیرون ملک تعلیم کے دوران ہی ان کی مرضی کے خلاف اپنی مرضی سے ایک برٹان لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ ایک ڈیڑھ سال یہ شادی کسی نہ کسی طرح چلتی رہی پھر دونوں میں طلاق ہو گئی تھی۔ پاکستان آنے کے بعد انہوں نے سول سروس جوائن کرنے کے بعد ماں باپ کی مرضی سے دوسری شادی کی۔ یہ شادی کچھ عرصہ تو اچھی طرح چلتی رہی۔ ان کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہوئے پھر کچھ عرصہ بعد انہوں نے چھپ کر ایک شادی کر لی۔

اس بار ان کی بیوی ایک ایرانی عورت تھی۔ اس شادی کا علم ہونے پر خاندان میں بہت ہنگامہ ہوا۔ کیونکہ ان کی دوسری بیوی کا تعلق معاذ حیدر کے اپنے ہی خاندان سے تھا۔ خاندان کے بہت زیادہ دباؤ پر انہوں نے اسے

وہ جو میل دل سے اس کے قریب سے اٹھ گئی۔ مگر ایک بار پھر اپنا غون بند کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ ہماری قدموں سے چلے ہوئے وہ باہر نکل آئی، اور پھر چند لمحوں کے بعد اس نے دروازہ لاک ہوئے کی آواز سن لی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اب وہ اندر کیا کر رہا تھا یا کیا کرنے والا تھا وہ وہاں سے نہیں جانا چاہتی تھی۔ علیحدہ وہیں دباؤ سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی چند منٹ پہلے جو کچھ بھی ہوا تھا وہ اس کے لئے قطعی غیر متوقع تھا، لیکن غیر متوقع ہونے سے زیادہ ناقابل یقین تھا۔

انکل جہانگیر اور عمر کے درمیان ہمیشہ ہی اختلافات رہے تھے، اور ان سے کوئی بھی بے خبر نہیں تھا، لیکن یہ کسی کے لئے شوقین کا باعث بھی نہیں تھے۔ ایسے اختلافات صرف عمر اور جہانگیر کے درمیان ہی نہیں تھے، بلکہ خاندان کے تمام لوگوں کے درمیان تھے۔

☆☆☆

معاذ حیدر انگریزوں کے زمانے میں انگریز سول سروس میں شامل ہوئے تھے۔ اپنی زمانے میں انگریز سول سروس میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی، اور جو تھے، وہ سول سروس میں رہنے کے لئے بڑی باضابطگی سے کام کرتے تھے۔ اپنے انگریز افسروں کے سامنے برٹش گورنمنٹ سے اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لئے بعض اوقات انہیں آؤٹ آف راؤے جا کر کام کرنا پڑتا، مگر ان کے خمیر کے لئے یہ بات بہت کافی تھی کہ ان کے آفسیروں سے خوش تھے۔ سول سروس ان زمانے میں بھی ان کی ضرورت نہیں، شوق تھا۔ ان کا خاندان مالی طور پر اتنا مستحکم تھا کہ نوکری کی ضرورت نہ تو کسی کو پیش آتی تھی اور نہ ہی اسے پسند کیا جاتا تھا۔ مگر معاذ حیدر کے باپ نے اس فریڈ کو کوڑا اور اپنے بچے کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کے بعد سول سروس میں لے آئے۔ بنیادی طور سے وہ ایک جاگیردار خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور ان کے مزاج میں جاگیرداروں والی تمام چیزیں کو کوشش کے باوجود ختم نہیں ہو سکی تھیں۔ سول سروس جوائن کرنے کے کچھ سالوں بعد ہندوستان تقسیم ہو گیا تھا معاذ حیدر مشرقی پنجاب سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان ہجرت کی۔ جتنا عرصہ وہ سول سروس میں رہے، انہوں نے بہت محنت سے کام کیا۔ جب انہوں نے ملازمت سے ریٹائرمنٹ لی۔ تب تک ان کے چاروں بیٹے تھوڑے تھوڑے عرصہ کے وقفے سے سول سروس سے منسلک ہو چکے تھے۔

ان کا سب سے بڑا بیٹا یازن حیدر بیرون ملک لاء کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد باپ وطن واپس آ کر فاران سروس جوائن کر چکا تھا۔ دوسرے بیٹے سعد حیدر نے بھی بوئے بھائی کی جیرو کی کرتے ہوئے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سول سروس جوائن کر لی، لیکن بوئے بھائی کے برعکس انہوں نے ڈسٹرکٹ جینٹل گروپ کا انتخاب کیا تھا۔ جہانگیر اور جہانگیر نے بھی بوئے بھائی کی طرح بیرون ملک تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد فاران سروس جوائن کر لی۔ سول سروس میں اپنی ساری اولاد بھیجے والے معاذ حیدر واقعہً تھے، ان کے بھائیوں نے بھی قیام پاکستان کے بعد اپنی اولادوں کے لئے اسی شیعہ کا انتخاب کیا تھا، اور اس وقت ان کا تقریباً سارا خاندان سول سروس کے مختلف شعبوں سے منسلک تھا۔

طلاق دے دی، اور اس کے بعد انہوں نے کوئی اور شادی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ کسی نہ کسی طرح اپنی دوسری شادی کو بھی بھانے آ رہے تھے۔ ان کے تینوں بیٹے بھی اب سول سروس میں آ چکے تھے۔

دوسرے بیٹے سعد نے بھائی کے نقش قدم پر چلنے کی بجائے ماں باپ کی مرضی کے مطابق خاندان میں ہی شادی کی۔ آٹھ سال تک یہ شادی چلی پھر دونوں کے درمیان اختلافات طلاق تک جا پہنچے۔ سعد حیدر نے دوبارہ ماں باپ کے اصرار کے باوجود بھی دوسری شادی نہیں کی۔ ان کے دو بیٹے تھے اور دو دلوں نے اپنی ماں کے پاس تھے۔ تیسرے بیٹے عاصم پر اپنی مرضی سے شادی کی تھی، اور ان کی شادی تمام تر اختلافات کے باوجود ابھی تک قائم تھی۔ ان کی دو بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔

چوتھے بیٹے جاگیر نے پہلی شادی اپنی پسند سے کی تھی۔ گیارہ سال شادی قائم رہی پھر دونوں کے درمیان طلاق ہو گئی۔ جاگیر نے اپنی بیوی کے اصرار کے باوجود عمر کو اپنی بیوی کے حوالے نہیں کیا۔ بلکہ بڑے پاس ہی رکھا۔ طلاق کے دو ہی ماہ کے اندر انہوں نے دوسری شادی کر لی۔ اس بیوی سے ان کی دو بیٹیاں تھیں۔ کراچی کی ایک اڈال سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے تیسری شادی کر لی تھی۔

ان کی بیوی جی حیدر اپنی بائیں بھائیوں کے مقابلے قدرے پر سکون زندگی گزار رہی تھی، اس کے دو بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ جبکہ سب سے چھوٹی بیٹی شہزادہ کو شادی کے کچھ عرصہ کے بعد طلاق ہو گئی تھی۔ علیحدہ کو اس کی ماں نے اپنی جوہل میں لے لیا تھا مگر دوبارہ شادی کرنے کے بعد اسے اپنے ماں باپ کے پاس ہی چھوڑ دی تھی۔

مذاذ حیدر اور ان کی بیوی نے اپنے بچوں کی نجی زندگی کو خاص طور سے تھاکام ہوتے دیکھا تھا، اور انہیں ہمیشہ یہ حیرت ہوتی تھی کہ ان کی تربیت میں ایسی کوئی کمی نہ رہی تھی کہ جس سے ان کی اولاد کو زندگی کے اہم فیصلے کرتے ہوئے بہت سے مسائل سے دوچار رکھا۔

عمر جاگیر اور اس کے باپ کی طرح مذاذ حیدر کے سارے بیٹے ہی اپنی اولادوں کے ساتھ اچھے تعلقات نہیں رکھ پاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ علیحدہ وقتاً فوقتاً عمر اور جاگیر اکل کے درمیان ہونے والے جھگڑوں کے ساتھ اپنے دوسرے اکل اور ان کی اولادوں کے درمیان ہونے والے جھگڑوں سے بھی آگاہ ہو رہی تھی۔ عمر اس نے کبھی کسی جھگڑے کو اتنا شدید ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

”اور پھر عمر..... کیا عمر یہ سب کر سکتا ہے؟“

اسے کمرے سے باہر آ کر بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ عمر نے خود کسی کی کوشش کی تھی۔

”کیا اتنی معمولی سی بات پر عمر خود کسی کر سکتا ہے۔“

”اور اکل جاگیر کب کب سے مجھے کس نے پہلے بھی وہ بارسلونک بناؤ.....؟“

علیحدہ نے کچھ بے چینی سے کمرے کے دروازہ کو دیکھا تھا۔

”عمر! ایسا نہیں تھا..... عمر کبھی بھی ایسا نہیں تھا مگر اب..... اب اسے کیا ہو گیا ہے۔“

اس نے دروازے اور فرش کے درمیان والی درز سے کمرے کی روشنی کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

”یہ چار سال پہلے والا عرصہ نہیں ہے۔ یہ تو.....“
وہ آگے کچھ سوچ نہیں کی تھی۔

نانو کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ہاں سے بلند آواز میں اکل جاگیر کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔
”میں کوئی اکلہکا کام تو کرنا نہیں چاہتا۔ ہمارے خاندان میں وہ کوئی پہلا تو نہیں ہے جس کے لئے ایسا سوچا جا رہا ہے۔ کیا ایاز نے اپنے بیٹے کی شادی خود کچھانے کے لئے نہیں کی تھی اور اس کے بیٹے تو کوئی اعتراض نہیں کیا۔ آپ بتائیں کیا وہ خوش نہیں ہے۔ اس کی بیوی اسے کہاں سے کہاں لے گئی، اور اس وقت وہ پرائم شفر نیکروٹ میں بیٹھا ہے۔ میں کر رہا ہے۔ کیا سعد اور عاصم نے اپنے بیٹوں کی شادی اپنی مرضی سے کر کے کوئی فائدہ حاصل نہیں کئے، اور اگر میں بھی ایسا کرنا چاہتا ہوں تو کیا غلط ہے۔ خال خالی افسری حاصل کرنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جب تک اوپر ہاتھ پکڑ کر کھینچنے والا نہ ہو، آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اس کا خیال ہے کہ اسے ابھی تک جو کچھ ملتا رہا ہے۔ اس کی اپنی قابلیت کی بنیاد پر ملتا رہا ہے۔ میں اگر اس کے پیچھے نہ ہوتا تو اسے پتا چلتا کہ یہ کتنے پانی میں ہے۔“

اکل جاگیر کی آواز سے ان کے فہم کا بخوبی اعزاز ہوا تھا۔ وہ نہ چاہے ہوئے بھی ان کی باتیں سننے لگی تھی۔
”مگر جاگیر! اگر وہ یہ شادی کرنا نہیں چاہتا تو اسے مجبوزت کر دو۔ میں بہت ڈر گئی ہوں۔ اگر اسی طرح وہ کچھ کر بیٹھا تو.....“

نانو نے اپنا خوف ظاہر کرتے ہوئے کہا مگر اکل جاگیر نے ان کی بات کاٹ دی۔

”تو..... تو کیا ہو گا۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں اس کی بیک میلنگ کے سامنے جھک جاؤں۔ نہیں، ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔“

”جاگیر وہ تمہارا اکلوتا بیٹا ہے۔ تم.....؟“

اکل جاگیر نے ایک بار پھر نانو کی بات کاٹ دی تھی۔

”اگر اکلہکا بیٹا میرے کام نہیں آ سکتا تو مجھے ضرورت نہیں ہے ایسے اکلہکے بیٹے کی۔ میری طرف سے وہ بھڑا میں جائے۔“

”جاگیر! ایسے موت کھو!“

”کیوں نہ کہوں۔ میں نے تو اسے دنیا کی ہر گز مر دے رکھی ہے، اور آج سے نہیں بچیں گے اور.....“
یہ میری ایک بھی بات پر تیار نہیں ہے۔ وہاں شادی نہیں کرنا چاہتا تو پھر کہاں کرنا چاہتا ہے۔ وہ ڈکی اچھے کردار کی نہیں تو پھر میں اسے ایک اور لڑکی دکھا دیتا ہوں۔ یہ وہاں شادی کر لے کر نہیں، یہ وہاں بھی شادی نہیں کرے گا۔ یہ ایسی کسی جگہ شادی نہیں کرے گا جہاں میں اس کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اسے لگتا ہے اب اس کا حودا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے یہ باپ کو کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ ہاں باپ اس کا ملازم ہے، وہ اسے ساری عمر اٹکے بچکا رہا ہے اور بچکا رہا ہے۔“

”جہانگیر! تم اس معاملہ میں خند نہ کرو۔ جوان اولاد سے خند کرنا فحش نہیں ہے اور پھر جوان بیٹے سے۔۔۔ تم سمجھتے کیوں نہیں۔ وہ تمہاری بات نہیں مانتا تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اس طرح اس کے پیچھے مت پڑو۔ آج اس نے جو کچھ کرنے کی کوشش کی ہے اس نے مجھے دہلا دیا ہے۔“

”آپ خوفزدہ مت ہوں۔۔۔ پہلے ہی دو بار دہرا کر کے کی کوشش کر چکا ہے۔“

انگل جہانگیر اب بھی تنگ تھے۔

”اگر وہ پہلے ہی دو بار یہی کوشش کر چکا ہے تو جہیں زیادہ خطر مند ہونا چاہئے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ واقعی اس حد تک زچ ہو چکا ہے کہ اس آخری قدم کو اٹھانے سے بھی گریز نہیں کر رہا۔“

نانو نے انگل جہانگیر کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، مگر وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھے۔

”آپ اسے مجھ سے بہتر نہیں سمجھتے، میں جانتا ہوں، مجھے اسے کس طرح سے پیشکش کرتا ہے اور میں کروں گا۔ آپ اس معاملے میں اس کی سائیڈ مت لیں۔“

”میں اس کی سائیڈ نہیں لے رہی۔ میں صرف جہیں سمجھا رہی ہوں۔ کہ یہ سب فحش نہیں ہے۔ تم کسی تیرہ سالہ لڑکے کو پھنڈل نہیں کر رہے۔ تیس سالہ مرد کا سامنا ہے جہیں۔ اسے پچھ کچھ کر کسی چیز کو اس پر ٹھونسنے کی کوشش مت کرو۔“

”اس پر کسی بھی چیز کو ٹھونسنے کی کوشش نہ کرو اور اپنا کیرئیر بچا کر لو۔“

”اگر وہ نہ ہوتا تو پھر تم کیا کرتے، پھر مجھ کو کسی نہ کسی طرح خود کو مصیبت میں سے نکالنے ہی نا پھر اب بھی کچھ نہ کچھ کرو۔“

”حب کی بات اور ہوتی مگر اب میں یہ سوچ کر نہیں چل رہا ہوں کہ وہ نہیں ہے۔ اب اگر وہ ہے تو پھر اسے میرے کام آنا ہوگا۔ جیسے میں ہمیشہ اس کے کام آتا رہا ہوں۔“

”جہانگیر! تم اتنی خند کیوں کر رہے ہو؟ جہیں یادیں ہے تمہارے باپ نے کبھی تم چاروں کے ساتھ اس طرح خند نہیں کی تھی۔ تم لوگوں نے جو کرتا چاہا، انہوں نے تمہیں کرنے دیا۔ چاہے وہ اپنی مرضی سے شادی یا طلاق جیسا اتفاق نہ فیصلہ ہی کیوں نہ ہوں۔“

”مجھے ڈیڈی کی مثال مت دیں۔ حب حالات اور تھے لیکن اب صورت حال کچھ اور ہے۔“

انگل جہانگیر نے تیزی سے کہا تھا۔

”اس لئے صورت حال اور ہے کیونکہ تم اب کسی اور کے ہاں ہو، جیسے نہیں۔ اب تمہاری ڈیڈا غریبی بدل گئی ہیں۔“

”پہلے آپ ایسا ہی سمجھ لیں ڈیڈی اور طرح سے تھے، میں اور طرح کا ہوں۔“

”جہانگیر! ابھی اس چھوڑ دو، تم اس کے پیچھے کس حد تک بھاگ سکتے ہو۔ اسے مجبور کر دو کہ وہ یہاں سے چلا جائے گا پھر کیا کرے گا۔ کہاں کہاں اس کے پیچھے جاؤ گے؟“

”آپ اسے سمجھانے کی بجائے مجھے سمجھا رہی ہیں؟“

”میں اسے کبھی سمجھاؤں گی مگر تم خود کو ٹھونڈا غصا تو کرو۔ میں تمہاری طرح اس کے پیچھے بچے بچاؤ کر نہیں پڑ سکتی۔ ابھی اسے کچھ بھی مت کہو۔ ابھی اسے اس کی مرضی کے مطابق جو وہ چاہے وہ کرنے دو۔ کچھ عرصہ گزار جائے گا تو اس کا غصہ بھی غصا ہو جائے گا، پھر میں اس سے بات کروں گی۔“

نانو انگل جہانگیر کو سمجھا رہی تھیں مگر وہ کچھ سمجھنے پر تیار نہیں تھے۔ وہ اپنی خند پڑا رہے تھے۔ علیحدہ نے ایک بار پھر دروازے کو دیکھا۔ کمرے میں بالکل خاموشی تھی پتا نہیں وہ اندر کیا کر رہا تھا۔ پھر اسے پتا نہیں کیا خیال آیا اور وہ لان میں چلی گئی۔ عمر کے کمرے کی کونزیاں باہر لان میں کھینچی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کونزیاں میں سے اندر کچھ سنے گی، لیکن اسے مایوسی ہوئی۔ کونزیاں بند تھیں اور ان کے آگے سے ہوتے تھے۔ وہ کبھی بھی طرح اندر نہ دیکھ سکتی۔

کچھ دیر وہ بانسی آہٹ کے کونزیاں کے سامنے کھڑی رہی اور ایک بار پھر اندر داخل آ گئی۔ نانو اور انگل جہانگیر کی بحث اب بھی جاری تھی۔ وہ عمر کے کمرے کی طرف جانے کے بجائے اپنے کمرے میں آ گئی۔ کپڑے بدل کے وہ بستر پر لیٹنے کے باوجود اس کی آنکھوں میں خند کے کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ عمر کے دعوہ کے باوجود اس کے بارے میں پریشان تھی اور اسے جراتی تھی کہ انگل جہانگیر عمر کے بارے میں فکر مند کیوں نہیں ہیں۔ انہیں اس کی زندگی کی پرواہ کیوں نہیں ہے۔ کچھ بے چین ہو کر وہ ایک بار پھر اندر گئی اور کمرے کے پتھر لگانے لگی۔ پھر تھک کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

سو نے سے پہلے ایک خیال آئے پر وہ دوبارہ اپنے کمرے سے نکل کر عمر کے کمرے کی طرف گئی تھی۔ نانو کے کمرے کے دروازہ اب بند تھا وہاں اب خاموشی تھی۔ عمر کے کمرے کی لائٹ اب بھی آن تھی لیکن کمرے میں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ عمر کبھی بھی لائٹ آن کر کے نہیں سوتا تھا۔ یہ بات وہ ابھی طرح جانتی تھی، اور اگر اس وقت وہ نہیں رہا تو پھر کیا کر رہا تھا۔ اس نے بے فکرانی سے سوچا۔

کچھ دیر کمرے کے سامنے کھڑے رہنے کے بعد وہ واپس کمرے میں آ گئی۔ اپنے کمرے میں آنے کے بعد وہ بہت دیر تک عمر کے بارے میں سوچتی رہی۔

انگل جہانگیر اس کی آنکھ پر سے کھلی گھڑی ساڑھے نو بج رہی تھی۔ انہیں کھولنے ہی جو پہلا خیال اس کے ذہن میں آیا وہ عمر کا تھا۔

کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکلی، مگر میں بالکل ہی خاموش تھی۔ عمر کے کمرے کا دروازہ اب بھی بند تھا۔ وہ دروازہ پر دستک دینا چاہ رہی تھی لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گئی۔

نانو کو ڈھونڈتے ہوئے وہ کچھ میں آ گئی۔ اسے نانو تو درے پریشان لگ گئیں۔ لیکن میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اسے دیکھنے ہی انہوں نے کہا۔

”میں جہیں جگہ ہی والی تھی۔ اچھا ہوا کرتم خود گھٹیں۔ آج جو نیورٹی جانے کا ارادہ نہیں ہے؟“

”نہیں نانو! میں آج نیورٹی نہیں جاؤں گی!“

اس نے ڈانٹنگ ٹنل کی کرسی سمجھنے ہوئے کہا تھا۔

”کیوں؟“

”بس میرا دل نہیں چاہ رہا۔“ نانو اودن میں کوئی چیز رکھ رہی تھیں۔

”بھرنا بند کر لو۔“

”نہیں میرا دل نہیں چاہ رہا۔“

”اس نے انکار کر دیا تھا۔“

”نانو اکل جہاگیر کیا ہیں؟“

”اچانک اس نے پوچھا۔“

”دو بیج چاہا ہے!“

”علیہ کہو اچانک ہی بے حد اطمینان کا احساس ہوا تھا۔“

”عمر سے دو بارہ ان کی کوئی بات ہوئی۔“

”نہیں، عمر سو یا ہوا تھا میں نے اسے نہیں چنگایا۔“

”نانو نے کام کرتے ہوئے کہا۔“

”اب چگا دوں اسے؟“

”علیہ نے چند لمبے خاموش رہنے کے بعد پوچھا تھا۔“

”نہیں، ابھی اس سے دو۔“

”نانو نے اس سے کہا تھا جگن میں ایک بار پھر خاموشی چھا چکی تھی۔“

”نانو! عمر نے یہ سب کیوں کیا؟“

”اس نے کچھ دیر بعد پوچھا تھا۔“

”نانو چند لمبے اس کا چہرہ دیکھتی ہیں۔“ پتا نہیں۔“

”انہوں نے اپنی سے سر ہلایا تھا۔“

”نانو! وہ بالکل بدل گیا ہے نا۔“

”ہاں! ایسا تو ہوا ہی تھا۔“

”مگر کیوں نانو! عمر تو..... وہ تو..... مجھے یقین نہیں آتا نانو! عمر ایسا ہو جائے گا۔ ابھی کل تک تو وہ

”بالکل ٹھیک تھا، ایک دن میں ہی کیا ہو گیا؟“

”میرے پاس تہا رہے کسی سوال کا جواب نہیں ہے علیہ۔“

”نانو نے بے بسی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔“

”جہاگیر رانگل اسے کیوں پریشان کر رہے ہیں، کیوں اس طرح پریشان کر رہے ہیں۔ اس کی مرضی کے

”خلاف اس سے ایک کام کیوں کر دنا چاہتے ہیں۔“

”وہ بھی مجبور ہے!“

”انہوں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔“

”نہیں! نانو! وہ مجبور نہیں خود غرض ہیں۔“

”نانو نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔“

”وہ کچھ دیر وہ بیٹھی رہی پھر اٹھ کر واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔“

”دو پہر کے دو بجے وہ ایک بار پھر پریشان ہو کر اپنے کمرے سے نکلی۔ عمر کا دروازہ اب بھی بند تھا۔ اس نے

”بنا سوچے سمجھے دروازہ پر دستک دی۔ اندر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔۔۔ علیہ نے ایک بار پھر دستک دی۔ اس بار دستک کی

”آواز زوردار تھی۔ مگر اندر خاموشی نہیں ٹوٹی۔ اس نے کیے بعد دگرے کئی بار دروازہ بجایا۔ مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ علیہ

”خوفزدہ ہو گئی۔“

””عمر دروازہ کیوں نہیں کھول رہا۔ وہ اتنی گہری نیند تو نہیں سوتا۔“

”اس نے دم سادھے سوچا۔“

”بکلی کے ایک جھماکے سے اسے یاد آیا کہ کمرے کی ایک اور چابی نانو کی دراز میں پڑی ہوئی ہے اور وہ اس

”چابی کو لا کر دروازہ کھول سکتی ہے۔ تقریباً بھاگتے ہوئے وہ نانو کے کمرے میں آئی تھی۔ اس نے ان کی دراز سے

”چابیوں کا گچھا نکالا اور تیز رفتاری سے واپس عمر کے کمرے کے دروازے کے پاس آ گئی۔ کاپٹے ہاتھوں کے ساتھ اس

”نے دروازے میں چابی کھائی۔ دروازہ کا لاکل کل گیا۔ اس نے ناب گھماتے ہوئے آہستہ آہستہ دروازہ کھولنا شروع

”کر دیا۔ کمرے میں لائٹ اب بھی آئی تھی، اور دروازہ کھلنے کی آواز نے بھی عمر کو متوجہ نہیں کیا تھا۔ علیہ نے دروازہ

”کھولتے ہوئے اپنا قدم اندر بڑھا دیا اور پھر جیسے اسے شاک لگا تھا۔“

”عمر بیڈ پر کھل پڑے اندر سے دھسوا ہوا تھا۔ اس کا سر تکیے پر تھا، اور دایاں ہاتھ کبھی تک بکے کے نیچے تھا۔ جس

”کی وجہ سے تکیے والی طرف سے کچھ اٹھ گیا تھا اور اس اٹھے ہوئے حصہ نے اس کے چہرہ کو مکمل طور پر گھور لیا تھا۔“

”اس کے لئے حیران کن بات تھی کہ عمر لائٹ جلتی چھوڑ کر سو گیا تھا۔ مگر اس وقت جس چیز سے اسے شاک

”لگا تھا وہ بیڈ کے کچھ فاصلے پر تپائی پر موجود دو تین بوتلیں اور ایک گلاس تھا وہ بوتلیں اس کے لئے تھی نہیں تھیں۔ وہ

”بہت دفعہ وہی بوتلیں بازار سے خرید کر انہیں نہیں گنے کے لئے استعمال کرتی رہی تھی مگر وہ بوتلیں ہمیشہ خالی ہوتی

”تھیں۔ آج پہلی بار وہ ان بوتلوں کا اصلی مصرف دیکھ رہی تھی اور وہی عمر کے کمرے میں.....

”وہ کچھ دیر تک مساکت کھڑی ان بوتلوں کو دیکھتی رہی تھی۔ پھر دھیمے دھیموں سے تپائی کی جانب جانے لگی۔“

”تپائی کے قریب پہنچ کر اس نے جھک کر ان بوتلوں کو دیکھا تھا۔ ایک بوتل خالی تھی جبکہ دوسری بوتل آدھی خالی تھی۔ عمر

”کے بیڈ سائڈ ٹیبل پر پڑی ہوئی انش ٹرائے سگریٹ کے بچے ہوئے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھی۔“

”وہ اب جان بچی تھی کہ رات کو کمرہ لاگ کرنے کے بعد وہ کیا کرتا رہا ہو گا اور شاید نشہ ہی اس حالت میں وہ

”لائٹ بند کیے بغیر سو گیا تھا۔ علیہ ابھی بھی کچھ بے یقینی سے اس چیزوں کو اور بیڈ پر پڑے ہوئے عمر کو دیکھتی رہی۔“

”معمو یہ دونوں چیزیں استعمال نہیں کرتا تھا۔ بھراب کیوں؟“ اس نے ہائی سے سوچا، چند لمحے وہیں کھڑی وہ بے مقصد عمر کو دیکھتی رہی۔ پھر کچھ ہائی سے اسی طرح دیکھتے تھوڑے سے کمرے سے باہر نکلی گئی تھی۔ ناؤ کے کمرے میں چابی رکھنے کے بعد وہ ایک بار پھر لاؤنچ میں آ گئی تھی۔

لاؤنچ کے صوفہ پر بیٹھ کر وہ ایک بار پھر رات کے واقعات کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

”کیا عمر لکھا گیا ہے؟“

وہ اچانک ناؤ کی آواز پر چڑھی تھی۔ وہ چائیں کس وقت پکے تھیں۔ لکل کر لاؤنچ میں آ گئی تھیں۔ علیزہ نے انہیں دیکھتے ہوئے نئی سر بلا دیا۔ ناؤ کچھ گھنٹہ کھڑی تھیں۔

”بہن! کب نہیں جاگا؟ تم نے اسے جگانے کی کوشش کی؟“ انہوں نے علیزہ سے پوچھا تھا۔

”نہیں۔“ اس نے ایک بار پھر نئی سر بلا دیتے ہوئے کہا۔

”کیوں نہیں جگا گیا؟ تمہیں جگانے کی کوشش کرنی چاہئے تھی۔“

وہ کچھ خفا ہو کر بولی تھیں۔

”آپ نے کہا تھا کہ اسے سو نہ دو۔“

اس نے انہیں یاد دلایا تھا۔

”ہاں، میں نے کہا تھا لیکن اب تو بہت دیر ہو گئی ہے۔ مجھے خود ہی جا کر دیکھنا چاہئے۔“

ناؤ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ علیزہ خاموشی سے انہیں لاؤنچ سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

ناؤ کی داہنی بہت جلدی نہیں ہوئی تھی۔ وہ تقریباً دس منٹ کے بعد واپس آئی تھیں۔

”آپ نے اسے اٹھا دیا۔“

علیزہ نے ان کے پیچھے سے موجود طریقان دیکھ کر کہا تھا۔

”ہاں بہت دیر دروازہ بجا بنا پڑا لیکن وہ اٹھ گیا۔ کہہ رہا ہے ابھی آتا ہوں۔“

انہوں نے ایک بار پھر کچن میں جاتے ہوئے کہا تھا۔

علیزہ نے اندازہ لگائے کی کوشش کی تھی کہ کیا ناؤ عمر کے کمرے کے اندر گئی تھیں یا عمر نے دروازہ کھولے

غیر انہیں اندر سے ہی جواب دے دیا تھا۔

”ناؤ! آپ عمر کے کمرے میں گئی تھیں۔“

علیزہ نے وہیں بیٹھے بیٹھے بلند آواز میں پوچھا تھا۔

”نہیں! اندر نہیں گئی، کیوں پوچھ رہی ہو۔“

ناؤ نے کچن سے باہر آئے بغیر جواب دیا تھا۔

”بس ایسے ہی۔“

اس نے ایک بار پھر بلند آواز میں کہا تھا۔

اس کا مطلب ہے ناؤ نے وہ بڑی نہیں دیکھی ہیں۔ یہ اچھا ہی ہوا ورنہ ناؤ کو تکلیف پہنچتی۔ انہوں نے تو کبھی یہ نہیں سوچا ہوگا کہ عمر دیکھ کر اسے گوارا پھر یوں ان کے گھر پر ان کے سامنے۔ علیزہ نے کچھ مطمئن ہو کر سوچا تھا۔ عمر نے بھی اسی نے دروازہ کھولے بغیر ناؤ کو جواب دیا ہوگا تا ناؤ اندر آ کر بڑی نہیں دیکھ سکیں۔ مگر آخر عمر یہ سب کچھ کیوں کر رہا ہے۔ وہ تو ایسا نہیں تھا۔ وہ تو کبھی بھی ایسا نہیں تھا؟ اس کا ذہن ایک بار پھر الجھ گیا تھا۔

☆☆☆

اسے کہیں بہت دور سے عورت کی شور کی دے رہی تھی۔ لاشعور میں اٹھنے والا شور آہستہ آہستہ جیسے بلند ہوتا جا رہا تھا۔ یوں جیسے دروازے پر کوئی دھک دے رہا ہو۔ شعور نے آہستہ آہستہ اس شور کو پہچان لیا تھا۔ عمر نے اونٹنہ سے بڑے ہوئے آنکھیں کھولی شروع کر دیں۔ چند لمحوں تو وہ آنکھیں کھولنے میں بالکل ہی ناکام رہا۔ مگر پھر کچھ جدوجہد کے بعد اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ کمرے میں روشنی تھی۔ کچھ دیر تک تو وہ اپنے ارد گرد کے ماحول کو پہچاننے کی کوشش کرتا رہا، اور پھر اس کا دھیان دروازے پر ہونے والی دھک پر چلا گیا۔ کوئی بڑی مستقل مزاجی سے دروازہ بھاریا جا رہا تھا اور ساتھ اس کا نام بھی پکار رہا تھا۔

عمر کا سر پھلکا رہا تھا، وہ لیٹے لیٹے ہی کرٹ لے کر سیدھا ہو گیا اور آواز کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ آواز کو شناخت کرنے میں اسے کچھ وقت لگا تھا۔ مگر وہ آواز کو پہچان گیا، وہ آواز ناؤ کی تھی اور وہ بار بار اسی کا نام پکار رہی تھیں۔

”گر مینی جانگ! جاگ گیا ہوں ابھی! جاؤں گا۔“

اس نے بے اختیار بلند آواز میں ان کی آواز کے جواب میں کہا تھا۔

اس وقت اس کے دروازے پر ہونے والی دھک اس کے اعصاب کو چھوڑ رہی تھی اور وہ اسے روک دیتا چاہتا تھا دھک یک دم رک گئی تھی۔

”ٹھیک ہے، عمر جلدی باہر آ جاؤ بہت دیر ہو گئی ہے۔ میں کھانا لگوا رہی ہوں۔“

اس نے کچن کو کہتے ہوئے سنا۔

وہ کچھ کچھ بخیر ہی چپ چاپ بسٹر میں پڑا رہا، انہیں کمرے پر وہوں سے اس نے اپنی کینڈیوں کو دبائے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ سر میں ہونے والی اس تکلیف سے نہایت حائل نہیں کر سکا تھا۔ اس کے لئے یہ ساری کیفیات ہی نہیں تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ وہ زبردست قسم کے hang over کا شکار ہو رہا ہے۔

کچھ دیر وہ اسی طرح لیٹا اپنے اعصاب کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر جدوجہد کرتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس نے سر کو دو تین بار جھٹک کر کمرے میں گئے والے کلاک پر نظر دوڑائے کی کوشش کی تھی مگر وہ وقت دیکھتے میں کاسیاب نہ ہو سکا۔

سامنے تپائی پر پڑی ہوئی بوتلوں نے ایک بار پھر رات کے تمام مناظر کو اس کے سامنے کھڑا کر دیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک نیا مسکراہٹ ابھری تھی۔

”اور اس کمرے کے باہر ایک بار پھر دی شیطان ہوگا۔ کاش میں کہیں غائب ہو سکتا؟“

”اور عمر اقم اقم گئے؟“

گر بیٹی نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اس کی طرف دیکھتے بغیر وہ فریخ کی طرف بڑھ گیا تھا۔

”جہیں کچھ ہے؟“

گر بیٹی نے اسے فریخ کا دروازہ کھولتے دیکھ کر پوچھا تھا۔ اس نے اب بھی کوئی جواب دینے کے بجائے فریخ کے اندر جا چکے ہوئے سرے کی بوتل تلاش کر کر شروع کر دی۔ گر بیٹی اب کچھ کہنے کی بجائے خاموشی سے اس کی حرکات کو دیکھتی رہیں۔ وہ سرے کی بوتل نکال کر بچن میں پڑی ہوئی چھوٹی سی ڈانٹک۔ نیکل کی کرسی سمجھ کر اس پر بیٹھ گیا تھا۔

”مریہ بابا! ایک گلاس میں تھوڑا سا پانی دیں۔“

اس نے سرے کی بوتل کھولے ہوئے کہا تھا۔

گر بیٹی دم بخود اس کی کارروائی کو دیکھ رہی تھیں۔ مریہ بابا نے خاموشی سے ایک گلاس میں تھوڑا سا پانی ڈال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے سرے کی بوتل میں سے کچھ سرسرا گلاس میں اڑایا اور گلاس ہاتھ میں لے کر اسے پینے لگا۔ چند گھنٹہ پہلے کے بعد اس نے یک دم خود کو بہر محسوس کیا تھا۔ گلاس میں اس نے کچھ اور سرسرا اڑایا تھا اور پھر گلاس ہاتھ میں لے کر اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اس بار ناتو نے اس سے کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ سب کچھ سمجھ چکی تھیں اور اس وقت وہ اسے شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ گلاس لے کر بچن کے دروازے سے نکلا تھا اور اس کی نظر لاؤنج کے سامنے والے صوفے پر پڑی تھی۔ لاؤنج سے پہلے گزرتے ہوئے وہ علیزہ کی طرف بٹھ ہونے کی وجہ سے اسے دیکھ نہیں سکا تھا مگر اب علیزہ اس کے ہانگل سامنے تھی اور عریک دم غضبناک ہو گیا تھا۔ اس نے بلند آواز میں علیزہ سے کہا تھا۔

”دوسرے کے معاملات میں اتنی دلچسپی کیوں ہے جہیں؟“

علیزہ نے بے حد جراتی کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی اس کے سامنے سے گزر کر بچن میں گیا تھا اور اب بچن سے باہر نکل کر وہ ایک دم اس ٹون میں اس سے بات کرنے لگا تھا۔ اس کی آواز کی کڑکشی اور چہرے پر موجود نفی علیزہ کو خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ وہ زور چہرے سے اس کے جیسے کا مقصد سمجھنے کی کوشش کرتے تھی۔

وہ کچھ آگے بڑھا آیا تھا اور علیزہ نے اس کے پیچھے ہانوکو بچن سے ہٹنے دیکھا تھا۔

”کیا ہوا مر؟ کیوں شور کر رہے ہو؟“

”بھرا دماغ خراب ہو گیا ہے، اس لئے شور کر رہا ہوں!“

وہ ناتو کی بات پر اور بھی جڑ گیا۔

”آؤ خرابو کیا ہے؟ جس پر اسے ناراض ہو رہے ہو؟“

اس نے مکمل کو ایک جھٹکے سے دور بچتے ہوئے سوچا تھا۔ بیڈ سے کھڑا ہونے کی کوشش میں وہ لڑکھڑا گیا۔ اسے تھکی ہوئی تھی۔

چند گھنٹوں کے لئے وہ ایک بار پھر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ پھر اہت کر کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے نکیلیں کو دبا تے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے وہ ڈرینگ روم کی طرف چل دیا۔ ڈرینگ روم میں داخل ہونے کے بعد اس نے پڑا اور بچ میں پڑا ہوا بریف کیس نکال لیا تھا وہ اب جلد از جلد اس hang over سے نجات حاصل کرنے کے لئے بریف کیس میں پڑی ہوئی گولیاں لیتا جاتا تھا۔ مگر بریف کیس کھولنے کے بعد بھی وہ بریف کیس میں سے اچھٹا پلو بھری گولیاں تلاش نہیں کر پاتا تھا۔

”اف!“

اس نے بریف کیس کو دور پھینک دیا تھا۔ کچھ دیر گھومتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ڈرینگ روم کی نیکل کے اسٹول پر بیٹھا رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر لڑکھڑاتے قدموں سے داش روم کی طرف بڑھ گیا۔ قی کو پوری رفتار سے کھولتے ہوئے وہ داش روم کے سامنے جھک کر دیکھتا تھا کہ انگلیاں اپنے حلق میں ڈالنے لگی ہو کوشش کا مایاب رہی۔ اسے اسے اجنبی محسوس ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ مگر اس کے چکر اسے ہونے سے سرکڑا زیادہ آفاتہ نہیں ہوا تھا۔

چند منٹوں بعد اس نے صابن سے ہاتھ دھوئے کے بعد اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے شروع کر دیئے تھے۔ مگر یہ ترکیب بھی کچھ زیادہ فائدہ مند ثابت نہیں ہوئی۔ چند لمحوں سے وہ اسی طرح وہیں کھڑا رہا۔ پھر کچھ بے چارگی کے عالم میں داش روم سے نکل آیا۔ اب بچن میں جانے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

وہ جاتا تھا۔ بچن میں اس وقت غاناٹاں کے علاوہ گر بیٹی بھی ہوں گی اور شاید علیزہ بھی اور وہ اس حالت میں ان لوگوں کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا۔ مگر اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ ڈرینگ روم سے نکلا تھا اور پھر اپنے کمرے کے دروازے تک پہنچ گیا۔

دروازہ کی ٹاپ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے لاک کھولنے کی کوشش کی تھی اور ٹھٹھکیا تھا۔ اسے بہت اچھی طرح یاد تھا کہ رات کو علیزہ کے کمرے سے نکلنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کمرے کے دروازے کو لاک کرنے کا کیا تھا۔ مگر اس وقت لاک کھلا ہوا تھا۔ وہ hang over کا شکار تھا مگر وہ رات کو ہونے والے تمام واقعات یاد رکھتا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے دروازے کو خود لاک کیا تھا مگر علیزہ یا کوئی اور وہاں اس کے کمرے میں نہ آئے اور اس کے بعد وہ ڈرک کر گئے گا تھا۔

”اور اب یہ دروازہ کھلا ہوا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی نہ کوئی رات کے کسی وقت یا پھر صبح میرے کمرے میں مجھے دیکھنے آیا تھا، اور وہ کون ہو سکتا ہے؟“ اس نے ٹاپ پر ہاتھ رکھے ہوئے چند لمحوں سے جھنجھلاتے ہوئے سوچا تھا، اور پھر جیسے اس کے ذہن میں ایک جھمکا ہوا تھا۔ وہ ہونٹوں کو پیچھتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ لاؤنج سے گزر کر وہ بچن میں آ گیا تھا۔

نانو نے بہت مہارت سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا تھا۔

”میں جب چاہوں گا، انھوں کا اور آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس طرح میرے کمرے میں جاسوں بھیجیں۔“

دو اب نانو سے الجھنے لگا تھا۔

”کیوں مجھے تمہارے بارے میں پریشان ہونے کا کوئی حق نہیں ہے؟“

نانو نے اس سے ٹکڑھ کیا۔

”نہیں! آپ کا میرے بارے میں پریشان ہونے کا کوئی حق ہے نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ میں یہاں

اس لئے نہیں آیا کہ اپنے روم میں بھی آزادی سے نہ رہ سکوں۔“

”عمر! جو لوگ تم سے محبت کرتے ہیں وہ.....!“

اس نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں نانو کی بات کا ردی تھی۔

”جہنم میں جائیں دو لوگ، جو مجھ سے محبت کرتے ہیں، مجھے ضرورت نہیں ہے کہ کسی کی محبت کی..... نہ ہی

محبت کرنے والے لوگوں کی۔ میں تھک چکا ہوں اور مجھ آچکا ہوں ان لغویات سے۔“

اس کے لیے میں اتنی بیزاری تھی کہ نانو چپ کی چپ رہ گئی تھیں۔

وہ جھنجھلایا ہوا اپنے کمرے کی جانب جانے لگا تھا، لیکن جاتے جاتے وہ ایک بار پھر مڑ گیا اور اس نے

انگی اٹھا کر طعیرہ سے کہا تھا۔

”آ احمد، مجھی ایسی کوئی حرکت میرے ساتھ مت کرنا۔“

اس کے جواب یا رد میں سے پہلے ہی وہ لاؤنچ سے نکل گیا تھا۔ چند لمحوں بعد طعیرہ نے ایک دھماکے

ساتھ اس کے کمرے کا دروازہ بند ہو جتا تھا۔ نانو ابھی کوئی دھپ کھڑی تھیں اور اب طعیرہ کے لئے ان سے نظر ملانی

مشکل ہو گئی تھی۔

وہ یک دم اٹھ کر ہی ہاجت ہوئی لاؤنچ سے نکل گئی تھی۔ اس نے اپنے عقب میں نانو کی آواز کی تھی مگر وہ

رک نہیں تھی۔

وہ ان کے سامنے دوڑا نہیں جاتی تھی۔

”وہ مجھ سے اس طرح کیسے بات کر سکتا ہے؟“

اسے اب بھی یقین نہیں آیا تھا کہ یہ سب اس نے عمر سے سنا تھا۔ اس نے صوفہ پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں

سے اپنے چہرے کو چھپا لیا تھا۔

”عمر! اتنا..... تلخ کیسے ہو سکتا ہے..... اور..... اور وہ بھی میرے ساتھ؟“

اس نے پتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ سوچا تھا۔

”اس نے کبھی مجھے اس طرح نہیں ڈانٹا..... کبھی ہاں بات نہیں کی پھر اب کیوں؟“ اس کے آنسوؤں

نانو نے زنی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”یہ سوال مجھ سے نہیں اس سے پوچھیں۔“

اس نے طعیرہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جو بالکل بے حس و حرکت صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ نانو کو جیسے حیرت کا

ایک جھٹکا لگا تھا۔

”طعیرہ! وہ پوچھوں؟ طعیرہ نے کیا کیا ہے؟“

”اس کے نزدیک دوسروں کی زندگی قاتل ہے، دیکھ کر بجائے کہ اس کا فرض بنتا ہے۔“

نانو اس کی بات بالکل نہیں سمجھتی تھی۔

”عمر! مجھے بتاؤ اس نے کیا کیا ہے؟“

”میں نے آپ سے کہا ہے تاکہ مجھ سے مت پوچھیں اس سے پوچھیں۔“

عمر اس کی بات پر یک دم بھڑکا تھا۔ نانو نے حیرت سے طعیرہ کو دیکھا تھا جس کا چہرہ سفید ہو گیا تھا۔

اس کے دم دگمان میں بھی تھا مگر عمر کے میں آنے کی بات جان جائے گا اور پھر اس پر اس طرح بگاڑ

کھڑا کر دے گا۔

”کیا حق پہنچتا ہے جنہیں کہ تم لوگوں کی ذاتیات میں دخل اندازی کرو مگر اٹھا کر چوری چھپے دوسروں کے

کردوں کے لاک کھول کر دہاں جاؤ۔“

اس کی آواز اتنی بلند اور لہجہ اتنا تلخ تھا کہ طعیرہ کے ہاتھ ہر کانپنے لگے تھے۔

”تم ہوتی کون ہو، یہ سب کھٹے نہ والی۔ یہ مگر تمہارا ہی تمہارے باپ کا نہیں ہے کہ تم یہاں کے ہر

کمرے میں بھاگتے لگو۔“

وہ انگی اٹھا کر پھر آواز میں اس سے کہہ رہا تھا۔

”جتنا حق تمہارا اس مگر ہے اتنا ہی میرا ہے اس کے جنہیں اپنی حدود کا پتا ہونا چاہیے۔“

”عمر! اتنے غصہ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ طعیرہ کا کوئی قصور نہیں ہے میں نے ہی اسے تمہارے

کمرے میں جانے کے لئے کہا تھا۔“

نانو نے بڑی زنی سے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔ عمر کو ایک دم دھچکا لگا تھا۔

”آپ نے کہا تھا؟“

”ہاں! میں نے کہا تھا؟“

عمر نے اپنے بازو پر رکھا ہوا ان کا ہاتھ ایک جھٹکے سے ہٹا دیا۔

”آپ نے کیوں کہا تھا؟“

”جنہیں اتنی دیر ہو گئی تھی، تم اتنی ہی نہیں رہے تھے۔ میں پریشان ہو گئی تھی، اس لئے میں نے طعیرہ سے کہا

کہ وہ لاک کھول کر اندر جائے اور دیکھے کہ تم ٹھیک ہو۔“

اٹھا کر نانو کو دیکھا تھا۔ وہ کچھ کھائی ہی ہو کر اب اپنی پلیٹ میں چاول نکال رہی تھی۔

مریہ بلبا نہیں پر کوئی چیز رکھے آئے تھے جب عمر نے ان سے کہا تھا۔

”مریہ بابا! ڈرائیو دے کہیں وہ گاڑی نکالے اور میرے کمرے میں جو بیگز ہیں، وہ ذرا گاڑی میں رکھوا دیں۔“

علیہ کا ہاتھ رک گیا تھا۔ وہ اسی اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف تھا۔ علیہ نے نانو کو دیکھا تھا۔ وہ بھی عمر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مریہ بابا! ہر جا چکے تھے۔

”سامان کیوں؟“

نانو نے کچھ بے چین ہو کر پوچھا تھا۔

”میں یہاں سے جا رہا ہوں!“

بڑے اطمینان سے جواب دیا گیا تھا۔

”کہاں جا رہے ہو؟“

”فی الحال تو ہوش میں جنگ کروائی ہے۔“

”مگر کیوں؟“

”کیوں سے کیا مطلب ہے؟ ظاہر ہے مجھے یہاں سے جانا ہی تھا، یہ میرا گھر نہیں ہے۔ میں نے یہاں آ کر غلطی کی تھی۔“

وہ کباب کے ٹکڑے کرتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہہ دیا تھا۔

”عمر! یہ تمہارا گھر ہے۔“

”نہیں گریٹی! یہ میرا گھر نہیں ہے، یہ آپ کا گھر ہے، علیہ کا گھر ہے میرا نہیں۔“

اس کا لہجہ بہت دو ٹوک تھا۔

”اگر آپ میری وجہ سے یہ گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں تو پلیز میں اپنی غلطی کے لئے ایکسکسز دکرٹی ہوں۔ آپ مجھ سے ناراض ہو کر یہاں سے نہ جائیں۔“

اس بار علیہ نے اس سے کہا تھا۔

”میں کسی سے بھی ناراض ہو کر یہاں سے نہیں جا رہا۔ بس مجھے اب یہاں نہیں رہنا۔“

اس نے علیہ کی طرف دیکھے بغیر ہی کہا تھا۔

”مگر تم تو یہاں رہنے آئے تھے۔“

”ہاں، میں رہنے آیا تھا، اور مجھے نہیں آتا چاہئے تھا۔ میں نہیں جانتا تھا یہاں آپ کا بیٹا میرے پیچھے آ جائے گا۔“

”مگر اب تو وہ چلا گیا ہے۔“

”ابھی چلا گیا ہے مگر میں دوبارہ آنے سے کسی کیسے روک سکتا ہوں۔“

”عمر! جب تک تم یہاں ہو میں اسے یہاں نہیں آئے دوں گی، آئے گا بھی تو بھی کوئی تم سے اس معاملے پر بات نہیں کرے گا۔ مگر تم یہاں سے مت جاؤ۔“

”نہیں گریٹی! مجھے یہاں نہیں رہنا ہے۔ مجھے یہاں سکون نہیں ہے۔“

اس نے بے حد عجیبگی سے کہا تھا۔

”تمہیں یہاں سکون ہے یا نہیں مگر تم یہاں سے کہیں نہیں جا رہے، جس قسمیں کہیں جائے نہیں دوں گی۔ یہ بات تم کان کھول کر سن لو۔“

نانو یک دم کہتے ہوئے میرے اٹھ گئی تھی۔

”مریہ..... مریہ! اس کا سامان واپس اندر رکھ آؤ..... وہ کہیں نہیں جا رہا۔“

انہوں نے مریہ کو یک لائے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔

”گریٹی! جذباتی مت ہوں میں یہاں نہیں رہنا چاہتا اور نہ ہی رہوں گا۔ مجھے جانے دیں۔“

اس کا لہجہ ہنوز سرد تھا۔

”کیا ہو گیا ہے عمر؟ کیوں کر رہے ہو اس طرح؟ اسے مضہبی نہیں تھے تم؟“

علیہ نے گریٹی کی آنکھوں میں آنسو اٹھتے ہوئے دیکھے تھے۔ اس نے عمر کو ان سے نظریں چرات ہوئے اور پھر گھٹت خود وہ انداز میں سر جھکا کر ہوئے دیکھا تھا۔

”مریہ..... اسامان واپس رکھ آؤ۔“

نانو نے ایک بار پھر خاموشی سے کہا تھا۔ عمر اس بار بالکل خاموش رہا۔ مریہ بابا چند لمحوں کے بعد عمل کا

انتظار کرتے رہے اور پھر خاموشی سے بیگزا اٹھا کر واپس مڑ گئے۔ علیہ کے چہرے پر اطمینان جھلکے لگا تھا۔

☆☆☆

وہ لٹی کرنے کے بعد عمر سے لکل گیا تھا۔ نانو تھتے وقت سے اس کے موبائل پر کال کرتی رہیں۔ وہ رات

میکارہ بجے کے قریب واپس آیا۔ علیہ اس وقت اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ نانو نے اس سے کھانے کا پوچھا اور

اس نے انکار کر دیا تھا۔ وہ کھانا باہر سے کھا کر آیا تھا۔

اگلے صبح جس وقت علیہ ناشتہ کی میز پر آیا اس وقت وہ وہاں نہیں تھا۔ علیہ نے نانو سے عمر کے بارے

میں پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ خاموشی سے ناشتہ کرنے کے بعد وہ یونیورسٹی چلی گئی تھی۔

لیکن یونیورسٹی میں بھی سارا دن اس کا ذہن اسی انتظار کا شکار رہا تھا۔ جس کا سامنا وہ کچھلے دو، تین دن

سے کر رہی تھی اور اس کی یہ کیفیت شہلا سے بھی نہیں رہی تھی۔

”کیا ہوا ہے؟“

تیسرے بیڑے میں اس نے کہا میں اٹھا کر کلاس سے نکلے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

”کچھ بھی تو نہیں!“

علیہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ شہلا کو اس کی آنکھوں میں امنڈے ہوئے آنسو نظر آ گئے تھے۔
”عمر نے کچھ کہا ہے؟“

اس نے سر جھکا لیا تھا شہلا نے ایک گہری سانس لی۔

”ہر بار تم دونوں کے درمیان کسی نہ کسی بات پر کچھ نہ کچھ ضرور ہو جاتا ہے۔ اب کیا ہوا؟“

”وہ بالکل بدل گیا ہے شہلا! پہلے جیسا نہیں رہا۔“

اس نے دائیں ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”وقت ہر چیز کو بدل دیتا ہے، کوئی بھی چیز ہو یا انسان وہ ایک جیسا نہیں رہ سکتا۔ اس لئے مجھے یہ سن کر

حیرت نہیں ہوئی عمر بدل گیا ہے۔“

علیہ وہ بے بسی سے اپنا چہرہ ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔

”دو چار سال بعد تم اس سے ملو گی تو وہ اور زیادہ بدلا ہوا لگے گا۔ It's but natural۔ شہلا بے حد پر

سکون تھی۔

”شہلا! وہ مجھے کبھی بھی اس طرح فریٹ نہیں کرتا تھا۔ جس طرح اب ان دو چاروں میں مجھے یوں

لگا جیسے وہ مجھے اپنی کزن نہیں سمجھتا، اس کے لئے میں ویسے ہی ہوں جیسے، مانی، ڈرا پیور، غاسناں.....“

”پر ٹیکنیکل بنو علیہ! دوسروں سے بہت زیادہ تو قہات نہیں رکھتی چائیں؟“

شہلا نے بہت ہی گہری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”شہلا وہ میرا دوست تھا کیا دوستوں سے بھی تو قہات نہیں رکھتی چائیں۔“

”تم اسے صرف دوست نہیں سمجھتیں، صرف دوست سمجھتیں تو یہاں بیٹہ کر یہ سب کچھ نہ تار ہی ہوتیں۔“

علیہ نے سر جھکا لیا تھا۔

”بہر حال اب کیا ہوا ہے؟“

علیہ نے کچھ ہنچکاتے ہوئے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ شہلا بھی اتنی ہی شاکہ ہو کر ساری بات سنتی رہی۔

”مجھے تو یقین نہیں آتا شہلا! عمر یہ سب کچھ کر سکتا ہے وہ کبھی بھی ایسا نہیں تھا، پھر اب کیوں؟ اب جب وہ

سیٹل ہو چکا ہے، تو اسے بڑے تعمیرات کیوں؟“

”تم اس تعمیر کی وجہ جاننے میں دلچسپی مت لو۔“

”کیوں؟“

”علیہ! تم اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتیں وہ اب جس مدار میں داخل ہو چکا ہے، وہاں کوئی علیہ نہیں ہے

نہی اسے ضرورت ہے۔“

”میں اس کی دوست ہوں۔“

”پتہ نہیں کہ اسے دوستوں کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔“

”تو پھر اتنی خاموش کیوں ہو؟“

”میں ہمیشہ ہی خاموش رہتی ہوں!“

”ہاں مگر اس طرح نہیں؟“ علیہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

”آؤ آج کینال پر چلیں!“

شہلا کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

”کلاسز چھوڑ دیں؟“

”ہاں! کبھی کبھی تو ایسا ہی کرنا چاہئے۔“

”ٹھیک ہے چلو!“

شہلا نے مزید کچھ بھی نہ کہا تھا

نہر کے کنارے بہت دیر تک وہ کچھ کہے بغیر خاموشی سے بیٹھی رہی جس پھر خاموشی کو شہلا نے ہی توڑا تھا۔

”اب بتا دو کیا ہوا ہے؟“

علیہ وہ اس کے سوال پر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

”تم پریشان ہو؟“

”پریشان نہیں ہوں اداس ہوں!“

وہ ایک بار پھر نہر کے پانی کو گھورنے لگی تھی۔

”اداس کیوں ہو۔“

شہلا نے بڑی لامعت سے پوچھا تھا۔

”چائیں۔“

”مگر میں تو سب کچھ ٹھیک ہے؟“

”ہاں!“

”جیٹس یاد آ رہے ہیں؟“

”نہیں!“

”ناٹو نے کچھ کہہ دیا ہے؟“

”نہیں!“

شہلا جھجھکی۔ ”تو پھر کیا مسئلہ ہے پھر اداس کیوں ہو؟“

علیہ خاموش رہی تھی۔

”عمر سے تو کوئی جھگڑائیں ہو گیا؟“

شہلا کو اچانک خیال آیا تھا۔

”میرا دل نہیں چاہتا“

”علیہ! میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ عمر آج کل پریشان ہے ان کی کسی بات پر خفا ہونا مناسب نہیں۔ وہ شاید خود بھی نہیں جانتا کہ کیا کر رہا ہے، اور کیا کہہ رہا ہے۔ اگر مجھے سے قائل ہوتا تو قازن مراد میں اتنی اچھی پوسٹ چھوڑ کر یوں صرف باپ کی خدمت میں پاکستان آ جاتا۔“

”ناٹو میں اس کی کسی بھی بات پر ناراض نہیں ہوں۔“

”میں بے خوف نہیں ہوں، تمہیں کل کی باتیں کیا بری نہیں لگیں۔“

”بری لگی ہوں تو میں کیا کروں۔ میں یہاں سے جاتو نہیں سکتی۔“

اس نے سر ہچکائے ہوئے افسردگی سے کہا تھا۔

”اس نے جو بھی کہا، اسے بھول جاؤ۔ فخر میں انسان بہت سی باتیں کہہ دیتا ہے۔“

ناٹو اسے سمجھانے لگی تھیں۔

”اب دیکھو، وہ دم جاتے ہوئے مجھ سے خاص طور پر کہہ کر گیا ہے کہ تمہاری چیزیں تمہیں دے دوں۔“

علیہ اس بار خاموش رہی تھی۔

ناٹو اسے لے کر اپنے کمرے میں آ گئی تھیں۔ انہوں نے عمر کا دیا ہوا بیگ کھولا، اور اس میں موجود چیزیں نکال کر بیڈ پر رکھنا شروع کر دیں۔ اسے پہلی بار عمر کی لائی ہوئی کوئی چیزیں دیکھ کر خوشی نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ اس کی رنجیدگی بڑھتی جا رہی تھی۔

”اے معلوم ہونا چاہئے، مجھے اس کی لائی ہوئی چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

اس نے سوچا تھا۔ چیزوں کا ذخیرہ اٹھانے کے بعد وہ کھڑی ہوئی تھی جب ناٹو نے اس سے کہا۔

”جب عمر واپس آئے تو تم ان چیزوں کے لئے اس کا شعر یہ ادا کرنا۔“

وہ ان کی ہدایات سن کر خاموشی سے کمرے سے نکل آئی۔

اپنے کمرے میں آ کر پہلی بار اس نے عمر کی دی ہوئی چیزوں کو بار بار دیکھنے کی بجائے ایک شاپ میں ڈال کر دارو روپ کے ایک کوئٹے میں رکھ دیا تھا۔

سال میں دو تین بار جب اس کی کسی اور پاپا اس کے لئے چیزیں بھیجوا کر کرتے تھے تو وہ انہیں بھی اسی طرح دیکھے بغیر دارو روپ میں رکھ دیا کرتی تھی، اور پھر انہیں صرف اسی وقت دیکھا کرتی تھی کہ جب اسے کسی کو کوئی کٹ دینا ہوتا تو وہ انہیں چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ نکال کر کٹ کر دیتی یا پھر خود اسے اپنے استعمال کے لئے کسی چیز کی ضرورت پڑتی تو وہ ان شاپرز کی طرف متوجہ ہو جاتی۔

مگر عمر بھی اس کے لئے کچھ لانا یا بھیجتا تھا تو وہ بھی اس کی ان چیزوں کو دارو روپ میں نہیں رکھتی تھی۔ وہ انہیں کمرے میں اپنے سامنے رکھتی تھی یا پھر فوری طور پر انہیں اپنے استعمال میں لے آتی تھی۔

☆☆☆

”دوستوں کی ضرورت ہمیشہ ہوتی ہے۔“

”لیکن ہر ایک کو نہیں۔ عمر کے ساتھ جو بھی ہو رہا ہے وہ عارضی ہے وہ اس فیر سے نکل آئے گا۔ وہ سمجھ رہا ہے، بہت جلدی اپنی پرالٹو کو مل کر لے گا۔ کھارے کزن میں یہ ایک خاص خوبی ہے اور ایسے بندوں کو کسی علیہ کی ضرورت نہیں ہوتی جو ان سے بھردری کرے یا ان پر ترس کھائے، اس لئے تم اس کے بارے میں پریشان ہو جاؤ۔“

”شہلا بہت نرمی سے اسے سمجھاتی رہی۔ وہ اسے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر خاموش رہی۔ وہ شہلا کے ساتھ سب کچھ شیئر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ بہت دیر تک وہاں بیٹھے رہنے کے بعد شہلا نے کہا تھا۔

”اب چلیں، بہت دیر ہو گئی ہے۔“

علیہ کچھ کہے بغیر ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اس دن گھر آنے پر ناٹو نے اسے بتایا تھا کہ عمر اسلام آباد چلا گیا ہے۔ اب وہ کچھ دن بعد آئے گا۔ علیہ نے کسی بھی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ نچے کرنے کے بعد وہ ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ رہی تھی جب ناٹو نے اس سے کہا تھا۔

”مگر ہم دونوں کے لئے کچھ چیزیں لایا ہے، وہ بیک دے گیا ہے۔ میں نے انہی کھولائیں، سوچ رہی تھی کہ تم یو غدری سے آ جاؤ تو کھولوں گی“

علیہ خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اگر ایک دن پہلے گھر میں وہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا تو شاید اس وقت وہ بڑی بے تابی سے ناٹو کی بات پر کچھ نہ کچھ تکی کر رہا اسے کوئی بے تابی نہیں ہوتی تھی۔

”آپ خود بیک کھول لیں گے۔ مجھے کچھ بھی نہیں چاہئے۔“

اس نے بے دلی سے کہا تھا۔

”علیہ! یہاں بیٹھو۔“

”ناٹو! پیڑھے مجھے یو غدری کا کچھ کام کرنا ہے۔“

”علیہ! ایڈیٹ جاؤ۔“

ناٹو نے اس بار کچھ ڈانٹنے ہوئے کہا تھا۔ وہ کچھ سال کی کسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

”تم عمر سے ناراض ہو؟“

انہوں نے بغیر کسی تہذیب کے پوچھا۔

”نہیں!“

”تو پھر اس کی لائی ہوئی چیزیں کیوں نہیں لیتا چاہتیں۔“

وہ خاموش رہی تھی۔

”میں کچھ پوچھ رہی ہوں؟“

”ہیں ویسے ہی!“

”ہیں ویسے ہی سے کیا مطلب ہے تمہارا؟“

مہر چار دن کے بعد لوٹا تھا، اور ایک بار پھر اس کے چہرے پر وہی سکون اور اطمینان تھا جیسا کہ پہلے اس کے چہرے پر تھا۔

رات کو کھانے پر وہ نانو کو اسلام آباد میں اپنی مصروفیات کے بارے میں بتا رہا تھا۔

"چند ہفتوں تک فرینک کے لئے سہاگنا بنے گا۔ مجھے پھر پسنگ ہو جائے گی۔" وہ نانو کو کہہ رہا تھا۔

ولید کے ڈیڑی سے میری بات ہوئی ہے وہ کہہ رہے تھے کہ اچھی پسنگ دلوا دیں گے۔"

وہ اپنے ایک دوست کا نام لے رہا تھا۔

"تم خوش ہو نا؟"

نانو نے اس سے پوچھا۔

"خوش؟ اچھا نہیں۔۔۔ مگر ہاں مطمئن ہوں۔"

اس کے چہرے پر اب عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"اور وہ اس لئے کہ آپ کے بیٹے میری راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔"

"اچھا! تم یہ سوچ تو تھوڑا اور دیہیہ میں نے صرف تمہارے لئے ہی بتوایا ہے۔"

نانو نے کمال مہارت سے بات بدل دی۔

"میں پہلے ہی کافی لے چکا ہوں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے منع کیا۔

علیہ خاموشی سے کھانا کھاتے ہوئے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی۔ نانو مسلسل اس کے ساتھ گفتگو میں مصروف رہی تھیں۔ علیہ بہت جلد کھانے سے فارغ ہو گئی جب وہ ایکسپریڈی کہہ کر کھڑی ہوئی تو نانو پہلی بار متوجہ ہوئی تھیں۔

"تم نے کھانا کھا لیا؟"

"جی ہاں"

جواب انتہائی مختصر تھا۔

"تو بیٹھو، علیہ! اکانی پیتے ہیں اکتے۔"

"نہیں نانو مجھے کچھ کام ہے۔" اس نے کہا تھا۔

میری عمر علیہ کو تمہارے گفت بہت پسند آئے۔ بہت تعریف کر رہی تھی۔

نانو اس بار عمر سے مخاطب تھیں۔ علیہ وہ عمر کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

"نانو! پھر میں جاؤں؟"

اس سے پہلے کہ عمر جواباً کچھ کہتا علیہ نے نانو سے کہا تھا۔ نانو نے اسے کچھ گفتگو سے دیکھا انہیں شاید علیہ

سے اس طرح کے معاملے کی توقع نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے جاؤ؟"

"ٹھیک ہے؟"

وہ ڈانٹنگ دم سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

اگلے چند دن بھی اس کے اور عمر کے درمیان کوئی بھی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ صبح جس وقت یونیورسٹی جاتی تھی اس وقت وہ سو رہا ہوتا اور جب وہ واپس آتی تو گھر میں موجود نہیں ہوتا تھا۔ شام کو وہ گھر آیا کرتا تھا، اور اس وقت وہ اپنی پڑھائی میں مصروف ہوتی تھی۔ رات کے کھانے پر ان کا سامنا ہوتا تھا، اور اس کے بعد عموں کے پرکھل جانا کرتا تھا۔ اور علیہ ایک بار پھر اپنے کمرے میں آکر پڑھائی میں مصروف ہو جاتی تھی۔

اس نے اس واقعہ کے بعد بھی عمر کے کمرے میں جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اب لازم ہی اس کے کمرے کو صاف کیا کرتا تھا، اور وہی سارے پیغام لے کر اس کے کمرے میں جایا کرتا تھا۔ عمر سے گھر میں جب بھی

اور جہاں بھی اس کا سامنا ہوتا وہ سکرا کر گزر جاتی خود اس نے بھی بات کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔

اس دن سر پہر کا وقت تھا۔ نانو کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھیں۔ خانہ سال بھی اپنے کوارٹر میں تھا۔ وہ کافی

بنانے کے لئے کچن میں آئی تھی جب اس نے لاؤنج میں فون کی گھنٹی سنی۔ وہ لاؤنج میں چلی آئی فون عمر کے کسی

دوست کا تھا۔

"ہاں! وہ گھر پر ہیں، آپ ان کے موبائل پر کال کر لیں۔"

اس نے فون سننے پر کہا تھا۔

"میں نے موبائل پر کال کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن موبائل آف ہے۔ آپ یا تو ان سے بات کروا دیں۔ یا پھر انہیں کہیں کہ موبائل آن کریں۔"

دوسری طرف سے کہا گیا تھا۔

"اچھا! آپ ہولڈ کریں میں ان کو بلاوا دیتی ہوں۔"

اس نے کچھ سوچنے کے بعد کہا تھا۔

ریسیور رکھنے کے بعد وہ سوچتی رہی کہ عمر تک پیغام کیسے پہنچائے۔ صرف پیغام اس تک پہنچانے کے لئے وہ

کوارٹر سے لاؤنج کو بلاوائی تو یہ بات نہ صرف لازم کے لئے عجیب ہوئی بلکہ اس وقت تک بہت دیر ہو جاتی۔

چند لمحوں سوچنے کے بعد اس نے خود ہی پیغام دینے کا سوچا۔ عمر کے بیڈ روم کے دروازے پر پہلی دنگ دیتے ہی اندر سے آواز آئی تھی۔

"میں کم آن۔"

"آپ کی کال ہے۔"

اس نے بندر آواز میں کہا تھا۔

”علیہ! اندر آ جاؤ۔“

اندر سے کہا گیا تھا۔

”آپ کے کسی دوست کا فون ہے۔“

اس نے اس کی بات کے جواب میں ایک بار پھر اپنا جملہ دہرایا تھا۔

”میں آ رہا ہوں۔“

اس بار چند لمحوں کے وقفہ کے بعد اس نے کہا تھا۔

وہ وہاں پہنچ گیا اس کا کرائی ٹیکس میں پانی ڈالنے لگی۔ چند لمحوں بعد اسے لاؤنج میں عمر کی آواز سنائی دی

تھی۔ وہ فون پر باتیں کر رہا تھا۔ علیہ! اپنے کام میں مصروف رہی۔ وہ اس وقت فریج سے کرم نکال رہی تھی جب اس نے عمر کی آواز سنی تھی۔

”میں نے تم کو کمرے میں آنے سے منع نہیں کیا۔“

اس نے سڑک روک دیا، وہ جہن کے دروازے میں کھڑا تھا۔

”آپ جب چاہیں میرے کمرے میں آ سکتی ہیں۔“

وہ سڑک روہا کر کرم کا ٹیکٹ نکالنے لگی۔

”اس دن اعتراض مجھے صرف تمہارے آنے کے طریقے پر ہوا تھا۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ وہ زیادہ مناسب نہیں تھا۔“

وہ ایک بار پھر کمرہ پر تھا۔ علیہ! کرم کو چالے میں نکالنے لگی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، وہ اس کے

دہان کھڑے ہونے سے انہیں گئی۔

”میں اتنا بدامی نہیں ہوں کہ آپ میری بات کا جواب دینا بھی پسند نہ کریں۔“

وہ کچھ کہے بغیر ہی کرم کو سمجھنے کی عمر اسے بھی سمجھی آپ کہہ کر قیام نہیں کرتا تھا۔ اسے تیرا ہی دوری تھی

اس وقت وہ اسے آپ کہہ کر کیوں مخاطب کر رہا ہے۔

”تمہیک ہے جواب منت دیں کانی کا ایک کمرے تو رہ سکتی ہیں؟“

اس کی اگلی فرمائش نے علیہ! کو کھوکھوایا کر دیا تھا۔

وہ اب آگے بڑھ کر کچن میں موجود ڈانک ٹینک میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ علیہ! کچھ دیر پیش روخ میں گرفتار

رہی پھر اپنی سابقہ خاموشی کو برقرار رکھتے ہوئے اس نے ایک کی بجائے کانی کے دوگ تیار کرنے شروع کر دیے۔

کانی تیار کرنے کے بعد اس نے دونوں گ افغانے اور ایک گ عمر کے سامنے میز پر دکھ دیا۔ دوسرا گ لے

کر وہ کچن کے دروازے کی طرف بڑھنے لگی تو اسے عمر کی آواز سنائی دی۔

”آپ کانی میرے ساتھ بیٹھ کر بیٹیں۔“

”مجھے کچھ کام کرنا ہے۔“

اس نے جواباً کہا تھا۔

”میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ کافی پیٹے میں زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ لگیں گے۔“

اس نے ایک بار پھر کہا۔

”نہیں۔ مجھے یہ یورٹی کا بہت سا کام کرنا ہے۔“

اس نے سر جھکا کر ہوئے ایک بار پھر اٹھا کر دیا۔ عمر اس بار پھر اصرار کرنے کے بجائے تیزی سے اٹھ کر

کچن سے نکل گیا۔ علیہ! پکا پکا اسے جانا تھا۔ یہی تھی۔ اسے عمر سے اس قسم کے رد عمل کی توقع نہیں تھی۔

کانی کابگ ابھی ویسے ہی میز پر پڑا ہوا تھا، اور اس میں سے نکلے والے دھواں دیکھ کر علیہ! کو انہوں نے

تھا۔ وہ ابنازہ نہیں کر پارہی تھی کمرہ ناراض ہو گیا ہے یا ویسے ہی اٹھ کر چلا گیا ہے۔

☆☆☆

دو دن کے بعد چھٹی کا دن تھی، اور علیہ! دس، گیارہ بجے کے قریب لان میں اپنی ایک پیٹنگ مکمل کرنے

میں مصروف تھی۔ آسان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا، اور غصہ ہی ہوا چلنے کی وجہ سے خاصی خشک تھی۔ مگر وہ جان بوجھ کر لینڈ

اسکپ مکمل کرنے کے لئے باہر آ گئی تھی۔

ہلکے ہوا کچھ میں تھا۔ ہونے دوہڑش کے ساتھ کیوس پر اسٹروس لگا رہی۔ سورج کی روشنی نہ ہونے کی

وجہ سے اسے شینڈل دینے میں بہت غور و خوض کرنا پڑ رہا تھا۔ شاید وہ ابھی کچھ اور دیر اسی اٹھانک سے اپنے کام میں

مصروف رہتی۔ مگر کیوس پر پڑنے والے بادش کے ایک قطرے سے اسے چٹکا دیا تھا۔ اس نے ٹکلی کی سی تیزی سے

کیوس کو ایزل سے اتار لیا۔ پیچھے مڑتے ہی اس کی نظر عمر پر پڑی تھی۔ وہ لان کے بالکل ہی سامنے شینڈل کے نیچے

برآمدہ کی کی میز میں اس کی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ جہاں اس نے اپنے برش اور پیٹنگ باکس رکھے ہوئے تھے۔ وہ ایک لمحہ

کے لئے ٹھہر گئی تاہم وہ جب سے وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ علیہ! کو اس کی آمد کا تاہم چلا تھا۔ پھر اس نے کیوس کو اپنے

کلرز کے پاس چا کر دکھ دیا۔ وہاں لان میں اس کا اس نے اپنا ایزل اٹھایا اور اسے دھیں لے آئی۔ عمر اب اس کی

پیٹنگ دونوں ہاتھوں میں تھا۔ دیکھ رہا تھا۔ علیہ! خاموشی سے اس کے قریب آ کر اپنی جگہ پر بیٹھنے لگی تھی۔

”علیہ! تمہیں اب مجھے صاف کر دینا چاہیے۔“

وہ پیٹنگ باکس اور برش اٹھا کر کھڑی ہو رہی تھی۔ جب عمر نے نظریں اٹھا کر اس سے کہا۔ وہ اس کے اس

بیلے پر حیران رہ گئی تھی۔

”میں آپ سے ناراض نہیں ہوں تو پھر معافی کس بات کی؟“

عمر نے کچھ کہنے کے بجائے قری سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

”میری کبواس پر غصہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔“

”آپ ناراض تھے مجھ سے، میں تو ناراض نہیں تھی۔“

عمر کا رد عمل اس کے لئے بے حد حیران کن تھا۔ وہ ایک دم ٹھکھلا کر بیٹھنے لگا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اس

”میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتا علیزو؟ تم سے؟“
”مگر آپ مجھے؟“

اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”نہیں، میں تم سے ناراض نہیں تھا۔ ناراض ہونے کے لئے شکایت کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور مجھے تم سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔“

اس نے سر اٹھا کر بے یقینی سے عمر جاکیر کو دیکھا تھا۔

”دنیا میں کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہوتا ہے جس کی کوئی بات آپ کو بری نہیں لگتی جس پر کسی آپ کو غصہ نہیں آتا۔ جس سے کبھی آپ ناراض نہیں ہوتے۔ ناراض ہونا چاہیں تو بھی نہیں ہو سکتے۔ میرے لئے وہ کوئی نہ کوئی تم ہو۔“
”عمر کو کیا ہو گیا ہے؟“

علیزو نے سوچا تھا۔

”یہ کیا کہہ رہا ہے؟“

اس کی بے یقینی میں کی نہیں آئی تھی۔

”آخر آل آپ یہ تو ضرور چاہتے ہیں کہ آپ کے مرنے پر کوئی ایسا شخص آپ کے لئے روئے مجھے آپ نے ساری زندگی روئے نہ دیا ہو۔“

”میں جانتا ہوں علیزو! میرے مرنے پر میرے لئے رونے والی صرف تم ہو گی۔“

وہ ہنسنے لگا اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ اب مسکرا رہا تھا۔

”آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟“

اس نے یکدم خوفزدہ ہو کر کہا میرے ساتھ قہر مار کر ہٹا۔

”کچھ نہیں..... میں کچھ بھی کرنا نہیں چاہتا۔“

”پھر آپ اس طرح کی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟“

”دیکھی باتیں؟“

”یہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں!“

”میں کیا کہہ رہا ہوں!“

علیزو کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیا کہے وہ جانتے ہو جیسے ہوئے.....!

”موت اور زندگی کے علاوہ کچھ تو بہت سی چیزیں ہیں۔“

”مثلاً؟“

”جیسے یہ کہ انسان کو اپنی زندگی اپنے ہی ہاتھوں ختم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔“

اس نے کچھ ڈرتے ہوئے کہا۔

”اور؟“

”اور یہ کہ انسان کو ہر حال میں خوش رہنے کی کوشش کرنی چاہئے۔“

”اور؟“

”اور یہ کہ زندگی میں آنے والے ہر اہم کار کا بہت قدری سے مقابلہ کرنا چاہئے۔“

”ہاں؟“

علیزو نے کچھ شرمندہ ہو گئی تھی۔ اس کا خیال تھا وہ اس کی بات کے جواب میں اپنے رویے کی وضاحت کرے گا۔ اپنے اس اقدام کو سمجھتا ہے کہ اسے گھر سے لے کر ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔

”یہ پینٹنگ تم مجھے دے دو؟“

اس کی ساری باتوں کے جواب میں اس نے دونوں ہاتھوں میں پینٹنگ اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ اس کا کیا کر رہے ہیں؟“

علیزو نے بات کا موضوع بدل جانے پر کچھ ہاپوسی سے کہا۔

”میں اسے اپنے بیڈ روم میں لگاؤں گا یا پھر اپنے آفس میں!“

”یہ ابھی مکمل نہیں ہوئی۔“

”مجھے تو یہ مکمل لگ رہی ہے!“

”نہیں، کچھ ٹروکس رہیں ہیں اور پانی کے اس قطرے کی وجہ سے یہاں ابھی خراب ہو گیا ہے۔ اسے بھی ٹھیک کرنا ہو گا۔“

علیزو نے ہاتھ سے تصویر کی مختلف جگہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں مجھے یہ اسی طرح چاہئے۔ کسی مزید تبدیلی کے بغیر۔“

”مگر بارش کے اس قطرے سے والی جگہ کو تو مجھے ٹھیک کرنا پڑے گا۔“

”تم بارش کے اس قطرے سے والی جگہ کو ٹھیک کرنے کے بجائے یہاں اپنا نام لکھ دو۔“

”مگر.....“

”اگر کچھ کچھ نہیں پس تم برش لو اور یہاں اپنا نام لکھ دو۔“

علیزو نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر برش نکال کر سیدھے گھر سے تصویر کے درمیان میں بارش کے اس قطرے کی وجہ سے پھیلے ہوئے رنگوں میں کچھ سے ولی سے اپنا نام لکھ دیا۔ وہ بڑی دلچسپی سے سارا عمل دیکھتا رہا اور اب اس نے اپنا نام لکھ دیا تو اس کے چہرے پر ایک بار پھر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

”ہاں..... ٹھیک ہے اب یہ مکمل ہو گئی ہے۔“

اس نے علیزو کے ہاتھ سے پینٹنگ لے لی ہوئے۔ مطمئن لہجہ میں کہا تھا۔

علیہ کی باپ کی شہ چکھ اور ہی اضافہ ہو گیا۔ عمر جاگیر perfectionist (کاملیف پسند) تھا اور اب وہ ایک نامکمل تصویر کے درمیان موجود ہے اور اس پر لکھے نام کو سراہ رہا تھا۔

”میرا کمرہ جہیں بہت مس کرتا ہے۔“

اس نے چرک کر اس کی طرف دیکھا۔

”اسے ایک پری کی عادت ہو گئی ہے میرے جیسا جن اس کو پسند نہیں آ رہا ہے۔“

وہ بڑی سنجیدگی سے علیہ کو بتا رہا تھا۔ علیہ کا چہرہ چند لمحوں کے لئے سرخ ہوا پھر وہ ایک دم ٹھکڑا کر فیس پڑی۔

باب ۱۶

نانو نے غفلی سے عمر کو دیکھا تھا۔ ”اس طرح چلانے کی کیا ضرورت ہے؟“

”گر مینی ایات ہی ایسی کی ہے آپ نے۔“

”کیوں ایسی کیا بات کی ہے میں نے؟ کیا لڑکیوں کی شادیاں نہیں ہوتی؟“

”ہوتی ہیں مگر مینی؟ عمر اس طرح اس عمر میں؟“

وہ اب بھی حیران تھا۔

”ہاں! اسی عمر میں، ہم جانتے ہو ہماری فیملی میں لڑکیوں کی شادیاں بہت جلدی کر دی جاتی ہے۔“

”ہاں! پہلی شادی اسی عمر میں کر دی جاتی ہے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”میرا مطلب بہت صاف ہے مگر مینی اور آپ جانتی ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ آپ خود شاید ہیں کہ

ہماری فیملی میں لڑکیوں کی کم عمری میں کی جانے والی شادیاں میں سے کتنی کی شادیاں کا سیاب راقی ہیں۔“

”عمر تم۔۔۔۔۔“

عمر نے ان کی بات کاٹی تھی۔

”مگر مینی ایلی میری بات سنیں۔ آپ نے غصہ پھوپھو کی شادی بھی بہت کم عمری میں کر دی تھی۔ نتیجہ کیا

لگلا، اور اگر آپ علیہ کی شادی ابھی کر دیں گی تو اس پر بہت غم کریں گی۔“

نانو نے ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

”تم ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے کہ مجھے ان باتوں کے بارے میں سمجھانے لگو۔“

”میں آپ کو سمجھا نہیں رہا ہوں میں تو آپ کو صرف بتا رہا ہوں، کہ آپ ٹھیک نہیں کر رہی ہیں شادی علیہ

کے پر ابھر کامل نہیں ہے۔“

”عمر اچھی چھوٹے ہو اور اتنے پتھر بھی نہیں ہو کہ ان باتوں کو سمجھ سکے۔“

ناٹو نے بڑی محنت سے اس کو کہا تھا۔

”گرمی! ان باتوں کو سمجھنے کے لئے پھوپھوں کی ضرورت ہے اور نہ ہی عمر کی جس واحد چیز کی ضرورت ہے وہ کامن سنس ہے اور میرا خیال ہے۔ یہ چیز میرے پاس ہے۔“

ناٹو کچھ دیر اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں بول سکی تھیں۔ وہ صرف خاموشی سے دیکھتی رہیں۔

”علیحدہ کے ساتھ یہ نہ کریں وہ بالکل بچی ہے۔“

عمر نے دھمکے لگے میں ناٹو سے کہا تھا۔

وہ بچی نہیں ہے سترہ سال کی ہو چکی ہے۔“

ناٹو نے سچم آواز میں کہا تھا۔

”سوڈا گرمی سترہ سال پر آپ کی زندگی ختم کر رہے ہیں۔ میں اپنی فیلنگ کو سمجھ نہیں سکا بعض چیزوں میں اتنے براڈ اسٹنڈ بھیض میں اتنے اڑیل، اتنے کمزور ہو، اتنے تیرا سٹنڈ اتنے Paradox تو نہیں ہونے چاہئیں آپ کی زندگی میں۔“ وہ ہنس پھٹ رہا تھا۔

گرمی نے بڑے پرسکون انداز میں اس کی بات سنی۔

”عمر! تم خواہ تو وہ جذباتی ہو رہے ہو۔ میں نے جس شخص کو اس کے لئے منتخب کیا ہے وہ اسے بہت خوش رکھے گا۔“

”میں شخص کا انتخاب کیا ہے آپ نے اس کے لئے؟“

اس نے کچھ تجسس ہو کر پوچھا تھا۔

”اسامہ کا، جینے نے دو سال پہلے مجھ سے علیحدہ کے بارے میں کہا تھا، ابھی دو بارہ پوچھا ہے اس نے۔“

ناٹو نے بڑے اطمینان سے بتایا تھا۔ عمر طرے پر انداز میں سکرانے لگا تھا۔

”ساری دنیا میں آپ کو علیحدہ کے لئے اسامہ ہی ملا ہے۔“

ناٹو نے اسے تنگی سے دیکھا مگر عمر نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

”اور آپ کو یہ خوش فہمی بھی ہے کہ اسامہ علیحدہ کو بہت خوش رکھے گا۔“

”کیوں اب کیا تکلف ہو گئی ہے تمہیں؟“

ناٹو نے اس بار کھلم کھلا کہا تھا۔

”اسامہ علیحدہ کو کیا کسی لڑکی کو خوش نہیں رکھ سکتا بیوی کے روپ میں۔ ہاں اگر بیوی کا رشتہ نہ ہو تو اسامہ علیحدہ کو کیا ہر لڑکی کو خوش رکھ سکتا ہے۔“

”فضول کیوں مت کرو۔“

”یہ فضول کیوں نہیں، یہ سچ ہے۔“

”تمہاری تو اسامہ کے ساتھ بہت دقتی ہے۔“

”دقتی ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں اس کے بارے میں سچ نہ بولوں۔“

وہ تاہم تو جواب دے رہا تھا۔

”اسامہ ایک گرمی، گرمی، ناکس لاکا ہے۔“

”گرمی، ناکس اور گرمی ہونے کا مطلب نہیں ہے کہ وہ ایک اچھا عمر بھی ثابت ہو۔“

”وہ ایک دو بار علیحدہ سے ملا ہے۔ اسے وہ اچھی لگی ہے اور اس نے خود ہی ماں سے علیحدہ کے لئے کہا ہے۔“

”گرمی! اتنے ہر لڑکی اچھی لگتی ہے۔“

”یکسوٹ!“ ناٹو نے اسے جھڑکا تھا۔

”میں اس بچے کو کوئی بات ہے۔ میں آپ کو سچ بتا رہا ہوں آپ اس کو مجھ سے اچھی طرح تو نہیں جانتے۔ آپ کو پتہ ہے کہ وہ کیسی فورٹناو غدر کی میں میرے ساتھ چڑھتا رہا ہے۔ وہ مجھ سے سینئر تھا۔ مگر کلاس کے علاوہ اس کا سارا وقت میرے ساتھ گزارتا تھا۔ اسامہ اور علیحدہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔“

اس شخص کا کچھ اطمینان اور ہی طرح کا ہے۔ آپ میری بات لکھ لیں کہ یہ دونوں چار دن بھی ساتھ نہیں رہ سکتے۔ وہ علیحدہ بھی لڑکی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ تو ویسے بھی بہت بڑا طرے ہے۔“

عمر نے تنبیہ کی سے گرمی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

”شادی سے پہلے لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں۔“

اور گرمی نے اس کی بات کے جواب میں کہا تھا۔

”یہ لڑکا شادی کے بعد بھی ایسے ہی رہے گا۔ آپ میری بات یاد رکھئے گا۔“

”تم جانتے ہو، وہ تو کتنی اچھی پوسٹ پر کام کر رہا ہے۔ اس میں کچھ نہ کچھ گھٹس تو ہوں گے کہ۔۔۔۔۔“

عمر نے ایک بار پھر تنبیہ کی سے ناٹو کی بات کاٹ دی تھی۔

”جانتا ہوں کہ اس نے ایس ایس میں ٹاپ کیا تھا۔ جانتا ہوں کہ اس نے فلی برائنٹ کا لارپ لیا ہے۔ جانتا ہوں اس نے اپنے کلاس میں بھی بڑی شیلڈز لی تھیں۔ یہ بھی پتا ہے کہ وہ اس وقت اپنے کلاس میں سب سے اچھی پوسٹ پر ہے، اور اسے بھی وہ بہت حق کی کرے گا۔ مگر ان سب باتوں سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ایک اچھا شوہر بن سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ وہ ایک اچھا بیوروکر ہے مگر اچھا شوہر ثابت ہونے کے لئے اچھا انسان ہونا ضروری ہے اور مجھے بڑے افسوس سے آپ کو یہ بتانا پڑ رہا ہے کہ اسامہ اچھا انسان تو ایک طرف اس میں اس انسانیت نام کی کوئی چیز سرے سے موجود نہیں ہے۔“

”عمر! تم خواہ تو وہ بچے جہاں اس کے پیچھے چلے گئے، جو کرئیں کہ وہ تار رہا ہے، وہ ہمارے لئے کرتے ہیں تم بھی تو کوئی saint نہیں ہو۔“

”میں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں کوئی دلی ہوں، مگر آپ علیحدہ کے ساتھ میری Match Making

نہیں کر رہی ہیں اس لئے مجھے تو آپ اس بحث سے ویسے ہی نکال دیں۔ بات اس وقت اسامہ کی ہو رہی ہے،

لو کے بے شک نوجوانی میں بہت سی حرکتیں کرتے ہیں، مگر حرکتوں میں بھی فرق ہوتا ہے اور انہوں میں بھی۔
 ناٹو پراس کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ "شادی کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گا۔"
 "فیک ہو گا مگر کتنے دن کے لئے، زیادہ سے زیادہ دیا جا رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ کیا کریں گی؟"
 وہ اب بھی سنجیدہ تھا۔
 "اسامہ کو اگر یہ سچا ہوتا ہے تو اس کے خلاف ہول رہے ہو تو وہ تمہارے ہوش فکے لئے لگا دے گا۔"
 ناٹو نے اسے دھمکا یا تھا۔ وہ بالکل بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔

"مگر میں آپ کو گھر کے اندر رہنے والی عورت ہیں اس لئے آپ باہر کی دنیا کو نہیں جانتیں۔ باہر کی دنیا میں مرد جو کچھ کرتا ہے اس کا اثر گھر کے اندر کی زندگی پر ہوتا ہے، اور علیزہ اور اسامہ کے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ اسامہ کسی بھی رشتہ کو ختم کرنے کے لئے زندگی صرف ایک انجمانے منت ہے۔ علیزہ بہت حساس ہے وہ اس کے ساتھ نہیں چل سکتی، آپ جانتی ہیں، اسامہ علیزہ سے گیارہ سال بڑا ہے۔"

اس نے کچھ عجیبے انداز میں ناٹو سے پوچھا تھا۔
 "مگر سے کوئی فرق نہیں پڑتا، بلکہ زیادہ مرد والا مرد طے طریقے سے بیوی کو روک سکتا ہے۔"
 "اور وہ اس صورت میں ہوتا ہے اگر مرد کی عمر اٹھاسی کے بجائے اٹھاون سال ہو اور بیوی کی عمر سترہ کے بجائے ستائیس سال ہو اور شوہر اسامہ اور بیوی علیزہ نہ ہو۔"
 "تمہارا خیال ہے، کہ میں سوچے کچھ بھری علیزہ کی شادی کرنا چاہ رہی ہوں؟"
 ناٹو نے ہنسی سے اس سے پوچھا تھا۔

"مگر میں! اگر آپ واقعی سوچتے سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ کہی ہوئی تو جو کچھ میں نے آپ کو بتایا ہے آپ نے اس پر غور ضرور کیا ہوگا۔ کیا آپ نے غمیزہ بھوپال سے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ آپ علیزہ کی شادی کرنا چاہتی ہیں؟"
 عمر نے ناٹو سے پوچھا تھا۔

"عمر! علیزہ کی شادی کی جتنی جلدی ہے اس کے باپ کو اس سے بھی زیادہ جلدی ہے، اس لئے پہلے تو تم یہ بات ذہن میں رکھو کہ علیزہ کی شادی میں مجھ سے زیادہ اس کا باپ اثر کرتا ہے۔ جہاں تک غمیزہ سے بات کرنے کا تعلق ہے تو ظاہر ہے میں نے اس سے بات کی ہے جب ہی یہ سب کچھ کہہ رہی ہوں وہ دونوں چاہتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری کو جلد از جلد پورا کریں۔"

"ذمہ داری پوری کرنا ایک بات ہوتی ہے اور ذمہ داری سے جان چھڑانا دوسری بات۔ جو کچھ غمیزہ بھوپال اور ان کے ساتھ شوہر کرنا چاہتے ہیں وہ ذمہ داری سے جان چھڑانا کہلاتا ہے۔"

"عمر! تم خواہ وہ دوسروں کے معاملے میں دھل اندازی کیوں کر رہے ہو؟"
 "میں اس لئے دھل اندازی کر رہا ہوں کیونکہ مجھے علیزہ سے بھوری ہے۔ مگر میں! اس نے زندگی کو نہیں دیکھا ہے زندگی کے بارے میں میرے سے اس کا کوئی نظریہ ہی نہیں ہے۔ اس کا کیڑوں بہت ہی عمدہ ہے۔ اس کے

لے زندگی ایک لڑائی لڑنا ہے۔ غمیزہ بھوپال، اس کے باپا، اور یہ گھر..... باہر کی دنیا کیا ہے یہ جاننے کا آپ نے اسے موقع ہی نہیں دیا اور نہ ہی آپ دینا چاہتے ہیں آپ اسے ایک بچہ سے دوسرے بچہ سے میں فرانسز کر دینا چاہتے ہیں۔ میرا نہیں خیال ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے حوالے سے کوئی بھی خواب دیکھے ہوں گے اس کے خوابوں میں بھی غمیزہ بھوپال کے باپا اور آپ لوگ ہی ہوں گے۔ اسامہ بہت چالاک ہے۔ وہ گزراہ نہیں کر سکتا۔ علیزہ کے ساتھ۔"

"اچھا ٹھیک ہے اسامہ مناسب نہیں ہے اس کے ساتھ تو ایک دو اور پر پوزل بھی ہیں اس کے لئے میں ان میں سے کسی کو دیکھ لوں گی۔"

"یعنی آپ کو شادی ضرور کرنی ہے اس کی؟"
 وہ کچھ جھنجھلا رہا تھا۔ "شادی نہ کروں تو بھریا کروں۔"
 ناٹو نے اس سے عجیبے انداز میں پوچھا تھا۔

"اسے پڑھتے دیں۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے دیں بلکہ ہو سکے تو باہر بھیج دیں۔ دنیا کو دیکھنے دیں، لوگوں کو سمجھنے دیں، دینی طور پر کچھ سمجھو ہونے دیں۔ پھر اس کی شادی کریں تاکہ جس کے ساتھ بھی اس کی شادی ہو وہ وہاں ایڈ جسٹ ہو سکے۔ اپنی اور دوسروں کی زندگی خراب نہ کرے۔"

"اور اس کے باپ سے کیا کہوں؟"
 "بھئی! انہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں آخر کیا تکلیف ہے، علیزہ ان کے پاس نہیں رہتی۔ انہیں تو کچھ کر نہیں پڑتا تو بھریا میں اس کی شادی میں واقعی دلچسپی کیوں ہے؟"
 "وہ اس کا باپ ہے، اور علیزہ اس کے ساتھ ہو یا نہ ہو بہر حال وہ اس کے بارے میں سوچنا ہوگا۔ جب تم باپ ہو گے اور بیٹی کے باپ تو بھریا میں ان چیزوں کا احساس ہوگا۔"

"اول تو میں شادی نہیں کروں گا اور اگر کسی بھی تو کم از کم اس طرح کا باپ نہیں بنوں گا۔ میں اپنی بیٹی کو اتنی آزادی تو ضرور دوں گا کہ وہ اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارے، اور کم از کم اس سترہ سال کی عمر میں اس کی شادی کرنے کے بارے میں نہیں سوچوں گا۔"

اس نے کچھ جانے والے انداز میں مگر میں نے کہا تھا۔

"آپ غمیزہ بھوپال سے بات کریں، اگر وہ علیزہ کی شادی کے قابل نہیں ہے۔ اسے اپنی زندگی کو سمجھنے کے لئے ابھی چند سال دیں۔"

"عمر! تم سمجھتے..... عمر نے ان کی بات کا دھی دھی۔"

"مگر میں! اس میں ہر جگہ کیا ہے۔ اگر اب شادی کرنے کی بجائے چند سال بعد اس کی شادی کر دی جائے، کیا آپ نے علیزہ سے پوچھا ہے اس کی شادی کے بارے میں؟"

ایک خیال آنے پر اس نے گہری سے پوچھا۔

"علیزہ سے بھی پوچھ لوں گی، جب شادی ہو جائے گی۔ تو اس سے بھی پوچھ لوں گی ابھی تو بات چیت

چل رہی ہے۔“ عمر نے حیرانی سے گرتی کودیکھا۔

”یعنی آپ علیزہ سے دو بیٹے بغیر اس کی شادی طے کر رہی ہیں۔ گرتی! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟“

”کیوں کیا ہو گیا ہے مجھے؟“

”جس لڑکی کی آپ زندگی کا فیصلہ کر رہی ہیں۔ اس سے جو بیٹے تک کی ذمت نہیں کی آپ نے اگر اسے

اعتراف ہوا تو پھر آپ کیا کریں گی؟“

”علیزہ اعتراف نہیں کرے گی۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔“

”پھر بھی گرتی! اس کا حق ہے کہ اس کی شادی کے بارے میں اس سے پوچھا جائے۔ ابھی آپ جلد از

جلد اس سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتی ہیں مگر ایک دو سال کے بعد وہ چھڑائی دوسرے لڑکے آپ کے پاس موجود ہوگی

شاید اپنی ہی جیسی کوئی اور لڑکی لے کر پھر آپ کیا کریں گی؟“ عمر نے سختی سے کہا تھا۔

”اچھا ہولناک تصور پرچش مت کر میرے سامنے اسامہ آخری چٹاؤں تو نہیں ہے اس کے بجائے کسی اور پر

غور کیا جاسکتا ہے۔“

”چند سال بعد شادی نہیں کر سکتیں اس کی؟“ عمر نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”کر سکتی ہوں اگر.....“ ناؤ کچھ کہتے کہتے دنگ لگ گئیں۔

”اگر؟“ عمر نے چپک چپ پوچھا تھا۔

”کیا تم شادی کر دے اس سے؟“ وہ ان کے اس سوال پر ساکت رہ گیا تھا۔

چند لمبے وہ کچھ کہتے بغیر ناؤ کا چہرہ دیکھا دیا جو بہت پر سکون اور بخیرہ نظر آ رہی تھیں۔ اس نے اندازہ

لگانے کی کوشش کی کیا وہ فراق تھا یا..... مگر وہ کوئی اندازہ نہیں لگا پایا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر اس نے بجلی آواز

میں ناؤ سے کہا۔

”مجھ میں اور اسامہ میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”مگر گرتی! میں نے آپ کو جو کچھ اسامہ کے بارے میں بتایا ہے وہی سب آپ میرے بارے میں بھی بچ

مان لیں۔“

”عمر! میں تمہاری بات سمجھ نہیں رہی۔“

”میں بھی اسامہ سے بہتر نہیں ہوں جو برائیاں اس میں ہیں وہی سب مجھ میں بھی ہیں، میں بھی علیزہ کو

خوش نہیں رکھ سکتا۔“

”عمر! میں تمہاری بات سمجھ نہیں رہی۔“

”میں بھی اسامہ سے بہتر نہیں ہوں جو برائیاں اس میں ہیں، وہی مجھ میں بھی ہیں۔ میں بھی علیزہ کو خوش

نہیں رکھ سکتا۔“ اس کی جلدیگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

نہ تم علیزہ کو خوش رکھ سکتے ہو نہ اسامہ رکھ سکتا ہے۔ کسی تیسرے کا نام لوں گی تو تم اس میں بھی سہرا نیاں

منمواد گے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ علیزہ کی شادی سرے سے ہی نہ جائے۔“ ناؤ کا لہجہ طنز یہ تھا۔

”مگر جی میں.....“ عمر نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن ناؤ نے کچھ تیز اور خشک لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

”تم علیزہ کو خوش رکھ سکتے ہو لیکن تم اس سے شادی کرنا نہیں چاہتے۔“

”مگر گرتی! میں سرے سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔“

”کیوں نہیں کرنا چاہتے؟“

”بس نہیں کرنا چاہتا۔“

”کوئی وجہ تو ہوگی نا؟“ ناؤ اسے کرید رہی تھیں۔

”میں آزاد زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ کوئی ذمہ داری سر پر لینا نہیں چاہتا۔ ویسے بھی ہر چیز شادی کے

بغیر مل رہی ہو تو خود کو خواہ مخواہ زنجیروں میں کیوں بکڑا جائے۔“

ناؤ اس کے جواب سے زیادہ اس کے طعینان پر حیران ہوئی تھیں۔ ”تمہارا دماغ خراب ہے عمر؟“

”نہیں گرتی! میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے۔ میری زندگی کے سارے راستے بالکل صاف اور واضح ہیں اور

ان کے متعلق میرے دماغ میں کوئی ابہام (Ambiguity) نہیں ہے۔ میں نے اپنی ساری فطرتی کی زندگی سے یہ

سمجھا ہے کہ شادی نہیں کرنی چاہیے۔ زندگی گزارنے کیلئے شادی کوئی ضروری نہیں ہے۔ اس کے بغیر میں زیادہ اچھے

طرز پریتے رہ سکتا ہوں۔“

”جہاں تکیر کچا چلے گا تمہاری اس فطرتی کا تو وہ تمہاری عقل فکھانے لگا دے۔“

”میں نے یہ فطرتی ہی ہی کی زندگی کا جائزہ لے کر بتائی ہے۔“

اس نے ناؤ کی بات پر غور وہ دے بغیر لہجہ تھا۔ کچھ دیر ناؤ اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکیں۔

”میں تم سے علیزہ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔“ کچھ دیر بعد انہوں نے پھر اس سے کہا۔

”علیزہ بہت کم عمر ہے۔ وہ ابھی تک خود کو سمجھ نہیں گئی تو مجھے کیسے سمجھ سکے گی اور شادی کوئی ایک دو دن کا

ساتھ نہیں ہوتا۔ یہ ساری زندگی پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو سمجھے بغیر زندگی کیسے گزارنی چاہیگی ہے۔“

”چلو ٹھیک ہے۔ اب نہیں تو چار سال بعد تو وہ اس قابل ہو سکتی ہے کہ قبول تمہارے ایک اچھی بیوی کی

تمام خصوصیات اپنے اندر پیدا کر لے۔ کہہ کر وہ تم اس سے شادی؟“ ناؤ ابھی بھی اپنی بات پر مصر تھی۔

عمر پر سوچ انداز میں ان کا چہرہ دیکھا تو پھر اس نے کہا۔ ”اگر آپ ابھی اس کی شادی ملتوی کر دیتی ہیں تو

میں وعدہ کرتا ہوں چار پانچ سال بعد ضرور اس سے شادی کے بارے میں سوچوں گا۔“

”صرف سوچو گے؟“

”مگر گرتی! ہر چیز سوچنے سے ہی ہوتی ہے۔“

”مگر کوئی واضح یقین دہانی تو ہونی چاہیے۔“

”میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں سوچوں گا تو پھر آپ کو اعتبار ہونا چاہیے میری بات پر۔ ٹھیک ہے نا۔ اب آپ علیحدگی کی شادی کے بارے میں حکومت کیجیے گا۔“

”تاؤ کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں اور پھر اپنا چمک ان کے چہرے پر ایک مسکراہٹ لہرائی۔“

”تم نہیں کرتے ہونا اسے؟“

”وہ ان کی بات پر یک دم چمک گیا۔“ مگر بی علیحدگی کو کوئی بھی پابند نہیں کر سکتا۔“

”مگر تمہاری پسندیدگی کی نوعیت مختلف ہے۔“ وہ اپنی بات پر مصر نہیں۔“

”مگر بی! میں.....“ وہ اپنی بات مکمل نہیں کر سکا۔ علیحدگی کو کوئی پابندی ہونے سے ایک دم لاواغ میں داخل ہوئی۔

اس کی آواز کی غیر متوقع اور اچانک جھکی کو ناؤ بھی کچھ کڑوا لگیں۔ عرابت کرتے کرتے خاموش ہو گیا۔

علیحدگی کو کوئی کے ساتھ مومن پر بیٹھ کر خاموشی سے بی بی دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔ اس نے غور کرنے کی

کوشش نہیں کی مگر ان کی بات کہتے کہتے رک گیا تھا۔

عمر نے علیحدگی کی آمد کو غصہ سے جانا اور گری سے کسی کام کا بہانا کر کے اٹھ گیا۔ مگر بی نے علیحدگی کو دیکھتے

ہوئے اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کیا اس نے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کی تھی۔ مگر علیحدگی کا چہرہ ہے

تاؤ تھا۔ وہ کوئی اندازہ نہیں لے سکیں۔

☆☆☆

”پھر اب کیا ملے کیا ہے تم نے؟“ ناٹا اس دوپہر کو کھانے کی میز پر اس سے پوچھ رہے تھے۔

”نہیں مگر بیٹا پاپلے ہی مجھے یہاں بہانہ دے ہو گئی ہے۔ اب مجھ کو واپس جانا ہے۔“

”مگر عمر! ابھی تم واپس جا کر کروڑوں کے کیا چار پانچ ہاتھ کچھ تھرا مار ڈالت آئے گا۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ

جب تک یہیں رہو۔“

”رہنے میں کوئی ہرج نہیں ہے مگر پاپا کے ساتھ جی کے ہوا تھا کہ بچہ زینے کے بعد واپس آ جاؤں گا اور

اعتراف کی تیاری دوں کروں گا۔“

”مگر یہاں تم کو زیادہ آسانی ہوگی۔“

”آسانی کی تو خبر کوئی بات نہیں ہے، میرے لیے دونوں جگہ پر ایک ہی بات ہے مگر اب پاپا نے کہا تھا تو

ظاہر ہے کہ میرے لیے ضروری ہے کہ واپس چلا جاؤں۔“

ناٹا نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ ”جہاں گریہ سے خود بات کروں گی اس کو کیا اعتراض ہو

سکتا ہے، مگر تم بی افعال یہیں رہو۔“

نہیں مگر بی! مجھے خود بھی دہاں کچھ کام نہانے ہیں اس لئے مجھ کو جانا ہوگا۔“

اس نے ایک بار پھر انکار کرتے ہوئے کہا۔

”بھئی جہیں اتنا پر اہم بات کا ہے؟“

”پر اہم کوئی نہیں ہے گری بی! جس میں اب کچھ اگلا گیا ہوں ایک ہی جگہ رہ کر..... کچھ گھومنا پھرنا چاہتا ہوں۔“

”تو یہاں گھومو پھر دو۔“ تم نے پاکستان میں کچھ دیکھا ہی نہیں۔“

”یہاں گھومنے کیلئے کیا ہے گری؟“

”بہت کچھ ہے، مادرانہ اریزائی طرف جاؤ گے تو حیران رہ جاؤ گے۔“

”کیوں دہاں ایسا کیا ہے؟“

”تم جاؤ گے تو پاپے کا دہاں کیا ہے۔“

”مگر بی! پہلے تو آپ نے لاہور کی تحریروں کے انبار لگائے تھے۔ مگر لاہور میں ایسی کوئی بات نہیں

ہے۔ اب مادرانہ اریزائی کی تحریف کر رہی ہیں تو مجھے شک ہے کہ وہاں بھی کچھ نہیں ہوگا۔“

”تم ناالم جب جاؤ گے تو جھیں پاپے کا دہاں کچھ کر رہی یا جھوت، اس کے علاوہ جھیں دیکھنا، سوات

اور گلگت چلے جاؤ، تم دہاں بہت انجمائے کرو گے۔“ ناٹو نے پورا پلان سامنے رکھ دیا۔

”اچھا سوچوں گا۔“ اس نے دہانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”مگر بی! اکیلا میں کیسے جاؤں۔ آپ کو پتہ ہے میں اکیلا کچھ بھی انجمائے نہیں کر سکتا۔“

”اکیلا دہانے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنے دوستوں اور کزنز کو ساتھ لے جاؤ۔“ انہوں نے فوراً تجویز پیش کی۔

”دوست اور کزنز اساتذہ کرام کا ہیں کہ میرے ساتھ چل سکیں۔“

”میں راپڈ کیون کر دوں گی۔ وہ تو فوراً چل پڑے گا تمہارے ساتھ۔“ ناٹو نے اسے پوری طرح گھیر لیا۔

”اچھا میں پہلے پاپا سے بات کروں۔“ اس نے ایک بار پھر جان بھرتے کی کوشش کی۔

”میں نے کہا تھا میرے میں خود بات کروں گی۔“

”یعنی مگر بی! آپ مجھ کی طرح بھی یہاں سے نکلے نہیں دیں گی۔“ عمر نے کچھ بے جا گاری کہی۔

”جھیں چلے تو جانا ہی ہے پھر کیا ہے۔ اگر بکھرے یہاں ہمارے ساتھ کڑی رہو۔“

”آپ ابھی تک گھٹ نہیں آئیں مجھ سے؟“

”نہیں، اب کیں آؤں گی۔“ ناٹو نے کچھ ٹھٹکی سے کہا۔

”بہت خدشہ کئی پڑتی ہیں آپ کو میری اس لیے پوچھ رہا ہوں۔“

”نہیں! مجھے اچھا لگتا ہے۔ کم از کم کوئی مصروفیت تو ہے۔ مگر میں روٹی ہے تمہاری وجہ سے۔“

ناٹو نے چارے دیکھتے ہوئے کہا۔ مگر جتنے ان کے چہرے کو دیکھا رہا پھر اس کے چہرے پر ایک عجیب

سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے ذریعہ کچھ کہا۔

☆☆☆

”میلو پاپا! میں عمر ہوں۔“ کال ملنے پر اس نے کہا۔

”ہاں عمر! کیسے ہو؟“

ہوتا کہ میں دیر الگ ہوں؟“

انہوں نے ایک بار پھر بات کا موضوع بدل دیا۔

”دیکھیں بھی نہیں..... پھر ٹھیک ہے میں یہیں ٹھیک ہوں۔ گرچی چاہ رہی تھی کہ میں ناردرن امیریاں چلا جاؤں کچھ دنوں کیلئے تو پھر میں وہیں چلا جاتا ہوں۔“

اس نے خاصی بے دلی سے کہا۔

”ہاں یہ ٹھیک ہے تم نے پہلے یہ علاقے نہیں دیکھے۔ تم خاصا انجمائے کر دے وہاں۔“ انہوں نے فوراً اسے اجازت دے دی۔

”آپ کب تک پاکستان آرہے ہیں؟“

”ابھی کچھ فاصل نہیں ہے، کچھ دنوں بعد تمہیں دوبارہ فون کروں گا اور بتا دوں گا۔“ انہوں نے اسے بتایا۔

”کچھ اور پوچھتا جاؤ؟“

”نہیں۔“

”ٹھیک ہے پھر مل جائے۔“ انہوں نے ساتھ ہی بات ختم کر دی۔

”مل جائے۔“ مہر خاصا بد دل تھا اور بدلی کے ساتھ ساتھ وہ حیران تھا کہ پاپا اسے امریکہ کیوں آئے نہیں

دیتا چاہتے۔

☆☆☆

عمر نے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد قدموں کی چاپ ابھری اور دروازہ کھل گیا۔

علیہ اسے دروازے پر دیکھ کر کچھ حیران ہوئی۔

”اندرا آ جاؤ۔“ وہ دروازے سے ہٹ گئی۔

”بچہ زکے ہوئے تمہارے؟“ عمر نے اندر آتے ہی خاصی بے تکلفی سے پوچھا۔

”اچھے ہو گئے۔“

”مل جائے۔“ وہ اب اسے کراڑے کا جائزہ لے رہا تھا۔

”کرتی کہاں ہے۔“

”وہ باہر ہے۔“

”آج کل کیا کر رہی ہو؟“ وہ کمرے کے وسط میں کھڑا پوچھ رہا تھا۔

”کچھ بھی نہیں۔“

”میں بیٹھ جاؤں۔“ اب اس نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا۔

”ہاں بیٹھ جائیں۔“

”ٹھیک ہو۔“ وہ اطمینان سے ایک کرسی کی پیچیدگی کر بیٹھ گیا۔

”میں ٹھیک ہوں پاپا..... وہ مجھے دیکھ چکا تھا کہ آپ نے ابھی تک میری سیٹ تک نہیں کر دئی؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں، وہ بس کچھ مصروفیت تھی۔“ دوسری طرف جہانگیر معاذ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تو پھر کب سیٹ کب کروا رہے ہیں؟“

”اتنی جلدی کیا ہے وہاں آئے کی؟“

عمران کی بات پر حیران ہوا۔ ”پاپا آپ نے ہی کہا تھا کہ بچہ زکے فوراً بعد واپس آ جاؤں۔“

”ہاں مگر..... اب میں سوچ رہا ہوں کہ تم ابھی وہیں رہو۔“

”مگر کیوں پاپا!“

”وہاں رہ کر تم انٹرویو کی تیاری زیادہ بہتر طریقے سے کر سکو گے۔ تمہارے کزنز جنہیں اچھے طریقے سے گائیڈ کر دیں گے۔“

”نہیں پاپا! میں آپ کے پاس آ کر بھی ابھی تیاری کروں گا۔ یہ کوئی اشتباہ نہیں ہے۔“

”نہیں نہیں۔ پھر بھی جنہیں وہ رہ کر تیاری کرنی چاہیے۔“ انہوں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”پاپا! کیا گرچی نے آپ سے کوئی بات کی ہے؟“ اس نے کچھ بے چینی سے کہا۔

”کیسی بات؟“

”وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میں ابھی واپس نہ جاؤں کی مگر میں نے ان سے کہا کہ مجھے فوری طور پر واپس جانا ہے۔ پھر وہ کہنے لگیں کہ میں خود آپ سے بات کروں گی۔“

”نہیں۔ انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی مگر ٹھیک ہے اگر وہ اصرار کر رہی ہیں تو پھر تم وہیں رہو۔“

”مگر پاپا! مجھے بہت سے کام ہیں امریکہ میں۔“

”کام بھی ہو جائیں گے۔ فی الحال تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تم وہیں رہو۔“

”میں یورہو گیا ہوں یہاں۔ امریکہ آؤں گا تو کچھ کام لوں گا۔ رہیں گے وہاں۔“ اس نے اصرار کیا۔

”بہر ہونے کی بات ہے تو میں تمہیں کسی دوسرے ملک کا ویزا الگوا دیتا ہوں تم کچھ دن وہاں سیر کرو۔ اسٹین

پلے جاؤ یا پھر یونان۔ یا جہاں بھی تم چاہو۔“

جہانگیر معاذ نے فوراً انٹیش کی۔ عمر ابھن کا ٹھٹھکا ہوا تھا۔ آخر وہ اسے امریکہ آنے سے کیوں روک رہے تھے۔

”پھر بھی پاپا.....“

”معرضت کرو۔ جیسا میں کہہ رہا ہوں وہی کرو۔ میں خود بھی سوچ رہا ہوں کہ کچھ عرصے تک پاکستان کا

ایک چکر لگا جاؤں۔“ انہوں نے اسے مزید کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

”پاپا! کچھ دن کیلئے ہی آئے دیں۔“

”جب میں پاکستان آؤں گا تو واپس ہی پرانا جاتم میرے ساتھ مگر ابھی نہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ کہاں جانا چاہتے

گاہے بتاؤ تمہارے لیے وہاں سے کیا لاؤں؟

وہ اب اٹھ کر کھڑا ہوا۔

علیہ اس کی بات پر چمکی۔ ”میرے لیے“

”ہاں بھئی تمہارے لیے..... بتاؤ کیا لاؤں؟“

”پتا نہیں۔“

”اب یہ بھی نہیں پتا۔“ علیہ اس بار بھی خاموش رہی۔

”آپ نے تو شاید کچھ دن تک..... میرا مطلب ہے، واپس چلے جانا تھا۔“ علیہ نے کچھ اکتے ہوئے

اس سے پوچھا۔

وہ اس کی بات پر کچھ چمکا۔ ”اودا یہاں تو میرے جانے کا انتظار ہو رہا ہے۔“ عمر نے کچھ نفوس بھرنے

اعزاز میں کیا۔

علیہ کچھ شرمندہ ہو گئی۔

”ہاں جانا تو تھا لیکن بس پاپا ابھی بلوانے پر تیار نہیں ہیں اور گرینی جیسے پر۔ اس لیے آپ کو کچھ اور مرمر

مجھے برداشت کرنا پڑے گا علیہ۔“

علیہ کو کچھ دایاں ہوئی۔ اب تو اس کے بچے بھی ہو چکے ہیں بھرا بے کیوں نہیں جا رہا؟ اس نے کچھ بے

دلی سے سوچا۔

عمر بڑے غور سے اس کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلنے

والی دایاں اس کی تیز نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔

”تم جانتی ہو، میں چلا جاؤں؟“ اس نے علیہ سے پوچھا۔

”میں نے یہ کب کہا؟“

”تم نے کہا نہیں لیکن.....“

”آپ نے خودی کہا تھا کہ آپ بچہ ز کے بعد واپس چلے جائیں گے۔ اس لیے میں نے پوچھا۔“ اس

نے عمر کی بات کاٹنے ہوئے کہا۔ وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ در خاموش رہا۔

”اب یہاں سے جاتا کیوں نہیں؟“ وہ اسے کہنے میں اس کی مستقل موجودگی سے تنگ آ گئی تھی۔

”بھوکھن دیر سے کسی گھر مجھے یہاں سے چلے جانا ہے میں یہاں ہمیشہ رہنے کیلئے نہیں آیا مگر یہاں سے

جانے کے بعد میں تمہیں مس کروں گا۔“

وہ یک دم بخود نظر آئے گا۔ علیہ نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔

”تم مس کر دو گی مجھے؟“ اس نے یک دم علیہ سے پوچھا۔ وہ اس کے غیر متوقع سوال پر بس اسے صرف

دیکھ کر رو گئی۔

”میرے ساتھ سوات چلو گی؟“

”کیا؟“ وہ اس غیر متوقع سوال پر حیران رہ گئی۔

”ہاں بھئی! اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے۔ میں نے پوچھا ہے کہ میرے ساتھ سوات چلو

گی؟“ وہ اس کی حیرانی پر حیران ہوا۔

”آپ سوات جا رہے ہیں؟“

”ہاں گرینی کی فرمائش بلکہ خند پر..... تو پھر چلو گی؟“

”نہیں۔“

”کیوں؟“

”بس ایسے ہی۔“

”یہ بس ایسے ہی کا ہوتا ہے۔ اگر نہیں جانا تو کوئی وجہ بتاؤ۔“

”مجھے دیکھیں نہیں ہے۔“

”کم آن علیہ! کھوتے بھرنے سے بھی دیکھیں نہیں ہے؟“

”نہیں۔“

”کیوں؟“ ایک بار پھر پوچھا گیا، ایک بار پھر کہا گیا۔

”بس ایسے ہی۔“

”مگر میں تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔“ اس نے اصرار کیا۔

”کیوں؟“

”کیونکہ تم آج کل فارغ ہو۔“

”نہیں۔ میں فارغ نہیں ہوں۔ مجھے بہت سے کام ہیں۔“

”کام ہوتے رہیں گے۔ تم پہلے کی تیاری کرو۔“

”تاؤ نہیں جانے دیں گی۔“ اس بار اس نے ناؤ کا سہارا لیا۔

”کیوں؟“

”اکیلے کیسے آپ کے ساتھ جانے دیں؟“

وہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھا رہا۔ ”میں اکیلا تو نہیں جا رہا، ولید میرے ساتھ جا رہا ہے۔ کچھ طور دوست بھی ہیں۔“

”پھر تاؤ بھی جی جانے نہیں دیں گی۔“

”کیوں؟“

”یہ ابھی بات نہیں ہے، اس طرح آپ لوگوں کے ساتھ جانا۔“

”سو اتنا! اس نے خاصی لاپرواہی سے کہا۔“ غیر ٹھیک ہے۔ تم نہیں جانا چاہتی تو میں مجبور نہیں کروں

”میں شکر کروں گی کہ تم یہاں سے چلے گئے۔“ اس نے دل میں سوچا اور جواب میں کہا۔ ”ہاں نہیں۔“
 ”مگر مجھے پتا ہے۔ تم شکر کرو گی کہ میں یہاں سے چلا گیا۔“ ایک لمبے کیلے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔
 ”کیا یہ فیض خلیا جتنی جانتا ہے؟“ اس نے قہر سے اس کے ساتھ اسے دیکھا جواب مسکرا رہا تھا۔
 ”نہیں، مجھے خلیا جتنی نہیں آتی۔ میں بس چروں کو بڑھ لیتا ہوں۔“
 وہ ایک بار پھر حیران ہوئی۔ عمر جیسے اس کی ہر سوچ سے آگاہ تھا۔
 ”وہیے علیزہ تمہیں کیا سب کززا اتنے ہی برے لگتے ہیں؟“
 ”کیا مطلب؟“ وہ اس کی بات پر الجھ گئی۔
 ”مطلب.....“ وہ خود بھی اسے سوال پر غور کرنے لگا۔
 ”مطلب یہ کہ کیا اسامہ بھی اتنا ہی برا لگتا ہے جتنا میں؟“
 ”مجھے آپ بھی برے نہیں لگتے۔“

”مگر اسامہ زیادہ اچھا لگتا ہوگا۔“ وہ پتا نہیں کیا جانتا چاہتا تھا۔
 ”ہاں نہیں، میں نے غور نہیں کیا۔ وہ بھی یہاں بہت کم آتے ہیں۔“ اس نے کچھ سوچ کر کہا۔
 ”مگر آتا جاتا رہتا ہے؟“

”آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ وہ پہلی بار چرکی۔
 ”بس دیکھنے کی گرنی بات کر رہی تھیں اس کے بارے میں اس لیے پوچھ رہا ہوں۔“
 ”جب یہاں اکیڈمی میں ٹریننگ حاصل کرتے تھے تو اکثر آیا کرتے تھے۔“
 ”تمہیں لگتا کیسا ہے وہ؟“
 ”ٹھیک ہیں۔“

”بس ٹھیک ہیں؟“ وہ اب اسے کرید رہا تھا۔
 ”آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟“ وہ اب اس کے سوالوں سے بے چین ہو رہی تھی۔
 ”میں..... کچھ خاص نہیں..... ایسے ہی پوچھ رہا تھا کہ وہ اتنا سمارٹ بندہ ہے۔ میری طرح تم اسے ناپسند نہیں کرتی ہوگی۔“

وہ یک دم بات کا موضوع بدل گیا۔ علیزہ اب اس کی تنگدستی سے بری طرح حیران ہو چکی تھی۔
 ”اسامہ بہت اچھا دوست ہے میرا۔“ وہ اسی طرح کرنے کے وسط میں کھڑا ہوا تھا۔ وہ دلچسپی لیے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

”تم دونوں ایک ہی پونڈرشی میں پڑتے رہے ہیں کیلی فورنیا پونڈرشی میں۔ پھر اسکا لارپ پر آکسفورڈ چلا گیا۔“

اس کا دل چاہا وہ اس سے پوچھنے کہ وہ اسے یہ سب کچھ کیوں بتا رہا ہے مگر وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

”مگر جی کہہ رہی تھیں، تمہاری بڑی اچھی دوستی تھی اسامہ کے ساتھ؟“ عمر نے دانستہ جھوٹ بولا۔
 ”کیا! میری دوستی۔“ وہ حیران رہ گئی۔

”کیوں کیا تمہاری دوستی نہیں ہے؟“

”نہیں، وہ مجھ سے بہت بڑے ہیں۔ نا تو کہتی تھیں میں انہیں بھائی کہا کروں۔ وہ بہت سنجیدہ رہتے تھے۔“
 وہ ناؤ کے جھوٹ پر حیران ہو رہی تھی۔ عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔

”اچھا! ہو سکتا ہے کہ جی کو ہی غلط فہمی ہوگئی ہو۔“ اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں اب چلا ہوں۔“ اس کے اگلے جیلے پر علیزہ نے اللہ کا شکر یہ ادا کیا۔

دروازہ کھولتے ہوئے اس نے ایک بار پلٹ کر علیزہ کو دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر وہ پھر وہاں پر کھل گیا۔



وہ صاف گونئی کا ہوا گھلا پھلا ریکا رڈ توڑنے پر جی ہوئی تھی۔

”وہ میرا دوست ہے۔“

”تمہیں! معاملہ دوستی کی حدود سے کافی آگے بڑھ چکا ہے۔“

”شہلا! میں۔۔۔۔۔“

شہلا نے کچھ عرصے کے لیے بات کاٹ دی۔ ”تم ڈرتی کیوں ہو، یہ مان لینے سے تم اس سے محبت

کرتی ہو۔“

”ایسا نہیں ہے۔“

”آپ ایسا ہے بلکہ سو فیصد ایسا ہے۔“

”اچھا ٹھیک ہے پھر اس سے کیا ہوتا ہے؟“

”بہت کچھ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ طویل وہی لی! آپ کا راز ہم سے ہے کہ آپ کی بڑی طرح آنکھیں بند کر کے یہ کچھ لیتی ہیں کہ ساری دنیا ایسی طرح آنکھیں بند کیے بیٹھی ہے۔ آپ کو اس سے محبت ہے تو آپ جا کر اس سے کہیں کہ آپ اس سے محبت فرما رہی ہیں۔ وہ بھی خاموش محبت۔“

”اس سے کیا ہوگا؟“

”اس سے یہ ہوگا کہ یا تو عمر صاحب بھی آپ سے اپنی محبت کا اقرار کر لیں گے یا پھر یہ ہوگا جس کا زیادہ امکان ہے کہ وہ آپ کا داغ درست کر دیں گے۔ کم از کم پھر آپ اس محبت سے پکڑے تو کل آئیں گی۔“

طیلو نے کچھ زنجیر کی سے اسے دیکھا۔ ”مجھے اس سے کچھ بھی نہیں چاہیے۔“

”کیا مطلب! تم نہیں چاہتیں کہ وہ تم سے اپنی محبت کا اظہار کرے اور شادی کرے؟“ شہلا نے کچھ حیران ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔

”نہیں۔“

”تو پھر۔“

”میں بس یہ چاہتی ہوں کہ وہ ٹھیک رہے، پریشان نہ ہو، بس وہ خوش رہے۔“

”چاہے اس کی زندگی میں کوئی طیلو سکندر نہ ہو۔“

”چاہے اس کی زندگی میں، میں نہ ہوں۔“

”میں تمہیں کچھ نہیں پاتی۔ تم آخر چاہتی ہو کہ مجھے جو چیز اچھی لگے میں چاہتی ہوں وہ مجھے مل جائے۔“

پھر سے Possession میں ہو اور تم۔۔۔۔۔ تم عمر سے محبت کرتی ہو تو اس کا اقرار نہیں کرتیں۔ اقرار کرتی ہو تو اسے

حاصل کرنا نہیں چاہتیں اور میں سوچتی ہوں کہ اگر تم اس کو حاصل کر لو گی تو پھر تم اسے پاس رکھنا نہیں چاہو گی، ہے نا؟“

شہلا کا لہجہ مذاق اڑانے والا تھا۔

”کسی چیز کو صرف میری محبت میرے پاس نہیں لاسکتی۔ میں اپنے جیڑس سے بھی بہت محبت کرتی ہوں۔“

باب ۱۷

”موڈ ٹھیک ہو گیا تمہارے کزن کا؟“ شہلا نے ساتھ چلتے چلتے اچانک طیلو سے پوچھا۔

”ہاں۔“ وہ ہلکے سے مسکرائی۔

”چلو شکر ہے کم از کم تمہارے چہرے پر بارہ بجے والی مستقل کیفیت سے تو چمکا رہا ملا۔“ طیلو اس کی بات پر کچھ جھنجھکی۔

”کیا مطلب؟“

”کچھ نہیں یارا میں تو بس یہ کہہ رہی ہوں کہ اب پہلی کی طرح تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کو مل جایا کرے گی جو کئی دن سے غائب تھی۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”ایسی ہی بات ہے۔ عمر کا موڈ صحیح، تمہارا موڈ صحیح۔ عمر کا موڈ خراب تمہارا موڈ خراب۔“

”تم غلط کہہ رہی ہو شہلا۔“ اس نے جیسے احتجاج کیا تھا۔

”کاش کہ یہ بات واقعی غلط ہوئی مگر ایسا نہیں ہے طیلو سکندر! آپ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔“ اس نے

چونچ بیک میں سے کیونٹا نکال کر ساتھ چلتے ہوئے چھینا شروع کر دیا۔

”میں اس کی وجہ سے پریشان تھی مگر۔۔۔۔۔“

شہلا نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”جہیں میرے سامنے کوئی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”I know you inside out“

اس نے قاش نہ منہ ڈالنے ہوئے کہا۔ طیلو کچھ دیر خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی پھر اس نے کچھ

دھم آواز میں کہا۔

”میری اس کے ساتھ بہت اچھی اعذار سینڈیج ہے۔“

”صرف اعذار سینڈیج ہو گئے سے کوئی کی ٹیلے اس طرح پریشان نہیں ہوتا۔“

میری محبت انہیں اکٹھا نہیں رکھ سکی نہ انہیں میرے پاس رکھ سکی ہے۔ عمر سے محبت کروں گی تو کیا ہوگا۔ کیا وہ میرا ہو جائے گا؟

”تو پھر یہ سب کیا ہے؟“

”کچھ بھی نہیں۔ بس میں اس کی پردا کرتی ہوں اور اسے پہنچنے والی ہر تکلیف مجھے زیادہ اذیت دیتی ہے۔ اس لیے میں چاہتی ہوں اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔“

”ہو سکتا ہے عمر..... عمر بھی تم سے محبت کرتا ہو۔ وہ بھی تو تمہاری پردا کرتا ہے۔“ شہلا نے بہت نرمی سے اس سے کہا۔

”ہر جذبہ محبت نہیں ہوتا۔“

”مگر بہت سے جذبے بالآخر محبت پر ہی ختم ہوتے ہیں۔“

”نہیں! وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ وہ مجھ سے بھردی کرتا ہے۔“

”کم آن علیہ.....“

”ہاں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں شہلا! وہ مجھ سے صرف بھردی کرتا ہے جس سے بھردی ہو اس سے محبت نہیں ہوتی۔“

شہلا اس کی بات پر کچھ جڑ گئی۔ ”کیا مطلب ہے آپ کا علیزہ بی بی۔ وہ قاضی ایر کا عثمان محمود جو ہر تیسرے دن دانت دکاتا ہوا آجاتا ہے۔ مس علیزہ! آپ کو کوئی ٹولس وغیرہ تو نہیں چاہئیں۔ یا بھروسہ فائن آرٹس ڈیپارٹمنٹ کا قلم جیجہ جو اپنا ہر اسٹاک پکڑے آپ کے پاس اصلاح کیلئے موجود ہوتا ہے یہ جاننے کے باوجود کہ آپ اس کے ڈیپارٹمنٹ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہیں میرا خیال ہے بھردی تم سے بھال دیکر کرتا ہے جو ہر بار تمہیں دیکھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ مس علیزہ! آپ بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ کچھ کمایا پتھر کریں بلکہ آئین میں آپ کو چائے پلٹا ہوں۔ اتنے بھردی کرنے والے میرے پاس ہوتے تو میں اب تک کسی انکیشن میں حصہ لے چکی ہوتی۔“

وہ اب علیزہ کو ہنسانے کی کوشش کر رہی تھی، مگر علیزہ کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں ابھری۔

”ہر بات مذاق نہیں ہوتی، شہلا!“

”مگر کچھ باتیں مذاق ہوتی ہیں اور جس بات پر ہنسی آئے اس پر ہنس لینا چاہیے جیسے تمہارے اس فارمولے پر کہ عمر تم سے بھردی کرتا ہے۔“

”یہ فارمولہ نہیں ہے حقیقت ہے۔“

”تم زندگی کو اور دوسرے لوگوں کو جس زاویے سے دیکھنے کی کوشش کرتی ہو وہ زاویہ اب بدل دو۔“ شہلا بیک دم سنجیدہ ہو گئی۔ ”تم میں اتنی خوبیاں ہیں علیزہ کہ ان پر کتاب لکھی جاسکتی ہے مگر تم خود اپنی اہمیت کو ماننے پر تیار نہیں۔“

”شہلا! تم میری باتیں نہیں کر رہی تھیں۔ ہم کسی اور موضوع پر بات کر رہے تھے۔“

”اے بارے میں بات کرنے سے کیوں ڈرتی ہو؟“

”میں ڈرتی نہیں ہوں بس میں.....“

”علیظہ! اتہارے لیے جو چند چیزیں اہم ہیں ان میں سے ایک عمر جیجہ میری ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ تم لا کھ کیو کہ تم اسے پاپا نہیں چاہتیں مگر تمہیں اس کی خواہش ہے۔“

”مجھے خواہش نہیں ہے۔“

”تو پھر ہر وقت عمر کی باتیں کیوں کرتی رہتی ہو۔ اس فائل کو کھولو اور دیکھو کہاں کہاں تم نے ایک ہی چہرہ اکٹھا کیا ہوا ہے۔ کتنی بار اس کا نام لکھا ہوا ہے اور تم کتنی ہو، جو ہمیں اس کی خواہش نہیں ہے۔ کس کو فریب دینا چاہتی ہوں، مجھے؟ اپنے آپ کو؟ یا ساری دنیا کو؟“

”میں سمجھی اس سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ مجھے اس سے.....“ اس نے اپنا جملہ اوصاف چھوڑ دیا۔

”کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔“ شہلا نے اس کی بات مکمل کی۔ ”آخر کیوں؟“

”مجھے خوف آتا ہے۔“

”کس بات سے؟“

”اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ اسے مجھ سے محبت نہیں ہے تو میں..... میں سمجھی دوبارہ اس کے سامنے نہیں جاسکوں گی۔“ اس کے لہجے میں اتنی بے بسی تھی کہ شہلا کو اس پر زس آ گیا۔

”آؤ کلاس میں چلیں، میرے بیٹے شروع ہونے والا ہے۔“

بات کا موضوع یک دم بدلے ہوئے وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے چل پڑی۔ کچھ دیر اور وہاں کھڑی رہتی تو علیزہ کی آنکھوں میں لائٹ ہو جاتی مگر بس شروع ہو جاتی۔ وہ اسے بہت اچھی طرح جانتی تھی۔



”بہت اچانک تو نہیں مگر بہر حال آگیا ہوں۔“

مہر نے جواب دیتے ہوئے علیزہ کو دیکھا جو آستین سے آنکھیں پونچھتے ہوئے کارڈ اٹھا رہی تھی۔

”مگر تمہیں تو ابھی کچھ دن اور رہنا تھا سوات میں؟“ ناوہ بھی مطمئن نہیں تھیں۔

”ہاں رہتا تو تھا مگر بس اچانک ہی سوڈ بدل گیا۔“

”آپ علیزہ کو کیوں ڈانٹ رہی ہیں؟“ وہ اپنا سامان رکھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

”آئے سے پہلے اطلاع دے دیتے تو میں ڈرائیور کو ایئر پورٹ بھجوا دیتی۔“ ناوہ نے اس کی بات کا جواب دیتے کے بجائے حریف ٹھکڑ کیا تھا۔

”مگر میں تو باقی روز آیا ہوں کو سٹر پر۔“

”کیا اکو سٹر پر؟ خواہ خواہ کی ہے دوتی۔۔۔۔۔“ ناوہ بڑبڑائی تھیں۔

”گرہنی اسے بے دوتی نہیں ایڈجسٹ کر سکتے ہیں۔“ اس کا اطمینان بڑھتا رہا۔

”میں اب کب کبج سلامت پہنچے گی تو اس لیے اسے ایڈجسٹ کر رہے ہوں۔“

”گرہنی! جین کے ذریعے بھی کبج سلامت پہنچنے کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی۔ میں تو اسے بھی ایڈجسٹ کر رہی ہوں مگر آپ مجھے یہ بتائیں کہ علیزہ کو کیوں ڈانٹ رہی ہیں؟“ اس نے کن انکھوں سے سر جھکائے بیٹھی علیزہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”فرسٹ ٹرم کا رزلٹ آگیا ہے اس کا اور بری طرح ٹل ہے۔“

ناوہ کے چہرے پر ایک بار بھر فکری جھلکے گی۔ مہر نے علیزہ کی گردن کو جریہ جھٹکتے ہوئے دیکھا۔ بھراہی اطمینان کے ساتھ وہ دوبارہ گرہنی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”بس اتنی ہی بات ہے۔ میں سمجھا ہوں کہ کیا قیامت آگئی ہے۔۔۔۔۔ دے کرہنی اہل تو بس ہوتا ہے اگر

دو بری طرح سے ٹل ہے تو کیا کوئی اچھی طرح سے ٹل بھی نہیں ہوتا ہے؟“

”فضول باتیں مت کر مگر تمہیں پتا ہے یہ دیکھکس ٹل میں ہے۔“

علیزہ کا دل چاہتا نہیں پچھے اور وہ اس میں سنا جاتا ہے۔

Really? I don't believe it. (جی! مجھے یقین نہیں آتا) مہر نے جیوٹی کی بھرپور اداس کاری۔

کرتے ہوئے علیزہ کو دیکھا۔

”اس میں یقین نہ آنے والی کون سی بات ہے۔ کارڈ دیکھ لو اس کا۔“

ناوہ اس کی بات کو ٹھیک طرح نہیں سمجھتی تھی مگر مہر کی اگلی حرکت نے انہیں چند سیکنڈ میں سب کچھ سمجھا

دیا۔ مہر نے صوفے پر بیٹھ بیٹھے کچھ آگے کی طرف جھٹکتے ہوئے علیزہ کے دائیں ہاتھ کو تھما اور اسی روانی کے ساتھ

ساتھ ملانے کے بعد اس کی پشت چھتاہٹے ہوئے کہا۔ Congrats Cousin (مہارک ہو کن) تم نے تو

جبران کروا دیا ہے۔ دو کام کیا ہے جو اس جھلی میں پہلے کوئی مرد بھی نہیں کر سکا۔ Keep it up۔

باب ۱۸

”تم نے رزلٹ دیکھا ہے اپنا؟“ مہر نے ناوہ کو بلانے کا اڑ میں کیے تھے۔ ان کی آواز میں بے تحاشا فضا تھا۔ وہ لاؤنچ کے دروازے میں ہی رک گیا۔ اندر جانے سے پہلے اس نے موصول کچھ کی گوش کشی کی۔ اپنا بیگ اس نے اتار کر رکھ دیا۔

”اس طرح اسے لیوٹرکس کلینر کر دی، دیکھکس۔۔۔۔۔ میں ٹل ہو چھوٹوں میں کیا کرتی رہی ہوں؟“

ناوہ واقعی بہت غصے میں تھیں جبکہ علیزہ صوفے کے ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی۔

”میں آکھہ نہ زیادہ محنت کروں گی۔“

”کون سی محنت! یہ والی محنت جو تم نے اس بار کی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کچھ ذکر کرتے ہوئے تمہارا

دھیان کہاں ہوتا ہے۔ تمہارے نا پر کارڈ دیکھیں گے تو جانتی ہو، کتنے نامش ہوں گے۔“

”ناوہ! میں نے بہت محنت کی تھی مگر پتا نہیں بھڑکھی۔۔۔۔۔ اس نے کچھ دل برداشتہ ہو کر کہا۔

”مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرو۔ تم نے محنت کی ہوئی تو اس کارڈ میں نظر آ رہی ہوئی۔ مگر تمہیں

اسٹڈیز میں دلچسپی ہی کہاں ہے۔ سارا دن تم کسٹی کو اٹھانے بھرتی رہتی ہو۔ اس سے قاریج ہوئی ہو تو ڈرائنگ اور

پینٹنگ میں وقت برباد کر رہی ہو۔“

”ناوہ! میں نے ہمیشہ اچھے مارکس لیے ہیں، صرف اس بار۔۔۔۔۔“ وہ اب روپاسی ہو گئی۔

”اس بار کیا ہوا ہے؟ کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ تمہارا کارڈ اس قابل ہے کہ کسی کو دکھایا جائے۔ جو

بھی دیکھے گا کچھ غصہ یا تم پر فوج نہیں دیتی ورنہ تم اس طرح کا رزلٹ تو کبھی نہ دکھائیں۔“ انہوں نے غصے میں

ہاتھ میں پکڑا اور علیزہ کی طرف اچھان دیا۔ کارڈ اس سے گرا ہوا تاشین پر جا کر۔

مہر نے اس سے زیادہ درد بان کھڑا رہا ہے کہ کار کھاتا تھا۔

”ہیلو گرہنی!“ وہ بڑے خوشگوار انداز میں کہتا ہوا لاؤنچ میں داخل ہوا۔

”مہرا تم اتنا اچانک آگے آگے ہو؟“ ناوہ نے کچھ حیران ہوتے ہوئے اس سے پوچھا۔

علیہ نے کچھ بدعاس ہو کر اس کے چہرے کو دیکھا مگر وہاں پر تنجید کی کے ساتھ خراجِ حسین کے جذبات اور اثرات نمایاں تھے۔ ناولیک دم مشتعل ہو گئیں۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ خراجِ ازار ہے ہوتا میرا؟“

”بالکل بھی نہیں کر رہی! میں تو صرف داد دے رہا ہوں۔“

”فل ہونے والے کو داد دی جاتی ہے۔“

”نہیں خالی دادیں دی جاتی، حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے۔“ اس نے بڑے اطمینان سے وضاحت کی۔

”فل ہونے والے کو داد دیتے ہیں اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں؟“ نانو کا پارہ پانی ہوتا جا رہا تھا۔

”داد اور حوصلہ افزائی صرف ایسے کام پر دی جاتی ہے جو اس سے پہلے نہ کیا گیا ہو جیسے ہماری فیملی میں علیہ والا کام پہلے بھی کسی نے نہیں کیا۔“ اس کا اطمینان اب بھی برقرار تھا۔

”داد اور حوصلہ افزائی ہر ”بھٹے“ کام پر دی جاتی ہے۔“ نانو نے اس بار اپنی اپنے چٹا چٹا کر کہا۔

”آپ ثابت کریں کر رہی! کر لیں! وہ ایک بار کام ہے۔“ وہ یک دم جیسے بھٹ کے موز میں آ گیا۔

”تم فضول بکواس مت کرو مگر!“

”میں اس بکواس والی بات ہی نہیں ہے۔ آپ تاہم آج تک بھی کسی کو ایگرام میں فل ہونے کی وجہ

سے عرقید یا چٹائی ہوئی یا دوزخ میں بھیجے جانے والوں میں تکتے لوگ صرف امتحان میں فل ہونے کی وجہ سے وہاں

جانیں گے۔ ایک بھی نہیں تو پھر یہ کام تو نہیں ہے۔“

”رات کو تمہارے دادا آئیں گے۔ علیہ کا رزلٹ دیکھیں گے اس کے بعد تم اپنی یہ فخر پران کے سامنے

بھی کرنا پھر دو جنہیں تاہم گے کہ فل ہونے سے کتنی نیکیاں ملتی ہیں۔“ نانو کے اشتعال میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

”کوئی بات نہیں کر رہی! مگر بڑا کام ہے جس بات ہو جائے گی۔ آپ مجھے یہ بتائیں، کچھ پانی دانی پلانے کا

ارادہ ہے یا میں واپس سوات چلا جاؤ؟“

عمر نے ایک بار مگر بھارت سے بات کا موضوع بدلے ہوئے کہا۔ نانو کچھ دیر کچھ کے بغیر اے گھورتی

رہیں اس کے بعد انہوں نے خاسا میں کو آواز دی۔

”نانو! میں جاؤں؟“ عمر نے علیہ کی مناسبت نہ تھی نانو نے پوری طرح نظر انداز کر دیا۔

”نانو! میں جاؤں؟“

اس نے ایک بار مگر کہا۔ اس سے پہلے کہ نانو اس بار بھی پہلے کی طرح اس کے سوال کو نظر انداز کر دے

نے مداخلت کی۔

”مگر یہی علیہ کچھ پوچھ رہی ہے آپ سے؟“ اس نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا۔

”میری طرف سے جہنم میں جانے۔“ نانو نے خامی رکھائی اور سر دھری سے کہا۔ علیہ ایک جھکے سے انھی

اور تقریباً چھائی ہوئی لاؤنج سے نکل گئی۔

”آپ بعض دفعہ بہت سچ ہو جاتی ہیں کر رہی! خاص طور پر علیہ کے ساتھ۔“ اس کے جاتے ہی عمر نے تنجید کی سے کر رہی ہے۔

”ہاں ہو جاتی ہوں۔۔۔۔۔ اس لیے کیونکہ وہ کبھی بھی میری توہمت پر پورا نہیں اترتی ہمیشہ مجھے لیٹ ڈاؤن

کرتی ہے۔ ایک اسٹڈیز میں مجھے تھوڑا اطمینان تھا تو اس بار وہ فتح ہو گیا۔“ نانو نے اسی سر دھری کے ساتھ کہا۔

”وہ اسٹڈیز میں دیک ہے؟“ عمر نے ان سے پوچھا۔

”نہیں۔ کبھی بھی نہیں۔ یہ پہلی بار ہوا ہے۔ اس لیے تو مجھے اتنا شاک لگا ہے۔“

”آپ نے اس سے پوچھنے کا کیوشن کی کتنی بار پر فائز کیوں نہیں اس کی؟“

”اس کے پاس ہر سوال کا ایک ہی جواب ہوتا ہے، میں پریشان ہو گئی اس لیے۔ اب بندہ پوچھے کہ ایسی

کون سی پریشانیاں لاتی ہو گئی ہیں اسے اس عمر میں کہ وہ ایگرام میں ایسے مارکس سے پاس نہیں کر سکتی۔“

”مگر یہی اوروہ مضرب تو تھی، یہ تو بات جانتی ہیں شاید اب وہ ہے۔۔۔۔۔“ عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔

”کم از کم اسٹڈیز کے سلسلے میں، میں اس طرح کا کوئی ایکسپریز سنسن نہیں جانتی۔ وہ مضرب ہو یا نہ ہو،

ایگرام میں اسے اٹھنے کی گری لینے ہوں گے۔“

”آپ کو اسے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

”میں اسے بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ مگر تم نہیں سمجھتے۔۔۔۔۔ بچپن سے میرے پاس رہی ہے وہ۔ میری

فمرداری سمجھتے ہیں سب اسے۔ کیا کہیں گے سب کہ میں اسے چڑھائیں گی۔ لی! انک ڈی تو نہیں کر رہی وہ۔ اے لیڈر

کر رہی ہے۔ کیا اے لیڈر بھی نہیں کر سکتی؟ میں ایک جواب دوں گی اس کے مان باپ کو تم جانتے نہیں ہوا میں پوچھو

کو۔ غیظ تو میری جان کھا جائے گی۔ اس دن وہی تقریریں کر رہے تھے تم کہ اس کی شادی ابھی نہ کروں اسے چڑھنے

دوں۔ کیسے آگے چڑھ سکتی ہے وہ جب اس نے۔۔۔۔۔“

عمر نے تنجید کی سے ان کی بات سننے سننے بات کاٹی۔

”اس بار اگر اس کی پر فائز خراب رہی ہے تو ضروری نہیں اگلی بار بھی ایسا ہی ہو۔ صرف ایک بار خراب

رزلٹ پر اس طرح تو نہیں کرنا چاہیے۔“

”میں تو جس طرح ری ایکٹ کر رہی ہوں، کر رہی ہوں مگر تمہارے دادا کو پتا چلا تو وہ اس سے زیادہ بری

طرح ری ایکٹ کریں گے۔“

”اس سے کیا ہو گا؟ اس طرح اس کے گریڈ بہتر ہو جائیں گے؟“ نانو اس کے سوال پر خاموش رہی جسے۔

”کبھی آپ اس کی شادی کے پلان بنا رہی ہوتی ہیں کبھی اسٹڈیز میں لا پورائی پر رہتے پر اپنا بی بی ہائی کر لیتے ہیں۔ اس

کو کسی کی زندگی اپنی مرضی سے کیوں توڑنے نہیں دیتیں؟“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ نانو کے ماتھے پر ہل چڑھ گئے۔

”میرا مطلب بالکل صاف ہے۔ اس پر اپنی مرضی مت نہیں، ہر بات میں مداخلت نہ کریں۔“

مطابق برتی ہے..... مگر کتنی دیر تک..... ایک آنک لگی آتی ہے جب سب کچھ Stagnant ہو جاتا ہے۔ پھر اپنے اور گرد و کی دنیا کتنی بڑی گہتی ہے۔ آپ اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتیں۔ پھر نہ اپنی سمجھ آتی ہے نہ دوسروں کی۔ اس وقت دل چاہتا ہے ہر چیز چھوڑ دی جائے چاہے وہ خوشی رکھتے ہی کیوں نہ ہوں۔

ہماری فیملی میں پچھلے کئی سالوں سے یہی سب کچھ تو ہو رہا ہے۔ ہم سب لوگ ایک ایسی ریس میں دوڑ رہے ہیں جہاں کوئی ٹھنک لائن نہیں ہے۔ یہ ریس بس حب ختم ہوتی ہے جب آپ گر جاتے ہیں اور گرنے کے بعد دوبارہ اٹھ نہیں جاتا۔ کم از کم طیلر کو تو اس ریس میں مت دوڑائیں۔ اس کو تو زندگی گزارنے دیں۔ انجوائے کرنے دیں اس کو۔ وہ خواب دیکھنے دیں جو وہ دیکھنا چاہتی ہے۔ اس کے وجود میں اس کی شخصیات میں خامیوں کی اتنی نہیں اتنی ہے رنجی سے خوشیوں کی ساری عمر ان سے رہنے والا ہوس کے وجود کو لاڈلو رکھے اسے.....

وہ بات کرتے کرتے یک دم تیزی سے اٹھ کر لاؤنج سے نکل گیا۔ ناولنگس ساکت بیٹھی تھیں۔ ایسا کیا ہوا تھا کہ عمر کی آواز یوں بھرا جاتی۔ وہ اپنی آنکھوں میں نمودار ہونے والی نمی کو چھپانے کیلئے یوں بھاگ کھڑا ہوا۔ آخر وہ سوات سے آتی جلدی واپس کیوں آگیا ہے؟ سوات میں عمر کے ساتھ ایسا کیا ہوا ہے؟ وہ کچھ ماؤف ذہن کے ساتھ مسلسل سوچ رہی تھیں۔



”ہر بات میں مداخلت نہ کروں وہ جو کرنا چاہتی ہے اسے کرتے دوں۔ ٹکس ہوتی ہے ٹکس ہونے دوں۔ خود کو جاہد کرتی ہے تو خود کو جاہد کرنے دوں۔“ مانو نے طیلر پر اعزاز میں کہا۔

”کوئی خود کو جاہد نہیں کرے گی وہ۔ اتنی بے وقوف نہیں ہے مگر اس کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے دیں۔ ٹکس ہوتی ہے۔ ہونے دیں۔ اس کا پر اٹھ ہے۔ اس کو اس کا مل کھانے دیں۔ شوکر کھاتی ہے، کھانے دیں۔ گرتی ہے، گرنے دیں مگر اس کو کسی سہارے کے بغیر کھڑا ہونا سیکھتے دیں۔ زمین پر پڑے کیسے جاتے ہیں یہ اسے آتا چاہیے۔ اس کی اپنی چھوڑ دیں۔“

”وہ اتنی بڑی نہیں ہوتی۔“

تو ہونے دیں نا اس کو بڑا..... آخر اُنہریں اتنی دیر آپ اس کو چھوڑنا بھیجی گی، میری سمجھ میں نہیں آتا یہاں پاکستان میں یہ کیوں ہوتا ہے کیوں آپ کی جڑیں نہیں پڑتی پڑتی ہے dominance (تسلط) رکھتی ہے۔“ وہ بکھانچے ہوئے انداز میں بولا۔

”اسے تم dominance کہتے ہو مگر ہم اسے guidance (رہنمائی) کہتے ہیں۔“ ناولنگس بات پر قائم تھیں۔

”اور یہ guidance ہوتی ہے جو مشکل وقت میں فیصلے کرنے میں بھی آپ کی مدد نہیں کرتی، بھی آپ کے کام نہیں آتی۔ مگر اپنی اہر جڑیں کو صرف یہ نہ سکھائیں کہ پانی کا گلاس بکڑ کرینے کا مذہب طریقہ کیا ہے۔ کہاں ٹکلی آواز میں بات کرنا ہے کہاں اونٹنی میں۔ ڈائننگ ٹیبل پر پلیٹ کے رائٹ سائڈ پر نوٹک ہو جانا چاہیے اسہولن۔ مگر کے اندر آتے ہوئے ڈور میٹ پر جو کڑ کوئی ہار گزارنا چاہیے۔ شرٹ کا سب سے اوپر والا بٹن بند کرنا چاہیے یا کھلا۔

گرتی یا یہ سب کچھ سیکھنا ہماری ضرورت نہیں ہے۔ اس جڑیں کے پر اٹھو اور ہیں۔ آپ کے زمانے کی طرح ہمارا واحد پر اٹھ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو زیادہ سے زیادہ کلچر، لبرل اور اسٹوکرٹ بنا کر پیش کرنا نہیں ہے۔ ہم کو مغرب نہ سکھائیں ہم کو تائیم کی تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں جو اپنا وجود کیسے قائم رکھیں اپنے لیے کون سی ویلیوز کا انتخاب کریں اور پھر ان ویلیوز کو intact کیسے رکھیں۔ relationships کے تائیم اور انہیں برقرار کیسے رکھیں۔ اپنا mental equilibrium کیسے رکھیں جب اسٹریس ہو تو اس سے کیسے چھٹکارا پائیں، جب ڈپریشن ہو تو اس سے کس طرح نجات حاصل کریں۔ اپنی تھائی کا علاج کس چیز سے کریں؟ ان سب چیزوں کے بارے میں بتائیں۔ ان کے بارے میں guidance دیں۔

آپ کی جڑیں نے زندگی کو اچھے مارکس اور اچھے میٹرز کے درمیان اس طرح تقسیم کر دیا ہے کہ ہم میں سے بہت سے تو دیسے ہی کم ہو جاتے ہیں جہاں تک طیلر کا تعلق ہے تو اس کو تو آپ لوگوں کے crippled (معذور) کر دیا ہے۔ میں جب سے یہاں آیا ہوں حیران ہو رہا ہوں آپ اس کو اچھا سمجھتے ہیں، وہ خود کو اچھا سمجھتی ہے۔ آپ اس کو برا کہتے ہیں، وہ خود کو برا سمجھتی ہے۔ اس کی اپنی کوئی سوچ ہے نہ نظر۔ وہ دنیا میں آپ کی آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ آپ کے دماغ سے سوتی ہے۔ آپ کے سمیاد کے مطابق زندگی ہے اور آپ کی پسند و پسند کے

”ناٹو! وہ لوگ بھی وہی کچھ کھا پانی کر زنده ہیں جو آپ کے نزدیک ہائی چیک نہیں ہے اس لیے وہ دن وہ سب کچھ کھا کر بھی فوت نہیں ہوگی۔“

”ان لوگوں کو عادت ہے وہ اسی ماحول میں پہلے بڑے ہیں، مگر ہمیں تو عادت نہیں ہے تم اور طرح کے ماحول میں پلٹی ہو۔“ ناواب بھی اپنی بات پر مصر تھیں۔

”اچھا۔ میں سب جاتے ہوئے دیکھوں گی۔“ علیزہ نے مزید بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا اور انہیں ٹال دیا۔

”دیکھوں گی نہیں۔ میں نے ایک چھوٹے بیک میں جن رکھوا دیے ہیں۔ کوشش کرنا۔ کوئی فضول چیز وہاں سے مت کھاؤ۔ کل کا کھانا تو میں سبج تمہارے ساتھ دے دوں گی۔ شام تک کیلئے کافی ہوگا اور پرسوں تم انہی کو استعمال کرنا۔“

باب ۱۹

ناٹو اسے دریافت دے رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی۔ کھانا ساتھ لے جانے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ سب مل کر اس کھانے سے اچھی انجوائے منٹ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس نے سوچا تھا۔

اس کی کلاس اسٹڈی ٹور پر دو دن کیلئے ڈسکے کے قریب کسی گاؤں میں جاری تھی۔ دو دن کے قیام کے دوران انہیں اس گاؤں اور اس سے ملحق علاقوں میں پچھلے کچھ سالوں میں این بی اوڈی طرف سے ہونے والی دیہی اصلاحات کا جائزہ لینا تھا اور پھر اس پر ایک رپورٹ بھی تیار کرنی تھی۔

علیزہ! اس ٹور کی اطلاع پر سب سے زیادہ ایسیا بیٹھ گئی۔ اسے پہلی بار کسی گاؤں میں جانے کا موقع ملتا تھا اور نہ صرف وہاں جانے کا موقع ملتا تھا۔ بلکہ وہاں رہنے کا بھی موقع مل رہا تھا۔ اس سے پہلے ہونے والے تمام اسٹڈی ٹور کسی نہ کسی طرح لاہور اور اس کے گرد و نواح تک ہی محدود رہے تھے۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ لوگ اتنی دور جا رہے تھے۔ گاؤں میں ان کے قیام کا بندوبست وہاں کے کچھ زمیندار گھرانوں میں کیا گیا تھا۔

ناٹو نے بہت آسانی سے اسے جانے کی اجازت نہیں دی تھی لیکن بہر حال دے دی تھی اور علیزہ کیلئے اتنا ہی کافی تھا اور اب صبح سویرے اسے یونیورسٹی سے اسے سفر کا آغاز کرنا تھا اور رات کو وہ اپنی پیکنگ کر رہی تھی جب ناٹو نے اس کے سر پر کھڑے ہو کر دریافت دینی شروع کر دی۔

کھانے کی میز پر ناٹو نے یہ خبر عرض کر دی۔ وہ سنان کے ڈوگے سے سنان نکالتے نکالتے رک گیا۔

”کیوں علیزہ! گاؤں میں کیا کرو گے تم لوگ؟“

”تھوڑی بہت ریسرچ کریں گے۔“

”جا کہاں رہے ہو؟“

علیزہ نے اسے گاؤں کا نام بتایا۔

”کس چیز کے بارے میں ریسرچ کرنی ہے۔“ وہ بہت تجسس نظر آ رہا تھا۔

”وہاں پچھلے کچھ سالوں سے چند این بی اوڈی کا کام کر رہی ہیں سوئل ڈیولپمنٹ اور دیہی اصلاحات کے حوالے سے ان ہی کے کام کا جائزہ لینا تھا۔ ان کا طریقہ کار اور این بی اوڈی کا کام کر رہی ہیں۔“

”پھر کب تک آ جاؤ گی؟“ ناٹو نے شاید دسویں بار پوچھا۔

”ناٹو! پرسوں شام تک واپسی ہو جائے گی۔“ علیزہ نے دسویں بار بھی اتنے ہی جملے سے جواب دیا۔

”تم جب تک واپس نہیں آ جاؤ، مجھے گھر رہے گی۔“

”فکر کرنے والی کون سی بات ہے ناٹو! میں کون سا سا کیلی جا رہی ہوں۔“ علیزہ نے انہیں تسلی دی۔

”پھر بھی علیزہ! واپس نہیں وہاں کیسا ماحول ہو؟ کیسے لوگ ہوں؟“

”اچھے لوگ ہوں گے۔ پہلے بھی ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے بہت سے گروپ کئی سال سے وہاں جا رہے ہیں۔“

علیزہ نے آخری بار اپنے بیک کو چیک کرتے ہوئے بند کیا۔

”ہائیکس تم وہاں کیسے رہو گی۔ گاؤں ہے۔“

”ناٹو! کچھ نہیں ہوتا۔ میں کون سا ساری عمر کیلئے وہاں جا رہی ہوں۔ وہی دن کی تو بات ہے پھر آ جاؤں گی نا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اپنے ساتھ پانی رکھ لینا تھا گاؤں کا پانی صاف نہیں ہوگا۔ مٹکا بھی تو نہیں ہوتی وہاں۔“

”اب میں پانی تو ساتھ لے کر نہیں جاؤں گی، جیسا پانی سب بیٹیں سے میں بھی لے لوں گی۔“ علیزہ نے صاف انکار کر دیا۔

”تم تیار ہو جاؤ گی۔“

”کچھ نہیں ہوگا ناٹو! اب میں اسٹڈی ٹور پر جا رہی ہوں اور جن ٹونوں کی زندگیوں کو آہرہ در کرنے جا رہی ہوں ان کے ساتھ پانی بھی نہ بیوں تو پھر تو میں بس جھوٹ ہی کھوں گی۔ سو شیاو جی سے میرا بیجیٹ۔“ ناٹو! آپ کچھ تو

سوچیں۔“

”سو شیاو جی یہ تو نہیں کہتی کہ بندہ اپنی صحت کا خیال بھی نہ رکھے۔“

جس کا چاچا کبھی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ اس دوسری کبھی نے adidas کے برنس کو خاصا نقصان پہنچایا۔ ان لوگوں نے بہت سی پرفیشنل کام کرتے ہوئے ان دیکھی علاقے کے کافی اندر تک رسائی حاصل کی اور وہ عورتیں اور بچے جو پہلے کھڑوں میں کام کرتے تھے۔ انہوں نے باقاعدہ انہیں ملازم رکھا اور اپنی فیکٹریز تک لانا شروع کر دیا۔ پھر درکار کھیلے فٹبلیئر کی بھرمار کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں اچھے درکار نے اس فنم کھیلے کام کار شروع کر دیا۔ adidas کو ایک زبردست جھکاؤ فٹ بال کے برنس کے حوالے سے کیونکہ ان کھیلے کام کرنے والوں کی تعداد میں کمی ہو گئی اور دوسری طرف جس فٹ بال کی انجنگ سات آٹھ دسے ہوئے ہیں وہی تھی وہ ایک دیکارہ بارہ دسے ہوئے ہیں پڑنے لگا کیونکہ درکار نے زیادہ دیر پہلے شروع کر دیا۔ دوسری طرف یہ بھی ہوا کہ امریکہ میں فٹ بال کا ورلڈ کپ ہونے والا ہے پھر اوروں کیس..... بھی آ رہے ہیں۔ اس لیے وہاں اس وقت فٹ بال کی بہت ڈیمانڈ ہے اور بہت تنگی کی رہی ہے تو فٹ بال کی مارکیٹ میں امریکی کمپنیز کا حصہ کچھ کم ہو گیا ہے۔ پہلے جو فٹ بال صرف امریکن لیگل کے ساتھ کھ رہا تھا اب وہ چاچا لیگل کے ساتھ کھنے لگے تیسری طرف یورپ تھا جس کی مارکیٹ میں امریکی اور چاچا لیگل نے افراتفری مچائی ہوئی ہے۔ کم از کم فٹ بال کے حوالے سے۔

اب اس صورتحال پر قابو پانے کیلئے ہر ایک نے اپنے جھنڈے استعمال کرنے شروع کر دیے اور پہلے ہتھیار کے طور پر یورپین ممالک نے۔ انہیں جی اوز کو آگے لانے کا فیصلہ کیا۔ جواباً امریکہ نے بھی این جی اوز کا مقابلہ اپنی این اوز سے ہی کرنے کا فیصلہ کیا۔ طے یہ کیا گیا کہ اس انڈسٹری کے حوالے سے چائلنج لیبر کا انشوا کچھ سالوں میں اٹھایا جائے گا۔

عمر کی معلومات اور باتوں پر اسے جراتی ہو رہی تھی۔

”مگر کیوں؟“

”اس وقت دنیا میں سب سے اچھا فٹ بال اس کو سمجھا جاتا ہے جس کی انجنگ بچے کرتے ہیں۔“

”بچے؟“ ”مٹلے“ ”ہنے پٹنی سے کہا۔“ ”مگر بچے اتنے باوقار نہیں ہوتے۔“

”ہوتے ہیں۔ آپ وہاں جا کر دیکھیں گی تو ان کی مہارت آپ کو حیران کر دے گی مگر بچوں کو ان کی مہارت کی وجہ سے برتری حاصل نہیں ہے۔ بچوں کی انگلیاں باریک اور نرم ہوتی ہیں ان کے ہاتھ کی انجنگ میں ایک خاص قسم کی نکاسیت ہوتی ہے۔ خاص طور پر جب فٹ بال کو پلٹا جاتا ہے تو اس وقت باریک انگلیوں کی وجہ سے ڈوری بڑی صفائی سے سمجھی جاتی ہے یہ کچھ دیکھی جاتی ہے جس طرح کارپٹ بناتے ہوئے بھی انٹر نیٹل مارکیٹ میں اس کارپٹ کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے جسے بناتے ہیں کیونکہ جب کارپٹ میں گرہیں لگائی جاتی ہیں تو بچوں کی باریک اور نرم انگلیاں ہڈوں کی نسبت یہ کام زیادہ صفائی اور نکاسیت سے کرتی ہیں۔

یہی مسئلہ اس علاقے کا ہے۔ غربت بہت ہے اس لیے لوگوں نے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اس کام میں لگایا ہوا ہے۔ اب یورپ میں چائلنج لیبر پر چین سے اور وہاں گورنمنٹ سرکاری طور پر ایسی چیزیں اپنی مارکیٹ میں جمیں آنے دی جاتی ہیں کہ ہارے میں خود اسامی شنگ ہو کر یہ بچوں نے بنائی ہے۔ امریکہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ این

”نیکر آپ کا ڈیپارٹمنٹ وہاں کے اسٹور نوڈر کے رپورٹس بتاتا رہے اور یہ این جی اویٹ گورنمنٹ کی گڈ بکس میں رہے۔ نام بننا رہے۔ ریپوٹیشن بہتر سے بہتر ہوتی جائے۔ آپ کا ڈیپارٹمنٹ کوئی واحد ڈیپارٹمنٹ نہیں ہوگا جسے وہاں کے ڈٹ کر دے جاتے ہیں۔ دوسری بہت سی یونیورسٹیز کے ڈیپارٹمنٹس کو بھی اس طرح بلایا جاتا ہوگا۔ خود سوچو ملک کی بارہ اچھی یونیورسٹیز کے کچھ اچھے ڈیپارٹمنٹس کو این جی اوز بار بار انوائس کریں اس کے بعد وہ لوگ اپنی ریسرچ میں بارہ رپورٹس میں اس خاص این جی اوز کا ذکر اچھے لفظوں میں کریں تو کتنا بڑا ہتھیار رہے یہ اس این جی اوز کے ہاتھ میں دے دیجی بھی استعمال کر سکتی ہے۔“ وہ اب قدرے سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

”کیا این جی اوز اس علاقے میں کچھ نہیں کر رہی؟“ ”مٹلے“ ”ہنے قدرے جراتی سے پوچھا۔

”نہیں وہ کر رہی ہیں..... اپنا کام وہ بڑی مستعدی سے کر رہی ہیں مگر وہ کام بہر حال ان کاموں میں شامل نہیں ہے جن کا ذکر تواریخ دہر پہلے آپ کر رہی تھیں۔ یہ لوگ وہاں پچھلے کئی سالوں سے کچھ ٹھنڈا اکھا کرنے میں مصروف تھے بلکہ کر چکے ہیں۔“

”کیسا؟“

”یہ علاقہ تو ڈسٹر، سیالکوٹ، ناروال اور اس کے ارد گرد کے سارے دیہات یہ پچھلے بہت سے سالوں سے بین الاقوامی طور پر مشہور بہرور ہے ہیں اور ان پر خاصی نظر رکھی جا رہی ہے۔ کیوں نظر رکھی جا رہی ہے؟ اس کی بہت سے وجوہات ہیں۔ یہ علاقے مشہور اسپورٹس گڈز کی وجہ سے ہیں۔ سرنجیل انڈسٹریز میں کام بھی ہوتا ہے مگر اصل شہرت اسپورٹس گڈز ہی ہیں اور اسپورٹس گڈز میں بھی فٹ بال۔ اس وقت یورپ امریکہ میں استعمال ہونے والا اسی فیصد فٹ بال اسی علاقے سے آتا ہے۔“

وہ اب بڑی تھکی سی ہے اسے تفصیلات بتا رہا تھا۔ چند لمبے پہلے وہاں سکرامٹ اس کے چہرے سے غائب ہو چکی تھی۔

”لیکن یہ فٹ بال adidas کی اسٹیمپ کے ساتھ پوری دنیا میں چلائی کر دیا جاتا ہے۔ اس علاقے میں جو فٹ بال سٹیشن میں تیار ہوتا ہے وہ انٹر نیٹل مارکیٹ میں ڈالرز میں بکا ہے۔“

”مٹلے“ ”کیوں؟“ ”یہاں بھی جاری ہوئی۔“

”مگر اس سارے معاملے کا این جی اوز کے ساتھ کیا تعلق ہے؟“

عمر نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”اب یہ سارا فٹ بال وہاں کی فیکٹریز میں تیار نہیں ہوتا۔ عجیب بات ہے لیکن نوے فیصد فٹ بال وہاں کے دیکھی ایریا میں تیار ہوتا ہے..... گاؤں میں..... چھوٹے چھوٹے گروہوں میں عورتیں اور خاص طور پر بچے تیار کرتے ہیں۔ وہاں سے یہ فٹ بال فیکٹریز میں جاتا ہے۔ ان فیکٹریز میں جنہوں نے joint venture کیا ہوا ہے ملٹی نیشنل کمپنیز کے ساتھ اور اب تک وہاں پر ان کمپنیز کا ہولڈنگ تاجن کا تعلق امریکہ سے ہے مگر کچھ عرصے پہلے وہاں کچھ چاچا کمپنیز نے بھی رجسٹریشن دیکھنا شروع کر دیے ہیں اور اب صورتحال یہ ہو چکی ہے کہ وہاں فٹ بال کے حوالے سے دو بڑے حریف ہیں۔ ایک وہ فرم جس کا adidas کے ساتھ دیگر ہے اور دوسری وہ

جی اوز جب یہاں آئیں تو انہوں نے ذہنی اصلاحات اور سوشل ڈیولپمنٹ کا نام لے کر facts and figures اکٹھے کرنے شروع کر دیے۔ کسی علاقے میں کس عمر سے کس عمر تک کے بچے کی کارکردگی ہے۔ فنٹ ہال کی انٹرنی سے شکستہ محروم کی تعداد کتنی ہے۔ ہائڈریلبرک ریٹو کیا ہے۔ اہل جن کو کارڈنگ کیا ہے؟ ان لوگوں کو کس طرح سہولیات میسر ہیں یہ راجا اڈا اٹھا کیا گیا ہے اور آپ دیکھیے گا میٹرو ہائی وے! آئندہ چند سالوں میں چائلڈ لیبر اور ہائڈریلبرک کے حوالے سے ان ہی علاقوں کے تعلق انٹرنیشنل میڈیا خاص طور پر جائے گا۔ کچھ پابندیاں بھی لگائی جائیں گی۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا۔“

”آجائے گا۔“ عمر نے اطمینان سے کہا۔

”مگر یہ این جی اوز تو تعلیم کے حوالے سے بہت کام کر رہی ہیں۔“

”کام کم کر رہی ہیں، ضرور زیادہ کر رہی ہیں۔ وہ کس لیے ہے یہ بھی میں آپ کو بتاؤں گا۔ فی الحال تو آپ یہ جان لیں کہ انہی اس علاقے میں موجود فیکٹریز یا فرمز ISO 9000 کے سرٹیفکٹ پیسے بغیر ہیں اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن Gatt کے ساتھ ہونے والے معاہدوں کے مطابق اگلے کچھ سالوں میں ہر ملک کو اپنی مارکیٹ کھلی رکھنی پڑے گی مگر اس مارکیٹ میں ان ہی فرمز یا کمپنیز کا مال چاہئے کہ جس کے پاس یہ سرٹیفکٹ ہے اور سرٹیفکٹ جاری کیا جاتا ہے جب چائلڈ لیبر ہائڈریلبرک کے حوالے سے اس فرم یا کمپنی پر کوئی الزام نہ ہو مگر این جی اوز نے اسے اچھے طریقے سے ڈھکا اٹھا کیا گیا۔ کہ وہ کسی بھی کمپنی یا فرم کو اس حوالے سے پریچین یا امریکن مارکیٹ میں بلیک لسٹ کر دیتے ہیں۔ ان این جی اوز کے پاس مکمل ریکارڈ ہے کہ کون سی فرمز کون سے علاقے کے کون سے کمروں سے سختی تعداد میں ایجنٹس تیار کرواتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ مال تیار کرنے میں کچھ ایجنٹوں کا کس حد تک حصہ ہے۔ اب فرمز گھٹن کس کس علاقے کی کسی فرم سے کسی امریکن ملٹی نیشنل کمپنی کے ساتھ جوائنٹ وینچر کیا۔ اب ان کی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ فنٹ ہال میں ان کا ٹیلیفون نمبر کس کس لوکل فرم کو انہیں اور ساری دنیا میں وہ فنٹ ہال امریکن فنٹ ہال کے طور پر چلائی کی جائے گی۔ اب اگر یہ لوکل فرم بے بس کر لیں گے کہ وہ خود بخود ہو جائے اور کالیکٹ فنٹ کے اپنے لیٹل کے ساتھ دنیا میں فنٹ ہال چلائی کرے تو این جی اوز کی مدد سے حاصل کیے جانے والے ریکارڈ کو اس فرم کے منہ پر مارا جائے گا اور کہا جائے گا کہ آپ تو چائلڈ لیبر کرواتے ہیں۔ ہائڈریلبرک کے بھی ذمہ دار ہیں اس لیے آپ کو آئی ایس او سرٹیفکٹ جاری نہیں کیا جائے گا جو اگلے چند سال میں ایپورٹ ایکسپورٹ سے تعلق رکھنے والے ہر ادارے کیلئے لازمی ہو جائے گا۔ اب میٹرو آپ بتائیے وہ لوکل فرم ہے چار کی کرے گی۔ ظاہر ہے وہ بھی بھی کسی ملٹی نیشنل کمپنی کے ساتھ معاہدہ نہیں کرے گی اور یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا۔“

میٹرو کچھ شاکڈی اس کی باتیں سن رہی تھی۔

”مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا کہ وہاں اتنی این جی اوز اس طرح کا کام کر رہی ہیں تو ابھی تک میڈیا نے ان چیزوں کو اپنی لائٹ کیوں نہیں کیا۔ جرنلسٹ تو فوراً ہیچر، خاص طور پر بھیجیں ہوئی چیزوں کو ڈھونڈ لیتے ہیں اور پھر اگر این جی اوز اس طرح کا کام کر رہی ہیں تو ان کی فیلڈ نوٹس بھی تو بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی کو یہ سب

کچھ نظر نہیں آتا۔ یادہ لوگ یہ باتیں میڈیا تک کیوں نہیں پہنچاتے۔“

میٹرو نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

”اس کی بھی بہت سی وجوہات ہیں۔“ عمر اب بھی سنجیدہ تھا۔ ”اس علاقے کی خوش قسمتی کہہ لو یا بد قسمتی مگر یہ پاکستان کے ان علاقوں میں سے ایک ہے جہاں اقلیتوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے اور اقلیتوں کا بھی وہ طبقہ جس کو آپ لوڈ ٹریڈ کلاس کہتے ہیں جن کے پاس صرف یہ آپشن ہوتا ہے کہ وہ تعلیم حاصل نہ کر کے میٹروٹی میں سوچے گا کام کر لیں یا تعلیم حاصل کرنے کے بعد پانچویں فرسٹ یا داروہ پرائز کے ”اعلیٰ عہدے“ حاصل کر لیں جہاں پر اقلیتوں کیلئے مواقع کو اتنا محدود کر دیا جائے کہ انہیں بھوک یا بد بوائی میں سے کسی ایک کو چننا پڑے تو وہ بد بوائی کو چن لیں گے۔ اس علاقے میں بھی کبھی ہو رہا ہے۔ فیلڈ میں کام کرنے والوں کا انتخاب کرتے ہوئے این جی اوز اقلیتی طبقوں کو ترجیح دیتی ہے ان کے نزدیک وہ قدر سے زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ صرف وہ لوگ ہی این جی اوز کے ساتھ کام کر رہے ہیں ان کے ساتھ ہر طرح کے لوگ شامل ہیں۔ روپے میں بڑی طاقت ہوتی ہے، میٹرو! اور خاص طور پر جب بندوق بے روزگار ہو۔ یہ لوگ کام کا بہت اچھا معاوضہ دیتے ہیں کپ اینڈ ڈراپ کی سہولت دیتے ہیں، کمنا بھی کھیلتے ہیں اس کے علاوہ بھی اور کچھ سہولیات ہوتی ہیں اور جب ایک بے کار بندے کو پیسے بھجائے اسے انتساب کچھ مل جائے تو وہ اپنی آنکھوں کے ساتھ کارکن اور زبان بھی بند کر لیتا ہے اگر کوئی ذرا زیادہ جب اگلیں کا مجبوت دینے کی کوشش کرے تو اس کی زبان بند کر کے کیلئے بھی کئی طریقے ہوتے ہیں۔

اور وہ بھی یہ این جی اوز ان علاقوں سے صرف فیلڈ نوٹس کیلئے لوگ لیتی ہیں۔ آفیسرز یا ایجنٹس کے سارے لوگ لاہور، کراچی یا دوسرے بڑے شہروں سے آتے ہیں اور وہ وہی ہوتے ہیں جہاں کئی سالوں سے ان این جی اوز کے ساتھ شکستہ ہیں۔ ان کا کچھ چھپا چھپائے رکھنے کی قیمت وہ ڈالز اور ڈالڈز میں وصول کرتے ہیں۔“

”مگر میڈیا..... میڈیا کیوں خاموش ہے۔ یہ ساری باتیں ان لوگوں سے کیوں پوشیدہ ہیں؟“ وہ اب کچھ فکر مند نظر آنے لگی تھی۔

”کس میڈیا کی بات کر رہی ہیں آپ۔ نیوز چین کی یا ٹی وی کی؟“

”دونوں کی۔“

”ٹی وی تو کبھی این جی اوز کے بارے میں کچھ دکھائیں سکا کیونکہ یہ گورنمنٹ کی پالیسی نہیں ہے۔ میں نے جہیں بتایا ہے کہ این جی اوز کو جن ایجنٹس کے ذریعے روپیہ ملتا ہے وہ فیلڈ نوٹس کی آلہ کار ہوتی ہیں اور یہ لوگ ہماری حکومت پر بیٹھ ڈالے رہتے ہیں۔ حکومت کو این جی اوز پر تنقید نہ دی پر دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ وہ اس این جی اوز کو جن کو صرف محرم طاقت ہونے سے تو کچھ نہیں ہوتا۔ گورنمنٹ کس کس سے لڑے گی۔ وہ کیا کہتے ہیں Beggars Can't be choosers گدا کے پاس انتخاب کی گنجائش نہیں ہوتی تو ہمارا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ اپنے اپنے مفاد کیلئے ہم ہر چیز کا سودا کر لیتے ہیں اس لیے گورنمنٹ بھی یہی کرتی ہے جہاں تک نیوز چینز کا تعلق ہے تو وہ کہاں کے پاس رہیں۔ تم کیا سوچتی ہو کہ وہ واقعی پیچہ

سے کیسے یہ سب کچھ سکتا ہوں؟ ہے نا؟
 ”ہاں؟“

”اسٹل میں جب میں امریکہ میں پہنچا تھا تو ایک ٹریڈ فیلو تھے ہمارے۔ اسی علاقے سے تعلق تھا ان کا۔ میں تو نہیں مر رہا خاصیت وہاں قسم کی چیز تھے۔ کچھ دوی ہو گئی میری ان کے ساتھ۔“
 وہ یوں بات کر رہا تھا جیسے اپنی کسی غلطی کا اعتراف کر رہا تھا۔
 ”میں کچھ پورٹس میں کچھ این جی اوز کے حوالے سے۔ ہم نے سوچا کہ چلو کچھ ویرج کر دیں کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے۔ دو ماہ وہ لوگوں نے اس علاقے میں یہ نہیں بلکہ یوہا اور امریکہ میں بھی ایسی خاصی چھان بین کی۔ حاصل ہونے والے حقائق اور اعداد و شمار خاصے ڈرا دینے والے تھے کہ غلط نہیں تھے۔“
 ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ وہ منگ تھی۔

”کیسے ہو سکتا ہے یہ تو مجھے نہیں پتا کہ میں ہو رہا ہے۔ تمہارا ڈیپارٹمنٹ اسٹے سالوں سے اس علاقے میں آ جا رہا ہے مگر میرے جتنی انفارمیشن نہیں ہوئی۔ اس علاقے کے بارے میں ہر چیز میری فکر میں ہے۔ کچھ پوچھ لو۔ پاپولیشن کے بارے میں، کسی ٹیکنیشن کے بارے میں، کسی ٹیلیفونی کے بارے میں، کسی این جی اوز کے بارے میں یا اور کسی چیز کے بارے میں۔ پھر 95 کا انکباک سروے آف پاکستان کو ملنا اور تصدیق کر لینا۔“ عمر کے لیے میں اسے عجیب سا فقر محسوس ہوا۔

”پھر آپ نے کیا کیا؟“ اس نے کچھ بے تاب ہو کر پوچھا۔

”کیا کیا؟ مطلب؟“ عمر بانی پتے پتے رک گیا۔

”آپ نے جب یہ ریسرچ کی تو آپ نے اس سب سے گورنٹ کو مطلع کیا؟“

عمر کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”ہاں گورنٹ کو مطلع کیا۔ باقاعدہ رپورٹ سب مٹ کی۔“

اس نے پانی پی کر کہا۔

”پھر گورنٹ نے ایکشن لیا؟“

”بالکل لیا۔ بلکہ فوری طور پر لیا۔“

”گورنٹ نے کیا کیا؟“ اس کا تبس اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

”دو جاہت حسین کو امریکہ سے زمبابوے میں سفر کر دیا گیا اور مجھے پاپائے بلوا کر کہا کہ میں فارن سروس میں ہوں اٹلی جس میں میں اس لیے اپنے کام سے کام رکھوں اور فضول معاملات میں اپنی ناگ نہ اڑاؤں۔“

وہ شاکہ رو گئی۔ عمر کے چہرے پر کمال کا اطمینان تھا۔

”اور رپورٹ..... رپورٹ کیا ہوا؟“ اس نے ایک بار پھر پوچھا۔

”رپورٹ کی ایک ایک کا سب سے سب سے طور پر میں نے اور دو جاہت نے رکھ لی جو کہ اپنی گورنٹ کو بھیجی تھی، وہ انہوں نے فہرک کے طور پر امریکہ کے فارن آفس کو بھیجا دی۔“ وہ سرے لے لے کر بتا رہا تھا۔

”وہ تو اپنے آپ کو اس ملک کا حصہ ہی نہیں سمجھتے۔ ان کا خیال ہے کہ ایسی این جی اوز سے اس ملک میں وہ انقلاب آجائے گا جس کی نہیں خواہش ہے۔“ اس کے لہجے میں طنز و کجگوئی محسوس ہوئی۔

”تو کیا وہ تعلیم کے حوالے سے وہاں سرے سے کوئی کام نہیں کر رہے؟“ طنز نہ ہو چھا۔

”کر رہے ہیں..... کر کیوں نہیں رہے! وہی علاقوں میں انہوں نے کچھ اسکول کھولے ہیں اور شرعاً دیا ہے کہ وہ اس علاقے میں انقلاب لے آئیں۔ انہوں نے قسمت بدل دی ہے علاقے کی۔ حالانکہ ایسی کوئی خاص چیز نہیں کی ہے انہوں نے وہاں ابھی بھی اتنی ہی غربت ہے جتنی پہلے تھی۔ کسی حد تک بچوں کی اسکول جانے والی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے اور کچھ نہیں بدلا۔“

وہ ایک بار پھر کھانا کھانے لگا۔

”مگر آپ یہ سب کچھ کیسے اتنے وقت سے کر رہے ہیں؟ ہو سکتا ہے آپ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو؟“ طنز وہ

نے قدر سے جملہ انداز میں کہا۔

”طنز ہو لی یا آپ نے اپنی ساری زندگی گھر کی چار دیواریوں کے اندر گزاری ہے۔ protected life آپ کو کیا پتا کہ اس گھر کے باہر کیا کیا ہوتا ہے اور کیسے جیے ہو رہا ہے۔ مخصوص کلاس میں دفعتی ہو۔ مخصوص سوشل سرکل ہے اور میرا تو خیال ہے کہ اب تک دوست بھی بدلے نہیں ہو سکتے۔ شہلا سے وہی ہے اب تک؟“

طنز وہ کچھ جھک کا احساس ہوا۔ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا۔

”تم مجھ کو جنت میں زندگی گزار رہی ہو ابھی تک، اور جنت میں وہ کر دوزخ ایک ایڈیون ہی لگتا ہے

جیسے جہنم لگ رہا ہے۔“

”آپ غلط نہ رہے ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ مجھے باہر کی دنیا کی کچھ خبر ہی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے مجھے چیزوں کے بارے میں کتنی Authentic Information (صحیح معلومات) نہیں ہوں جتنی آپ کے گھر میں ہے خبر نہیں ہوں۔“

اس نے جیسے کچھ برائے کر کہا مگر عمر نے اس کی بات پر کوئی ردیایا نہیں دیا۔

”تم جیسی لوگیاں جن کی زندگی ایک گھر کے اندر گھومتی ہے۔ ان تک پہنچنے والی انفارمیشن اسٹے ذرائع سے گزرتی ہے کہ اس میں سے کتنی کا عنصر، تلخ سچائی سمجھتی ہو، وہ ناگرب ہو جاتا ہے۔ اتنا شفاف ورژن آتا ہے تم لوگوں کے پاس چیزوں کا کہ تم لوگوں کو کوئی پریڈیٹن ہوتی ہے نہ خوف آتا ہے۔ اسی لیے تو تم اطمینان سے زندگی گزارتے رہے ہو۔“

وہ سلا دکھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

”یہ اس لیے ہوتا ہے کیونکہ جب ہم لوگ بات بات جانتا چاہتے ہیں تو ہمیں بتائی نہیں جاتی جیسے اس دستانہ“ عمر نے جھک کر اسے دیکھا اور پھر ایک دم ٹھٹھکا کر غصہ پڑا۔

”اوہ..... ایسا کیا پوچھ لیا آپ نے جو ہم نہیں بتا رہے۔ ہاں یاد آیا، تم پوچھ رہی تھیں کہ میں اتنے وقت

”کیا؟“ وہ تقریباً چلا گیا۔

”ہاں! ٹھیک بتا رہا ہوں۔ رپورٹ سب مٹ کروانے کے ایک ہفتے کے اندر یہ سب کچھ ہوا اور پھر تقریباً ایک ہفتے کے بعد ایک سفارتی ڈائریکٹر امریکہ کے قازان آفس سے تعلق رکھنے والے، جان پیکان والے ایک آفیسر نے بڑی سنجیدگی سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے اس واقعے ”ریسرچ دوک“ کیلئے مبارکبادی ساتھ یہ بھی کہا کہ آئندہ بھی اگر ایسا کوئی پراجیکٹ کرنے کا ارادہ ہو تو اسے اسپانسر کر دیں گے۔ مجھے اخراجات کا کوئی پرابلم نہیں ہوگا۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس بار یہ رپورٹ حاصل کرنے میں انہیں دو دن لگے کیونکہ پاکستان سے منگوانا پڑی۔ آئندہ میں کبھی کے طور پر ایک کاپی انہیں پہلے ہی بھجوا دوں تو انہیں خوش ہوئی ہوگی۔“

علیہ کے کچھ میں نہیں آیا وہ فتنے یاد رہے۔ وہ ہفتوں کی طرح عمر کا چہرہ دیکھتی رہی۔ عمر نے مسکرا کر کہا۔
”ہاں! جی! ایکسپریٹس میرے ہی تھے اس وقت۔ بعد میں، ہارل ہو گیا۔ ہارل دینے لگا۔ تم بوجھاؤ گی۔“

علیہ نے ایک گہری سانس لی۔ ”آپ نے کوئی احتجاج نہیں کیا؟“
”میں نے تو نہیں کیا۔ مجھے اپنی فطرت کا احساس ہو چکا تھا۔ ہاں وجہات نے احتجاج کیا۔ اس نے ذمہ داروں سے جاننے سے انکار کر دیا تو اسے کہا گیا کہ مجرورہ رپورٹ کریں۔ تو اس نے رپورٹ کر دیا۔ دراصل وہ سیلف میڈ بندہ تھا۔ پانچ پانچ پچھ پچھتے ایسے اونچے بھدے پر بچھ گیا۔ اس کی کوئی ٹیک نہیں تھی۔ بیک ہوئی تو شاید اس کے ساتھ یہ سب کچھ نہ ہوتا۔“

علیہ کو بے اختیار وجہات حسین پر ترس آیا۔

”پھر اب..... اب وہ کیا کر رہے ہیں؟“

”میش کر رہا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”رپورٹیں کرنے کے تیسرے دن اس کو ورلڈ بینک سے جاب کی آفر ہوئی۔ اس نے وہاں کام شروع کر دیا۔ اس وقت وہ تقریباً ایک لاکھ ڈالر کی ذخائر کا ہوا ہے پر کام کر رہا ہے۔ اصل میں ہوا یہ کہ وہ رپورٹ ان لوگوں نے بھی دیکھی۔ وہ بڑے ستارہ ہوئے اس بندے سے۔ جان گئے کہ اس میں بڑی صلاحیت ہے۔ اس مجرورہ اس کے پیچھے پڑ گئے۔ اب وہ وہاں بے نیو یارک میں۔“

علیہ کے پاس جیسے لفظ نہیں رہے تھے۔ وہ اس کے سامنے کون سا پینڈو دار پاس کھول رکھا تھا۔

”مگر وجہات حسین نے کیوں جو ان کی ورلڈ بینک..... سب کچھ جانتے ہوئے بھی؟“

”تو کیا کرتا۔ بھوکا رہتا۔ ایک تو اسے حب الوطنی کی تیاری اوپر سے ایمپلائمنٹ کی تیاری۔ اس نے زیادہ Fatal combination کوئی نہیں ہو سکتا کسی پاکستانی کیلئے۔ پاکستان میں آجاتا تو دیکھنے کا اتنا ان خوبیوں کے ساتھ اور دیکھنے کی کبھی اچھے نہیں گتے۔ پھر اس کے بڑی سچے تھے۔ ذمہ داریاں نہیں اس پر۔ اس نے جو کیا بائبل ٹیک کیا۔ میری طرح اس کو بھی اپنی فطرت کا احساس ہو گیا مگر کچھ دیر سے۔“

”عمر! یہ کوئی غلط کام نہیں ہے جو آپ نے کیا یا جو انہوں نے کیا۔“

”کیوں غلط کام نہیں ہے۔ ہماری آپٹیمل ڈیویژن میں تو یہ کام نہیں آتا تھا۔ انٹریٹیز مشنری کا کام تھا یہ ظاہر ہے۔ ہم نے ان کے کام میں ناگ اڑائی۔“

”مگر عمر! آپ یہ نہ کرتے تو شاید سب کچھ جہاد تھا۔“ اس نے جیسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

”نہیں علیہ! بی بی! ہماری فطرت یہی تھی کہ ہم جانے ہوئے حقائق کو دریافت کرنے چل پڑے تھے حالانکہ وہ باتیں سب کو چاہئیں۔“ اس نے علیہ کو ایک بار پھر چونکا دیا۔

”کیا مطلب؟“

”ہاں، انٹریٹیز مشنری اچھی طرح واقف تھی یہاں تک کہ ایکسپریٹ بھی۔ ہماری طرح کے کئی اتو ایسی ہی رپورٹس تیار کر کے پیش کر چکے تھے۔ اس علاقے میں جاؤ گی تو یہ دیکھ کر حیران ہو جاؤ گی کہ ان ایس سی اوز کے دفاتر کینٹ کے علاقے میں ہیں اور ظاہر ہے تو یہ ممکن ہے کہ آری کے علاقے میں ہونے والی ایسی سرگرمیاں آری کی ایکسپریٹس سے خفیہ ہوں مگر وہ بھی صرف رپورٹس دے دیتے ہیں۔ کچھ نہیں سکتے اس لیے ہم نے کوئی ایسا انداز اور کھسا کام نہیں کیا۔“

وہ اب سوٹ ڈش پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے کبہر ہاتھ۔ علیہ کو عمر پر رشک آیا۔ اس کی ہانگری نے اسے ہمیشہ کی طرح حیرا کیا۔

”تم ایک میرے پاس بھی عمر جتنی معلوم نہیں ہو سکتیں۔“ اس نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔

”اب جاری ہو رہاں تو آنکھیں کھلی رکھنا۔ ہر چیز کو اس کی فیس دلیو پر مت لیتا۔ تمہارا سبھی ریشٹل ہو جاؤ گی تو حقیقت جانتے لگو گی۔ پھر زیادہ متاثر نہیں ہو سکو گی۔“ وہ اب اسے ہدایات دے رہا تھا۔

”لیکن میں اب وہاں جانا ہی نہیں چاہتی۔“ اس نے اعلان کیا۔ عمر نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”کیا مطلب ہے جہاد؟“

”آپ کہہ رہے ہیں کہ وہاں تو ایسی کسی چیز کا زہر دیتی نہیں ہے، جس کا جائزہ لینے میں جاری ہوں تو پھر ٹھیک ہے وہاں جا کر میں وقت کیوں ضائع کروں۔“ اس نے جیسے فوراً طے کر لیا تھا۔

”یار! عجیب! حق ہو تم..... عمر نے کچھ بھلا کر کہا۔“

”پہلے جو آپ کے لیا پرائمنٹ نے کہا، آپ نے وہ مان لیا۔ پھر آپ نے میری بات سنی تو اس پر یقین لے آئیں۔ ہو سکتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ ہم آخر اپنا ذہن استعمال کیوں نہیں کرتیں۔ سچائی کو خود دریافت کرو۔ اس کے ہر aspect کو investigate کرو مگر مگر یہ کام خود کو اپنی sense of judgement استعمال کرو۔“

”نہیں تو ٹھیک ہے۔ وہ ہمیں چاہنا پوارہ ہی تو نہ جائے، آخر تم خود ہی تو کہہ رہے تھے کہ یہ سب فراڈ ہے۔“
دانو نے پہلی بار گفتگو میں مداخلت کی۔

”مگر وہ لوگ جن کی زندگیاں گھر سے باہر گزرتی ہیں۔ جن کے بقول وہ چیزوں کے اصل ورژن واقف ہوتے ہیں۔ جنہیں سب کچھ پتا ہوتا ہے۔ جو خود کو باخبر کہتے ہیں وہ ان چیزوں کے سدباب کیلئے کیا کرتے ہیں۔ صرف باتیں؟“

وہ عمر کے تاثرات دیکھے بغیر ٹھیل سے اٹھ گئی۔ عمر نے حیرانی اور خاموشی کے ساتھ اسے باہر جاتے دیکھا چند لمبے وہ اس دروازے کو دیکھتا رہا جہاں وہ غائب ہوئی تھی پھر اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”صرف باتیں؟..... Good“ اس نے ناٹو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اس کے لہجے میں سانس تھی۔ ”علیہ! مجھ پر طفر کے لگی ہے مگر ٹی اور مجھے خوشی ہوئی ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے ٹھیل سے اٹھ گیا۔



”چھاپے سب فراڈ ہے۔ چلیں اس کے بارے میں تو میں نے اسے بتا دیا۔ زندگی میں آگے چل کر یہ کیسے جانے گی کہ کون کی چیز کیا ہے اور کیا نہیں۔ ایک بار اپنے دماغ اور اپنی آنکھوں سے کچھ دیکھی گی، کچھ فیصلہ کرے گی تو آگے بھی کچھ کر سکے گی۔ تم ضرور جاؤ گی علیزہ۔ بلکہ دلوں آکر مجھے بتاؤ کہ تم نے وہاں پر کیا کیا سیکھا ہے؟“

عمر کا لہجہ یک دم نرم ہو گیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”جو کچھ میں نے جنہیں بتایا ہے وہ اس لیے نہیں بتایا کہ تم وہاں جانا ہی چھوڑ دو۔ میری کسی بات کو اپنی ذہن پر سوار کرنے کی کوشش مت کرو۔ صرف سچی جھوٹ کہتا رہے پاس ایک اور ورژن آیا ہے اب مجھیں یہ طے کرنا ہے کہ دونوں میں سے کس version میں پناہ ہے۔“

علیہ نے عمر کے چہرے کو گور سے دیکھا۔

”آپ کو انسو نہیں ہوا کہ آپ کی محنت ضائع ہوئی؟“

”نہیں۔ کوئی انسو نہیں ہوا۔ پتہ دو کہ کسی کی ایسی جتنیں اکثر ضائع ہوتی ہیں۔ یہ جو ہماری بے وفائی تھی کہ ہم نے ایسے کام میں اپنا وقت ضائع کیا۔“

”ایسے تو نہیں سوچنا چاہیے۔ اگر سب لوگ اس طرح سوچیں گے تو.....“

اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔

”تو ملک کا کیا ہوگا؟ کیا کہنا چاہ رہی ہو؟“ اس نے خاصی بے رحمی سے جملہ مکمل کیا۔

”ملک کا وہی ہوگا جو اب تک ہو رہا ہے۔ میرے یادداشت حسین جیسے لوگوں سے کوئی انقلاب نہیں آسکتا اور ہم پر کہاں فرض ہے کہ ہم صرف ملک اور قوم کیلئے ایسی حافقیں کر کے اپنا کیریئر داؤ پر لگاتے رہیں۔ سول سروس ہم نے سوشل ورک کرنے کیلئے جوائن نہیں کی۔ اپنے اسٹیشن کو برقرار رکھنے کیلئے اس میں آئے ہیں۔“

علیہ زچ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ وہ یک دم ہی بہت بدلا ہوا نظر آنے لگا تھا اس کے سامنے چند لمحوں کے اندر اندر اس کا نیا روپ آ گیا تھا۔ indifferent اور insensitive..... کچھ دیر پہلے والا انداز بیکر تھیل ہو چکا تھا۔

”اب تم کیوں پریشان ہو گئی ہو؟“ عمر نے اچانک اس سے پوچھا۔ وہ کچھ گڑبڑا گئی۔

”نہیں، میں پریشان نہیں ہوں۔ میں صرف سوچ رہی ہوں۔“

”مثلاً کیا سوچ رہی ہو؟“ اس نے تینکین سے منہ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

”یہی کہ.....“ اس نے کچھ حقائق نظروں سے عمر کو دیکھا۔

”کہ ہم لوگ تو گھر کے اندر زندگی گزارتے ہیں ہمارے سامنے سارے چیزوں کا شفاف ورژن آتا ہے اس لیے ہم ہر بات سے بے خبر نہ رہتے ہیں۔ ہمیں کوئی پریشانی ہوتی ہے نہ ہی کوئی خوف محسوس ہوتا ہے اور اسی لیے ہم کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔“

عمر اب منہ صاف کرتے کرتے ہاتھ روک کر گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جو بڑی روانی سے کہہ رہی تھی۔

”ہاں، انہوں نے ہی کہا مگر اب تم جانتیں جانتیں تو میں ان سے جا کر کہہ دیتا ہوں۔“ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”نہیں، ٹھیک ہے۔ میں جانتی ہوں۔“

وہ ایک لمبے کی ہچکچاہٹ کے بعد یک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ”that's great“ وہ بے اختیار دسکرایا۔

ساتھ چلتے چلتے دونوں گیت سے باہر آ گئے۔ فٹ پاتھ پر آتے ہی اس نے علیرہ کو مخاطب کیا۔

”تم روتی رہی ہو؟“ وہ ٹھٹھکی اسے عمر سے ایسے کسی سوال کی توقع نہیں تھی۔

”نہیں۔“ چند لمحوں بعد اس نے کہا۔

عمر نے ایک نظر خاموشی سے اسے دیکھا۔ وہ سامنے سر دک پر دیکھ رہی تھی۔ اس نے علیرہ کے جواب پر کوئی

تبدیل نہیں کیا۔

چند لمبے اسی طرح خاموشی سے چلتے رہنے کے بعد اس نے علیرہ سے پوچھا۔

”بھئی واک کیلئے آتی ہو؟“

”نہیں۔“

”کیوں؟“

”مجھے اچھا نہیں لگتا۔“

”تم پہلی لڑکی ہو جس کے منہ سے میں یہ سن رہا ہوں۔“ اس نے خاموشی سے ہٹکلی سے کہا۔ اس بار علیرہ

خاموش رہی۔

”تھوڑی بہت انکسرسائز تو ضروری ہوتی ہے۔ بندہ فٹ رہتا ہے۔“

اس نے ایک بار پھر بات کا سلسلہ جوڑنے کی کوشش کی۔ وہ ایک بار پھر خاموش رہی۔

”انکسرسائز تو کسی کو بری نہیں لگتی۔“ عمر نے ہمت نہیں ہاری۔ اس کی خاموشی ہنوز قائم تھی۔

”مجھے تو اچھا لگتا ہے جو لگ کرنا، واک کیلئے جانا..... پختے میں دو تین بار چم جانا۔“

علیرہ نے اس بات پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ کچھ دیر اس کے جواب کا منتظر رہا پھر جیسے جگ آ گیا۔

”کیا صرف میں ہی لڑکی رہوں گا تم کچھ نہیں کہو گی؟“

علیرہ نے صرف گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

”آپ خود باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے تو نہیں کہا۔“ اس نے کچھ فطری سے عمر کو جواب دیا۔

”میں اس لیے باتیں کر رہا ہوں کیونکہ یاد میرا دل چاہ رہا تھا آپ سے باتیں کرنے کو۔“

”میں اس لیے باتیں نہیں کر رہی کیونکہ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا آپ سے باتیں کرنے کو۔“ عمر اس کے جواب

پر بے اختیار ہنس پڑا۔

”میں نے یہ واقعی نہیں سوچا تھا کہ تمہارے بات نہ کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔“

باب ۲۰

میں واک کیلئے جا رہا ہوں۔ چلو کی میرے ساتھ؟“ وہ شام کے وقت حسب معمول واک کیلئے نکل رہا تھا جب اس نے لان کے ایک کونے میں علیرہ کو کرسی کے ساتھ دیکھا۔ چند لمبے وہ کھڑا رہا پھر اس کی طرف بڑھ آیا۔

قدموں کی چاپ پر علیرہ نے سر اٹھا کر دیکھا اور گرد دیکھ کر اس نے سر جھکا لیا۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ ساری دوپہر روتی رہی ہوگی۔ اسے بے اختیار ترس آیا۔

”کیا ہو رہا ہے علیرہ؟“ اس نے بڑے دوستانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

علیرہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سر جھکانے وہ اسی طرح گھاس پر بیٹھی ہوئی کرسی کے بالوں میں اٹھیاں پھیرتی رہی۔

”مجھ سے کیا ناراضی ہے یاد؟“ وہ بے تکلفی سے کہتا ہوا خود بھی اس کے پاس گھاس پر بیٹھ گیا۔ وہ اب بھی اسی طرح خاموش اور اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتی تھی۔

”میں واک کیلئے جا رہا ہوں۔ چلو کی میرے ساتھ؟“

ایک بار پھر اس نے بڑے دوستانہ انداز میں کہا۔ علیرہ نے کچھ حیران ہو کر سر اٹھایا۔ اس نے پہلے بھی اسے ساتھ چلنے کی آفر نہیں کی تھی۔ پھر آج کیوں؟

”نہیں۔“ اس کے یک لفظی جواب نے عمر کو بالیں نہیں کیا۔

”مگر گرتی کہہ رہی تھیں کہ میں تمہیں ساتھ لے جاؤں۔“

”کیوں؟“ وہ حیران ہوئی۔

”یہ تو پتا نہیں مگر اندازے لگتے ہوئے انہوں نے مجھ سے کہا کہ علیرہ باہر لان میں بیٹھی ہے اسے ساتھ لے جاؤ۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ واک کر کے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔“

”یہ انہوں نے کہا؟“ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

عمر نے ٹھٹھکیا لیس اور وہ دونوں ریس کورس میں داخل ہو گئے۔ شام ہو چکی تھی اور پارک کی لائٹس آن تھیں۔ جو گلک ٹریک پر آنے کے بجائے وہ والگ ٹریک پر آ گئے۔ عراب خاموش تھا۔ کافی دیر وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ پھر عراب ایک سٹیج کی طرف بڑھ گیا۔

”آؤ کچھ دیر وہاں بیٹھتے ہیں۔“ اس نے کہا۔ عطر نے خاموشی سے اس کی تھلید کی۔ سٹیج پر بیٹھنے کے بعد دونوں کچھ دیر تک پارک میں بھرنے والے لوگوں کو دیکھتے رہے۔

”کراچی میں کیا ہوا عطر عزیز؟“

بہت نرم اور مدھم آواز میں ایک مجلس اس کی ساری حیات تک دم بیدار ہو گئیں۔ گردن موزکراس نے عمر کو دیکھا کہ اس پر نظر کس بجائے ہوئے تھا۔

”تجربہ کنی چیز پریشان کر رہی ہے؟“ اس کا سوال ذرا مختلف انداز میں دہرایا گیا۔

”کراچی میں کچھ نہیں ہوا۔ اور مجھے۔۔۔ مجھے کوئی چیز پریشان نہیں کر رہی۔ اور۔۔۔ اگر آپ مجھ سے دوبارہ اسی طرح کی کوئی بات پوچھیں گے تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔“ عمر نے اس کے چہرے پر بے تحاشا خوف دیکھا مگر وہ اسی طرح پر سکون تھا۔

”ٹھیک ہے، میں مان لیتا ہوں کہ کراچی میں کچھ نہیں ہوا اور تم پریشان بھی نہیں ہوا۔ پھر بچہ ز میں کیا ہوا؟“ اس کا لہجہ ابھی نرم تھا۔

”کچھ نہیں ہوا۔ بس میں۔۔۔ میں ڈفر ہوں، ڈل ہوں، مجھے کچھ نہیں آتا، مجھے کچھ آتی نہیں سکتا۔“

”یہ سب تجھیں کس نے بتایا؟“ وہ اب بھی اطمینان سے پوچھ رہا تھا۔

”ابن نے خود سے سوچا ہے۔“

”غلام سوچا ہے۔“

”نہیں بالکل ٹھیک سوچا ہے۔“

”ایک ٹیسٹ میں ہونے والی بات کا کیا تمہارے لیے اتنی بڑی چیز بن گئی ہے۔“

وہ جواب میں کچھ بول نہیں سکی۔ عمر کو ایک احساس ہوا کہ وہ روری تھی۔ پارک میں اندھیرا اٹا بڑھ چکا تھا کہ وہ اس کے چہرے پر پھیلنے والی کی کوئی کچھ نہیں سکتا تھا اور وہ شاید اسی بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بے آواز دہرائی تھی۔

”آئندہ بھانے کے بجائے تم اپنے پرواہلر کو مل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔“

”میں نہیں کر سکتی۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میرا کیا فائدہ نہیں۔ نہ خود کو نہ کسی دوسرے کو۔“ تاؤ ٹھیک کہتی ہیں میں ہمیشہ دوسروں کے سامنے ان کی بے عزتی کا باعث بنتی ہوں۔ میں نے سوچ لیا ہے اب میں کچھ نہیں کروں گی۔ میں کاغذ بھی نہیں جاؤں گی۔“

وہ اب بچوں کی طرح ہلکتے ہوئے گھبراہٹ تھی۔

”اسٹلر بڑھو دو گی پھر گھر میں رو کر کیا کرو گی؟“

”کچھ بھی نہیں کروں گی۔ میں اپنی ساری پینٹنگز کو جلاؤں گی پھر کرنی کو مار دوں گی اور پھر خود بھی مر جاؤں گی۔“

”یکساں مت کرو عطر۔“ اسے پیسے کھٹا تھا۔

”آپ دیکھنا میں ایسا ہی کروں گی۔ میں ایسا ہی کروں گی۔ میرے ہونے یا نہ ہونے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کسی کو میری ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں Unwanted ہوں۔“ اس کے دل کو بے اختیار کچھ ہوا۔ وہ اب چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ کر رو رہی تھی۔

”عطر! وہاں تمہاری پردا کرتا ہوں، مجھے ضرورت ہے تمہاری۔“ وہ اب اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہا تھا۔

”مگر تم میرے باپ نہیں ہو۔۔۔ تم میری ماں بھی نہیں ہو۔ مجھے ان دونوں کی ضرورت ہے۔ میں چاہتی ہوں وہ پردا کریں میری عمر۔۔۔ مگر ان کی زندگی میں میرے لیے کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔“

وہ چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اس کا بازو پکڑے بچوں کی طرح کھڑی تھی۔

”مجھے ان کے روپے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے ان دونوں کی ضرورت ہے۔ مجھے اپنے گھر کی ضرورت ہے جہاں مجھے آزادی ہو جہاں میری اہمیت ہو۔ مگر ان کے گھروں میں میرے لیے جگہ نہیں ہے۔ ایک کمرہ تک نہیں ہے۔“

وہ بیٹے آنسوؤں کے ساتھ اب بے اختیار اسے سب کچھ بتاتی جا رہی تھی۔

”پتا ہے پاپا نے کیا کیا میرے ساتھ؟“ وہ کراچی میں گھر بخارے ہیں مگر میں سب کیلئے کرے ہیں بس میرے لیے نہیں ہے۔ میں باؤ بھی نہیں آتی۔ وہ سب میری جادہ ہے جسے میرے لیے مجھے کسی نے کہا تک نہیں۔“

وہ خاموشی سے اس کے آنسو دیکھتا اور ہنسنے لگا۔

”میں مجھے ہر سال اپنے پاس بلاتی ہیں مگر وہ بھی اپنے پاس رکھنے کو تیار نہیں۔ انہیں صرف اپنے بچوں کی پردا ہوتی ہے۔ اپنے شوہر کی فکر ہوتی ہے۔ میری نہیں۔ میں سوچتی ہوں پھر میری زندگی کا کیا فائدہ۔ جب میں اپنے بچہ شس پری بوہم بن چکی ہوں۔“

وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

”بس! ابھی تم کو کچھ اور کہنا ہے؟“

اس کے کندھے پر بازو پھینکا اور اس نے بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔ وہ خاموشی سے روتی رہی۔ خاموش دیر رونے کے بعد اس کی سسکیاں اور بچکیاں آہستہ آہستہ دم توڑنے لگیں۔ پھر وہ جیسے غلام ہو کر خاموش ہو گئی۔

عطر! اب میری کچھ باتیں غور سے سنو۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تم جتنا چاہو رو لو مگر تمہارے بچہ شس اسی طرح کبھی تجھیں نہیں مل سکتے جس طرح تم چاہتی ہو۔ ان دونوں کی اپنی اپنی زندگی ہے۔ اپنا گھر ہے۔ ان کی ترجیحات بدل چکی ہیں اور یہ سب کچھ تمہارا نہیں ہے۔ عطر! کبھی کے بعد ایسا ہی ہوتا ہے جو کچھ تم ان کی زندگی میں چاہتی ہو وہ وہیں مل سکتی۔ نہ آج نہ ہی آئندہ کبھی اور تمہیں اس جگہ تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیے۔“

وہ بہت عجیب کی مگر بوڑی نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔

”مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسا کوئی نہیں ہے جسے تمہاری ضرورت نہ ہو۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو تمہاری پر داکرتے ہیں۔ تمہارے بارے میں فکر مند رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک تم اہم بھی ہو۔ مگر یہی تم سے جلد ناراض ہو جاتی ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں تم سے محبت نہیں ہے۔ انہوں نے جنہیں پالا ہے۔ وہ تم سے محبت بھی کرتی ہیں بس ان کے اظہار کا طریقہ مختلف ہے۔ پھر کریڈٹ پائیں۔ کیا تم نے کوئی کرائی نہیں بھی تم سے محبت نہیں ہے۔ تمہاری فریڈ ز ہیں۔ کرسٹی ہے اور میں بھی تو ہوں۔ ہم سب کو طبرہ سکندر کی بہت بہت ضرورت ہے۔ وہ بے یقینی کے ساتھ مراٹھائے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ”تم میں اتنی ہی خوبیاں اور خامیاں ہیں جتنی مجھ میں یا کسی بھی دوسرے نارمل بندے میں۔ جو چیز میں رکسکا ہوں وہ بھی کر سکتی ہو۔ تم ذفر ہو نہ ہی ڈل ہو۔ تم ایک بہت ہی creative اور ذہین لڑکی ہو۔ واحد مسئلہ یہ ہے کہ تم بہت زیادہ حساس ہو۔“

اس کے آنسو مکمل طور پر خشک ہو چکے تھے۔

”زندگی میں ایک چیز ہوتی ہے جسے کبھی دماغ نہیں دیکھتا۔ یہ سکن زندگی گزارنے کیلئے اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس چیز کو تم بدل نہ سکو اس کے ساتھ کچھ دماغ کر لیا مگر اپنی کسی خواہش کو کبھی بھی جنون مت بنایا کرو۔ زندگی میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو میں نہیں کر سکتی۔ چاہے ہم دیکھیں چلائیں یا بچوں کی طرح ایڑیاں رگڑیں کیونکہ وہ کسی دوسرے کیلئے ہوتی ہیں جیسے تمہارے بیڑس اب کسی اور کے بیڑس ہیں۔ تمہارا گھر کسی اور کا گھر ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ زندگی میں ہمارے لیے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ کچھ نہ کچھ ہمارے لیے بھی ہوتا ہے۔“ وہ دیکھنے کی مابہر استاد کی طرح اسے کر سکا رہا تھا۔

”تمہارے سامنے ابھی پوری زندگی پڑی ہے۔ تمہاری شادی ہوگی، اپنا گھر ہوگا، ایک اچھا شوہر ہوگا اور ابھی بہت کچھ مل جائے گا مگر ابھی اس عمر میں خود کو اس طرح ضائع مت کرو۔ مانا یہ سب کچھ تمہارے لیے تکلیف دہ ہے مگر تم خود کو اتنا مضبوط بناؤ کہ ایسی تکلیفوں کا برداشت کر سکو۔“

وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔

”تم سوچنا ہی نہیں کیا کہہ رہا ہوں؟“ طبرہ نے بے اختیار سر ہلا دیا۔

”یہ سب کچھ جو تم محسوس کر رہی ہو میں بھی کر چکا ہوں۔“

اس کی آواز ایک دم دھیمی ہو گئی۔

”میں جانتا ہوں بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن کچھ وقت گزارنے کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ مگر آج آتا ہے، سکن مل جاتا ہے۔ تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ صرف یہ مشکل وقت ہے اسے کسی نہ کسی طرح گزار لو۔ اپنے ذہن میں سے اپنے بیڑس کو نکال دو، ان کے گھروں، زندگیوں اور بچوں کے بارے میں منٹ سوچو۔ صرف یہ سوچو کہ تمہیں اپنے لیے کیا کرنا ہے۔“

”آپ بتائیں مجھے زندگی میں کیا کرنا ہے؟ میں کیا کر سکتی ہوں؟“

”تم بتاؤ میں یہ طے کر دو کہ تمہیں اپنی زندگی میں کیا کرنا ہے؟ اور کیسے کرنا ہے۔“

”مگر میں کچھ سے نہیں کر سکتی۔“ اس نے بے بسی سے کہا۔

”کیوں طے نہیں کر سکتیں۔ کیا یہاں دماغ نہیں ہے؟“ عمر نے اس کے سر کو چھوتے ہوئے کہا۔

”میرا کسی چیز میں دل نہیں لگتا۔ کوئی چیز مجھ میں نہیں آتی۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا لیکن میں نے بچہ ز کیلئے بہت محنت کی تھی مگر اس میں بڑھتے ہوئے میری کچھ بھی کچھ نہیں آتا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا میں سب کچھ پھینک دوں۔ کچھ بھی نہ کروں۔۔۔۔۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کبھی چلی جاؤں۔“

”کوئی بات نہیں ایسا ہوتا ہے بعض دفعہ، تم بچپنے کچھ عرصے سے پریشان تھیں اس لیے میٹھلی کسی چیز پر بھی توجہ مرکوز نہیں کر پائیں مگر اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اسلڑ بڑ میں کوئی پراہلم مجھے بتاؤ، تھوڑی بہت میپ تو میں کر ہی سکتا ہوں۔ اپنے بچہ ز سے پوچھو، فریڈ ز سے بات کرو۔ زیادہ پراہلم ہو تو گر گئی ہے کہو۔ وہ جنہیں نیڈ رکھا دی گی۔ مگر اپنی اسلڑ بڑ پر توجہ دو۔ اپنا کیریئر بنانے کے بارے میں سوچو۔“

وہ اس سے رو باتیں کر رہا تھا جو پہلے کبھی کسی نے نہیں کی تھیں۔ وہ اب عجیب کی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”آپ کا کبھی دل نہیں چاہا کہ آپ کے بیڑس میں ڈائیورس نہ ہوئی ہوئی؟“ وہ پتا نہیں کیا جانتا چاہتی تھی۔ وہ چند لمبے کچھ نہیں کہہ سکا۔

”چاہتیں۔ میں نے کبھی سوچا نہیں اس بارے میں۔“

”کبھی بھی نہیں؟“ اسے یقین نہیں آیا۔

”جہاں ان لیے ہیں کہ میں نے کبھی ایسا سوچا تو بھی کیا فائدہ کیا میرے سوچنے سے کچھ ہو سکتا ہے۔ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ میرا وقت ضائع ہو اور میں وہ نہیں کرنا۔“

”آپ کو کبھی اپنی یاد نہیں آتی؟“ اس بار خاموشی کا واقعہ قدرے طویل تھا۔

”آتی ہیں۔“ جواب مختصر تھا۔

”آپ ملتے ہیں ان سے؟“

”میں نہیں ملتا، وہ ہلتی ہیں۔“ وہ جواب پر کچھ حیران ہوئی۔

”آپ کیوں نہیں ملتے؟“

”پتا نہیں۔“

”آپ ان سے محبت نہیں کرتے؟“

”پتا نہیں۔“

”کیوں؟“

”طبرہ اب اتنا وقت وہ چکا ہے ان سے ابگ ہوئے کہ بس مجھے ان کے بارے میں سوچنا بھی عجیب لگتا ہے۔“

”آپ کو وہ اس لیے یاد نہیں آتیں کیونکہ آپ کے پاس سب کچھ ہے۔“

اس نے جیسے ایک تیراخذ کیا۔

”اچھا..... سب کچھ ہے میرے پاس؟..... مثلاً کیا؟“ وہ بہت عجیب انداز میں بڑھا۔

”آپ کے پاس گھر ہے۔“ اس نے کچھ رنگ سے کہا۔

”یہ تم سے کس نے کہا؟“

”کیا مطلب؟ کیا آپ کے پاس گھر نہیں ہے؟“ وہ کچھ حیران ہوئی۔

”نہیں! میرے پاس کوئی گھر نہیں ہے۔“ اس نے صاف کوئی سے کہا۔ ”غیر وہ بے چینی سے اسے دیکھا۔

”جی کہہ رہا ہوں، غلطیہ میرے پاس کوئی گھر نہیں ہے۔“ وہ اس کی حیرت پر بھانپ گیا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”کیوں! یہ کیوں نہیں ہو سکتا؟“

”انگل جہاں گھر کے پاس تو اپنا گھر ہے اور آپ ہمیشہ ان کے ساتھ ہی رہے ہیں۔“

”ہاں، پاپا کے پاس گھر ہے اور میں ہمیشہ ان کے پاس رہا ہوں لیکن ان کے ساتھ نہیں رہا۔“

وہ اندھیرے میں اس کے چہرے پر موجود اثرات کو دیکھنے کی کوشش میں ناکام رہی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”پاس رہنے اور ساتھ رہنے میں فرق ہوتا ہے۔“

”کیا فرق ہوتا ہے؟“

”پاپا کی پہلی پوسٹنگ جب لندن میں ہوئی تو ان دنوں میرے پیرنس میں ڈاکٹر دورس ہو گئی۔ پاپا نے

مجھے بورڈنگ میں بھیج دیا۔ چند سالوں کے بعد وہ امریکہ گئے تو مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ وہاں بھی میں بورڈنگ میں

رہا۔ ویک اینڈز میں ان کے پاس آ کر جاتا تھا مگر صرف ویک اینڈز پر۔“ وہ گم صم اسے دیکھتی رہی۔

”پھر پاپا کی پوسٹنگ امریکہ میں ہو گئی لیکن میں وہاں بعد میں پاپا ایک بار پھر امریکہ آ گئے تب میں

یونیورسٹی میں تھا اور ہاسٹل میں ہی رہتا تھا۔“

”کیوں؟ آپ ان کے ساتھ کیوں نہیں رہے؟“

”اب جد تو مجھے نہیں پتا لیکن..... بس پاپا نے بھی ساتھ رہنے کیلئے کہا نہیں اور میں نے بھی کہا نہیں۔“

ہو سکتا ہے ایک بچہ ان کی دوسری شادی بھی ہو۔“

”کیا آئی ٹی ٹرین کے ساتھ آپ کے اچھے دوست نہیں تھے؟“

”نہیں! ایسا نہیں ہے مگر شاید پاپا سوچتے ہوں گے کہ میری وجہ سے ان کی پرسنل لائف Suffer نہ کرے

یا ان کی پرائیویسی متاثر نہ ہو۔“

”صرف اس لیے؟“

”نہیں شاید یہ بھی تھا کہ مجھے پاپا کے پاس ایک ایسی زندگی گزارنی پڑی جو بہت ڈاڑھی ہوئی۔ آزادانی نہ

ہوتی میرے پاس۔“

”آپ نے کبھی اپنے گھر کو مس نہیں کیا؟“

”کسی حد تک..... مگر تہہ باری طرح نہیں۔ شاید اس لیے کہ میرے پاس کرنے کو بہت کچھ تھا مگر کچھ سوچنے

کیلئے وقت نہیں تھا۔“ اس کے لیے میں لا پرواہی تھی۔

”آپ کا دل نہیں چاہا کہ آپ کا اپنا گھر ہو۔ پیرنس ہوں۔“ عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔

”اچھا فرض کر دوں چاہتا ہے پھر کیا کروں؟ مجھے بتا ہے گھر نہیں مل سکتا۔ پیرنس نہیں مل سکتے۔ اب میں یہ

تو نہیں کر سکتا کہ ڈاکٹر ایورسٹ پر چڑھ کر دو گھاؤں..... یا! انہیں مٹیں بہت ہی چیزیں نہیں مٹیں پھر کیا کیا جائے؟“

غلطیہ کو اس کے اطمینان پر رنگ آتا۔

”جب آپ چاہ کر رہے تھے تو آپ نے کبھی اپنا گھر بنانے کی کوشش نہیں کی؟“

”لندن میں چاہ کر رہا تھا غلطیہ! اتنی بڑی چاہ نہیں تھی کہ گھر خرید لیتا۔ ایک کرائے کا فلیٹ..... تھا کبھی

کی طرف سے۔ چھوٹا سا تھا۔ مگر ساڑھے نو لاکھ تھاتو کو ساڑھے نو لاکھ آتا تھا صرف سونے کیلئے ہی اسے

استعمال کرتا تھا۔ لندن اتنا مہنگا شہر ہے کہ وہاں گھر وغیرہ بنانے کا بندہ نہیں سوچ سکتا۔ پیرنس نے تو ویسے بھی بہت

زیادہ خرچے کیلئے چاہ نہیں کی۔ پاپا مسلسل مجبور کر رہے تھے فارن سرس کیلئے ہی اسی طرح گزار گیا۔“

غلطیہ کو کچھ خرمندگی ہوئی اس کا عمر کے بارے میں ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ وہ اپنے گھر میں انکل جہاگیر

کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزار رہا ہے۔ اسی لیے نانو کے پاس آنے پر وہ اس طرح برمجم ہو گئی تھی مگر وہ اسے کچھ اور

ہی بتا رہا تھا۔

”مگر انکل جہاگیر تو آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔“ وہ پتا نہیں کیا جانا چاہی تھی۔ جواب میں

ایک طویل خاموشی چھانی رہی۔

”انکل جہاگیر تو آپ سے محبت کرتے ہیں؟“ غلطیہ نے اس بار قدرے بلند آواز میں اپنا سوال دہرایا۔

”کیا.....! ہاں.....! محبت..... ہو سکتا ہے کرتے ہوں۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“ اس کے غیر متوقع جواب نے غلطیہ کو حیران کیا۔ ”آپ کو نہیں پتا کہ وہ آپ سے محبت

کرتے ہیں یا نہیں؟“

”نہیں میں نے کبھی اس ٹاپک کو ڈسکس نہیں کیا..... ہمارے درمیان اور ٹاپکس پر بات ہوتی ہے۔“

”مگر وہ آپ سے محبت کرتے ہیں۔“ اس نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”اچھا!..... عمر نے بون کا پیسہ غلطیہ نے اسے کوئی نئی بات بتائی جو۔“

”کنکٹی فرینڈز ہیں تمہاری؟“ عمر نے یک دم بات کا موضوع بدل دیا۔

”بس ایک..... میں نے آپ کو پہلے بھی ایک بار بتایا تھا۔“ غلطیہ نے جواب دیا۔

”ہاں..... شہلا..... یہی نام ہے؟“ غلطیہ کو حیرت ہوئی اسے نام تک یاد تھا۔

”چار کیوں؟“

”یاد رہے دو کھانسیں گے۔“ اس نے اطمینان سے روپے نکالتے ہوئے کہا۔

”مگر میں تو ایک کھاؤں گی۔“

”ختمیں یا رُخس کریم کون ایک کھا تا ہے؟ ہمیشہ دو کھاتے ہیں۔ اگر اپنے روپے خرچ کر رہے ہوں۔۔۔۔۔ اور اگر کوئی دوسرا کھلا رہا ہو تو پھر تین اور چار بھی کھائی جا سکتی ہیں۔“ اس نے جیسے بطریقہ کو بچے کی بات بتائی تھی۔

”مگر ایک وقت میں دو کیسے کھاؤں گی؟“ اس نے عمر کے ہاتھ سے کون پکڑے ہوئے کہا۔

”یہ تمہیں میں سکھاؤں گا۔ تم آؤ تو سکی۔“

اس نے خود بھی اپنی دونوں کونز پکڑے ہوئے کہا پھر وہ بڑی برق رفتاری سے ایک وقت دونوں کونز کھانے لگا۔ اس کی جھارت یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کام کرنے کا عادی تھا۔

بطریقہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے خود بھی اسی کی طرح اُرخس کریم کھانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اُرخس کریم پکھلنے لگی تھی۔ مین روڈ پر آتے آتے اُرخس کریم اس کے دونوں ہاتھ اور گالوں پر پکھل کر پھنے لگی تھی۔ عمر اس وقت تک دونوں کونز تقریباً ختم کر چکا تھا۔ ساتھ چلتے ہوئے اس نے بطریقہ کو کچھ افسوس بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا کرو گی یا رُخس زندگی میں۔۔۔۔۔ یہ اس قدر ضروری کام تمہیں نہیں آتا۔ مجھے کم از کم تم سے یہ توقع نہیں تھی۔“

واپس ٹیل روڈ پر آتے ہوئے اس کی اُرخس کریم ختم ہو چکی تھی مگر دونوں ہاتھ پکھلی ہوئی اُرخس کریم سے تسخیر ہوئے تھے۔

”اب یہ دیکھیں، میرے ہاتھ گندے ہو گئے ہیں۔ انہیں کیسے صاف کروں؟“ بطریقہ نے اسے ہاتھ دکھاتے ہوئے کہا۔

”اپنی شرٹ سے صاف کرو، جیسے تم روئے ہوئے اپنے آنسو صاف کرتی ہو۔“ عمر نے کچھ شرارتی انداز میں کہا۔ وہ کچھ جھینپ گئی۔

”مراؤ زری پاگت میں کوئی ٹشو نہیں ہے؟“ عمر نے چلتے ہوئے اس سے کہا۔

”نہیں ہے۔ پانی ہو تو۔۔۔۔۔“ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”میں ان میں روڈ پر پانی کہاں سے مل سکتا ہے۔ تم شرٹ سے صاف کرلو۔ مگر جا کر کپڑے تو جینج کرنے ہی ہیں۔“ عمر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”ختمیں یہ اتنی چٹکی ہے۔ مجھے کھن آ رہی ہے۔“ اس نے مضامین کھولنے اور بند کرتے ہوئے کہا۔

”لاؤ، میں صاف کروں۔“ عمر چلتے چلتے رکا اور بڑے اطمینان سے اپنی شرٹ سے اس کے ہاتھ صاف کرنے لگا۔ بطریقہ کو جیسے ایک جھلکا لگا اس نے ہاتھ جھینپنے کی کوشش کی۔

”آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ کی شرٹ گندی ہو جائے گی۔“

”ہاں آپ کو بتا ہے تو پھر کیوں پوچھ رہے ہیں؟“

”بس ایسے ہی۔۔۔۔۔ تمہاری بہت زیادہ دوستی ہے اس کے ساتھ؟“

”ہاں۔“

”بہت اچھی ہوگی؟“

”ہاں۔“ اسے اب عمر سے بات کرتے ہوئے کوئی گھبراہٹ یا الجھن نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بے اختیار اس کی باتوں کے جواب دے رہی تھی۔

”اور کوئی فریڈ نہیں ہے۔“

”نہیں۔“

”میں بھی نہیں؟“ وہ جواب دیتے ہوئے کچھ الجھی۔

”آپ بھی ہیں۔۔۔۔۔“

”شہلا جتنا کونز فریڈ ہوں؟“ اس بار پوچھا گیا۔

”نہیں! جتنا تو نہیں۔“ بطریقہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

”اچھا چلو فریڈ تو ہوں نا؟“

”ہاں۔“

”بس ٹھیک ہے۔ اسی خوشی میں، میں تمہیں چھو کھاتا ہوں۔ بلکہ تمہیں تو جیسوں کیا کھاتا ہے؟“

”کچھ بھی نہیں۔“

”کم آن یا رُخس۔۔۔۔۔ آج آوارہ گردی کرتے ہیں۔ کتنی سے کچھ کھاتے ہیں۔۔۔۔۔ چلو برگر لیتے ہیں پھر اُرخس کریم کھائیں گے۔ آج روئے میں تم نے خاصی ازبجی ویسٹ کی ہے۔ اب ضروری ہے یہ سب کچھ۔“

عمر نے اچھے ہوئے اچھا ہاتھ اس کی طرف ہلادیا۔ اس نے عمر کا ہاتھ قلم ہلایا۔

رہیں کونس کے دوسرے گیٹ سے وہ ٹیلا روڈ پر نکل آئے۔ عمر اب اسے بطریقہ سے ناروا بچا۔ وہ ایک چھوٹے سے بچے کی طرح اس کا ہاتھ قلم سے اس کے تیز قدموں کا تعاقب کرتی اس کی باتوں پر قہقہے لگتی تھی۔

ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ شادمان کی طرف نکل آئے۔ فٹ ہاتھ پر لگے ہوئے برگر کے ایک اسٹال سے انہوں نے برگر خریدے اور پھر بے مقصد مارکیٹ میں دنگ و ڈانگ کرتے ہوئے برگر کھاتے رہے۔

بطریقہ کو اچانک احساس ہونے لگا مگر اتنا برا نہیں تھا جتنا عمر کی تھی۔ اسے اس کے ساتھ اس طرح بھرتا اچھا لگ رہا تھا۔ عجیب سی آزادی اور اعتماد کا احساس ہو رہا تھا۔

برگر ختم ہونے کے بعد عمر اسے اُرخس کریم کھانے کیلئے اسی طرح ایک اور اسپاٹ پر لے گیا۔

”چار کون دے دیں۔“ اس نے اُرخس کریم مشین کو آپرے کرنے والے سے کہا۔ بطریقہ نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

عمر نے کچھ کہنے کے بجائے اچھی طرح اس کے دونوں ہاتھ اپنی شرت سے صاف کر دیے۔

”کوئی بات نہیں رابرٹ میری ہی شرت گندی ہوگی تاہم ہمارے ہاتھ تو صاف ہو جائیں گے۔“

اس نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی جو اس کا ہاتھ پکڑے سوک کر اس کرنے کیلئے ٹھیک کو دیکھ رہا تھا۔

والہی کے راستے پر وہ بائیں کرتی ہی تھی اور عرض رہا تھا۔ علیزہ کو پانچویں کلاس نے آخری بار زندگی میں کب کسی کے ساتھ اتنی باتیں کی تھیں۔ شاید کسی کے ساتھ نہیں۔ شہلا کے ساتھ بھی نہیں۔

گھر کا گینٹ نظر آنے لگا تو وہ ایک دم چوڑھا۔

”ہاں یاد آیا علیزہ و اتم سے ایک بات کہنی تھی۔“

”ہاں کہیں۔“

”مگر پہلے تم پر اس کر دیکھ ناراض نہیں ہوگی۔“

وہ حیران ہوئی۔ ”ایسی کوئی بات ہے؟“

”نہیں! پہلے تم پر اس کر دو۔“ اس نے اصرار کیا۔

”فیک ہے میں پر اس کرتی ہوں میں ناراض نہیں ہوں گی۔“

”دوبی گڈا“ عمر نے کانپی پر ہانسی ماری ہوئی گھڑی پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

”وہ دراصل بات یہ ہے کہ میں تمہیں گری کو بتاؤں گے پھر لے کر آیا ہوں۔“

خامس اطمینان سے کہے گئے جملے نے اس کے قدموں تلے سے زمین نکال دی۔ علیزہ کا منہ کھلا رہ گیا۔

”مگر آپ نے تو کہا تھا کہ.....“ عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میں نے جھوٹ بولا تھا اگر یہ کہنا کہ میں

جہیں ساتھ لے کر جانا چاہتا ہوں تو تم بھی نہ آئیں۔“ اس کا اطمینان ابھی بھی برقرار تھا مگر اب علیزہ کی جان پر پی

ہوئی تھی۔

”آپ کو اندازہ ہے، کتنی دیر ہوگئی ہے۔ تاہم ہی ناراض ہوں گی۔“ وہ رابرٹ کی ہوئی۔

”نہیں ہوتیں رابرٹ! اور اگر ہوتیں بھی تو میں کہہ دوں گا کہ میں زبردستی تمہیں ساتھ لے کر گیا تھا۔“ عمر نے

ساتھ چلتے ہوئے اسے تسلی دی۔

”آپ ناگوار نہیں جانتے۔ اس لیے کہہ رہے ہیں۔ میں کبھی بھی ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتی اور

نہی وہ بات پسند کرتی ہیں۔“

”تم فکر مت کرو۔ میں بات کر لوں گا ان سے۔“ اس نے ایک بار پھر اسے تسلی دی۔

وہ گھر کے گیٹ پر پہنچی جیکے تھے تیل بھانے کے بجائے عمر نے گیٹ پر ہاتھ مار کر پوچھا کہ اسے گیٹ کھولا یا۔

علیزہ کا قصور دیر پہلے دلا جوش و خروش ختم ہو چکا تھا۔ اب اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑے ہوئے تھے جبکہ عراب

بھی پہلے کی طرح مطمئن اور بے فکر نظر آ رہا تھا۔

پورچ کر اس کرنے کے بعد لاؤنج کا دروازہ عمر نے ہی آگے بڑھ کر کھولا۔ علیزہ اس سے چند قدم پیچھے تھی۔ بہت جلد انداز میں دھڑکتے دل کے ساتھ جب وہ عمر کے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئی تو لاؤنج میں ایک عجیب سی خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔

عمر اس سے کچھ آگے ہانکل ساکت کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر کچھ دیر پہلے والی ہلکتلی اور مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ علیزہ نے کچھ حیرانی کے ساتھ لاؤنج میں اس چیز کو تلاش کرنے کی کوشش کی جسے دیکھ کر عمر کی یہ حالت ہوئی تھی اور وہ چیز اس کے سامنے ہی تھی۔

لاؤنج کے ایک صوفے پر نالو کے ساتھ ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ راکل بلسک کی ساڑھی اپنے وجود کے گرد لپیٹے۔ کھنکھراتے ترائیدہ بالوں اور نیچے نعوش والی اس عورت کو علیزہ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ دونوں اتنی خاموشی کے ساتھ اندر آئے تھے کہ نالو اور اس عورت کو پتا نہیں چلا وہ دونوں چائے پینے کے ساتھ بہت مدد آواز میں کوئی بات کر رہی تھیں اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ تھیں۔

نالو بہت موشل نہیں تھیں مگر پھر بھی ان کا ایک خاص حلقہ احباب تھا جن سے ان کا میل ملاپ تھا اور وہ لوگ گھر آتے رہتے تھے۔ اس وقت علیزہ بھی اس عورت کو نالو کی ایسی ہی کوئی واقف سمجھی تھی۔ مگر آخر عمر اس عورت کو دیکھ کر اس طرح رکی ایک کیوں کر رہا ہے؟ کیا وہ اسے جانتا ہے؟ علیزہ نے کچھ حیران ہو کر سوچا تھا عمر کی واقعیت تو بہت محدود ہی ہے پھر یہ عورت..... اس نے کچھ الجھتے ہوئے سوچا۔

تب ہی عمر نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ علیزہ چہرے پر ہنسنے میں ماہر نہیں تھی نہ ہی وہ ٹیلی ویژن جاتی تھی پھر بھی اس وقت عمر کے چہرے کو دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ وہ کچھ اور بھی الجھی تھی۔ عمر کی آنکھوں میں اسے ایک عجیب سی دشت نظر آتی تھی۔

اور اسی وقت علیزہ نے اس عورت کو عمر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ ایک دم نالو سے باتیں کرتے کرتے رک گئی پھر علیزہ نے اسے چائے کا کپ بیز پر رکھتے ہوئے دیکھا۔ اس نے عمر کو دیکھا وہ بھی اب اسی عورت کو دیکھ رہا تھا۔ پھر علیزہ نے اسے کہنے سنا۔

”ہیلو، ہاؤ آر یو؟“

جواب میں اس عورت نے جو حرکت کی، اس نے علیزہ کو ششدر کر دیا تھا۔



کے کارناموں کی مگر مقامی اخبارات تک ان کے کام اور نام سے بے خبر ہیں۔" اسے عمر کے الزامات یاد آرہے تھے۔ چائے اور دوسرے لوازمات سے فارغ ہونے کے بعد انہیں اس ابن جی عا کے ایک اعلیٰ عہدے دار نے بریفنگ دی شروع کی۔ "جب ہم نے اس علاقے میں کام شروع کیا تھا اس وقت یہ پورا علاقہ ہر طرح سے پسماندہ تھا۔ یہاں زندگی کی بنیادی سہولیات تک نہیں تھیں صرف تھیں فیصد بچے اسکول جاتے تھے اور ہائیڈرو پمپ آؤٹ ریٹ بہت زیادہ تھا، اور وہ بہت سے مہلک امراض کا شکار ہوتے تھے۔ عورتوں کی حالت تو اس سے بھی زیادہ خراب تھی۔ ڈرگز کا استعمال بھی اس علاقے میں بہت زیادہ تھا۔"

وہ اب دوسرا "Version" میں رہی تھی۔ "اس علاقے میں موجود فیکٹریاں باغڈاد لبر کو داری تھیں۔ دیہاتی علاقے سے زمیندار زبردستی فیکٹریز کے مالکان کے مطالبے پر کام کیلئے لوگوں کو بھیجنا تھے۔ جو اجازت ان لوگوں کو دی جاتی تھی اسے من کر آپ کو شاک لگے گا مگر لوگ کام کرنے پر اس لیے مجبور تھے کہ خزانگی کی شرح بہت کم تھی اور بے روزگاری بہت زیادہ تھی۔ بنیادی طور پر یہ زرعی علاقہ تھا مگر لوگوں نے اپنی زرعی زمینیں فیکٹریز کی تعمیر کیلئے بیچنا شروع کر دیں۔ اس سے یہ ہوا کہ اس علاقے میں کاشت کاری بہت کم ہو گئی۔ ایک بڑے علاقے میں ٹھیکریز بن گئیں اور ٹھیکریز سے نکلنے والے آلودہ پانی نے اس علاقے کی زرعی پوری پر مبنی اثرات مرتب کیے لوگوں کو صرف مالی طور پر بہت سے نقصانات کا سامنا کرنا پڑا بلکہ بہت سے جلدی امراض بھی ان علاقوں میں پھیل گئے دوسرے نقصانوں میں پائپ لائنیں بھی کراں علاقے میں زیادہ استحصال ہو رہا تھا۔"

وہ بہت غور سے ان فیصلوں کی باتیں سن رہی تھی۔

"مگر سب سے پہلے ہم نے اس علاقے میں کام شروع کیا۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ یہ کتنا مشکل کام تھا بلکہ شاید یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ ایک برکلیئن ٹاسک تھا، شروع شروع میں ہم جہاں جاتے تھے ہم سے تعاون نہیں کیا جاتا تھا بعض جہیوں پر تو ہمارے کمپز پر ہلے گئے تھے۔ ہم پر دباؤ ڈالا گیا۔ مختلف فیکٹریز کی طرف سے کہ ہم یہ کام نہ کریں انہیں خوف تھا وہاں لوگوں میں شورش آئے گا تو ان کا بڑا شپ ہو جائے گا اور یہ خوف بالکل درست تھا جن حالات اور شرائط پر وہ لوگ کام کر رہے تھے حضور حاصل کرنے پر سب سے پہلے وہ ان فیکٹریز کیلئے کام کرنا ہی چھوڑتے، ہماری ثابت قدمی نے ایک طرف تو ان علاقوں کے لوگوں میں ہم پر اعتماد بڑھایا بلکہ دوسری طرف ہمیں دیکھ کر بہت سی دوسری این جی ایف ایڈ جی میدان میں آ گئیں ایک پروانیت ورک قائم ہو گیا۔"

اگر اس عمر کی باتوں میں سچائی نظر آتی تھی تو اس شخص سے کہے بھی دو کوئی قریب ڈھونڈنے میں ناکام رہی اس کی الجھن بڑھ گئی تھی "سے sense of Judgement" اسے عمر کی بات یاد آئی، مگر اسے استعمال کیسے کرتے ہیں اس سے سوچا تھا۔

"ہم لوگ گروپس بنا کر مارا دن ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور دوسرے تیسرے گاؤں پھرتے رہتے ہمیں ایک ایک گھر جانا پڑا۔ وہاں سارے کوائف اکٹھے کرنے پڑے۔ مگر کس افراد کی تعداد کتنی ہے۔ ان میں عورتیں کتنی ہیں اور ان کی عمر کیا ہے، سونگتے ہیں اور کس عمر کے ہیں، بچوں کی تعداد کیا ہے اور کس عمر کے ہیں، مگر

باب ۲۱

"ان این جی اوز کے آفس کیٹ کے علاقے میں ہیں اور ظاہر ہے یہ تو ناممکن ہے کہ ہائیڈرو پمپ کے علاقے میں ہونے والی ایسا سرگرمیاں آدمی کی انجینئرز سے غیب ہوں مگر وہ بھی صرف رپورٹس دے دیے ہیں۔ کچھ کر نہیں سکتے۔ وہاں اس عمارت کے بڑے کمرے میں سب لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے اسے عمر کی بات ہے اعتبار یاد آئی۔ وہ لوگ لاہور سے سیدھا اس گاؤں میں جانے کے بجائے پہلے اس این جی اوز کے آفس میں گئے جو شہر کے اندر کیٹ کے علاقے میں ایک خاصی بڑی کھیتی مبنی واقع تھا، عمر کی ایک بات چ جانت ہو گئی تھی۔ وہاں انہیں اس این جی اوز کی طرف سے اپنے کام اور آفس کی دوسری سرگرمیوں کے بارے میں بریفنگ دی جاتی تھی۔ اس وقت وہ چائے اور اسٹیکس سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور علیحدہ کو یہ دیکھ کر خاصی حیرت ہوئی کہ انہیں تو اقامت پسند علاقے میں بھی لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس این جی اوز کیلئے کام کر رہی تھی جو خاصی تھراں کی بات تھی آفس کی عمارت کا ایک جائزہ لیتے ہوئے اسے قدم قدم پر حیرانی ہوئی تھی۔ عمارت میں موجود گاؤں میں صرف سب سے حد جدید تھیں۔ بلکہ خاصی وافر تھیں۔ اندر موجود کیمپائر اور فیکٹری مشینوں سے لے کر باہر موجود گاؤں کے ماڈرن ٹرک بے ظاہر کر رہے تھے کہ وہ کاپے خاصی فراوانی سے استعمال کیا جا رہا ہے۔

"این جی اوز اور دیہاتی علاقوں میں رہا راز اور سوشل ڈیولپمنٹ کیلئے کام کر رہی ہیں تو پھر ان کے افسروں بھی ان ہی گاؤں وغیرہ میں ہونے چاہئیں تاکہ وہ لوگوں کے ساتھ مسلسل اور بہتر رابطہ میں رہیں مگر کسی بھی این جی اوز کا آفس کم گاؤں کے اندر نہیں دیکھو گی۔ سارے آفسر شہر کے سب سے مہنگے اور محفوظ علاقے میں خاصے نام دار وغیرہ رکھے گئے ہیں اگر ان کا کام لوگوں کی بہتری ہی ہے تو پھر انہیں تو لوگوں کے ساتھ رہنے زیادہ بڑھانے چاہئیں اپنے آفسروں کی جگہوں پر رکھنا چاہیے جہاں زیادہ سے زیادہ لوگ ان کے نام سے واقف ہوں، ان کے پاس آئیں مگر ایسا نہیں ہے شہر کے اندر گرو گاؤں کے لوگ ان کے نام سے بہت آگاہ ہیں مگر شہر میں اگر تم کیٹ کے علاقے میں بھی کھڑے ہو کر کسی سے کسی بھی این جی اوز کا نام بتا کر آفس کا پتہ پوچھو وہ بے خبر ہوگا اگر انہیں کچھ ٹیک آؤٹ ہو جائے گا غصہ نہیں ہے تو یہ لوگوں کو کھلے عام اپنے آفس میں کیوں آتے نہیں دیتیں۔ انٹرنیشنل میڈیا تو دھم مچا رہا ہے ان

میں کام کرنے والے افراد کی تعداد کیا ہے؟ اور وہ کس کام سے مشغول ہیں۔ ان کی آمدنی کتنی ہے؟ گھر میں کون سی سہولتیں ہیں، کیا بچے اسکول جاتے ہیں۔ گھر میں خاناہ فراہم کیا جاتا ہے؟ یہ سب کچھ جاننے کیلئے ہمیں بڑے پائپرلے پڑے کیونکہ لوگ ہمیں شک کی نظر سے دیکھتے تھے اور معلومات چھپاتے تھے یا غلط معلومات دیتے تھے یا پھر بات ہی نہیں کرتے تھے ہمیں ان معلومات کی ضرورت اس لیے تھی تاکہ ہم ان لوگوں کے مسائل حل کرنے کیلئے کوئی چارہ تلاش کر سکتے۔“

اس کے اچھے ہونے ذہن میں اب کچھ اور گنج رہا تھا۔

”ایسا ہی اوز جب یہاں آئیں تو انہوں نے وہی اصلاحات اور سوشل ڈویلپمنٹ کا نام لے کر حقائق اور اعداد و شمار اکٹھے کرنے شروع کر دیے۔ کس علاقے میں کس عمر کے بچے کام کر رہے ہیں؟ فٹ بال انڈسٹری سے مشغول مردوں کی تعداد کیا ہے۔ باغڈ ڈلیبر کی اجڑوں کا ریسٹ کتنا ہے؟ ان لوگوں کو کس طرح جنگی سہولیات میسر ہیں؟ یہ سارا ڈیٹا اکٹھا کیا گیا ہے۔“ اور اب دیکھئے گا طیارہ بی بی آئسکرو چند سالوں میں چائلڈ لیبر اور باغڈ ڈلیبر کے حوالے سے ان ہی علاقوں کے متعلق انٹرنیشنل میڈیا یا خاصا شور مچائے گا۔ کچھ بنائیاں بھی لگنی چاہئیں گی۔“ اس نے اپنے ذہن سے عمر کی آواز جھلکتے ہوئے دوبارہ اس شخص کی آواز پر توجہ دینی شروع کی۔

”ظاہر ہے یہ لوگ کسی آدمی کو تو گھر کے اندر آئے نہیں دیتے اس لیے ہمیں لڑکیوں کی ضرورت تھی جو یہ کام کر سکیں، اسی لیے آپ لوگ دیکھیں گے کہ اس علاقے میں کام کرنے والی ساری این جی اوز کے ساتھ لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد وابستہ ہے۔“

”ہم دو درو لوگوں کا ایک گروپ بناتے تھے جو ایک لڑکی اور لڑکے پر مشتمل ہوتا تھا، یہ لوگ اپنے مخصوص علاقے میں جاتے اور خود کو بہن بھائی ظاہر کرتے اس علاقے کے امام مسجد سے رابطہ کرتے پھر اس کے ذریعے سے باقی لوگوں سے واقفیت حاصل کرتے۔ لڑکیوں کا گھر کے اندر آنا جانا شروع ہوتا، وہ ان کی ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں ساتھ لے جاتے دوایاں، صابن، خشک دودھ، بلک اور اسی قسم کی چھوٹی موٹی دوسری چیزیں آہستہ آہستہ وہ لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے لگے اور پھر کوائف اکٹھے کرنا کافی آسان ہو گیا۔ معلومات حاصل کرنے کے بعد دوسرا مرحلہ تھا کہ ان لوگوں تک اپنی بات پہنچانی جائے اور انہیں ان باتوں کو ماننے کیلئے قابل کیا جائے۔ یہ کام زیادہ مشکل تھا کہ بہر حال کسی نہ کسی طرح ہم نے یہ کام بھی شروع کر دیا۔“

ہمارے چار بنیادی مقاصد تھے، چائلڈ اور باغڈ ڈلیبر کا خاتمہ، بچوں کیلئے تعلیم کی فراہمی، بنیادی سہولیات کی فراہمی اور ان علاقوں میں روزگار کے بہتر مواقع اور بہتر اجرت کی فراہمی اور اس کے علاوہ بھی کچھ اور چیزیں جنہیں جو ہم کرنا چاہتے تھے مگر وہ اتنی اہمیت کے حامل نہیں تھے۔

ہم اس علاقے اور وہاں کے رہنے والوں کی زندگیوں میں کیا تبدیلیاں لے کر آئے ہیں؟ یہ آپ جب ہی جان یا سکیں گے جب آپ خود وہاں جائیں گے لوگوں سے باتیں کریں گے اور ان تبدیلیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے ہمیں یہ یقینی نہیں ہے کہ ہم نے سب کچھ تبدیل کر دیا ہے ظاہر ہے ہم ابھی بھی کام کر رہے ہیں اور تبدیلی ایک

عمیرہ احمد صاحبہ کی ناولز پڑھنے کے لئے ابھی وڑت کریں

مسلل مل کا نام ہے لیکن ہم نے ایک اہم کام کا آغاز ضرور کیا ہے اور شاید جتنی بہتری این جی اوز وہاں لائی ہیں اتنی کوئی حکومت بھی نہیں لاسکتی تھی۔“

شہلا نے اسے کہی مارکو توجہ کیا، ”کیا تمہیں اب بھی ان پر شک ہے؟“

”کیا تمہیں شک ہے؟“ اس نے جواب دیا تھا۔

”چاہئیں میں تو بہت ہی کنفیوژ ہوں۔ ایک طرف عمر کی باتیں۔ دوسری طرف یہ لوگ..... ابھی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“ شہلا بھی اسی کی طرح ابھی ہوئی تھی۔

”ابھی تو یہ سب کچھ زبانی بتا رہے ہیں جب ہم گاؤں میں جا کر رہیں گے تب ہی ہمیں اندازہ ہو سکے گا کہ کیا یہ واقعی سچ بول رہے ہیں یا پھر یہ واقعی کوئی جھوٹ ہے۔“ اس نے شہلا سے کہا۔

وہ آدمی ایک بار پھر بولنا شروع کر چکا تھا اب وہ اپنی این جی اوز کے بارے میں معلومات فراہم کر رہا تھا اور اس کی کارکردگی کے حوالے سے کچھ حقائق پیش کر رہا تھا۔ سب لوگ بے حد سنجیدگی سے اس کی باتیں سننے میں مصروف تھے۔

پہلی بار علیحدہ کو اندازہ ہوا کہ سچ اور جھوٹ کو پہچاننا کتنا مشکل کام ہے۔ Sense of Judgement ہر بندے کے پاس ہوتی ہے اگر اور ابھی تو ضروری نہیں کہ اس کو استعمال کرنے کی صلاحیت بھی سب ہی کے پاس ہو۔ کم از کم اس کیلئے تو یہ سب بہت مشکل تھا۔

”اگر عمر کے پاس فحش اعتراضات تھے تو سچ کی چیز کی ان کے پاس بھی کی نہیں ہے اگر وہ بالک کی بات کرتا ہے تو یہ فحش بھی ہر چیز کو مشقی بنا کر ہی پیش کر رہا ہے اگر عمر کی بات میں سچائی نظر آئی تھی تو جھوٹ تو یہ آدمی بھی نہیں لگ رہا تھا پھر ہمیں یہ کیسے طے کروں کہ کون سچ اور کون غلط ہے۔“

وہ جتنا سوچ رہی تھی اتنا ہی الجھتی جا رہی تھی۔



میں سے کوئی گفتگو کا آغاز کرے اور وہ اس اسرار کو حل کر سکے۔ اس عورت نے اب اپنا تکلیف کو دیکھا۔ اس کی نظریں کچھ دم کیلئے اس پر ٹھہر گئیں۔ علیلہ اس کی نظروں سے نرہ ہو گئی۔ نانوں نے اس عورت کی نظروں کا تعاقب کیا۔

”یہ علیلہ ہے۔“ انہوں نے اس عورت سے جیسے اس کا تعارف کروایا تھا۔

”علیلہ؟“ اس عورت نے استغناء سے نظروں سے نالو کو دیکھا۔

”ہاں علیلہ، نمینہ کی بیٹی۔“

”اوہ..... ہاں علیلہ..... کیا نمینہ یہیں ہوتی ہے؟“

”نہیں وہ آسٹریلیا میں ہوتی ہے۔ علیلہ میرے پاس رہتی ہے۔“ نانوں نے مختصر اس کا تعارف کر دیا۔

”علیلہ! وہ..... یہ عمر کی کمی ہیں۔“

علیلہ کا منہ نانوں کے اس تعارف پر کھل گیا۔ ایک نظر اس نے اس عورت کو دیکھا جس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ دوسری نظر اس نے عمر پر ڈالی، وہ اب بھی سر جھکا کر بیٹھا تھا۔

”ہیلو۔“ اس نے بالآخر انہیں مخاطب کیا۔

”ہیلو، کیسی ہو تم؟“

”میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے کچھ اچھے ہوئے انداز میں کہا۔

”علیلہ! آؤ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“ نانوں نے ایک دم اٹھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

کیا وہ اسے اب ڈانٹنا چاہتی تھیں۔ نانوں ان دونوں کو دیکھ چمڑا کر لاؤنچ سے باہر نکل گئیں۔ علیلہ نے بھی بے جاں قدموں سے ان کی پیروی کی۔

”میں تمہیں اس لیے باہر لے آئی ہوں، تاکہ وہ دونوں آپس میں گفتگو کر سکیں۔“ باہر نکلتے ہوئے نانوں نے اس سے کہا۔

”مگر عمر کی کمی کہاں سے آگئی ہیں؟“ اس نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے نانو سے پوچھا کہ انہیں یاد نہیں رہا کہ وہ کہاں تھی تھی۔

”زارا پاکستان آئی ہوئی ہے آج کل اپنی فیملی کے ساتھ، اس کا دل چاہتا تو یہاں ملے آگئی۔“ نانوں نے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”اپنی فیملی کے ساتھ۔“ وہ ٹھنک گئی۔

”ہاں، سہی، اپنی فیملی کے ساتھ۔ دو بیٹے ہیں اس کے، شادی کر چکی ہے۔ اگلی دن سے آئی ہے۔“

”مگر کیوں؟“

”کیوں کا کیا مطلب ہے؟ ظاہر ہے اپنے بیٹے سے ملنے آئی ہے۔“

وہ ان کے پیچھے چل رہی تھی۔ ”کیا پہلے بھی یہ عمر سے ملنے کیلئے آئی رہی ہیں؟“

باب ۲۲

اس عورت نے ایک دم آگے بڑھ کر عمر کا ہاتھ پھونک لیا۔ علیلہ نے عمر کو جیسے کھٹکھٹا کر دو قدم پیچھے ہٹا دیکھا۔ اس عورت نے ایک بار پھر آگے بڑھ کر عمر کے کندھوں پر ہاتھ رکھنا چاہے مگر اس بار عمر نے اپنے ہاتھوں سے اس کے بازوؤں کو پیچھے ہٹا دیا۔

”ہٹو یہ کافی ہے۔“

علیلہ نے اسے کرخت لکھتے ہوئے کہا، اس کا اشارہ واضح طور پر اس عورت کے اس والہانہ اظہارِ عبت کی طرف تھا۔ علیلہ کا ہکا بھکا عمو اس عورت کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس عورت کا چہرہ ایک دم جیسے بچھ گیا تھا۔ عراب نانوں کو دیکھ رہا تھا۔

”تم کیسے ہو عمر؟“ اس بار اس عورت نے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ عمر نے نظریں ملاتے بغیر جواب دیا۔

”زارا! آؤ یہاں بیٹھ جاؤ عمر! تم بھی بیٹھ جاؤ۔ اس طرح کھڑے کھڑے باتیں کرنا مناسب نہیں۔“

نانوں نے کھلی بار مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ علیلہ نے اس عورت کو پلٹ کر اپنی جگہ جاتے دیکھا۔ علیلہ نے عمر کو کسی گھٹس میں جلا پایا یوں جیسے وہ ملے نہ کر رہا ہو کہ اسے اس عورت کے پاس جا کر بیٹھنا چاہیے یا نہیں بالآخر وہ جیسے کسی نتیجہ پر پہنچی گئی۔

علیلہ نے اسے بے آواز قدموں سے نانوں کے صوفہ پر بیٹھنے دیکھا۔ اس عورت کی نظریں مسلسل عمر پر تکی ہوئی تھیں جبکہ مسلسل اپنی نظریں نیچے جھکاے ہوئے تھا۔ علیلہ کی حیرانی میں شدت آتی آخر یہ عورت کون ہے جو اس طرح یہاں آئی ہے؟ جسے نانو چاہئے پادری ہیں اور جو عمر کو دیکھ کر یوں بے اختیار ہو گئی تھی۔ اس کا ذہن عجیب سی سوچ میں الجھا ہوا تھا۔

لاؤنچ میں مکمل خاموشی تھی، شاید کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کیسے شروع کی جائے۔ علیلہ اپنی جگہ کھڑی صوفوں پر موجود تھیں کہ رادوں کو دیکھ رہی تھی سب کچھ جیسے یکدم ہی بہت پر اسرار ہو گیا تھا۔ وہ مختصر تھی کہ ان

”پھر کیا ہوا ناٹو؟“ علیزہ نے بڑی بے تالی سے پوچھا۔

”کیا ہوا تھا۔ زارائے کا کوشش کی، شروع میں اسے اپنی کسڈی میں لینے کی مگر بعد میں اس نے شادی کی عمر کی کسڈی کا کیس جب کوٹ میں تھا۔ زارا خود ہی جیسے ہٹ گئی، جہانگیر نے عمر کو جس بورڈنگ میں رکھا تھا وہاں سائیکلو جسٹ عمر کا علاج کرتا رہا آہستہ آہستہ یہ ٹھیک ہو گیا۔ بعد میں کوئی گہرا لٹم نہیں ہوا۔“

ناٹو آہستہ آواز میں بتاتی جا رہی تھی، وہ خاموشی کے ساتھ ان کی باتیں سنتی رہی۔ بات کرتے کرتے اچانک ناٹو یاد آیا۔

”تم کہاں تھیں؟ میں پورے گھر میں دھونڈتی رہی پھر پچھو کہارنے بتایا کہ عمر کے ساتھ گئی ہو۔“

”وہ۔۔۔ عمر نے کہا تھا کہ مطلب مارکیٹ کینا چاہا پورا تھا تو میں۔۔۔“ وہ گڑبڑا کر اس کی کچھ میں نہیں آیا

کوفری طور پر ناٹو سے کیا کہے۔

ناٹو کچھ دیر سے گھورتی رہیں۔ ”اس کے ساتھ مارکیٹ گئی تھیں؟“

”ہاں۔۔۔ اس نے سر ہلا دیا۔

”کم از کم بتا تو سکتی تھیں۔“

”میں نے کہا تھا عمر کبہر تھا کہ وہاں آکر تادیں گے۔“ اس نے منمناتے ہوئے کہا۔

”مجھے کیسے تھے تو کم؟ گاڑی تو نہیں تھی؟“

”پیدل مجھے تھے تاکہ رات کرتے ہوئے۔“

”اتنی دور پیدل جانے کی کیا ضرورت تھی؟ گاڑی لے جا سکتے تھے۔ میں پریشان ہوتی رہی۔“ ناٹو نے

اب کچھ سخت لہجے میں اسے جھڑکا۔

”موری ناٹو۔“

”ٹھیک ہے مگر آئندہ صحت مند رہنا، اس طرح بتائے بغیر غائب ہونا کوئی مناسب بات نہیں۔ تمہارے نانا ابھی

تک نہیں آئے۔ وہ آجائے تو وہ مجھ سے بھی زیادہ پریشان ہوتے۔“ ناٹو کا لہجہ کچھ نرم پڑ گیا۔

”اب میں جاؤں؟“ علیزہ نے فوراً وہاں سے کھینکے کی کوشش کی۔

”ہاں ٹھیک ہے جاؤ۔“

علیزہ فوراً اٹھ کر ناٹو کے کمرے سے باہر آگئی۔ باہر آنے کے بعد اس نے اپنے کمرے کی طرف قدم

بڑھانے مگر پھر جیسے اس کے ذہن میں کوئی خیال ابھرا تھا۔ ناٹو کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وہ یقیناً اب اسی وقت

وہاں سے نکلتیں جب عمر کی وہاں سے چلی جاتیں۔

”مجھے دیکھنا چاہیے کہ عمر اور اس کی کمی۔“ وہ یک دم متحس ہو گئی۔

اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے وہ پچھلا دروازہ کھول کر لان میں نکل آئی اور وہاں سے لمبا پتھر

کاٹ کر وہ لاؤنج کی ان کونکلیوں تک آگئی جہاں ان میں کلنی تھیں لان میں تاریکی تھی اس لیے اسے یہ تھلی کی کونکلی

”مجھے نہیں پتا۔ عمر تو ابھی چند ماہ سے ہی میرے پاس ہے۔ اب یہ اس سے ملتی رہی ہے یا نہیں اس کے بارے میں تو کوئی کتنا خاصا مشکل ہے۔ مگر وہاں البتہ جہانگیر پند نہیں کرتا کہ یہ عمر سے ملے۔“

علیزہ کچھ حیران ہوئی۔ ”کیوں انکل جہانگیر کیوں پند نہیں کرتے؟“

”پتا نہیں، مگر بس وہ شروع سے ہی کوشش کرتا رہا ہے کہ زارا عمر سے مل جائے، خاص طور پر علیحدگی کے فوراً بعد تو جہانگیر نے جان بوجھ کر عمر کو اس بورڈنگ میں کر دیا تھا جہاں زارا کیلئے جانا مشکل ہو۔۔۔ اب پتا نہیں ہو سکتا ہے وہ کچھ نرم پڑ گیا ہو اور عمر کا رابطہ ماں سے ہو کر پہلے تو ایسا بالکل بھی نہیں تھا۔“

”مگر انکل جہانگیر کیوں پند کرتے ہیں عمر کا پٹائی سے ملنا؟“

”بس دونوں میں علیحدگی خاصے خراب حالات میں ہوئی تھی۔ بہت زیادہ جھگڑے ہوئے دونوں میں۔

بات کو ٹنک گئی، وہاں بھی دونوں نے ایک دوسرے پر بہت سے الزامات لگائے۔ شاید جہانگیر ہی وجہ سے عمر کے اس سے ملنے کو پند کرتا رہا۔“

”مگر اب اس میں عمر کا کوئی قصور نہیں۔ انکل جہانگیر یہ کیوں نہیں سوچتے۔“ اس نے عمر کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

”جہانگیر کا دماغ ہمیشہ ہی بہت گرم رہا۔۔۔ وہ اپنے معاملات میں کسی دوسرے کی سستا ہے نہ ہی کسی کی مخالفت پند کرتا ہے۔“

”پھر آپ نے زارا آگئی کو انڈر کیوں بنایا۔ عمر سے ملنے کیوں دیا اگر انکل جہانگیر کو پتا چلا تو وہ آپ سے

بھی ناراض ہو سکتے ہیں؟“

”ہاں ناراض ہو سکتا ہے مگر میں اتنی بے عروت تو نہیں ہو سکتی کہ اسے اندر ہی نہ آنے دیتی یا اسے بیٹے سے نہ ملنے دیتی۔ اب نہ کسی مگر کسی تو وہ آئی خاندان کا ایک حصہ رہی ہے۔ اگر جہانگیر اپنی عادات کچھ بدل لیتا تو

شاید ان دونوں میں شطرنج نہ ہوتی۔ زارا اتنی خراب لڑائی نہیں جیتی۔ اچھی تھی۔ جہانگیر سے محبت کرتی تھی اور بھی خاصی خوبیاں تھیں ان دونوں کی ایک دوسرے کے ساتھ اچھی مڑ گئی تھی مگر جہانگیر۔۔۔ اب اگر وہ بیٹے سے ملنے آتی ہے تو

مجھے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ آخر عمر بھی اب بچپور ہے۔ میں نے دونوں کو ملوایا، اب اور پھر عمر کو زارا سے ملنا پانپند ہوتا تو وہ اسی انکار کو دیتا مگر اس نے نہیں کیا۔۔۔ میں نے یہی سوچ کر زارا کو اس سے ملوایا تھا۔“

ناٹو اب اپنے کمرے سے آگئی تھیں۔ علیزہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے ان کی باتیں نہی رہی تھی۔

”مگر عمر نے کبھی بھی اپنی ہی کا ذکر نہیں کیا، ابھی آپ کے ساتھ وہ زارا آگئی کی بات کرتا ہے؟“

”نہیں، مجھ سے اس نے کبھی بات نہیں کی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ زارا کو پانپند کرتا ہے۔ بچپن میں بہت اچھا تھا یہ زارا کے ساتھ۔ جب جہانگیر اور زارا میں علیحدگی ہوئی تو پانچ چھ ماہ خاصا بیمار رہا۔ ڈاکٹر نے

جہانگیر سے کہا کہ وہ اس ماں کے پاس بھجوادے مگر جہانگیر اس پر تیار نہیں ہوا وہ کہتا تھا کہ بیمار ہو یا ٹھیک رہے اسے

رہنا جہانگیر کے پاس ہی ہے۔“ وہ یک دم جیسے پتھر کی یاد کے خاموش رہ گئی تھیں۔

سے دیکھی نہیں جاسکتی۔ پھر بھی وہ دبے پاؤں لاؤنج کی کھلی کھڑکیوں کے پاس آگئی۔ اندر سے آتی ہوئی عمر کی ہلکے آواز نے اسے چرکا دیا تھا۔

”مجھے آپ سے کوئی رابطہ رکھنے میں دلچسپی نہیں ہے پھر آپ میرے پیچھے کیوں پڑی ہیں؟“

طنز سے تھوڑی سی گردن آگے کر کے اندر کا منظر دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ ماں بیٹے کا جو جذباتی سینہ دیکھنے کیلئے آئی تھی۔ وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ محض صوف پر بیٹھے کے بجائے لاؤنج کے درمیان کھڑا تھا اور اس کا لہجہ بہت درشت تھا جبکہ ذرا آہنی اسی صوف پر بیٹھی ہوئی جس میں طنز و کمان کا چہرہ بہت جگمگا ہوا تھا۔

”تم میرے بیٹے ہو عمر!.....“ انہوں نے غصے سے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر عمر نے ان کی بات کاٹ دی۔

”اب میں آپ کا بیٹا ہوں تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔“

”عمر! اس طرح بات مت کرو مجھ سے۔“

”میں اس طرح بلکہ کسی بھی طرح آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ آپ بس یہاں بیٹھے جائیں۔“

”جہاں گھبرنے میرے خلاف جہاد ہی اتنی بریں واضح کر دی ہے کہ تم۔“

اس نے ایک بار پھر ٹھٹھے میں اس کی بات کاٹی تھی

”ہاں ٹھیک ہے کر دی ہے انہوں نے بریں واضح پھر.....؟“

ذرا آہنی زور دھرنے کے ساتھ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ ”میں تم پر اتنا حق تو رکھتی ہوں کہ کبھی بھگوار

جہیں دیکھ لیا کروں، تم مجھ سے بات کرنا کرو۔“

”آپ مجھ پر کوئی حق نہیں رکھتیں۔ آپ کی اپنی فیملی ہے، مگر میرے، بچے ہیں۔ آپ اپنی زندگی ان کے

ساتھ گزاریں۔ خود بھی سکون سے رہیں اور دوسروں کو بھی سکون سے رہنے دیں اور اپنا ہر حق اس اولاد کیلئے مخصوص رکھیں جو آپ کے ساتھ ہے۔“

”میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔“

”تو میں کیا کروں؟“

”میں جانتی ہوں، تم مجھ سے ناراض ہو۔ بہت سی باتیں ہیں جن کی میں وضاحت کرنا چاہتی ہوں۔“

”میں اس سے ناراض ہوں نہ ہی آپ کی وضاحتوں میں مجھے کوئی دلچسپی ہے۔ میں اپنی زندگی سے بہت

خوش اور مطمئن ہوں لیکن آپ میرا سکون خراب کرنا چاہتی ہیں۔“

”تم میری اولاد ہو عمر! میں نے اتنا بہت سارے تم سے رابطہ صرف اس لیے نہیں کیا کہ میں جہیں ڈسٹرب

نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن میرا خیال ہے اب تم اتنے پیچھے ہو چکے ہو کہ ہر چیز کو کچھ کچھ صرف مجھے مورد الزام ٹھہرانے سے

حقیقت ٹھیکرا دے گی۔“

”میں نے آپ سے کہا ہے، مجھے آپ کی کسی وضاحت میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ میری زندگی میں

داخل مداخلت نہ کریں۔“ اس نے باں اترتے جا چلائے ہوئے کہا تھا۔

”میں تمہاری زندگی میں مداخلت کر رہی ہوں؟ میں تم سے صرف ملنے آئی ہوں۔“

”میں آپ سے ملنا نہیں چاہتا تو آپ کیوں ملنے آئی ہیں۔ آپ یہاں سے جائیں۔“

”مجھے اس گھر میں آنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ تم اگر سوات میں مجھے دیکھ کر یوں واہیں یہاں بھاگ نہ آتے

تو مجھے بھی یہاں نہ آنا پڑتا۔“

”دکھ نے کہا ہے کہ میں سوات سے بھاگ آیا ہوں اور وہ بھی آپ کو دیکھ کر..... میں وہاں اپنی مرضی

سے گیا تھا اور اپنی مرضی سے ہی آیا ہوں اور میں آپ سے خوفزدہ نہیں ہوں، پھر ڈر کر کیوں بھاگوں گا۔“ اس

نے ٹھک کر کہا تھا۔ ”تم مجھ سے خوف زدہ نہیں ہو لیکن جہاں گھبر سے خوف زدہ ہو۔ اسی لیے تم مجھے اس طرح رد

کرتے ہو۔“

”چھانٹیک ہے، میں پاپا سے خوفزدہ ہوں پھر جب آپ یہ بات جانتی ہیں تو اس طرح مجھے پریشان کیوں

کر رہی ہیں؟“

”تم آپ کوئی نئے بچے نہیں ہو عمر! بارے ہو گئے ہوا ہے فیملی خود کرتے ہو جنہیں میرے بارے میں بھی

فیملی خود کرنا چاہیے اگر جہاں گھبر کی دوسری شادی پر جنہیں کوئی اعتراض نہیں اور تم اس کی فیملی کے ساتھ ایڈجسٹ کر سکتے

ہو تو پھر میری دوسری شادی۔“

اس باران کے لیے جس بے چارگی تھی مگر ان کی بے چارگی نے عمر پر کوئی اثر نہیں کیا۔ اس نے ایک بار پھر

ان کی بات کاٹ دی تھی۔

”مجھے آپ کی دوسری شادی پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں آپ کو تا چکا ہوں کہ مجھے آپ سے اور

آپ کی زندگی سے تعلق کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ سے جو چاہا کیا آپ جو چاہیں کریں میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ

میرا پیچھا کرنے کی کوشش نہ کریں۔“

”میں تم سے سال میں چند بار ملنا چاہتی ہوں..... چند بار فون پر بات کرنا چاہتی ہوں..... مجھے اس سے

زیادہ اور کچھ نہیں چاہیے۔“

”میں آپ کی سب سے زندگی میں پہلے ہی بہت اذیت اٹھا چکا ہوں، اب مزید کسی پر اہم کار سامنا کرنا نہیں

چاہتا۔ میں آپ سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا۔ یہ بات آپ ابھی طرح سمجھیں۔“

”تم..... تم بالکل اپنے آپ کی طرح بے حس ہو، خود غرض، میں طرح وہ ہمیشہ صرف اپنے بارے میں

سوچتا تھا..... اس طرح تم بھی صرف اپنے بارے میں سوچتے ہو۔“

”پھر آپ میرے جیسے بے حس اور خود غرض انسان کے پاس کیوں آئی ہیں۔ کیوں بار بار فون کرتی ہیں، خط

لکھتی ہیں انسان میں جو self respect (عزت نفس) ہوتی ہے وہ شاید آپ میں نہیں ہے۔ میری خامیوں کی

نشان دہی کرنے کے بجائے آپ مجھے چھوڑ دیں..... میں تو آپ کے پیچھے بھاگتا ہوں نہ آپ کو آپ کی خامیاں جتنا

پھرتا ہوں۔“

”تم میرے بیٹے ہو۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔“

”آپ مجھے بہت سال پہلے چھوڑ چکی ہیں اور اس وقت بھی میں آپ کا بیٹا ہی تھا۔“

”عمر! تمہارے دل میں میرے لیے جو شکایتیں ہیں وہ ٹھیک ہیں مگر۔“

”میرے دل میں آپ کیلئے شکایت نہیں ہے۔ میں نے صرف آپ کے جھوٹ کی نشاندہی کی ہے۔“

”چند سال بعد جب تم شادی کرو گے اور تمہارے بچے ہوں گے۔ جب تمہیں اعزاز ہوگا کہ اولاد کو چھوڑنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔“

”میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ آپ نے مجھے کوئی نیا رشتہ قائم کرنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ آپ نے رشتوں کو کتنا زہر آلود کر دیا ہے میرے لیے آپ کو اعزاز ہی نہیں۔“

علیہ دم بخود اس کا ہاتھیں میں رکھیں۔ ایک گھنٹہ پہلے والا عراب کہیں غائب ہو چکا تھا وہ جو کچھ دیر پہلے اسے سمجھا رہا تھا کہ رونا زور کرنے کیلئے کہہ رہا تھا۔ سب کچھ بھلا دینے کی تاکید کر رہا تھا۔ اپنے ہاں باپ کے برابر کو بکھنے کی نصیحت کر رہا تھا۔ وہ اس وقت وہی سب کچھ دہرا رہا تھا جو کچھ دیر پہلے وہ روتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی فرق صرف یہ تھا کہ وہ رو نہیں رہا تھا۔

”یہ سب صرف میں نے نہیں کیا۔۔۔۔۔ جہانگیر نے بھی کیا ہے۔“

”but you were the root cause of everything“ (لیکن اس کی بنیادی وجہ آپ

ہیں) آپ کو یہی خیال نہیں آتا تھا تو آپ نے پاپا سے شادی کیوں کی اگر کر لی تھی تو رشتے کو بھانپ لیتیں۔“

”اس سب کا وجہ جو جہانگیر میرے ساتھ کرتا رہا؟“

”عورت میں برداشت ہوتی چاہیے۔۔۔۔۔ پاپا میں اتنی برائیاں ہوتیں تو شرمین آئی کیوں اب تک اس کے ساتھ ہوتیں۔۔۔۔۔ آپ کی طرح انہوں نے divorce نہیں لی۔“

علیہ نے زارا آئی کی آنکھوں میں آنسو نمودار ہوتے دیکھے تھے۔

”جہانگیر چالو ہے، ایک ایسا جانور جسے زندگی میں اپنے علاوہ کسی دوسرے کے احساسات کا خیال نہیں، جس کیلئے سب سے زیادہ اہم اپنی خوشی ہے۔ اپنے گھر کے نیچے والے ڈرائے کو بھر کر نہ دے کسی کو بھی اس میں پھینک سکتا ہے چاہے وہ کوئی بہت اچھا ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے اس شخص کو چھوڑنے پر کوئی شرمندگی نہیں ہے نہ ہی کوئی بچتا رہا۔ تم میری اولاد ہو تم سے میرا رشتہ بھی ختم نہیں ہو سکتا۔“

I dont need your sermons. آپ کو میرے پاس محبت نہیں کوئی ضرورت سمجھنے کو لائی ہوگی

آپ بتا دیں کہ آراب آپ کو کیا چاہیے؟“

علیہ نے زارا آئی کو یک دم کھڑے ہوتے دیکھا۔

”مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔“ تمہارے پاس ایسا کچھ ہے ہی نہیں جو تم دے سکو تمہیں پسند ہو یا نہ ہو مگر میں تمہیں غلط بھی کہوں گی اور فون بھی کروں گی جب میرا دل چاہے گا۔ میں تم سے ملنے بھی آیا کروں گی۔“

علیہ نے انہیں لاؤنج سے نکلنے ہوئے دیکھا۔ عمار کے چند منٹ خاموشی سے لاؤنج کے بند ہوتے ہوئے دروازے کو دیکھتا رہا۔ مگر علیہ نے اسے بھی لاؤنج سے غائب ہوتے دیکھا۔

علیہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی۔ اسے عمر پر بہت ترس آ رہا تھا۔

”کیا واقعی اسے زارا آئی کی ضرورت نہیں؟ کیا واقعی یہ ان کے بغیر رہ سکتا ہے؟ یہ زارا آئی کو اتنا پسند کیوں کرتا ہے اور نا تو کہہ رہی تھی کہ یہ ان سے بہت اونچا تھا کہ یہ تو۔“

اس کا ذہن بہت سے سوالوں میں الجھ گیا تھا۔

”چھپکے دروازے سے وہ ایک بار پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔“

”تو کیا عمر سوچا تو اتنی جلدی اس لیے واپس آ گیا تھا کیونکہ اس نے وہاں زارا آئی کو دیکھ لیا تھا؟ مگر زارا آئی کو اس نے avoid کیوں کیا اس نے اور پھر اس طرح وہاں سے چلے آئے؟ یہ زارا آئی نے وہاں بھی تو یہ سب کچھ کہہ سکتا تھا۔“

کپڑے بدلے ہوئے بھی وہ مسلسل عمر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ ثانو سے دوپہر کو پڑنے والی ڈانٹ بھی بھول چکی تھی۔

رات کے کھانے کی میز پر عمر بیٹھا تھا۔

”وہ کہہ رہا تھا اسے بھوک نہیں ہے۔ جہاں سے ساتھ رہا اور انکس کریم کھا کر آیا تھا۔“

ثانو نے اس کے احتیاط پر اسے بتاتے ہوئے ساتھ جیسے جیسے چلی جاتی۔

”ہاں مگر اور انکس کریم تو کھا لی تھی۔“ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”میں اسی لیے وہ اب کھانا کھانا نہیں چاہ رہا۔“

ثانو نے حریف کہا، یہی دم کی جیسے اس کا دل بھی کھانے سے اجاٹ ہو گیا۔ کچھ دیر وہ کسی نہ کسی طرح چند کھانے کو بھی مگر پھر اس نے کھانا چھوڑ دیا۔

”بھوک نہیں ہے میں نے بھی کچھ کر لیا ہے، شاید اسی وجہ سے۔“

اس نے ڈانگ ٹیبل سے اٹھتے ہوئے ثانو کو وضاحت دی۔

اپنے کمرے کی طرف آتے ہوئے اس نے عمر کے کمرے میں تاریکی دیکھی۔

”کیا وہ اتنی جلد سو گئی؟“ کچھ حیران ہو کر اس نے سوچا تھا۔ عام طور پر وہ رات کو بہت لیٹ سوتا تھا۔ آج روٹھن میں ہوئے والی یہ تبدیلی فوراً ہی اس کی نظروں میں آ گئی۔ کچھ دیر وہ اس کے کمرے کے آگے کھڑی رہی پھر خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

بیٹہ پرت لپٹے ہوئے وہ تاریکی میں کمرے کی چھت کو گھور رہا تھا۔ سوات میں ماں کو اپنی چٹائی کے ساتھ دیکھنے پر جس طرح وہاں سے بھاگا تھا۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، اس کی جی اس کے پیچھے ہی لاہور آئی تھیں۔

پچھلے چودہ سالوں میں ایسا بہت بار ہوا تھا کہ ماں کو کہیں دیکھنے پر وہ سر پٹ وہاں سے بھاگ نکلا ہو، مادر زارا اگر اسے دیکھ لیتیں تو وہ اسی طرح اس کے پیچھے آتی تھیں اور ماں کا اپنے پیچھے آنا اس طرح آتا۔ اسے اچھا لگتا تھا شاید لاشعوری طور پر وہ آج بھی منتظر تھا کہ وہ اس کے پیچھے آئے اور پھر وہ اسی طرح ماں کا ہاتھ جھٹکے جس طرح پچھلے چودہ سالوں میں جھٹکتا آیا تھا اور ماں کے ساتھ اس طرح کرنے کے بعد ہر بار وہ ایسے ہی کرہ بند کر کے بیٹہ جایا کرتا تھا۔

”کون کہتا ہے کہ میں عمر جہانگیر بیچو رو چکا ہوں۔ کم از کم آج جو میں نے می کے ساتھ کیا اس کو دیکھنے والا کوئی بھی شخص مجھے بیچو رو سمجھ سکتا ہے نہ ہوش مند۔“ آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے جیسے بے چارگی سے سوچا۔



باب ۲۳

”مجھے ذارا مسود کہتے ہیں۔“ ان کے تعارف کے بعد اس نے اپنا تعارف کر دیا تھا۔ جہانگیر معاذ نے اسے خاصی گہری نظروں سے دیکھا۔

”یہ جان کر خاصا افسوس ہوا، میرا خیال تھا آپ کو کچھ اور کہتے ہوں گے۔“ ذارا نے دلچسپی سے انہیں دیکھا۔

”مثلاً کیا کہتے ہوں گے؟“

”میں زبان میں؟ اردو میں یا انگریز میں؟“ جہانگیر نے اس کی مسکراہٹ کے جواب میں اتنی ہی خوبصورت مسکراہٹ پاس کی تھی۔

”دونوں میں۔“

”اردو میں دلربا، دلنشین، دلکش، ماہوش۔“

”اور انگریز میں؟“ اس کی مسکراہٹ اور گہری ہونٹیں۔

”ہیلن آف ٹرائے، ٹکولپلرہ princess, cynthia, moon goddess nymph“ جہانگیر کی

فہرست اور لمبی ہوجاتی اگر ذارا کے حلق سے بے اختیار ایک تہجد نہ نکلتا۔

”very flattering“ اس نے ہنستے ہوئے جہانگیر سے کہا۔ ایک دم ہی جہانگیر میں اس کی دلچسپی بڑھ

گئی تھی۔

”خوبصورت عورت کی تعریف نہ کرنا قلم ہے اور میں بہر حال قلم نہیں ہوں۔“

شراب کا گلاس دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے اس نے ذارا کی بات کا جواب دیا۔

”ایک دن میں کتنی عورتوں کو اس قلم سے بجاتے ہیں؟“ جہانگیر اس کی بات پر بے اختیار مسکرایا۔

”دن میں نہیں صرف رات کو۔۔۔۔۔ دن میں، میں آفس ہوتا ہوں۔ البتہ رات کو پارٹیز میں یہی کام کرتا ہوں۔“

جہانگیر معاذ اس رات پہلی بار ذارا سے کراچی کے ایک ہوٹل میں ملا تھا۔ وہ وہاں ایک فیشن شو ائینڈ کرنے

آیا تھا۔ ذارا اور زارا ماڈلز میں سے ایک تھی۔ شو کے بعد ڈنر کے دوران ایک دوست نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے

لینے ہوئے کہا۔
 ”خوبصورت عورتوں کیلئے ہر معروفیت فتنہ کی جاسکتی ہے اور آپ خوبصورت ہیں۔“
 اسے کھیلنے سمجھوں؟

”میں tribute (خراج) دو اس کی آنکھوں میں آگ میں آگس ڈال کر بڑی بے خوفی سے اسے بکھتری رہے۔ مجھے لگا ہے، آپ سے میری بہت ادا دوستی ہو سکتی ہے۔“ وہ جیسے کہ نتیجہ پر پہنچا تھا۔

”میں بھی سچی بات رہا تھا کیا اس کے بعد آپ سے یہ کہوں کہ مجھے آپ کا کام لگتا، مگر جائے۔“

چند لمحوں کے تامل کے بعد ذرا نے اپنا پرس کھول کر اپنا نوٹ بردار ایئر رائے اسے دکھایا۔

ان کے درمیان جوئے والی یہ پہلی ملاقات آخری ثابت نہیں ہوئی۔ چہ گھبراہٹ سے دوسرے دن ہی اسے فون کیا تھا اور پھر یہ سلسلہ آجے بڑھتا گیا۔ زارا ستر کی رہائی کی ایک خاصی مشہور ڈائل تھی۔ اس نے اپنا کمر بیز سناھ کی رہائی کے آخری چند سالوں میں شروع کیا اور اپنے بے جاگ انداز کی وجہ سے بہت جلد ہی وہ بہت مقبولیت اختیار کرگئی۔ گھراس کی طرح ڈانگ میں بہت سے نئے چہرے آہستہ آہستہ آنے شروع ہو گئے اور مقبولیت کی جس تیز رفتاری پر وہ سناھ کی رہائی کے آخری سالوں میں جاگزی رہی تھی۔ چند سالوں میں آہستہ آہستہ وہاں سے نیچے آئے گئی۔ بنیادی طور پر اس کا تعلق ایک ایرانی فلمی سے تھا وہ بہت عرصے پہلے پاکستان آ کر سیٹل ہو گئی تھی وہ تین بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی اور ڈانگ کا آغاز اس نے صرف شوقیہ طور پر کیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس شعبے میں اس کی دلچسپی بڑھ گئی۔ اس کے والدین نے اس شعبہ میں آنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا کیونکہ اس کی ماں خود بھی کسی زمانے میں ایک مشہور منکرہ ہو چکی تھی۔ جبکہ اس کا باپ بھی بہت عرصہ اسٹیج کے ساتھ منسلک رہا تھا۔

ماؤنٹک کے شعبے میں آنے کے کچھ عرصہ کے بعد اس کے والدین کا انتقال ہو گیا۔ اس سے بڑے دونوں بہن بھائی کی شادی ہو چکی تھی اور وہ دونوں ہی انجینئر میں تھے۔ ملاطوری پر اسے اس شعبے سے منسلک ہونے کی کوئی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس کے والدین اس کیلئے دراشت میں اچھا خاصا ترکہ چھوڑ گئے تھے اس کے زیادہ ورثہ دار امریکا اور یورپ میں سیٹلڈ تھے۔ پاکستان میں صرف چند ایک ہی تھے جنہیں وہ اپنا شہر دار کہہ سکتے تھے مگر وہ بھی بہت قریبی نہیں تھے۔ خود وہ اس حد تک اس داخل میں رچا بس چکی تھی کہ اس کیلئے پاکستان چھوڑ کر جانا آسان نہیں رہا تھا کیونکہ یہاں وہ اپنی ایک شاخت بن چکی تھی اور مقبولیت یا شہرت کا جزو کھینچنے کے بعد مکمل طور پر اس سے قطع تعلیق کرنا خاصا زحام کار تھا۔ اس لیے زارنا نہ صرف ایران یا اپنے بہن بھائی کے پاس نہیں گئی بلکہ وہ ماؤنٹک کے شعبہ کے ساتھ منسلک رہی۔

ابجدی طواری قسم کی شہرت کے بعد آہستہ آہستہ اس کا چارواں وقت ختم ہونے لگا جب بہت سی دوسری لوگیاں بھی اس شعبہ میں آگئیں اور ان کم عمر لڑکوں نے نہ صرف اس کی مارکیٹ ویلیو کو اچھا خاصا متکا کر لیا بلکہ اس کی مقبولیت میں بھی کافی سی بھونگی سی دوسری ماول کی طرح ڈپریشن یا فزیشن کا فکلا ہونے کے بجائے زارے زارے حقیقت پسندی سے تھکنے کو تسلیم کیا وہ جان بھی گئی کہ اب وہ زیادہ دیر کمرے کے سامنے نہیں رہ سکتی۔ وہ اپنی

آنریٹل

متحارف کر دیا۔ زارا کو پہلی ہی نظر میں وہ اچھا لگا تھا اور اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے آغاز نے اس کی دلچسپی کو کچھ اور بڑھا دیا، جہاں تک جاگیر کا تعلق تھا تو اسے ہر خواہش و صورت و عورت میں دلچسپی پیدا ہو جاتی تھی اور زارا کیلئے بھی اس نے ایسی ہی دلچسپی محسوس کی تھی۔

”پارٹیز میں اس کے علاوہ اور کیا کرتے ہیں؟“ زار نے اس کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔
 ”یہی کرتا ہوں جو اس وقت کر رہا ہوں۔“

”اور اس وقت آپ کیا کر رہے ہیں؟“

”آپ کا کیا خیال ہے اس وقت ہم کیا کر رہے ہیں؟“ جواب دینے کے بجائے اس نے ذرا سے سوال کیا۔
”ہم ہاتھیں کر رہے ہیں۔“

”آپ باتیں کر رہی ہوں گی۔ میں باقی نہیں کر رہا۔“

”تو آپ کیا کر رہے ہیں؟“

”میں روٹاںس کر رہا ہوں۔“ اس نے کمال اہتمام سے کہا۔ چند لمحوں کیلئے ذرا اس کا چہرہ دیکھ کر وہ سنی بھر بے ساختہ ہنسی۔

”تو آپ رومانس کر رہے ہیں؟“

”بالکل۔“

ہر خوبصورت عورت سے رومانس کرتے ہیں؟“ اس بارزارا نے بڑے انداز سے کہا

نہیں..... جن سے نہیں ملتا، ان سے نہیں کرتا۔“

اس کی بات پر ایک بار پھر ہنسی۔

”آپ خاصی دلچسپ باتیں کرتے ہیں..... قاری سروں والوں کا sense of humour (مزاح) خاصا اچھا ہو گیا ہے۔“

”فانلن سروں والوں کی اور بھی senses (حیات) خاصی اچھی ہوتی ہیں۔ صرف موقع ملنے کی بات ہے۔ اچھی ماڈلنگ کرتی ہیں آپ۔“ اس بار اس نے گفتگو موضوع بدل دیا۔

مینک یو آپ اکثر فیشن شوز میں آتے ہیں؟“

لشتر تو نہیں مگر آتا جاتا رہتا ہوں۔“

س کا مطلب ہے آپ سے دو پارہ کبھی ملاقات بھی ہو سکتی ہے؟“

”دوبارہ ملاقات کیلئے کسی فیشن شو میں آمنا ضروری نہیں ہے۔ آپ جب چاہیں مجھ سے مل سکتی ہیں۔۔۔۔۔ یہ برا کارڈ ہے۔“

نے اس کا کارڈ پکڑ لیا۔

پتو خاصے معرّف رہتے ہوں گے پھر کسی سے ملتا خاصا مشکل ہوتا ہوگا۔“ زار نے کارڈ کا جائزہ

پرفیشنل اور گیسٹس لائف کے اختتام پر کھڑی تھی اور اب اسے کیا کرنا تھا۔ شادی کر کے اس کی فیملی سے الگ ہو جانا تھا اور جن دنوں جہانگیر معاذ سے اس کی ملاقات ہوئی۔ ان دنوں وہ شادی کے بارے میں نہ صرف فیصلہ کر چکی تھی بلکہ شہسار مردوں کو اس مسئلے میں جانچ اور پرکھ بھی رہی تھی۔

جہانگیر معاذ کو بھی اس نے ان ہی نظروں سے دیکھا تھا جبکہ خود جہانگیر معاذ کے نزدیک اس رات اس سے ہونے والی ملاقات بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ اس نے زارا مسعود کو بھی ان بہت سی دوسری عورتوں کی طرح ہی لیا تھا جس سے اس کی دوستی بھی اور جنہیں وہ دت گزاری کیلئے استعمال کیا کرتا تھا۔ فاران سروس میں آنے کے بعد ابھی وہ فاران آفس میں کام کر رہا تھا اور اپنی پہلی باقاعدہ ہوسٹنگ کا ہفتہ رواں تھا۔ ستائیس سال کا نوجوان، پینڈم اور ایک بہت اونچے خاندان سے تعلق رکھنے والا یہ آفیسر اپنی ساری خوبیوں اور خامیوں سے نہ صرف واقف تھا بلکہ اپنے ہتھیاروں کو بروقت اور پوری مہارت سے استعمال کرنے میں بھی ماہر تھا۔ اپنے لیے اوڑھنا پھیرنے کے آغاز پر ہی وہ ایسا سرکیز میں اٹھ رہا تھا جس میں اٹھو اٹھو نہ کیلئے خاص دلہن کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیروں ملک تعلیم حاصل کرنے کے دوران اقدار کا جو نیا سیٹ اپ اس نے اپنے لیے منتخب کیا تھا۔ فاران سروس میں آنے کے بعد اس نے ان پر باقاعدہ طور پر عملدرآمد شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنے نزدیک کوئی بھی چیز اس کے کیرئیر سے بڑھ کر نہیں تھی نہ کوئی خونی رشیا اسے بھڑائی کرتا تھا اور نہ ہی دنیا میں کوئی دوسری ایسی چیز تھی جس کے بغیر وہ نہ نسا ہو..... سوائے روپے کے۔

جہانگیر معاذ کے نزدیک زندگی ایک بہت ہی Rational اور منطقی چیز تھی جس میں اس کا سبب ہونے کی خواہش رکھنے والوں کیلئے بھی وہ خصوصیات کا اپنے اندر رکھنا ضروری تھا اس کے نزدیک اخلاقیات کی وہی اقدار تھیں جو اس نے اپنی زندگی کیلئے منتخب کر لی تھیں۔ وہ کسی بھی کام کو اس کے اچھے یا بُرے ہونے کی بنیاد پر نہیں کرتا تھا۔ وہ ہر کام کو کرتے ہوئے دیکھتا تھا کہ وہ کام اس کیلئے کتنا فائدہ مند یا نقصان دہ ہے اور وہ ان اقدار کو اپنانے والا واحد شخص نہیں تھا۔ جس سوشل سرکل میں وہ مود کرتا تھا وہ ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جہاں وہ کام کرتا تھا۔ وہاں کے لوگوں کا code of ethics (اصول اخلاقیات) بھی اس سے ملتا جلتا تھا اور اس کے اپنے خاندان میں اس کے بڑے بھائی ان ہی اصولوں اور نظریات پر عمل پیرا تھے جنہیں اب وہ اپنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کے باپ معاذ حیدر کی غلافی کہیں بہت پیچھے رہ چکی تھی۔ اپنے بھائیوں کی طرح وہ بھی سچی محسوس کرتا تھا کہ اس کے باپ کی غلافی بہت آؤٹ ڈیٹ تھی جس کو اپنانے والا شخص اس دنیا میں نہیں چل سکتا جس میں جہانگیر معاذ اور اس کے بھائی نہ تھے۔

وہ ڈرنک کرتا تھا۔ اس کی بہت سے گرل فرینڈز تھیں۔ اپنی جاب سے روپے بنانے کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے نہیں چھوڑتا تھا اور وہ بہت زیادہ ambitious تھا۔ وہ اپنی زندگی میں اپنے بھائیوں سے زیادہ کامیابیاں حاصل کرنا چاہتا تھا۔

زارا مسعود کے ساتھ ہونے والی پہلی ملاقات کے بعد اس نے ہمیشہ کی طرح زارا سے میل جول بڑھانا

عمیرہ احمد صاحبہ کی ناولز پڑھنے کے لئے ابھی وڑت کریں

شروع کر دیا تھا۔ فاران سروس کے ساتھ شملک اکثر لوگوں کی طرح اسے بھی میڈیا سے متعلقہ لڑکیاں خاصی اڑھیکٹ کرتی تھیں چاہے وہ ایکٹریز ہوں یا پھر ماڈلز۔ ذاتی طور پر بھی وہ ایسی عورتوں کو بہت پسند کرتا تھا جو بہت آؤڈیاں، بے خوف اور سبے باک ہوں اور زارا بھی ایسی ہی ایک عورت تھی۔ مگر زارا کے ساتھ دوستی ہونے کے بعد اسے احساس ہوا شروع ہوا تھا کہ اس میں ان چیزوں کے علاوہ کوئی خاص شش بھی ہے جو مردوں کو خاص طور پر فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے اس نے تیار میں بہت بڑے لوگوں کو اس کے سامنے بچھے دیکھا تھا اس کے ساتھ تیار میں شرکت کرتے وقت وہ بڑی خاموشی سے سب کچھ دیکھتا جاتا تھا اور یہ سب کچھ ایک لمحے عرصہ تک چٹا رہا۔

یہاں تک کہ اس کی ہوسٹنگ ہوئی لیکن باہر جانے سے پہلے اس نے زارا کو پر پوز کر دیا تھا۔ زارا نے کسی لنگھاہٹ کے بغیر یہ پر پوز قبول کر لیا، وہ جہانگیر کی طرف ایسا متعقد کیلئے ہوشی تھی کہ اسے حیرت ہوئی تھی وہ اس بات سے بھی واقف تھی وہ انتہائی ضدی ہے یہ بات بھی اس کی نظروں سے بچھی نہیں رہی تھی کہ وہ یہ بات نہیں جان سکی تھی کہ اس کے نزدیک رشتے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

جہانگیر نے اپنے گھر والوں کو جب اپنی ہند سے آگاہ کیا تو گھر میں دیا ہی پگھلا اٹھا تھا جیسا اس کے بڑے بھائیوں کی اپنی ہند سے جانے والی شادیوں پر اٹھا تھا۔

”تم نے اپنے بھائیوں کی زندگی سے واقعی کتنی سبق حاصل نہیں کیا اور نہ تم کسی طرح ایک مڈل کلاس کی بیوی بنانے کی خواہش نہ کرتے۔“ معاذ حیدر نے اس سے کہا تھا۔

”زارا ابھی لڑکی ہے اور وہ ایسے بھی شادی کے بعد ڈانگ چھوڑ رہی ہے۔“

”تم کو ایک بہت اچھی بیوی کی ضرورت ہے اور زارا دیکھی بیوی ثابت نہیں ہو سکتی۔ تم واقعی پائلڈ لڑکی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے۔ جسے بھی تم دنوں کے درمیان اختلافات ہونے تو وہ تمہیں بڑی بے وفائی کے ساتھ چھوڑ کر چلی جائے گی جبکہ تمہیں ایسی لڑکی کی ضرورت ہے جو ہر حال میں تمہارے ساتھ رہ سکے۔ تمہارے ساتھ ہانا کرنا کسی بھی عورت کیلئے بہت مشکل ہو گا مگر زارا جیسی لڑکیاں تمہارے جیسے مردوں کے ساتھ ہانا نہیں کر سکتیں۔ تمہیں ایک خاندانی لڑکی کی ضرورت ہے۔“

”تمہیں میں کسی خاندانی لڑکی کے ساتھ گزار نہیں کر سکتا جسے زارا جیسی لڑکی کی ضرورت ہے جو میرے ساتھ قدم سے قدم لگا کر چل سکے۔ آپ اس شادی کی اجازت دیں گے تب بھی اور نہیں دیں گے تب بھی، مجھے شادی سے زارا سے ہی کرنی ہے۔“

باپ کے لیے بچہ بچہ کے بعد اس نے بڑے سکون سے کہا اور اٹھ کر چلا گیا۔

معاذ حیدر نے اس کے بعد اس پر دباؤ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے اسے شادی کی اجازت دے دی۔ باہر جانے سے پہلے بہت دھوم دھام سے اس نے زارا کے ساتھ شادی کر لی۔

زارا نے خود ہی شادی چھوڑ دیا تھا۔ وہ عمر میں جہانگیر سے دو سال بڑی تھی مگر جہانگیر کے قد و قامت کی وجہ سے یہ فرق کسی نماں نہیں ہوا۔ جہانگیر سے شادی پر وہ بے حد خوش تھی۔ شادی کی تقریبات میں جہانگیر کے والدین کی

”کرتے ہوں مگر گورنمنٹ کے اپنے بہت سے لوگ بھی سفیر صاحب کے ذریعے سے اپنے بہت سے کام کراتے رہتے ہیں، اسی لیے ایسی ساری اعتراضات دبا دی جاتی ہے ویسے بھی سفیر کے بھائی کیونٹ بیکٹری ہیں۔ ان کے سرسبز جہاز ہیں۔ ایک سالہ صدر کا پروٹوکول آفسیر سے دوسرا انٹریز سفیری میں سے باقی رفیع داروں کو کوننا شروع کر دوں گا تو میرے نقش میں نہیں چایا میں سے۔ اس لیے نہیں کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا وہ جو چاہتے ہیں آزادانہ طریقے سے کر رہے ہیں اور باقی سب بھی یہی کچھ کر رہے ہیں۔“

زارا کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔

اسے ایک بار پھر اپنے مکارے کی فکر ہونے لگی تھی۔ ”ٹھیک ہے تم خرید لو ہوٹل۔“ اس نے جیسے جتنا کیر کو مگرین سناتل دیا۔

”میں اسی لیے تمہیں اس شخص سے ملوانا چاہتا ہوں۔ یہ شخص خاصا روٹینک ہے۔ میں چاہتا ہوں تم اس سے تعلقات بڑھاؤ اور پھر اس سے کہو کہ یہ ہوٹل مجھے فروخت کرے اور نیتا کی قیمت پر۔“

”میں بھی نہیں، تم کہا کہہ رہے ہو؟“

”آئی مشکل کا نہیں ہے۔ تم آئی خوبصورت ہو۔ تمہیں مردوں کو چارم کرنا آتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس آدمی پر بھی اپنے ہتھیاروں کا استعمال کرو، مجھے یقین ہے کہ تمہارے سامنے یہ مزاحمت نہیں کر سکتے گا۔ پھر وہ ہٹل مجھ مل جائے گا۔“

اس بار اس نے پہلے سے بھی صاف اور واضح نکلون میں اپنی بات دہرا دی۔ دارا کیلئے مردوں کو رہنما اور
 رہنما بنی بات نہیں تھی وہ ایک ایسے ہی پروفیشن سے منسلک رہی تھی جس میں بہت سی اینڈرونا ٹرنگ انجینئر اپنے
 کلائنٹس سے خاص طور پر اسے ملواتی تھی جس تاکہ وہ ان انجینئرز کیلئے پرنسپل حاصل کر سکے اور بدلے میں وہ انجینئر
 اپنے اشتیارات میں صرف اسے ہی لیتیں۔ اسے کبھی سے سب راجھی نہیں لگا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس پروفیشن کی
 ضرورت تھی اور ڈانلڈ کا شیعے سے منسلک ہر لڑکی کتنی قہر مند ہے نہ کہ کتنی تو شہرت اور مقبولیت کی اس سیریز
 پر بھی نہ پہنچن جہاں وہ پہنچنے لگی تھی۔ مگر یہ سب اس کے پروفیشن کا حصہ تھا اور وہ اس پروفیشن کو چھوڑ چکی تھی۔ اب ذاتی
 زندگی میں وہی سب کچھ کرنا اور بھر پور کر کے کہنے پر کمر کرنا۔؟

”جسین ہا ہے تم کی کور ہے ہو جہاں گیر؟“ اس نے اپنے انھوں پر زور دے ہوئے کہا۔
 ”اچھی طرح۔ مگر ہوں لوگ۔ جس سوسائٹی میں ہیں وہاں آگے بڑھنے کیلئے یہ سب کچھ کرنا ہی پڑتا ہے اور میرا خیال ہے۔ اس میں کوئی برائی بات نہیں۔ ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ ترقی کی بھی ایک قیمت ہوتی ہے۔“ وہ مطمئن تھا۔

”مگر یہ مناسب نہیں ہے۔“
 ”کم آن زارا! کم از کم تم تو یہ بات نہ کرو۔ یہ سب کچھ تمہارے لیے تو کیا نہیں ہے۔“

ہائپرید بھی اس سے چھپی نہیں رہی تھی مگر اسے اس بات پر اعتراض نہیں ہوا۔ وہ جانتی تھی کہ جہانگیر کے بجائے کوئی بھی دوسری خلیفہ اپنے بیٹے کی ایک ڈاڈل مرل سے شادی کرنے پر اسی طرح اعتراض کرتی ضرور ہوگی۔ مطلقیت تھی کہ شوہر کو چھڑونے کے بعد آہستہ آہستہ جہانگیری خلیفہ اسے قبول کرے گی۔

شادی کے بعد وہ جہانگیر کے ساتھ اکلھنڈ چلی آئی تھی جہانگیر یہاں آنے کے بعد انہی جاں میں مصروف رہا۔ ہوا تھا۔ لندن میں جہانگیر کی مصروفیات بہت زیادہ تھیں مگر اس کے باوجود تقرباً دو کوئی واقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ وہ دارا کے ساتھ ان قربیات میں جاتا رہتا جس میں اسے دھوکا جاتا تھا اور اگر کراچی میں اور یہاں کی زندگی میں زیادہ فرق محسوس نہیں ہوا تھا۔ اب بھی اسی طرح ہر بات کسی نہ کسی تقریب میں شرکت کرنی رہتی اور یہاں بھی وہ کوئی شام بے کام نہیں گزارتی تھی بلکہ ہر فرقہ ہی تھا کہ وہاں وہ اپنے حوالے سے جاتی جانی تھی اور یہاں وہ جہانگیر کے حوالے سے اور اسے جہانگیر کے حوالے سے جانے جاتا زیادہ اوجھا لکھا تھا۔

اس شام بھی وہ جہانگیر کے ساتھ پاکستانوں کی طرف سے آرمناؤز کی جاسے والی تقریب میں شریک ہونے کیلئے تیار ہو رہی تھی جب جہانگیر نے اس سے کہا۔

”آج اس پادٹی میں میں تمہیں ایک آدمی سے ملواؤں گا..... سعید بھائی..... ہوٹل انڈسٹری میں بہت بڑا نام ہے نہ صرف پاکستان میں بلکہ امریکہ میں بھی بہت سی انڈسٹری میں ہوٹل، طیارے، بڑی امریکن.....“

یہاں کی پختگی بھی ہے اس کے پاس۔"

”میں اس آدمی کا ایک ہوش خریدنا چاہتا ہوں جو یہ کلمہ کمرہ تک پہنچنے والا ہے۔“

”تم جاب چھوڑ رہے ہو؟“

”ہیں۔“
”تو پھر ہوں؟“
”جی ہاں۔“

”سائینڈ بڑیس کے طور پر۔“
 ”مگر جہیں تو جاب کے علاوہ کچھ اور کرنے کی اجازت نہیں ہے۔“ وہ کچھ الجھی۔

”ہاں، صرف مجھے ہی نہیں کسی کو بھی چاب کے علاوہ کچھ اور کرنے کی اجازت نہیں ہوتی مگر سب کرتے ہیں۔ کیا تم یہ جانتی ہو کہ ہمارے سفیر وال امریٹ میں شیئرز کی خرید و فروخت میں ملوث ہیں بلکہ صرف موجودہ سفیر

نہیں ہر آنے والا یہاں آکر یہی کہتا ہے اور موجودہ سفر کو انہمکی کے فنڈز کو بھی ناجائز طور پر اسی کام کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ ”وہ بڑے حسد سے ٹانگی کی ٹانگ لگتے ہوئے بتا رہا تھا۔“

”مگر یہ تو بہت بڑا جرم ہے۔ یہاں ایکسی میں جو اینجنیئرز کے آدمی ہوتے ہیں۔ وہ گورنمنٹ کو ایسی چیزوں کے بارے میں انکار نہیں کرتے۔“

وہ اب اسے خفا کی تار بنا تھا۔

”زندگی میں بہت کچھ حاصل کرنا چاہتا ہوں اور یقیناً تم بھی بہت کچھ حاصل کرنا چاہتی ہوگی۔“

وہ اس سے کہہ نہیں سکی کہ وہ ایک مشہور ہزار اور بچوں کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتی۔ کم از کم زندگی کے اس

حصے میں۔ وہ بولنا جا رہا تھا۔

”اب سن چیزوں کو حاصل کرنے کیلئے دولت ضروری ہے۔ اب دولت کیے حاصل کی جاسکتی ہے یہ نہیں

پانا کرنا ہے۔ انسان کے ہاتھ میں پاور ہو تو پھر دولت کا حصول مشکل نہیں ہوتا اور میں بھی اپنی اسی پاور کو استعمال کرنا

چاہتا ہوں۔“

وہ اپنی ہوری تھی۔

جہانگیر معاذ کی شخصیت کا ایک اور پہلو اس کے سامنے آ رہا تھا۔

”سعید سبانی سے ملنے والا وہ ہوش آئندہ چند سالوں میں کتنی بابت کا ہو جائے گا اس کا شاید تم اندازہ بھی

نہ کر سکو۔ فیض اس ہوش کو ایک دوسری جگہ کر کے ڈالی اور سیلفٹ اس وجہ سے پیچھے پر مجبور ہے اور میں چاہتا ہوں اس

فیض کی کزوری کا فائدہ اٹھاؤں اور تم یہ کام بخوبی کر سکتی ہو۔“ وہ اب مسکراتے ہوئے زارا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکرا نہیں

سکی۔

مگر اس نے وہی کیا تھا جو جہانگیر چاہتا تھا جہانگیر نے سعید سبانی سے اس کی ملاقات کرا دی تھی اور زارا

نے اپنی خوبصورتی کا بھر پور استعمال کیا تھا۔ اگلے کی صبح سعید سبانی کے ساتھ اس کی ملاقات میں جا رہی۔ ملاقات میں

کس کس حد پر بار کھڑی رہیں۔ جہانگیر اس سے بے خبر نہیں تھا مگر زارا کو اس اطمینان پر حیرت ہوئی، وہ صرف اس بات

پر خوش تھا کہ سعید سبانی بالآخر یہ ہوش جہانگیر کو پیچھے پر تیار ہو گیا بلکہ مارکیٹ پر اس سے کم پر اس پر جہانگیر کے پاس

اس ہوش کو خریدنے کیلئے دوپٹے کہاں سے آیا تھا وہ بھی نہیں جانتی تھی مگر وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ یہ روپیہ وہ اپنی نگاہ

میں سے بھاسکتا تھا نہ ہی اس نے کسی سے قرض کیا تھا۔

سعید سبانی کے ساتھ جس دن اس نے اس ہوش کا سودا کیا تھا اور امریکہ میں رہائش پر اسے ایک

دوست کے نام پر وہ جانیڈا خریدی تھی۔ اس دن اس نے زارا کو یہود کا ایک قیمتی ہاتھ کے طور پر دیا تھا۔ زارا کو

جیلی ہا اس کا کوئی تھنہ نہ خوش نہیں ہوئی۔ وہ جانتی تھی یہ تھنہ قیمت ہے اس کام کی جو اس نے جہانگیر کیلئے کیا

تھا اور جو اب اسے بار بار کرنا پڑے گا۔

اس کا اندازہ ٹھیک تھا۔ وہ ہوش صرف پہلا قدم تھا اور پہلا قدم اٹھانے کے بعد جہانگیر معاذ کو روکنا بہت

مشکل تھا زارا لندن کی تقریبات کا ایک بہت مقبول نام بن گئی تھی ایسا نام جس کے بارے میں صرف اچھی باتیں ہی

نہیں اور بھی بہت کچھ کہا جاتا تھا۔

جہانگیر کا اس کے بارے میں اندازہ بالکل ٹھیک تھا، وہ واقعی غیر معمولی کشش رکھتی تھی اور بہت جلد اس نے

سفارت خانے کے تمام آفیسرز کی بیویوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا مگر وہ اس سب سے بہت خوش نہیں تھی جہانگیر نے

”تم جس پر دوش سے منسلک رہی ہو، کیا تم یہ سب کچھ نہیں کرتی رہیں۔“ زارا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”میں وہ پر دوش چھوڑ چکی ہوں۔“

”لیکن میں چاہتا ہوں کہ اب تم میرے لیے وہی کرو جو تم پہلے اپنے لیے کرتی تھیں۔ اگر تمہاری وجہ سے

مجھے کچھ فائدہ پہنچ جائے تو اس میں برا کیا ہے۔“

وہ اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔

”مگر تم یہ سب کرنے والی ایکلی نہیں ہو، تم سفیر کی بیوی کو دیکھو، مجھے رشک آتا ہے اس بندے کی قسمت

پر۔ وہ الو صرف بیوی کا وجہ سے اتنے بڑے ہاتھ مار رہا ہے اور وہ بھی کامیابی کے ساتھ بیورو کرکس میں کامیابی کا

آدھا انحصار بیوی پر ہوتا ہے جس کی بیوی کتنی زیادہ خوبصورت اور خوش ہوگی، وہ اتنی ہی جلدی کامیابی کی میز میاں

چڑھتا جائے گا۔“

وہ ڈپسندہ کی سے اس کی غلامی میں رہی تھی۔

”تم سے شادی کی بنیاد یہی جگہ تھی کہ تم میں ایک غیر معمولی چارم تھا۔ میں تو خیر برعورت کو دیکھ کر اس پر

فدا ہو جاتا ہوں مگر تمہارے سامنے میں نے ایسے مردوں کو بھی پیچھے ہونے دیکھا جو عورتوں سے خاصا پیچھے کی کشش

کرتے ہیں۔“

”تو یہ محبت نہیں تھی؟“ زارا کو پتا نہیں کیوں اس کی بات سے تعریف پہنچی۔

”تم اور میں جس عمر میں ہیں، اس میں ٹین اچھڑ والی افتادہ قسم کی محبت تو نہیں ہو سکتی۔ اس عمر میں بندہ

بہت سوچ کچھ کرکتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ محبت کے بدلے میں اسے کیا مل سکا ہے اور پھر ہی کوئی فیصلہ کرتا ہے۔“

وہ اب اسے لہجہ دے رہا تھا۔

”اب دیکھو نا۔ تم نے بھی تو مجھ سے محبت کرتے ہوئے بہت کچھ دیکھا ہوگا۔“ وہ اب اسے آئینہ دکھا رہا

تھا۔ ”یہ دیکھا ہوگا کہ میرا کبیر کیا ہے۔ میں کس جلی سے تعلق رکھتا ہوں۔ دیکھنے میں کیسا ہوں۔ میرا ٹیبلٹس کیا

ہے۔ میرے ساتھ تمہاری زندگی کسی گز رہے گی۔ میں جیسے کتنی کیوریٹی دے سکتا ہوں۔ کیسا مستقبل دے سکتا ہوں۔“

زارا کا چہرہ زرد ہو گیا۔

”اسی طرح میں نے بھی کچھ چیزیں دیکھی تھیں۔ تم خوبصورت تھیں مشہور تھیں۔ جنہیں مردوں کو پھنڈل کرنا

آتا تھا اور مجھے لکھی لکھی بیوی چاہی تھی کیونکہ جن پر دوش سے میں تعلق رکھتا ہوں وہاں ایسی ہی بیوی کی ضرورت

ہوتی ہے۔ اب محبت کا جہاں تک تعلق ہے تو ظاہر ہے محبت بھی ہے۔ آخر میں نے شادی کی ہے تم سے دیکھے بھی میں

جو کچھ حاصل کر چاہ رہا ہوں۔ یہ نیم دونوں کیلئے ہی ہے، کیا تم نہیں چاہتیں کہ ہمارے پاس اس جاب سے حاصل

ہونے والی مراعات کے علاوہ بھی کچھ ہو۔ آخر اس جاب کے مل بوتے پر تو ہم زندگی کو نچوڑے نہیں کر سکتے۔ میرا اور

تمہارا بالکل ٹھکانا ہے وہ اس نگاہ میں تو maintain تو نہیں کیا جاسکتا۔ نگاہ تو وہ دن میں ختم ہو جائے گی پھر مینے

کے اٹھائیں دن تم اور میں کیا کریں گے۔“

شادی کرتے وقت اس نے ایسی زندگی گزارنے کا خواب نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایشیاس بھی برتر رکھنا چاہتی تھی۔ اسے جہانگیر سے دوستی بھی اس کے کیرئیر اور شہر کی وجہ سے ہوئی تھی مگر اس کے باوجود ان کی چیزوں کی جو قیمت اسے ادا کرنی پڑی تھی وہ بہت زیادہ تھی۔

وہ بنیادی طور پر اس چمک دک سے بیزار ہو چکی تھی اور عمر کی پیدائش ان چیزوں سے نجات کی ایک کوشش تھی۔ اس کا خیال تھا کہ بچے کی پیدائش جہانگیر کو بدل دے گی، جہانگیر کی پیچھے کیلئے ہوس میں کی جائے گی یا کم از کم وہ پیچھے سے حصول کیلئے اسے استعمال کرنا چھوڑ دے گا۔

مگر اس کا اندازہ غلط تھا۔ جہانگیر بے پائے پر کردہ امید سے ہے۔ بہت مشتعل ہو گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے کیرئیر کی اس اونچ پر پہنچے ہیں کسی کمیصبت یا نا انہیں چاہتا مگر زارا کم اس معاملے پر اس کے دباؤ میں نہیں آئی تھی۔ جہانگیر کی دھمکیوں کے باوجود اس نے لاپرواہی نہیں کروایا تھا اور بالآخر جہانگیر کی اس ضد کے سامنے ہلنے پھرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

عمر کی پیدائش پر زارا بے حد خوش تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اب جہانگیر اسے پہلے کی طرح استعمال نہیں کرے گا اور وہ مطمئن ہو کر اس طرح اپنے بچے کی پرورش کر سکے گی جیسا وہ چاہتی تھی۔ عمر کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد تک وہ واقعی بہت اطمینان اور سکون کے ساتھ تقریبات میں شرکت کیے بغیر زندگی گزارتی رہی مگر جہانگیر ابتر بہتر ایک بار پھر اسے وہیں لے آیا تھا اور کچھ دنوں کا زارا کو اندازہ ہوا کہ عمر جہانگیر کے بیروں کی زنجیر نہیں بنا خود اس کے بیروں کی زنجیر بن گیا تھا۔

فطری طور پر وہ عمر کے بہت قریب تھی اور جہانگیر کے ساتھ تقریبات میں جاتے ہوئے وہ سارا وقت اس کے بارے میں فکر مند رہتی۔ جہانگیر نے اس کی پیدائش کے فوراً بعد ہی عمر کو کوشش کے سپرد کر دیا تھا اور زارا کے لاکھ احتجاج کے باوجود وہ اسے ہٹانے پر تیار نہیں ہوا۔

اگلے کچھ سال زارا نے شدید بے چین میں گزارے تھے۔ وہ مکمل طور پر اس زندگی سے تنگ آ چکی تھی جو وہ جہانگیر کے ساتھ گزار رہی تھی۔ لاکھ کوشش کے باوجود وہ عمر کے ساتھ وقت گزارنے میں ناکام رہتی تھی اور یہ بات اس کے ذہن میں اور اضافہ کرتی تھی۔

شاید وہ اس سب کے ساتھ کسی نہ کسی طرح سمجھتا کرتے ہوئے زندگی گزارتی رہتی مگر جس چیز نے اسے مشتعل کر دیا تھا وہ جہانگیر کی ایک دوسری صورت میں لی جانے والی دوستی تھی۔ زارا کچھ عرصہ تک یہ سب نظر انداز کرتی رہی کہ ساتھ گزارے جانے والے دن سالوں میں اس نے جہانگیر کی زندگی میں بہت سی عورتیں آئی اور جاتی دیکھی تھیں اور وہ ان کے بارے میں فکر مند نہیں ہوتی تھی مگر شرمین نام کی وہ لڑکی جہانگیر کی زندگی میں جس حد تک شامل ہو چکی تھی اس کا اندازہ اسے بھی نہیں ہوا۔ جہانگیر نے اسے مکمل طور پر شرمین سے بے خبر رکھا تھا۔ وہ ایک ریٹائرڈ بیوروکریٹ کی بیٹی تھی۔ جہانگیر کے ساتھ اس کی ملاقات کب اور کہاں ہوئی۔ زارا نہیں جانتی تھی مگر جب اسے شرمین کے وجود کا پتا چلا تھا تو زندگی میں پہلی بار وہ اپنی شادی کے اس فیصلے کے بارے میں تنبیہ کی سے سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

اس کے پاس اب ایک دوسرا راستہ تھا۔ جہانگیر کے ساتھ لانے جھگڑنے کے بجائے اس نے اپنے بھائی کے پاس جانے کے بعد جہانگیر سے طلاق کیلئے مقدمہ کر دیا تھا۔ جہانگیر کیلئے یہ ایک بہت بڑا جھکا تھا اس کے دہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اگر اب بھی اس سے طلاق مانگ سکی ہے وہ خود بھی شرمین کی محبت میں گرفتار ہونے کے باوجود زارا کو طلاق نہیں دینا چاہتا تھا۔ زارا اس سالوں میں صبح معشوں میں ہونے کی چڑیا ثابت ہوئی تھی اور شاید اگلے کئی سال وہ اس کیلئے اپنی آخری ناکامہ ہوند بنے جبکہ شرمین کی خصوصیت ہونے کے ساتھ ساتھ کم عمر تھی اور جہانگیر جانتا تھا کہ وہ زارا کی طرح مردوں کو بھانپ نہیں سکتی۔

اس نے زارا سے رابطہ کیا تھا مگر وہ کسی بھی صورت واپس آنے پر تیار نہیں تھی۔ ”میں دوسری شادی کرنا چاہتی ہوں۔ تم بھی دوسری شادی کر لو مگر وہ بد وقت ہو رہی ہے۔“ وہ اس کے الفاظ پر دنگ رہ گیا تھا۔ اس کے بعد جتنی دفعہ بھی اس نے زارا سے رابطہ کیا تھا اس کی زبان پر یہی سب کچھ تھا۔ وہ عمر کو اپنی کھڑی میں لینا چاہتی تھی مگر جہانگیر کے ساتھ کسی سمجھوتے پر تیار نہیں تھی۔ جہانگیر کو اس کی ضد نے مشتعل کر دیا تھا۔

”تمہیک ہے تم طلاق لے لو مگر عمر کو میں کسی بھی صورت چھین نہیں دوں گا۔“ اس نے زارا سے کہا تھا۔ طلاق کے بعد زارا نے اپنے بھائی کے ایک بڑی عمر کے ایرانی دوست کے ساتھ شادی کر لی تھی اور یہ شادی بے حد کامیاب رہی تھی۔ اس کے دوسرے شوہر کی پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کی بیٹی کی شادی ہو چکی تھی۔ زارا سے شادی کے بعد ان کے ہاں دو بیٹے ہوئے۔ وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ لندن میں سہلے تھی اور بہت پرسکون زندگی گزار رہی تھی مگر اس کے باوجود اس نے کبھی عمر کو فروغ نہیں کیا۔ جہانگیر نے عمر کو ایک بورڈنگ میں داخل کر دیا اور زارا کو کوشش کے باوجود عمر سے ملنے یا اسے دیکھنے میں ناکام رہی مگر اس سب کے باوجود وہ کتا تھا اسے کچھ نہ کچھ بھولتی رہتی جو زیادہ تر جہانگیر کے ہاتھ لگتا اور وہ اسے ضائع کر دیتا۔

جہانگیر نے اسے طلاق دینے کے کچھ عرصہ بعد ہی شرمین سے شادی کر لی تھی اور شرمین کو کوشش کے باوجود وہ زارا کی طرح استعمال نہیں کر سکا۔ صرف ایک آہمی بیوی اور ماں بنی مگر کبھی تھی۔ عمر کے ساتھ اس کے تعلقات سرد رہے نہ بہت خوشگوار اس کی وجہ یہ تھی کہ عمر ہمیشہ بورڈنگ میں رہا۔

انہی تعلیم مکمل کرنے کے دوران اور بعد میں اگلیفٹ میں جاب کے دوران بہت دفعہ زارا نے عمر سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر عمر نے کبھی بھی اس سے جوابی رابطہ نہیں کیا وہ ماں سے محبت کرنے کے باوجود بچپن سے باپ کے دباؤ پر ماں سے ملنے سے انکار کرتا رہا تھی کہ کوہٹ میں کھڑی کیس کے دوران بھی اس نے ماں سے ملنے سے انکار کر دیا۔ بچپن میں چند بار ماں کی طرف سے ملنے والے کچھ تنازع اور کارڈ وصول کرنے کے بعد جہانگیر کی طرف سے اٹھایا جانے والا ہنگامہ اسے ہمیشہ یاد اور اتھا اور غیر محسوس طریقے سے وہ اس ہنگامہ سے بچنے کی کوشش کرتا رہا۔



رات لو بجے تک بھی کھر کھر پھر کر کام کیا۔ اب آپ سمجھ دیجئے کہ جتنے ہیں یہ اسکول اس علاقے میں چلنے والا واحد اسکول نہیں ہے آپ یہاں جس گاؤں میں بھی جائیں گے۔ آپ کو اس طرح کا کوئی ذکوئی اسکول کام کرنا ضرور ملے گا اور صرف اسکول ہی نہیں ہوگا بلکہ وہاں بچوں کی اچھی خاصی تعداد تعلیم حاصل کرتی بھی پائی جائے گی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اب ان اسکولوں کو قائم کرنے میں بنیادی ہاتھ یہاں کے لوگوں کا ہو گیا ہے۔ وہ خود ہی اس کیلئے عمارت اور دوسری چیزوں کا انتظام کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ ہمیں سمجھنے کیلئے بھی بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑتی کچھ گاؤں میں ایسا بھی ہوا کہ ایک اسکول میں جب بچوں کی تعداد زیادہ ہونے لگی تو گاؤں والوں نے خود ہم سے ایک دوسرے اسکول بننے کی کام میں مدد کی درخواست کی۔

”گروپ میں موجود بچی اس طرح ہم بخود اس شخص کی باتوں کو سن رہے تھے۔

”تو ہم بنیادی طور پر جس چیز کو کرنے میں کامیاب ہوئے وہ لوگوں کی سوچ میں تبدیلی تھی۔ اس وقت 95ء ہے ہمارا اندازہ ہے کہ 2000ء تک ہم اس علاقے میں لڑکیں کا تناسب بہت زیادہ کر دیں گے۔ 95ء سے 2000ء تک کے ان پانچ سالوں میں ہم اس علاقے کے لوگوں کی سوچ میں مزید تبدیلیاں لائیں گے اور شاید پانچ سال بعد اس علاقے کو دیکھ کر آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ کبھی یہ علاقہ اپنی ناخواندگی کی وجہ سے مشہور تھا۔

تعلیم کے علاوہ یہاں آمدنی کے ذرائع بڑھانے کیلئے ہم نے ان فیکٹریز سے رابطے کیے جو یہاں سے کھروں میں ملے ہوئے فٹ بال شکواتی تھیں۔ یہاں عورتوں کیلئے یہ ممکن نہیں ہوتا تھا کہ وہ ان فیکٹریز میں جا کر وہاں فٹ بال سیکس اور اس طرح کچھ بہتر معاوضہ حاصل کریں، لیکن ہم نے ان فیکٹریز کو مجبور کیا کہ وہ ان علاقوں میں اپنے فیکٹریز قائم کریں جہاں یہ عورتیں کام کریں اور اس طرح نہ صرف اچھا معاوضہ حاصل کر سکتی ہیں بلکہ انہیں اپنے گھر سے بہت دور بھی نہیں جانا پڑے گا۔ شروع میں اس کام میں بھی ہمیں بہت پر اہم ہوا کیونکہ زیادہ تر علاقے بارڈر ایریا ہیں اور فیکٹریز یہاں اپنے فیکٹریز قائم کرنے کو تیار نہیں تھیں کیونکہ بارڈر پر فیکٹریز کے زمانے میں نہ صرف یہ علاقے خالی کر دیے جاتے بلکہ ان فیکٹریز کو بھی بند کرنا پڑتا لیکن آج آہستہ آہستہ کچھ بڑی فیکٹریز نے ہم لوگوں کے دباؤ کے تحت یہاں فیکٹریز قائم کیے۔“



چند گھنٹوں کے بعد وہ این جی او کے کچھ لوگوں کے ساتھ سیالکوٹ کے ایک قریبی گاؤں میں تھے۔ گاؤں میں سید سہا اس جہلی میں گئے تھے۔ جہاں ان کے رہنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ کچھ دیر ان لوگوں نے وہاں آرام کیا اس کے بعد ان لوگوں کو این جی او کے ذریعہ انتظام چلنے والے ایک اسکول میں لے جایا گیا۔

ظہرہ کو وہاں موجود بچوں کی تعداد دیکھ کر بہت حیرت ہوئی تھی۔ وہ اسکول گاؤں کے ہی ایک شخص کے گھر میں قائم کیا گیا تھا۔ جہاں اس شخص کی بیٹی دو شخصوں میں بچوں کو تعلیم دیتی تھی۔

”اس گاؤں میں چند سال پہلے تک گورنمنٹ کی طرف سے قائم شدہ ایک اسکول بھی تھا۔ ایک دفعہ سیلاب کے دوران اسکول کی چار کمروں پر مشکل عمارت بہہ گئی۔ بعد میں گورنمنٹ نے دوبارہ اسکول قائم کرنے کی دھم دینے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسکول آنے والے بچوں کی تعداد بہت کم تھی۔ گورنمنٹ کا خیال تھا کہ قریبی گاؤں میں موجود اسکول بھی دونوں گاؤں کی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔“

ان لوگوں کے گروپ کے ساتھ چلنے والے گاؤں نے ساتھ چلنے ہوئے انہیں بتانا شروع کیا۔

”گاؤں والوں نے اس لیے اس پر اعتراض نہیں کیا کیونکہ وہ پہلے ہی یہاں اسکول کی موجودگی کو ناپسند کر رہے تھے۔ انہوں نے شمس کو جہاں پاک کے مصداق اس اقدام پر شکر ادا کیا۔ یہ صرف اسی گاؤں میں نہیں ہوا اس باس کے بہت سے علاقوں میں ایسا ہی ہوتا رہا تھا۔ لوگوں کو پڑھانے پر تو یہاں کے لوگوں میں پھر بھی کچھ آوازیں پائی جاتی تھیں مگر لڑکیوں کے پڑھانے کے بارے میں بات بھی کرنے پر یہ لوگ سر بھانڈنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح نہ صرف ان کے علاقے کی روایات ختم ہو جائیں گی بلکہ عورتیں مزبور ہو جائیں گی اور گھر کے مردوں کی بھرتی ختم ہو جائے گی۔“

ظہرہ دھکیسی سے گفتگو کرتی رہی تھی۔

”آپ لوگ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان لوگوں کے گھروں میں جا کر انہیں اپنی بات سننے کیلئے تیار کرنا کتنا مشکل کام تھا اور اس سے بھی مشکل کام اس علاقے میں کوئی تبدیلی لانا تھا۔ ہماری دور کرنے میں شام چھ بجے سے

"والدین اور اولاد ایک دوسرے کیلئے۔ طلب نہیں ضرورت ہوتے ہیں۔" نانو نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا تھا۔
 "ہماری کلاس میں پچیس اور اولاد ایک دوسرے کیلئے طلب ہوتے ہیں، مذہبی ضرورت بلکہ چیزوں کی طرح ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ جب اولاد کو ضرورت پڑے تو وہ ماں باپ کو استعمال کر لے اور جب ماں باپ کو ضرورت پڑے تو وہ اولاد کو استعمال کر لیں۔" علیزہ نے اس کی مذاق اڑاتی ہوئی ہنسی سنی تھی۔ وہ کوریڈور میں جہاں کھڑی تھی، وہاں سے اس کی پشت نظر آ رہی تھی۔ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی مگر اس کی آواز سے وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ وہ طنز کر رہا تھا۔
 "اس طرح مت کہو۔" نانو نے اسے جیسے روکنے کی کوشش کی تھی۔

"سچ کہہ رہا ہوں گر بیٹی! جیسے میں یک استعمال کر رہا ہوں تا میرے اور اس ملک کے درمیان اتنا ہی گہرا رشتہ ہے جتنا میرا اپنے ماں باپ کے ساتھ اور میرے ماں باپ کے نزدیک بھی میری اہمیت کافی ہے اس طرح گہنی ہی ہوگی جو ضرورت کے وقت ان کے کام آجائے۔" اس کا لہجہ پہلے سے زیادہ خف تھا۔
 علیزہ کوشش کے باوجود اندر داخل نہیں ہو سکی۔
 "پتا نہیں، میرا اندر جانا ٹھیک ہے یا نہیں؟" وہ وہیں کھڑی سوچنے لگی۔
 "تم زارا سے مل لیا کرو۔" نانو کی آواز میں اس بار ہمدردی جھلکی تھی۔
 "کیوں؟" عمر کا لہجہ بہت جھکا تھا۔ "اب ایسا کیا ہو گیا ہے کہ میں ان سے مل لیا کروں؟"
 "وہ تمہاری ماں ہے۔"
 "تو میں کیا کروں؟"
 "تم سمجھیں میں بہت اچھے تھے اس کے ساتھ۔"
 "ہو سکتا ہے۔"

"جھوٹ مت بولو مگر"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ میں واقعی انہیں مس نہیں کرتا بلکہ میں کبھی بھی کسی کو مس نہیں کر سکتا۔" اس کی آواز میں بے حد تنہید کی تھی۔

"مگر زارا تم سے ملنا چاہتی ہے۔ بہت محبت کرتی ہے وہ تم سے بار بار تمہاری باتیں کر رہی تھی۔ مجھے تا رہی تھی کہ تمہیں اس سے سوات میں دیکھا تھا۔ پھر تمہیں ٹریس آؤٹ کرنے کی کوشش کی مگر تم ہوئی سے چیک آؤٹ کر گئے۔ پھر اس نے اندازہ کر لیا کہ تم جیل میں ہو گئے میرے پاس اور وہ سیدھی تمہارے پیچھے لاہور آ گئی۔" نانو اب تفصیل سے بتا رہی تھی۔

"بڑا کارنامہ کیا مجھے پھنسا کر۔" اس نے عمر کو بڑبڑاتے سنا تھا۔

"وہ اپنی ٹیلی کو وہیں سوات میں چھوڑ کر صرف تمہارے لیے جہاں آئی تھی۔" نانو نے جیسے اسے بتایا۔

"یہ آجیں۔۔۔۔۔ اپنی ٹیلی کے ساتھ ہی رہیں۔۔۔۔۔ انجائے کرتیں۔"

باب ۲۵

"میں نے سوچا شاید تم زارا سے ملے ہو گے۔"
 علیزہ اگلی شام اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج کی طرف آ رہی تھی، جب اس نے لاؤنج میں ناٹو کو عمر سے کہتے سنا تھا۔ وہ ٹھٹھکی۔
 رات کو عمر کے کمرے میں جانے کے بعد وہ بھی کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔۔۔۔۔ بہت دیر تک وہ عمر کے بارے میں سوچتی رہی پھر آہستہ آہستہ نیند نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔
 آج صبح عمر بائیس کی سیز پر نہیں تھا۔ لاؤنج سے واپس آنے پر اس نے ٹیچ پر بھی موجود نہیں پایا۔ "میر میں کچھ درد ہے اس کے۔۔۔۔۔ آرام کر رہا ہے۔" اس کے پوچھنے پر نانو نے کہا تھا۔
 علیزہ کچھ بے چین ہو گئی۔ "کیا زیادہ درد ہے؟"
 "پتا نہیں۔ کچھ بتایا نہیں کہہ رہا تھا کہ سوؤں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔" نانو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
 "آپ کو پوچھنا چاہیے تھا!" اس نے بے ساختہ کہا۔ "موسم تبدیل ہو رہا ہے اس کی وجہ سے اس کی طبیعت خراب ہو گئی ہوگی۔" نانو نے اس کی بات پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔
 وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتے رہنے کے بعد اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔
 عمر کے لئے اس کے دل میں موجود ہمدردی میں یک دم اضافہ ہوا تھا۔ پر چھائی کے دوران بھی وہ بدستور عمر کے بارے میں سوچتی رہی۔

اور اب جب وہ جن تکے بعد شام کی چائے کیلئے نکلی تھی تو وہ لاؤنج میں موجود تھا۔

"نہیں، آپ نے غلط سوچا۔ میں کسی سے نہیں ملتا ہوں۔"

وہ کافی گالگ ہاتھ میں لیے دم دم آواز میں نانو سے کہہ رہا تھا۔

"کیوں؟" نانو کے سوال پر عمر نے چند لمبے خاموشی سے ان کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"کبھی طلب محسوس نہیں ہوئی۔" اس کا لہجہ بہت جھکا تھا۔

”وہ صرف تمہارے لیے بھائی آئی تھیں۔ مجھے بتا رہی تھی کہ تمہیں بہت مس کرتی ہے۔“

”مس کرتی ہیں تو یہ ان کی غلطی ہے نہ کیا کریں۔ بے اولاد تو نہیں ہیں۔ دوسرے بیٹے ہیں نا پس۔“

بھر میرے لیے یہ ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ”اس کے لیے جس سے زاری تھی۔“

”جی بھار ڈراما سے مل لینے میں تو کوئی ہرج نہیں۔“

”اس سے ملوں تاکہ پاپا مجھے اپنی جائیداد سے حاق کر دیں۔“

”جہاں گھبرا رہا نہیں کرے گا۔“

”آپ کو اپنے بیٹے کے بارے میں بہت ہی خوش فہمیاں ہیں مگر اپنی انہیں دور کر لیں۔“

”مجھے کوئی خوش فہمی نہیں ہے مگر وہ اب ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تم کوئی نئے سے ہو نہ اس پر انھما کرتے ہو۔“

”آپ کو یہ بھی غلطی ہے۔ میں آج بھی بڑی حد تک ان پر انھما کرتا ہوں۔“ اس نے ان کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

”تاؤ چند لمبے خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔“

”مجھ عمر سے اب بعد جب تمہیں جاہل جاسے گی تو تمہیں جہانگیر پر انھما نہیں کرنا پڑے گا مگر تم۔“

عمر نے ایک بار بھر ان کی بات کاٹی ”کیا ہو جائے گا جاہ سے۔ چند ہزار روپے پر مشتمل تنخواہ تو میری ضروریات پوری نہیں کر سکتی۔ مجھے کل بھی اسے باپ کی دولت کی اتنی ہی ضرورت ہوئی جتنی آج ہے۔“

”صرف پیسے کیلئے تم زار سے ملنا نہیں چاہو؟“

”ہاں سبکی بنیادی وجہ ہے، انہوں نے زندگی میں اپنے لیے اس چیز کا انتخاب کیا تھا جو ان کے اور ان کے مستقبل کیلئے فائدہ مند تھی۔ انہوں نے میرے لیے کوئی قربانی نہیں دی جس میں سبکی بنی کر دوں گا۔“

”تم چاہو تو جہانگیر سے بات کر سکتی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں اب زار سے ملنے سے نردو کے۔“

”آپ اپنے بیٹے کو مجھ سے زیادہ نہیں جان سکتیں۔“

”وہ قدری ہے مگر انسان ہے اور وقت کے ساتھ انسان میں بہت ہی تبدیلیاں آ جاتی ہیں۔“

”مگر میں ہی سے ملنا نہیں چاہتا۔ اس لیے آپ چاہتے ہو کوئی بات نہ کریں، بلکہ ان سے ذکر تک نہ کریں کہ

میں یہاں آئی تھیں یا مجھے ملی تھیں۔“ اس کا بوجھ بالکل اٹھ گیا تھا۔

علیہ کہہ دیکھ دیکھ کہ وہ سننے کی خنجر میں، مگر لاؤنج میں خاموشی چھائی رہی۔ تاؤ نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا اور وہ خاموشی سے کافی پینے میں مصروف تھا۔

وہ دیکھتے قدموں سے لاؤنج میں داخل ہوئی۔

”علیہ! آج میں نے جانے کے بجائے کافی بنوائی ہے، عمر کہہ رہا تھا اگر تم چاہتے ہو تو میں خانساں

سے کہہ دوں۔“ تاؤ نے اسے اندر آتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔

”نہیں ٹھیک ہے، میں اس کا کافی لے لوں گی۔“ وہ بڑے محتاط سے انداز میں کہتے ہوئے تاؤ کے پاس مصروف

پر بیٹھ گئی۔ وہ اب عمر کے باقاعدگی تھی مگر دانستہ طور پر اس پر نظر ڈالنے سے گریز کر رہی تھی۔

تاؤ نے کافی تیار کر کے کپ اس کے ہاتھ میں تھام دیا۔ پہلا پلینے ہوئے اس نے بڑے محتاط انداز میں

مرو کو دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ اس کی طرف متوجہ تھا۔ علیہ کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔ علیہ کو جراتی

ہوئی۔ ”کیا وہ اب بھی مسکرا سکتا ہے؟“ اس نے سوچا۔

”بارش شروع ہو گئی ہے۔“ تاؤ نے کمزری سے باہر دیکھتے ہوئے جیسے اطلاع دی تھی۔

علیہ نے چونک کر کمزریوں کی طرف دیکھا۔ شام کے ٹھیکے اندر سے میں لا ان میں ایک دم پڑنے والی

بارش کی تیز ہوجاؤ کمزریوں کے پیشوں کو ٹیلا کرنے لگی تھی۔

ایک نظر بارش کی ہوندوں پر ڈال کر علیہ ایک بار بھر عمر کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ صوفے پر نیم دراز کافی

پہنچے ہوئے کمزریوں کے باہر برسی بارش کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر نظریں جمائے وہ جیسے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کی ذہنی کیفیت کیا ہوگی۔

”کیا عمر واقعی صرف پیسے کیلئے اپنی ہی سے ملنا نہیں چاہ رہا؟ کیا وہ materialistic (مادہ پرست)

ہو سکتا ہے؟ کیا اسے اپنی ہی سے محبت نہیں ہے؟ کیا اسے اپنے پیسے سے محبت ہے؟ اور اگر اسے ان سے بھی محبت نہیں تو

پھر آخر اسے کس سے محبت ہے؟“ وہ اسے دیکھتے ہوئے جیسے الجھ رہی تھی۔

عمر کو یک دم جیسے اس کی نظروں کا احساس ہوا کچھ چونک کر کمزری سے باہر نظر آنے والے منظر سے نظریں

ہٹا کر علیہ کی حجبہ ہوا۔ علیہ نے گڑبڑائی۔ شرمندگی کے عالم میں اس نے اپنی نظریں جھکا لی تھیں۔

”مگر اپنی! مجھے پتا چلا کہ اسے ڈال دیں۔“ علیہ کو مخاطب کرنے کے بجائے اس نے اپنا جھانسی ساڑ کاٹ

تاؤ کی طرف بڑھا دیا تھا۔ تاؤ اس کیلئے کافی تانے لگیں۔

علیہ ایک بار بھر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ تاؤ کو کافی تانتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور اس دقت پہلی بار علیہ کو

احساس ہوا کہ اس کی آنکھیں سرخ بھی ہیں اور حورم بھی۔ وہ کافی پینے جیسے ٹھٹھک گئی۔

”کیا عمر روتا رہا ہے؟“ اس سوال نے اس کے وجود میں جیسے ایک گرت دوڑا دیا تھا۔

”کیا عمر بھی رو سکتا ہے؟“ وہ کافی چٹا بھول گئی۔

عمر نے تاؤ سے کافی کاٹی تھا صوفے پر سیدھا ہوا تو ایک بار بھر اس کی نظر علیہ پر پڑی تھی۔ اس بار

علیہ نے اس پر سے نظریں ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اسے دیکھتی رہی اور عمر کو یک دم جیسے احساس ہو گیا کہ وہ اس کے

چہرے پر کیا تصویر بنی ہے۔ علیہ نے اس کے چہرے پر ایک رنگ آنا دیکھا تھا اور پھر وہ علیہ سے نظریں ہٹا گیا۔

”مگر اپنی! میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔“ اس نے دھک دھک ہاتھ میں لیے کمزرا تھا۔

اسے لاؤنج سے باہر جاتے ہوئے دیکھ کر وہ بے چین ہو گئی۔

”مجھے ایسا نہیں آتا چاہیے تھا۔“ تاؤ کم از کم اس طرح اسے سمجھاتا تھا۔ چاہیے تھا۔ کیا عمر کو میرا اس طرح

دیکھنا برا لگے ہو سکتا ہے وہ یہ سوچ رہا ہو کہ میں اسے اس صوبت حال میں پا کر خوش ہو رہی ہوں۔“ اس کا کچھ بتانا

”جینک یو۔“ طیلوہ کا چہرہ کچھ سرخ ہوا۔

”مگر میں حیران ہوں کہ میرا چہرہ اس قابل کیسے ہو گیا کہ تم میری آنکھیں کرو۔“

”وہ۔۔۔ وہ جب آپ میرے دوست نہیں تھے اس لیے۔“ اسے یاد آیا گیا تھا جب عمر نے ایک بار اس کی آنکھ یک دیکھ کر اس کی تعریف کرنے کے بعد انکے بنانے کی فرمائش کی تھی اور اس نے بڑی بے دلی سے اس کی یہ فرمائش رد کر دی تھی۔

”اودہ۔ یعنی اب ہم دوست ہیں؟“ عمر نے دلچسپی سے پوچھا۔ طیلوہ نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

”So nice of you۔“ وہ ایک بار پھر اناکھ دیکھنے لگا۔

”کیا میں واقعی اتنا گولہ لنگ ہوں، جتنا اس آنکھ میں لگ رہا ہوں یا پھر یہ صرف تمہارے ہاتھ کا کمال ہے؟“

وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ طیلوہ کا چہرہ ایک بار پھر سرخ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس کے سوال کا کیا جواب دے۔

عمر نے طیلوہ کو بھیجے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ”تم آنکھیں کے بجائے ہسٹننگو بنایا کرو، میں تمہاری ایگریڈیشن کرواؤں گا۔“

وہ اس کی بات پر حیران ہوئی۔ ”ایگریڈیشن کیلئے تو بہت ساری ہسٹننگو چاہئیں۔ اس میں تو بہت وقت لگے گا۔“

”کتنا وقت لگے گا؟ ایک سال؟ دو سال؟ دس سال؟ میں کون سا سرمے والا ہوں؟ یہیں ہوں۔ بس تم اب ہسٹننگو بنایا کرو۔“

”لیکن میں ایگریڈیشن کروا کے کیا کروں گی۔۔۔ مجھے کوئی آرٹسٹ تو نہیں بننا۔“ وہ ہنسی لگائی۔

”یہ کوئی لا بک نہیں ہے۔ بہت سے لوگ آرٹسٹ نہیں ہوتے مگر ہسٹننگو بھی بناتے ہیں اور ایگریڈیشن بھی کرواتے ہیں۔ بس اسے پرفیشن نہیں بناتے۔ تم بھی سبکی کرنا۔“ وہ بڑی تنبیہ کی سے کہہ رہا تھا۔

طیلوہ مطمئن تھی۔ وہ اس کی توجہ ہٹانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

اب عمر یقیناً اپنی بات کے بارے میں سوچ رہا ہوگا۔ میں اس سے باتیں کروں گی تو یہ آہستہ آہستہ ریٹیکس ہو جائے گا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

”نہیں۔۔۔ ہر بندہ آرٹسٹ نہیں ہوتا۔“

”آپ نے کبھی کوشش نہیں کی؟“

”جو چیز مجھے پسند نہیں، وہ میں کبھی کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔“ اس کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

طیلوہ کی دم سارکت ہوئی۔ ”ابھی چند لمے پہلے یہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں ادرا اب کیا کہہ رہا ہے کہ اسے ہسٹننگو پسند نہیں ہے۔“ وہ اٹھنے لگی۔

”پھر آپ مجھے ہسٹننگو بنانے کیلئے کیوں کہہ رہے ہیں جبکہ آپ کو خود یہ کام پسند نہیں ہے؟“ وہ براہ راست

☆☆☆

رائلنگ چیز پر بھولتے ہوئے وہ برقی بارش کو دیکھ رہا تھا۔ باہر لان میں اب لائٹس آن کر دی گئی تھیں اور ہوا سے ہلے بارش میں چمکتے پودے اور بنکیں بہت عجیب لگ رہی تھیں۔

کمرے کے دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چمکا دیا۔

”بس کم ان۔“ اس نے بلند آواز میں کہتے ہوئے رائلنگ چیز کو جھلا بنا کر دیا۔ دروازہ آہستہ آہستہ کھلا تھا اور پھر عمر نے طیلوہ کو کمرے کے اندر آتے دیکھا، وہ اپنے ہاتھوں میں کرسی کو اٹھائے ہوئی تھی۔

”اودہ طیلوہ۔“ عمر کچھ حیران ہوا تھا۔

”میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟“ وہ کچھ دوس تھی۔

”ناٹ ایٹ آل میں فارغ بیٹھا ہوا تھا۔ تمہیں کوئی کام ہے؟“ اس نے مسکراتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

”میں تھوڑی دیر کیلئے آپ کے پاس بیٹھ جاؤں؟“

”وائے ناٹ۔“ عمر نے کچھ حیرانی آئیر مسکراہٹ سے کہا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کی پانچھی کی طرف بیٹھ گئی۔ عراب رائلنگ چیز کو جھلا بنا کر چمکا تھا۔

”آپ کا بارش بہت اچھی لگتی ہے؟“ طیلوہ نے کمزری کے پردے سے ہٹے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں۔“

”کیوں؟“

”مجھے بارش سے خوف آتا ہے۔“

”بارش سے خوف؟۔۔۔ کیا مطلب؟“ وہ حیران ہوئی۔

”پھوڑو بار۔۔۔ مذاق کر رہا ہوں۔ تمہیں اچھی لگتی ہے بارش؟“

”نہیں۔“

”کیوں؟“

”جان نہیں بس مجھے بارش سے الجھن ہوتی ہے۔“ عمر کچھ کہنے لگی اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ طیلوہ کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ اب کیا بات کرے۔ کچھ دیر وہ

سوچتی رہی پھر اس نے ایک کانڈ عمر کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ کیا ہے؟“ عمر نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”آپ دیکھ لیں۔“ عمر نے کچھ تجسس کے عالم میں کانڈ کھولا تھا۔ پھر اس کے چہرے پر ایک بے ساختہ

مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ طیلوہ کی آنکھوں میں یک دم چمک لہرائی۔

”ٹش جسٹ دٹر فل۔“ عمر نے کانڈ پر ہنسنے ہوئے اس آنکھ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ خاموشی سے فون پران کی بات سنتا رہا۔

”ان لوگوں سے مل کر میں کیا کروں گا؟“

”کیا مطلب ہے کیا کروں گا؟ وہ جنہیں کا عزیز کریں گے۔ سائیکو پیکل ٹیٹ کے بارے میں۔“

”مگر پاپا جان نے اصولی کی بات ہے یہ، وہی لوگ بعد میں ٹیٹ کنڈرکٹ کروائیں گے اور وہی لوگ پہلے ہی مجھے۔“ اس نے کچھ کہنا چاہتا تھا۔

”Everything is fair as long as it goes to you“ اس لیے دوبارہ مجھ سے اصولی یاے اصولی کی بات مت کرنا تم بیوروکر کسی کو کوئی ٹیڈ ریڈ دیے نہیں جا رہے ہو۔“ جہانگیر نے اس کی بات کاٹنے کو بہت سرواڈا میں کہا۔

”میں نے یہ کب کہا پاپا کہ میں..... میں تو بس چاہ رہا تھا کہ مجھے اپنی potential کا پتہ چلے۔“
 ”اپنی potential کا جائزہ تم بعد میں لیتے رہنا ہی اہل ترقی ملی کے پاس چلے جاؤ..... میں نے اسے تہہائی آدم کے بارے میں اظہار کر دیا ہے۔ پھر بھی جانے سے پہلے تم اسے کال کر لینا۔“

”ٹھیک ہے مگر مجھے کتنے دن وہاں رہنا ہے؟“

”یہ میں جنہیں بعد میں بتا دوں گا..... کال کرتا رہوں گا وہاں بھی۔“

”پھر بھی پاپا! مجھے اعزاز دے تو ہونا چاہیے کہ مجھے وہاں کتنے دن رہنا ہے تاکہ میں اسی کے مطابق اپنا سامان لے کر آؤں۔“

”شاید ایک ماہ یا اس سے بھی زیادہ۔“

”واٹ؟ اتنا لمبا قیام کیوں؟“ وہ حیران رہ گیا۔

”بس میں چاہتا ہوں کہ تہہائی اچھی طرح سے تیاری ہو جائے۔“

”نہیں تیاری کیلئے اتنے لمبے قیام کی ضرورت نہیں ہے۔ دو تین دن کافی ہیں۔“

”جب تک میں جنہیں وہاں سے واپس آنے کو نہ کہوں، وہاں سے واپس مت آنا۔“ جہانگیر کی آواز سامان بار پھر کلک ہو گئی۔

”پاپا..... میں کچھ دنوں کیلئے امریکا آنا چاہتا ہوں۔“ اس نے کچھ گھنچا ہے ہوئے کہا۔

”کس لیے؟“ جہانگیر کی آواز پہلے کی طرح سرد رہی۔

”وہ کچھ دیر خاموش رہا۔“ وہ بیٹھے۔“

”دو بیٹھے ہی سے کیا مطلب ہے تمہارا؟“ جہانگیر کی آواز پہلے سے زیادہ جھنجھیٹی تھی۔

”میں کچھ ریٹیکس کرنا چاہ رہا تھا۔“

”تم سوات مجھے تو تھے۔ کیا وہاں ریٹیکس نہیں کیا؟“

”پاپا! مجھے کچھ چیزوں کی ضرورت ہے۔“

”میری پسند یا نا پسند کوئی اہمیت نہیں رکھتی میرے لیے، تمہاری پسند یا نا پسند اہمیت رکھتی ہے۔“ وہ اس کی بات سمجھ نہیں پائی صرف اس کا چہرہ دیکھ کر گر گئی۔

مزید کچھ کہنے کے بجائے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کڑی کو عمر کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔

”آپ چاہیں تو اسے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں..... اس کے ساتھ کھیل سکتے ہیں۔“

عمر نے کچھ حیرانی سے اس کے ہاتھ سے کڑی کو لے لیا۔

”تم برا نہیں مانو گی؟“

”نہیں۔“ وہ کچھ دیر حیران ہوا۔

”آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟“ وہ جاتے جاتے مڑی۔

”نہیں۔“ وہ کمرے سے نکل گئی۔

عمر اسے کمرے سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، علیحدہ کا دہلا ہوا رویہ اس کیلئے حیرانی کا باعث تھا۔

”اتنی مہربانی کس لیے؟“ وہ سوچنے لگا اور پھر اس کے ذہن میں جیسے جھماکا ہوا۔ وہ جان گیا تھا۔ وہ کیا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بہت دیر تک وہ کڑی کو ہاتھوں میں لیے بے حس و حرکت اپنی کرسی پر بیٹھا رہا۔

☆☆☆☆

”تم کچھ دنوں کیلئے اسلام آباد چلے جاؤ۔“ تین چار دن کے بعد عمر کو جہانگیر نے کال کیا تھا حال احوال دریافت کرنے کے فوراً بعد انہوں نے اس سے کہا تھا۔

”کس لیے؟“

”تفصیلی کے پاس جانا ہے جنہیں۔“ انہوں نے اپنے ایک کزن کا نام لیا۔

”دیکھیں کس لیے؟“

”ایک تو وہ جنہیں پبلک سروس کمیشن کے ان دونوں سائیکو پٹینٹس سے ملو میں، جو رزلٹ آنے پر تمہارا سائیکو پٹینٹ کیلئے ٹیسٹ لیں گے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ تمہاری گروپ و سیشن بھی وہی کنڈرکٹ کروائیں۔“

”مگر پاپا! اتنی جلدی کیا ہے، ابھی تو چند ہفتے ہوئے ہیں تمہاری امتحان کی، پہلے رزلٹ تو آنے دیں۔ اس کے بعد۔“

جہانگیر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تمہارے پیچھے زچیک ہوتے ہی رزلٹ مجھے پتا چل جائے گا اور اس میں صرف ایک ڈیڑھ ماہ اور مجھے گا۔“

”نہیں پاپا! چار پانچ ماہ لگیں گے رزلٹ وکلیئر ہونے میں۔“ اس نے تصحیح کی۔

”میں رزلٹ وکلیئر ہونے کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ وہ جب چاہے ہوتا ہے۔ لیکن تمہارے پیچھے زچیک ہوتے ہی مجھ تک تمہارا رزلٹ پہنچ جائے گا اور میں جنہیں اظہار کر دوں گا۔“

”تم نام تا دو، میں خرید کر بھجوا دیتا ہوں۔“ عمر نے ان کے جواب پر ہنست مچھلچھے لے۔
 ”مجھے اپنے کچھ بچے اور دوسری چیزیں چاہئیں جو میں خودی آ کر لے سکتا ہوں۔“
 ”تمہارا سارا سامان یہیں گھر میں ہے تم بچے اور دوسری چیزوں کے بارے میں تا دو میں آج ہی پیک کروا کر تمہیں بھجوا دیتا ہوں۔ دو تین دن تک تمہیں مل جائیں گی۔“
 ”آخر آپ مجھے امریکہ آنے کیوں نہیں دیتا چاہے۔“ وہ بالآخر غصے ہو گیا۔
 ”کیونکہ میں جانتا ہوں، تم امریکہ کسی لیے آنا چاہتے ہو؟“
 وہ چپ سا ہو گیا۔

”مجھے ایسے لوگوں سے نفرت ہے جو مجھ سے سمجھوتہ بولیں یا غلط باتیں کریں۔“ اس نے اپنے باپ کو کہتے سنا۔ وہ ہنست کانٹے لگا۔ اس کا دل چاہا، وہ ان کے لیے آپ کو ایسے لوگوں سے نہیں صرف بچھٹھتے نفرت ہے۔
 ”تمہارے اکاؤنٹ میں، میں نے کچھ اور روپے ٹرانسفر کروائے ہیں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو تا دو۔“ وہ کچھ دیر اس کے بولنے کے منتظر رہا۔

”نہیں، کچھ نہیں چاہیے۔“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔
 ”ٹھیک ہے۔ دو دن کے بعد میں تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔“ جب تمہیں لائق کے پاس ہونا چاہیے۔“
 فون بند کر دیا گیا تھا۔



باب ۲۶

علیہ گردپ کے باقی لوگوں کے ساتھ اس شخص کی باتیں بہت غور سے سن رہی تھی۔

”یارا میں تو متاثر ہو رہی ہوں، ان لوگوں نے واقعی خاصا کام کیا ہے یہاں پر۔“ شہلا نے ساتھ چلتے ہوئے مدھم آواز میں کہا وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

”نہیں، ان لوگوں کی وجہ سے ہماری بہت سی پریشانیاں اور مسئلے ختم ہو گئے ہیں۔ آپ لوگ کچھ سال پہلے آتے تو حیران رہ جاتے کہ ہم یہاں کسی طرح زندگی گزار رہے تھے، چالوؤں سے بھی بدتر زندگی تھی جی۔ زمین دار غلام بکھتا تھا۔ یہاں کسی کی مجال نہیں تھی کہ وہ زمین دار کی مرضی کے بغیر کوئی کام کر سکتا۔“

گاؤں میں قائم ایک سینٹر میں فٹ بال مینے والے شخص سے گفتگو کا آغاز کرنے پر انہوں نے اس سے سنا تھا۔
 ”یہاں زمین دار سکول بننے نہیں دیتا تھا۔ جتنی دفعہ بھی حکومت نے یہاں اسکول بنوانے کی کوشش کی۔“

زمیندار نے یہاں کسی ماسٹر کو آنے نہیں دیا اسکول ماسٹر کے بغیر تو نہیں چل سکتا تھا جی۔ ہم سب کو مجبور کیا جاتا تھا کہ ہم اس کے کیمپوں کے علاوہ کہیں اور کام نہ کریں۔ کام کے بدلے ہمیں سال کا اناج دیا جاتا تھا ساتھ چند چوڑے کپڑے اگر یہاں کا کوئی آدمی گاؤں سے باہر کہیں کام کرنے کی کوشش کرتا تو زمین دار اسے مجبور کرنا کہ وہ آدمی اپنے پورے خاندان کے ساتھ علاحدہ چھوڑ کر چلا جائے۔“

وہ لوگ خاموشی سے اس شخص کی باتیں سن رہے تھے۔ علیہ ہر چیز کو judge کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
 ”پھر آجستہ آجستہ یہ لوگ یہاں آنے شروع ہوئے۔ یہ ساری ترقی ان لوگوں کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے یہاں پہلے گورنمنٹ کا قائم شدہ اسکول چلوانا شروع کیا پھر ہمارے گاؤں میں ہی دو تین گھروں میں اور اسکول قائم کیے یہ سینٹر بھی ان ہی لوگوں کی کوششوں سے بنا، آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ ان ہی سینٹروں کی وجہ سے ہمارے علاقے میں کتنی خوشحالی آ گئی ہے۔ ہمارے علاقے کی آدمی سے زیادہ عورتیں اس سینٹر میں کام کر رہی ہیں۔ اب یہاں باقاعدہ ٹیکسٹ بک کی کچڑ آتی ہیں یہاں سے آدمیوں کو ٹیکسٹ بک لے کر جاتی ہیں۔ پہلے ہمارے بچے ہمارے ساتھ کیمپوں میں کام کرتے تھے اور دوسری جگہوں پر مزدوری کرنے جاتے تھے۔ اب ہمارے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ یہاں اس

جائے تو اس ملک کی ستر فیصد آبادی کو زندگی سنے سرے سے گزارنے کا طریقہ آجائے گا، جس فیوڈل سسٹم کو بار بار کی کوششوں کے باوجود ہم بدل نہیں پائے۔ وہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔“

”مجھے انھیں صرف اس بات پر ہے کہ یہ کام ہمارے بجائے این بی اوڈر کری ہی جی حالانکہ یہ ہماری ذمہ داری تھی“

”اہمیت اس بات کی نہیں ہے کہ کام کون کر رہا ہے۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ کام ہو رہا ہے یا نہیں اور کام فریضہ ہو رہا ہے۔“ شہلا اور سیدہ کی سائز کے ساتھ رنگین شریک ہو گئی تھیں۔

”جس ملک کی ستر فیصد آبادی دیہات میں رہتی ہو، وہاں دیہی اصلاحات کا مطلب ہے کہ آپ نے اس ملک کی اکانومی کو بچ ڈائریکشن دے دی اور ترقی کیلئے ایک سنگ بنیاد رکھ دیا، کون سا ملک اتنا احمق ہوگا کہ وہ اپنا پیسہ دوسرے ملک کی ترقی یا فیوڈل آپ کے دیہی اصلاحات پر لگا دے؟“ وہ آواز پھر اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

”جب اپنے لیے خود کو مرنے کی ہمت نہ ہو تو پھر کمر میں رات کو آئے والا چور بھی اندھیرے میں رحمت کا فرشتہ ہی لگتا ہے۔ جیسویں صدی کی اس آخری دہائی میں کون سا ایسا شخص ہوگا، جو کسی مطلب کے بغیر کسی کے لیے کچھ کرے اور ہم بات کر رہے ہیں برسات میں شرمز کی طرح لگتے والی درجنوں قانون این بی اوڈر کی جوڈالرز اور پانڈز کے قہقہے پھر کر تو درملہ میں سوشل اور دولدر لیاچار کرنے لگی ہیں کیا لطیفہ ہے۔“ اسے امر کا قہقہہ یاد آیا تھا۔

”تم کیا سوچ رہی ہو سیدہ؟“ شہلا نے اسے مخاطب کیا۔

”وہ یکدم چونک گئی، کیا؟“

”میں تو چور ہی ہوں تم کیا سوچ رہی ہو؟“

”میں۔“ وہ ایک بار پھر جرح میں پڑ گئی۔

”کہاں کم ہو گئی ہو؟“ اس بار شہلا نے ایک بار پھر علیرہ کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ وہ امیر گیہری لاشیں لے کر جیسے کسی فرانس سے باہر آ گئی۔

”تجربہ کیا خیال ہے یہاں ہونے والے کام کے بارے میں؟“ سائزہ نے اسے مخاطب کیا۔

”جانتی نہیں۔“ اس نے کندھے اٹکا کر ہونے سے کہی سے کہا۔

”کیا مطلب؟“ سائزہ اس کے جواب پر حیران ہو گئی۔

”میں اصل میں سمجھ نہیں پاتی کہ میں کیا کہوں۔“ اس نے وضاحت کی۔

”یعنی تم بھی میری طرح یہاں ہونے والے کام سے بہت متاثر ہو۔“ سائزہ نے مسکرا کر کہا۔

”یہ بھی جانتی نہیں۔“

”یہ کیا بات ہو گئی؟“ سائزہ پھر حیران ہو گئی۔

”سب کچھ تو دیکھا ہے تم نے۔ ان کا آفس۔ وہاں ہونے والا کام۔۔۔۔۔ یہاں پلنے والے اسکول۔۔۔۔۔

عورتوں کا سینٹر۔ اور یہ جو ڈیڑھ سو ڈیڑھ سو چکر آئے ہیں انہوں نے۔ یہ پڑھنے کیلئے دیئے ہیں، سارے

علاقے میں ایسا کوئی بچہ آپ کو نہیں ملے گا جو تعلیم حاصل نہیں کر رہا ہوگا۔“ علیزہ مرعوب ہو رہی تھی۔

”این بی اوڈر بھی جب دیہاتی علاقے میں کام کرنا شروع کرتی ہیں وہ ہمیشہ ایسے علاقے کا انتخاب کرتی ہیں جہاں جاگیر داری نظام بہت سختی سے رائج ہو۔ اس علاقے کا انتخاب کرتے ہوئے بھی انھیں اس چیز کا بہت فائدہ ہوا کہ یہاں فیوڈل سسٹم بہت پختہ تھا۔“

اس کے کانوں میں یک دم عمر کی آواز گونجنے لگی تھی۔

”فیوڈل سسٹم میں لوگوں کے اندر یہ بہت نہیں ہوتی کہ اپنے علاقے میں رائج طور طریقوں پر احتجاج کر سکیں یا انھیں بدل سکیں، فیوڈل لاڈز تو کون کی زندگیوں کو اتنی مضبوطی اور سختی کے ساتھ کنٹرول کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ ہزار کوشش یا خواہش کے باوجود کسی ان سے جان چھڑا نہیں پاتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے ماحول میں اگر ایک شخص بھی ان فیوڈل لاڈز کے خلاف آواز بلند کرے یا تبدیلی لانے کی کوشش کرے تو لوگ پھرتے ہوئے جیسے اس کی حمایت کرتے ہیں۔۔۔۔۔ پہلے وہ لی دیل میں اس شخص سے ہمدردی کرتے ہیں اور پھر جیتے دیکھتے ہیں کہ وہ شخص واقعی کچھ تبدیلیاں لا رہا ہے اور اب صرف باتیں ہی نہیں کر رہا تو وہ لی دیل طور پر بھی اس کے ساتھ شامل ہو جانا چاہتے ہیں۔ اب ظاہر ہے اس کو نہ تو یہاں میں فیوڈل سسٹم میں دراز ہیں تا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ این بی اوڈر ہوتی ہیں ان کے پاس روپیہ ہوتا ہے اثر دوسرے ہوتا ہے۔ سختی کی بجائے کی طاقت ہوتی ہے۔ غیر ملکی معنوی پڑت پائی ہوتی ہے۔ کسی بھی فیوڈل میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ ان لوگوں سے کمر لے سکے یا انھیں نقصان پہنچائے۔۔۔۔۔ نتیجہ کے طور پر وہ اپنے علاقے میں ہونے والی تبدیلیوں کو روک نہیں پاتا۔ اسکول بھی بننے دیتا ہے۔ تعلیم کیلئے لوگوں کو باہر بھی جانے دیتا ہے۔۔۔۔۔ اپنے کھیتوں پر کام کرنے کیلئے بھی لوگوں کو مجبور نہیں کر پاتا اپنے علاقے میں ہونے والی ترقی کو روکنے کیلئے بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ اور میڈیا اس سب کو مظاہر کا کام دینا شروع ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ دیہی اصلاحات حالانکہ یہ اصلاحات نہیں ہوتیں، صرف لاڈز بدل جاتے ہیں اور حکومت کرنے کا طریقہ۔ کچھ آواز بھی دی جاتی ہے اور گھر میں بھی کچھ زیادہ خوشحالی آ جاتی ہے۔

”جہاں لوگ نسلوں سے مجبوک اور بے عزتی کا شکار ہوں، تو اس لیے کافی ہے کہ آپ انہیں تین دقت کی روٹی اور سرساز کر بات کرنے کا حق دے دیں۔۔۔۔۔ پھر ان سے جو چاہے کروائیں وہ آپ سے کتے سے بھی زیادہ وفاداری کریں گے۔“

وہ بے چین ہونے لگی تھی۔

”کیا یہاں بھی سب کچھ ہو رہا ہے؟“

اس نے سوچا اور یہ شخص جو کچھ کہ رہا ہے، کیا یہ بھی صرف وفاداری، وہ شہیہ کش کا شکار ہو گئی تھی۔

وہ لوگ واپس چلی گئی تھے۔ رات کو اسے گھر پر کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر، وہ سارے دن کے لئے ہونے لڑھکی رہی تھی۔ جب اس کی کلاس فیلو سائزہ نے کہا۔

”جس طرح اس علاقے میں این بی اوڈر نے کام کیا ہے، اگر سارے دیہی علاقے میں اسی طرح کام کیا

Facts and figures ہیں اس میں..... چائلڈ لیبر کے حوالے سے روزگار کی صورتحال، عورتوں کی کنڈیشن، ان کا رول آنے والے سالوں کیلئے این جی اوڑ کی پلاننگ اتنا ڈٹا لٹے کے بعد بندے کی کوئی رائے تو ہوتی ہے نا، تمہاری کیا رائے ہے؟" سائزہ نے پوچھا۔

"مجھے اصل میں یقین نہیں آ رہا۔" اس نے ایک مگر اسانس لے کر کہا۔

"کیا؟ یقین نہیں آ رہا؟ مگر س بات ہے؟" فائزہ تقریباً چلائی۔

"نہی کہ این جی اوڑ واقعی اس علاقے میں اتنا بڑا انقلاب لے آئی ہیں۔"

"کیوں یقین کیوں نہیں آ رہا۔ تم نے تو سب کچھ خود دیکھا ہے..... لوگوں سے ملی ہو یہ بچہ نہ دیکھو۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے پاس موجود رپورٹ دیکھو یہ این جی اوڑ ہے کہ تمہیں یقین نہیں آ رہا۔" منیبہ نے اس بار اس سے کہا تھا۔

"اصل میں اس کے ایک کزن نے اس کی برین واشنگ کر دی ہے یہاں آنے سے پہلے۔" شہلانے بڑے اطمینان سے بتایا۔

"کیا مطلب؟" سائزہ کچھ ابھی۔

"اس کا ایک کزن ہے فارن سروس میں، اس نے اس علاقے کے بارے میں چند سال پہلے کوئی سروے یا ریسرچ وغیرہ کی تھی این جی اوڑ کے حوالے سے..... اسی نے اسے کہا ہے کہ این جی اوڑ یہاں کوئی پاز پوز کام نہیں کر رہیں۔" شہلانے مختصر آ بتایا۔

"کم آن علیو و اتم کو ایسی باتوں پر یقین نہ کرو تمہارے کزن کو تو یہی کہتا تھا بیورو کریٹ ہے نا اس لیے۔ بیورو کریٹ اسی ٹیڈول سسٹم کا ایک دوسرا ڈیوٹن ہیں۔ اس ملک کی دو دیہا سکان ہیں ٹیڈول لا رڈز اور بیورو کریٹس..... دونوں دیہا سکان ایک دوسرے کو سپورٹ کرتی ہیں۔ دیہا سکیوں کو اس بات سے دلچسپی نہیں ہے کہ وہ سہارا دے رہی ہیں انہیں صرف اس بات سے دلچسپی ہے کہ ان کا سہارا لے کر بیٹے والا مریش صحت یاب نہ ہو جائے۔ تمہارا کزن بھی اس سسٹم کی پروڈکٹ ہے تم اس سے اسی قسم کی باتیں سنو گی۔"

"مگر کا فیڈوز سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس طرح کا بیورو کریٹ ہے جس طرح کا تم سمجھتی ہو۔"

علیہ نے مدغم آواز میں کہا۔

"ٹیڈولزم ایک ڈبیت کا نام ہے اس کیلئے ٹیڈول ہونا ضروری نہیں ہے۔ بیورو کریٹس۔"

علیہ نے سائزہ کی بات کاٹ دی۔ "عمر ایسا نہیں ہے۔"

اس بار سائزہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہیٹز علیہ اب اپنے کزن کی پاکیزگی اور اعلیٰ کردار پر کوئی تقریر مت کرتا۔ میرا اپنا پورا خاندان بیورو کریٹس سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی مجھ سے بہتر تو انہیں نہیں جان سکتا۔" سائزہ نے اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

"تمہارے کزن نے جو کچھ این جی اوڑ کے بارے میں کہا ہے اسے ایک طرف رکھ کر اپنے سامنے نظر

آنے والی چیزوں کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کرو۔" منیبہ نے اس بار اسے مخاطب کیا۔
 "دیے تم ایک بات بتاؤ کیا یہاں نظر آنے والی تبدیلیوں نے تمہیں خوش نہیں کیا۔ بچوں کی تعلیم کے حوالے سے۔ عورتوں کے سنے کردار کے حوالے سے۔ یہاں لوگوں کے منہ سے سننے والی باتوں نے آخر این جی اوڑ نے کچھ نہ کچھ تو کیا ہے نا یہاں پر..... ورنہ لوگ اتنے بے خوف تو نہیں ہو سکتے کہ خواہ مخواہ کسی کی تعریفیں کرتے پھریں۔" وہ سائزہ کا چہرہ دیکھتی رہی۔

اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ سب باتوں میں مصروف ہو گئی تھیں۔ وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر اپنے آگے بڑھے ہوئے بچہ نہ کے ڈھیر کو دیکھنے لگی۔ "Sense of judgement" وہ سکرانے لگی تھی۔ اس رات وہ بہت دیر تک ان کاغذات کیلئے جاگتی رہی۔



نیل پر پتھر کر ڈانٹنگ نیل سے اٹھ گیا۔

”عمر! عمر! کیا ہوا؟ مجھے بتاؤ تو۔“

ناٹو اسے آوازیں دیتی رہی جس مردہ رکابیں۔ تیر قدموں کے ساتھ وہ ڈانٹنگ روم سے نکل گیا۔

ناٹو نے ہاتھ بڑھا کر شوہر کا صوفی اٹھایا۔ ”آخر اسکی کیا چیز دیکھ لی ہے کہ اس طرح اٹھ کر چلا گیا۔“ علیزہ نے ناٹو کو پریشان کرنے کے عالم میں کہتے سنا۔ وہ اب اس صوفی کا جائزہ لے رہے تھے۔ علیزہ اور ناٹو مختصر نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر جائزہ لینے رہے۔

”مجھے تو یہاں کچھ بھی ایسا نظر نہیں آیا جو اسے اس طرح مشتعل کر دے۔“ وہ بالآخر بڑبڑائے۔

”بلیز حجاز! آپ دھیان سے دیکھیں۔ آخر کوئی تو چیز ہے جس نے اسے پریشان کیا ہے۔“ ناٹو بہت پریشان تھیں۔

ناٹا نیک بار بھراس صوفی کا تفصیلی جائزہ لینے لگے تھے۔ علیزہ کی ہلکائی مٹی تھی۔

”آخر عراب کیوں پریشان ہوا ہے؟“ وہ سوچ رہی تھی۔

”ناٹا بلیز مجھے دکھائیں، شاید مجھے پتہ چل جائے۔“ اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے اضطراب کے عالم میں اپنے ناٹو سے کہا مگر معاذ حیدر نے اخبار اس کی طرف نہیں بڑھایا۔ ان کے چہرے کا رنگ یک دم بدل گیا تھا۔ عمر کو کیا ہوا تھا وہ جان چکے تھے۔ کچھ کہے بغیر انہوں نے اخبار ناٹو کے سامنے رکھتے ہوئے ایک خبر کی طرف اشارہ کیا۔ علیزہ نے ناٹو کے چہرے کا رنگ بھی اسی طرح اڑتے دیکھا۔ پھر انہوں نے اپنے سر کو ہلکا کر دیا۔

”جہانگیر! جہانگیر کو کیا ہوا کیا ہے؟“

علیزہ گھبرا گئی۔ ”کیا ہوا ناٹو؟“ اگل جہانگیر کو کیا ہوا؟“ ناٹو کوئی جواب دینے کے بجائے یک دم نیل سے اٹھ گئیں۔ علیزہ نے ناٹو کو بھی ان کے پیچھے جانے دیکھا۔ اس نے بے اختیار کھڑے ہو کر نیل کے دوسرے سرے پر پڑا ہوا اخبار اٹھایا۔ کچھ دیر تک وہ متلاشی نظروں سے اخبار کو دیکھتی رہی پھر اس کی نظریں ایک خبر پر جم گئیں۔ ایک مشہور اور کم عمر اڈال کی ایک بہت ہی خوبصورت تصویر کے ساتھ ایک کیشن لگا ہوا تھا۔

Sultry Rushna tied the knot

وہ تفصیل پڑھنے لگی تھی۔ خبر میں بیس سالہ رشکا کی عمر میں اپنے سے پینتیس سال بڑے دانشمن میں پوٹل پاکستانی سفارت کار جہانگیر معاذ کے ساتھ شادی کو صرف سالہ کا کرپش کیا گیا تھا جہانگیر معاذ کی پہلی دونوں شادیوں کے ساتھ ساتھ ان کی تین حجازی کا بھی ذکر کیا گیا تھا اور پورے رشکا کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ خیال رکھے کہ جہانگیر پر چھی شادی نہ کر پائے کیونکہ عاداتیں مشکل سے چھوٹی ہیں۔ علیزہ نے اخبار بند کر دیا۔

☆☆☆

وہ فیس میں بھرا اپنے کمرے میں گیا تھا۔ وہ بالکل کھال کر اس نے جہانگیر کو کال کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد جہانگیر لائن پر آگئے تھے۔

باب ۲۷

”یہ نہیں پتا میں کب واپس آؤں گا؟“ وہ اگلے دن ناشتے کی میز پر بیٹھا ناٹو کو بتا رہا تھا۔ ”مگر تیس کے پاس اتنی دیر رہنے کی کیا تک ہے۔ تم تیس ساڑھے لو جسٹ سے ٹوپھر واپس آ جاؤ۔“ ناٹو نے عمر سے کہا، علیزہ نے انڈیا جھیلنے سے عمر کو دیکھا۔ وہ بہت الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ”میں کچھ نہیں کر سکتا، پاپا نے کہا ہے۔ مجھے دینا رہا پڑے گا۔“ ناشتہ کرتے ہوئے اس نے کندھے سے اپکاٹے تھے۔

”لیکن پھر بھی ایک ماہ تو وہاں نہیں رہنا چاہیے۔ میں تو اس میں جھاؤں گی۔“ ناٹو نے عمر کے کندھے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ وہ مسکراتے لگا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے ناٹو کے پاس نیل پر پڑے ہوئے نیوز پیپر کا شوہر والا صوفی اٹھایا۔

ناٹا پلٹ پلٹ کر اڈا ایڈیٹر مل صفحات دیکھ رہے تھے چائے کے کپ میں چچ ہلاتے ہوئے اس نے صوفی کوں لیا۔ علیزہ اٹھ جھیلنے کے بعد اپنی بیٹ میں کاتنے کے ساتھ اس کے کتے کے سامنے صوفی ہونگی۔ اڈے کے کتے کے بعد وہ تک اور کالی مرچ shakers کی تلاش میں نیل پر نظر دوڑانے لگی۔ وہ دونوں اسے عمر کے سامنے پڑے نظر آئے۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر تھے۔ وہ ہاتھ بڑھا کر انہیں نہیں پکڑ سکتی تھی۔ وہ عمر سے انہیں پکڑنے کیلئے کہتا تھا پتا تھی مگر عمر کے چہرے پر نظر دوڑاتے وہ چونک گئی تھی۔ وہ شوہر کا صوفی کھولے اس پر نظریں پڑائے بالکل بے حس و حرکت تھا۔ ہوتے جیسے ہوئے اس کے چہرے کی رنگت سرخ ہو رہی تھی وہ حیران ہوئی وہ ایسی کون کی چیز بڑھ رہا تھا جس نے اسے یوں مشتعل کر دیا تھا۔ وہ سب کچھ بھول کر اسے دیکھنے لگی۔

جب ہی ناٹو بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

”عمر! کیا ہوا؟“ انہوں نے یکدم توشیح بھری نظروں سے عمر کو دیکھا۔ ناٹو بھی اخبار سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

عمر نے ناٹو کی طرف دیکھا۔ علیزہ نے اس کی آنکھوں میں یک دم فی اٹھ دیکھی پھر کچھ کہے بغیر وہ اخبار

جہاں تک اس کی بات کاٹ دی تھی۔ ”مجھے کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں، میں نے کیا کیا ہے اور کیوں کیا ہے؟“

”آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کی اس حرکت سے آپ کے بچوں پر کیا اثر ہوگا؟“

”تم صرف اپنی بات کہہ رہے ہو۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟“

”Am I right“ انہوں نے بڑے جتانے والے انداز میں کہا۔

”میں صرف اپنی بات نہیں کر رہا ہوں میں آپ کے سب بچوں کی بات کر رہا ہوں۔“

”جہیں دوسروں کی بات کرنے کا کوئی حق ہے، یہ ضرورت تم صرف اپنی بات کرو۔“

”آپ نے کسی کے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا۔“

”مجھ سے طریقہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔ میری شادی میرا پرل انفر ہے۔ میں جب جس سے چاہوں شادی کر سکتا ہوں۔ میرے معاملات میں ٹانگ مت اڑاؤ۔ کیا اتنی بکواس کافی ہے یا کچھ اور بھی بکنا ہے جہیں؟“

”آپ جانتے ہیں پریس آپ کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔ آپ کے بارے میں کیا کہتے دینے جارہے ہیں۔“ وہ ہنسنے لگی اپنی آواز پر قابو پا رہا تھا۔

”مجھے پروا نہیں ہے“ اس نے باپ کی سر آواز سن کر۔ اس کا خون گھول کر رو گیا۔

”But I do care۔“ میرے لیے لوگوں سے ملنا بہت مشکل کر دیا ہے آپ کی اس تیسری اور

اپنے سے آگے میری لڑکی سے شادی کی کیا لایک چیز کروں میں لوگوں کے سامنے؟“

”تم اپنے کام سے کام نہکو اور میرے معاملات کے بارے میں لگہ بندی کے ڈرامے مت کرو، کل تک لیتھ کے پاس چلے جاؤ۔ میں کل اس سے فون پر ٹیکہ کر دوں گا۔“

”میں ان کے پاس نہیں جا رہا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“

”میں آج سیٹ تک کرواؤں گا اور اگلی فلائٹ سے امریکہ آ رہا ہوں۔“

”بکواس مت کرو۔“

”میں بکواس نہیں کر رہا ہوں جو کرنے والا ہوں وہی بتا رہا ہوں۔“

”اور امریکہ آکر کیا کرو گے تم؟“

”یہ وہاں آکر ہی دیکھوں گا۔“ اس نے موبائل بند کر دیا۔ چند لمبے بعد موبائل پر دوبارہ کال آنے لگی۔ وہ

جانتا تھا، جہاں تک اسے کال کر رہے ہوں گے۔ اس نے موبائل آن کر کے رکھ دیا۔

☆☆☆

”مجھے ان سے بات نہیں کرنا ہے۔“ جہاں تک اس کا موبائل آن ہونے کے بعد فون پر سناؤ حیدر سے

”اوه..... تم نے کیسے سوچا کیا؟ کیا لیتھ کے پاس پہنچ گئے ہو؟“

”نہیں، میں ان کے پاس نہیں گیا اور نہ ہی جاؤں گا۔“

”کیوں؟ کیا ہوا؟“ جہاں تک میرے بچوں کا ہو گئے۔

”میں امریکہ آنا چاہتا ہوں۔“ اس نے اسی اکتوا انداز میں کہا۔

”تم سے میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ میں نہیں چاہتا، تم ہی اسے کہو۔“

”کیوں نہیں چاہتے آپ؟“

”مجھے کوئی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ان کا لہجہ یک دم خشک ہو گیا۔

”ہاں، آپ کو کوئی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں۔ آپ مجھے امریکہ آنے

سے کیوں روک رہے ہیں۔“ اس کے لہجے کی نئی شے اضافہ ہو گیا تھا۔

”کیوں روک رہا ہوں؟“

”اپنی نئی بیوی کی وجہ سے۔“

دوسری طرف ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ جہاں تک کسی جملے کا خطرہ نہ ہو مگر وہ خاموش ہی رہے تھے۔

ایک لمبے وقفے کے بعد انہوں نے اٹا خراک مگر اساتلے کر کہا۔

”جہیں کسی نے بتایا ہے؟“

”سادہ دنیا میری طرح انہی نہیں ہوتی۔“

”مجھ سے بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے صرف یہ بتاؤ کہ جہیں اس شادی کے بارے میں کس

نے بتایا؟“

مگر ڈپریشن میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ جہاں تک شرمندہ لگ رہے تھے، انہوں نے اس شادی سے انکار کیا تھا۔

”نیزو پیڑ میں پڑھا ہے میں نے۔“

”کس نیزو پیڑ میں؟“

”آپ نیزو پیڑ کا نام جان کر کیا کریں گے؟ نیزو پیڑ بند کر داریں گے سچ چھاپنے کے جرم میں؟“

”تم مجھ سے کیا جانتا چاہتے ہو؟“ اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے انہوں نے کہا تھا۔

”میں کیا جانتا چاہتا ہوں میں صرف یہ جانتا چاہتا ہوں کہ آپ نے یہ شادی کیوں کی ہے؟“

”جہیں مجھ سے یہ سوال پوچھنے کی ہمت کیسے ہوئی؟“

وہ فون پر چلا اٹھا۔ تھے۔ چند لمحوں کے بعد وہ چپ سا رہ گیا۔

”آپ کو بتا ہے، وہ لڑکی میری آپ سے کتنی چھوٹی ہے۔ مجھ سے بھی چھ سال چھوٹی ہے وہ۔“

”جہیں مشورہ دینے کو کس نے کہا ہے؟“

”میں آپ کو کوئی مشورہ نہیں دے رہا ہوں، میں آپ کو صرف یہ بتا رہا ہوں کہ آپ.....“

”واپس جا کر اپنا وقت ضائع کر دے۔“ نانو نے اس سے کہا تھا۔

”وقت..... یہ وقت کیا ہوتا ہے..... جب زندگی ضائع ہو تو وقت ضائع ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ اس کا بھڑکنا تھا۔

”پاپا سے کہیں، بس کریں یہ سب کچھ..... اب یہ سب کچھ چھوڑ دیں۔ یا کم از کم ہر ایک کے ساتھ رشتے جوڑنے تو نہ بیڑہ چاہیں۔ پاپا کو شرم نہیں آتی یہ سب کچھ کرتے ہوئے۔ مگر مجھے آتی ہے..... میں اپنے فریڈز اور کزنز کے سامنے کس طرح جاؤں گا۔“

”جہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے..... جہاں جو کچھ کر رہا ہے، وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ جہیں پروا نہیں کرنی چاہیے۔“ نانو نے اسے قہر دینے کی کوشش کی۔

”کہا بہت آسان ہے کرنی..... مگر میرے لیے یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے۔“

”مگر امریکہ جا کر تم کیا کر لو گے مگر واپس آنا پڑے گا..... چند ماہ بعد تمہیں انٹرویو کیلئے آنا ہے پھر وہاں جا کر وقت ضائع مت کرو۔“ نانو نے اسے کہا۔

”نہیں، اب مجھے واپس نہیں آنا ہے۔ مجھے کوئی دیکھی نہیں ہے انٹرویو میں۔ کون عزت کرے گا میرے جیسے بندے کی جو سول سروس میں ہوگا اور اس کے باپ کی شادیوں کی تصنیفات ہر دور سے سال اخبار چھاپتے رہیں۔“

”لوگوں کی یادداشت اتنی اچھی نہیں ہوتی ہے، تم جہاں گئے کی وجہ سے اپنا کیریئر چھوڑ دیا۔“

”لوگوں کی یادداشت اچھی ہو یا نہ ہو مگر میری یادداشت اچھی ہے۔ مجھے کوئی کیریئر نہیں بنانا..... پاپا سے کہیں، چاہتا ہوں میں میرا حصہ دے دوں۔“

”مگر اتم اچھی فہم میں ہو۔ اس حالت میں تم کچھ نہیں سوچ سکتے۔“

”نہیں گریڈ ۱۱ میں فہم میں نہیں ہوں۔ میں نے پاپا کے ساتھ کتنا مشکل وقت گزارا ہے۔ آپ تصور نہیں کر سکتے۔ وہ کہتے ہوئے پورے ہیں پورے ہیں کہ نہیں جانتے۔“ وہ اپنے بیڑے پر بیٹھ گیا تھا۔

”انفرز چلائے ہیں..... چلائے رہیں مگر شادی اور وہ بھی اس طرح لڑکیوں سے too disgusting“ نانو اس کے پاس بیٹھ گئے۔

”تم جہاں گئے کو نہیں بدل سکتے اس کے دل میں جو آتا ہے وہ وہی کرتا ہے مگر تم اپنے ہاتھ پاؤں کاٹنے کی کوشش مت کرو۔“ وہ نانو کا چہرہ دیکھنے لگا۔

”ابھی تم جہاں گئے پر ڈیپریٹ ہو..... اس کے ساتھ لڑنے کے حماقت مت کرو..... جس شادی پر تمہیں اعتراض ہو رہا ہے..... تاہم وہ کتنا مرہم دلتی ہے۔ جہاں گئے بدلے ہوئے موڑ کا تو جہیں ہائی ہے..... اور پھر یہ لڑکی بہت کم عمر ہے۔ چاروں جہاں گئے کے پیچھے پیش کرے گی پھر اسے چھوڑ جائے گی..... یہ مائڈ مگر نہیں

باتی ہیں۔“

معاذ حیدر کو رو دانی میں بات کرتے کرتے احساس ہوا تھا کہ انہوں نے عمر کے سامنے ایک غلط بات کہہ دی

اس سے بات کرنا سے کیلئے کہا۔ معاذ حیدر نے جہاں گئے سے ان کی اس شادی کے بارے میں بات کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر انہوں نے انتہائی سختی کے ساتھ انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا تھا۔

”پاپا! آپ کا اس سے کوئی کنسرن نہیں ہونا چاہیے۔ یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے، میں چاہوں تو اس اور شادیار کروں۔ آپ مجھے سننے کیسے کر سکتے ہیں۔“ جہاں گئے کا بھڑکنا تھا کہ معاذ اس سے کچھ کہیں کہہ سکے۔

آپ عمر سے میری بات کروا دیں..... میں اس کے موہاں پر بات کر رہا تھا، مگر اب اس کا موہاں آف ہے۔“ انہوں نے معاذ حیدر سے کہا تھا۔

ادرا ب معاذ حیدر کو اس جہاں گئے سے فون پر بات کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ وہ سامان پیک کرنے میں مصروف تھا۔

”مجھے ان سے بات نہیں کرنا ہے..... یہ یادیں انہیں۔“ وہ ان کی بات پر غرا گیا تھا۔

”محترم سامان کیوں پیک کر رہے ہو؟“ نانو گھبرا رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے لپٹا کا کام کرتا رہا۔ نانو کچھ دیر اسے دیکھ کر باہر نکل گئے۔

”وہ بات نہیں کرنا چاہتا۔“ انہوں نے جہاں گئے کو فون پر بتایا تھا۔

”فیک ہے نہ کرے۔“ مگر اسے صاف صاف کہہ دیں کہ کل تک اسے لپٹے کے گھر پر ہونا چاہیے۔“

جہاں گئے نے فون شیخ دیا تھا۔

نانو واپس عمر کے کمرے میں آگئے۔ مگر اب موہاں پر اپنی سیٹ کی جگہ کروا رہا تھا۔ معاذ حیدر اسے دیکھتے رہے جب اس نے موہاں پر بند کر دیا تو انہوں نے کہا۔

”تم واپس امریکہ جا رہے ہو؟“

”ہاں۔“

”مگر جہاں گئے نے تمہیں اسلام آباد لپٹے کے پاس جانے کیلئے کہا ہے۔“

”وہ بہت کچھ کہتے رہتے ہیں، مجھے ان کی پروا نہیں ہے۔“ وہ اٹھ کر ایک کھولے لگا تھا۔

”محترم امریکہ جا کر کہہ دو؟“ نانو اب اس سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ ہونٹ پیچھے بیگ میں اپنے کپڑے

فلوٹس رہا۔

”تم لڑو گے جہاں گئے سے جا کر؟“ نانو نے اس سے پوچھا۔

”میں آپ کو اتنا حق لگتا ہوں؟“ وہ لگ کر بولا۔

”تو پھر کیوں جا رہے ہو؟“

”بس ویسے ہی۔“

”عمر۔“ نانو نے جیسے تنبیہی اعزاز میں کہا۔

”میں فیڈ اپ ہو چکا ہوں۔“ اس نے میرے بیگ کو زوردار دھوکہ ماری۔ بیگ ایک جھٹکے سے دور جا پڑا تھا۔

تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ یک دم بدل گیا تھا۔ انہوں نے اس کی آنکھوں میں ہلکتی خوردگی دیکھ لی تھی۔

اس کے پاس یکدم جیسے سارے لفظ ختم ہو گئے تھے۔ معاذ حیدر بات کہہ کر جیسے چور بن گئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اب اپنی بات کی حتمی کے لئے اسے کیا کہیں۔

وہ اب سر جھکائے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے ناخن سے باری باری باقی انگلیوں کے ناخن کھرچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ معاذ حیدر نے اچھی بیوی کی طرف دیکھا۔ ناو بھی ان کی بات پر اتنی ہی شرمندہ نظر آ رہی تھیں جتنا وہ خود تھے۔

ہاتھ خراہوں نے ایک بار پھر کہنا شروع کیا۔

”ساری مائذوقی نہیں ہوتیں مگر جب عمر دل میں اتنا فرق ہو تو پھر شادی کا میاب ہونے کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر اگر جہانگیر جیسا آدمی ہو تو یہ کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔“

مہر نے ان کی بات پر اصرار کا غور سے انہیں دیکھا تھا۔ ”گرینڈ پاؤ اور دہریہ کبھی تیرا پیچھے نہیں کیے گا۔ میری ماں کو بھی ماں بھی نہ سمجھے گا۔ ماڈل عورت ہوتی ہے، مگر راستہ کسی ہے اگر دوسری طرف تھوڑی سی سیڑھی دوڑا رہی ہو۔“

میں دوڑا رہی تھی۔ نہ ہے۔ نہ ہو گی۔ جو عورت گیارہ سال کی جہانگیرہ محاذ کے ساتھ گزرا کرتی ہے وہ ساری عربی گزرا کرتی ہے، میری ماں نے یہ پوشش کی تھی۔“

وہ یک دم اس طرح زارا کی حمایت میں بولا تھا کہ معاذ حیدر اور ان کی بیوی دونوں جیرانِ زہِ مجھے تھے، کہاں وہ زارا سے ملنے پر تیار نہیں تھا کہاں وہ اس کے حق میں دلیلیں دے رہا تھا۔

”میں نے زارا کی بات نہیں کی تھی، میں جانتا ہوں، وہ اچھی عورت تھی۔ میں تو ویسے ہی بات کر رہا تھا۔“

”نہیں! وہ اچھی عورت نہیں تھی۔ اچھی عورت ہوتی تو پاپا سے شادی کبھی نہ کرتی۔“ اگلے ہی جیلے میں وہ ایک بار پھر اپنی ہی بات کو نفی کرنے لگا۔

معاذ حیدر نے مجھے کچھ پسے ہو کر اسے دیکھا۔ ”پرچی ہے، یہ حال تمہارا چنگیری کی وجہ سے اپنا کیریئر داؤہ پر مت لگاؤ۔ حقوئے سکون اور سچو داری سے کام لو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس طرح بہانہ بہانہ کر کے امریکہ جا کر نہیں کیال جائے گا۔ چنگیری سے سامنا ہوگا، دو اور مشکل ہوگا۔ یہاں سے چلے جانے سے تمہارا ہی نقصان ہوگا۔ اس لیے تم حنفیہ سے دماغ سے اس مسئلے پر غور کرو اور پھر کیریئر فیملی کرو۔“

۱۔ پہلے کی نسبت وہ اب متعطل لگ رہا تھا۔ معاذ حیدر کو اس کے تاثرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ نقصان کا شکار چکا ہے۔

بہت دیر تک وہ دونوں اس کے پاس بیٹھے اسے سمجھاتے رہے۔ وہ اسی خاموشی کے ساتھ کچھ جواب دیئے
مران کی باتیں سن رہا۔

جب وہ دونوں اس کے پاس سے اٹھ کر آئے تھے تب بھی وہ خاموش تھا۔ اب اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ وہ اندازہ نہیں کر پائے، اس نے کیا فیصلہ کیا تھا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد عمر نے کمرہ لاک کر لیا تھا۔ بیڈ پر سیدہ حالینا چھت کو گھورتے ہوئے وہ بہت دیر تک اپنا ذہن کسی بھی چیز پر مرکوز نہیں کر پا رہا تھا۔

”گرینڈ ٹائٹک کہتے ہیں۔ میں واقعی اسکی ایک تھک چکی ہوں جس کی ڈوریوں پوری طرح سے آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ میں چاہوں گی تو خود کو آپ سے نہیں چھڑا سکے۔ آپ میرے لئے اسکو پس سے بھی زیادہ خودکام ثابت ہو رہے ہیں۔ مگر بالکل ایک وقت ایسا ضرور آئے گا جب میں خود کو آپ کے کھینچے سے چھڑا لوں گا۔ مجھے صرف یہ دیکھنا ہے کہ وہ وقت کتنی طویل آتا ہے۔“

وہ اپنے لیے بڑوایا۔ پھر اس نے انھیں بند کر لیں۔ چند منٹ وہ اس طرح گزارا پھر یکدم جیسے ایک خیال آنے پر اس نے سائینڈیکل پر گزارا اور انادان ہاتھ بڑھا کر اٹھایا۔ منتہی سے وال کھول کر اس نے اس میں گلی ہوئی ایک تصویر کو دیکھنا شروع کر دیا۔ پھر کھلے ہوئے وال کو اپنی آنکھوں پر انٹ کر اس نے انھیں بند کر لیں۔

☆☆☆.

وہ صبح کی فلائٹ سے اسلام آباد پہنچ گیا تھا۔ ایئر پورٹ پر اسے لتیق النکلی کی بڑی بیٹی شائزہ نے درمیدار کیا۔ وہ شائزہ سے پہلے بھی دو تین بار مل چکا تھا اس لیے اس کوئی اجنبیت نہیں ہوئی تھی، مگر جس موزم میں وہ ان دنوں تھا بہت کوشش کے بعد بھی وہ اس طرح شائزہ سے بات نہیں کر سکا جیسے پہلے کرتا تھا۔ نہ چاہتا ہوئے بھی وہ کچھ کچھ کھانا کھا رہا تھا شائزہ نے یہ بات فوراً محسوس کر لی تھی۔

ایئرپورٹ سے گھر جاتے ہوئے گاڑی میں اس نے عمرے خاصے بے تکلفی سے کہا۔

”تم خاصے سیریس ہو گئے ہو عمر اچھا پہلے جب تم سے ملاقات ہوئی تھی تو تم خاصے جولی ہوا کرتے تھے۔“

اب کیا ہوا ہے؟“

”نہیں، میں ویسا ہی ہوں، کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ چنانچہ تمہیں کیوں ایسا لگا ہے۔“ عمر نے مسکرا کر کہا۔

”چلو ٹھیک ہے۔ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔“

”لیتھ انکل تو اس وقت آفس میں ہوں مگر؟“ عمر نے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں! پاپا تو آفس میں ہی ہیں۔ اسی لیے تو میں لینے آئی ہوں تمہیں۔ اگر تمہاری ملازمت رات کو ہوتی تو وہ خود تمہیں لینے آتے۔ تم اب گھر جانے کے بعد انہیں رنگ کر لیما۔ انہوں نے خاص طور پر کہا ہے۔“

”میں سوچ رہا ہوں کہ انکل کے آفس ہی چلا جاتا ہوں۔ وہاں.....“

شازدہ نے عمر کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔ ”وہاں جانے کا کوئی ٹاکنہ نہیں ہے۔ وہ آج تھوڑی دیر سی وہاں رہیں گے۔ پھر انہیں دو تین جگہوں پر جانا ہے۔۔۔۔۔ آج کل اٹس میں ان کا زیادہ وقت نہیں گزرتا بلکہ کچھ دوسری سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔“ شازدہ نے لارڈائی کی کہا۔

”میں اعتراض کیوں کرتا۔ یہ پاپا کی زندگی ہے، وہ جو چاہیں کریں۔“ اس نے بڑی سرومہری اور لاپرواہی سے کہا۔

”ہاں اے بھی اگلے جہانگیر کی شادی سے جنہیں تو زیادہ فرق نہیں پڑے۔ تمہاری بھی ہے تو پہلے ہی ان کی سچہ رچن ہو چکی ہے۔ امراض تو شرمین انٹی نے کیا ہوگا۔ پاپا جانتے تھے کہ انہوں نے سوسائٹیز کی کوشش کی تھی اس شادی سے کچھ دن پہلے۔“

عمریک دم چونک گیا۔ شانزو کے پاس دو ساری معلومات تھیں جو اس کے پاس ہونی چاہیے تھیں۔ لئیق انکل سے اس کے پاس کی بہت گہری دوستی تھی۔ صرف رشتہ داری نہیں تھی۔

”تمہیں نہیں بتا؟“

٤٤

”مشرین آئی خوش قسمتی سے تم نکلیں اور انکل جگمگرہے اسے میں آگے کہ انہوں نے مشرین آئی کو دیا
دوس (حلاق) کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر ایما اور دوسرے انکھو نے مشرین آئی کی ریکویسٹ پر انہیں سمجھایا۔ انکل
جگمگرہے بڑی مشکل سے اس کام سے باز آئے۔ ڈائی دوس تو انہوں نے نہیں لی مگر مشرین آئی کو یہاں اسلام آباد
شفٹ کر رہے ہیں۔ اب وہ انیس ساتھ رکھے پر تیار نہیں ہیں۔ وہاں امریکہ میں بھی انہوں نے مشرین آئی کو کسی
اپارٹ منٹ میں شفٹ کر دیا ہے۔ اسے ساتھ انہوں نے رشنا کو رکھا ہوا ہے۔“

وہ خاموشی سے شانزہ کی گفتگو سن رہا تھا۔

”سوائے میرے اور گریڈا اور گرینی کے خاندان میں سب کو بپا کی اس متوقع شادی کے بارے میں پہلے بتا جا چکا تھا مگر اس بارے میں انکار نہیں کیا۔ ہر ایک نے یہ بات چھپائی۔“ عمر کوڑے ہوئے سوچ رہا تھا اور اسے اپنے گزشتہ زندگی کی حیرت انگیز تصویریں جن سے اس کی ابھی خاصی دور تھی۔

”شاید یہ اچھا ہی ہوا در نہ جو کچھ وقت میں نے لاہور میں سکون سے گزارا ہے، وہ بھی گزار نہ پاتا۔“ وہ سب سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

”خود سوچو، نوجائے کر رہی ہو یا نہیں۔ تم خواہ مخواہ اپنی نانو سے خفزدہ ہو رہی تھیں۔“ شہلا نے تالیاں
 بجاتے ہوئے بلند آواز میں طیلر سے کہا جو درجی تالیاں تھیں، طیلر دھکرتے ہوئے کچھ کہے بغیر
 بیچ برفریج جمائے رہی جہاں ٹگر اگلے گانے کی تیاری کر رہا تھا۔

دو دونوں اس وقت ایک میڈیکل کالج میں ہونے والے ایک کنسرٹ میں موجود تھیں۔ شہلا کا بھائی اور اس کے کچھ دوست بھی اس کنسرٹ میں مرقا نام کر رہے تھے۔ کنسرٹ شام کو تھا اور شہلا کا اصرار تھا کہ عطیہ، مجھ، ان کے

”اس کا مطلب ہے کہ آج کا دن تو ایسے ہی نکل جائے گا۔“ عمر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

کام کرو۔ دن سمیٹنے کی کوشش نہ کرو، ویسے بھی پاپا بتا رہے تھے کہ انکل جہانگیر نے تمہیں ابھی اسلام آباد رہنے کیلئے ہی کہا ہے۔"

میر نے اس بات پر ایک گہرا سانس لے کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔

دیسے مہرا اہل جہانگیر کا فیٹ بہت اچھا ہے۔“ عمر نے چونک کر شانہ کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے مونوں پر ایک گہری مسکراہٹ تھی۔

رہنا کسی کو گھاس تک نہیں ڈالتی تھی..... شادی تو دور کی بات تھی محمد دیکھ لو.....“

رے بے اختیار اپنا چکلا ہونٹ تیج لیا۔

میں نے ایک دو شوز میں ماڈلنگ کی ہے اس کے ساتھ، وہ واقعی بہت اڑیکنو اور گیمرس ہے۔ "شانزدہ
- اس کی تعریف کر رہی تھی۔

ماڈلنگ کرنے لگی ہو؟“ عمر نے دانستہ طور پر بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

وہاں بہت اچھا اور دیرین ایک میگزین کی ایک فیئر نے ایک فیشن شوٹ کے لئے کہا۔ میں بھرا ہوا ہسٹری
 ڈول اور فیشن شوٹ بھی ملے گئے۔ کلاب تو ایک نئی ویسریل کا کلب تھی جس میں سائن کیا ہے۔ ایک ڈیجیٹل رول میں ہے مگر
 رول ہے۔ مجھے تو یہی خوش ہے کہ بہت اچھی کاسٹ کے ساتھ کارن کے ساتھ مل گیا۔

انے بہت جوش سے اپنے بارے میں تفصیل سے بتانا شروع کر دیا تھا۔

ہا۔ پلیوٹینی ہے۔“ عمر نے مرمری ساتھ کہا۔

ایک اینڈ پرائیک فیشن شو میں حصہ لے رہی ہوں، تم چلنا سنا تھے۔“ شانزو نے فوراً اسے آفری۔
مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔“ فیشن شو میں حصہ لے رہی ہوں، تم چلنا سنا تھے۔“

تصہم کہ ان باتوں سے یہ فیصلہ ہو گیا کہ ان سوز میں۔ عمر نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

یہاں کوئی اعتراض ہی نہیں ہے حالانکہ تمہاری کمی خود اتنی مشہور مازل رہ چکی ہیں۔ پھر بھی تمہیں نہیں ہے۔“

اس کی بات کا جواب ایک ہلکی سی مسکراہٹ سے دیا۔ گاڑی میں کچھ دیر کیلئے خاموشی چھا گئی۔

”آپ نے کہا کہ میں رستہ سے سادی کے بارے میں بتایا تھا۔ میرا مطلب ہے شادی“

ایک بار پھر شانزو نے ہی خاموشی توڑی۔ گفتگو کا موضوع ایک بار پھر دینی ہو گیا تھا جس سے عمر بچنے کی رہا تھا۔

اس نے جھوٹ لیا

”اپنی برتھ ڈے کرادوں گی۔“

”یہ بھی مت کرنا، انہیں تمہاری برتھ ڈے یاد ہے۔“ عطیزہ نے فوراً منع کیا۔

”تو پھر ٹیک ہے، سبن کی برتھ ڈے پائی کا کہہ دیتے ہیں۔“ شہلا نے اپنی چھوٹی بہن کا نام لیا۔

”ہاں یہ ٹیک ہے۔“ عطیزہ ہنسنے لگی۔

پھر اگلے دن شہلا کاغے سے اس کے ساتھ اس کے گھر آئی تھی اور اس نے نالو سے عطیزہ کو اس کنکشن پر بھیجے کیلئے اجازت مانگی تھی۔ نالو نے حسب توقع فوراً انکار کر دیا مگر شہلا نے اپنی بات پر اصرار اور ادراں کی اتنی متنت کی کہ وہ بالآخر خیرام ہو گئیں۔

ادراں وہ دونوں وہاں کنسرت میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ کنسرت میں دو مشہور گھر تھے اور ان کے علاوہ باقی سارے اسٹوڈنٹ گزر تھے۔

”کنسرت ختم ہونے کے بعد سکرز سے بھی ملیں گے۔“ شہلا نے خود دل کے درمیان اس سے کہا۔ عطیزہ بے اختیار خوش ہوئی۔

”مگر کنسرت ختم ہوتے ہوئے تو بہت دیر ہو جائے گی پھر.....“ عطیزہ کو اچانک خیال آیا۔

”ایسا کریں گے جب فاروقی پکلاؤم کر لے گا تو ہم اسٹیج کے پیچھے جا کر ان لوگوں سے مل لیں گے اور پھر چلے جائیں گے۔“ شہلا کو بھی احساس ہو کر اس وقت تک دیر ہو جائے گی۔

پھر انہوں نے یہی کیا۔ شہلا کے بھائی نے اسٹیج پر دو گانے گائے اور اس کے دوسرے گانے کے ختم ہوتے ہی وہ دونوں اسٹیج کے پیچھے چلی آئی تھیں۔ شہلا نے جاتے ہی فاروقی کو مبارکباد دی اور پھر کہا۔

”میرا اور عطیزہ کو تعارف کرواؤ ان لوگوں سے۔ کوئی فائدہ تو ہوتا ہمارے کنسرت کا۔“ شہلا نے دوڑ کر گھر سے ہوتے سکرز کو خوش کہیں میں معروف دیکھ کر اس سے کہا۔

”اچھا ٹیک ہے میرے ساتھ آؤ۔“

وہ انہیں لے کر ان لوگوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ عطیزہ ایک دم ایکسٹریٹ ہو گئی۔ فاروقی نے ان دونوں کا تعارف کر دیا تھا۔ شہلا اب بڑی بے تکلفی سے ان لوگوں سے خوش کہیں میں معروف تھی جبکہ عطیزہ کچھ نرسوں کی ان لوگوں کو دیکھ کر تھی۔ کچھ دیر ان لوگوں کے ساتھ کپ شپ کرنے کے بعد وہ لوگ فاروقی کے ساتھ واپس چارے تھے جب ایک لڑکے کو دیکھ کر فاروقی ایک بار پھر رگ گیا۔

”یہ ذوالقرنین آج اس نے بھی پر فارم کیا ہے۔ تم لوگوں نے دیکھا ہی ہوگا۔ بہت اچھا دوست ہے میرا۔“ اس نے عطیزہ اور شہلا سے کہا۔

عطیزہ نے اسٹیج پر سب سے پہلے اسی لڑکے کو پر فارم کرتے دیکھا تھا اور وہ اس کے گانے سے زیادہ اس کی اسٹائٹس سے متاثر ہوئی تھی۔

”وہی لڑکے مبارک باز۔“ اس نے اس کے اسٹیج پر آتے ہی شہلا سے کہا تھا اور اب وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

ساتھ وہاں چلے۔ مگر عطیزہ جانتی تھی کہ نالو شام کے وقت اسے گھر سے باہر نہیں جانے دیں گی اور پھر بھی کنسرت میں جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کنسرت بھی ایسا جڑ لوگوں کے ایک کاغے میں تھا..... شہلا کے اصرار کے باوجود اس نے انکار کر دیا مگر شہلا نے اڑتیں مانی تھیں۔

”دیکھو! میں خود نالو سے بات کر چکی ہوں۔“ اس نے نالو کو عطیزہ سے کہا۔

”بات کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں جانتی ہوں وہ نہیں مانیں گی۔“

”ہاں جائیں گی۔ میں انہیں یہ نہیں بتاؤں گی کہ میں تمہیں کنسرت پر لے جا رہی ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ عطیزہ حیران ہوئی۔

”میں ان سے بیکار ہوں گی کہ میرے گھر پر کنکشن ہے اور میں تمہیں اس کیلئے الائنٹ کر رہی ہوں۔“ شہلا نے بڑے آرام سے کہا۔

”یعنی تم نالو سے جھوٹ بولاؤ گی؟“

”خار ہے بھئی جب وہ جگہ جگہ جانے پر مجھے نہیں دے رہیں تو پھر جھوٹ ہی بولا پڑے گا۔“

”نہیں۔ یہ ٹیک نہیں ہے۔“ عطیزہ نے صاف انکار کیا۔

”کیوں ٹیک نہیں ہے۔ میں بھی تو تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔“

”مگر نالو کو پتا چل گیا تو وہ آئندہ تمہارے ساتھ بھی نہیں جانے دیں گی بلکہ وہ مجبور کریں گی کہ میں تم سے دور بھی ختم کروں۔“

”مگر انہیں پتا چلے گا ہی نہیں۔ شام بچے ہی کنسرت شروع ہو رہا ہے ہم آٹھ بجے تک واپس آجائیں گے۔“

”اور اگر نالو نے اس دوران تمہارے گھر فون کر لیا تو؟“

”تو میری ماما ان سے کہہ دیں گی کہ تم وہاں ہو اور بس گھر آنے والی ہو۔“

”یعنی تمہاری ماما بھی جھوٹ بولیں گی؟“

”ہاں صرف تمہارے لیے۔“

عطیزہ اس کی بات پر سوچ میں پڑ گئی، وہ خود بھی اس کنسرت میں جانا چاہ رہی تھی کیونکہ اس کے کاغے کی بہت سی لڑکیاں وہاں جا رہی تھیں مگر نالو اس طرح آئیے بھی کنسرت میں نہیں سمجھتی تھیں۔ وہ ان ہی کنسرت میں جایا کرتی تھی جو جرحہ خاندن سے ہوتے تھے اور جہاں نالو اور وہ بھی اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس طرح لوگوں کے کسی کاغے میں کنسرت پر جانے کی اجازت ملنا ناممکن تھا اور شہلا اصرار کر رہی تھی کہ۔

”ٹیک ہے۔ تم نالو سے بات کرلو۔ اگر وہ اجازت دیتی ہیں تو پھر سوچ لیں گے۔“ عطیزہ نے غم رضا مندی سے کہا۔

”یہ ہوئی بات۔“ شہلا اس کی بات پر بے تحاشا خوش ہوئی۔

”مگر تم انہیں کس کنکشن کے بارے میں کہو گی؟“

”آپ لوگوں کو میرا کیا کیا لگا؟“ وہ سگراتے ہوئے ان سے پوچھ رہا تھا۔

”خاصا اچھا لگتے ہیں آپ۔“ شہلا نے تعریف کی۔

”اور آپ کی کیا رائے ہے؟“ وہ طعیرہ کی طرف متوجہ ہوا۔

اس سے پہلے کہ طعیرہ کچھ کہتی، شہلا نے شوخ انداز میں کہا۔ ”طعیرہ آپ کی آواز سے زیادہ آپ کی کس سے متاثر ہوئی ہے۔“

طعیرہ کا دل چاہا وہ اس بن کردہاں سے غائب ہو جائے۔ بے تکلفی اور مذاق میں کہا گیا وہ تبصرہ شہلا اس طرح ذوالقرنین کو بتا دے گی، یہ اس کے دم و دکان میں بھی نہیں تھا۔

ذوالقرنین اور فاروق نے بے اختیار شہلا کی بات پر قہقہہ لگایا۔ ”ہاں یہ ہمیشہ اپنی کس کی وجہ سے فائدے میں رہتا ہے۔ سگر گڈ لکک ہوتے سنے والوں کی توجہ خود بخود دیا جاتی ہے۔ پھر بھی آپ آزاد کو بچھو دہ رادشاہ کر لیتے ہیں۔“ اب فاروق نے تبصرہ کیا۔

”تھہارا ایشارہ میری طرف ہے۔“ ذوالقرنین نے فاروق کے کندھے پر ہاتھ مارنے ہوئے کہا۔

”نہیں یار! یہ جرات میں کیسے کر سکتا ہوں۔“ فاروق نے پہلو بچایا۔

”چلیں میں تو آپ کو پند آئیگاں میری آواز آپ کو کبھی لگی۔“ یہ آپ نے نہیں بتایا؟“

ذوالقرنین ایک بار طعیرہ سے مخاطب تھا۔ طعیرہ میں سر اٹھانے کی بھی ہمت نہیں رہی۔ کچھ دیر پہلے کا سارا جوش و خروش غائب ہو چکا تھا۔

”تاؤ طعیرہ! ان کا گانا کیا لگا چھیں؟“ اس بار شہلا نے جیسے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔ طعیرہ نے کچھ کہے بغیر ہٹے سے ایک نظر اس کو دیکھا۔

”اب طعیرہ ناراض ہو گئی ہے۔“ یارا میں مذاق کر رہی تھی۔ ”شہلا اس کے تیر نور باجھ پگھی۔“

”نہیں میرا حال! میں تو اس بات کو مذاق سمجھنے پر تیار نہیں۔ میں واقعی اچھا خاصا گڈ لکک بندہ ہوں۔“

ذوالقرنین نے شہلا کی بات پر فوراً کہا۔

”گمراستے گڈ لکک نہیں کہ طعیرہ آپ سے متاثر ہو جائے۔“ شہلا نے جیسے کچھ جتانے ہوئے کہا۔

”کیوں طعیرہ کو متاثر کرنے کیلئے کتنا گڈ لکک ہونا ضروری ہے؟“ اس بار پھر اس نے بڑی بے ساختگی سے کہا۔

”یہ تو آپ طعیرہ سے پوچھیں۔“ شہلا نے سگراتے ہوئے کہا۔

”فیک ہے ان ہی سے پوچھ لیتے ہوں۔“

”شہلا! گھر چلو میری بوری ہے۔“ وہ جہاں دینے کے بجائے شہلا کو بازو سے سمجھنے لگی۔

”جی، یہ بات مشکل سوال تو نہیں ہے کہ آپ اس طرح یہاں سے بھاگنے کا سوچیں۔“ ذوالقرنین نے

ایک بار پھر قہقہہ لگا کر کہا۔ طعیرہ مزید زور نہ ہو گئی۔

”جی نہیں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم بالکل یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ ہمیں واقعی دیر

ہو رہی ہے۔“ شہلا نے بلند آواز میں کہا۔

”فیک ہے، میں مان لیتا ہوں لیکن کیا آپ لوگ میرے اگلے کنسرٹ میں آئیں گے۔ خاص طور پر

طعیرہ؟“ اس نے انہیں انویٹ کیا۔

”آپ کا کنسرٹ کب ہے؟“ شہلا نے پوچھا۔

”اگلے مہینے۔“

”فیک ہے، ہم سوچیں گے اور فاروق کو بتا دیں گے۔“ شہلا نے چٹا شروع کر دیا۔

”میں کم از کم طعیرہ سے یہ توقع نہیں رکھتا کہ میرے کنسرٹ میں آنے کیلئے پہلے سوچیں اور پھر فیصلہ

کر لیں انہیں آنا ہے۔“

طعیرہ نے شہلا کے ساتھ تین سو قدموں سے چلنے ہوئے اپنی پشت پر اس کی آواز سنی۔

فاروق اور ذوالقرنین کی نظروں سے اوٹ ہوئے ہی طعیرہ شہلا پر برس پڑی۔

”مجھیں شرم آتی چاہے اس طرح اس سے میرے بارے میں بات کرتے ہوئے..... وہ کیا سوچتا ہوگا کہ

میں کیسی لڑکی ہوں۔“

”اس میں بری بات کیا ہے۔ اس نے تمہارے بارے میں اچھا ہی سوچا ہوگا! اس لیے تو خاص طور پر اپنے

کنسرٹ میں انویٹ کیا ہے اگر برا سوچتا تو ایسا نہ کرتا۔“ ویسے بھی اپنی تعریف کسی کو بری نہیں لگتی۔“

”شہلا! بہت بد فہم ہو، میں آئندہ تم سے کوئی بات شیئر نہیں کر دوں گی۔“ طعیرہ کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔

”اچھا فیک ہے، میں ایکسکوز کرتی ہوں، آئندہ ایسا نہیں کر دوں گی۔ اب تم یہ بتاؤ کہ اس کے کنسرٹ میں

چلتا ہے؟“ شہلا نے فوراً معذرت کرنی شروع کر دی۔

”میں ابھی تم سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتی، تم سب چپ ہو جاؤ۔“ طعیرہ اس کی معذرت سے متاثر نہیں

ہوئی۔ شہلا خاموش ہو گئی۔ وہ طعیرہ کو اچھی طرح جانتی تھی اور اسے پتا تھا کہ اب وہ اس وقت تک اس سے بات نہیں

کرے گی جب تک اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو جاتا۔

☆☆☆☆

ذوالقرنین سے ہونے والی طعیرہ کی یہ پہلی ملاقات تھی اور پہلی ملاقات آخری ثابت نہیں ہوئی، کوشش کے

بادمجہی میں اس رات کنسرٹ سے گھر واپس جانے کے بعد طعیرہ اسے اپنے ذہن سے جھٹک نہیں پائی، وہ واقعی اتنا

ڈشک تھا کہ کسی بھی لڑکی کیلئے اس نظر انداز کرنا مشکل ہوتا اور طعیرہ جس عمر سے گزر رہی تھی اس عمر میں منف مخالف

میں اس طرح پیدا ہو جانے والی دلچسپی بڑی طوفانی رفتار سے بڑھتی ہے۔

اگلے چند دن بعد ایک دن شہلا نے اسے ایک فون نمبر دیا تھا۔

”یہ ذوالقرنین کا فون نمبر ہے، وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے یا پھر تم اگر کہو تو وہ خود کو کال کر لے۔“

”کیا مطلب وہ کیوں بات کرنا چاہتا ہے۔“ طعیرہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

قدم میں ان کے ساتھ کام کرنے والا کوئی نہ کوئی کا لوگ یا شیا سا انہیں مل رہا تھا۔ وہ جاگت کرتے ہوئے سلام دعا کا تبادلہ کرتے اور کبھی بچے بچے جاتے۔

”میں نے جہانگیر سے کہا تھا، جہیں فارن سروس کے بھائے پولیس سروس میں آئے دے مگر وہ میری بات ماننے پر تیار نہیں ہوا۔“ جاگت ٹریک پر اس کے ساتھ بھاگتے بھاگتے وہ بچے جارہے تھے۔

”تمہارا اپنا انٹرسٹ کسی چیز میں ہے؟“

”کسی میں بھی نہیں۔“ اس کا دل چاہے وہ کبہدے۔

”فارن سروس ہی ٹھیک ہے۔“ اس نے ساتھ بھاگتے ہوئے کہا۔

”فارن سروس ٹھیک نہیں ہے۔ اس کوپ نہیں ہے اب اس کا کوئی۔“ ہر پولیسنگل گورنمنٹ آتے ہی سیاسی بنیادوں پر اپارٹمنٹ کر دیتی ہے۔ چار چھ بار جیسے کل ہیں وہاں فارن سروس کے کسی بندے کو وہ لگاتے ہی نہیں جو سیاست دان الیٹس میں جاتے ہیں، مگر پارٹی کو اچھا خاصا روپیہ دے رہے ہیں وہ انہیں کو اٹھا کر ان لوگوں میں بھیج دیتی ہے۔ پانی جو گلک رہ جاتے ہیں وہاں صرف کام ہی کیا جاسکتا ہے۔ پیش کرنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور کام اسی لیے نہیں کیا جاسکتا کہ مشن کے پاس فنڈز ہی نہیں ہوتے جو روپیہ گورنمنٹ دیتی ہے اس سے پیشکش مشن اپنے اخراجات ہی پورے کر سکتا ہے۔ ایسے حالات میں فارن سروس میں آنے کا فائدہ کیا ہے۔“ وہ بھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہتے جارہے تھے۔

”پوسٹنگ میرا کسٹرن نہیں ہے، پاپا کروائیں گے۔“

”جہانگیر کروا تو لے گا مگر بات صرف ایک پوسٹنگ کی تو نہیں ہوتی۔ مسلسل اچھی پوسٹنگ ملتی رہے جب جا کر کچھ فائدہ ہوتا ہے اور جہانگیر کو تو خود اس بار بہت پر اہم ہوا ہے۔ بڑی مشکل ہے اس نے اپنی پوسٹ بچائی ہے۔ فارن مشنر اپنے بھائی کو اس کی جگہ لانے کی کوشش کر رہے تھے بلکہ اس نے کامیاب ہو گئے تھے وہ تو بس جہانگیر کام آگیا۔ اس کے فاروان لانے مشنر کے بھائی کی پوسٹنگ نہیں ہوئی۔“

انہوں نے عمو کو جہانگیر کے ایک اور دوست کے بارے میں بتا کر اسے اس بار کوئی جواب نہیں دیا۔

”پھر جہانگیر کی اس اپنا ک شادی کی وجہ سے بھی مسئلہ ہوا۔“ تھیں میں موجود کسی ایجنسی کے آدمی نے جہانگیر کی شادی سے پہلے رشکے حوالے سے کوئی خفیہ رپورٹ بھیج دی۔ فارن مشنر تو پہلے ہی ناک میں بیٹھے تھے، انہوں نے فوراً شور مچا کر دیا۔ پریس تک پہنچنے والے دیکھی وہی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ معاملہ پریس تک آنے کا تو خوب اچھے گا اور پھر وزیر اعظم اسے ہٹانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مگر جہانگیر بہت کام آیا۔ اس نے مشنر کی ایک نہیں چلی دی۔ لیکن آخر تک۔ اب مشنر مسلسل ناک میں ہے۔ چوت کھایا ہوا سانپ بنا بیٹھا ہے۔“

”فارن سروس میں اس طرح کی چیزیں ہوتے تو پولیس سروس میں تو اور بھی زیادہ پراہنہ ہوں گے، کیونکہ وہاں سیاسی مداخلت اور بھی زیادہ ہے۔“ لیتھ اگل کے ساتھ بھاگتے ہوئے اس نے تبصرہ کیا۔

”اچھی پوسٹنگ تو وہاں بھی مشکل سے ملے گی۔“

”وہ دوستی کرنا چاہتا ہے تم سے۔“

”اس نے فاروق کا رواج کھالیا ہے اس دن سے کہ وہ تم سے اس کا رابطہ کروائے، فاروق نے مجھ سے کہا اب میں تمہیں اس کا فون نمبر دے رہی ہوں۔“

”کہیں تم نے اس کو میرا فون نمبر تو نہیں دیا؟“ علیزہ ایک دم خائف ہو گئی۔

”میں نے تو نہیں مگر فاروق نے دے دیا ہے، اب اگر تم سے اس فون نہیں کر سکتی تو پھر پتہ چلا وہ جہیں فون کرے گا۔“ علیزہ کا جیسے سانس رک گیا۔ ”اوہ گا! ڈاک فون خانے نے ریسیور کر لیا تو۔۔۔۔۔ شہلا! تم اسے منع کرو کہ مجھے کبھی فون مت کرے۔“

”تو پھر بہتر ہے تم خود اس سے بات کرلو۔۔۔۔۔ اسے فون کرلو۔۔۔۔۔“

شہلا نے اس کے سامنے جیسے ایک تجویز رکھی تھی۔

”مگر میں اس سے فون پر کیا کہوں۔۔۔۔۔ نہیں میں اسے کال نہیں کروں گی۔“ اس نے فوراً انکار کر دیا۔

اس کا انکار بہت دور تک نہیں چلا۔ دوسرے دن لا شعوری طور پر اسے فون کر بھی گئی تھی۔ اور فون کا لڑکا یہ سلسلہ پھر بڑھتا گیا تھا۔ ڈوئلٹر میں سید لیکل کا گج میں فاروق کا کلاس ٹیلا تھا وہ دونوں قمر ڈائریز میں تھے اور نہ صرف فاروق بلکہ شہلا کی بھی ڈوئلٹر میں کے بارے میں اچھی رائے تھی۔

عمران دنوں اسلام آباد میں تھا اور اس کے اور علیزہ کے درمیان بھردری اور انیت کا جو ایک تعلق شروع ہوا تھا وہ ایک دم جیسے غائب ہو گیا تھا، عمر خود اسے کسی کال نہیں کرنا تھا، ہا تو اتنا بتایا ہی اسے کال کیا کرتے تھے اور علیزہ کو کہیں اس سے بات کرنے کا موقع نہیں ملتا نہ ہی عمر نے کسی علیزہ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

دوسری طرف علیزہ کیلئے ان دنوں ڈوئلٹر میں سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں رہی تھی۔ وہ شہلا کو کال کرنے کے بھانے ڈوئلٹر میں کو کال کرتی اور بہت دور تک اس سے باتیں کرتی رہتی۔ اس کے اندر یک دم بہت سی تبدیلیاں آنے لگی تھیں۔ وہ پہلے سے زیادہ خوش رہنے لگی تھی۔ خود بہت زیادہ توجہ دینے لگی تھی۔ کر سکی کے ساتھ بھی پہلے سے کم وقت گزارنے لگی تھی۔ ہا تو اس میں ہونے والی ان تبدیلیوں کی وجہ نہیں جانتی تھی مگر وہ خوش تھیں کہ وہ آہستہ آہستہ ڈپریشن کے اس فیر سے باہر آ رہی ہے جس میں وہ پچھلے کچھ عرصہ سے تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اب وہ اپنی اسٹڈیز پر بھی پہلے کی طرح توجہ دینے لگے گی۔

ڈوئلٹر میں اس علیزہ کو کیا چیز اچھی لگتی تھی۔ علیزہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ وہ اس کے گس سے زیادہ حائر ہوئی تھی یا اس کے مگر ہونے یا پھر علیزہ میں لی جانے والی دیکھی سے۔۔۔۔۔ اسے کچھ بھی ٹھیک سے اندازہ نہیں تھا مگر وہ صرف اس بات سے خوش تھی کہ وہ ایک دم کبھی کیلئے اپنی اہم ہو گئی ہے۔ ڈوئلٹر میں اس کی تعریفیں کرتا تھا اور علیزہ کیلئے ان دنوں عمر کی عدم موجودگی میں شاید ایسی چیز کی ضرورت تھی۔

☆☆☆

وہ لیتھ اگل کے ساتھ شام کو چاکلنگ کیلئے باک میں آیا تھا جاگت ٹریک پر دوڑتے ہوئے ہر دوسرے

جب تم واپس آؤ تو میں تم سے کہوں کہ تم انہیں کال کرو۔“
 وہ اس وقت گلاب سے واپس آیا تھا جب لالچ میں داخل ہوتے ہی اسے دیکھ کر شانزہ نے اطلاع دی۔ عمر
 یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

”انہوں نے بس یہی پیغام چھڑا ہے؟“

”ہاں بس یہی کہنا تھا انہوں نے تمہارے موبائل پر بھی کال کی تھی مگر تم نے اپنا موبائل آف کیا ہوا تھا۔“

شانزہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ عمر مزید کچھ پوچھنے کے بجائے سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔

موبائل آن کر کے سائیکل بیل پر رکھنے کے بعد وہ گلاب کے کپڑے پہنے اور تھوڑے عرصے میں چلا گیا۔ آدھ گھنٹہ کے بعد جب
 وہ گلاب کے بعد باہر نکلا تھا تو اس کے موبائل کی بیل سنائی دے رہی تھی۔ اس نے کچھ ٹھیک کر تذبذب کے عالم میں
 موبائل اٹھا لیا تھا کال کرنے والے کا نمبر دیکھ کر اس نے ہونٹ مسکھائی لیے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد ایک مگر اسانس نے کہ
 اس نے کال نہ کیا۔

”یہ کونسا نمبر ہے؟“ دوسری طرف سے اسے اپنے باپ کی دوسری بیوی کی آواز
 سنائی دی۔

”ہاں، میں بول رہا ہوں..... کیسی ہیں آپ؟“

”میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟“

”فائن۔“

”میں آج سارا دن بار بار تم سے کالمیک کرنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر تمہارا موبائل آف تھا۔“
 ”ہاں، میں کچھ مصروف تھا، آپ کو کوئی ضروری کام تھا؟“ دوسری طرف چند لمبے خاموشی رہی پھر عمر فرین کی
 آواز سنائی دی۔

”تمہیں جہانگیر کی شادی کا تو پتا چل ہی گیا ہوگا؟“

”ہاں میں جانتا ہوں۔“ اس نے مختصر کہا۔

”تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو گے کہ وہ لڑکی جہانگیر کی آدمی عمر سے بھی کم عمر ہے۔ پھر جس طرح کی
 شہرت وہ رکھتی ہے میں نہیں جانتی، جہانگیر کو کیا ہو گیا ہے وہ کیوں اس طرح کی حرکتیں کر رہا ہے۔“ عمر فرین کے لہجے
 سے پریشانی محسوس ہوتی تھی۔

عمر خاموشی سے ان کی بات سنتا رہا۔ ”میں اور بچے جہانگیر کی اس حرکت سے کتنے ڈسٹرب ہیں اس کا تم
 اندازہ نہیں کر سکتے۔“

”لیکن میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟“ اس نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”تم جہانگیر سے بات کرو؟“ عمر فرین کا لہجہ اس بار کچھ دھیمّا تھا۔

”کیا بات کروں؟“ دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی۔

”ہاں یہ پریلیم تو وہاں بھی ہیں، مگر وہاں بندہ جس بھی شہر میں پہنچے ہو، وہاں کی انٹریسٹ کلاس سے
 کالمیکس اس کا سکا ہے۔ اچھا خاصا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بندے کے پاس پاور اور اقتدار کی ہوتو کچھ ساری دنیا اپنی
 ہے۔“ وہ اسے گرتا رہا۔

”تم نے انتخاب میں دوسرے نمبر پر کون سا بیٹا ٹنٹ دیا ہے؟“

”ڈی ایم جی۔“

”اور پولیس سرس کو کس نمبر پر لیا ہے؟“

”تیسرے پر۔“

”بہتر ہوتا تم اسے ہی پہلے نمبر پر رکھتے مگر حال ابھی بھی وقت ہے، تم سوچ لو، میں جہانگیر سے دوبارہ
 بات کروں گا۔ سب کچھ بدلا جا سکتا ہے۔“ انہوں نے اس کے سامنے پیسے بنیاد ساز کھڑا تھا
 ”نہیں! اگلے! میں قانون سرس ہی جوائن کرنا چاہتا ہوں..... مجھے کسی دوسرے گروپ میں دلچسپی نہیں
 ہے۔“ عمر نے انکار کر دیا۔

”مگر بھی ایک بار دوبارہ سوچ لو۔“

”نہیں، جو بھی پاپا نے طے کیا ہے۔ وہ ٹھیک ہے۔“ لیلیٰ اگلے چالنگ کرتے ہوئے خاموش ہو گئی۔
 لیلیٰ اگلے جہانگیر معاذ سے اپنی دوستی پر بڑا غور کرتے تھے اور وہ اس بات پر بھی خاموش نازاں تھے کہ
 جہانگیر معاذ ان پر مکمل طور پر اعتماد کرتا تھا۔

عمر سے ملاقات کے دوران بھی انہوں نے کئی بار اس بات کا اظہار کیا تھا اور وہ صرف مسکرا کر رہ گیا تھا وہ
 ان کی خوش فہمی کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ اور وہ نہ جانتا تھا کہ جہانگیر معاذ جیسا شخص جو اپنے سامنے پر بھی دھم دیتا کرتا۔
 وہ ایک کزن پر کیسے اعتماد کر سکتا ہے، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح لیلیٰ اگلے بھی ان کے ساتھ ایک کچھ چلی کی
 طرح تھے جنہیں وہ بڑی ہوشیاری سے استمال کر رہے تھے۔ عمر صرف اس بات کا اندازہ نہیں کر پا رہا تھا کہ لیلیٰ اگلے
 اس بات کو جانتے تھے یا نہیں۔ عمر نے لیلیٰ اگلے کے بارے میں اپنے باپ کے منہ سے بہت بار سنا تھا۔ جملے سے تھے
 اور لیلیٰ اگلے واحد نہیں تھے۔ وہ اپنے ہر دوست اور اپنے والے کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہتے رہتے تھے۔ عمر کو حیرانی
 ہوتی کہ اس کے باوجود ان کے دوستوں کی ہی بڑی تعداد میں کوئی کی آئی نہ ہی انہیں کبھی اپنے دوست سے نقصان
 پہنچا تھا۔

اس نے جہانگیر معاذ کو صرف اپنے فریڈ اور کزن کا ہی نہیں بلکہ اپنے بھائیوں کے نام اور پوزیشن کا بھی
 بری طرح استمال کرتے دیکھا تھا، اور اب جب وہ اپنے باپ کے کسی بھی دوست سے ملتا تو اسے ہمیشہ ان پر ترس
 آتا..... لیلیٰ اگلے بھی ان ہی میں سے ایک تھے۔

☆☆☆

”وہ عمر فرین کی آئی نے دوبارہ کال کی ہے۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ تم گھر پر نہیں ہو۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ

”کہو اس لڑکی کو ڈائی ورس دے دے۔“

”آپ کا کیا خیال ہے، میرے کہنے پر پاپا اسے ڈائی ورس دے دیں گے؟“ اس نے جوابا ان سے پوچھا۔

”تم اس کے سب سے بڑے بیٹے ہو تمہاری بات بہت اہمیت رکھتی ہے۔“

”آپ اگر ایسا سوچ رہی ہیں تو غلط سوچ رہی ہیں۔ خوش قسمتی سے میں ان کا سب سے بڑا بیٹا تو ہوں لیکن میری بات ان کیلئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔“

”عمر! تم اسے مجبور کر سکتے ہو۔“

”نہیں۔ میں انہیں مجبور کر سکتا ہوں نہ ہی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے دونوں انداز میں کہا۔

”عمر! میں تم سے ریکویسٹ کر رہی ہوں۔“ اس بار شرین کا لہجہ مت بھرا تھا۔ ”خچٹھ“

”میں ان پر جتنا دباؤ ڈال سکتا تھا، ڈال چکا ہوں، ان سے اس موضوع پر میری کئی نکتہ ہو چکی ہے اور یہ گفتگو کچھ زیادہ غرضکار نہیں رہی، اس لیے میں اس بار سے میں کچھ نہیں کر سکتا۔“

”جہاگیر! ہمیں اسلام آباد والے گھر میں شفٹ کرنا چاہتا ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔“

”مگر میں اور بچے ایسا نہیں چاہتے۔ جہاگیر! اپنی اپنی بیوی کو کیوں نہیں یہاں شفٹ کرتا۔۔۔۔۔ میں اور بچے اس کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ وہ اس طرح ہمیں اٹھا کر کیسے پھینک سکتا ہے۔ تم کم از کم اس سے یہ تو کہہ ہی سکتے ہو کہ وہ ہمیں امریکہ میں اپنے پاس ہی رہنے دے۔“

”میرے کہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ پاپا میری بات سن گئے نہ نا میں گئے، ویسے بھی یہ آپ دونوں کا ذاتی معاملہ ہے بہتر ہے آپ اسے خود حل کریں۔ مجھے درمیان میں مت لائیں۔“

اس نے بڑے پرسکون انداز میں کہا۔

”جہاگیر! شادی صرف میرا یا میرے بچوں کا ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ کیا تم اس سے متاثر نہیں ہوئے، کیا جہیں شرمندگی نہیں ہوئی کہ اس عمر میں جہاگیر نے اس طرح کی حرکت کی ہے۔“

”میں اس تکلیف سے بہت پہلے گزر چکا ہوں۔ باپ کی صرف دوسری شادی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی سے کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ وہ سب کچھ بھروسہ دینا ہی ہے۔“ اس کے لہجے کی کاٹ نے شرین کو چند لمحوں کیلئے خاموش کر دیا۔

”میں نے جہاگیر سے شادی تمہاری ماں کی ڈائی ورس کے بہت بعد کی تھی۔“

”مگر اس ڈائی ورس کا سبب آپ ہی تھیں۔“

”نہیں ایسا نہیں ہے۔ عمر جہاگیر اور زارا کے درمیان انڈر سٹینڈنگ نہیں تھی مگر تمہاری ماں نے اپنی مرضی

”.....“

عمر نے ہانگواڑی سے ان کی وضاحت کو کاٹ دیا۔

”میں ماضی میں نہیں جانا چاہتا کہ کس نے کیا کس کی وجہ سے اور کیوں۔۔۔۔۔ کم از کم اب مجھے اس بحث سے کوئی دلچسپی نہیں ہے میں آپ کو بس یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے ہاتھ کا ہتھیار بنا کر استعمال کرنے کی کوشش نہ کریں۔“

”عمر! تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔“

”ہوسکتا ہے، بہر حال یہ آپ دونوں کا ذاتی معاملہ ہے اور بہتر ہے، آپ اسے خود ہی حل کریں۔ جو کچھ آپ میرے ذریعے پاپا سے کہلانا چاہتی ہیں۔ وہ خود کہہ دیں یا پھر والدہ سے کہیں کہ وہ پاپا سے بات کرے ہوسکتا ہے، میرے بجائے وہ زیادہ بہتر طریقے سے یہ سب کچھ پاپا تک پہنچا دے۔“

دوسری طرف سے فون یکدم بند کر دیا گیا تھا۔

شرین کے ساتھ اس کے تعلقات میں ہمیشہ ایک تکلف رہا تھا۔ شرین نے یہ اجنبیت دور کرنے کیلئے پہل کی تھی نہ ہی عمر نے اس کی کوشش کی تھی۔ عمر اور ان کے درمیان بڑی سرسری اور رسمی سی گفتگو ہوتی تھی۔ عمر کو جراتی ہوئی تھی کہ شرین نے اس طرح اس سے مدد لینے کی کوشش کیوں کی تھی۔

اس کے دل میں شرین کے خلاف کسی قسم کا کوئی بغض نہیں تھا نہ ہی اس نے کبھی شرین کو اپنی ماں اور باپ کے درمیان ہونے والی تلخی کا ذمہ دار سمجھا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس نے شرین کیلئے کبھی بہت اچھے احساسات بھی نہیں رکھے تھے اور اس میں بڑا ہاتھ خود شرین کا ہی تھا۔



بارے میں مجھے اتنا ریشن دی تھی وہ ٹھیک نہیں تھی۔ این جی اوز نے اس علاقے میں بہت کام کیا ہے۔

”تم نے ان کے اسکول وغیرہ دیکھے ہوں گے اس لیے۔“

علیہ نے عمر کی بات کاٹ دی۔ ”نہیں بات صرف اسکول نہیں ہے، میں نے صرف اسکول ہی نہیں دیکھے وہاں اور بھی کچھ دیکھا ہے میں نے لوگوں سے بات چیت کی ہے۔ ایک شخص جھوٹ بول سکتا ہے دو بول سکتے ہیں، مگر شخص تو نہیں وہاں پر شخص یہی کہہ رہا ہے کہ ان این جی اوز کی وجہ سے اس علاقے میں بہت ترقی ہوئی ہے۔“

”اس چیز پر بھی پورا یقین نہیں کرنا چاہیے جو آگھوں دیکھا وہ نہ کانوں سنا ہو۔“

عمر نے اطمینان سے اس کی بات رد کی۔

”اور ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو آگھوں دیکھا اور کانوں سنا ہو۔“

علیہ نے کچھ اکھڑے لیے کھینچا۔

”پھر اس پر غور کرنا چاہیے کہ جو کچھ سنا ہے اور دکھائی دے رہا ہے، کیا وہ واقعی ٹھیک ہے۔“ عمر سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”میں نے یہی کیا ہے۔“

عمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا چند لمحوں کے بعد وہ بڑے عجیب سے انداز میں مسکرایا ”اور تمہارے اس غور و خوض نے تمہیں یہ بتایا ہے کہ این جی اوز وہ آسمانی معجزہ ہیں جو اس ملک میں بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھا۔“

علیہ کو اس کے لہجے میں چھپا ہوا مسخرہ برا لگا تھا۔ ”میں نے یہ نہیں کہا کہ این جی اوز کوئی آسمانی معجزہ ہیں۔ میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ اس علاقے کے لوگ ان این جی اوز پر اعتبار کرتے ہیں کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ لوگ ان کے علاقے میں تبدیلیاں لا رہے ہیں۔ اور ان کے کام کر رہے ہیں۔“

”ن لیگوں کی بات کر رہی ہو تم؟“ اس کا لہجہ ایک دم سرد ہو گیا تھا۔ ”ان لوگوں کی جن کے پاس تعلیم اور شعور نام کی کوئی چیز نہیں ہے، ہولیات اور ذہنیت کے اعتبار سے اس ملک کی سب سے پسماندہ کلاں جو دیہات میں رہتی ہے جس کی سوچ غلامانہ تھی، ہے اور رہے گی۔ جن پر پہلے نواب اور مہاراجہ حکومت کرتے تھے پھر جاگیردار اور رئیس اور اب این جی اوز..... اور تمہارا خیال ہے کہ سب کچھ بدل جائے۔ کل تک گالیاں اور دھکوں کو مہر بانی سمجھ کر مسکرانے والے لوگ اتنے باشعور ہو گئے کہ ان میں اچھے اور برے کی پہچان آگئی ہے؟“

”ان لوگوں میں شعور آ رہا ہے۔ وہاں تعلیم کی روشنی زیادہ ہو رہا ہے۔“ علیہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

”تعلیم اور شعور کا آپس میں کوئی تعلق نہیں تو علیہ بی بی..... اگر ایسا ہوتا تو آج تک کسی تعلیم یافتہ شخص نے کوئی جرم نہ کیا ہوتا۔“ اس کا لہجہ اب بھی کھردراتھا۔

”مگر وہاں کے لوگ واقعی بدل رہے ہیں اگر این جی اوز یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ انہوں نے وہاں اصلاحات کی ہیں تو وہ غلط نہیں سمجھیں وہاں لوگ واقعی ایک بدلے ہوئے ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں وہاں کے لوگ این جی اوز کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے ہیں۔“ علیہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

باب ۲۸

”تو علیہ بی بی واپس آ چکی ہیں۔“ عمر نے رات کے کھانے کیلئے ڈانٹنگ دہن آتے ہی علیہ کو دیکھ کر خوشگوار انداز میں کہا تھا۔

علیہ سر ہر کو واپس پہنچ گئی تھی اور اس وقت گھر میں عمر نہیں تھا۔ وہ رات کو ہی واپس آیا تھا اور واپس آنے کے بعد ان دونوں کی ملاقات ڈانٹنگ دم میں ہی ہوئی تھی۔

”تو کیا کچھ دیکھا اور دیکھا آپ نے؟“ وہ اب کرسی کھینچے ہوئے بیٹھ رہا تھا۔

”بہت کچھ۔“ علیہ نے مسکرا کر کہا۔

”اس بہت کچھ کے بارے میں ہمیں بتانا پسند کریں گی؟“

”اس وقت سے یہ میرے کان کھادی ہے، اب تمہارے کھائے گی۔“ ناٹو نے مسکراتے ہوئے عمر کو پیچھے خبردار کیا تھا۔

”آپ کیا خیال ہے این جی اوز کے بارے میں؟“ عمر نے گلاس میں پانی ڈالنے ہوئے پوچھا۔

”آپ نے این جی اوز کے بارے میں جو کچھ کہا تھا میں اس سے اتفاق نہیں کرتی۔“ عمر نے پانی کا گھونٹ لیتے ہوئے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک سرکراہٹ دوڑ گئی۔

”دوبی گڈ..... اس کا مطلب ہے آپ نے واقعی اپنی judgement sense (جا بوجھ کی صلاحیت) کا استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ ویسے بات سے ابکری نہیں کرشم تم؟“ اس نے پوچھا۔

”آپ کی سب باتوں سے۔“ اس نے اپنی بیٹ میں چال ڈالنے کوئے کہا۔

”سب باتوں سے؟“ ”تمہارا مطلب ہے میں نے تم سے جھوٹ بولا ہے؟“

علیہ یک دم گڑباز ہو گئی۔ ”نہیں..... میں نے یہ تو نہیں کہا۔“

”تو پھر آپ کیا فرما رہی ہیں؟“

علیہ کچھ دیر خاموشی سے جیسے اپنے لفظوں کو ترتیب دیتی رہی پھر اس نے کہا ”آپ نے این جی اوز کے

قصص کو سمجھنا اس وقت دنیا کا سب سے مشکل کام مگ رہا تھا۔

”یہ کیا بات ہوئی؟ اس کا مطلب ہے آپ اپنی بی اوز کو پسند کرتے ہیں؟“ وہ الجھتی تھی۔

”میں نے یہ بھی نہیں کہا۔“

”نہ آپ اپنی بی اوز کو پسند کرتے ہیں نہ آپ انہیں پسند کرتے ہیں، مگر آپ ان کے بارے میں اچھی رائے بھی نہیں رکھتے۔ یہ کیا عقائد ہے۔“

عمر نے اس کے لیے جس جھگڑے والی منطقی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی پیٹ میں ایک کباب نکال لیا۔ ”ہے تو؟“ اس نے نکال بے پیاز سے کباب کھاتے ہوئے کہا۔

عطیہ ایک بار پھر اسے دیکھنے لگی۔ ”آپ پولیس سروس جوائن کر رہے ہیں، فرض کریں آپ کے علاقے میں کوئی این جی او کام کر رہی ہوگی، تو آپ کیا کریں گے؟“

”کچھ بھی نہیں۔“

”اور اگر اس این جی او نے اس علاقے میں پولیس کی طرف سے ہونے والی زیادتیوں کے خلاف کام کرنا شروع کر دیا تو پھر آپ کیا کریں گے؟“

”میں اس علاقے سے اسے اٹھا کر باہر پینک دوں گا۔“

اس نے بے تاثر چہرے اور آواز کے ساتھ کہا، اور پانی کا گلاس اٹھالیا۔ عطیہ بے یقینی سے اس کا چہرہ بھینکتی رہی۔

”اس کے باوجود کہ وہ ایک صحیح کام کر رہے ہوں گے؟“

”عطیہ! اس کیلکس کو دیکھو۔“ عمر نے پانی کا گلاس رکھتے ہی ڈانگ ٹیبل سے کچھ قسطے پر ایک کونے میں بڑے ہوئے کیلکس کی طرف اشارہ کیا، ”فرض کریں میں بازار میں ایک پورا خرچے نے جاتا ہوں اور وہاں صرف یہی ایک پورا خرچے اور کوئی دوا نہیں ہے۔ میں دن اس کے نام کو جانتا ہوں نہ مجھے یہ پتا ہے کہ یہ پھول دار ہے یا نہیں یا کتنا عرصہ چل سکتا ہے مگر مجھے ایک پورے کی ضرورت ہے تو میں اسے خرید لیاؤں گا۔ پھر اسے یہاں ڈانگ روم میں رکھ دوں گا یہ جانے کے باوجود کہ اس پر کتنے ہیں یہ یہاں پر اس وقت تک پڑا رہے گا جب تک اس کے کانٹے میرے لیے کسی تکلیف کا باعث نہیں بنیں جس دن اس کے کانٹوں سے کسی کو زخم لگا یا کسی کے کپڑے سے اس دن اس کیلکس کو یہاں سے ہٹا دیا جائے گا میں ہوں یا تم ہر ایک جی کے گاہ۔ کوئی بھی دوبارہ زخم کٹنے یا کپڑے سے پھینکے کا انتظار نہیں کرے گا۔“

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔

”مگر میں کسی کیلکس نہیں بنائوں گی، میں اس کے کانٹے ختم کر دوں گی۔“

وہ بے اختیار اس کی بات پر مسکرایا۔ but i always play safe. میں کانٹوں کے دوبارہ اٹنے کا ریسک نہیں لے سکتا۔“

عمر استہزائیہ انداز میں ہنسا ”وہاں کے لوگ تو غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کے بارے میں بھی بہت اچھی رائے رکھتے ہیں پھر کیا تم یہ سوچنا شروع کر دو گی کہ یہ بھی ٹھیک ہوتا ہے؟“

عطیہ دیکھ کر بات نہیں کر سکی۔

”بہتر ہوتا تم اپنی جی انڈ سے کہہ کر وہاں کے قانون کا ریکارڈ بھی چیک کر لیتیں، گو جرنال، سیالکوت، ڈسٹرکٹ اور اگر دو کا علاقہ خاندانی دشمنیوں کیلئے بھی خاصا مشہور ہے اور یہ نسل در نسل چلی آتی ہیں، تب تک جب تک مخالف کا پورا خاندان نہ ختم ہو جائے اور یہ لوگ ایک دوسرے قتل نہیں کرتے، یہ چھ چھ سات سات لوگوں کو اکٹھا مراد دیتے ہیں اور کوئی حمید ایسا نہیں ہوتا جب اس علاقے میں ایسا کوئی واقعہ نہ ہو۔ اب جہول آپ کے اگر این جی او نے واقعی ان لوگوں کی سوچ میں تبدیلی کر دی ہے تو سب سے پہلے تو ان لوگوں کے رویوں میں تبدیلی ہونی چاہیے۔“

وہ اب سلا دکھا رہا تھا۔ عطیہ اس کی باتوں پر غفلت محسوس کر رہی تھی۔

”جہولگ ایک گانے بھینس چرائے جانے پر مخالف کے گھر کی عورت اٹھا لیتی ہیں۔ رات کو کھیتوں کی رکھوالی کرنے والے کتے کے بارے میں جاننے پر مخالف کی فسطوں کو آگ لگا دیتے ہیں، کھیت کا پانی روکے جانے پر کسی کو بھی قتل کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی این جی او کے بارے میں اچھی رائے اس کے حد تک قابل اعتبار ہو سکتی ہے یا اسے کتنی اہمیت دینی چاہیے یہ کانی قابل غور ہے۔“

”ہر تبدیلی لانے میں وقت لگتا ہے، این جی او کو بھی وقت ملے گا کہ یہ سب چیزیں ختم ہو جائیں گی۔“

عطیہ کی رائے ابھی بھی تبدیل نہیں ہوئی تھی۔

اور ایسا بھی نہیں ہوگا۔ کم از کم این جی او یہ کام نہیں کر پائیں گی کیونکہ وہ یہ کام کرنے نہیں آتی ہیں۔ عمر کا لہجہ بہت مستحکم تھا۔

”ہوسکتا ہے این جی او میں کچھ لوگ خراب ہوں یا کہ لیکن کچھ این جی او خراب ہوں مگر سب این جی او تو اس طرح کی نہیں ہیں۔ کوئی بھی پرفیکٹ نہیں ہوتا این جی او میں نہیں ہو سکتیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ہم انہیں پرفیکٹ دیکھنا کیوں چاہتے ہیں؟“ وہ اس کا پورے زور پر بولی۔

”اس لیے کیونکہ وہ تبدیلی لانے کے دعوے کر رہی ہیں۔“ عمر کا اطمینان برقرار تھا۔

”آپ این جی او کے اتنے خلاف کیوں ہیں؟“ اس بار عطیہ نے کچھ تاریخی سے اس سے پوچھا۔

”تم سے کسی نے کہا کہ میں این جی او کے خلاف ہوں؟“ عمر نے اتنی ہی بے ساختگی اور سکون سے کہا۔

عطیہ حیران ہوئی۔

”کیا مطلب؟“ یہ سب کچھ جو آپ کہہ رہے ہیں، یہ کیا ہے؟“

”خائن۔“ وہ ابھی اسی طرح مسکرا رہا تھا۔

”اچھا فرض کریں اگر سبھی خائن ہیں تو یہ سب کچھ جانے کے بعد آپ این جی او کے خلاف نہیں ہیں؟“

”نہیں بالکل نہیں۔“ عطیہ دھڑکے بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی، میز کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے

”صرف اس لیے کہ آپ کے اپنے ہاتھ دھنی ہوں گے کیڑے پھینک دیں گے، ہے نا؟ آپ جو این جی اوز کے بارے میں اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں وہ صرف اسی لیے ہیں کیونکہ شاید اس کا اس کو ان این جی اوز سے خطرہ ہے جس سے آپ تعلق رکھتے ہیں۔“

عمر اس کی بات پر چوٹا ”تمہارا اشارہ کس کا اس کی طرف ہے، بیورو کرسی کی طرف یا الیٹ کا اس کی طرف؟“

”دونوں کی طرف۔“ اس کی آواز مدغم تھی عمر مسکرایا۔

”تم بھی اس کا اس کا حصہ ہو، بیورو کرینٹ نہ نکال الیٹ تو ہو۔“

”ہاں حصہ ہوں مگر ابھی چیز کو اچھا کوئی نہ لے، برا نہیں کہوں گی۔ چاہے وہ میرے لیے نقصان دہ ہی کیوں نہ ہو۔“

”تمہارا خیال ہے کہ این جی اوز بیورو کرسی یا الیٹ کا کوئی نقصان پہنچا رہی ہیں یا آئندہ بھی پہنچا سکتی ہیں؟“

”ہاں ایسا ہی ہے یا اس طبقے کے مفادات کیلئے کام کر رہی ہیں جنہیں ہماری وجہ سے بہت پر اہل کار سامنا ہے۔“

”آپ اگر ایسا سوچ رہی ہیں تو ایک بار بحر قزاق سوچ رہی ہیں۔ کوئی این جی اوز بیورو کرسی کو نقصان پہنچا سکتی ہے نہ الیٹ کا اس کو۔۔۔۔۔۔ کیونکہ ہر این جی اوز الیٹ کا اس کی بنائی ہے۔ بڑے بڑے بیورو کرسی کی جگہات۔۔۔۔۔۔

سیاستدانوں کی بیویاں، صنعت کاروں کی بیویاں کیا تم نے بھی کوئی ایسی این جی اوز بھی ہے جسے لوئر مل کا کوئی مرد یا عورت چلا رہا ہو، یا کسی اسکول کا بچہ کسی کسان کی بیوی کوئی مزدور اس کی بیوی۔۔۔۔۔۔ نہیں تم ایسا کبھی نہیں دیکھو گی اور

تمہارا خیال ہے کہ بیورو کرسی کی بیویاں بیورو کرسی کے خلاف کام کریں گی۔ صنعت کاروں کی بیویاں انڈسٹریل کا اس کے مفادات کے خلاف کام کریں گی اور سیاستدانوں کی بیویاں اپنے شوہروں کی دھاندلیوں کے خلاف لوئر مل کا اس کو آکساکر انقلاب لے آئیں گی۔ بہت چکا نہ سوچ ہے تمہاری جنہیں بہت کچھ یکساں ہے ابھی۔“ وہ جیسے اپنی باتوں سے خود ہی محظوظ ہوتا رہا۔

”میں تو بالکل خوفزدہ نہیں ہوں کسی این جی اوز سے بلکہ اگر کبھی میں نے شادی کی۔۔۔۔۔۔ تو میں بھی اپنی بیوی سے کھوں گا کہ وہ ایک این جی اوز بنائے اسے بھی کچھ کرنا دیکھو دیکھو ہرگز نہ دیکھو ہرگز نہ دیکھو۔ فری میں باہر سے تیار ہوں جس کا بچہ بڑے چارے جاتیں گے شہرت لے گی دولت ہوگی اثر و دستور ہو جائے گا۔ بیورو تفریق کے مواقع ملتے رہیں گے پھر کبھی کو بچوں کی بیرون ملک تعلیم کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ وہ بھی پیش کریں گے۔“

عمر کی جھجکی ایک دم ختم ہو گئی تھی اب وہ جیسے طیلوہ کو چڑا رہا تھا۔

”اور تم۔۔۔۔۔۔ طیلوہ تم بھی ٹھیک ہو جاؤ گی۔ اگر تمہاری شادی کسی بیورو کرینٹ سے ہوئی، پھر تم بھی ایسی ہی کسی فراڈ این جی اوز کی زوجہ رہاؤ گی۔ ہر تیسرے دن پریس کانفرنس کر رہی ہو گی۔ سڑک پر چاکلوں بھی نکالا کر گی۔ مختلف کارڈ کیلئے واکس اریج کروایا کر گی بیرون ملک کے چکر پر چکر لگیں گے اور پھر اگر کہیں دس سال بعد

بہنیں اسی ٹیبل پر بیٹری تم سے اور تمہارے سر پر سے ملاکت ہوگی تو تم اسٹاکس سی مارکیٹ بنے۔۔۔۔۔۔ انڈیڈ سے لہری ہوگی میری طرح سٹرل دائری ہوگی سے پانی پیتے ہوئے مجھے بتا رہی ہوں گی کہ تمہاری این جی اوز صاف پانی کی چٹائی کیلئے کس قدر محنت کر رہی ہے اور تمہارا شوہر تمہاری باتوں پر مسکرا کر کہے گا تمہارا شوہر کہ تمہاری بیوی ٹی بی ٹی بیڈ ہوئی ٹی بی ہے۔ کیوں مگر ٹی بی؟“

ناؤ عمر کی بات پر عمر کی جنہیں، طیلوہ کا چہرہ یکدم سرخ ہوا پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ یکدم اپنی کرسی سے کھڑی ہو گئی۔

”ایسا کبھی نہیں ہوگا۔۔۔۔۔۔ اس نے بلند آواز میں کہا۔

”اور پھر ایک چھپا کے کے ساتھ ڈانٹک دم سے نکل گی، عمر اور ناؤ کے چہرے کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔

”طیلوہ ناراض ہو گئی ہے، میں دیکھتا ہوں۔“ عمر نے کچھ محضرت خواہانہ انداز میں ناؤ سے کہا اور ڈانٹک ٹیبل سے اٹھ گیا۔

اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے وہ کچھ شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی چھوٹی سی بات پر اس طرح رونا شروع کر دے گی۔

دروازے پر ایک بار دستک دینے کے بعد وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپانے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ دروازہ کھلنے پر اس نے ہاتھ ہٹا کر دیکھا تھا اور عمر کو دیکھتے ہی وہ آگ بگولہ ہو گئی۔

”اب آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟“ کالوں پر بیٹھے آنسوؤں اور سرخ چہرے کے ساتھ اس نے عمر سے پوچھا۔

”کم آن طیلوہ! میں غماز کر رہا تھا۔“ عمر نے دروازہ بند کرتے ہوئے جیسے اسے بھلائے ہوئے کہا۔

”آپ کیلئے ہر جہز ملاقا کیوں ہے؟“ عمر نے اسے پہلی بار اس موڈ میں دیکھا تھا۔ ”اور میری ہر بات ہی ملاقا کیوں ہے۔ آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟“

”یار! اتنا فصر۔۔۔۔۔۔ عمر نے مسکراتے ہوئے اسے فضا کرنے کی کوشش کی۔

”آپ کو میرا مذاق اڑانے کا کیا حق پہنچتا ہے؟“ وہ اس کی کوشش سے متاثر نہیں ہوئی۔ ”آپ کو اپنے علاوہ دوسروں کی ہر بات مذاق لگتی ہے۔ کیا یہ پسند کریں گے کہ میں بھی مذاق میں آپ کے بارے میں ایسی باتیں کروں جیسی آپ کرتے ہیں۔“ وہ آخر کار اس میں روئے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”میں انکسکرت کرتا ہوں۔ میں نے سوچا کہ کیا غلط تھا۔ میں انکسکرت کرنے ہی یہاں آیا ہوں۔“ عمر نے ایک دم دونوں ہاتھ اٹھا کر اس سے کہا۔

وہ اب بھی بولتی رہی ”آپ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں اپنی sense of judgement استعمال کر کے اپنی رائے بناؤں اور جب میں ایسا کرتی ہوں تو آپ مجھ پر جھٹے ہیں۔ میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ کے نزدیک دنیا میں آپ کے علاوہ کوئی دوسرا صحیح رائے رکھنے کے قابل ہی نہیں ہے۔“

"علیہ و اہل نے ایسا نہیں کہا۔ میں جنہیں ہرٹ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے بغیر سوچے سمجھے ہی ایک بات کہی۔" عمر بالکل عافانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھا مگر علیہ و اہل کی بات نے بغیر بول رہی تھی۔

"میں نے اپنی جی اوز کے بارے میں جو کچھ کہا تھا کھلم کھلا۔ میں نے جو دیکھا، جو محسوس کیا وہی بتایا۔ میں نے آپ کی رائے کا مذاق نہیں اڑایا۔ میں نے آپ کی ہر بات کی مگر آپ..... آپ میری باتوں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں..... ایٹھ؟"

عمر کے چہرے سے اب سکرماٹ بالکل غائب ہو چکی تھی۔

"آپ کو لگتا ہے، دنیا میں آپ کے علاوہ اور کوئی محسوس نہیں ہے۔"

"میں نے ایسا نہیں کہا۔"

"آپ کو لگتا ہے کہ آپ کے علاوہ کسی کے پاس sense of judgement (پرکھنے کی صلاحیت)

ہی نہیں ہے۔"

"تم اس وقت غصے میں ہو، جنہیں چاہئیں تم کیا کہہ رہی ہو۔ میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔"

عمر یکدم پلٹ گیا مگر علیہ و اہل کی رفتار سے اس کے راسے میں آگئی۔

"نہیں آپ میری بات نہیں، اس کے بعد جائیں۔"

"میری ایک چھوٹی سی بات پر اتنا مشتعل ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔" عمر نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے آپ کی کسی بات پر مشتعل نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ کو ہر بات کہنے کا حق ہے لیکن مجھے کچھ بھی کہنے کا حق نہیں ہے۔"

"تم بہت کچھ کہہ رہی ہو علیہ و اہل اور میں بھی رہا ہوں۔ اس کے باوجود کہ تمہارا رویہ بہت انسٹلنگ ہے۔"

"میں نے آپ سے کیا کہا ہے؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ جو کچھ آپ مجھ سے کہہ چکے ہیں، اس کے

سامنے تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ اب بھی اسی طرح برہم تھی۔

"میں اپنی بات کیلئے ایکسکوز کر چکا ہوں۔"

"آپ ہمیشہ یہی کرتے ہیں۔ انسٹل کرتے ہیں۔ پھر انسٹل کرتے ہیں اور ایسا بار بار کرتے رہتے ہیں۔"

علیہ و اہل غلط کہہ رہی ہو..... عمر جی الامکان اپنے لہجے کو ڈال کر دھڑکا رہا تھا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔ آپ نے اس دن بھی میری انسٹل کی تھی جب انکل جہاگیر کے ساتھ آپ

کا جھڑپا ہوا۔"

عمر کے چہرے کے تاثرات یکدم تبدیل ہو گئے۔ "وہ تمہاری غلطی تھی، تم میرے کمرے میں اس طرح

کیوں آئی تھی۔" اس نے سرد آواز میں علیہ و اہل سے کہا۔

"میں آپ کو اس بات پر غصہ نہیں آیا کہ میں آپ کے کمرے میں اس طرح کیوں آئی تھی۔ آپ کو غصہ

اس بات پر آیا تھا کہ میں یہ بات جاننا ہی گوی کہ آپ ڈرک کرتے ہیں۔"

"جنہیں پتہ چل گیا تو کیا فرق پڑتا ہے اور تم ہو کہ جس کو یہ پتا چلے مجھے کوئی فکر ہوگی۔" اس کی آواز میں اب تلخی تھی۔

"میں نے ناؤ کو نہیں بتایا کہ آپ ڈرک کرتے ہیں۔ اگر میں ناؤ کو بتا دیتی تو....."

عمر کی اس کی بات پر یکدم جھڑک اٹھا۔ "تو پھر..... پھر کیا ہوتا؟ وہ مجھے شوٹ کر دیتیں یا اس گھر سے نکال دیتیں۔ تم جس کو چاہو بتاؤ مجھے کوئی پروا نہیں، اس گھر کا کون سا مرد شراب نہیں پیتا۔ وہ خود گریڈ پاؤ ڈرک کرتے دیکھتی رہی ہیں۔ وہ کس منہ سے مجھ سے اس بارے میں بات کر سکتی ہیں۔"

علیہ و اہل نے رونما ہوا لہجہ میں کہا۔ "آپ کو شرم آتی چاہیے۔ اس طرح کی بات کرتے ہوئے۔"

"مائیکل یور لینکویٹ علیہ و اہل کو اس کا رنگی گواہ اور میں سن چکا ہوں۔ اب اپنا منہ بند کر لو تو بہتر ہے۔"

"مجھے آپ سے نفرت ہے۔ آپ دنیا کے سب سے گندے اور بدترین آدمی ہیں۔"

وہ بلند آواز میں چلائی۔ جو اب عمر نے اس کے چہرے پر زنا نے وار چھڑا مارا تھا۔ علیہ و اہل پر ہاتھ رکھے بالکل ساکت رہ گئی تھی۔ دنیا میں آخری چیز جو وہ کسی سے توقع کر سکتی تھی، وہ عمر کا خود پر ہاتھ اٹھانا تھا۔ وہ پلیس چیکے بغیر بے چینی کے عالم میں اس کا پھرہ دیکھتی رہی۔

"مجھے اپنے بارے میں کسی شخص کے تہمرے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے اٹھ کر کہا اور پھر وہ تیز قدموں کے ساتھ رے بغیر کمرے سے نکل گیا۔



”عمرا جہانگیر کے بارے میں اتنا بگمان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمہاری بہت پروا کرتا ہے۔ تم اس کے بیٹے ہو۔ وہ تمہارے رویے کی وجہ سے بہت نگر مند رہتا ہے۔“ لیتھ انکل یکدم سنجیدہ ہو گئے۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں ان کی اولاد ہوں یا ان کا بیٹا ہوں۔“

”کیوں فرق نہیں پڑتا۔۔۔ تم جہانگیر سے پوچھو، کتنی اہمیت ہے اس کے نزدیک تمہاری۔“

”میں ان کی انگوٹھی اولاد نہیں ہوں۔ دوسری بیوی سے بھی ان کی اولاد ہے اور اب۔ اب تیسری سے بھی ہو جائے گی۔“ اس کے لیے میں سختی تھی۔

”مگر تم اس کے سب سے بڑے بیٹے ہو۔ تمہاری اور اس کی بہت اچھی اسٹینڈنگ ہوئی چاہے روند آگے چل کر اور پھر ہو گی۔“

عمر نے غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔ ”کیا مطلب! آگے چل کر کیا پراہلو ہوں گی؟“ عمر نے کچھ الجھ کر کہا۔

”وہ تمہارے مستقبل کے بارے میں کچھ بات کر رہا ہے۔ کل جب تمہاری شادی کے بارے میں اگر وہ کوئی فیصلہ کرنا چاہے گا تو اس طرح کے نگرانوی کی صورت میں پراہلو ہو گا۔“

”لیتھ انکل نے اتنے قابل انداز میں یہ بات کہی کہ وہ ان کا چہرہ دیکھ کر رو گیا۔“

”میں آپ کی بات نہیں سمجھا ہوں۔ آپ کس کی شادی کی بات کر رہے ہیں؟“ اس نے سر آواز میں کہا۔

”تمہاری شادی کے بارے میں؟“

”میری شادی کے بارے میں پاپا کچھ طے کیوں کریں گے؟“

”وہ تمہارا باپ ہے۔“

”نہی۔۔۔“

”معاذ جیہیں شادی۔۔۔“

اس نے یکدم لیتھ انکل کی بات کاٹ دی۔ ”انکل! آپ مجھ سے جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہیں، صاف صاف کہیں۔ کیا پاپا نے میری شادی کے بارے میں آپ سے کچھ کہا؟“ وہ جیسے بات کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔

”لیتھ انکل کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔“ شادی تو نہیں! ہاں البتہ وہ تمہاری انگوٹھ ضرور دیکھنا چاہتا ہے۔“

”کس سے؟“

”یہ میں نہیں جانتا۔“

”بہت خوب، بہتر حال پاپا کو بتا دیں کہ مجھے شادی نہیں کرنا۔ آج نہ ہی آئندہ کبھی اور جس سے وہ میری انگوٹھ دیکھنا چاہے ہیں اس سے خود شادی کر لیں۔“ اس کی آواز میں سختی تھی۔

”یہ اگر تم خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں تو ویسے ہی بات کی جی ایک۔۔۔۔۔ اس نے گون سا کچھ طے کر لیا ہے۔“

”تم مجھے یہ بتاؤ کہ صفدر مقصود کے ساتھ کسی ملاقات رہی تمہاری؟“

تمہارا جہانگیر کے ساتھ کوئی جھگڑا ہے، اس شام لان میں چائے پیچے ہوئے ہاتھوں کے دوران اچانک لیتھ انکل نے اس سے پوچھا۔

عمر چنکا ”نہیں۔“ اس نے بڑے ڈاڑل اعزاز میں کہا۔

”اچھا! لیتھ انکل نے حیرت کا اظہار کیا۔“ جہانگیر تو کہہ رہا تھا کہ آج کل اس سے کچھ ناراض ہو۔ تم دونوں کے درمیان کوئی بات ذات نہیں ہوتی؟“

”لیتھ انکل نے چائے کے سب لیے ہوئے بڑے جتانے والے انداز میں کہا۔

”نہیں، بات تو ہو جاتی ہے مگر کوئی خرگوشہ انداز میں نہیں ہوتی۔“ عمر نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔

”اچھا! کیوں؟“ لیتھ انکل نے خاموشی سے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

عمر نے ایک گہری نظر ان پر ڈالی۔ ”پاپا خرگوشہ انداز میں کسی خرگوشہ صورت عورت سے ہی بات کرتے ہیں۔

یاد رکھو! سیاست دان سے۔“

”لیتھ انکل نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔ عمر اسی طرح بے تاثر چہرے سے انہیں دیکھ رہا۔ بے مثل اپنی فنی روکے ہوئے انہوں نے کہا۔“ you have a very good sense of humour“ (تمہاری صحت مزاح بہت اچھی ہے) مگر اس طرح کی بات جہانگیر کے سامنے مت کرنا۔“

”روند وہ تو جی شادی کر لیں گے۔ ہے نا۔۔۔۔۔ عمر نے لاپرواہی سے کہہ کر ایک بار ہجر چائے چٹا شروع کر دیا۔“

”اسی قسم کی باتیں تم جہانگیر سے کرتے ہو، اسی لیے تو وہ اتنا پریشان رہتا ہے۔“

”ایکسکیوز می! پاپا میری وجہ سے پریشان نہیں ہوتے۔ وہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کے بارے میں پریشان ہوتے ہیں نہ ہی کسی دوسرے کی وجہ سے پریشان ہوتے ہیں۔“

عمر نے چائے کا کپ سامنے پڑی ہوئی میز پر رکھ دیا۔

لشیں اٹکل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "اور میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"
 "آپ کے بارے میں آپ کے سامنے بیٹہ کر کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ میں نہیں جانتا کہ آپ مجھے انشوا کر
 اس گھر سے باہر بھیجا دیں۔" اس ہاں نے اپنے بچے کو سکر اکر کہا۔ "لشیں اٹکل کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔
 "تم قدر ساروں جوانی کرلو مگر میں تم سے چھوٹا ہوں گا تم کسی کی بہن نہیں بن سکتی۔" جب
 تمہارے اوپر بیٹھے ہوئے سارے افسران اور ان کے اوپر موجود سارے کلونی عہدہ دار تمہارے سامنے اپنے اصل
 چہروں کے ساتھ ہوں گے اور تم تجربہ نہیں کر سکتے پھر دو۔۔۔ پھر میں دیکھوں گا کہ تم کر پھٹیں گی عزت
 کیسے نہیں کرتے۔" لشیں اٹکل کے لیے یہ نئی جگہ تھی۔

”خبر کہنے میں اور عزت کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ میں بہت سے لوگوں کو سر کہتا ہوں مگر ان کی عزت نہیں کرتا بلکہ اگلے ہی جیسے میں بہت سے لوگوں کی عزت کرتا ہوں مگر انہیں سر نہیں کہتا، اے الے مجھے کسی کو سر کہنے میں کوئی بار نہیں ہوگا مگر میں کسی کو عزت نہیں کروں گا۔“

"اس ملک میں اپنی جان بھانپ کر دینا ہوتا ہے۔ پتا ہے کہ کون کس کے بغیر یہاں نہیں ہو سکتا۔ سردی جوں کی تو ہے جب ہمیں پتا چلے گا کہ اس جاہ میں کیا کیا رہتا ہے! میں جب دعویٰ دارہ ہزار کے ساتھ ایک مہینہ گزارنا پڑے گا..... وہی مگر انہر بن کر..... تو تمہارے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے تب میں تمہیں بتا دوں گا کہ کون کس کے بغیر کسی سفارت خانے میں ہونا ہے والے جنم زفر اُنک نہیں کر سکتے کیونکہ وہاں پہنچنے کیلئے مجھے بھی ختم نہیں تو کم از کم ایک سوٹ تو ضروری ہے جیسے وہاں اور ایسے سوٹ کی قیمت کم از کم تہائی آنچوہ لپڑی نہیں کر سکتے گی۔"

عمر نے ان کی باتوں کے جواب میں اسے روک لیا، اگلے لمحہ کیا۔ وہ اس خاموشی سے مسکرایا۔
 ”عمر! یہاں سیکورٹی ضروری نہیں ہوتا کہ ہر شخص جو جیسے پسند نہیں آتا اس کے ساتھ رابطہ نہ رکھا جائے۔ کسی کے ساتھ کوئی بھی کام پر سکا ہے۔ پھر ایسے وقت تعلقات ہی کام آتے ہیں۔ مجھے حرت سے جہانگیر نے نہیں اب تک یہ سب کچھ دکھا یا کیوں نہیں؟ یہی درود کرشن کے بچے تو اکیس باتوں کے بارے میں خاصے باخبر ہوتے ہیں۔ کم از کم انہیں یہ نہیں بتانا پڑا کہ سمجھنا ہمارے پروفیشن کی کتنی ہی ضرورت ہے۔ کوئی شخص پسند نہی آتے تو بھی اس کی تعریف کر دیتے ہیں کیا ہر جگہ ہے۔“

”اگلے! آپ بہت اچھے ہیں“ عمر نے دریاں منان کی بات اچھٹے ہوئے یکدم جھنجھکی سے کہا۔
 لیکن اگلے کیوں طور پر اس کے جھلے پر حیران ہوئے عمر مجرور وقتہ مار کر شش پڑے۔ ”تم اگر جہاں گھر کے
 بیٹے ہو تو اس جھلے کے بعد اس گھر میں رہ سکتے تھے اگر اب میں تمہیں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ تم سب کچھ خود
 ہی سکاؤ گے۔“

انہوں نے مجھے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

☆☆☆

ذوالقرنین سے علیزہ کی دوسری ملاقات بھی شہلا کے ساتھ ہی ہوئی تھی، علیزہ کالج سے واپسی پر شہلا کے

تعلیق اٹکل نے یکدم بات کا موضوع بدلتے ہوئے سائیکا لو جسٹ کا نام لیا۔
 ”میں نے پاپا سے پہلے بھی کہا تھا، مجھے کسی سائیکا لو جسٹ کے ساتھ سنگ کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے یہ سائیکا لو جسٹ ایک ایک واک ہے۔ مجھے مفرد مقصود جیسے لوگوں کی گائیڈنس کی ضرورت نہیں ہے۔“
 ”کسی بھی چیز کو اتنا سرسری نہیں لیتا چاہیے۔ بعض دفعہ یہ تعیناد دہی ہوتا ہے۔ مفرد مقصود نے ہی بعد میں تمہارا اندر پرجو کرنا ہے۔ اس لیے جو کچھ وہ بتاتا ہے، اسے غور سے سنا کرو۔“ تعلیق اٹکل نے اسے تنبیہ کی۔
 ”جو شخص جہانگیر عہد کے ساتھ چھتیس سال گزار کر بھی پاگل نہیں ہوا، وہ دھنیا کیا ہے، بہت ہی پازینو پرستانی رکھتا ہو گا اور دیکھو یہ پبلک سروس کمیشن کے سائیکا لو جسٹ کیا جان سکتے ہیں، انسان کی شخصیت کے بارے میں اس کے اپنے اندر راسخے کاٹکسکو ہوتے ہیں کہ ان سے دس منٹ بات کرنے کے بعد ان پر قریب آئے لگتا ہے۔ مجھے وہ مفصل چھانچا نہیں لگتا۔“ عمر نے بڑی صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”وہ بہت ماہر سائیکالوجسٹ ہے۔“ تین اٹکل نے مفرد مقصود کو سراہا۔
 ”ہوسکتا ہے مگر اس کی اپنی پرستاشی..... مجھے کچھ زیادہ متاثر نہیں کر سکی.....“ تین اٹکل بے اختیار اس کی بات نہ بنے۔

”فادرا کا ڈسک عمر! یہ بات کہیں اس کے سامنے مت کہہ دیتا۔“
”کہہ دیتا کیا مطلب!..... میں کہہ چکا ہوں۔“ عمر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

”تمہارا باپ تمہارے بارے میں جو کچھ کہتا ہے ٹھیک ہی کہتا ہے۔ تم واقعی اپنے دوسروں کیلئے براہِ عملہ پیدا کر دیتے ہو۔ اب مفرد مقصود اگر اس طرح کے رہا کر کسی پر ناغہ نہ ہو گیا تو.....“ لیلیٰ اٹھ کر ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

”کسی کرپٹ شخص میں سیلف ریہیکٹ نہیں ہو سکتی اور منظور مقصود ایک کرپٹ بندہ ہے۔“ عمر کے لہجہ میں نمارت تھی۔

”فضول پاشا مت کرو۔۔۔۔۔ وہ تمہاری مدد کر رہا ہے اور تم اس کے بارے میں اس طرح کی باتیں کر رہے
 ۔“ فیض اہل نے کچھ جھنجھکی سے اسے کہا۔

”مددہ اپنے مقصد کیلئے کر رہا ہے۔ مجھ پر کوئی احسان نہیں کر رہا۔ اس کی مدد کے بغیر بھی میں کامیاب ہوں۔“ عمر پران کی ڈانٹ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

”سودی انکل! کم از کم میں کسی کہ پٹ فحش کی عزت نہیں کر سکتا۔“ عمر نے بڑے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”جہانگیر..... بھی..... کر پٹ..... ہے۔“

”عزیز! آپ انہیں کہاں لے جا رہی ہیں۔ بھئی! میں تو آپ دونوں کو لچ کر دوانے کا سوچ رہا ہوں۔“
ذوالقرنین نے فوراً غصہ کیا۔

”وہ لچ؟ ضرور۔“ شہلا فوراً آمادہ ہو گئی۔

”نہیں۔ بہت دیر ہو رہی ہے ابھی مجھے شہلا کے گھر جانا ہے اور پھر واپس اپنے گھر بھی جانا ہے۔“ عزیزہ نے نظریں ملائے بغیر فوراً کہا۔
”یار میرے گھر جا کر بھی تو ہم نے کھانا ہی کھانا ہے۔ اب ذوالقرنین آفر کر رہے ہیں تو ٹھیک ہے چلتے ہیں۔ ایڈو مجر رہے گا۔“ شہلا نے اپنا بازو اس کے گھٹوں سے چمڑاتے ہوئے کہا۔

”نہیں! شہلا دیر ہو رہی ہے۔“

”بھئی! کبھی کسی دیر ہو جانے میں کوئی ہرج نہیں۔ اس کو بھی ایڈو پھر ہی سمجھیں۔“ ذوالقرنین نے عزیزہ کے انکار کے جواب میں کہا۔

”نہیں۔ مجھے جانا ہے۔“

”یار! جب کوئی اتنا اصرار کرے تو اس کی بات مان لینی چاہیے۔ روز روڑا پیسے لوگ کہاں ملتے ہیں جو خود بخود ہی لچ کی دعوت دیتے پھریں۔“

شہلا پر بھی عزیزہ کے انکار کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

پھر عزیزہ کے مسلسل انکار کے باوجود وہ دونوں اسے ایک ریسٹورنٹ میں لے گئے تھے۔ ذوالقرنین اور شہلا لچ کے دوران مسلسل چپکے رہے تب جبکہ عزیزہ بمبھل اپنے مطلق سے کھانا بیچے اتاری رہی۔ ذوالقرنین کے سامنے اس طرح بیٹھ کر کھانا کھانا اس کیلئے ایک بالکل نیا تجربہ تھا۔ اسے اس کی باتوں پر ہلکی بھی آڑی تھی اور ساتھ ہی خوف بھی تھا کہ اگر نانو کو یہ پتہ چل گیا کہ وہ شہلا کے گھر کے بجائے اس دقت کسی انہماں شخص کے ساتھ بیٹھ لچ کر رہی ہے تو وہ شاید قیامت ہی اٹھا دیں گی۔ ذوالقرنین بار بار اسے مخاطب کر رہا تھا وہ نروس ہو رہی تھی۔ شاید اسے اس کا اندازہ بھی تھا، اس لیے وہ بار بار اس حوالے سے بھی فراق میں تھرستے رہ کر رہا تھا اور عزیزہ کی گھبراہٹ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک مختصر ریسٹورنٹ میں گزرا کر وہ دونوں وہاں سے نکلے تھیں اور جب تک عزیزہ وہاں ہی ہو چکی تھی۔ شہلا کے گھر جانے کے بجائے وہ اس کے ڈرائیور کے ساتھ واپس گھر آ گئی۔

نانو کو اس کے اس ایڈو پھر کا پتہ نہیں چلا سکا۔ اگلے چند دن وہ اس خدشہ سے ہوتی رہی کہ انہیں کسی نہ کسی ذریعے سے کہیں ذوالقرنین کے ساتھ کیے جانے والے اس لچ کا پتا نہ چل جائے مگر نانو کو پتا نہیں چل سکا تھا۔ وہ ایک بار پھر نانو کو دکھا دینے میں کامیاب رہی تھی اور اس کا سامانی لے اسے غیر محسوس طور پر خوش کیا تھا۔ نہ صرف وہ خوش تھی بلکہ اس کے اعتماد میں بھی کچھ اضافہ ہو گیا۔ لیکن وہ بھی کہ چند دن بعد..... ذوالقرنین کے ساتھ فون پر بات کرتے ہوئے اس نے جب اس سے دوبارہ ملنے پر اصرار کیا تو وہ کوشش کے باوجود بھی انکار نہیں کر سکی۔

ان کی اگلی ملاقات فیروز سبز پر ہوئی تھی اور اس بار وہ اکیلی تھی۔ نانو اس سے کچھ کتابیں خریدنے کے کیلئے

ہاں جانے کیلئے اس کے ساتھ گئی، راستے میں دونوں اُنس کریم کھانے کیلئے لیوٹی میں رگ ٹھیکس اور اُنس کریم کھانے کے ساتھ وہ ڈسٹو شاپنگ میں مصروف تھیں۔ جب بیو کی ایک آواز نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا، وہ ذوالقرنین تھا۔ عزیزہ اسے دیکھتے ہی حواس باختہ ہو گئی۔

”ارے آپ..... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟“ شہلا نے ذوالقرنین کو دیکھتے ہی غامضی حیرت اور بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔

”تقریباً ہی کر رہا ہوں جو آپ لوگ کر رہی ہیں۔“ اس نے عزیزہ پر نظریں جماتے ہوئے کہا جس کیلئے وہاں کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا۔

”دیکھئے آپ کا کیا خیال ہے ہم یہاں کیا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟“ شہلا نے غامضی سے کہا۔

”آپ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھیں۔“ جواب دینے والے نے کمال اعتماد سے کہا۔

”ارے واہ..... آپ کو تو اچھی غامضی نہیں ہے۔ اپنے بارے میں۔“

”اگر خوش نہی ہے تو کچھ ایسا غلط بھی نہیں ہے۔“ آخر ازل میں اچھا خاصا کونٹنگلک بندہ ہوں۔ ایسی خوش فہمیاں افروز کر سکتا ہوں۔ کیوں عزیزہ؟“ اس کے لہجے میں شرارت تھی اور عزیزہ کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے ہٹا کر جانے۔ ”دیکھئے یہ سوال آپ نے عزیزہ سے ہی کیوں کیا ہے؟ مجھ سے بھی کر سکتے ہیں۔“ شہلا نے دوبارہ جواب دیتے ہوئے کہا۔

”آپ مجھے عزیزہ جیسی باذوق نہیں لگتیں، اس لیے آپ سے رائے لینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ اس کی بے تکلفی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

”اچھا اور عزیزہ کے ذوق کے بارے میں آپ کیسے جانتے ہیں؟“ شہلا اب باقاعدہ بحث پر اتر آئی۔

”عزیزہ کے صرف ذوق کے بارے میں ہی نہیں جانتے اور بھی جانتے کچھ جانتے ہیں ہم۔“ اس بار ذوالقرنین کا لہجہ معنی خیز تھا۔

”مثلاً؟“ شہلا نے عجیب سا چٹکا لے دیا۔

”یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر بات آپ کو بتانی جائے کس شہلا۔“

”ارے اس طرح آپ نے انہیں سمجھ لیں۔“ جب عزیزہ سے رابطہ کرنا چاہ رہے تھے تو واحد ذریعہ میں ہی نظر آ رہی تھی اور اب..... اب مجھے کچھ بتانا بھی ضروری نہیں لگ رہا۔“ شہلا یکدم بار بار مٹی۔

”تم فضول مت بولا کرو۔ اب چلو یہاں سے۔“

عزیزہ نے یکدم اس کا بازو پکڑ کر کھینچ شروع کر دیا۔ اس نے شہلا کو یہ ضرور بتایا تھا کہ ذوالقرنین نے اسے چند بار فون کیا تھا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اس سے مسلسل رابطہ رکھے ہوئے ہے اور اسے خوف تھا کہ مذاق میں ہونے والی اس گفتگو کے دوران ذوالقرنین کوئی ایسی بات نہ کر دے جس سے شہلا کو یہ پتہ چل جائے کہ اس نے ذوالقرنین سے رابطے کے بارے میں اس سے جھوٹ بولا ہے۔

برطرف کیا جا چکا تھا اور اب عبوری حکومت ملک چلا رہی تھی اور بیسویں صدی کے اس آخری عشرے میں جمہوریت کے اس پہلے تجربے کی ناکامی کے بعد جانے والی حکومت کے مختلف مہمیداروں کی طرف سے کی جانے والی حاکماتوں پر کھل کر چنسا ہار چلا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ آج کے والی حکومت کے بارے میں اندازے لگائے جا رہے تھے۔

”ایک بات تو طے ہے کہ اگلے ایکشن میں یہ پارٹی تو برسرِ اقتدار نہیں آسکتی جس کی حکومت برطرف کی گئی ہے۔“

عمر کوک کے سب لیے ہوئے خاموشی سے گفتگو میں حصہ لے کر صرف ہونے والی گفتگوں رہا تھا۔ ایک ان سروں بیورو کریٹ کے اس نپٹے پر ہر کے اطراف بیٹھے ہوئے تمام لوگوں نے ایک دوسرے کے ساتھ سرگراہوں کا چارہ لگایا۔

”میں تو چاہتا ہوں کہ دوسری پارٹی کے بجائے تیسری پارٹی آجائے۔“ شفیق اٹکل کے اس متنی خیز نپٹے پر اس بار پھر انہیں بچے پھٹکے قبیلوں میں تبدیل ہو گئیں۔

”آپ تو یہی چاہیں گے شفیق صاحب! آخر آپ کا پورا سرال تیسری پارٹی میں ہے۔“

زمان شاہد اپنی ایک میسر بیورو کریٹ نے شفیق اٹکل کے سرال کے فونی بیک گراؤنڈ کی طرف اشارہ کیا۔

اس نپٹے پر ایک بار پھر پتھر اٹھری۔

”یار! بہت عرصہ کیوں ہمارے سرال والے پچھلے دس بارہ سالوں میں جنہیں..... اب ہم جیسے لوگوں کے سرال والوں کو بھی ہماری خدمت کا موقع دو۔“

حسین شفیق کی بیوی کا تعلق ایک سیاسی گھرانے سے تھا اور ان کو توقع تھی کہ اس بار گران کی بیوی کے معروف گھرانے کی پارٹی ایکشن جیت کر وہ ایک عہدہ صوبائی وزارت ان کی بیوی کے باپ یا بھائی کی جیب میں گئی۔

”تیسری پارٹی ہمیشہ سے ہی حکومت میں شامل رہی ہے۔ ڈائریکٹ نہیں تو ان ڈائریکٹ طریقے کے مدد پر ہمیشہ حکومت کے آگے پیچھے اور اپنے رہتے ہیں اور ان کی حکومت کے ساتھ بھی یہی ہوگا، کیوں صاحب؟“

رابعہ سعید نے اس بار میز پر بیٹھے ہوئے ایک ریٹائرڈ جنرل کو خاموشی سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”یہ آگے پیچھے اور اپنے رہتے ہیں آپ نے خوب کہا مگر دایم بائیں کو کیوں بھول گئے۔“

ریٹائرڈ جنرل جیسے ان کے تمبرے پر محفوظ ہوا۔

بیز کے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں نے ایک لگاؤ کا ایک تہقہ لگایا۔

”جی! تم لوگ مجبور کر دیتے ہوئے آگے پیچھے اور اپنے رہتے پر۔“ جنرل نے اپنا بائیں سگاتے ہوئے کہا۔

”قریبی صاحب! یہ نہ کہیں۔ یہ کہیں کہ اقتدار کا انشا ایسا ہے کہ ایک بار لگ جائے۔ پھر چھوٹا نہیں۔“

شاہد زمان نے جنرل کو مخاطب کیا۔

”بھئیں..... آپ یہی سمجھ لیں۔ کچھ خراب آپ کو ہے۔ کچھ نہیں۔“ وہ کیا کہتے ہیں۔ ایک ہی صف میں

دارکیت جانے کا کہا اور فیروز ستر پنچ کر اس نے ڈرائیور کو ایک گھنٹہ تک انتظار کرنے کیلئے کہا۔

ڈرائیور نے اندر پہلے ہی اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس دن وہ ایک گھنٹہ میں اندر کھڑے بائیں کرتے رہے۔ اگلی ملاقات امریکن سینٹر میں ہوئی۔ اس کے پاس امریکن سینٹر اور پرنس کونسل کی لائبریری کی ممبر شپ تھی۔ اور پہلے بھی اکثر ان دونوں جگہوں پر جایا کرتی تھی۔ صرف یہ دو جگہیں ایسی تھیں جہاں جانے کی اسے بڑی آسانی سے اجازت مل جایا کرتی تھی۔ اب یہ دونوں جگہیں اس کیلئے ملاقات کا مقام بن چکی تھیں۔ علیحدہ کو وہاں یہ خوف نہیں ہوتا تھا کہ کوئی ڈرائیور اس کے ساتھ دیکھے جانے پر ناٹو کا اندام کر دے یا کوئی دھوکہ دے یا بھانپا جاسکتی تھی۔ وہاں بہت سے لوگ آتے جاتے رہتے تھے اور کہا جاسکتا تھا کہ وہ کسی بھی سے کسی کی گفتگو کر رہی تھی۔

فون پر ڈرائیور نے ہونے والی گفتگو کا سلسلہ بھی طویل ہوتا ہوا رہا تھا۔ وہ ڈرائیور سے بات کرنے کیلئے رات دیک بج گئی رہتی اور پھر لاؤنج میں آکر اندر سے میں بیٹھ کر اسے فون کرتی اور پھر روز رات کو وہ ناٹو اور ناٹو کے کمرے میں موجود ایکشن بینک کے پلگ کو کھل دیتی اور پھر صبح سویرے جب ناٹو لوگ کیلئے نکل جاتے اور ناٹو نماز میں صرف ہوتی تو وہ ان کے کمرے میں جا کر دوبارہ اسے لگاتی۔

محرم کی تعریف اسے زیر کرنے کیلئے مرد کا سب سے بڑا اٹھیا رہتی ہے اور ڈرائیور نے اس اٹھیا کو بخوبی استعمال کر لیا تھا۔ اس سے بات کر کے علیز کو یوں لگتا تھا جیسے وہ اس دنیا کی مخلوق نہ ہو۔ اس کا تعلق کسی دوسری دنیا سے ہو۔ اس دنیا سے جہاں سے ڈرائیور نے تعلق رکھا تھا۔ اس کے سامنے بیٹھے ہوئے اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وہ کسی کیلئے کتنی اہم ہے۔ کوئی اس کے دیوے سے آنے پر ناراض ہو سکتا ہے۔ علیز و سکندر خود کو پہلی بار در پانت کر رہی تھی یا شاید زندگی کو پہلی بار در پانت کر رہی تھی۔

اس کیلئے ہر چیز پر عمل طور پر بدل گئی تھی۔ ڈرائیور نے جیسے ہر جگہ موجود رہنے لگا تھا۔ جہاں وہ نہ ہوتا وہاں اس کی ہڈیاں ہوتی، جہاں اس کی آواز نہ ہوتی وہاں اس کا خیال ہوتا جہاں اس کا خیال نہ ہوتا۔ وہاں..... وہاں علیز و سکندر کیلئے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ ہر بار فون رکھنے کے بعد وہ اگلے فون پر اس سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں سوچنا شروع کر دیتی۔ اسے کیا کہنا تھا..... ڈرائیور نے کس ہاتھ کے جواب میں کیا کہے گا اس کے ذہن میں اس کے علاوہ کچھ نہیں رہتا تھا۔

ان دنوں پہلی بار اس نے اپنے ذہن میں اپنے ماں، باپ کے بارے میں سوچنا ختم کر دیا تھا۔ ڈرائیور نے اس کی محبت سے جیسے دوسری ہر محبت، ہر رشک کی جگہ لے لی تھی۔ اسے اسے لگنے لگا تھا جیسے اپنے ماں، باپ کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ اپنا وقت ضائع کر رہی تھی۔ وہ عمر کوئی عمل طور پر فراموش کر چکی تھی۔

”آپ کا کیا خیال ہے اگلے ایکشن میں کون سی پارٹی کی حکومت آئے گی؟“

اسلام آباد میں ایک فیڈرل سیکریٹری کے گھر ہونے والی اس پارٹی میں عمر شفیق اٹکل کے ساتھ جس ٹیبل پر بیٹھا ہوا تھا، وہاں ان سروں اور ریٹائرڈ بیورو کریٹ کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی اور ہونے والی گفتگو کا موضوع اگلے ایکشن تھے۔ ملک میں مارشل لا کے ایک لمبے عرصے کے بعد بننے والی پہلی جمہوری حکومت کو کچھ عرصہ پہلے

کھڑے ہو گئے محمود اور دادو کوئی بندہ ہا نہ کوئی بندہ نواز۔" جزل قریٹی نے اس بار اس بیورو کرپٹ پر جوابی جملہ کیا تھا۔
"نہیں! یہ ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کو یہ کہنا چاہیے تھا۔

birds of a feather flock together (کنڈم جنس، باہم جنس پر دواز) ٹھیل پر بیٹھے ہوئے واحد سیاسی رہنما نے اپنے سامنے پڑا ہوا گلاس اٹھا کر دے گئے۔

"اجمل صاحب! آپ نے بیجولیں۔ ابھی اسی flock (ٹولے) کا حصہ ہیں۔" جزل قریٹی نے اس بار اجمل درانی سے کچھ طنزیہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے! سر تسلیم خم ہے جو مزاج یا مرام آئے۔" اجمل درانی نے بڑے سادہ مگر جتانے والے انداز میں سر جھکا کر دے گئے لہذا۔

"مگر ہمیں توئی افعال اگلے کچھ عرصہ کیلئے اس ٹولے سے باہر ہی سمجھیں۔" جزل قریٹی نے اچھا! ہماری طرح آپ کو بھی یقین ہے کہ اگلے ایکشن میں آپ کی تیاری اقتدار میں نہیں آ رہی۔"
لیتھ انکل نے اجمل درانی سے کہا۔

"بھی، اسے اسق توئی نہیں ہیں۔ ہمیں وہی دوبارہ لے کر آنا ہوتا تو ہمارا جتنہ پلٹنے اس طرح۔ مگر چلو۔۔۔ کچھ دیر بار بیٹھ کر تماشا دیکھتے ہیں۔ دیکھتے ہیں اگلے کھاڑی کس طرح پٹے ہیں۔" اجمل درانی کے لہجہ میں طنز تھا۔

"یہ تو کھاڑیوں پر ہے کہ وہ پٹے کیلئے آتے ہیں یا پٹے کیلئے۔" جزل قریٹی نے اس بار بھی طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔

"ارے جناب! دنیا کس کو ہے۔۔۔ آپ کو۔۔۔ یا ان کو؟" اجمل درانی نے بڑے معنی خیز انداز میں پہلے جزل قریٹی اور پھر شاہد زمان کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ بتائیے آپ کے بیٹا چاہتے ہیں کہ؟" جزل قریٹی نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔
"آپ تو ایسے پوچھ رہے ہیں جیسے انتخاب کا حق واقعی ہمیں دے رہے ہوں۔ بھی تم لوگوں میں سے جس کا دادو لگے گا۔ وہی پٹے گا۔ طنزیہ بیورو کرپٹ کی باری آئے گی تو وہ پٹے گی اور مول بیورو کرپٹ کا بس پٹے گا تو وہ بھی ویسی ہی تو مینج کرے گی تم۔" عوامی نمائندوں کی۔"

اجمل درانی نے شرب کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔
"ہاں! ابھی آپ جیسے۔" عوامی نمائندے۔" ہی تو کسی بھی قوم کا تپا یا پچ کر دیتے ہیں۔ آپ جیسے مظلوموں کا کیا کہنا؟"

جزل قریٹی کی بات پر ٹھیل کے گرد بیٹھے ہوئے دوسرے سامعین نے ایک بار پھر زرباشی قہقہہ لگایا۔
"جزل صاحب۔۔۔! اجمل صاحب۔۔۔! میں کچھ کہوں گا تو آپ کے ماتھے پر بھی خاصا لینڈ آ جائے گا۔"

قوم کا تپا یا پچ کرنے والوں میں بڑے بڑے نامور لوگ شامل ہیں۔" اجمل درانی کا لہجہ اس بار بھی طنزیہ ہی تھا۔
"اوسے بھی! چھوڑیں۔ کچھ اور باتیں کریں۔ آپ لوگ بھی کن باتوں میں الجھے ہوئے ہیں۔" ان کے پاس

سے گزرتے ہوئے ان کے میزبان فیڈرل سیکریٹری نے شاید ہونے والی گفتگوں کی جمنی، اس لیے وہ قریب آ گیا تھا۔
"اس بار آپ نے ڈرگس میں کیوں چوٹیں چھوڑی۔ وہی چڑا پڑا ہے۔ جو نا پسند ہے ہم اس صاحب!

آپ تو خاصے "دلیر" قسم کے میزبان تھے۔ آپ کی ڈرگس کو کیا ہو گیا؟" شاہد زمان نے ایک معنی خیز بات کی
"ہم آج بھی خاصے دلیر قسم کے میزبان ہیں بلکہ یہ کہیے کہ "شوٹنگ" میزبان ہیں۔ بس کچھ مجبور ہیں۔

ظہر مول نہیں لیا کیونکہ ابھی ایکشن ہونے والے ہیں۔ کوئی چائینس کون سی پارٹی لیک اور کرتی ہے۔ اگلی پرسنٹک سے پہلے کی رک نہیں لینا چاہتا تھا۔ آپ گھر نہ کریں، اگلی پارٹی میں ہمارے شکوے ختم کر دوں گا۔"

عہاس حاکم نے شاہد زمان کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا۔
"ہمارے ہوتے ہوئے ڈرنے کی کیا ضرورت تھی عہاس صاحب۔۔۔؟ جو چاہے پیش کرتے۔" جزل

قریٹی نے پاپ کا کش لیتے ہوئے کہا۔
"آپ کے ہوتے ہوئے ہی تو کچھ پیش کرتے ہوئے درگتے ہے۔ آپ خود "کھالی" لیتے ہیں مگر دوسروں

کو نہ "کھانے" دیتے ہیں اور نہ پیتے۔" اجمل درانی نے عہاس حاکم کے کچھ کہنے سے پہلے رجسٹ انداز میں کہا۔ ٹھیل پر بے اختیار ایک قہقہہ گونجا۔

"اجمل صاحب! آج بڑی فارم میں ہیں۔ آج ان کے ساتھ گزری ہیں تو بہتر ہے۔" لیتھ انکل نے جتنے ہوئے جزل قریٹی سے کہا۔

عہاس حاکم اپنی پارٹیز میں فیرنگی مہانوں کی ایک لمبی چوڑی تعداد کو مدعو کرتے رہتے تھے اور ان کا ہی سہارا لے کر وہ اپنی پارٹیز میں شراب بھی پیش کیا کرتے تھے۔ اس وقت وہ سب لوگ بھی پہلی بار ان کی پارٹی میں

شراب پیش نہ کرنے کے بارے میں شکایت کر رہے تھے۔ عہاس حاکم کچھ دیر وہیں ٹھیل کے پاس کھڑے خوش گویوں میں مصروف رہے، مگر وہاں سے چلے گئے۔

عمر خاصا دوپٹے کے ساتھ وہاں ہونے والی گفتگوں رہا تھا۔ اس نے گفتگو میں حصہ لینے کی کوشش نہیں کی تھی شاید اس کی ایسی کوشش کا بہت اچھا بھی نہ سمجھا جاتا کیونکہ اس ٹھیل پر وہ سب سے کم عمر تھا اور وہاں بیٹھے ہوئے

بانی لوگ نہ صرف عمر میں اسے بہت بڑے تھے بلکہ وہ بہت سینئر پولیس پر بھی تھے اور عمر کو ایسے ذرزدانینڈ کرنے کا اچھا خاصا تجربہ تھا۔

جہانگیر سہاڑے بہت کم عمری سے ہی ایسی تقریبات میں لے جاتے رہے تھے اور وہاں ہونے والی گفتگو یا موضوعات اس کیلئے کوئی نئی چیز نہیں تھے۔ ایسی تمام تقریبات میں وہ بس خاموشی سے ایک غیر متعلق شخص کی طرح

سب کچھ سنتا اور دیکھتا رہتا۔ اس کیلئے یہ سب جیسے زندگی کا ایک حصہ تھا۔
ان وقت میں دہلی بیٹاواہی آدمی کے شہرے اور خوش گویاں کن رہا تھا جیسی وہ جھپٹے کی سالوں سے سنتا

آ رہا تھا۔
"تم بڑو تو نہیں ہو رہے؟" یکدم لیتھ انکل کو اس کا خیال آیا تھا اور ان کے اس جملے پر ٹھیل پر بیٹھے ہوئے

تمام لوگوں کی توجہ اس پر مرکوز ہو گئی۔ اس کا تعارف شیخ انکس پڑھی ان لوگوں سے کر دیا۔ پچھلے دور جہانگیر مہاراجا کا نام وہاں کسی کیلئے بھی نیا نہیں تھا اور جہانگیر مہاراجا کا بیٹا بھی ان کیلئے انتہائی شناسا ہو گیا تھا۔
”نہیں! انکس نہیں۔“ اس نے بے نیازی سے کدھر سے اچکا کر ہونے کہا۔

”یہ اس عمر میں کوئی بھی بات نہیں ہے کہ مجھے اندازہ ہو کہ لوگوں کے پاس بھی اتنی دیر چھو کر توہمیں
ہوئے۔ جاؤ کہیں ادھر ادھر بھر دو۔ اپنے لیے کوئی خوبصورت کپڑی ڈھونڈ دو تم تو جہانگیر کے عہد کے بیٹے ہی نہیں نکلتے۔“
شاید زمانہ کی بات پر ایک تہجد کا چہرہ چند لمحوں کیلئے بے اختیار سرخ ہو گیا۔ وہ آج تک باپ کے
ہاتھ پر اسی طرح نرخی ہو جاتا تھا۔ اسے یہی لگتا تھا کہ جہانگیر کا ذکر آ کر آسے تو فوراً ان کی عالی شان کا ذکر کرنے
پر نہیں چسکن گے اور زیادہ تر ایسا ہی ہو رہا تھا۔ اس وقت میں وہ بے سوچ کر نرخی ہوئے لگتا تھا کہ اب جہانگیر
کی شادی کی طرف نکل پڑے۔

باب ۳۰

اس واقعہ کے اگلے ایک ہفتہ تک ان دونوں کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی مگر اس بار معذرت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اس بات نے طویل و درجیدگی اور غصے میں کچھ اور اضافہ کیا تھا۔ اس سے پہلے اس نے ہمیشہ عمر کو چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی خود ا معذرت کرتے دیکھا تھا اور وہ اس بات کی اتنی عادی ہو چکی تھی کہ اس بار پہلے کی طرح اس نے معذرت نہ کرنے پر وہ جیسے شاکہ ہو گئی تھی۔ اس نے نانو کو عمر کے اس طرح ہاتھ اٹھانے کے بارے میں نہیں بتایا تھا، اس کیلئے اپنی ذہن آ میر بات تھی کہ وہ کسی سے اس کے بارے میں ذکر کری نہیں سکتی تھی۔

نانو نے دونوں کے درمیان موجود کشیدگی کو محسوس کر لیا تھا کیونکہ ڈاننگ نعل پر پہلے کی طرح دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ دونوں اپنے اپنے وقت پر آتے۔ خاموشی سے کھانا کھاتے اور اٹھ کر بیٹے جاتے۔

نانوان کے درمیان اس نے اٹھائی کوس دن کے عمر کے تہرے کا نتیجہ کربل معنیٰ کروانے کی کوشش کی مگر یہی رہی تھیں۔ انہوں نے دونوں کو پلیدی کی اس اور ڈانٹ بخیل پر کھانا کھانے کے دوران بھی سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ بری طرح ناکام رہی تھیں۔ طبعیہ اگر نافرمانی دود کرنے کی بات پر مشتعل ہو جاتی تھی تو عمر سے اس موضوع پر بات کرنے کو ہی تائید نہیں تھا۔ وہ ہر بات شروع کرنے پر بڑی تیزی سے نالودک رہتا۔

”مگر آپ اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کریں گی تو میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں گا۔“ وہ تنہی سے کہتا اور نانو خاموش ہو جاتا۔

عمران دلوں باہر سے آنے والے اپنے سامان کو انیسویں صدی کے معرّفہ تھا۔ تانوں کے بہت بار کہنے کے باوجود بھی علیہ نے اس کی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی۔

دو تین دن دو قبض و قفول سے کارگو سے آنے والے اپنے سامان کو انٹیکسی کے کمروں میں رکھواتا رہا۔
طیروزہ دن میں کئی بار اسے ٹیکسی کی طرف آتے جاتے دیکھتی رہی۔ وہ ان دنوں یکدم مجھ سے متعلق نظر آ رہا تھا اور
طیروزہ کیلئے یہ تحریف دور تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اگر اس سے معذرت نہیں کرتا تب بھی اپنی حرکت پر پشیمان

اب کھانا شروع کیا جانے لگا تھا اور عمر نے شکر ادا کیا کہ گفتگو کا موضوع یکدم بدل گیا تھا۔

ضرور ہوگا مگر عمر جہانگیر کے رویے میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جس سے علیحدہ کر دیا کہ وہ اپنی اس حرکت کی وجہ سے پریشان ہے۔

زندگی میں پہلی بار وہ عمر جہانگیر کے رویے سے حقیقی طور پر ہرٹ ہوئی تھی۔

زندگی میں پہلی بار اس نے عمر اور اپنے تعلق کو ایک نئی نظر سے دیکھنا شروع کیا تھا۔ پچھلے پانچ سال سے اس کی زندگی میں عمر کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اس سے مستقل رابطہ نہ ہونے کے باوجود علیحدہ کیلئے دنیا میں عمر سے زیادہ اہم کی بات نہیں تھا۔

اس نے پچھلے پانچ سالوں کو اس طرح ہی گزارنے کی کوشش کی تھی جس طرح عمر کی خواہش تھی۔ عمر جس چیز کو پسند کرتا، وہ لاشوری طور پر اس چیز سے کترائے تھے۔ عمر جس چیز کو پسند کرتا، وہ بھی اس چیز کے متعلق میں گرفتار ہو جاتی۔ وہ دیکھے عمر کے پیروکاروں میں سے تھی۔ آدھیں بند کر کے سب کچھ کر گزرنے والوں کی طرح سے..... جو اس سے کہا جاتا اور اس سے اس چیز پر روتی بھر بھی محال محسوس نہ ہوتا۔ اس کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ عمر اس سے خوش تھا۔ پہلی بار اس نے عمر کی کسی بات سے اختلاف کیا تھا اور پہلی بار ہی عمر کا رویہ.....؟

”کیا یہ شخص کسی دوسرے میں judgement of sense کا ذیاب کر سکتا ہے؟“ انکل جہانگیر پر تنقید کرتے کرتے کیا یہ خود وہی نہیں ہو گیا؟

وہ اب احتجاج کر سوج رہی تھی۔

”میرے لیے ہمیشہ سب سے اہم رہنے والے شخص کی زندگی اور نظر میں خود میری کیا اہمیت اور حیثیت ہے؟ اس کی نظر میں علیحدہ سکندر کی کیا اوقات ہے؟ ایک ایچور لڑکی جس کی ہر خوبی اور ہر خرابی سے وہ اچھی طرح واقف ہے۔ یا پھر اس کی اچھی بکڑ کر چلنے والی لڑکی جس کی اپنی کوئی شخصیت سرے سے ہے ہی نہیں اور میں..... میں علیحدہ سکندر آخرب تک عمر کی محضری کے سامنے میں بھٹکتے چھوٹے کی کوشش کرتی رہوں گی اور اس شخص کا سایہ کتنا بھی آرام دہ کیوں نہ ہو مگر وہ میرے وجود کو کبھی بھی اپنے قد تک آئے نہیں دے گا۔“

اس کے ذہن میں ان دنوں ان سوالوں کے علاوہ اور کوئی سوچ نہیں آتی تھی۔

”میں پچھلے پانچ سالوں سے کیا کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اپنے آپ کو صرف عمر جہانگیر کیلئے قابل قبول بنانے کی کوشش کرنے کے علاوہ میں اپنی زندگی میں کیا کر رہی ہوں۔ کیا عمر جہانگیر کی ہمدردی اور ترس کی ہیک نے مجھے اتنا کمزور کر دیا ہے کہ اب میں اپنی زندگی کو عمر جہانگیر کے بغیر بسر کرنے کے قابل نہیں رہی اور خود اس شخص کے دل میں میرے لیے ترس یا ہمدردی سے زیادہ کیا کچھ ہے؟..... یا کبھی تھا؟ یا کبھی ہوگا.....؟ اور میں کیا ساری زندگی عمر جہانگیر کی اچھی بکڑ کر چلتی رہوں گی..... اس کی نظروں سے دینا کو دیکھتی رہوں گی..... علیحدہ سکندر کیا ہے؟ کیا یہ پوچھنے کی کوشش نہیں کروں گی؟ علیحدہ سکندر کیا کر سکتی ہے؟ کیا یہ دوبارہ زندگی کرنے کی خواہش نہیں کروں گی۔ یا بیس سال کی عمر میں کم از کم اب تو مجھے اپنی ترجیحات کا پتا ہونا چاہیے۔ مجھے اب تو عمر جہانگیر کے مدار سے نکل آنا چاہیے۔ اس نے میری زندگی کے بہت سے مشکل حالات میں میرا ساتھ دیا ہے مگر پچھلے پانچ سالوں میں یہ کام میں نے بھی تو کیا

ہے بلکہ شاید عمر جہانگیر سے بڑھ کر..... یہ کچھ اور کچھ دو تھا اور یہ سلسلہ اب ختم ہو جانا چاہیے۔ کم از کم اب عمر جہانگیر کے پاس میرے لیے ترس اور ہمدردی بھی نہیں رہی۔“

وہ اپنے لیے زندگی کا ایک نیا راستہ منتخب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایسا راستہ جہاں کہیں بھی اس کا سامنا عمر جہانگیر سے ہو، نہ ہی وہ اس کے راستے کی رکاوٹ بنے۔

اگلے چند ہفتوں کے بعد عمر سالہ چلا گیا تھا۔ جانے سے پہلے بھی اس نے علیحدہ سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، نہ ہی اسے خدا حافظ کہنے آیا تھا۔ بس خاموشی سے چند دن اپنا سامان پیک کرتا رہا اور پھر ایک دن یونیورسٹی سے واپس پر اس کی روایتی مل گئی تھی۔ علیحدہ نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا مگر پچھلے پانچ سالوں میں پہلی بار اسے عمر کے چلے جانے سے خوشی ہوئی تھی۔ اس سے کھانے کی میز پر ہونے والا سامنا اس کی ٹینشن اور ڈپریشن میں اضافہ کرتا تھا اور بہت دنوں کے بعد پہلی بار وہ خود کو آزاد محسوس کر رہی تھی۔ اس کے برعکس ناخود عمر کے جانے پر بہت اداس تھیں۔ عمر سے ان کی کچھ صنف علیحدہ کے بعد خاندان کے سارے بچوں سے زیادہ تھی اور عمر کا آنا جانا ہمیشہ ہی ان کیلئے بہت اہمیت رکھتا تھا۔

علیحدہ کو اگلے چند دنوں ناخو کی زبان سے بار بار عمر کا ذکر سن کر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ ہر بار اس کے جانے پر وہ ایسے ہی کرتی تھیں مگر ناخو اس بار حیرت ہوئی تھی جب علیحدہ نے اس کے جانے پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔



عمر نے بات جاری رکھی "اور ان فکشز میں تین چار ٹیلیز سے بار بار کیوں طوار ہے ہیں مجھے..... میں اسے اتفاق تو نہیں سمجھ سکتا کیونکہ ان ٹیلیز کا رویہ....."

"لیتھ انکل نے یکدم اس کی بات کاٹ دی "تمہارا کیا خیال ہے، میں ایسا کس لیے کر رہا ہوں؟"

"کیا مجھے یہ بتانے کی ضرورت ہے؟" عمر نے سنجیدگی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! بالکل ہے۔"

"وہ ٹیلیز مجھے جس طرح پرکھ رہی ہیں، اس سے تو صرف کچھ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے شاسانی برحاطا چاہتی ہیں۔ کچھ روایت..... اور پھر شاید رشتے بھی۔" اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اور تم کسی رشتے سے اسے خوفزدہ کیوں ہو؟" اس بار لیتھ انکل کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔

"یعنی میرا اندازہ ٹھیک ہے۔" عمران کی مسکراہٹ سے حشر نہیں ہوا۔

"میں نے تم سے پوچھا ہے کہ تم کسی رشتے سے اسے خوفزدہ کیوں ہو؟"

"میں خوفزدہ نہیں ہوں۔" اس بار وہ کچھ اکثر انداز میں بولا۔

"اگر خوفزدہ نہیں ہو تو پھر اتنی نابل چیز پر اتنا اعتراض کیوں ہے تمہیں؟"

"کس نابل چیز پر؟"

"شادی پر۔"

"میں اپنی شادی کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔" عمر نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تم 26 سال کے ہو اب تمہاری شادی یا لنگھی وغیرہ ہو جانی چاہیے۔"

"لیتھ انکل! یہ آپ کا مسلہ نہیں ہے، میرا ہے اور میرے مسئلے میں خودی پینڈل کروں تو بہتر ہے۔" وہ

اس بار خاصی بے رخی سے بولا۔

"زندگی میں چانسز سے فائدہ اٹھانا سیکھو۔ تم جانتے ہو آج کل کون کون سی ٹیلیز تم میں اضطرط ہیں۔

جہاں گہرے حماز کے بیٹے سے رشتہ کسی بھی فیملی کیلئے اعزاز کی بات ہے۔"

"مگر میں کسی آکشن کا حصہ بننا نہیں چاہتا..... نہ ان ٹیلیز میں مجھے کوئی دلچسپی ہے..... میری زندگی جس

طرح گزر رہی ہے، میں اسے اسی طرح گزارنا چاہتا ہوں۔"

"ان ٹیلیز سے جرنے والا ایک رشتہ تمہیں کہاں سے کہاں لے جاسکتا ہے۔ کبھی تم نے اس کے بارے

میں سوچا ہے؟"

"آپ میرے سامنے پاپا کی فلاحی پیش نہ کریں۔ میں ان کے طریقے سے زندگی گزارنے پر یقین نہیں

رکھتا۔ وہ ایک کامیاب بیوروکریٹ ضرور ہوں مگر ایک برے بیٹے، برے بھائی، برے شوہر اور برے باپ بھی ہیں

اور اب وہ یہ رول میرے سرخواب دینا چاہتے ہیں۔" اس نے خاصی صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم جہانگیر سے بہت زیادتی کر چاتے ہو۔"

باب ۳۱

"لیتھ انکل! میں آپ سے صرف ایک بات پوچھ رہا ہوں۔ کیا پاپا نے واقعی مجھے آپ کے پاس انٹرویو اور سائیکالوجیکل ٹیسٹ کیلئے بھیجا ہے۔"

اس ذات وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ انکل کی اسطی میں ان سے پوچھ رہا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" انہوں نے جواب دینے کے بجائے براہ راست اس سے سوال کیا۔

"آپ میرے خیال کو چھوڑیں کیونکہ میرا خیال جان کر آپ کو کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوگی۔ آپ صرف

میرے سوال کا جواب دیں....." اس کے کچھ میں اضطراب تھا۔

"ہاں! ٹیسٹ کی تیاری کیلئے ہی بھیجا ہے۔" لیتھ انکل دوبارہ اسے فائل کو دیکھنے میں مصروف ہو گئے جو ان

کے سامنے میز پر رکھی پڑی تھی۔

"یہ سفید جھوٹ ہے۔" اس نے بڑی بے خوفی سے تبصرہ کیا۔

لیتھ انکل نے فائل بند کر دی۔ "مجھے سفید یا سیاہ کبھی بھی جھوٹ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم

سے خوف زدہ تو نہیں ہوں کہ تم سے جھوٹ بولوں گا۔" وہ مڑکھوڑنے لگے۔

"مجھ سے خوف زدہ نہیں ہیں مگر پاپا ہے۔"

"تم آخر مجھ سے کیا اٹھانا چاہتے ہو؟" وہ یکدم جیسے بھگ اٹھے۔

"صرف یہ کہ آپ مجھے یہاں رکھ کر پاپا کیلئے کوئی ایسا سرورس فراہم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں کسی قسم کی کوئی سرورس فراہم نہیں کر رہا۔"

"تو پھر کیا کر رہے ہیں؟"

"تمہیں جہانگیر نے یہاں صرف ٹیسٹ کی تیاری کیلئے بھجوایا ہے۔" انہوں نے بڑے مستحکم لہجے میں کہا۔

"پھر آپ مجھے اتنے فکشز میں کیوں لے جا رہے ہیں؟" اس کا لہجہ جھوٹا تھا۔

لیتھ انکل کچھ دیر خاموشی سے جواب دیتے بغیر اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔

اب ان کے ساتھ ایسی کنونینٹری ہوگئی ہے کہ میں ان کا انتظار کروں۔ وہ پاپا کی زندگی میں خود بھی دوسری بیوی بن کر آئی تھیں۔ پھر اب اگر کوئی تیسری بیوی آگئی ہے تو کنویں قیامت آگئی ہے۔ برداشت کریں۔ جیسے دوسرے بہت سے لوگوں نے انہیں برداشت کیا تھا۔ ویسے بھی وہ تو پاپا کو آؤٹریل میں کہا کرتی تھیں، پھر ان جیسا perfectionist اب انہیں اپنی زندگی کے جس حصے میں رکھنا چاہ رہا ہے وہ چپ کر رہیں۔ اتنا خود کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" اس کے لہجے میں جتنی تھی۔

"عمر! تم اب جاؤ۔۔۔ مجھے ان فائلز کو دیکھنا ہے۔"

لیتیق انگل نے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے بڑی سرد مہری سے سامنے پڑی فائل پر نظریں جمائیں۔

"ٹھیک ہے! میں جا رہا ہوں۔ صبح کی فلائٹ سے میں لاہور چلا جاؤں گا۔ پاپا سے آپ کی بات ہو تو ان کو بتادیں۔" وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

علیہ لاؤنچ میں داخل ہوتے ہی صلیب مگی، عمر، بانو کے ساتھ صوف پر بیٹھا خوش چپوں میں مصروف تھا۔ علیہ کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔

"ہیلو علیہ! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"آپ کب آئے؟" وہ کندھے سے اپنا بیگ اتارتے ہوئے کچھ آگے بڑھ آئی۔

"صبح آیا تھا۔ تم کب کالج جا چکی تھیں۔" عمر نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہالوں کا نیا ساٹل۔" عمر نے سائیکل انداز میں اس کے کندھوں پر جموٹے بالوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ یکدم کچھ گڑبڑ اٹھی۔

"یار! یہ بیکر بہت سوٹ کر رہا ہے تمہیں۔" وہ کچھ بول نہیں سکی۔

"کیوں گری؟" اب وہ بانو سے پوچھ رہا تھا۔ انہوں نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"میں کپڑے پیئنج کر کے آئی ہوں۔"

وہ یکدم بیک پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔ لا شعوری طور پر وہ دوس ہونے لگی تھی۔

عمر نے لاؤنچ سے نکلے ہوئے اسے غور سے دیکھا۔ پھر وہ بانو کے ساتھ دوبارہ باتوں میں مصروف ہو گیا۔

علیہ کچھ پریشان ہو کر اپنے کمرے میں آئی تھی۔ عمر کے اسلام آباد جاتے ہوئے وہ جتنی اداس اور پریشان تھی اس کی واپسی نے بھی اسے اتنا ہی پریشان کر دیا تھا۔ اس عمر کا یکدم واپس آ جانا اچھا نہیں لگا۔ بانو اور نانا سے

چھپتے چھپتے بہتوں سے جاری اس پریگرمیوں جیسا آسان تھا عمر سے۔۔۔ وہ کچھ دیر پریشانی کے عالم میں بیڈ پر بیٹھی رہی۔ پھر خاصا بے دلی کے عالم میں اس نے ٹیبلر سے چمچ لی کیے۔ آج بھی اسے برقی ٹنسل میں دو افریقین سے ملنا

تھا اور اب محروک دیکھ کر اسے اپنا پرگرام غارت ہونا نظر آ رہا تھا کیونکہ عمر بھٹیا اس کے ساتھ گفتگو کیلئے اسے گھر پر رہنے

"میں! پاپا سے کوئی برے سے برا سلوک بھی زیادتی نہیں کہلا سکتا۔ وہ اس سب کے مستحق ہیں۔" اس نے تندی سے کہا۔

"عمر! ہم جس سوسائٹی کا حصہ ہیں وہاں آگے بڑھنے کیلئے ایک ایک قدم بڑی احتیاط سے اٹھانا پڑتا ہے، سوچنا پڑتا ہے کہ ہمارا کیا جانے والا ہر فیصلہ ہمارے لیے کتنا فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ تم جہاں گھر سے ناراض ہو سکتے ہو مگر تم اس کے غلوں پر غصہ نہیں کر سکتے۔ وہ غصے واقعی چاہتا ہے کہ تم زندگی میں کامیابی کی بیزمیاں بہت تیزی سے بھلاؤ اور وہ دیکھو بھی غلط نہیں کر رہا۔ یہاں سب سب کی کرتے ہیں۔ میں نے بھی عرفان کی مٹھی اسی طرح کی، ایک بڑی ٹیٹی میں کی تھی۔ اب دیکھو میٹھ کر رہا ہے دوسرا مالوں کی وجہ سے۔ جو پوسٹنگ اسے دوسرے سال مل گئی ہے، اس کو پاپا نے کیلئے لوگ دس دس سال تک مانتے رہے ہیں۔" لیتیق انگل نے اپنے سول سرونٹ بیٹے کا حوالہ دیا۔

"مگر میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔" وہ کچھ ٹنک آگیا۔

"کیوں؟"

"بس میرا دل نہیں چاہتا۔"

"تجربہ گیارہ اور زارا کی ڈائیورس کی وجہ سے؟"

"آپ جو چاہیں سمجھ لیں۔"

"ضروری تو نہیں ہے کہ اگر گھر میں شادی کا کام رہے تو بچوں کی بھی اتنی ہی ناکام رہے۔"

"مجھے جیسے شادی کی ناکامی سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں بس اپنے کندھوں پر کوئی ذمہ داری لاؤنا نہیں چاہتا اور شادی جیسا اعتقاد کام کم از کم اس عمر میں، میں افریقہ میں کر سکتا بلکہ شاید کسی بھی عمر میں۔۔۔ اور وہاں!

میں کل واپس جا رہا ہوں۔" عمر نے بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

لیتیق انگل چونک کر کہے۔ "کل؟" کیوں؟ اتنی جلدی جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اتنی جلدی تو نہیں جا رہا ہوں، بہت دن ہو گئے ہیں۔ ویسے بھی اب یہاں میرا کوئی کام نہیں ہے۔"

"تم نے جہاں گھر کو بتا دیا ہے۔"

"آپ ان کو بتا دیں میں تبا نہیں چاہتا۔ میں دوبارہ ان سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔

"سانچا لاؤنچ سے ملوانا چاہتے تھے وہ مجھے۔ میں ملی چکا ہوں۔۔۔ دوسرے ضروری کام بھی کر چکا ہوں۔۔۔ اب صرف فنکشنز اینڈ کرے کیلئے تو یہاں نہیں ہو سکتا۔"

"فٹنگ ٹھیک ہے۔ فنکشنز اینڈ مت کرو۔ ویسے ہی رہو، چند دن گھر میں بھاگی بھی اسلام آباد آ رہی ہیں۔ ان کے آنے تک تو تمہیں یہاں رہنا چاہیے۔" لیتیق انگل نے اسے اطلاع دی۔

"کیوں ان کے آنے تک میں کیوں یہاں رہوں۔ میرا ان سے ملنا ضروری نہیں ہے۔ جب میں ان کے ساتھ ان کے گھر پر رہا کرتا تھا باپل سے بھتیجیاں گزارنے گھر آتا تھا تو انہوں نے بھی گھر پر میرا انتظار نہیں کیا۔ پھر

پر مجبور کرتا۔

”تم میری غیر موجودگی میں کچھ زیادہ خوبصورت نہیں ہو گئیں غلیظہ؟“

عمر نے گیت سے گاڑی سڑک پر لاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ چند لمحوں کیلئے وہ سرخ ہوئی، کھڑکی سے اُتر

”کیوں علمیزہ؟“ وہ جواب چاہ رہا تھا۔

”جی نہیں۔“ اس نے بادل پانچواستہ کہا۔

"نہیں یارا! واقعی بہت خوبصورت ہو گئی ہو..... ہیرکٹ پہنچ ہو گیا ہے، چہرے پر بھی خاصی رونق ہے، بات کرا۔ عظیم؟" وہ شاید اسے پھینچ رہا تھا مگر عظیم کے ماتھے پر بینہ نمودار ہونے لگا۔

”کما عمر کو کوئی شک ہو گیا ہے؟“ اس نے گھبرا کر سوچا۔

”مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اسے یہاں آنے چند گھنٹے ہی تو ہوئے ہیں اور ابھی تو میری اس سے باقاعدہ بات بھی نہیں ہوئی مجھ سے ذوالقرنین کے بارے میں کچھ تو کہنے چل سکتا ہے؟“ وہ جیسے چہین ہونے لگی۔

”شہر“ ایسا کچھ نہیں ہے..... میری طبیعت ٹھک نہیں ہے۔“ وہ اس کے مسلسل سوالوں پر زچ ہو گئی۔

”کیوں! طبیعت کو کیا ہو گیا ہے؟“ وہ کچھ حیران ہوا۔

”اے بھرتی تم بالکل ٹھیک تھیں۔“

”بلنے آ۔ کچھ دیر کسلہ خاموش رہا، پھر اس نے کہا: ”وہ کدو بلند آواز میں بولی۔“

عمر نے حیرانی سے اسے دیکھا، وہ بہت ناراض نظر آرہی تھی۔ اس کے موڈ میں اچانک ہونے والی تبدیلی

فے کنسل کے ان کے کہ احمد داخل ہو کر ہو۔ رتعا شا گھر الیہ الیہ الیہ۔

”تمہیں کہیں، لکھیں، ”عمر زین العابدینؑ میں سرکار کا لکھتے ہوئے کہا۔

”محرم! کبکبہ لکھو۔ محرم: کبکبہ لکھیں۔“ اس سے نظر مٹا کر بغیر کمال

”اچھا بہر حال..... میں برٹش ہسٹری پر ایک دو کتابیں لیتا چاہ رہا ہوں۔ اب تم جاہلو تو میرے ساتھ رہو یا

نہنگ میں exit پر اجاڑوں کا۔ مہم کی تب تک وہاں آجائے۔ سمرے پر ڈراما لکھ کرے ہوئے ہیں۔

علیہ نے فوراً سر ہلادیا۔ ”ٹھیک ہے میں تب تک اجاڑوں گی۔ سمر اپنے مصلوبہ - سن کی طرف چلا گیا۔

وہ اسے جب تک دیکھتی رہی، جب تک وہ ٹیلوز کے پیچھے اوبسل نہیں ہو لیا۔ اس کی جبرائیل میں یلوم نیسے
 کی آگئی تھی۔ اسے خوشی تھی کہ وہ ایک بار پھر ذوالقرنین سے مل سکتی ہے۔

جب اسے قلعی ہوگئی کہ عمرو دوبارہ کسی کام کیلئے بھی واپس اس کی طرف نہیں آئے گا تو پھر وہ اس حصے کی طرف بڑھ آئی جہاں ذوالقرنین سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح ذوالقرنین وہاں موجود تھا۔

”آج پہلا مارتم در سے آئی ہو۔“ ذوالقرنین نے اسے دیکھتے ہی گھڑی پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

”تھوڑے راجہ ہو گئے تھے، اس لیے در ہو گئی۔“ وہ کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

دو چہرہ لکھا تھا اس نے عمر اور نانوک کے ساتھ کھایا تھا۔ عمر کھانے کی میز پر مسلط چمک رہا تھا۔ علیزہ نے اسلام آباد جاتے ہوئے اس کے چہرے پر اصرار کی اور نانوک کی جو کیفیت دیکھی تھی وہ اب بیکھر مفلوج تھی۔ وہ نانوک کو اسلام آباد میں لٹک اٹکی کے گھر والوں کے حالات و واقعات سناتے میں مصروف تھا اور علیزہ نے سوچ رہی تھی کہ وہ نانوک سے اس کے سامنے برٹش کونسل جانے کی اجازت کیسے لے۔

کھانا کھانے کے بعد یکدم عراثرہ کر چند لمحوں کیلئے اپنے کمرے میں گیا اور علیزہ نے موقع غیبت جانتے ہوئے نانو سے برش کو نسل جانے کی اجازت لے لی۔ نانو نے اسے جلد واپس آنے کی تاکید کی۔

”ڈنٹ وری مانو! میں جلدی آ جاؤں گی۔“ وہ بہت مسرور ہو کر اسے کہہ رہی تھی۔

بیگ لے کر جب وہ واپس لاؤنچ میں آئی تو اس نے عمر کو ایک بار پھر نانو کے پاس پایا۔ عزیزہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ چکی تھی کہ اس نے عمر کو کھڑے ہوتے دیکھا تو کہا : انا انما اريدك - 7

”علیٰ زو! رکو۔ عمر بھی تمہارے ساتھ جا رہا ہے۔“

وہ گڑبڑ اگئی "میرے ساتھ.....؟"

”ہاں، تم برٹش کونسل جاری ہو۔ میں نے سوچا، میں بھی ایک چکر وہاں کا لگا آؤں۔ کافی عرصہ ہو گیا۔ اس عمر نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔ وہ چند لمحوں کے لیے کچھ بھی سمجھ نہیں سکتا تھا۔“

”مگر مجھے تو وہاں کافی دیر رہنا ہے۔“ اس نے جیسے سنا گیا، زک کو کشتہ کی

”کوئی بات نہیں، جتنی دیر چاہو رہتا۔ میں اس کا کام کروا رہا تھا۔ اس کا تمام انعام میرا ہے۔“

عمر نے دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا: علیہ السلام! مگر تھر

ح اس کے ساتھ برٹش کونسل جانے کیلئے تیار ہو جائے گا۔ وہاں ڈو القرمین اس کا انتظار کر رہا تھا اور عمر کے ساتھ

کے عالم میں عمر کا منہ دکھ رہی تھی اور عمر شام آباد کر رہی تھی۔ وہ شکر

”کیوں علیؑ! تم میرے ساتھ جانا نہیں۔“

”نہیں، اے اللہ کو! یہ نہیں ہے۔“ عمر نے فوراً اندازہ لگایا، علیحدہ ایک دم گڑبڑائی۔

”تو مجھ ٹھک کر رہ جاتا ہے..... میں تو..... اس کی مجھ میں نہیں آیا، وہ اپنے پس و پیش کو کیا نام دے۔“

دوپہر تک ہے، چپے ہیں۔ عمر نے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کیے بغیر باہر کا رخ کیا۔

سیرۂ پادشاهی حاکموی سے اس کی پشت کو ٹھوس رہی، پھر بے دلی سے اس کے پیچھے باہر پورچ میں آگئی۔

وہ اب ڈراما یونٹ سیٹ پر بیٹھ کر اس لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول رہا تھا، علیزہ کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ وہ

بس لوں کی صورت میں جانا چاہتی تھی..... وہاں ذوالقرنین اسے دیکھتے ہی اس کی طرف آجاتا اور وہ عمر کے

اس سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔

کی؟ کیا مجھے ذوالقرنین کے ساتھ ملاقات کی جگہ بدل لینی چاہیے۔" دو جیسے کسی فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔
 واپسی پر اس کا سؤ بہت زیادہ خراب تھا اور عمر نے اس کا سامنا ہوتی ہی اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا۔
 "چلو علیزہ! ہم جہیں کافی پڑا ہوں۔" اس نے علیزہ کا ہنسا ہوا موزہ بھال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
 "مجھے کافی نہیں چینی۔" اس نے اکثر انداز میں کہا۔

"بھڑکنا کھانا ہے؟..... یا کیا چنا.....؟ تم خود بتا دو۔" وہ اسے بچے کی طرح بہلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
 "مجھے کچھ بھی کھانا چاہی نہیں ہے۔ آپ بس گھر چلیں۔" اس نے بے رخی سے کہا۔
 "مگر باراش تو کچھ کھانا چاہ رہا ہوں، آخر اسے ہفتے کے بعد لاہور آیا ہوں۔"
 "مجھے گھر چھوڑ دیں اس کے بعد آپ جہاں کریں۔" اس کا غصہ بدستور جارہا تھا۔

"یہ تو میں جان چکا ہوں کہ تمہیں میرا ساتھ آنا چاہی نہیں لگا مگر میں صرف اس کی وجہ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ کیا تم اس بارے میں میری مدد کر سکتی ہو؟" وہ یک دم بخود ہو گیا۔ وہ جواب دینے کی بجائے خاموش رہی۔
 "علیزہ! تم سے یہ کس نے کہہ دیا ہے کہ تم خاموشی میں بہت خوبصورت لگتی ہو؟" عمر نے اپنے لہجے کو ایک بار پھر گھلتے کرنے کی کوشش کی۔

ایک لمحہ کے لئے اس کا چہرہ سرخ ہوا پھر وہ کمری کے باہر دیکھنے لگی۔
 عمر کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتے ہوئے جیسے کسی اندازے پر پہنچنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر اس نے اپنی توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر لی۔

☆☆☆

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ جانتے ہو کیا کہہ رہے ہو؟" ناٹو کے حیرتوں تلے سے زمین نکل گئی۔
 "بیم صاحب! میں جی کہہ رہا ہوں۔" علیزہ دہلی کی ذرا دھڑکنے میں تو دیر ہو گئی ہے۔" ڈرائیور ناٹو سے کہہ رہا تھا۔

عمر نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو نہیں سنی۔ وہ ناٹو کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر چرکا تھا، وہ اب بے تابی کے عالم میں سوئے سے کھڑکی ہو گئی تھیں۔
 "کیا کوئی گزرتی؟" عمر نے توجہ ہے؟" اس نے معاملے کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کی۔

"علیزہ کا کالج میں نہیں ہے۔" انہوں نے توجہ ہے؟ کے ساتھ کہا۔
 "کیا.....؟" عمر بھی یک دم بخود ہو گیا۔

"علیزہ کا کالج میں نہیں ہے، ڈرائیور اس کا انتظار کر کے تھک کر آیا ہے۔" ناٹو اب روٹتی ہوئے لگتی تھیں۔
 "اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟" وہ کسی دوست کی طرف جلی جاتی ہوئی۔ "عمر نے ناٹو کو کھل دینے کی کوشش کی۔

"نہیں وہ کبھی کسی دوست کی طرف مجھے بتائے بغیر نہیں جاتی، خاص طور پر کالج سے، اور اس کی دوست

"کیا پرانہ ہو گئی؟" ذوالقرنین نے انتظار کیا۔
 "ناٹو نے میرے کزن کو میرے ساتھ بھیج دیا ہے۔" اس نے ہلکی آواز میں کہا۔
 "کیا.....؟" ذوالقرنین یکدم گھبرا "کزن کو کھینچ دیا ہے؟ کہاں ہے وہ؟ تم اسے یہاں کیوں لائی ہو؟"
 "میں خود ہی لائی ہوں..... ناٹو نے دیر دینی چھوڑ دی..... راصل اسے بھی برٹش کنسل میں کوئی کام تھا..... تو ناٹو نے اسے میرے ساتھ ہی بھجوا دیا۔" وہ تھکتے لگتی۔

"اب وہ کہاں ہے؟"
 "وہ اپنی کس دیکھ رہا ہے۔"
 "تم نے اسے میرے بارے میں تو کچھ نہیں بتایا۔" ذوالقرنین گھبرا ہوا تھا۔
 "نہیں....."

"تم بالکل بے وقوف ہو چلو.....! اگر کزن ساتھ آیا تھا تو جہیں مجھ سے ملنے کیلئے آنا چاہیے تھا۔"
 "مگر کیوں؟ تم میرا انتظار کرتے رہے۔ اور پھر عمر نے کہا ہے کہ وہ آدھ گھنٹے کے بعد مجھے ملے گا۔"
 "اور اگر وہ آدھ گھنٹے سے پہلے ہی یہاں آ گیا اور اس نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو.....؟"

"اسے کیسے پتا چلے گا کہ میں یہاں ہوں میں اسے بتایا ہی نہیں کہ میں کس سیکشن میں جا رہی ہوں۔"
 "یہ لاہور ہی ہے..... یہاں کسی کو ڈھونڈنا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور ضروری نہیں کہ وہیں جھونڈ ڈھونڈنے کیلئے ہی اس طرف آئے وہ کبھی بھی کام سے ادھر آ سکتا ہے۔"
 "مجھے اس کا خیال نہیں آیا۔" علیزہ کچھ پریشان ہو گئی۔

"بہر حال اب میں جا رہا ہوں اور تم آئندہ محتاط رہنا۔ اگر ساتھ کزن یا کوئی بھی ہو تو پھر مجھ سے ملنے کی کوشش مت کیا کرو۔ میں نے خود کسی پریشانی میں پڑنا چاہتا ہوں، نہ ہی تمہیں کسی پریشانی میں ڈالنا چاہتا ہوں۔"
 ذوالقرنین کھڑا ہو گیا۔
 "مگر پھر تم انتظار کرتے رہو گے۔"

"نہیں میں انتظار نہیں کروں گا، جب بھی تم اس طرح لیٹ ہو جاؤ گی۔ میں مجھ جاؤں گا کہ تمہارے ساتھ کوئی دوسرا ہے اور پھر میں تمہارا انتظار کرنے کے بجائے چلا گیا کروں گا۔"
 وہ خدا حافظ کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا، علیزہ بے حد مایوس اور دل رقی کے عالم میں اسے چاتا دیکھتی رہی اسے عمر بے حاشا غصہ آیا تھا، صرف اس کی وجہ سے ذوالقرنین کو اس طرح وہاں سے جانا پڑا تھا۔

"کیا تھا، اگر وہ اس طرح میرے ساتھ آنے کی ضد نہ کرتا۔" کم از کم ذوالقرنین کو اس طرح پریشان ہو کر جانا تو نہ پڑتا۔

وہ اس وقت عمر کی وجہ سے ذوالقرنین کو ہونے والی پریشانی کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔
 "اب آگے کیا ہوگا؟ اگر عمر نے دوبارہ میرے ساتھ برٹش کنسل آئے کیلئے اصرار کیا تو؟ پھر میں کیا کروں

ہے بھی کون..... شبلا..... ڈرائیور کہہ رہا ہے کہ چوکیدار نے اندر موجود لڑکیوں سے علیحدہ کے بارے میں پوچھا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ آج کالج ہی نہیں آئی۔“

”کیا..... کالج نہیں گئی؟“ عمر بیکار کا رہ گیا۔

”اگر وہ کالج نہیں گئی تو کہاں میں ہے؟“ نانوب بڑبڑا رہی تھیں۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علیحدہ کالج نہ گئی ہو..... وہ وہیں ہوگی ڈرائیور کو غلط فہمی ہو سکتی ہے، ہو سکتا ہے لڑکیوں نے کسی دوسری علیحدہ کے بارے میں کہا ہو؟“ عمر بیکار دم ڈرائیور کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”نہیں جی مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی، چوکیدار کو علیحدہ جلی بی کا پتہ ہے، پہلے ہی گئی ہاں میں اسی کے لئے ڈرائیور علیحدہ جلی بی کو بلواتا ہوں، پھر آج کو غلط فہمی کیسے ہو سکتی ہے؟

ویسے بھی کالج تو بالکل خالی ہو چکا تھا صرف چند لڑکیاں ہی رہی تھیں اگر علیحدہ چلی بی وہاں ہوتیں تو اب تک گیٹ پر ہی موجود ہوتیں۔“

ڈرائیور نے کچھ گھبرائے ہوئے انداز میں وضاحت دینے کی کوشش کی۔

”گرتی آئی! ڈرا شبلا کو فون کریں، ہو سکتا ہے وہ اس کے گھر ہو؟“

عمر نے نانو سے کہا، مرعاب کچھ پریشان نظر آنے لگا۔ نانو کچھ پوچھائی ہوئی فون کے پاس گئیں اور انہوں نے ریسیور اٹھا کر کال ملائی شروع کر دی۔

”فون شبلا کی مئی نے اٹھایا، نانو نے ان کی آواز سننے ہی ان سے شبلا کے بارے میں پوچھا۔

”شبلا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لئے وہ آج کالج نہیں گئی۔ اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔“

شبلا کی مئی نے کہا اور نانو کی گھبراہٹ میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ مزید کچھ کہنے سے بغیر انہوں نے فون رکھ دیا۔

”شبلا تو آج کالج گئی ہی نہیں۔“ انہوں نے کانپتی آواز میں عمر سے کہا۔

”ہو سکتا ہے علیحدہ کسی اور فرینڈ کے ساتھ چلی گئی ہو؟“

”نہیں اس کی اور کوئی ایسی دوست نہیں ہے جس کے ساتھ وہ اس طرح بغیر بتائے چلی جائے۔ تو وہ شبلا کے کمرے میں بیٹھے تھے بغیر نہیں جاتی۔ مدین انہیں آگے لے کر چلو، میں خود وہاں دیکھتی ہوں آخر وہ کہاں سکتی ہے؟“

نانو بیک دم کھڑی ہو گئیں۔

”نہیں گرتی! آپ سیکر رہیں۔ میں جاتا ہوں۔“ عمر نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکا تھا۔

”نہیں مجھے بھی ساتھ جانا ہے۔“

”آپ کے ساتھ جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ آپ گھر پر ہی رہیں۔ میں خود کالج جاتا ہوں،

گھبرائے والی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ وہیں ہوگی۔“

عمر بات کرتے کرتے نانو کا جواب سے بغیر باہر نکل آیا۔

ڈرائیور صدمہ میں بھی اس کے پیچھے آیا تھا پر جس آمر عمر نے گاڑی کی چابی اس سے لی۔

”مجھے اکیلے ہی جانا ہے، میں خود گاڑی ڈرائیور کو لوں گا۔“ اس نے ڈرائیور سے کہا اور پھر گاڑی کے باہر نکل آیا۔

وہ جب سے اسلام آباد سے واپس آیا تھا علیحدہ کا رویہ اسے انجمن میں ڈال رہا تھا وہ مسلسل اس کی زندگی میں شامل ہونے والی اس نئی ”سرگرمی“ کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا، جس سے علیحدہ میں اتنی نمایاں تبدیلیاں کر دی تھیں اور یہ اندازہ وہ بہت پہلے لگا چکا تھا کہ علیحدہ کی دوستی کسی لڑکے سے ہے۔ مگر وہ حیران تھا کہ نانو کو اس بات کا اندازہ کیوں نہیں ہوا جب کہ انہوں نے ہمیشہ علیحدہ پر کڑی نظر رکھی تھی۔

خود عمر کے لئے کسی لڑکے سے دوستی تو کوئی خلاف معمول بات تھی اور نہ ہی کوئی غیر معمولی چیز اور نہ ہی اسے اس بات پر کوئی اعتراض ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ علیحدہ کو لوگوں سے رابطے اور تعلقات بڑھانے چاہئیں اس کی شخصیت میں موجود بہت سی خامیاں اس طرح دور ہو سکتی تھیں مگر جس طرح علیحدہ ب کچھ چھپائے کی کوشش کر رہی تھی اس سے عمر کو یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ علیحدہ کا اس لڑکے سے تعلق صرف دوستی کی حد تک نہیں تھا، وہ اس میں دوسرے انداز میں دلچسپی لے رہی تھی۔ اسے اس چیز پر بھی اعتراض ہوا تھا نہ جس..... کیونکہ وہ اسے بھی ایک بہت ہی بچہ لڑکے جیسا سمجھتا تھا۔ مرعاب وہ جس صورت حال کا سامنا کر رہا تھا، اس نے اسے واقعی پریشان کر دیا تھا۔ علیحدہ کا اس طرح کالج سے غائب ہونا..... تو اسے قہر نہیں تھا کہ علیحدہ اس طرح کی حرکت کر سکتی تھی۔

جس وقت نانو شبلا کے کمرے فون کر رہی تھی، اس وقت وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کہاں ہو سکتی تھی، ایک بات کا اسے یقین تھا کہ وہ اس طرح اچانک کسی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نہیں نہیں جاسکتی تھی۔ مگر پھر وہ کہاں گئی تھی۔ جب ہی اس کے ذہن میں بے اعتبار ایک خیال آیا تھا۔

”ہو سکتا ہے وہ اس لڑکے کے ساتھ ہی گئی ہو، اور ابھی تک کالج نہ پہنچ پائی ہو..... اور ہو سکتا ہے اس وقت وہ کالج پہنچ چکی ہو لیکن وہاں بقیہ دو پوری طرح حواس باختہ ہو گئی۔“

اس نے سوچا اور جی پیج کیسے کہ نانو کے اصرار کے باوجود اس نے انہیں ساتھ نہیں لیا کالج واقعی خالی ہو چکا تھا چوکیدار نے اسے بھی وی بتایا تھا جو وہ ڈرائیور کو بتا چکا تھا، چوکیدار کے منٹو کو کرنے کے بعد واپس گاڑی میں آکر بیٹھ گیا، لیکن اس نے گاڑی انارٹ نہیں کی، اسے گاڑی میں بیٹھ دس منٹ ہوئے تھے۔ جب اس نے کالج کے گیٹ سے کچھ فاصلے پر ایک گاڑی کو دیکھا اور فرنٹ سیٹ سے علیحدہ کو اترتے دیکھا۔ بے اختیار اس نے ایک پر سکون سانس لیا۔ گاڑی انارٹ کر کے وہ علیحدہ کی طرف لے آیا جو تیرہ قدموں سے کالج کے گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

علیحدہ نے گاڑی اور عمر دونوں کو دیکھ لیا تھا اور مردود سے بھی اس کے چہرے کی فحش ہوتی ہوئی دھمت کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ مرعاب پر ہی رگ پڑی تھی۔ عمر نے اس کے قریب گاڑی کھڑی کی اور کچھ کہے بغیر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول

دیا۔ علیزو بھی اسی خاموشی کے ساتھ اندر بیٹھ گئی تھی۔

سڑک پر نظر نہیں جھانے دو ڈرامیٹک کردہا تھا، علیزو کو نہ دیکھنے کے باوجود وہ اس کی کیفیت سے واقف تھا اور اسے اس پر ترس بھی آیا تھا۔ وہ بہت ہی طرح پکڑی گئی تھی اور اب وہ اس خوف سے دو چار تھی کہ عمر گھر جا کر نالو کو سب کچھ بتا دے گا۔۔۔۔۔ جب کہ عمر ایسا بکھر کر نہ کرے گا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

گازی سیدی گھر لے جانے کی بجائے اس نے ایک مارکیٹ میں لے جا کر روک دی۔ علیزو نے اسے گازی سے نکلے دیکھا۔ اس کی گھبراہٹ میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ وہ کچھ دیر بعد ہاتھ میں جوس کے دو پیک لےے واپس آتا دکھائی۔ علیزو اسے گازی کی طرف آتا دیکھتی رہی، بڑے اطمینان کے عالم میں وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھا اور اس نے جوس کا ایک پیک علیزو کی طرف بڑھا دیا۔ وہ کچھ ایسا کچھ دیکھتی رہی۔

”تمہارے لئے لے کر آیا ہوں۔“ اس نے عمر کی نرم آواز میں تھی۔

”مجھے ضرورت نہیں ہے۔“ علیزو نے سر ہٹا لیا۔

”کچھ دیر بعد ضرورت پڑے گی جب گریٹا کے پاس جاؤ گی۔ بہتر ہے اسے اپنی لواہار اپنے نزد پر قابو رکھو، چہرے پر ان تاثرات کے ساتھ تم گریٹا کے سامنے جھوٹ نہیں بولی پاؤ گی۔“ بولو بھی تو وہ یقین نہیں کریں گی۔“

علیزو نے بے اختیار سراٹھا کر اسے دیکھا، پھر حریف کچھ کے بغیر اس نے عمر کے ہاتھ سے جوس کا ایک پیک لیا، عمر نے اس کے ہاتھ میں پکیا ہٹ دیکھی تھی۔ جوس چلائے ہوئے اس نے ایک بار پھر علیزو کے چہرے پر نظر دوڑائی، اور پر سکون انداز میں کہا۔

”اتنا خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ تم کوئی قتل کر کے نہیں آئی ہو کہ جھیں اس طرح لڑنا پڑے بندے میں اتنی ہمت ہونی چاہئے کہ ہر بڑا قدم اٹھانے کے بعد کا پیٹے کی بجائے صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہے۔ تم کسی بھی بات سے ہمت ہونی چاہئے۔“ علیزو نے ”وہ جوس پیٹے ہوئے کھد رہا تھا۔ علیزو کے حلق میں جوس اٹکنے لگا۔

عمر اب موبائل نکال رہا تھا۔“ میں گریٹا سے بات کر لے گا ہوں، انہیں تمہارے بارے میں بتا رہا ہوں۔۔۔۔۔ تم جب تک بے طے کر لو کہ تمہیں ان سے کیا کہنا ہے، مگر ان سے بات کرتے ہوئے اپنی آواز اور نواز پر قابو رکھنا۔ گھبراہٹ مت۔“

وہ اس کو اس طرح چاہت دے رہا تھا، جیسے دو افریقین کی بجائے وہ خود اسے اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔۔۔۔۔ علیزو کہ کوئی لگا جیسے وہ زمین میں دھنس گئی ہو۔

وہ جوس پیٹے ہوئے موبائل پر گھر کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ فون حسب توقع ٹانو نے ہی اٹھایا تھا شاید وہ تب سے فون کے پاس ہی بیٹھی تھی۔

”ہیلو کرینی۔۔۔۔۔! میں عمر بول رہا ہوں۔“

”علیزو! کچھ بتا چلا؟“ ٹانو نے اس کی آواز سننے ہی پر چھا۔

”ہاں کرینی۔۔۔۔۔! صرف بتا چلا ہے بلکہ میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھی ہے۔ ہم واپس گھر آ رہے ہیں۔ میں نے آپ کو کہی بتانے کے لئے فون کیا ہے۔“ عمر نے اپنے کچھ کوئی الامکان پر سکون رکھتے ہوئے کہا۔

”اوہ خدایا۔۔۔۔۔ تیرا گھر ہے، وہ کہاں ہے؟“ ٹانو نے بے اختیار سکون کا سانس لیتے ہوئے انکا سوال کیا۔

”وہ کالج میں ہی تھی۔“ علیزو کا چہرہ دیکھ کر عمر کی جو بڑی روانی سے جھوٹ بول رہا تھا۔ ”اندرو ہی کچھ کلاس فیلو کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی، اس کے کسی کلاس فیلو کی بڑھ سے پارٹی تھی۔ اسے چھٹی کے وقت کا کچھ اندازہ ہی نہیں تھا۔ جب وہ کینٹ پر آئی تب تک مدین چوکیدار سے اس کے بارے میں پوچھ کر جا چکا تھا جب میں یہاں پہنچا ہوں تو وہ یہاں پر بیٹھن بیٹھی تھی۔ مگر میری اس نے دو تین بار فون کیا مگر فون آنچل مل رہا تھا میرا خیال ہے اس نے اسی وقت فون کیا ہوگا جب آپ شہلا کی کمی سے بات کر رہی تھیں۔“

”مگر چوکیدار تو کھد رہا تھا کہ وہ صبح کالج آئی ہی نہیں۔“ ٹانو کے لیے میں آپ تشریش کی بجائے غصہ تھا۔

”ہاں میں نے چوکیدار سے پوچھا تھا وہ شرمندہ ہو گیا۔ وہ کسی دوسری علیزو کی بات کر رہا تھا اور اسے واقعی یہ پتا نہیں تھا کہ اندر لڑکی اس کی باڈی میں مصروف ہیں۔“ وہ جھوٹ پر جھوٹ بولنے میں مصروف تھا۔

”تم علیزو سے میری بات کرادو۔“ ٹانو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ عمر نے موبائل علیزو کی طرف بڑھا دیا۔

”گریٹا سے بات کرلو۔“

علیزو نے کچھ نڈس ہو کر موبائل ہاتھ میں لیا۔

”لا رہو دانی کی حد کر دی تم نے۔“ موبائل پر ہیلو کیبتے ہی اس نے دوسری طرف ٹانو کو کہتے سنا۔ ”میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ تم اتنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر سکتی ہو، جہیں شرم آئی چاہئے۔ تمہاری وجہ سے کتنی پریشانی اٹھانی پڑی ہے مجھے۔“

ٹانو اس کی بات سے بغیر مسلسل بول رہی تھی اور اس وقت علیزو کو اس میں اپنی غایت محسوس ہو رہی تھی کہ وہ چپ چاپ ان کی جھجکائی کھاتی رہے۔ وضاحتیں پیش کرنے سے اس وقت یہ کام بہر حال بھڑ تھا وہ ڈوبتے ڈوبتے نکلی تھی۔ ٹانو کچھ دیر ہی کام میں مصروف رہیں، پھر انہوں نے جلدی گھر آنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔

عمر تب تک گازی کو روک رہا تھا، علیزو نے موبائل بند کرنے کے بعد اس کی طرف بڑھا دیا۔

گازی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

کچھ دیر پہلے اگر وہ خوفزدہ تھی تو اس وقت وہ بے حد شرمندہ تھی۔ عمر نے اگرچہ اسے ٹانو کے سامنے کسی جواب دہی سے پچایا تھا، مگر خود اس کی خاموشی اسے چھہ دے رہی تھی۔

کیا یہ مجھ سے واقعی کچھ بھی پوچھنا نہیں چاہتا؟

کیا یہ مجھ سے ناراض ہے؟ یہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے؟

یہ اب مجھے ابھی انکی تو نہیں بھڑ رہا ہوگا۔

بہت سے سوال اسے کیے بعد دیگرے بے چہن کر رہے تھے۔

دوسری طرف عمر اسی لاپرواہی اور بے گامی سے گاڑی چلائے میں مصروف تھا۔

وہ اب یہ سوچنے میں مصروف تھی کہ اسے خود مگر کو غائب کر لینا چاہئے، اور یہ ایسا کام تھا جو وہ کرنے کی ہمت نہیں پا رہی تھی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ کیا عمر واقعی اس سے کچھ پوچھنا نہیں چاہتا تھا کیا اسے کوئی شخص نہیں ہے، کہ میں کہاں تھی اور کسی کے ساتھ تھی، اور اس نے ناوے میرے بارے میں جھوٹ کیوں بولا ہے، کیا یہ واقعی میری اتنی پردا کرتا ہے کہ مجھے ہر نقصان سے بچانا چاہتا ہے، یا پھر یہ مجھ پر احسان کر کے.....

وہ اب اس کی خاموشی سے الجھنے لگی۔

کیا یہ وہ واقعی ناوٹا ہے یہ بات چھپائے رکھے گا میں کسی لڑکے کے ساتھ تھی یا پھر یہ میرے سامنے ایک ڈرامہ کر رہا ہے۔

وہ سوچ رہی تھی اور اس کے بچپتا سے میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

مجھے ذوالقرنین کے ساتھ نہیں جانا چاہئے تھا اگر میں اس کے ساتھ نہ جاتی تو آج تک انکم میں اس طرح عمر سے نظریں نہ چار رہی ہوتی۔ وہ سوچ رہی تھی۔

آج تک ہمارے ذوالقرنین کے اصرار پر اس کے ساتھ تھی وہ اس سے پہلے اس کی ذوالقرنین سے ملاقاتیں صرف برٹش کونسل اور ایک دو جگہوں تک ہی محدود تھیں۔ وہ ان جگہوں پر جاتی، ذوالقرنین پہلے سے وہاں موجود ہوتا، دونوں کچھ دیر وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہتے اور پھر واپس چلے آتے۔ مگر عمر کے آنے کی وجہ سے اس کا برٹش کونسل کا شیڈول بری طرح متاثر ہوا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود ذوالقرنین سے مل نہیں پا رہی تھی کیونکہ تاہر جگہ عمر کو اس کے ساتھ بھیجنے کی کوشش کرتیں۔ خود عمر بھی بڑی خوش سے اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ رہتا اور یہ چیز وعلیہ کو بری طرح ڈسٹر ب کر رہی تھی شاید یہ اسی فرض برائگی کی وجہ سے تھا کہ جب ذوالقرنین نے اس سے کاغذ اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا تو وہ زیادہ دیر تک انکار نہیں کر سکی تھی۔

ڈرائیور نے سچ اسے کاغذ اتارنا تھا اور وہ ڈرائیور سے جانے تک کاغذ کے کیٹ کے اندر بیٹھ گئی تھی اور جب ڈرائیور چلا گیا تو وہ گیٹ سے کچھ فاصلے پر کھڑی ذوالقرنین کی گاڑی کی طرف لگی تھی۔ جسے وہ کاغذ آتے ہوئے دیکھ گئی تھی اور پھر وہ دونوں سارا دن جگہ جگہ گھومتے رہے تھے۔ ذوالقرنین نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کاغذ کی چھٹی ہونے کے وقت اسے کاغذ کے باہر ڈراپ کر دے گا اور وہاں سے وہ اپنے گھر چلی جائے گی مگر ذوالقرنین کے ساتھ پھرتے ہوئے اسے وقت گزرنے کا بالکل احساس نہیں ہوا اور جس وقت ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھنے کی کرتے ہوئے اسے یہ خیال آیا..... اس وقت کاغذ کو بند ہوئے بہت دیر ہو چکی تھی اور تب سچ معنوں میں علیہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑنے لگے۔

اس کے برعکس ذوالقرنین بالکل خوفزدہ نہیں تھا بلکہ وہ اسے بھی تسلیاں دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس کی تسلیوں نے اس پر کوئی زیادہ اثر نہیں کیا تھا، کاغذ بیچنے بیچنے سڑا سے تین بجے تھے اور وہی سراسر اس وقت پوری ہو گئی تھی۔ جب علیہ نے عمر کی گاڑی کو کاغذ کے کیٹ پر کچھ فاصلے پر دیکھا تھا اس نے ذوالقرنین کو اس وقت وہاں

عمر کی موجودگی کے بارے میں نہیں بتایا تھا مگر اس کا جسم تک کا پتہ شروع ہو چکا تھا اسے توقع تھی کہ عمر کے ساتھ نا تو کبھی وہاں ہوں گی اور شاید وہ اس وقت کاغذ کے اندر ہوں گی مگر بعد میں عمر کو کیا وہاں دیکھ کر اسے کچھ حیرت ہوئی اور عمر کے اب تک کے رویے نے اس حیرت میں بتدریج اضافہ ہی کیا تھا۔

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں ایک کتاب پڑھنے میں مصروف تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ ”نکم ان“ عمر نے کتاب سے نظر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دروازہ آہستہ آہستہ کھلا اور عمر نے علیہ کو اندر آتے دیکھا۔ عمر وال کا کلاک کو دیکھتے ہوئے کچھ حیران ہوا۔ رات کے اس وقت علیہ کا وہاں آنا خاصا حیران کن تھا۔

”میں نے آپ کو ڈسٹر ب تو نہیں کیا؟“ اس نے اندر آ کر پوچھا۔

”ہائٹ اینڈ آل..... آؤ ٹینچو.....“ عمر نے کتاب بند کر کے سائین فیل پر رکھتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ سوچے ہوئے کمرے میں موجود صوف پر بیٹھی، عمر اس کا چہرہ دیکھتے کہ وہ اب کارپٹ پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

”کوئی پریشانی ہے؟“ عمر نے اسے مسلسل خاموش دیکھ کر تنگنک شروع کرنے میں اس کی مدد کی۔

”نہیں.....“ اس نے اسی طرح کارپٹ پر نظریں جمائے کچھ سوچے ہوئے کہا۔

چند لمبے کمرے میں خاموشی رہی پھر علیہ نے خاموشی کو توڑا۔

”آپ مجھے رات کے اس وقت یہاں دیکھ کر حیران ہوئے ہوں گے؟“

”نہیں!“ اس باعمر نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔ علیہ نے بے اختیار سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بے حد پر سکون نظر آ رہا تھا۔ ”تم اگر یہ سوچ کر پریشان ہو رہی ہو کہ میں گرہی کو تہہ بارے بارے میں کچھ بتا دوں گا، تو بے فکر رہو۔ میں ایسا نہیں کروں گا۔“

علیہ نے بے اختیار ہونٹ پیچھے لی، وہ خود ہی اس موضوع پر آ گیا تھا۔

”آپ مجھ سے پوچھیں گے نہیں؟“ اس نے کچھ جھنجھکتے ہوئے کہا۔

”مثلاً کیا؟“ عمر اب بھی اسی طرح پر سکون تھا۔

”آج..... کے..... واقعہ..... کے بارے میں“ اس نے کچھ لڑکھڑاتے ہوئے کہا۔

”نہیں!“ اس نے اطمینان سے کہا۔

”کیوں؟“ وہ بے چین ہوئی۔

”یہ تمہارا پرس معاملہ ہے، تمہاری اپنی زندگی ہے۔ جو چاہے کرو۔“ عمر کے لہجے میں لاپرواہی تھی اور علیہ کو یہ لائق ہی ابھی نہیں تھی۔

”آپ واقعی مجھ سے کچھ نہیں پوچھیں گے۔“ اسے ابھی بھی عمر کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

”نہیں میں واقعی کچھ نہیں پوچھوں گا، لیکن تم اگر کچھ بتانا چاہتی ہو..... تو تمہیک ہے، میں سن لیتا ہوں۔“

"کیا آپ کو میری حرکت بری نہیں لگی؟"

"میں نے اس بارے میں سوچا نہیں..... اور ویسے بھی مجھے دوسروں کے کاموں میں توجہ دینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" اس نے بڑی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"پھر آپ نے ناٹو سے میرے بارے میں جھوٹ کیوں بولا؟"

"جھوٹ بچانے کے لئے"

"اور آپ مجھے بچانا کیوں چاہتے ہیں؟"

"کیونکہ میری دوست اور کزن ہوں، دوستوں کے لئے میں اکثر جھوٹ بولتا رہتا ہوں۔" وہ بڑے دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"آپ کو کچھ سے کچھ تو پوچھنا چاہئے۔"

"شک کیا؟"

"میں کیوں کہاں گئی تھی؟"

"تم کہاں گئی تھیں علیزہ؟" عمر نے اسی کے انداز میں اس کا سوال دہرا دیا۔

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا "ذوالقرنین کے ساتھ۔"

"اور یہ..... یہ ذوالقرنین کون ہے؟" اس بار عمر نے اگلا سوال خود ہی کیا تھا۔

"میرا فریڈ ہے۔"

"کب سے دوستی ہے تمہاری اس کے ساتھ؟"

"اور یہ فیصل کرنا کیا ہے؟"

"تقریباً ڈیڑھ ماہ ہوا ہے۔"

"میڈیکل کالج میں ہے۔"

"تمہاری دوستی کیسے ہوئی؟"

وہ اب آہستہ آہستہ اس سے سب کچھ کھلوا رہا تھا، علیزہ نے اسے ذوالقرنین کے ساتھ ہونے والی پہلی ملاقات کے بارے میں بتا دیا۔

"تم اس سے اکوٹھ لگتی ہو؟"

"اکوٹھ تو نہیں، مگر لگتی ہوں۔" اس نے اعتراف کیا۔

"اسی طرح کالج سے غائب ہو کر؟"

"نہیں، آج پہلی بار کالج سے گئی تھی ورنہ پہلے تو کسی نہیں گئی..... ہم برٹش کونسل میں ملتے ہیں۔"

"اور آج کہاں گئی تھیں؟"

"ہم سارا دن پھرتے رہے، بہت ساری جگہوں پر۔"

عمر کچھ دیر خاموش ہو کر کچھ سوچتا رہا۔ "ذوالقرنین سے صرف دوستی ہے نا..... کوئی روناٹک انٹو لومٹ" علیزہ کا چہرہ سرخ ہوا۔

"صرف..... دوستی نہیں ہے....." دم دم آواز میں اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے دوستی نہیں ہے۔ محبت ہے مگر کیا صرف تمہاری طرف سے ہے یا پھر ذوالقرنین بھی اسی طرح کے خیالات رکھتا ہے؟"

"وہ بھی..... مجھے..... پسند کرتا ہے....."

"تو پھر کیا پروگرام ہے تم دونوں کا....." اس نے پروڈیوکر جیسی، کچھ شادی وغیرہ کا ارادہ ہے؟

"..... پروڈیوکر نہیں کیا۔"

"کیوں نہیں کیا..... اگر وہ پسند کرتا ہے اور میرا پس ہے تو اسے کرو دینا چاہئے۔"

علیزہ نے سر جھکا لیا۔

"یا پھر تم پروڈیوکر کرو....."

اس نے عمر کی بات پر حیران ہو کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"میں پروڈیوکر ہوں؟"

"ہاں..... تم کیوں نہیں کر سکتیں۔ یہ کوئی ایسی حیران ہونے والی بات تو نہیں ہے۔"

"مگر میں تو یہ بھی نہیں کر سکتی۔"

"تم جانتی ہو علیزہ! تم کوئی انفر انفرڈیو نہیں کر سکتیں۔ آج نہیں تو کل گرینی کو تمہارے اور ذوالقرنین کے بارے میں پتا چل ہی جائے گا، تو ان کا ردی اکشن کیا ہوگا۔ اس کا اندازہ تم ابھی طرح کر سکتی ہو۔" وہ اب سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"اگر وہ اچھا بندہ ہے تو اسے سیدھی طرح سے گرینی سے طواؤ، یا پھر مجھ سے طواؤ..... میں بات کرتا ہوں اس سے۔"

علیزہ ہچکچی "میں آپ سے طواؤں"

"ہاں، کیوں تم طواؤ نہیں چاہتیں؟"

"نہیں..... نہیں ایسی بات نہیں ہے....." اس نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ تم ذوالقرنین سے بات کرو، میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں، کیسا بندہ ہے وہ۔" عمر کا لہجہ اب گفتگو ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے میں اس کو آپ سے طواؤں گی۔"

"اور اس سے ملنے کے بعد میں گرینی سے خود اس کے بارے میں بات کروں گا۔"

عمر نے جیسے اسے یقین دہانی کروائی، وہ سر جھکا سے خاموش بیٹھی رہی۔

دنیا میں رہ رہے ہیں اور دنیا میں کوئی مختلف نہیں ہوتا بعض لوگ جو ہمیں بظاہر مختلف لگتے ہیں، وہی ہمارے لئے سب سے زیادہ غلاب لاتے ہیں۔ جب ہمیں پتہ چلا ہے کہ وہ کتنے معمولی اور عام سے ہوتے ہیں اور شاید بے قیمت بھی بلکہ بعض دفعہ وہ عام لوگوں سے بھی زیادہ بے قیمت ثابت ہوتے ہیں۔“

وہ بات کرتے کرتے سنجیدہ ہو گیا۔

”ذوالقرنین ایسا نہیں ہے۔“ اس کی ساری باتیں سننے کے بعد اس نے سر اٹھا کر بڑے اعتماد سے کہا۔

”میری خواہش ہے..... واقعی ایسا ہی ہو۔“ مگر نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

وہ حسب معمول رات کے وقت ناو اور دناتا کو سو جانے کے بعد لاؤنج میں آئی..... بیشک یہ طرح لائن آن کے بغیر صرف کو بیڈروم میں روشنی زبرد باور کے بلب اور باہر پورج کی کمر لکڑی سے آنے والی وحدانی روشنی میں صوف پر بیٹھ کر ذوالقرنین کو کال کرنا شروع کیا۔

”کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟“

رابطہ قائم ہوتے ہی ذوالقرنین نے پہلا سوال کیا تھا۔ وہ بھی طیلوہ کو کالچ چھوڑتے ہوئے عمر کی گاڑی میں طیلوہ کو بیٹھنے دیکھ چکا تھا۔

”نہیں کچھ نہیں ہوا..... مگر نے ناو سے جھوٹ بول دیا..... اس نے کہا کہ میں اندر کالچ میں ہی قحی چونکیدا کو غلطی میں ہو گئی تھی۔“ ناو نے اس کی بات پر اعتبار کر لیا، اگر وہ جھوٹ نہ بولا تو ناو سے پچھا آج بہت مشکل ہو گیا تھا۔ وہ بے حد غصے میں تھیں۔“

اس نے دبی آواز میں کہا۔

”تم خود خواہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہوتی رہتی ہو۔ میں تم سے کہہ چکی رہا تھا کہ کچھ نہیں ہوگا۔“ ذوالقرنین نے جواباً غصی لا پر دائی ہے کہا۔

”مگر عمر نہ ہوتا تو وہ جھوٹ نہ بولا تو پھر میرے ساتھ کیا ہو سکتا تھا، آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہے کیونکہ آپ ناو کو نہیں جانتے۔“ طیلوہ نے کہا۔ ”میں آئندہ اس طرح کالچ سے کبھی نہیں جاؤں گی۔“

”تم بہت بد دل ہو طیلوہ۔“ ذوالقرنین نے اس کی بات کے جواب میں کہا، وہ خاموش رہی۔

”تمہاری ناو آخر کیا کر سکتی ہیں..... جان سے تو نہیں مار سکتی ہیں۔“

”پھر مجھے اچھا نہیں لگا اگر ان کو پتہ چل جاتا تو۔“

”تم اپنی ناو سے اتنا زور کیوں ہو؟“ ذوالقرنین نے کچھ الجھ کر کہا۔

”ذوری نہیں ہوں..... میں ان کے پاس رہتی ہوں، میں ہر کام میں اپنی مرضی نہیں کر سکتی۔“

”اپنی دے یہ سب چھوڑ..... کوئی اور بات کرتے ہیں۔ یہ تمہارا کزن عمر خاص مہربان ہے تم پر..... اس نے تمہارے لئے تمہاری ناو سے جھوٹ کیوں بولا؟“

”آپ مجھے برا تو نہیں سمجھتے۔“ کچھ دیر بعد عمر نے طیلوہ کو سر جھکا کر کہتے سنا۔

”نہیں..... میں تمہیں برا کیوں سمجھوں گا۔ تم نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔“

”کالچ سے چلا بھی ملا نہیں ہے؟“ وہ اس سے پتا نہیں کس چیز کی یقین دہانی کروانا چاہ رہی تھی۔

”تم جتنا سنا جانتی ہو یا جھوٹ؟“ مگر سنجیدہ ہو گیا۔

”ج.....“ تو پھر اس طرح ذاتی فطرت سے میں کوئی کزن رو بیٹھ نہ تو نہیں ہوں، مگر اپنی ٹیلی کو اچھی

طرح جانتا ہوں اور تمہیں بھی۔ تم پیچور نہیں ہو۔ میں انج میں ہر چیز قریب لگتی ہے مگر یہاں اس سوسائٹی میں

ایسے ایڈیٹرز خاصے ہوتے ہیں۔ ذوالقرنین اچھا ہے یا برا، میں نہیں جانتا مگر تم ابھی لوگوں کو پرکھنا نہیں

جانتیں، تمہارا کوئی Exposure نہیں ہے۔ اس لئے اپنی زندگی کے بارے میں محتاط رہو تو خاصا بہتر ہے۔“

وہ خاموشی سے سر جھکا کر اس کی باتیں سنتی رہی۔

”ذوالقرنین ایسا نہیں ہے۔“ اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

”تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟“ اس نے دوبارہ کہا۔

”He is Different (وہ مختلف ہے)“

عمر بے اختیار ہنسا۔ ”یا اس نے تم سے کہا یا تم نے خود سوچا؟“

”He is really Different (وہ واقعی دوسروں سے مختلف ہے۔)“ طیلوہ نے جیسے اسے یقین

دلانے کی کوشش کی۔

”ہر انسان دوسرے انسان سے مختلف ہوتا ہے۔ فکر پرش سے لے کر جھوٹ تک کچھ بھی ایک جیسا نہیں

ہوتا۔“ مگر نے بڑی لا پرواہی سے کہا۔

”وہ اندر سے مختلف ہے۔“ طیلوہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”تم اس کے اندر کیسے پہنچ سکتیں۔“ ادھر آئی سی وہ ڈاکٹر بن رہا ہے، ہو سکتا ہے اس نے اپنی ڈائی سیکنس

کر کے تمہیں ایسا اندر دکھایا ہو۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟“

وہ اب مذاق اڑا رہا تھا۔ طیلوہ کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

”دور واقعی ایک مختلف مرد ہے۔“

وہ اب بھی اپنی بات پر مصر رہی۔

”What a typical statement!“ عمر ایک بار بھر ہنسا۔ ”Different man“ کوئی مرد

مختلف نہیں ہوتا بلکہ ڈیٹر کزن۔ ہم انکم گرل فرینڈ کے معاملے میں کوئی مختلف نہیں ہوتا۔ ہر ایک کی سوچ اور

محسوسات ایک جیسے ہوتے ہیں۔“

”میں اس کی گرل فرینڈ نہیں ہوں۔“ طیلوہ کو اس کی بات پر شک لگا۔

”اس کا فیصلہ تو بعد میں ہوگا میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم کچھ Realistic (حقیقت پسند) ہو جاؤ۔ ہم

"اس طرح کھڑے کھڑے کیا بات ہو سکتی ہے۔ آرام سے بیٹھتے ہیں۔ کوئی ایسی بھی خاص بات نہیں ہے۔" عمر نے مسکراتے ہوئے سنج کی طرف اشارہ کیا۔

"میں مجھے جلدی ہے، کچھ کام ہے..... یہ تو عذیر نے اصرار کیا تو میں یہاں ملنے کے لئے آ گیا، ورنہ آج میرے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔"

ذوالقرنین نے اپنی رست واپس پر نظر دوڑاتے ہوئے عمر سے کہا۔
 "آپ کو جو بات کرنی ہے، وہ جلدی کریں۔" عمر نے ذوالقرنین کو خامی گہری نظروں سے دیکھا۔
 ذوالقرنین کو اس کی نظروں سے الجھن ہوئی تھی۔

"عذیر کو کب سے جانتے ہو؟" اس نے ذوالقرنین سے پوچھا۔
 "یہ بات تو آپ عذیر سے بھی پوچھ سکتے تھے۔ کیا صرف انہی کی بات جاننے کے لئے یہاں آئے ہیں؟"
 "میں جانا تو کافی کچھ ہے۔ یہ تو س ویسے ہی پوچھ لیا۔"

"ایک ڈیڑھ ماہ ہوا ہے۔" ذوالقرنین اب پر سکون ہوتا جا رہا تھا۔
 "عذیر ہتاری تھی، آپ دونوں کی خامی انٹرا سٹینڈنگ ہے۔"
 اس بار ذوالقرنین نے خامی غور سے عذیر و اور عمر کو باری باری دیکھا۔
 "ہو سکتا ہے عذیر نے ایسا محسوس کیا ہو، میں کیا کہہ سکتا ہوں"
 "آپ کی کافی دقتی ہے عذیر کے ساتھ"
 "ہاں ہے۔"

"اکثر ملتے رہتے ہیں؟"

"اکثر؟ یوں بھی کبھار ملتے ہیں۔"

"میں جانا چاہ رہا ہوں کہ یہ دقتی سلسلے میں ہے؟ کیا آپ عذیر کے بارے میں سیریس ہیں؟"

"سیریس سے کیا مراد ہے آپ کی؟"

"میرا مطلب ہے شادی کرنا چاہتے ہیں اس سے؟"

"واٹ شادی..... یہ آپ سے کس نے کہا؟"

عذیر کا رنگ تھوڑا ہو گیا عمر کی پرسکون انداز میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا، ذوالقرنین اب بارش نظر آ رہا تھا۔

"شادی نہیں کرنا چاہ رہے تو یہ دقتی سلسلے میں ہے؟"

"ہر دقتی شادی کے لئے تو نہیں ہوتی۔"

"تو پھر کس لئے ہوتی ہے؟ دقت گزارنے کے لئے"

"You can say that" (آپ کہہ سکتے ہیں۔) "ذوالقرنین نے کندھے اچکاتے ہوئے خامی

لاپرواہی سے کہا۔

عمر اسے مطمئن کر رہا تھا عذیر موج میں پڑ گئی۔

"ٹھیک ہے، میں آپ کو اس سے ملوا دیتی ہوں۔" کچھ دیر بعد وہ جیسے کسی فیصلہ پر پہنچ گئی۔

"تم اسے کہاں بلواؤ گی؟"

"برٹش کونسل۔" اس نے کہا عمر نے حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اچھا تو میرے ساتھ برٹش کونسل جانے پر اس لئے اعتراض ہوا تھا، وہاں ذوالقرنین صاحب سے

ملاقات ہوتی ہوگی۔"

عذیر اس کی بات پر ہنسی ہو گئی۔

"بہتر حال تم برٹش کونسل کے بجائے اسے کسی پارک میں بلواؤ۔" عمر نے جگہ ملے کرتے کہا "یا پھر

کسی ریسٹورنٹ میں۔"

☆☆☆

"تیسرے دن وہ عمر کے ساتھ ایک پارک کی پارکنگ میں موجود تھی۔ کار سے اترتے ہوئے وہ نرس ہو رہی تھی اس نے ذوالقرنین کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ آج عمر کو بھی ساتھ لا رہی ہے اور اب وہ خوفزدہ تھی کہ کہیں ذوالقرنین اس بات پر ناراض نہ ہو جائے۔

ذوالقرنین پارک کے اندر مخصوص سنج پر بیٹھا ہوا تھا عمر کے ساتھ چلتے ہوئے عذیر نے اسے دور سے ہی کھڑے ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ شاید اس نے عذیر کو آتے ہوئے دیکھا لیکن تھوڑے عذیر کو بلکے اس کے ساتھ آتے ہوئے عمر کو بھی اور اس کے کھڑے ہونے کی وجہ بھی سمجھ گئی۔

اس کے پاس سنج کراس نے ذوالقرنین کے چہرے پر ہلکا ہٹ اور ناگواری کے تاثرات دیکھے تھے۔

"ہیلو، میں عمر ہوں آپ یقیناً ذوالقرنین ہیں۔"

عمر نے اس کے پاس سنج کراس کے ہاتھ دستانہ انداز میں ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ذوالقرنین

نے کسی مسکراہٹ کے بغیر اس سے ہاتھ ملایا۔

"آپ نے ملنے کا خاصا حقوق تھا مجھے۔ عذیر کا کافی تعریف کرتی رہتی ہے آپ کی۔"

عمر اس کی سرد دھری سے حشر ہوئے بغیر بولا۔

"میں نے سوچا مجھے بھی ملنا چاہیے آپ سے، مجھے تو آپ جانتے ہی ہوں گے، میں عذیر کا کزن ہوں۔"

ذوالقرنین اب بھی کچھ بول نہیں پا رہا تھا شاید اس کے لئے عذیر کی یہ حرکت اتنی غیر متوقع اور حیران کن

تھی کہ اسے اپنے اوسان پر قابو پانے میں وقت لگ رہا تھا۔

"آپ مجھ سے ملنا کیوں چاہتے تھے؟" ذوالقرنین نے بلا ضرر سے کہا اس کا لہجہ خاصا خشک تھا۔

"بس ایسے ہی کچھ باتیں کرتی تھیں آپ سے"

"کیا باتیں کرتی تھیں؟"

محسوس ہو رہی تھی۔

کارا اشارت کرنے کے بجائے اس نے علیزہ کی طرف مڑ کر اس سے کہا۔

”کسی بھی خیز کو سر پر سوار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ زندگی میں یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔“

Experience is the other name of our mistakes, so take it as an experience.

(ہماری غلطیوں کا دوسرا نام تجربہ ہے۔ اسے ایک تجربہ سمجھو۔)

ملیہ نے عمر کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی، وہ دنگ اسکریں سے باہر پارکنگ میں نظر آنے والی گاڑیوں کو دیکھتی رہی۔

”یہ تو بہت معمولی سی چیز ہے۔ زندگی میں اس سے بھی بڑی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس سب کو بھول جاؤ وہ

نہیں ہوگا، تو تمہیں بھی پریشان یا شرمندہ نہیں ہونا چاہئے۔“

لمرنے کا اشارت کرتے ہوئے کہا۔ وہ اب بھی خاموش تھی۔

گھر تک پورا راستہ اس سے باتیں کرتا رہا اسے چیز اب کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ اس کی باتیں سنتی

نے ایک بار بھی اس کی باتوں کے جواب میں کچھ کہا نہ ہی اسے دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ بے تاثر چہرے

سے باہر دیکھتی رہی۔

☆☆☆

عام سات بجے وہ واپس گھر آ گیا۔ ثانو لاؤنج میں فون پر کسی سے گفتگو میں مصروف تھیں۔ وہ ان کے

یا۔ وہ فون بند کرنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوئیں تو اس نے

”وہ تب سے اپنے کمرے میں ہے جب سے تم چھوڑ کر گئے ہو۔“

ہوں نے اطلاع دی۔ عمر بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اگلا ایک ڈیڑھ گھنٹہ اس نے اپنے کمرے

کام کرتے ہوئے گزارا۔

ڑھے آٹھ کے قریب وہ کھانا کھانے کے لئے لاؤنج میں آتا۔ خانہماں کھانا لگ

گر غنڈہ ابھی تک داخلہ نہیں آئے۔“ عمر نے کچھ عرصہ سوچا اور کہا:

و آئے تھے، لیکن دوبارہ حلے گئے۔ “آج کئی ڈنر میرا ہوا کھٹا تھا۔“

www.pdfbooksfree.pk/umaira-ahmed عمرہ احمد صاحبہ کی ناولز پڑھنے کے لئے ابھی وزٹ کریں

چائے بھی نہیں لی اس نے۔

”اس کی طبیعت خراب تھی کچھ شاید اس لئے۔“ عمر نے جھوٹ بولا۔

نانو نے چونک کر اسے دیکھا۔ ”ابھی..... مجھے تو اس نے نہیں بتایا۔ بتاتی تو میں اسے کوئی میڈیسن ہی دے دیتی۔“

”وہ پریشان نہیں کرنا چاہو رہی ہوگی۔ ہو سکتا ہے سوچ رہی ہو۔“ عمر نے انہیں قتل دینے کی کوشش کی۔

چند منٹ بعد خانساں ڈانٹنگ روم میں داخل ہوا، ”علیوہ بی بی! دروازہ نہیں کھول رہیں۔ میں نے بہت دفعہ دنگ دی ہے۔ آوازیں بھی دی ہیں۔“ اس نے نانو سے کہا۔

”میں خود کبھی ہوں، کہیں زیادہ ہی طبیعت خراب نہیں ہوگئی؟ نانو اللہ کر پائی گئیں عمرو میں بیٹھا سوچتا رہا..... اس نے کھانا شروع نہیں کیا۔ وہ نانو کی دوا بھی کرا کر ہاتھ اٹھنے لگی منٹ نانو کھنا دوا بھی نہیں ہوئی۔ پھر اچانک اس نے مگر کے اندر سے دروازہ بار بار بجانے کی بلند آواز اور نانو کو بلند آواز میں پشیمو کا نام پکارتے سنا..... وہ سبے اختیار ڈانٹنگ روم سے نکل آیا۔

”کیا بات ہے نانو؟“ وہ کڑے درمیان آ گیا۔

”عمر علیوہ دروازہ نہیں کھول رہی۔ نہ ہی اندر سے کوئی جواب دے رہی ہے۔ اتنی گہری نیند تو وہ کبھی نہیں سوتی۔“

نانو بے حد پریشان نظر آ رہی تھی، عمر کی پھنسی حس، اچانک اسے کسی خطرے سے خبردار کرنے کی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر خود دروازے کو دھک دیا اور علیوہ کا نام پکارا..... اندر سے اب بھی کوئی آواز نہیں آئی تھی۔

”اس کمرے کی کوئی چابی ہے آپ کے پاس؟“ عمر نے مڑ کر نانو سے کہا۔

چند منٹ میں نانو چابیاں لے آئی تھی۔ عمر نے ان کے ہاتھ سے لی رکھ لیا اور دروازہ کھولنے لگا۔ چند سیکنڈ میں لاک کھل گئی تھا عمر نے دروازہ کھول دیا کمرے میں اندھیرا پھیلنا ہوا تھا۔ عمر نے برق رفتاری سے دیوار پر سوکھ ہوڑ کو ڈھونڈ کر لاٹ آ کر۔

علیوہ بیڈ پر کھبل لٹے لیٹی ہوئی تھی۔ عمر تیزی سے اس کی طرف گیا اور ایک بار پھر اس کا نام پکارا۔ وہ اب بھی ویسے ہی بے حس و حرکت تھی۔ ایک لمحہ کے لئے عمر کا سانس رک گیا۔

”کیا ہوا ہے اسے؟“ اسے اپنی پشت پر نانو کی آواز سنائی دی۔ عمر نے علیوہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا اس کا جسم ٹھنڈا تھا۔

”مگر تپتی ڈرائیو روک نہیں گاڑی نکالے..... پانچ جلدی کریں۔ علیوہ کو ہسپتال لے کر جانا ہے۔“ اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے اس نے پیچھے پلٹ کر نانو سے کہا، نانو کچھ نہ سمجھتے ہوئے واپس پلٹ گئیں۔

عمر اب اس کی نبض ڈھونڈنے میں مصروف تھا۔ اس کا پورا وجود جیسے کسی طوفان کی زد میں آیا ہوا تھا۔

”یہ سب میری وجہ سے ہوا..... مجھے کیوں خیال نہیں آیا کہ وہ یہ سب کچھ بھی کر سکتی ہے۔“



باب ۳۲

”ہیلو ایاز! کیسے ہو تم؟“ نانو نے آواز پچھاننے ہی کہا تھا۔ ایاز حیدر ان کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟“

”میں بھی ٹھیک ہوں..... تم نے آج اس طرح اچانک فون کیسے کیا؟“ نانو کو ایک ہفتے میں دوسری بار اسے بچنے کی کال آنے پر حیرانی ہوئی۔ ایاز حیدر اگر بہت جلدی بھی نہیں کال کرتے تو ہفتے میں صرف ایک بار کال کرتے تھے۔ اور چند دن پہلے وہ ان سے بات کر رہی تھیں۔

”کوئی کام ہے؟“ نانو نے اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں میں عمر سے بات کرنا چاہتا ہوں، ویک اینڈ پر آپ کے پاس آیا ہوگا۔“

”نہیں وہ تو جب سے سہا گیا ہے۔ یہاں ویک اینڈ گزارنے نہیں آتا۔“

”مگر سہا رات تو وہ نہیں ہے..... وہیں سے مجھے چاہا ہے کہ وہ ویک اینڈ پر لاہور آیا ہے..... میں نے سوچا کہ لاہور میں آپ ہی کے پاس آیا ہوگا۔“

”نہیں وہ یہاں نہیں ہے تم نے مواہل پر اسے کال کیا نہیں کیا؟“

”اس کے مواہل کا نمبر نہیں ہے میرے پاس۔ آپ کے پاس ہوتا مجھے لکھوا دیں۔“

”ہاں میرے پاس ہے ایک منٹ۔“ نانو نے فون کے پاس موجود ڈرائی کھول لی۔ ”ہاں یہ نوٹ کرو۔“ انہوں نے عمر کا نمبر انہیں نوٹ کروایا۔ ”کیوں کوئی ضروری بات کرنی ہے اس سے؟“ نانو کو تجسس ہوا۔

”ہاں، خاص ضروری بات کرنی ہے، اچھا خدا حافظ۔“ ایاز حیدر نے مزید کوئی تفصیل بتائے بغیر فون بند کر دیا نانو نے کچھ سوچتے ہوئے فون رکھ دیا۔

دو گھنٹے بعد ایاز حیدر نے دوبارہ کال کی۔ اس بار بھی فون نانو نے ہی ریسپونڈ کیا۔

”عمر کا مواہل آف ہے، میں پچھلے دو گھنٹے سے اسے کال کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مگر کامیاب نہیں ہو رہا۔ آپ کچھ اندازہ لگا سکتی ہیں کہ وہ لاہور میں کہاں ہوگا۔“ انہوں نے چھوٹے ہی نانو سے پوچھا۔

مارے رشتہ داروں کے گھر فون کرنا شروع کر دے۔

”نانو! کتنا کارورنگ رہا ہے کہ میں اس طرح فون کر کے عمر کے بارے میں پوچھوں جیسے وہ کوئی چھوٹا بچہ ہے جو جم ہو گیا ہے، ایذا اٹھل ٹھوڑا انتظار کر لیں، وہ دیک ایڈ پر لاہور آیا ہے، کل واپس چلا جائے گا پھر وہ اطمینان سے اس سے بات کر لیں، اتنی افراتفری کی کیا ضرورت ہے۔“

”ایذا کو کوئی ضروری بات کرنی ہے ورنہ ایذا اس طرح آسان سر پر نہ اٹھا تا وہ بھی جانتا ہے کہ کل وہ واپس ہمالہ چلا جائے گا اور وہ وہاں اس سے رابطہ کر سکتا ہے۔ پھر بھی وہ اگر اسے ڈھونڈنے پر بعد سے توفیق نہ کوئی ایمر بخیر ہی ہوگی۔“

”میرا انہیں خیال کہ وہ کسی فریڈ وغیرہ کے گھر رہے ہوگا۔ اگر وہ آپ کے پاس نہیں آیا تو پھر یقیناً ہوٹل میں ٹھہرا ہوگا اور یہاں لاہور میں وہی تو ہوٹل ہیں جہاں وہ ٹھہرا ہے۔ اس لئے وہاں فون کر کے پتہ کر لیتے ہیں۔“ علیزہ نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

”ہاں یہ ٹھیک ہے، پہلے ان ہوٹل میں فون کر جس۔“ علیزہ نے ڈائریکٹری پکڑی اس سے نمبر دیکھ کر نمبر دیا۔ پہلے ہوٹل میں ہی انہیں عمر کی موجودگی کا پتہ چل گیا۔ ”وہ اس وقت ہوٹل میں نہیں ہے۔ آپ بیچ چھوڑ دیں۔“

”ان سے کہیں کہ اپنا موبائل آن کر لیں یا پھر اپنی گئی کو فون کر لیں۔“ علیزہ نے فون بند کر دیا۔

”انگل ایذا اس سے اتنی ایمر بخیر میں کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟“ فون بند کر کے ہی علیزہ نے پاس بیٹھی نانو سے پوچھا۔

”یہ تو میں نہیں جانتی۔ میں نے پوچھا بھی مگر ایذا نے بتایا انہیں مگر بہت عجیبہ و گھبراہٹا تھا۔“ نانو نے بتایا۔ ”ہوسکتا ہے۔ عمر کا پھر کوئی جھگڑا ہو گیا ہو، انگل جھانک رہے اور انگل ایذا اسی سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہیں۔“ علیزہ نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ تو ایذا ہی بتائے گا تو پتا چلے گا۔“ نانو کی ہنسنے لگی تھی۔

وہ دونوں وہیں لاؤنج میں بیٹھی بائیں کر رہی تھیں، جب فون کی گھنٹی بجی فون کا ریسپونڈر نانو نے اٹھایا۔ خلاف توقع دوسری طرف عمر تھا۔

”تم نے موبائل آف کیوں کیا ہوا ہے۔ میں کب سے تم سے کال ٹکٹ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“ نانو نے چھوٹے ہی ٹھنڈے کہا۔

”آپ کا میسج ملے ہی آپ کو کال کر رہا ہوں، بابی داوے، آپ کو یہ کیسے پتا چلا کہ میں یہاں لاہور میں اس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا۔“ عمر نے ہوٹل کا نام لیتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف عمر تھا۔

”ایذا نے فون کیا تھا۔ اسی نے بتایا کہ تم دیک ایڈ پر لاہور آئے ہو اور علیزہ نے اندازہ لگا لیا کہ تم ہوٹل میں ٹھہرے ہو گے۔“

”تمہیں میں تو نہیں جانتی کہ وہ یہاں کس کے پاس ہوگا اور پتا نہیں لاہور میں ہے کبھی یا نہیں، ہوسکتا ہے جعفر کے ساتھ ہو اس کے ساتھ خاصی دقت ہے اس کی۔“ نانو نے اپنے ایک دوسرے پتے کا نام لیتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں۔“ جعفر کے ساتھ نہیں ہے۔ میں اس کے گھر فون کر چکا ہوں، آپ ایک کام کریں عمر کے بارے میں پتہ کریں، میں کچھ دیر بعد دوبارہ آپ کو فون کرنا ہوں۔“ ایذا حیدر نے بہت سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”آخر بات کیا ہے؟ اس طرح عمر کو تلاش کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے تمہیں؟“ نانو کو بات سنو لیں ہوئے گی۔

”میں آپ کو بعد میں بتا دوں گا۔۔۔۔۔۔ فی الحال تو آپ وہی کریں جو میں کہہ رہا ہوں۔“ ایذا حیدر نے بہت جلدت میں فون بند کیا تھا۔ نانو فون کا ریسپونڈر ہاتھ میں لے کر بیٹان ہو رہی تھیں۔

”مریہ! ڈرائیو ہو جاؤ۔“ انہوں نے خانا ماں کو آواز دیتے ہوئے کہا۔ خانا باقی سر ملاتے ہوئے علیزہ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ علیزہ ہنسنے کے بعد دو پہلوئی پہن کر کمرے میں واپس آئی تھی۔ چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے بہت دیر جاگتی تھی اور اب نائٹ کے بعد اپنی ایک اسائنمنٹ تیار کرنے کے لئے ٹیبلٹی ہی تھی۔ جب مریہ نے دروازہ کھولا۔

”ٹھیک ہے میں آتی ہوں۔“ اس نے نانو کا پیغام سننے کے بعد کہا۔ جس وقت وہ لاؤنج میں آئی۔ نانو فون پر کوئی نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔

”نانو! آپ نے مجھے بلایا ہے۔“ اس نے نانو سے پوچھا۔ ”ہاں بیٹھو۔“ انہوں نے نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا۔ علیزہ صوف پر بیٹھ گئی۔

کال مل گئی تھی۔ نانو عمر کے بارے میں پوچھ رہی تھیں، علیزہ کو جوابی ہوئی۔ ”یک دم نانو کو عمر میں اتنی دلچسپی کیسے پیدا ہو گئی۔“ اس نے سوچا۔

فون بند کر کے نانو نے بتایا۔ ”ایذا کو فون آیا تھا۔ وہ عمر سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔“ انہوں نے علیزہ کو بتانا شروع کیا۔

”مگر یہاں لاہور میں تو نہیں ہے۔“ علیزہ نے کہا۔ ”وہ جانتا ہے مگر وہاں سے اسے پتہ چلا ہے مگر یہاں دیک ایڈ پر لاہور آیا ہوا ہے۔“

”لیکن عمر یہاں تو نہیں آیا، آپ نے انگل ایذا کو یہ نہیں بتایا؟“

”میں یہ بھی بتا چکی ہوں، وہ وہ کہہ رہا تھا کہ مجھ میں اس کے تمام فریڈز سے رابطہ کر کے اس کے بارے میں معلوم کروں۔“

”اس کے فریڈز سے رابطہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس کے موبائل پر کال کریں اور اسے بتا دیں کہ انگل ایذا اس سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔“ علیزہ نے پیسے ملے جھجھکیا۔

”اس کا موبائل فون آف ہے، میں نے نہیں دیکھا اس لئے کہا ہے کہ تم باری باری اس کے تمام فریڈز اور

”انگل ایاز نے میرے بارے میں آپ سے بات کی۔“ اس کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”ہاں وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے، تم سے اس کا رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس لئے اس نے مجھے فون کیا اور جیسے اس طرح ہوئی میں غصے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا میرے پاس نہیں آ سکتے تھے اور یہاں آنے کے بعد تم سے یہ بھی نہیں ہوا کہ مجھے فون ہی کر لیتے۔“ ناؤ کو اپنی شکایتیں یاد آئے نگلیں۔

”انگل ایاز مجھ سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں انہوں نے آپ کو بتایا؟“ عمر نے ان کی شکایت سن کر ہی کر دی۔

”پتا نہیں اس نے تو کچھ بھی نہیں بتایا میں یہ کہا کہ تم سے اس کا رابطہ کراؤں اب تم اسے فون کر لو یا پھر اپنا موبائل آن رکھو۔۔۔۔۔۔ وہ خود جیسے فون کر لے گا۔“

”میں انہیں فون کر لیتا ہوں لیکن کوئی اور آپ کو کال کر کے میرے بارے میں پوچھے تو میرا کالمیٹ نمبر دیں اور نہ ہی کسی کو یہ بتائیں کہ میں کہاں غمراہ ہوں۔“ عمر نے انہی سیدھی کی ہے۔

”مگر وہ کیوں کیا بات ہے؟“ ناؤ کچھ پریشان ہوئیں۔

”آپ کو پتا چل جائے گا مگر یہی کہ اس بار آپ کے بیٹے نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔“ دوسری طرف عمر نے غامضی سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔



باب ۳۳

”ہم نے وعدہ واٹس کر دیا ہے۔ وہ اب ٹھیک ہے۔ دس پندرہ منٹ بعد اسے کمرے میں شفٹ کر دیں گے۔ جب آپ اس سے مل سکتے ہیں۔“

ڈاکٹر نے انہیں اطلاع دی۔ ناؤ اور عمر نے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا ناؤ کے چہرے پر اطمینان ابھر آیا جبکہ عمر پہلے ہی کی طرح سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

علیہ کو ہسپتال لے جاتے ہوئے عمر نے گاڑی میں ناؤ کو ڈاکٹر مین کے بارے میں بتا دیا تھا۔ علیہ کی سائیکل ٹھیل پر ہوا کہ ناؤ جلد علیہ کے بیڈ کے پاس جاتے ہی عمر کو نظر آیا تھا۔ اس نے ناؤ کو دکھایا جس میں علیہ نے اپنی خودکشی کے بارے میں لکھا تھا۔

ناؤ خط ہاتھ میں لئے پورا راستہ سکتے کے عالم میں بیٹھیں رہیں۔ ان کے فیملی ڈاکٹر نے ہسپتال پہنچنے پر فوری طور پر علیہ کے کیس کو ڈبل کیا تھا۔ فیملی ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے اس نے اس کیس کو پولیس میں بھی رپورٹ نہیں کیا۔

”اس نے کیا کھا یا تھا؟“ عمر نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

”سلیپنگ پلوٹھیں، آپ لوگ اسے بہت جلدی لے آئے ابھی پوری طرح حل نہیں ہو سکی تھیں اور اس پر زیادہ اثر اس نے بھی نہیں ہوا کہ وہ یہ گولیاں لینے کی عادی لگتی ہے ورنہ جتنی تعداد میں اس نے یہ گولیاں لی ہیں اس کی حالت غامضی خراب ہوتی چاہئے تھی۔“ ڈاکٹر آہستہ آہستہ تار ہا تھا۔

”لیکن علیہ نے اس طرح کیوں کیا ہے، وہ تو بہت سمجھ دار بچی ہے۔۔۔۔۔۔ پھر اس طرح۔“ ڈاکٹر نے اپنی بات ادھر ادھر کر چھوڑ کر جواب طلب نظروں سے ناؤ کو دیکھا۔

”کالج میں کچھ فریڈز سے اس کا جھگڑا ہو گیا اور شاید ڈپریشن میں یا غصے میں اس نے یہ کیا ہے۔“ عمر نے ڈاکٹر کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

”مگر یہی کیا علیہ سلیپنگ پلوٹھیں ہے؟“

”یہ گولیاں تو نہیں کوئی اور دوائی ہی ہے مگر وہ بھی صرف جب سائیکلائٹس کے ساتھ میٹھو ہوتے تھے۔“

”آپ جو چاہے کہہ سکتے ہیں۔ میں اس سلسلے میں اب تو کچھ کہہ ہی نہیں سکتا۔ مگر مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے کہ میں نے علیحدہ اور ذوالقرنین کے انھیں کو آپ سے چھایا۔ میں نے اپنے طور پر یہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی اور شاید میں نے ایسا کر لیا ہی تھا، مگر بالآخر صرف علیحدہ کی اس حرکت سے ہوا ورنہ ذوالقرنین کا معاملہ تو ختم ہو چکا تھا۔“ اس نے بڑے پرسکون انداز میں کہا۔

”آپ اب آگے کے بارے میں سوچیں، اب آپ اس سے اس سارے معاملے کے بارے میں کیا کہیں گے یہ طے کریں۔“

”میں ذوالقرنین کی فیملی سے رابطہ قائم کروں گا اگر سب کچھ ٹھیک ہو تو میں ذوالقرنین کے ساتھ علیحدہ کی ٹائی کروں گا۔“ نانا نے یک دم جیسے اپنا فیصلہ ناپا۔

”وہ لڑکا کچھ نہیں ہے گریڈ پانچ..... وہ صاف صاف انکار کر گیا ہے اس شادی سے۔“ عمر کچھ نے بھین ہوا۔

”عمر تمہارے بات کرنے میں اور میرے بات کرنے میں بہت فرق ہو گا، ہماری فیملی کی اپنی ایک حیثیت ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم کسی فیملی کے ساتھ رشتہ جوڑنا چاہیں اور وہ بغیر سوچے سمجھے انکار کر دیں۔ ذوالقرنین شادی پر تیار نہیں تھی ہو گا تو اس کے ماں باپ اسے تیار کر لیں گے۔“

”وہ اچھا لڑکا نہیں ہے گریڈ پانچ! کم از کم مجھے اس نے اپہر نہیں کیا۔“

”اچھا ہے بابر، مجھے اس کی پروا نہیں ہے، اگر علیحدہ کو وہ پسند ہے اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے تو میرے لئے اتنا ہی کافی ہے ساری عمر اسے پالنے اور بڑا کرنے کے بعد میں یہ تو نہیں چاہوں گا کہ وہ اس طرح خودکشی کر لے اگر وہ اس شخص کے ساتھ خوش رہ سکتی ہے تو ٹھیک ہے۔ اتنا بڑا انڈیا بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک اس کی اچھائی یا برائی کا تعلق ہے میں یہ کہہ دوں گا اس کے بارے میں۔“ نانا وہیں بیٹھے بیٹھے ٹیبلے کرتے جا رہے تھے۔ نانا اور عمر کو کچھ بغیر خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتے رہے۔

☆☆☆

اگلے چند دن بھی عمر اور علیحدہ کے درمیان کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ اپنے تحریری امتحان کے رزلٹ آنے کے بعد وہ اسلام آباد چلا گیا وہاں سے اس کی واپسی دو ہفتے کے بعد ہوئی۔

”آپ نے ذوالقرنین کے سلسلے میں اس سے بات کی؟“

رات کے کھانے پر ڈانٹنگ ٹیبل پر علیحدہ سے اس کا سامنا ہوا۔ دیکھی سلام دعا کے بعد وہ سر جھکا کر خاموشی سے کھانا کھاتی رہی اور پھر کھانے سے فارغ ہو کر سب سے پہلے ٹیبل سے اٹھ کر پٹیلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد عمر نے نانا سے پوچھا۔

”وہ اس سلسلے میں کوئی بات کرنے کے لئے تیار ہی نہیں، میں نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس نے دھمکی دی کہ اگر میں نے دوبارہ ذوالقرنین کے بارے میں کچھ کہا تو وہ خودکشی کر لے گی یا پھر مگر سے بھاگ جائے گی، میں تو خوفزدہ ہو گئی، علیحدہ بھی اسے بغاوت انداز میں بات نہیں کرتی تھی۔ مگر اب دل بالکل ٹھیک ہے

”تو پھر اس کے پاس یہ Pills کہاں سے آئیں؟“

”میں تو خود حیران ہوں۔“

”کیا گریڈ پانچ لیتے ہیں؟“

”نہیں وہ تو ہمیں لیتے ہو سکتا ہے اس نے کہیں سے خرید لی ہوں۔“ نانو نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

”سب خریدی ہیں اس نے، یہی تو سمجھنا یا رہا۔ پارک سے تو میں اس کو سیدھا گھر لایا ہوں اور اس کے بعد وہ مگر سے باہر نہیں گئی پھر اس کے پاس یہ Pills کہاں سے آئیں گی۔ آپ کہہ رہی ہیں کہ گریڈ پانچ بھی نہیں لیتے۔ پھر۔“

عمر اٹھتے ہوئے انداز میں کہتے کہتے یک دم سیدھا کمرہ چلے گیا۔ اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

”کیا ہوا؟“ نانو نے کچھ حیران ہو کر اس کے چہرے کے اثرات کو دیکھا۔

”کچھ نہیں؟“ وہ یک دم بہت پریشان نظر آنے لگا تھا۔

☆☆☆

وہ اگلے دن ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آ گئی تھی۔ ہسپتال میں اس سے ملاقات کے دوران کسی نے اس سے کچھ پوچھنے یا اسے کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ نانا کو اگر اس سارے واقعہ سے شک لگا تھا تو نانو بہت خوفزدہ ہو گئی تھی، شاید وہ دونوں علیحدہ سے اس حرکت کی توقع نہیں کر سکتے تھے۔

نانو کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ علیحدہ کچھ ایک ماہ سے اتنی کامیابی سے انہیں دھوکا دے رہی تھی۔

”علیحدہ، علیحدہ اس طرح کی حرکت کیسے کر سکتی ہے۔ وہ تو بہت شادی ہے۔ ریڈر، انٹرویو آج تک وہ ایک سے دوسرا دوست نہیں بنا سکا مگر ہوائے فریڈ اور وہ بھی اس طرح چپ کر میری کچھ بھی نہیں آ رہا میں نے تو اس پر بہت محنت کی تھی، اس کی ابھی تربیت کی تھی۔“

شام کو اس کے گھر آنے کے بعد نانو، عمر اور نانا کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی کہہ رہی تھی، علیحدہ اپنے کمرے سے تھی اس اور عمر کی حم کے ڈاڑ کے بغیر نانا اور نانی کی گفتگوں نہ رہا تھا۔

”مجھے افسوس اس بات پر ہے کہ عمر نے سب کچھ ہم سے چھایا اگر یہ ہمیں پہلے بتا دیتا تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔“ نانا نے اچانک عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اگر میں آپ کو بتا دیتا تو آپ کیا کرتے۔“ عمر نے بڑی تنبیہ کی سے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

”کم از کم یہ سب کچھ نہ ہونے دیتا جواب ہوا ہے۔“

”میں آپ کو بتا دیتا تو آپ اس کو ڈانٹتے ذوالقرنین سے ملنے پر پابندی لگا دیتے۔ مگر کیا ہوتا، وہ پھر بھی یہی کرتی۔“

”تب کی تب دیکھی جاتی۔ مگر تمہارے اس طرح سب کچھ چھپانے سے حالات زیادہ خراب ہوئے ہیں۔“

اس بار نانو نے کہا۔

عمر کو دیکھتی رہی۔ جو اطمینان سے اس کی کرسی کے قریب بیڑ رہ بیٹھ گیا۔

”آپ مجھ سے میرا حال پوچھنے نہیں آئے۔ کچھ اور پوچھئے آئے ہیں۔“
 ”تم نے ٹھیک کہا۔ میں واقعی کچھ اور پوچھنے آیا ہوں۔“

”میں جانتی ہوں۔ آپ کیا پوچھے آئے ہیں؟“ اس نے اپنی گود میں رکھا ہوا بھیر چنڑا اپنے بالوں میں لگاتے ہوئے کہا۔

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے، اچھا تو کیا ہو چھنے آیا ہوں میں؟“ عمر نے بڑے اطمینان سے پوچھا۔

”آپ مجھ سے کہیں گے کہ میں نے خودکشی کی کوشش کیوں کی؟“
 ”نہیں میں یہ پوچھنے نہیں آتا۔“

علیہ کی آنکھوں میں سے قہقہہ لہرائی۔ ”ہمرا آپ مجھ سے یہ کہنے آئے ہوں مجھ کو میں نے خود کشی کی کوشش کر کے اچھا نہیں کیا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔“

”نہیں میں یہ کہنے نہیں آیا۔“

”پھر نالہ آپ سے میرے بارے میں کہہ کر کہا ہو گا۔ آپ مجھے سمجھانے آئے ہوں گے کہ میں اپنا رویہ ٹھیک کر لوں۔“

”سوری علیزہ! تمہارا اندازہ اس بار بھی غلط ہے، میں یہ بھی کہنے نہیں آیا۔ میں صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ تم کب سے میرے کمرے سے سلیپنگ پارٹی لیتی آ رہی ہو؟“ عمر نے دیکھا کہ علیزہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

”اور ظاہر ہے تم میرے سامان کی انجی خاصی جانچ پڑتال کرتی رہی ہو۔“
علینہ نے کچھ کہنا چاہا مگر اسے ٹوک دیا۔ ”نہیں، کم از کم میرے ساتھ جھوٹ نہیں۔ میں جانتا ہوں
تم میرے کمرے میں جلا لیتی رہی ہو اور تم نے میرے کمرے سے ہی بازو لے کر کڑھائی کی کوشش کی یہاں غلط
کہہ رہا ہوں؟“

”ہاں ٹھیک ہے میں نے آپ کے کمرے سے پلو لیں..... لیکن مجھے ضرورت تھی اس لئے میں اور اس میں بری بات کیا ہے؟ آپ بھی تو یہ گولیاں کھاتے ہیں۔“

”کچھ لمبوں کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔“ تمہاری اور میری عمر میں بڑا فرق ہے اور میں نے اسے عادت نہیں بنانا۔“

”مگر آپ لیتے تو ہیں نا۔“ اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

اس بار وہ چپ ہو گئی۔ ”ذوالقرنین نے مگر جا کر ایک بار بھی تمہارے بارے میں نہیں سوچا ہو گا اور تم نے اس کے لئے مرنے کی کوشش۔“

علیگز بنے حیر آواز میں اس کی بات کاٹ دی۔ ”آپ اس کے بارے میں بات نہ کریں۔“

”کیوں کیا اب تم اس سے نفرت کرنے لگی ہو؟“ عمر نے جیسے مذاق اڑایا۔ ”مگر تمہیں اس سے نفرت کبھی نہیں ہو سکتی تو پھر ٹھیک ہے کہ ریڈ پا کھڑے ہیں تاکہ تم چاہو تو دم سے اس کی شادی کروا دیجے ہیں پھر تم اس کا بڑا بڑا قول کرلو۔“

”مجھے ذواتِ قرین کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اب کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے مجھ میں اتنی سیلف ریپلیکٹ (عزت نفس) ہے کہ جو شخص میری انسلٹ کرے، میں اس سے شادی نہ کروں اور اس نے میری انسلٹ کی ہے۔“ اس کی آنکھوں میں یک دم آنسو اُڑا آئے۔ اس نے چہرہ جھکا لیا۔

”تو پھر ایسے فیض کے لئے اس طرح کی حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ اس نے جواب دیئے کی بجائے اپنا سر گھٹنوں میں جمایا۔ عمر نے اپنا سوال دہرایا۔

وہ اب دردی تھی۔ ”لوگ اتنے جھوٹے ہوتے ہیں، اتنے مکار ہوتے ہیں کہ میں تو ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ لوگ اپنے چہرے پر اتنے ماسک چڑھا کر بھرتے ہیں کہ میں تو کسی کو پہچان ہی نہیں سکتی ہر چیز کا استعمال کرتے ہیں انھوں کا بھی، میں تو لوگوں کو نہیں سمجھ سکتی ان سے مجھ سے بہت دھمبیت کا اظہار کیا۔ ان سے مجھ سے بہت دھم کہا کر وہ مجھ سے شادی کرے گا، اور اور اس دن آپ کے سامنے اس نے صاف انکار کر دیا کہ اس نے ایسا کبھی نہیں کیا تھا اس نے مجھ سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ تو اس نے مجھ سے بھی شادی کا وعدہ کیا ہے۔ اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ میرے ساتھ کیا کر رہا ہے۔ اس کے لیے سب کچھ نام پر آیا تھا۔ مگر میرے لیے تو نام پر بھی نہیں قائم تو اب کسی کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہی نہ نانا کا نہ نانا کا بیوی آپ کا۔ میرے بارے میں کیا سوچے ہوں گے سب کہ میں کس طرح کی لڑکی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے دنیا کا ایک دروازہ ہو جس سے میں باہر نکل جاؤں اگر اکیلے رہتا ہے تو پھر دلیر جا کر رہوں۔“

”اور تم نے وہ دروازہ سلپنگ پلازہ کھا کر ڈھونڈنے کی کوشش کی؟“

علیہ نے ایک دم سراخا کر عمر کو دکھا۔ ”پہ نہیں میں نے کیا کیا آپ اس دن کی بات نہ کریں۔ آپ کچھ بھی نہ کہیں مجھے بار بار سب کچھ یاد نہ دلائیں۔“

”ٹھیک ہے میں کوئی بات نہیں کرتا، ہم سب کچھ بھول جاتے ہیں سب کچھ ذوالقرنین کو بھی۔ اب تم بتاؤ آجے کیا کرتا ہے؟“

”وہی جواب کر رہی ہوں۔“

”تم جانتی ہو تمہاری وجہ سے گریبی اور گریڈ پانکٹے پریشان ہیں؟“

”میری کچھ سبب نہیں آتا ہر ایک میری وجہ سے پریشان کیوں ہوتا ہے۔ وہ دلوں اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی وجہ سے پریشان کیوں نہیں ہوتے جو کچھ آپ کے باپانے کیا۔ اس پر وہ پریشان کیوں نہیں ہوتے۔“

وہ بات کرتے کرتے چپ ہو گئی۔ عمر کا رنگ ایک لمحہ کے لئے بدلا پھر وہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا۔
 ”کبھی تو یہ خاموش کیوں ہو گئیں گی؟“ اس نے بڑے نابل اعجاز میں اس سے کہا۔

"آپ تانا اور تانو سے کہیں وہ میرے بارے میں پریشان نہ ہوں میں بالکل ٹھیک ہوں۔"
 "ٹھیک ہے میں کہہ دوں گا۔ کڑی کو کیوں چھوڑ دیا تم نے اور شہلا سے کیوں نہیں مل رہیں۔"
 "مجھے وہ دونوں ابھی نہیں لگتیں۔"

"پھر ایک دوسری لمبی اور دوسری فریڈ ٹالو۔" طلیزہ نے جیگی نظروں سے اسے دیکھا۔
 "جس چیز سے دل بھر جائے اسے Replace کر دینا چاہئے۔" عمر نے بات جاری رکھی۔
 "بالکل ویسے ہی جیسے ڈالترین نے مجھے Replace کر دیا؟"
 عمر چپ ہو گیا۔ میں ڈالترین کی بات نہیں کر رہا۔ "کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"آپ اپنی زندگی میں چیزوں کو Replace کرتے ہیں؟" وہ اسی طرح سر اٹھا کر اس سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں، میں نہیں کر پاتا۔" عمر نے اعتراف کیا۔ "مگر میں سیکھ جاؤں گا۔ جس نچو دستان میں جا رہا ہوں وہ پرفیشن مجھے سب کچھ سکھا دے گا۔"
 "مگر میں کبھی کسی چیز کو Replace کرنا نہیں سیکھ سکتی۔"
 "پھر زندگی بڑی مشکل ہو جائے گی۔ تمہارے لئے۔"
 "مشکل ہو جائے گی؟ مشکل ہے۔" وہ عجیب سے انداز میں ہنسی۔

"میں چاہتا ہوں طلیزہ! تم خود کو اس طرح ضائع مت کرو میں چاہتا ہوں۔ تم بہت اچھی زندگی گزارو۔"
 اس نے بڑی سنجیدگی سے طلیزہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔"
 "چہ نہیں، مگر میں تمہاری پروا کرتا ہوں۔ میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔"
 "آپ واقعی پروا کرتے ہیں میری؟" طلیزہ نے پوچھا۔

"کیا تمہیں اب بھی مجھ سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہے۔ میرا خیال قدامت یہ جانتی ہوگی۔"
 "میں کچھ نہیں جانتی میں نے آپ سے کہا تھا میں لوگوں کو نہیں سمجھ سکتی۔" اس نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے ان لوگوں میں شامل مت کرو جنہیں مجھ پر اعتماد ہونا چاہئے۔ طلیزہ سکندر کو عمر جیگیر کبھی دھوکا نہیں دے سکتا۔"

"طلیزہ بہت فور سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ اب بھی اسی طرح اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لئے ہوئے تھا۔
 "کیا آپ مجھ سے شادی کریں گے؟" اس نے سر اٹھا کر عمر سے پوچھا۔



باب ۳۴

"ہیلو! میں عربوں رہا ہوں۔"

"ہیلو کہاں تھے تم؟ صبح سے کتنی بار کال کر چکا ہوں..... محترم نے موبائل آف کیا ہوا تھا۔ ہو کہاں تم؟"

ایاز حیدر نے دوسری طرف سے کہا۔

"میںیں ہوں میں، لاہور میں۔ مگر تم نے بتایا کہ آپ مجھ سے بات کرنا چاہ رہے تھے کس سلسلے میں بات

کرنا چاہتے ہیں مجھ سے؟"

"تم نے آج کے ٹیوز ہیجہ زد کیے ہیں؟"

"دیکھ چکا ہوں۔" عمر نے اسی بے تاثر انداز میں کہا۔

"اپنے بارے میں خبر دیکھی ہے؟"

"ہاں۔"

"میں اسی سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔"

"کیا بات کرنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے، امدودی کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں جنہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ کچھ دنوں تک جنہیں Suspend (مغفل) کر کے تمہارے خلاف

انکڑی شروع ہونے والی ہے؟" ایاز حیدر نے جیسے انکشاف کیا۔

"ٹھیک ہو اور کچھ؟"

"تم یہاں اسلام آباد آ جاؤ۔"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے جو کچھ کرنا ہے میں یہیں رو کر دوں گا۔"

"کیا کرو گے تم؟"

"وہی جو پاپا نے کیا انہوں نے میرے خلاف پریس میں یہ سب کچھ شائع کر دیا۔ میں بھی ان کے خلاف

پریس کو وہ سارے ہیجہ زدے دوں گا جو میرے پاس ہیں۔"

ناس کے کہانوں نے جہانگیر معاذ کا غبر ملانا شروع کر دیا۔

☆☆☆

”ہاں نہیں ایاز کو کیا بات کرنی ہے عمر سے کہہ رہا تھا مجھے فون کر کے بتا دے گا مگر ابھی تک فون بھی تو نہیں کیا اس نے۔“

لچ کرتے ہوئے ناف مسلسل عمر کے بارے میں پریشان ہو رہی تھیں۔ علیزہ ان کی بڑا بہت سننے ہوئے خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی۔

”تم ذرا فون کر مھر کر۔“ بلا خرانے اس سے کہا۔

”فون کرنے سے کیا ہوگا؟“

”میں بات تو کروں تا اس سے پتا چلے کہ ایاز کو اس سے کیا بات کرنی تھی۔“

”ناٹو! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اگلے دنے کام کے حوالے سے ہی کوئی بات کرنی ہوئی ہمیں بتانے والی بات ہوئی تو اگلے آپ کو بتا دیجئے پھر عمر ہی آپ کو بتا دیجئے۔“ علیزہ اب بھی مطمئن تھی۔

”نہیں کوئی زندگی بات ضرور ہے۔ مجھے لگتا ہے۔ اس کا پھر جہانگیر کے ساتھ کوئی جھگڑا ہو گیا ہے۔ وہ کچھ کہہ بھی رہا تھا۔“

”تو یہ کیوں سی سی بات ہے چند ماہ پہلے ہی تو ہمیں جھگڑا ہوا تھا۔ اگلے جہانگیر اور اس کے درمیان تو ہمیشہ ہی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔“ علیزہ نے ناٹو کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

”پھر بھی کچھ پتا تو چنانچا ہے تم عمر کو فون کرو۔“ ناٹو نے اصرار کیا۔

”کھانا تو کھا لیتے دیں پھر کر دیتی ہوں۔“ علیزہ کو ان کے اصرار سے کچھ الجھن ہوئی۔

کھانا کھانے کے بعد علیزہ نے عمر سے سو بائیں کا نمبر ڈائل کیا۔

”سو بائیں آف ہے۔“ اس نے ناٹو کو اطلاع دی۔

”تم سو بائیں میں فون کرو۔“ ناٹو نے حمایت دی۔

علیزہ نے سو بائیں کا نمبر ڈائل کیا کچھ دقت کے بعد سو بائیں کی پہنچنے کے قدموں سے اس کا رابطہ ہو گیا۔

”ناٹو! آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔“ اس نے عمر کی آواز سننے ہی ریسیور ناٹو کو ہٹا دیا۔

”ہیلو کریں! اب کیا مسئلہ ہے؟“ وہ آتکایا ہوا لگا۔

”تم نے مجھے دوبارہ فون نہیں کیا۔ ایاز سے بات ہو گئی تھی؟“

”ہاں ہو گئی؟“

”کیا کہا اس نے تم سے؟“

”آپ نے آج کاغذ بھیج دیکھا؟“ عمر نے جواب سوال پوچھا۔

”ہاں دیکھا ہے۔“

”پھر بھی آپ پوچھ رہی ہیں۔“

تھاری، جہانگیر کا کیرئیر فٹ ہو گا تو تمہارا بھی فٹ ہو جائے گا۔“ ایاز حیدر ہلکا سا بلند آواز میں بولے۔

”مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے نہ پہلی کی نہ اپنے کیرئیر کی۔ اگر کچھ فٹ ہو رہا ہے فٹ ہو جائے بلکہ سب کچھ فٹ ہو جائے دیں۔“

”عمر! تم جذباتی ہو رہے ہو، ذرا غصے دل دو مارے سوچ، اگر پریش میں تمہارے بارے میں کچھ آج بھی گیا ہے تو اس کو روک اپ کیا جا سکتا ہے۔ تم اکیلے آفسر نہیں ہو رہی اور دوسری آفسرز کا کام آتا ہے۔ ان کی فیصلہ سازی بھی ہاتھ پاؤں ماریں گی۔ ہم کسی نہ کسی طرح انکوائری کو Delay کر دیاں گے۔ چند ماہ تک ویسے ہی سی ای سی بیٹ اپ تبدیل ہونے والا ہے۔ اک بار وہ فٹسز ہاں سے ہٹ گیا تو کن دوبارہ انکوائری شروع کر دینے کا پھر اگر اس نے جلدی انکوائری کر دیا تو ہم چاہی تو ہم دیکھ لیں گے کہ انکوائری پورے فٹس سے کون سے نمبرز ہیں ان کے ساتھ ڈیل کی جا سکتی ہے۔“

”نکین میرے سر پر لپکا رہا میں یہ سب کچھ آج ہی گاہے گا۔“

”اس کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔“

”تو پھر فلک ہے جب پاپا کے بارے میں پریش کچھ شائع کرے تو آپ بالکل ایسی طریقے سے سارے معاملے کو جنڈل کریں، جس طرح آپ میرے معاملے کو جنڈل کرنے کا کہہ رہے ہیں۔“ وہ اب بھی اپنی بات پرازا ہوا تھا۔

”انہوں نے میرے ساتھ جو کیا ہے میں بھی ان کے ساتھ وی کروں گا۔۔۔۔۔۔ کم از کم اب وہ مجھے استعمال کر کے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔“

”میں نے تمہیں بتایا ہے کہ جہانگیر نے یہ سب نہیں کر دیا۔“

”مگر انہوں نے یہ سب ہونے سے روکا بھی نہیں۔“ اگلے آپ اپنے بیٹے کے خلاف ایسی کوئی رپورٹ پریش تک آنے دیتے؟ خاص طور پر جب وہ آپ کے کہنے پر ہی سب کچھ کرتا رہا ہو۔“

ایاز حیدر اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔

”کوئی اپنے گھر کے کتے کے ساتھ بھی وہ نہیں کرتا جو میرے باپ نے میرے ساتھ کیا ہے۔ مجھے پوری طرح دل دل میں پشیمان ہے۔ میرے بارے میں جو الزامات آتے ہیں۔ ان کے بعد میں تو کسی کو نہ بھی نہیں دیکھا سکتا میں صرف اس گندگی کی وجہ سے قانون سروس چھوڑ کر آ گیا تھا کہ نہ میں وہاں ہوں گا نہ مجھے اس طرح کے کام کرنا پڑے گا اور پاپا مجھے یہاں بھی رہنے نہیں دے رہے، اگر وہ رپورٹ اس شخص نے پریش تک پہنچائی ہے جب بھی کہیں نہیں انہوں نے روکا ہے؟ مگر جہاں جہانگیر معاذ کی اپنی ذات آ جائے وہاں تو ہمیں اور کچھ نظری نہیں آتا حتیٰ کہ اپنی اولاد بھی اگر یہ میرے ساتھ یہ سب کچھ کریں گے تو پھر میں بھی ان کا فائدہ نہیں کروں گا۔“

”ان میں ان ہی کی زبان میں جواب دوں گا۔“ اس نے فون بند کر دیا۔

ایاز حیدر نے پریشانی کے عالم میں اس کا نمبر دوبارہ ملنا شروع کیا۔ سو بائیں آف کر دیا تھا۔ ایک گہری

”کیا مطلب؟“

”فادر رول کے کچھ آئینہ کے بارے میں فرسٹ بیج پرایک ہیڈ لائن ہے، اسے ذرا غور سے پڑھ لیں۔ اس میں ہر نام نہیں دیا گیا مگر میرے جھڈے اور پوشنگ کے حوالے سے کچھ اضافہ پیش دی گئی ہے۔ انکل ایاز اس کے سلسلے میں بات کرنا چاہ رہے تھے۔ میرے خلاف انکوائری ہونے والی ہے چند دنوں تک مجھے Suspend (معطل) کر دیا جائے گا۔“

اس نے ایک لمبی سانس لے کر بتایا۔ ناویک دم پریشان ہو گئیں۔

”پھر کیا ہوگا؟ تم نے آخر ایسا کیا کیا ہے کہ وہ مجھیں Suspend (معطل) کر رہے ہیں۔“

”گرمی! اس وقت مجھ سے کچھ نہ پوچھیں، میں رات کو آپ کی طرف آؤں گا۔ کھانا آپ کے ساتھ کھاؤں گا جب آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔“

کھانا

”ٹھیک ہے میں رات کو تمہارا انتظار کروں گی۔“ عمر نے خدا حافظ کہہ کر نون پکچو دیا۔

”عمر کو معطل کر رہے ہیں؟“ علیہ نے ناؤ کے ڈون کر سکتے ہی ان سے پوچھا۔

”ہاں تم ذرا آج کاغذ سہجہ لاؤ۔“ ناؤ بے حد گرمہ نظر آنے لگی تھی۔

”علیہ وہ اخبار لے کر ان کے پاس آگئی۔ وہ بھی ایک دم سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔ ناؤ نے اخبار اپنے سامنے پھیلا لیا۔ علیہ نے انہیں دسرب نہیں کیا۔

خاصی دیر بعد انہوں نے سر اٹھایا۔

”خیر کچھ زخمی عمر کے بارے میں کوئی خبر ہے؟“

”ہاں۔“ ناؤ نے مزید کچھ کے بغیر وہ معلومات کی طرف بڑھا دیا۔

”عمر نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟“ وہ جیسے حیرت سے چیخ اٹھی۔ ”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ عمر بھی یہ سب کر سکتا ہے۔“ خبر پڑھ کر اس کے چہرے پر بے چارگی ابھر آئی تھی۔

رات کو عمر کے آنے تک وہ دونوں گرمہ دی کے عالم میں وہاں بیٹھی اسی کے بارے میں بات کرتی رہیں۔ مگر جب وہ آیا تو اس کے چہرے کے تاثرات نے ان دونوں کو حیران کیا۔

خلاف توقع وہ بہت پرسکون اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ کھانے کی میز پر وہ ناؤ سے مختلف ڈشز کو دیکس کرنا رہا۔ علیہ اس کے چہرے کو گور سے دیکھتی رہی وہ ہمیشہ کی طرح بڑے اطمینان سے اپنے آپ کو چھپانے ہوئے تھا۔

اس کے چہرے سے یہ اندازہ لگا مشکل تھا کہ وہ کسی قسم کی مشکل یا پریشانی سے دوچار تھا۔

کھانے کے بعد وہ تینوں کافی پینے لاؤنج میں بیٹھ گئے اور جب ناؤ نے خود بات شروع کی۔

”تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟“

”آپ کے بیٹے کے لئے کیا؟“ اس نے ایک لمحے کے توقف کے بغیر کہا۔

”مجھیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

”یہاں اس وقت کافی کے سب لینے ہوئے یہ مشورہ دینا بہت آسان ہے گرمی! مگر جب آپ ٹی وی

لاؤنج کے بجائے ایکسی کے آفس میں بیٹھے ہوں اور آپ کا پاس جاکر آپ کا باپ بھی وہ وہ آپ سے یہ کہے کہ اس فائل کی ایک کاپی کسی ایسے شخص کو دے دو جو یکسر رلی ریسک ہو تو آپ انکا نہیں کر سکتے۔ آپ کس طرح اعتراض کر سکتے ہیں یہ کہیں گے کہ میں نہیں دوں گا یا جی حب الوطنی کے بارے میں کوئی تقریر شروع کر دیں گے۔ ایسا کرنے کے بعد آپ اس آفس میں کسی دیر اور دوں چھوٹے ہیں جہاں کے چڑا سی لے کر کھانسیڑ ریسک سب ایک جیسے ہوں۔“

”جہاں کھانا کھانا نہیں کرنا چاہتے تھا۔“ ناؤ نے انفرادی سے کہا۔

”یہ جلد آپ نے بیچیں سال دیر سے کہا بیچیں سال پہلے آپ اپنے بیٹے کو یہ بات کہہ دیتی تو شاید وہ چند لمبے سوچنا کر زندگی میں کیا کرنا چاہتے اور انکسین مگر اب بیچیں سال بعد اس کے لئے یہ ایک سچے جملے ہوں ان فائل کے بدلے میرے باپ کے پاس اسے ڈالنا آگئے ہیں ان سے خیرگی جانے والی چیزیں کی بھی رہنے سے زیادہ منگ ہوتی ہیں۔“

علیہ کو اندازہ نہیں ہوا کہ اس کی باتیں زیادہ تر حقیقتیں ہوں اور اسے اپنے اندر اثر مل رہی تھی۔

”اب کیا ہوگا؟“ ناؤ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

”پتا نہیں۔“ عمر نے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”بس میرے پاس پاپا کے خلاف جو بھی چیز ہیں، میں بھی انہیں پریس کے ذریعے سامنے لا رہا ہوں۔“

پاپا نے مجھے ڈوبنے کی کوشش کی ہے۔ میں انہیں ڈوبنے کی کوشش کروں گا۔“

اس کے لمحے میں عجیب سرد مہر کی تھی۔

ٹی وی پر لوہے کاغذ پیش شروع ہو چکا تھا۔ وہ اب کافی پینے کے ساتھ خبروں کی طرف متوجہ تھا۔

”اور تمہارا کیا ہوگا؟“ ناؤ اس کے لئے گرمہ دیا۔

”میرا؟“ وہ ہنسا۔ ”کچھ نہیں چاہتے یا جیسے معطل رہوں گا پھر دوبارہ پوشنگ مل جائے گی۔ البتہ ریکارڈ

خراب ہو جائے گا میں گھر چلا کر پاپا کو خامے نوٹد حاصل ہوں گے۔ ان خبروں اور میری Suspension سے۔ وہ واقف

بہت خوش قسمت آدمی ہیں سب کا ڈیٹا ایسا ہی کا ہوا رہتا ہے۔“ ٹی وی اسکرین پر نظریں جاتے کہہ رہا تھا۔

”آج کرنا ہی میں کچھ نامعلوم جملہ آوروں نے صرف صحافی شہباز خیر کو اس وقت کوئی مارکر ہلاک کر دیا

جب وہ اپنے آفس میں تھے۔ مقتول ایک مولد افس کے انگلیں انبار کے ایڈیٹر تھے حملہ آور جانے سے پہلے ان کے

آفس میں موجود تمام دستاویزات کو آگ لگ گئے۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے تحقیق شروع کر دی ہے وزیر اعلیٰ اور

گورنر نے اس حادثہ پر دلی افسوس۔“

”ایک تو یہ روز روز کے نکل پتا نہیں حکومت لا اینڈ آؤر کو ٹھیک کیوں نہیں کر پاتی۔“

ناؤ کی بڑبڑات نے علیہ کی سچوں کا تسلسل توڑ دیا۔ ٹی وی پر اب نچوڑ کا سکرین اور خبر پڑھ رہی تھی۔

”مجھیں کیا ہوا ہے عمر؟“ علیہ نے ناؤ کی آواز پر چونک کر عمر کو دیکھا۔ وہ ہونٹ نیچے زور چہرے کے

ساتھ صوفے کی پشت سے ٹک لگے ہوئے تھا۔



اور ذوالقرنین میری آنکھوں پر سب اچھا ہے کی پٹا باندھتے رہے۔
 ”ایسا نہیں ہے۔“ عمر نے دھم آواز میں کہا۔
 ”ایسا ہے۔ مجھ میں کچھ تو اناہل ہے۔۔۔ کوئی کی تو ہے۔“
 ”تم میں لیکن اناج Impulsiveness کے علاوہ اور کوئی غالی نہیں ہے۔“ عمر نے جیسے اسے یقین دلاتا

چاہتا۔

”لوگوں کو میرے بارے میں بات کرنے کا بہت شوق ہے۔“ وہ عمر کی بات سنے بغیر بولتی گئی۔ ”چاہے وہ آپ ہوں یا پھر نانا، نانا۔۔۔۔۔۔ ہر ایک نے زندگی کا مقصد طیلوہ پر تبصرہ کرنا بنالیا ہے۔“
 عمر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ ”میں ٹھیک آگئی ہوں اس سب سے۔۔۔۔۔۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔“
 ”تمہیں ہم لوگوں سے شکایتیں ہیں؟“ عمر نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”نہیں۔۔۔۔۔۔“ وہ حد درجہ بیزار نظر آئی۔
 ”تم کچھ عرصہ کے لئے اپنے عزیز میں سے کسی کے پاس چلی جاؤ۔“
 ”کیوں جاؤں؟“ وہ دیک دم تھکے سے اگڑ گئی۔
 ”تمہارا ڈپریشن دور ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔ خود کو بہتر محسوس کروں گی تم۔“
 ”عیز میں سے کسی کے پاس جا کر خود کو بہتر محسوس کروں گی، میں؟ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ وہ اگر مجھے اپنی زندگی سے نکال دیتے ہیں تو میں نے بھی انہیں اپنی زندگی سے نکال دیا ہے۔ میں دوبارہ کبھی ان دونوں سے ملنا نہیں چاہتی۔“

”ٹھیک ہے ان کے پاس مت جاؤ۔ کہیں اور چلی جاؤ اگر یہی کے ساتھ۔“
 ”مجھے ہانو کے ساتھ بھی کہیں نہیں جانا۔“ وہ رینڈا کے ساتھ چلی جاؤ۔
 ”ان کے ساتھ بھی نہیں جانا۔“ ”کیسے جانا چاہتی ہو؟“
 ”مجھے نہیں پتا۔ بار بار ایسے نہ کہیں۔“ وہ اب اس سے الجھ رہی تھی۔
 ”کیا براہیل ہے طیلوہ؟ کیوں اس طرح کر رہی ہو؟“
 ”آپ میں سے کوئی بھی میرے پر اہلہ کا اندازہ نہیں کر سکتا کیونکہ آپ میں سے کوئی طیلوہ و سکندر نہیں ہے۔“
 ”ٹھیک ہے ہم میں سے کوئی بھی تمہارے پر اہلہ کو کہیں کبھی سکھائیہ ہم طیلوہ و سکندر نہیں ہیں مگر تم خواہنے

ساتھ کیا کر رہی ہو؟ تم نے یہ سوچا ہے؟“
 ”میں جرمی کر رہی ہوں ٹھیک کر رہی ہوں۔“
 ”تم ٹھیک نہیں کر رہی ہیں۔ تم اپنی زندگی اور خود کو ضائع کر رہی ہو۔“
 ”اگر میں ایسا کر رہی ہوں تو مجھے کرنے دیں۔“
 ”چار پانچ سال بعد تم کہاں کھڑی ہوگی۔ کیا تم نے کبھی یہ سوچا ہے؟“ عمر کا لہجہ ایک دم نرم ہو گیا۔

باب ۳۵

عمر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔
 ”آپ کریں گے مجھ سے شادی؟“ طیلوہ کا انداز اس بار پہلے سے بھی زیادہ اکھڑ تھا۔
 ”عمر ایک دم ہنس پڑا۔“ مذاق کر رہی ہو؟“
 ”نہیں۔ میں مذاق نہیں کر رہی۔ میں بالکل سنجیدہ ہوں اور آپ نے ایسا سوچا بھی کیوں کہ میں آپ سے اس بارے میں مذاق کروں گی۔“
 عمر کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔
 ”تاہم۔ آپ کریں گے مجھ سے شادی؟“ وہ اسی تنبیہ کی کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔ ”آپ خاموش کیوں ہیں؟“
 ”ہر سوال کا جواب ضروری ہوتا ہے کیا؟“
 ”ہاں ضروری ہوتا ہے، کم از کم اس سوال کا جو میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔“
 عمر اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اس نے حکم انداز میں کہا۔ ”نہیں۔“
 طیلوہ کی رگت خنثی ہو گئی پھر اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ ابھری۔ ”میں جانتی تھی، آپ کا جواب یہی ہوگا۔ میں اسے بہتوں سے یہی جانتے کی کوشش کر رہی ہوں کہ ذوالقرنین نے آخر مجھ سے شادی سے انکار کیوں کیا۔ کوئی تو ایسی غالی ہوگی۔ مجھ میں کس اس نے مجھے صرف ہانپ پاس سمجھا۔ مجھے سے مستقل تعلق نہیں جوڑا اور میں نے خود کشی سوچے کچھ بغیر نہیں کرنا چاہی۔ میں نے سب کچھ سوچ کر وہ چلو دی تھیں۔ آپ جب سے یہاں آئے ہیں۔ مجھے یہی بتاتے رہے کہ میں بالکل نابل ہوں، مجھ میں کوئی کمی نہیں ہے۔ مجھ میں بہت ساری کوٹلیز ہیں۔ آپ کو پتا ہے آپ میں ذوالقرنین میں زیادہ فرق نہیں ہے، وہ بھی مجھ سے سبب یکساں تھا۔ پتا تھا۔ بس آپ نے اس کی طرح مجھ سے اعجاز محبت نہیں کیا۔“ اس نے کہا۔
 ”طیلوہ!“ عمر نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔
 ”آپ مجھے بات کرنے دیں، روکیں نہیں۔ مجھ میں کوئی ایسی غالی تو ہوگی جس کو کوہ کرنے کے لئے آپ

”دنیا کا کوئی دوا دوا نہیں ہوتا جسے کھول کر ہم اس سے باہر نکل جائیں۔“ اس نے علطیرہ کا جلد دہرایا علطیرہ نے نر جھکا لیا۔ ”دنیا کی صرف کھڑکیاں ہوتی ہیں جن سے ہم باہر جھانک سکتے ہیں۔ بعض دفعہ یہ کھڑکیاں دنیا سے باہر کے منظر دکھاتی ہیں۔ بعض دفعہ یہ اپنے اندر کے منظر دکھانے لگتی ہیں مگر یہ بالی اور فرار میں بھی مدد نہیں دیتیں۔“ وہ جیسے فلسفہ بول رہا تھا علطیرہ کو حیرت ہوئی اس نے عمر کو اس طرح کی باتیں پہلے بھی کرتے نہیں سنا تھا۔ ”زندگی ذوقاقرین ہے شورش ہوئی ہے شاس فرختم ہوئی ہے۔۔۔۔۔ ذوقاقرین تمہارے لئے وہ تجربہ ہے جس پر کبھی تم بہت ہنسو گی۔۔۔۔۔ سوچ کر کہ کیا تم اس شخص کے لئے خوشی کر رہی تھیں۔“

”زندگی میں انسان کو ایک عادت ضرور لینے کی چاہئے جو چیز سے نکل جائے اسے بھول جانے کی عادت۔ یہ عادت بہت ہی تکلیفوں سے بچاؤتی ہے۔“ وہ اپ لپڑاؤں سے کہہ رہا تھا۔
”انسان چیزیں نہیں ہوتے آپ نے کسی سے موت کی ہے انہیں۔ لیکن میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ آپ کو کسی نے بھری طرح رنجشک نہیں کیا ہوگا۔۔۔۔۔ اس طرح کسی نے آپ کے احساسات کو مذاق نہیں اڑایا ہوگا۔ جینا ذوقاقرین لے میرے ساتھ کیا۔“

عمر اس کی بات پر بے اختیار ہنسا۔ ”یہ علطیرہ کی دور کرلو علطیرہ۔۔۔۔۔ مجھے کس کس طرح اور سختی دفعہ رنجشک کیا گیا ہے۔ اس کا اندازہ تم نہیں لگا سکتی کیونکہ اس کا اندازہ مجھے بھی نہیں ہے۔ رنجشکوں انسان کی زندگی کا ایک اہم حصہ ہوتا ہے۔ کبھی ہم کسی کو رنجشک کرتے ہیں مگر کوئی ہمیں رنجشک کر دیتا ہے۔ اس چیز کے بارے میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے اسے تو بہت ڈال لیتا چاہئے۔ تمہیں کسی دن بتاؤں گا کہ مجھے کتنی دفعہ رنجشک کیا گیا۔“ وہ اپ بالکل بائیں سر پر نظر اڑا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ علطیرہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو سے محفوظ ہو رہا ہو۔
”تم اتنی خوش صورت ہو کہ آج سے پانچ سال بعد ذوقاقرین اور میرے جیسے بہت سے تمہارے لئے لاشیں میں گئے ہوں گے، اور تب تم کو بھی انہیں اس قسم کے لوگ نہیں چاہیں گے۔ ان سے بہتر تجربہ ہونی چاہئے جیسے دکان پر جوتا پندرہ گرتے ہیں یا بالکل ویسے۔“ وہ کسی مذاق اڑا رہا تھا علطیرہ اندازہ نہیں کر سکی۔
”اور علطیرہ سکندر کا شوہر ایک بڑا خوش قسمت شخص ہوگا۔“

اس نے بچوں کی طرح مراٹھا کر دیکھا۔ عمر کے چہرے پر بے عیب سی مسکراہٹ تھی۔
”عمر جہانگیر کی بیوی بھی ایک بہت خوش قسمت لڑکی ہوگی۔“ اس نے کچھ مجھتے ہوئے کہا۔
”میں عمر جہانگیر کی بیوی بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ مجھے شادی میں مرے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ عمر نے اپ لپڑاؤں سے کہا۔
”کیوں؟“

”بس ویسے ہی۔۔۔۔۔ مجھے یہ آزادی اچھی لگتی ہے۔ بیوی سے خامے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اور میرے پاس مسائل کی پہلے بھی کمی نہیں ہے۔“

”یہ تو بڑی فضول بات ہے۔“ علطیرہ کو اس کی رائے پر اعتراض ہوا۔

”تمہیں فضول بات نہیں ہے۔ حقیقت ہے۔۔۔۔۔ میں کسی کی بھی ذمہ داری اپنے سر نہیں لے سکتا اور بیوی ایک بڑی ذمہ داری ہے۔۔۔۔۔ میرا حال اس موضوع پر دو بارہ سوچا بھی بات کریں گے۔ فی الحال تو میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں واپس امریکہ جا رہا ہوں۔“
اس نے بات کا موضوع بدل دیا۔ علطیرہ کو ایک دم چکا لگا۔
”کیوں؟“

”انٹرویو سے چکا ہوں میں اب رزلٹ کا انتظار کرنے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں ہے مجھے، اور رزلٹ میں چند ماہ لگ جائیں گے۔ پھر فرینک شروع ہوتے ہوتے سات آٹھ ماہ تو گج ہی جائیں گے اور اتنا کسا عرصہ میں یہاں تو نہیں رہ سکتا۔ واپس جا کر سکون سے کچھ وقت گزاروں گا۔ وہاں میرے فریڈز ہیں۔ ہو سکتا ہے چند ماہ کے لئے اپنا جینا جاؤں یا پھر انگلینڈ میں کچھ مہینے چاہتا ہوں۔ پاکستان میں اسٹے ماہ ایک ہی طرح کی روٹین سے جگمگ آگیا ہوں۔“ اس نے تفصیل سے اپنا پروگرام بتاتے ہوئے کہا۔

”آپ منت جائیں۔“
”کیوں جی، کیوں نہ جاؤں۔ تمہیں یاد ہے جب میں یہاں آتا تھا تو شروع میں تم مجھے رکھنا نہیں چاہتی تھیں۔“ عمر نے اسے یاد دلایا۔ وہ کچھ غصی ہو گئی۔
”جب اور بات تھی۔“

”کیا کہا ہے۔“
”اب مجھے آپ کے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے، بلکہ مجھے اچھا لے گا آپ کا یہاں رہنا۔“
”مجھے واپس آنا ہے بس کچھ ماہ کی بات ہے پھر میں لے لاہور میں فرینک ہوگی اور میں لاہور میں ہی ہوں گا۔“ عمر نے اسے تسلی دی۔
”میں آپ کو بہت کس کروں گی۔“

”میرے لئے بڑے اعزاز کی بات ہے یہ کہ علطیرہ سکندر مجھے مس کرے گی۔“
”میں میریں ہوں۔“
”ان کریم مایا کلاوسٹ سے دوبارہ اپنا علاج شروع کرواؤ تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔“
”میں علاج کرواؤں گی۔“ علطیرہ نے بلا توقف کہا۔
”فیک ہے پھر میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں بہت جلد یہاں واپس آ جاؤں گا۔“ عمر نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ علطیرہ نے کچھ بے جا انداز میں اس سے ہاتھ لایا۔

”تو کل ہم دوبارہ پہلے والی علطیرہ سے ملیں گے۔ فیک ہے؟“ عمر نے اٹھے ہوئے کہا۔ وہ مسکرا دی۔
”کرتی کو تمہارے کمرے میں چھوڑ دوں۔“ عمر نے جاتے جاتے پوچھا۔
”نہیں، میں خود اسے آتی ہوں۔“ علطیرہ نے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”یہ ممکن نہیں ہے۔“

”کیوں ممکن نہیں ہے؟“

”وہ اس وقت مصروف ہیں۔“

”میں تھوڑی دیر بعد کال کروں گا۔“

”وہ بھی مصروف ہوں گے۔“

”کیا وہ ساری رات ہی مصروف رہیں گے؟“ عمر کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

”ہو سکتا ہے۔“ عمر نے فون ڈال دیا۔

اس کے فون رکھتے ہی نانو نے اسے مخاطب کیا۔

”کیا پڑیٹانی ہے عمر تمہیں؟“

”کوئی پڑیٹانی نہیں ہے۔“ اس نے اسی طرح جھنجھلاہٹے ہوئے انداز میں کہا۔

”ایاز کو کیوں بار بار فون کر رہے ہو؟“

عمر نے ان کے سوال کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ علیحدہ نے عمر کے چہرے پر پہلی بار حیرت دیکھی۔

”انگل ایاز نے شہباز کا قتل کروایا ہے۔“ علیحدہ نے کچھ دیر بعد اسے کہتے سنا۔

”کیا کہہ رہے ہو؟“ کون شہباز؟“ نانو کے بیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

”آپ نے ابھی انہی وی بی جس جرنلٹ کے قتل کی خبر سن ہے جس میں اسی کی بات کر رہا ہوں“

”مگر۔۔۔ شہباز ایاز کیوں کسی قتل کروانے کا؟“

”شہباز دوست تھا میرا۔۔۔ میں نے پایا کے خلاف سارے ڈاکٹمنٹس اس کو آج ہی فیکس کئے تھے۔ مجھے

اندازہ نہیں تھا۔ انگل ایاز اتنی آسانی سے اور اتنی جلدی اس تک پہنچ جائیں گے۔“

”نہیں ایاز اتنی ہی بات پر کسی قتل نہیں کر داسکتا۔ وہ تو قتل کروا ہی نہیں سکتا۔“

نانو کو عمر کی بات پر یقین نہیں آیا۔

”آپ کے بیٹے ہیرو دور کس میں ایسے ٹیگ لیڈر ہیں جو خود کو بچانے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔“ عمر

کے لہجے میں تھی۔

”کراچی کے حالات دیکھیں ہی خراب ہیں، وہاں اخبارات کے دفاتر پر حملے روز کا معمول ہیں۔ یہ بھی ایسا

ہی کوئی حملہ تو تھا۔“ نانو نے عمر کی بدگمانی دور کرنے کی کوشش کی۔

”اخبارات کے دفاتر لاہور میں بھی ہوں اور وہ ج چھاپنے کی کوشش کریں گے تو ان پر اسی طرح حملے ہوں

گے۔ ان کے اپنے بیورو کی اس طرح قتل کیا جاتا رہے گا۔ یہاں بات کراچی اور لاہور کی نہیں ہے صرف اپنے چہرے پر

چڑھے ہوئے ماسک کو اتارنے سے بچانے کی ہے۔“

”پھر بھی ایاز ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے کیا ضرورت ہے خواہ وہ کسی قتل کروانے کی۔ سارا جھگڑا تو تمہارا اور

باب ۳۶

نانو کی بات کا جواب دینے کی بجائے عمر نے اپنے سامنے سینئر نیل پر پڑا ہوا مہو پھل اٹھالیا۔ وہ اب کوئی

نمبر لارہا تھا۔

علیحدہ نے نانو کو دیکھا، وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں غرور کر رہی تھی۔ اس خبر پر عمر کا رد عمل ان کے لئے

غیر معمولی اور حیران کن تھا۔ وہ بار بار سو بائیں پر کچھ نمبر ڈاکل کر رہا تھا۔ مگر شاید رابطہ قائم نہیں ہو پا رہا تھا۔ اب اس کے

چہرے پر جھنجھٹا ہٹ نظر آنے لگی۔ سو بائیں بند کر کے اس نے تقریباً اسی سینئر نیل پر پھینک دیا۔ جو وہاں سے پھسلتا ہوا

چپے کار پٹ پر گر پڑا اب وہ لاؤنج میں موجود نیل فون کی طرف بڑھ گیا۔ علیحدہ اور نانو خاموشی سے اس کی سرگرمیاں

دیکھتی رہیں۔

”انگل ایاز سے بات کرواؤ۔“ وہ اب فون پر بڑی روشنی کے ساتھ کسی سے کہہ رہا تھا۔

”آپ کون ہیں؟“ دوسری طرف سے اس سے یقیناً نیکی پر چھایا گیا جس کے جواب میں اس نے کہا۔

”میں عمر جہانگیر ہوں۔ ان کا بیٹھیا۔“

علیحدہ نے یک دم اس کے چہرے کو سرخ ہوتے دیکھا۔

”بات نہیں کرنا چاہتے وہ مجھ سے؟“ فون دوڑا نہیں۔ ”وہ اب بلند آواز سے کسی سے کہہ رہا تھا۔“

”میں انہیں فون نہیں دے سکتا۔ وہ آپ سے بات کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ آپ کے لئے ان کا ایک

پیغام ہے۔“

دوسری طرف سے اسے اطلاع دی گئی۔

”کیا پیغام ہے؟“ اس کے ہاتھ پر ہل آ گئے۔

”وہ کل لاہور آ رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ آپ کل لاہور میں ہی رہیں۔ واپس نہ جائیں۔ وہ آپ

سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”نیل میں اس سے ابھی اور اسی وقت بات کرنا چاہتا ہوں۔“ عمر نے پیغام سننے کے بعد کہا۔

”یہ نیوٹرل سے جاب کی آخر ہوئی۔ یہاں نہیں کرتی۔“
اسے اعزاز تھا، وہ کمزری کے پاس کیوں چلا گیا تھا اس کی آواز اب بھرانے لگی تھی۔ وہ اب رک کر بات کر رہا تھا۔

”جس سے محبت کی اس سے شادی بھی نہیں کی۔ اس کے ساتھ کبھی نور دنیا میں پرستی تھی وہ لڑکی۔ اس کے ساتھ پاکستان آنے کو بھی تیار تھی۔ میں نے اس سے کہا ”پاکستانی لڑکی ہے تمہارے ساتھ پاکستان جا کر ایڈجسٹ ہو جائے گی پھر ایک مسئلہ ہے۔ وہ کہنے لگا ایڈجسٹ نہیں ہوگی۔ دو ماہ رہے گی۔ چار ماہ رہے گا بعد شروع کرے گی وہاں جانا ہے۔ پھر یہ بتانا شروع کر دے گی کہ میں امریکہ میں کتنا کام کتا ہوں اور پاکستان میں کتنا کام کر رہا ہوں۔ پھر روئے گی اور کہے گی میں اسے تکلیف دے رہا ہوں اور میں اس سے اپنی محبت کرتا ہوں کہ یہ وہاں جا کر روئے گی تو میں برداشت نہیں کر سوں گا پھر شاید اس کے لئے سب کچھ چھوڑ کر واپس آ جاؤں۔ اور یہ سب میں نہیں جانتا، بھرتے ہوئے کھل دے گی بجائے یہ آج روئے۔ گالیاں دے لے مجھے، پھر آرام سے اپنی زندگی شروع کر لے گی۔ میں بھی پاکستان جا کر کچھ عرصہ کے بعد وہاں کی کسی لڑکی سے شادی کر لوں گا اور کچھ بھی ہو کم از کم وہ پاکستان چھوڑنے کے بارے میں نہیں کہے گی۔“
وہ خاموش ہو گیا۔ طعنے اس کی پشت کو دھکتی رہی۔

”ایک ہی جملہ تھا اس کی زبان پر۔ پاکستان جانا ہے۔ ضرورت ہے میرے ملک کو میری۔ اس کے قادر بھی جرنلٹ ہیں اور اس کی اس برین وائٹنگ کے ذمہ دار بھی۔ میں نے تین نیوز پیپر کے ایڈیٹرز سے کاٹ لیا۔ پاپا کے بارے میں وہ سارے ثبوت شائع کروانے کے لئے، تین بڑے نیوز پیپرز جن کا دعویٰ ہے کہ وہ جے جے علاوہ کچھ شائع نہیں کرتے۔ تینوں کے ایڈیٹرز نے مذمت کر لی۔“ وہ بات کرتے کرتے ٹک گیا۔
”تجربہ گیم حجاز کے بارے میں خبر شائع کرنے کے لئے جس حوصلے اور جرأت کی ضرورت تھی وہ ان میں نہیں تھی۔ جے جے نام نہاد طبرداروں کے پاس۔ پھر مجھے شہباز ضمیر یاد آیا، اور اب مجھے چھتا دا ہے کہ کاش میں اسے وہ دب بچو نہ بھیجا تا یا پھر وہ بھی دوسری کی طرح انکار کر دیا تو شاید آج زندہ ہوتا۔ خبروں کا کیا ہے صرف خبریں لکھنے سے کسی ملک کی تقدیر نہیں بدلا کرتی۔“ عمر وہ اپنی اسی سوچتا تھا۔ ضمیر تھا اس کے پاس لے۔ اور اس ضمیر نے اسے موت دے دی۔“ وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔

طعنے کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس سے کیا کہے کیا اسے یہ بتا دے کہ ناو کی طرح اسے بھی اس بات پر یقین نہیں تھا کہ ناو لنگر لے لے اتنی معمولی بات پر اتنا بڑا قدم اٹھایا ہوگا۔ عمر کے لیے کا اعتماد اور یقین ہمیشہ کی طرح اس کی رائے کو حائل کر رہا تھا۔

”عمر! کیا آپ کو یقین ہے کہ انکل ایاز۔“ طعنے نے اپنا جملہ ادھر ادھر چھوڑ دیا۔ عمر ایک گہری سانس لے کر پلٹا۔ کچھ کتبہ بخیر وہ ایک بار پھر بڑے کریمتہ گیا۔ طعنے نے اپنا سوال نہیں دہرایا۔
”اب آپ کیا کر سکتے ہیں؟“ وہ اب بھی خاموش تھا۔ طعنے کو ایک دم یوں لگا جیسے وہ جی طور پر کہیں اور پہنچا

میں کیا عرب بھی تنہائی سے خوفزدہ ہے؟ ماہہ پرستی سے ڈرتا ہے۔ کیا عمر؟“
”ایک جاب مل جائے گی۔“ دو کروڑوں کا ایک کا جب بتا اپارٹمنٹ۔ صبح سے رات تک ڈانڈا زور پاؤنڈر کمانے کے لئے مشتعل زندگی۔ کیونکہ ایک لائف اسٹائل Maintain کرتا ہے۔ کیونکہ زندگی کی وہ آسائشات پائیں جن کے ساتھ میں بڑا ہوا ہوں۔ چنی اور سینٹ پیٹ کر کے بنایا ہوا چیک پیٹنس۔ دو کروڑوں سے محروم ایک ایسی زندگی جہاں پر اپنے جوتے پالش کرنے سے کھانا پکانے تک ہر کام مجھے خود کرنا پڑے گا۔ جہاں ہر گھر میں کچھ مہمان آ جاتے ہر میری کچھ بھی نہیں آئے گا کہ انہیں کہاں مہاؤں اور کہاں سلاؤں۔ تم تو اپنی کئی کے پاس جاتی رہتی ہو، اعزاز وہ کتنی ہے، وہ زندگی کی گزاری رہی ہیں۔“
”مگر سب کچھ ہمیشہ ایسا تو نہیں رہے گا، کچھ وقت گزرنے کے بعد آپ وہاں بیٹل ہو جائیں گے۔“ طعنے نے کمزور آواز میں کہا۔

”ہاں، سادی جلدی روپے کے پیچھے بھاگنے کے بعد جو حوالے میں میرے پاس آتا چڑچڑیہ ضرور جمع ہو جائے گا، کہ میں کچھ نہ کرنے کے باوجود بھی پیش کر سکتا ہوں۔“ طعنے؟ وہ عجیب سے انداز میں ہنستا۔
”مگر یہ سب کچھ تو نہیں ہوگا۔ یہ الزامات۔“ وہ سب کچھ جو آپ کو مجبور کرنا پڑتا ہے وہ تو نہیں کرنا پڑے گا۔“

”مگر وہاں میرے پاس وہ آسائشیں نہیں ہوں گی جو یہاں ہیں اور یہ سب کچھ میری زندگی کا حصہ بن چکا ہے جیسے چھلی پانی کے بغیر نہیں رہ سکتی، ویسے میں اس سب کچھوں کو بغیر نہیں رہ سکتا۔“
وہ اس کا پھر وہ دیکھ کر مٹی۔

”ان پانچ سالوں میں اتنا کچھ بنایا ہے میں نے۔ پاکستان سے جا کر اگلے دس سالوں میں بھی نہیں بنا سکتا۔“
”ضمیر پر روبرو لے کر زندہ رہنا آسان ہے؟“
”ضمیر؟“ وہ ہنسا ”اس نام کی کوئی چیز دنیا میں نہیں ہوتی۔“
وہ اندازہ نہیں کر سکتی وہ کس پر فخر رہا تھا۔

”اس صدی میں ضمیر کو لے کر کون بھرتے آئے؟ ساتھ۔ کم از کم میرے جیسا نہیں جس کی پرورش حرام پر ہوئی ہے، جس کے خون میں حرام کی اتنی آمیزش ہو چکی ہو کہ وہ نہ ظالما کھائے نہ مکائے۔ ضمیر کا کوئی بوجھ نہیں ہے طعنے میرے کندھوں پر۔“ وہ اسے پہلی بار بے بس نظر آ رہا تھا۔

”ضمیر اگر اس صدی میں بھی کچھ لوگوں کے پاس ہوتا ہے تو اس کا وہ حال ہوتا ہے جو شہباز ضمیر کا ہوا۔“
طعنے کو اس کے چہرے پر کچھ سائے لہراتے نظر آئے۔ وہ اب ایک اور سگینٹ سلگا رہا تھا۔ ”ایک ہفتے پہلے بیٹا پیدا ہوا اس کے ہاں، ابھی اس نے نام نہیں رکھا تھا اس کا۔“ وہ اب جیسے اعتراف کر رہا تھا۔ ”پچھلے دس سال سے میری دوستی تھی اس کے ساتھ۔“ کبھی نور دنیا پر نیوٹرل میں میرے ساتھ چھتا رہا۔ ڈگری لینے کے بعد اگلے دن اس نے افکار پاکستان آگیا۔ اسکا لرشپ لے رہا تھا مزید تعلیم کے لئے۔ نہیں لیا۔“ وہ افکار کمزری کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

کردیا۔

”بس دیسے ہی میں کھر بیٹھے بیٹھے بور ہونے لگی ہوں، اس لئے سوچا کہ کچھ کیا جائے۔“ اس نے کہا۔

بچہ ز سے فارغ ہونے کے بعد آج کل وہ گھر پر ہی تھی اور کچھ دن پہلے شہلا لے آئے۔ جب کہ اس میں سیکڑین سے نکلنے والی کچھ جاذب کے بارے میں بتایا تھا۔

علیہ نے فوری طور پر اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ بلکہ عزم کمال کا سبب کی گھانا پند نہیں آیا تھا۔ کہ وہ اسے اپنانے کا سوچتی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ روز ملت آنے کے بعد کسی ابھی این جی او کے ساتھ شملک ہو کر کام کرے گی۔

مگر شہلا زمر والے واقعہ کے بعد ایک دم ہی اسے جڑوں میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ یہیں جب تھی کہ آج اس نے شہلا کو فون کر کے اس جاب کے بارے میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ نانو کا اس قدم کے بارے میں کیا رد عمل ہو گا۔ مگر پچھلے بہت سے سالوں سے وہ آہستہ آہستہ اپنے بہت سے فیصلے خود کرنے لگی تھی۔ خاص طور پر نانا کی وجہ کے بعد نانو نے اس کی زندگی میں پہلے کی طرح مداخلت کرنا چھوڑ دی تھی۔ اسے نانو کی طرف سے کسی مخالفت کی توقع نہیں تھی اور اگر نانو مخالفت کرتیں تو بھی انہیں قائل کرنے کے لئے وہی طور پر تیار تھی۔



اس سے ہونے والی ایسی لمبی چوڑی گفتگو کے چوتھے دن عمر امریکہ چلا گیا۔ علیہ: نے اس بار پہلی دفعہ اس کے جانے کو شہیدگی سے لیا تھا۔

وہ اس کی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اپنی زندگی کو نابل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نانا اور نانو نے اس سے پچھلے کچھ ہفتوں میں ہونے والے واقعات کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ ان کے لئے شاید اتنا ہی کافی تھا کہ وہ دوبارہ کالج جانے لگی ہے، اس کی خود ساختہ قید تہائی ختم ہو گئی تھی اور شہلا ایک بار پھر سے اس کی زندگی کا حصہ بن گئی تھی۔ اس کے ٹیٹ پہلے کی طرح اچھے ہونے لگے تھے۔ مگر اس کی پہلی والی شہید کی اور کم گوئی ابھی بھی برقرار تھی۔

عمر نے واپس جانے کے ایک ہفتے بعد انہیں فون کیا تھا۔ نانو سے بات کرنے کے بعد اس نے علیہ سے بھی بات کی۔ علیہ کو وہ پہلے سے زیادہ پر جوش اور خوش لگا تھا۔

”بارا میں تمہیں بہت مس کر رہا ہوں۔“ اس نے ہمیشہ والی بے تکلفی کے ساتھ علیہ کی آواز سننے ہی کہا۔ علیہ اس کی بات پر بچوں کی طرح خوش ہوئی۔ ”میں بھی آپ کو بہت مس کر رہی ہوں۔“ اس نے جوابا کہا۔ ”یہ تو بڑی حیران کن بات ہے کہ علیہ و سکندر جیسی ہستی میں مس کر رہی ہیں واپس آ جاؤں؟“ اس کی آواز میں شوخی تھی۔

”آ جاؤں۔“ علیہ اس کے اعزاز سے محظوظ ہوئی۔

”آ جاؤں گا مگر ابھی نہیں۔ ابھی میں اسپین جا رہا ہوں۔“

”کیوں؟“

”بس ویسے ہی سیر زعفر کے لئے، کچھ دوستوں کے ساتھ جا رہا ہوں۔“ اس نے اطلاع دی۔

”واپس کب آئیں گے؟“

”پاکستان یا امریکہ؟“ عمر نے پوچھا۔

”پاکستان“ ”پھر ماہ تک۔“

”آپ نے کہا تھا۔ میں سیشن کروانا شروع کر دوں تو آپ جلدی آ جائیں گے۔“ علیزہ نے اسے یاد دلایا۔

”ہاں مجھے یاد ہے، تم باقاعدگی سے سیشن کے لئے جا رہی ہو؟“

”ہاں پھر آپ کب آئیں گے؟“ علیزہ نے ایک بار پھر بے تابی سے پوچھا۔

”پتا نہیں۔ دراصل مجھے کچھ کام بھی ہے لیکن پھر بھی میں وعدہ کرتا ہوں، جلدی آ جاؤں گا۔“ عمر نے اسے

مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ وہ مطمئن ہوئی یا نہیں مگر اس نے عمر سے مزید اصرار نہیں کیا۔ اسے یقین تھا وہ جلدی

واپس آ جائے گا۔

باب ۳۸



اسے میگزین جو ان کے تین ماہ ہو گئے تھے، اور یہ تین ماہ اس کے لئے بہت اچھے ثابت نہیں ہوئے تھے۔ وہ جرنلزم کے بارے میں جو خواب لے کر اس میگزین میں گئی تھی۔ وہ پہلے پتھے ہی ختم ہو گئے جب اسے کچھ غیر ملکی میگزین یہ کہہ کر دیئے گئے کہ اسے ان میں سے شوبز کی خبریں منتخب کرنی ہیں۔ وہ کچھ بکا بکا ہو کر سارا دن وہ میگزین دیکھتی رہی۔ شہلا اس دن آفس میں آئی۔ علیزہ نے گھر واپس جاتے ہی اسے فون کیا۔

”کیا ہوا بھئی؟ اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟“ شہلا نے اس کی آواز سے فوراً اندازہ لگایا کہ وہ کسی وجہ سے پریشان ہے۔ علیزہ نے اسے ساری تفصیل بتا دی۔

”تو پھر؟“ شہلا نے اس کی ساری باتیں سننے کے بعد بڑے اطمینان سے پوچھا۔

”تو پھر کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”اصراً مطلب ہے کہ تم کیوں پریشان ہو اس سب سے؟“

”میں پریشان کیوں ہوں؟“ میں اس لئے پریشان ہوں کیونکہ یہ وہ کام تو نہیں ہے جس کے لئے میں وہاں گئی ہوں۔“ علیزہ اس کی بات پر حیران ہوتے ہوئے بولی۔

”آپ کس لئے گئی ہیں وہاں؟“

”کوئی تخلیقی اور چیلنجنگ کام کرنے، غیر ملکی میگزینز سے خبریں پٹنے نہیں گئی۔ ہم کیا کریں گے وہاں باہر کی خبریں غیر ملکی ماڈلز کے فیشن شوٹس کی کاپی کرتے ہیں، بس فرق یہ ہوتا ہے کہ ماڈل اپنی ہوتی ہے اور فوٹو گرافر بھی۔ میک اپ اور ہیر اسٹائل تک ان ہی جیسا ہوتا ہے یہ کیا چیز ہے جو ہم اپنے لوگوں کو دے رہے ہیں، تفریح؟“ وہ واقعی اکتائی ہوئی تھی۔

”ابھی تو جانا شروع کیا ہے وہاں۔ اتنی جلدی کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہئے۔ ابھی تو ہمیں جرنلزم کی الف ب کا بھی پتا نہیں ہے۔ تمہارا عرصہ وہاں کام کریں گے تو کچھ پتا چلے گا۔ کچھ تجربہ ہوگا تو ہم لوگ ٹریڈنگ بدل بھی سکتے ہیں۔“ شہلا نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

”نہیں۔ میں ضرورت سے زیادہ تنقید نہیں کر رہی، میں نے ایک دفعے میں جو دیکھا ہے وہی بتا رہی ہوں اتنا جھوٹ چھاپا جا رہا ہے کہ مجھے حیرت ہوتی ہے جس مقامی آرٹسٹ کے انٹرویوز کرنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے اس کے بارے میں اسے پاس سے خبریں مل کر گھبراہٹ ہو جاتی ہیں۔ وہ آرٹسٹ اچھا ہے جو انٹرویوز دینے پر تیار ہو جائے جو انکار کرے، وہ برا ہے اس کا پورا پورا خیال حال اور مستقبل سمجھ کر رکھ دو۔ اس کی پوسٹل لائف کی دھمکیاں اڑا دو۔ اس کی دوسری، تیسری چوتھی شادی کی خبریں شائع کر دو۔ اس کے نام انھار فڈر کی تنصیلات چھاپنا شروع کر دو اور یہ سب تب تک کرتے رہو جب تک وہ مجبور ہو کر آپ سے رابطہ قائم نہ کر لے۔ کیا یہ جبر لازم ہے؟“ وہ خامی دل برداشتہ نظر آ رہی تھی۔

”میں نے تم سے کہا ہے، تم جاب چھوڑ دو۔ فنون کی ٹینشن لینے کی کیا ضرورت ہے اگر تم کسی چیز سے مطمئن نہیں ہو تو وہ مدت کرو۔“ شہلانے اپنا مشورہ دہرایا۔

”میں اتنی جلدی جاب چھوڑ دوں گی۔ تو نہ تو کیا کہیں گی میں انہیں دکھانا چاہتی ہوں کہ میرے اندر مستقل مزاجی ہے۔ میں اتنی نازک نہیں ہوں کہ جاب کی ٹینشن سے گھبرا کر ہار جاؤں۔ وہ پہلے ہی مجھے منع کر رہی تھیں کہ میرا جاب والا ٹھہرا مت نہیں ہے اس نے میرے لئے یہ بھی بہتر ہے کہ میں یہ کام نہ کروں۔“

”ٹھیک ہے تو پھر کچھ عرصہ مستقل مزاجی دکھاؤ کام کرو پھر چھوڑ دینا کوئی اخبار جوائن کر لیتا۔“ شہلانے ایک بار پھر اس سے کہا۔

”دیکھو میں کسی میج آف آؤں گی تو ایڈیٹر سے کہوں گی کہ میں مختلف سوشل ایکٹیویٹیز کی رپورٹنگ کے لئے جھجکا نہیں یہ آفس والا کام نہ دیں۔“ شہلانے لاپرواہی سے کہا۔

”وہ نام جانیں گی؟“

”کیوں نہیں جانیں گی، فلی ٹرور ہیں ان کے ساتھ، اتنا لحاظ ضرور کریں گی۔“

”ٹھیک ہے پھر مجھے تم آفس آؤں، جہاں تفصیل سے بات ہوگی اگر وہ انچارج کی کوریج کے لئے بھیجے پرتار نہ ہوئیں تو پھر میں جاب چھوڑ دوں گی اگر چہ ٹانگوں کے سامنے خامی شرمندگی ہوگی مجھے مگر جو کام مجھے اچھا نہیں لگ رہا، وہ میں نہیں کروں گی۔“ شہلانے اسے تسلی دی علیحدہ سے فون پر رکھ دیا۔

☆☆☆

شہباز منیر کے قتل کو اس نے بڑی دلچسپی کے ساتھ Follow کیا تھا اگرچہ اس دن مردہاں سے چلا گیا تھا مگر پھر بھی علیحدہ وکائیڈ کی کہ وہ اس کے قتل کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور کہے گا۔ خاص طور پر اس لئے کہ یہ قتل اس کی وجہ سے ہوا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ قتل کس نے کر دیا تھا۔

شاید اس نے اسے ایسی ہی کہہ کر وہ براہ راست اس بارے میں کچھ نہ بھی کہہ سکا تو کسی نہ کسی طرح اگلے ایاز کا نام ضرور مینڈیا میں آ جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ انکوائری کے لئے یہ تک وہ تمام اخبارات کی ایک ایک خبر پڑھتی رہی۔ شہباز منیر کے قتل سے کچھ عرصہ تک محاموں میں الجھل ضرور چلی تھی۔ اس کے لئے چند جہلوں بھی لکھے تھے اور اس کے

”تم ٹریڈ بدل سکتے ہیں؟ کیا ٹریڈ بدل سکتے ہیں؟ غیر ملکی میگزینز میں سے چوری کی جانے والی خبریں اور آرٹیکلز روک سکتے ہیں۔ یا اپنے فوٹو گرافر اور فیکل شٹ کے لئے مجبور کر سکتے ہیں۔“ وہ اب بھی اتنی ہی مایوس تھی۔

”تم جاب چھوڑنا چاہتی ہو؟“ شہلانے مزید کچھ کہے بغیر اس سے براہ راست پوچھا۔

”چنانچہ میں کنفیوز ہوں۔“

”کنفیوز کیوں ہو، اگر یہ سب جہیں پسند نہیں ہے تو جاب چھوڑ دو کچھ اور کر لو۔“ شہلانے اسے کھٹ سے مشورہ دیا۔

”اور کیا کروں؟“

”تم اپنی جی او جوائن کرنا چاہتی ہو، وہ جوائن کرو۔“

”نہیں۔ میں ابھی این جی او جوائن کرنا نہیں چاہتی میں کچھ عرصہ جبر لازم کے ساتھ ہی شکوک رہنا چاہتی ہوں۔“ علیز نے فوراً انکار کیا۔

”تو پھر پرائم کیا ہے کام کرتی رہو۔“

”مگر یہ وہ جبر لازم نہیں ہے جس کے ساتھ میں شکوک ہونا چاہتی ہوں نہ ہی یہ وہ کام ہے جو میں کرنا چاہتی ہوں۔“

”میں نے تم سے کہا ہے۔ کچھ دقت۔“

”اگر کچھ دقت کے بعد بھی سب کچھ ایسا ہی رہا تو پھر، پھر مجھے فکس ہوگا کہ میں نے دقت شائع کیا اور آٹے عرصہ میں یہ بات کرتے رہنے سے شاید میری ساری تحقیقی صلاحیت بھی ختم ہو جائے۔“ علیز نے شہلا کی بات کاٹنے ہوئے کہا۔

”تم یہ کام کرنا بھی چاہتی ہو اور اس سے خوش بھی نہیں ہو۔ ایسا کرتے ہیں۔ ایڈیٹر سے بات کرتے ہیں۔ انہیں کہتے ہیں، میں شو بزنس کے بجائے کوئی دوسرا چاہتی ہوں۔“ شہلانے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

”میں ٹیکنین کے بجائے کسی اخبار کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں۔“ علیز نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

”علیز! اچھا! کوئی تجربہ نہیں ہے۔ تجربے کے بغیر کوئی اخبار بھی نہیں جاب آفر نہیں کرے گا۔ ذرا حقیقت پسندی سے کام لو۔“ شہلانے کہا۔

”میں چاہتی ہوں مگر یہ بند کر کے کی جبر لازم میں نہیں کر سکتی۔“

”کیا مطلب؟“

”آفس بیٹھے بیٹھے اپنے پیگنٹز کو تیار ہو جاتا ہے۔ کھانے کی تزاکیب سے لے کر کپڑوں کے ڈیزائنز تک اور آرٹیکلز سے لے کر شو بزنس کی خبریں تک ہر چیز ادھر ادھر سے اٹھائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ Celebrities کے انٹرویوز تک ادھر ادھر سے اکٹھے کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ جبر لازم ہے؟“

”تم ضرورت سے زیادہ تنقید کر رہی ہو علیز۔“

لئے کہا ہو گا۔ اب انہوں نے قتل کر دیا تو وہ کیا کر سکتا تھا۔“ وہ ان کی منطق پر حیران رہ گئی۔

”اپنے ہاتھ سے قتل کرنے والا ہی قاتل نہیں ہوتا۔ قتل کروانے والا بھی مجرم ہوتا ہے۔“ اسے نانو کی بات دیکھ کر ہنس ہنس کر ہنسنے لگا۔

”میں اس بارے میں بحث کرنے کی باہم نشان ہونے کی کیا ضرورت ہے نہ ہمارا شہباز صبر سے کوئی حلق نہیں ہے اور نہ ہی اس واقعہ کے بارے میں ہم سے پوچھ کر کہہ کیا گیا ہے۔ ایاز نے مجھے بھی سمجھا، معاملے کو ڈبل کیا۔“ نانو بھی یہی مطمئن نہیں۔

”ممرتا نو! اٹکل ایاز نے ایک غلط کام کیا۔“

”جو کچھ شہزادہ کرنے جا رہا تھا وہ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ ہمارے خاندان کی بہت رسوائی ہوئی اگر وہ جہانگیر کے بارے میں وہ رپورٹس شائع کر دیتا، میرے سارے بیٹوں کا کیرئیر حاشہ ہوتا۔ اب ظاہر ہے ایاز خاموش تو نہیں بیٹھ سکتا تھا۔“

”مگر شہباز جو کچھ شائع کرنے جا رہا تھا۔ وہ جوش نہیں تھا۔ تھا کہ اگر خاندان کی عزت کی بات تھی تو انکل جیہاں گئے کیوں اس طرح کام کے کام، وہ اس وقت یہ سب کچھ سوچے جب وہ روپے لے لے اپنے ہمدمے کا بری طرح استعمال کر رہے تھے۔“

”محرم شہباز منیر کو دوسروں کے ذاتی معاملات میں دخل دینے کی کیا ضرورت تھی؟“

”ذاتی معاملات؟ ناو! یہ انگل جہانگیر کے ذاتی معاملات نہیں تھے۔ وہ ان کے کسی ایکسٹنل یا ایجنٹ کے بارے میں خبر شائع نہیں کر رہا تھا۔ وہ ان تمام قلم کار بات کر رہا تھا۔ جنہیں سچ کے انہوں نے کئی لیٹن ڈالز بنائے ہیں۔“

”پھر کبھی شہباز منیر کا اس سارے معاملے میں کیا تعلق تھا؟ اس نے کیوں...“

علیزہ نے نانو کی بات کاٹ دی۔ ”نانو! اس نے اپنا فرض پورا کرنے کی کوشش

کام نہیں کرنا چاہا۔ آپ کو یہ کہہ کر اُنہیں لگ رہا کیونکہ آپ کے اپنے بیٹے ان سب چیزوں میں انوکھے ہیں۔ آپ شہباز زخمیر کی ماں ہیں کہ سوچیں تو آپ کو احساس ہو گا کہ اس کو ایک صحیح کام کی سزا دی گئی ہے۔ آج کل اُنکل ایاز کو اس طرح سے رہی ہے مارے تو آپ کی انھوں کر رہ گئے۔“

”علینہ! تم فضول بکواس مت کرو۔“

”بے فضول کجاس کہیں ہے نالواریج ہے جو خیر غلط ہے، وہ غلط ہے۔ چاہے وہ میں کروں یا آپ، آپ تو کہہ جرم ہے کہ اگر عام آدمی کرے تو قانون اسے چھائی ہو، بلکہ دے مگر انکل ایباز پیر لوگ کریں یا کروائیں تو اس کی Justification کیسے دے سکتے ہیں۔ میں باہر آ رہا ہوں کہ تو اتنا تو کہہ سکتے ہیں کہ غلط چیز کو غلط کہیں اور غلط کا ذکر نہ کرنا۔“

”غلیظہ وایہ سب تمہارے سوچنے اور کرنے کے کام نہیں ہیں۔“ بہتر ہے ان معاملات کے بارے میں تم کوئی تبصرہ نہ کرو اگر امانت کو متاثر نہ کرنا تو بہت بڑا راز ہوگا۔“ نانوت نے اسے مجھے دھمکانے کی کوشش کی۔

اپنے اخبار نے چند روز ہڑتال بھی کی تھی، روز اس کے قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ بھی کسی نہ کسی اخبار میں پیش ہوتا رہا مگر پھر اس خبر پر گرد بیٹھنے لگی۔

دور رسو اطلاعات کی طرف سے اس کی بیوہ کے لئے ایک چپک چپک جاری کر دیا گیا جس کی تفصیل بھی اخبار میں آئی گوشت کی طرف سے اسے ایک پلاٹ بھی دے دیا گیا یہ قدرے حیران کن تھا خاص طور پر تب جب گورنمنٹ خود جالے والی بھی محریز و اندازہ کر سکتی تھی کہ اس چپک اور پلاٹ کے پیچھے کس کی مہربانی کا فراموشی۔

ایک دو ماہ بعد یک دم گورنمنٹ تبدیل ہوئی اور پرنسپل سینٹ اپ کے بدلے یے شہبازنیر کا قتل عمل طور پر یکپ کرانڈ میں چلا گیا۔ اخبارات کے منٹے اب سیاں خبروں اور ایمانات سے بھرے ہوئے تھے۔ اگلے انتخابات کے بارے میں قیاس آرائیاں جاری تھیں۔ اتنے دو ہجڑہ مہر کے میں کس کو یاد تھا کہ شہبازنیر کا ہم کا فیصل تھا جس

نے ایک دفعہ اپنے ماں باپ کی اعتقاد باتوں کی وجہ سے اپنے ملک کی طرف واپس جھٹکتی تھی۔ دو پہلی مرضی سے بیسیویں صدی سے واپس بارہویں صدی میں آ گیا تھا۔ پھر اس نے اپنے ایک دوست کی اعتقاد باتوں میں آ کر لوگوں تک جگ پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ بارہویں صدی کے لوگوں کے سامنے بیسیویں صدی کی جرأت دکھانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

لوگوں کی یہ کیا ہوا تھا؟ چوتھی نہیں۔ اس کے ساتھ وہی کیا تھا جو کرنا چاہتے تھے۔ اس ملک کو کس نے کشنوا
 دیا تھا۔ یاد رکھنے والی بات یہ بھی نہیں۔ اس ملک میں کس نے کشنوا کیا ہے۔ شاید یہاں انہیں ہی رکھا جاتا ہے، شہباز
 کو بھی بھلا دیا تھا کہ طریقہ کو وہ یاد تھا اور ہر بار اس کا خیال آنے پر اسے عمر سے شکوہ ہونے لگتا ہے۔ آج آسانی

ارے میں ہات ضرور کرنا چاہتی تھی۔

مگر مرے اس کے کچھ ہوا اس کی ملاقات نہیں ہوئی، انکل ایماز اور انکل جیگر کے ساتھ اس کی کیا سیلینٹ ہوئی تو یہ نہیں جانتی کہ مرہو اس کی دن چلا گیا تھا اس کے بارے میں وہ بارہ بارہ اخبار میں لکھی خبریں اس کی قہمی اور تہی وہ مھل ہوا تھا اس کے چند ماہ کے دوران جو وہ خط لکھ کر تک پہنچی تھی، وہ اس کی ایک برے آنچھڑی مہم رہی تھی کہ

در پھر اس

علیہ وسلم نے ایک دن نانوسے شہزادہ سمر کے قتل کے بارے میں بات کرنے کی کوشش کی کہ اور وہ اپنے دوست

”یہ مردود کے معاملات ہیں، انہیں پتا ہے کہ طرح لوگوں کو ڈیل کرتا ہے۔ غلطی عمر کی ہے اس نے کیوں باز نہیں کرنا استعمال کرنے کی کوشش کی۔“

”مگر تلو اکیا اکل ایاز کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی کو قتل کر دس۔“

”اس نے کون سا اپنے ہاتھ سے کسی کو قتل کیا ہے۔ اپنے آدمیوں کو اس نے شہباز کو ڈرانے دھمکانے کے

ان لوگوں کی آواز میں اور تجھے اب اور بلند ہو گئے تھے۔ وہ لوگ مسلسل ان کے پیچھے آ رہے تھے۔

”کیا خیال ہے مرکز کچھ کہا جائے ان سے؟“ شہلا نے سرگوشی میں علیزہ سے پوچھا۔
”نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی ہم لوگ گاڑی تک پہنچ جائیں گے پھر یہ خود ہی دیکھ جائیں گے۔“

علیزہ نے بھی سرگوشی میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”مگر یہ لوگ بے ہودہ باتیں کر رہے ہیں۔“ شہلا نے کچھ احتجاج کیا۔

”کرتے دو، اندازے رکھنے پر یہ بازو نہیں آئیں گے۔ خوفناک بات ہو جائے گی اور یہ لوگ بھی چاہتے ہیں۔“
علیزہ نے اسے سمجھایا۔ شہلا مطمئن نہیں ہو سکی تھی لیکن خاموش ضرور ہو گئی۔

وہ دونوں اب گاڑی کے پاس پہنچ چکی تھیں جبکہ وہ چاروں لڑکے بھی پارکنگ میں بیٹھ گئے۔ علیزہ اور شہلا نے اپنی گاڑی کے اندر بیٹھ کر اطمینان کا سانس لیا۔

علیزہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے مرکز پر آئی۔ وہ دونوں بڑے مطمئن انداز میں باتیں کر رہی تھیں۔ جب علیزہ نے بیک ویو مرر سے ایک گاڑی کو بڑی تیزی سے اپنے پیچھے آتے دیکھا۔ گاڑی انہیں اور دھک کرنے کی بجائے ان کے پیچھے گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگی۔ گاڑی میں وہی چاروں لڑکے سوار تھے۔ علیزہ نے پہلی نظر میں انہیں پہچان لیا۔

”یہ تو پیچھے آنے لگے ہیں، اب کیا کریں؟“ علیزہ نے کچھ پریشان ہو کر شہلا سے کہا۔

”تم کار کی اسپید آہستہ کرو، ہو سکتا ہے۔ آگے نکل جائیں۔“

علیزہ نے شہلا کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کار کی اسپید آہستہ کر دی۔ ان لوگوں نے بھی اپنی کار کی سپید آہستہ کر دی۔ شہلا نے بے اختیار اپنے دانت پیچے۔

”یہ ذلیل بیچا نہیں چھوڑے گا۔ تم اسپید بڑھا دو اور دیکھتے ہیں کیا ہو سکتا ہے۔“

علیزہ نے بیک ویو مرر سے دیکھا۔ ان لوگوں کی کار اب برابر چلنے کی بجائے ان کی کار کے پیچھے آ رہی تھی۔ کچھ دیر تک وہ مختلف مرکزوں پر چار بھاگتی رہی مگر وہ گاڑی مسلسل ان کے پیچھے رہی۔ تمہرے گھر کی چلو۔ ہو سکتا ہے، وہاں چھپا چھوڑ دیں۔“ شہلا نے اس سے کہا۔

”نہیں رستے میں اگر ان لوگوں نے گاڑی روک لی تو تمہارے گھر کے راستے پر اس وقت بالکل بھی ٹریفک نہیں ہوتی۔“ علیزہ نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

”تم اسپید بہت تیز کرنا اور انہیں اور دھک نہ کرنے دینا ایک بار میرے گھر کے باہر گاڑی پہنچ چکی تو پھر کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ چوکیدار ایک منٹ میں گھر کو مل دے گا۔ دھکی کھلا تو باہر آ جی جائے گا پھر یہ وہاں نہیں رہیں گے۔“

”مگر مجھے تو ابھی اکیلی ہی گھر جانا ہے۔“

”تم گاڑی اندر لے آنا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد چیک کر لیں گے کہ یہ لوگ باہر تو نہیں ہیں مگر تم چلی جانا دیکھو یہ لوگ ہر گزے دیکھ نہیں ہیں۔ ہمیں اندر جانا دیکھ کر دیکھ ہو جائیں گے یہ بس خوفزدہ کر رہے ہیں ہمیں۔“ شہلا نے کہا۔

علیزہ نے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے گاڑی اس رڈ پر موڑ دی جہاں شہلا کی کالونی تھی۔ بہت جلد رفتاری سے گاڑی چلتے ہوئے وہ شہلا کے گھر پہنچی تھی۔ ان لوگوں کی گاڑی بھی اب پوری رفتاری سے ان کے پیچھے تھی اور ان کی گاڑی کو ایک سنسان مرکز پر مڑتے دیکھ کر انہوں نے دو تین بار اور دھک کرنے کی کوشش کی مگر علیزہ باہر کار کی رفتاری بڑھاتی تھی۔

شہلا کے گیت کے سامنے پہنچی ہی اس نے ہان پر ہاتھ رکھ دیا اور کار روک دی۔ وہ لڑکے تیزی سے ان کی گاڑی کے پاس سے گزرے اور پھر علیزہ نے ان کی کار کی رفتار کم ہونے دیکھی۔ چوکیدار اب گیت تک نہیں کھول چکا تھا۔ علیزہ برقی رفتاری سے کار اندر رے لگی۔ ان دونوں نے پیچھے مرکز پر چوکیدار کو گیت بند کر کے دیکھا اور ان کی جان میں جان آئی تھی۔

”ایک بات تو طے ہے، میں دوبارہ کبھی رات کو اکیسے نہیں نہیں جاؤں گی۔“ علیزہ نے گھر سے سانس لینے ہوئے کار کی سیٹ کے ساتھ ٹپک لگاں۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ لوگ دیکھ گئے ہوں گے، سارا ساموڈ عمارت کر دیا انہوں نے، میں چوکیدار سے کہتی ہوں۔ ذرا باہر بھاگ کر دیکھو۔“

شہلا نے کار سے نکلنے ہوئے کہا۔ وہ اب گیت کی طرف جا رہی تھی۔ علیزہ نے بیک ویو مرر سے اسے چوکیدار سے باتیں کرتے دیکھا۔

چوکیدار چند لمحوں کے بعد چھوٹا گیت کھول کر باہر نکل گیا۔ شہلا دابوں علیزہ کے پاس آ گئی۔
”اب یا تو تم آج رات ہمیں روکنا پھر چند لمحوں کے بعد چلی جانا۔ اتنی گھبراہٹ میں کار چلاؤ گی تو؟“

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
”نہیں، میں یہاں نہیں رہ سکتی، ناؤ اکیلی ہیں اور چند گھنٹوں کے بعد کیا ہوگا۔ مرکز میں اور سنسان ہو جائیں گی۔ میں چالوں کی گاڑی تم فکر مند مت ہو۔ کچھ دیر پیلیٹ میں تو چلائی ہے۔“ علیزہ نے اسے تسلی دی۔

چوکیدار اب دابوں اندر آ گیا اور اس نے مرکز خالی ہونے کی اطلاع دی۔
”نہیں ٹھیک ہے، میں پہنچتی ہوں۔“ علیزہ نے کار غارت کر دی۔

”جانتے ہی مجھے فون کر دینا۔ میں انتظار کروں گی۔“ شہلا نے کہا۔ علیزہ سہلے ہوئے گاڑی کو روک دیا۔
”جانتے ہی مجھے فون کر دینا۔ میں انتظار کروں گی۔“ شہلا نے کہا۔ علیزہ سہلے ہوئے گاڑی کو روک دیا۔

یہ دونی مرکز واقعی خالی تھی۔ علیزہ کچھ دیر مطمئن ہو گئی۔ تیز رفتاری سے اس نے ذیلی مرکز عبور کی اور پھر ایک ٹرن لینے ہی اس کا سانس کر گیا۔ ان لوگوں کی گاڑی اب وہاں کھڑی تھی اور وہ گاڑی سے باہر کھڑے تھے۔ علیزہ گاڑی دابوں میں سوار ہو کر اس کا دھت نہیں رہا تھا۔

اب تو روٹا بند کر دوں۔ اس بار علیہ واقعی چپ ہو گئی۔

”آپ کچ کبہ رہے ہیں؟“

”بالکل کچ کبہ رہا ہوں۔ میں بس آ جا تا ہوں اگر تمہاری خند بھی ہے تو ٹھیک ہے۔ میں تمہاری بات مان

لیتا ہوں۔ اب مجھے تناؤ کم تر ہو گیا؟“

”میں ٹھیک ہوں۔“ رونے سے اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

”میڈیسن لے رہی ہو؟“

”ہاں۔“

”اور کھانا؟“

”وہ بھی۔“

”تمہارے لئے کیا لے کر آؤں یہاں سے؟“

”چاہئیں۔“

”ٹھیک ہے میں اپنی مرضی سے کچھ بھی لے آؤں گا۔ تم بس یہ کرو کہ میرے آنے تک اپنا بخار ختم کر دو۔

میں کم از کم چھبیس بسز میں دیکھنا نہیں چاہتا۔“

”جانو کبھی ہیں، میں ہر وقت لیٹی ہوں، آپ کہتے ہیں، میں بسز میں نظر نہ آؤں۔ پھر میں کیا کروں؟“

اس نے بے چارگی سے کہا۔

”تم اپنا بخار ختم کر دو تا کہ گرہ لگتی کوئی شے سے یہ کہنا نہ پڑے۔“ وہ اب بھی بچوں کی طرح اسے بہلا رہا تھا۔

”آپ کل آ جا میں گے؟“ وہ اس کی بات کے جواب میں اس سے پوچھنے لگی۔

”کل یا پرسوں کر آ جاؤں گا۔“ اس نے یقین دلایا۔

☆☆☆

اور تیسرے دن وہ واقعی اس کے سامنے تھا۔ علیہ کو اس دن بھی ہلکا ہلکا بخار تھا اور وہ اپنے کمرے میں حتی

جب وہ دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوا۔ وہ اسے دیکھ کر بے اختیار مسکراتے لگی مگر عرصے کے دیکھ کر گھر مند ہو

گیا۔ علیہ اپنے بسز سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ سیدھا اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

”کم آن علیہ! کیا حال بنایا ہوا ہے تم نے، میں تو پہچان ہی نہیں سکا۔“ وہ اس کے کندھے پر بازو

پھیلانے کبہ رہا تھا۔ وہ مسکرائی۔

اس کی گھر مندی اس اچھی لگ رہی تھی۔ اس کے خوش ہونے کے لئے انتہائی کافی تھا کہ وہ صرف اس کے

لئے اتنی دور سے سب کچھ چھوڑ کر آ گیا تھا۔

”تمہارا بخار کیسا ہے؟“ عمر کو یک دم یاد آیا علیہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے علیہ کے ماتھے پر

ہاتھ رکھ دیا۔

باب ۳۹

اگلے چند ہفتے علیہ کو ایک بار پھر ہاسپٹل کے پتھر لگانے میں گزارنے پر پہنچا۔ اسے اچانک اینڈکس کا پرائیم ہوا اور بہت اہم مرضی میں آپریشن کروانا پڑا آپریشن ٹھیک ہو گیا مگر گھر آنے کے دوسرے دن ہاتھ روم جاتے ہوئے گری اور اس کے ہاتھ گٹ گئے۔

دوبارہ ہاتھ لگوانے کے بعد ایک ہفتہ تک وہ بخار میں مبتلا رہی۔ اس کا وزن بہت تیز رفتاری سے کم ہوتا رہا۔ اس تمام عرصہ کے دوران عمر سے ایک بار بھی اس کی بات نہیں ہوئی وہ انہیں جا چکا تھا اور وہاں سیر و تفریح میں مصروف تھا۔ جس شام تقریباً ایک ماہ کے بعد اس نے فون کیا۔ اس دن بھی علیہ کو بخار تھا۔ ہاتھ نے فون پر عمر کو علیہ کے آپریشن اور اس کی پیادری کے بارے میں بتایا۔ اس نے علیہ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

علیہ فون پر اس کی آواز سننے ہی رونے لگی۔ وہ اس کے رونے سے زیادہ اس کی آواز کی گتات پر پریشان ہوا تھا۔

”علیہ! علیہ! اچپ ہو جاؤ یا کیا ہو گیا۔“ وہ اسے کسی بچے کی طرح بہلانے لگا۔ وہ پھر بھی روتی رہی۔

”تمہارا آپریشن تو ٹھیک ہو گیا ہے؟“ اس نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

”گرہ لگتی تھاری تھی۔“ چھبیس بخار ہے، زیادہ بخار ہے۔“ وہ کسی نہ کسی طرح اسے خاموش کروانا چاہ رہا تھا۔

وہ اب بھی روتی رہی۔

”علیہ! مجھے تکلیف ہو رہی ہے تمہارے رونے سے۔“ علیہ چپ ہو جاؤ۔“

وہ چپ نہیں ہوئی۔

”مجھے تناؤ میں کیا کروں؟“ اس نے ہلا خرٹک کر کہا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا۔ آپ واپس آ جائیں۔ آپ نہیں آئے۔“ چائیں ہر کوئی میرے ساتھ جھوٹ

کیوں بولا ہے۔“ اس نے نکلیں اور سکین کے درمیان کہا اور ایک بار پھر رونے لگی۔

”میں نے تم سے بالکل جھوٹ نہیں بولا۔ میں کل نہیں تو پرسوں جو بھی غلط لیتی ہے، اس سے آ جاتا ہوں

"ابھی بھی بتا رہے؟"

"ہاں لیکن زیادہ نہیں۔"

"ٹھیک ہے اگر زیادہ بتائیں تو پھر اٹھو۔" مگر امیر گیارہ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے لگا۔

"کہاں جاتا ہے؟" وہ کچھ حیران ہوتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"کہیں دور نہیں جاتا۔ بس لاؤنج تک جانا ہے۔ کسی سے ملوانا ہے۔"

وہ اب اس کا ہاتھ پکڑے کرے کے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

"کس سے ملوانا ہے؟"

"ایک دوست سے۔" وہ مسکرایا۔ علیزہ کچھ حیران ہوئی۔ اس سے پہلے عمر نے کبھی اسے اپنے کسی دوست سے ملوانے کی کوشش نہیں کی تھی اب یک دم ایسا کون سا دوست آ گیا ہے جس سے ملوانا وہ ضرور سمجھ کر رہا تھا۔

"میں کپڑے پیچ کر لوں۔" اس نے ہنسنے ہوئے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازہ کھینچنے لگا۔

"ہالوں میں برش تک نہیں کیا ہے میں نے۔" علیزہ نے احتجاج کیا۔

"یار! تمہیں ضرورت ہی نہیں ہے برش کی، تم اس طرح بھی بہت خوبصورت لگتی ہو۔" وہ اب کرے سے

باہر نکل آئے تھے۔

"یہ دوست کہاں سے لائے ہیں؟" علیزہ نے جس کے عالم میں پوچھا۔ عمر کچھ کہنے کے بجائے پر اسرار

اعجاز میں مسکرایا۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی علیزہ ٹھٹھک گئی۔ اس کے بالکل سامنے صوف پر نانو کے ساتھ ایک فیئر مکی لڑکی

بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی عمر تیس چوبیس سال کی اور اس کے نقوش خاصے تھے، بلیک ٹراؤزر اور سفید ٹی شرٹ میں

لیبوں وہ اس وقت لاؤنج کی سب سے نمایاں چیز تھی۔

علیزہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی۔

"آؤ ناٹلیو! ارک کیوں گئی ہو؟"

عمر اب سے انگلیں میں غائب تھا۔ اس لڑکی نے چونک کر ان دونوں کو دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر

ایک خوبصورت مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ علیزہ نے کچھ شخصیتیں نظروں سے ٹکر کر دیکھا اور

پھر آگے بڑھ آئی۔

"علیزہ! ہے، ہماری کزن اور علیزہ! یہ جوڑھے ہے میری بہت اچھی دوست۔"

عمر نے ان دونوں کا تعارف کروایا۔ علیزہ نے کسی رکی سرکاش کے بغیر انہماک سے آگے بڑھا دیا۔ جوڑھے

نے اس سے ہاتھ نہیں ملایا۔ وہ چند قدم آگے بڑھی اور بڑی سے تنگنی کے ساتھ اس نے علیزہ کے دونوں شانوں پر

ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا گال چم لایا۔ علیزہ اس کی گرم جوشی پر بے اختیار ہنسی لگتی۔

"کیسی ہو علیزہ؟" وہ اب پوچھ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟" اس نے کہا۔

علیزہ نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ اسے کیا توقع کر رہی تھی۔ وہ یک دم ہرج ہرج میں دلچسپی کھو بیٹھی تھی

چند لمبے پہلے تک عمر کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ جتنی خوش ہوئی تھی۔ اب اس خوشی کا کہیں نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔

جڑوڑھ اب داہن کاٹو کے ساتھ صوف پر بیٹھ گئی تھی۔ علیزہ کچھ ہنسنے والے ایک دوسرے صوف پر بیٹھ گئی۔ عمر

اب جڑوڑھ کا تفصیلی تعارف کر رہا تھا۔

"ہماری دوستی دس سال پرانی ہے۔ جڑوڑھ اور میں ایک ہی اسکول میں جاتے رہے ہیں، پھر کیلی فورنیا

یوٹیوٹی میں بھی یہی سیرے ساتھ ہی رہی۔"

علیزہ کو اس کے تعارف میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ عمر کے چہرے پر نظروں جمائے بیٹھی رہی۔ وہ پچھلے کئی

ماہ سے وہاں تھا اور اس سارے عمر کے دوران اس نے ایک بار بھی جڑوڑھ کا ذکر نہیں کیا اور اب وہ تیار تھا کہ وہ

پچھلے دس سال سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، علیزہ کا دل چاہا کہ وہ ایک دم اٹھ کر وہاں سے چلی جائے۔ مگر وہ خود پر

ضبط کے وہاں بیٹھی رہی۔

"عمر تمہارا بہت ذکر کرتا ہے۔" علیزہ اب بھی تمہارے لئے اچھین سے داہن چلے آئے ہیں۔ وہ بہت

پریشان تھا تمہارے لئے۔" جڑوڑھ اب اس سے کہہ رہی تھی۔ علیزہ کو کوئی خوشی نہیں ہوئی۔

"تو یہ وہ ضروری کام تھا جس کے لئے عمر بار بار وہاں اس کے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی دس سال

پرانی گمل فرینڈ اور یہی وہ دوست تھے جن کے ساتھ وہ اچھین گیا تھا علیزہ کو یقین تھا جڑوڑھ کے علاوہ کسی دوسرے کو

اچھین لے کر نہیں گیا ہوگا وہ سمجھ نہیں پاتی تھی اسے جڑوڑھ پر رنگ آ رہا تھا یا اس سے حسد ہو رہا تھا یا پھر وہ اس سے

نفرت کرنے لگی تھی۔

"مجھے نینڈ آری ہے ناؤ! میں سوئے جا رہی ہوں"

جڑوڑھ کی لمبی چڑی گھٹکے کے جراب میں علیزہ نے اٹھتے ہوئے صرف یہی کہا، جڑوڑھ نے کچھ حیرانی سے

اسے دیکھا، شاید اسے علیزہ سے اتنے سرسری کی توقع نہیں تھی۔

عمر نے ٹھہری نظروں سے علیزہ کو دیکھا وہ اس کا چہرہ پڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"علیزہ! بھٹو کچھ بار دہرائیں کہتے ہیں۔" عمر نے اسے دس کی کوشش کی۔ وہ رکی نہیں۔

"مجھے نینڈ آری ہے مجھے سنا ہے۔" وہ اس بار عمر کا چہرہ دیکھے بغیر لاؤنج سے نکل گئی۔

لاؤنج میں چھوٹوں کے لئے ایک عجیب سی خاموشی چھا چکی تھی۔

پھر عمر نے اس خاموشی کو توڑا "میں تمہاری دیکر آتا ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جڑوڑھ سے کہا وہ

جواباً کچھ بولے بغیر نینڈ آری سے نکل گئی۔

علیزہ کے کمرے پر دوپٹہ دے کر اس نے کمرے کے اندر جانے کی کوشش کی مگر دروازہ نہیں کھلا۔ وہ لاکھ

تھا۔ وہ دنگ گیا۔ اس نے ایک بار جھرو دروازے پر دنگ دی۔ اس بار اس نے علیہ کا نام پکارا۔
علیہ نے اپنے دروازے پر ہونے والی دنگ سنی اور اس کی آواز بھی پہچان لی مگر وہ اسی طرح خاموشی
سے اپنے بیڈ پر لیٹی رہی۔ اسے اس وقت عمر پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا۔
عمر نے دوبارہ دروازے پر دنگ دی۔

”میں سو رہی ہوں، آپ مجھے ڈسٹب نہ کریں۔“ اس بار عمر نے علیہ کی آواز سنی۔
”تم اتنی جلدی کیسے سو سکتی ہو؟ وہ بھی کھانا کھائے بغیر۔“ عمر نے بلند آواز میں کہا۔
”مجھے کھانا نہیں کھانا۔“ مجھے ہلک نہیں ہے، اب آپ جا نہیں۔“

”میں تمہارے لئے سب کچھ چھوڑ کر آجین۔ آ گیا ہوں اور تم میرے ساتھ اس طرح Behave کر رہی
ہو۔“ عمر نے شکایت کی۔

”آپ کچھ بھی چھوڑ کر نہیں آئے۔ آپ سب کچھ ساتھ لے آئے ہیں۔“

علیہ نے بے اختیار کہا اور جواباً اس نے عمر کی بے ساندہ لمسی سنی۔
”تم جو تھک کی بات کر رہی ہو؟“ علیہ کو اب خود پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ
فوری طور پر اپنی بات کے ازالے کے لئے لکے۔ وہ خاموش رہی۔
”جہیں اس کا آنا آج نہیں لگا؟“

وہ اب بھی چپ رہی۔

”علیہ! میں تم سے بات کر رہا ہوں“ وہ اب بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔

”اسے واپس بھجوا دوں؟“ وہ اب ہنسنے لگا۔

”ٹھیک ہے، میں اسے واپس بھجوا دیتا ہوں۔“

اسے اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔ دروازے کے باہر اب خاموشی تھی۔



باب ۳۰

علیہ کا پاؤں بے اختیار بریک پر پڑا اور گاڑی رک گئی۔ علیہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا ان میں سے ایک
لڑکا گاڑی کا تار بدل رہا تھا اور شاید وہ اسی وجہ سے وہاں رکے تھے۔ ورنہ اس طرح وہاں نہ رکے۔ علیہ نے ان
لوگوں کے چہرے پر یک دم حیرت دیکھی اور پھر انہوں نے اسے اور اس کی گاڑی کو پہچان لیا۔ جب تک وہ گاڑی کو
ریورس کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ تینوں بھاگتے ہوئے اس کی گاڑی کے پاس آ گئے۔

علیہ نے تیزی سے دروازے کو لاک کیا۔ کڑکی کا شیشہ پہلے ہی اوپر تھا۔ وہ تینوں اسی کے دروازے کی
طرف آئے تھے۔ سڑک اتنی چڑی نہیں تھی کہ وہ اس پر گاڑی کو موڑ سکتی۔ اسے گاڑی کو مسلسل ریورس کرنا تھا۔ جب
تک کہ وہ اس کی بجلی سڑک تک نہ پہنچ جاتی جہاں سے اس نے ٹرن لیا تھا۔

وہ لڑکے اب اس کی گاڑی کے دائیں طرف والے دونوں دروازوں کے پنڈل پر ہاتھ رکھے انہیں کھولنے
کی کوشش کر رہے تھے۔ اس میں ناکامی کی پرانیوں نے کڑکی کے شیشوں پر ہاتھ مارنے کی شروع کر دیے۔

علیہ نے بعد خوفزدہ تھی، اسے لگ رہا تھا جیسے کڑکی کا شیشہ ابھی ٹوٹ جائے گا۔ اس کا ہاتھ بری طرح
کاپ رہا تھا۔ یں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے زندگی میں کبھی گاڑی نہیں چلائی۔ وہ بالکل بھول چکی تھی کہ اس کا کون
سا بچہ کہاں ہونا چاہئے۔ وہ خوف کے عالم میں اپنی کڑکی کے شیشے پر ان کے ہاتھ دیکھنے لگی۔

جب ہی ان میں سے ایک لڑکے کی نظر اس کی برابر والی سیٹ کے دروازے پر پڑی۔ علیہ نے اسے کچھ
کہتے ہوئے ادھر اشارہ کرتے دیکھا اور پھر ان تینوں کو اپنا تک گاڑی کی دوسری طرف لپکتے دیکھا علیہ نے بے اختیار
دوسری طرف دیکھا اور اس کے منہ سے بچ نکلی۔ دوسری کڑکی کا شیشہ کھلا ہوا تھا۔ وہ بجلی کی طرح دوسری سیٹ پر
آتے ہوئے تیزی سے شیشہ چڑھانے لگی۔ مگر وہ لوگ وہاں پہنچ چکے تھے۔ علیہ نے ایک ہاتھ لاک پر رکھ دیا۔ ان
میں سے ایک لڑکا کڑکی کے اندر ہاتھ ڈال کر لاک سے اس کا ہاتھ ہٹانے لگا۔ آدھا شیشہ اوپر چاٹا تھا۔ علیہ نے
لاک سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ وہ پوری قوت سے شیشہ اوپر کرتی رہی۔ اس لڑکے نے اپنے ہاتھوں کے ناخنوں سے اس
کے ہاتھ کو بری طرح ڈبکیا۔ علیہ نے اپنا ہاتھ پھر بھی نہیں ہٹایا۔ وہ جا چکی تھی کہ وہ اس کا ہاتھ ہر قیمت پر وہاں سے

بتا دینا چاہتا تھا۔

گاڑی کا شیشہ اتار دیا اور جاچکا تھا کہ وہ بازو کے علاوہ خود اندر نہیں آسکتا تھا۔ مگر اب علیہ کہڑی کا شیشہ پوری طرح بند نہیں کر سکتی تھی۔ اس لڑکے نے یک دم لاک پر رکھے ہوئے اس کے ہاتھ کو چھوڑ دیا اور اس ہاتھ سے اس کے چہرے پر مکارا مار دیا۔ ایک بیچ کے ساتھ پلٹ کر دوسری سیٹ پر گری۔ مگر ایک بار پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس لاک پر رکھ دیے۔ سر بیچے جھکا کر اس نے اس کے مزید بچلے سے بچنے کی کوشش کی۔ اس کے چہرے میں شدید تکلیف ہو رہی تھی اور وہ اب روئے ہوئے خوف سے بیچ رہی تھی۔

وہ ان کی آواز سن رہی تھی۔ وہ لڑکا اب دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

”میں اس کے ہال پہنچے ہوئے اسے لاک سے پیچھے کرتا ہوں۔ اپنا ہاتھ اندر ڈال کر لاک کھول دیتا۔“
علیہ نے سر اٹھا کر اس لڑکے کو دیکھا۔ وہ گردن موڑے تیز آواز میں اپنے پیچھے مڑے دوسرے لڑکے سے مخاطب تھا اس کا بازو کہڑی کے اندر تھا اور اس وقت وہ بالکل مسکت تھا۔ علیہ نے نکلنے کی تیزی کے ساتھ اس کے بازو پر اپنے دانت جوا دیئے۔ وہ جتنے زور سے اسے کاٹ سکتی تھی، اس نے کانا تھا۔ اس لڑکے نے ایک بیچ باری اور تیزی سے اپنا بازو گاڑی سے نکال لیا۔

اس نے جیستھر کہ دوسرا لڑکا آگے بڑھتا۔ علیہ نے شیشہ بند کر دیا۔ اس نے ان لڑکوں کو گالیاں دیتے سا۔
وہ روئے ہوئے اپنی سیٹ پر واپس آئی اور اس نے گاڑی اشارت کر کے اسے رپورس کرنا شروع کر دیا۔

وہ لڑکے اب اس کی گاڑی کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ علیہ نے یک دم انہیں رکتے دیکھا۔ وہ گاڑی رپورس کرتی رہی اور پھر اچانک اس نے ایک لڑکے کو جھک کر زمین سے کچھ اٹھاتے دیکھا۔ جب وہ سیدھا ہوا تو علیہ نے بے اختیار بیچ باری۔ اس لڑکے کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پتھر تھا اور وہ جان چاکی تھی کہ وہ ایک کرنا چاہتے تھے۔

وہ لڑکا ایک بار پھر دوڑتا ہوا گاڑی کی طرف آکر علیہ نے اسے دھڑا کر مین پر دو پتھر اچھالے دیکھا۔
اس نے آکھیں بند کر لیں اسے ایک دھماکے کی آواز سنائی دی اور اسے چہرے اور لباس پر شیشے کی چرباں لگتی محسوس ہوئیں۔ دھڑا کر مین ٹوٹ چکی تھی مگر خوش قسمتی سے وہ پتھر اسے نہیں لگا تھا۔ وہ گاڑی رپورس کرتی رہی۔ باپاں بازو اٹھا کر اس نے اپنے سامنے کی ٹوٹی ہوئی اسکرین کو آکھیں کھولے بغیر محسوس کیا۔ اسے خوف تھا کہ آکھیں کھولنے پر ہوا سے لڑکوں کی گرہی اس کی آنکھوں میں جا سکتی ہے مگر اسکرین مکمل طور پر ٹوٹ چکی تھی۔

جس وقت اس نے آکھیں کھولیں۔ اس وقت وہ لڑکے خامی دوسرے لڑکے پر تھے خوش قسمتی سے گاڑی سڑک پر ہی رہی تھی، اور پیچھے کسی چیز سے نہیں گرانی۔ مگر وہ سڑک گزر چکی تھی جس پر وہ جانا چاہتی تھی وہ گاڑی رپورس کرتی رہی۔ آگے کی طرف جانا بے کار تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کسی طرح بھی ان لڑکوں کے قریب جائے۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ ای طرح گاڑی رپورس کرتی جائے گی اور آگے والی سڑک پر مڑ جائے گی۔

اس کا خوف اب قدرے کم ہو گیا۔ وہ لڑکے اب بہت دور درہے تھے۔ مگر وہ ابھی انہیں سڑک پر دیکھ سکتی تھی، اور جب ہی اچانک اس نے کڑے ان لڑکوں کو پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے دیکھا۔ علیہ کا سانس رکنے لگا۔ ان

لڑکوں کی گاڑی اب اس کی طرف آ رہی تھی۔ یقیناً اس لڑکے نے جائزہ لیں کر لیا تھا اور اب وہ گاڑی کو ان لڑکوں کی طرف لارہا تھا اور اس کے بعد۔۔۔۔۔

وہ جانتی تھی، وہ اس کے بعد کیا کرتے۔ وہ ایک بار پھر اس کے پیچھے آئے اور اس بار وہ ان سے کسی طرح جان نہیں چھڑا سکتی تھی۔

وہ اب گاڑی پر سوار ہو رہے تھے اور علیہ جانتی تھی کہ چند لمحوں کے بعد وہ اس کے سر پر ہوں گے۔ اس نے دعائیں پڑھتے ہوئے گاڑی کی اسپینڈیکھ کر ہوا دی۔

اور پھر اچانک اسے سڑک نظر آ گئی۔ گیزر دلتے ہوئے اس نے گاڑی کو اس سڑک پر ڈال دیا۔ وہ بھی ایک ذیلی سڑک تھی مگر اب علیہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کون سی سڑک ہے۔ اسے واقعہً یہ بھی کہ گاڑی رپورس کیمے میں نہیں تھی اور وہ تیز رفتاری سے اسے چلا سکتی تھی مگر سامنے سے آتی ہوئی آکھیں بند کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

جب ہی اس نے سامنے مڑے اس لڑکوں کو اس روڈ پر ٹرن لیتے دیکھا۔ اس نے ہونٹ جھپٹے لیے۔ وہ گاڑی بہت تیز رفتاری سے اس کے قریب آتی جا رہی تھی۔ علیہ نے بہت تیزی سے ایک اور ٹرن لیا۔ جون جون وقت گزر رہا تھا۔ اس کے اعصاب جواب دیتے جا رہے تھے۔ اسے اعزازہ ہونے لگا کہ وہ بہت تیز رفتاری سے کال نہیں چلا سکتی کیونکہ ٹوٹی ہوئی دھڑا کر مین سے آتی والی ہوا کے چھڑے اسے سڑک پر کچھ بھی دیکھنے نہیں دے رہے تھے۔ وہ سڑکیں دیران تھیں۔ سامنے سے کوئی فریک نہیں آ رہی تھی۔ اس نے وہ کسی نہ کسی طرح ان پر گاڑی چلا دی تھی۔ مگر وہ جب مین میں روڈ پر پہنچی تو وہ کسی نہ کسی حادثے کا شکار ضرور ہو جائی۔ وہاں وہ اس طرح آکھیں کھولے بند کرتے گاڑی نہیں چلا سکتی تھی۔

وہ پھر مین میں روڈ پر جانا چاہتی تھی، اس کا خیال تھا وہاں جا کر وہ گاڑی روک کر سڑک پر اتر جائے گی اور مدد ملے گی۔ وہ جانتی تھی کہ کتنی فریک اور لوگوں کے درمیان وہ لڑکے اس تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اسے اب اپنی اور شیشا کی حفاظت کا احساس ہو رہا تھا۔ انہیں ان لڑکوں سے جان چھڑانے کے لئے کسی بھی چوک میں تعینات فریک کا فیشل کے پاس گاڑی روک دینی چاہئے تھی۔ وہاں فریک کا فیشل اور لوگ کسی نہ کسی طرح ان کی مدد کر سکتے تھے۔ اس کی دوسری حفاظت یہ تھی کہ ایک بار شیشا کے گھر چھپنے کے بعد اس نے دوبارہ اکیلے نکلنے کی غلطی کی۔

”میں اس کے ڈرامیڈر کے ساتھ کیوں نہیں آئی یا اپنی گاڑی وہاں چھوڑ کر میں اس کی گاڑی لے آتی۔ کم از کم یہ لوگ گاڑی کو اتنی جلدی سے نیچان لیتے۔“ وہ خود کو کہہ رہی تھی۔

ایک ذیلی سڑک سے دوسری ذیلی سڑک پر مڑے ہوئے اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ بری طرح اس علاقے میں جھنسنجی ہے۔ وہ یہ تک نہیں سمجھتا کہ اسے یہی سڑک پر ہے۔ اسے یہ بھی خوف تھا کہ گاڑی کی ٹنگی میں زیادہ پٹرول نہیں تھا اور گاڑی کسی بھی بند ہو سکتی تھی یا اس طرح چکر لگاتے لگاتے اس کا جائزہ نہیں ہوا تھا تو۔۔۔۔۔

آواز میں چلا رہا تھا۔ علیہ وہ بھاگی ہوئی آگے دروازے پر پہنچی اور پینڈل پر ہاتھ رکھ کر دروازہ کھول دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ کمرے کے اندر تھی۔ اس نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ کی ہول میں لگی ہوئی چابی اس نے گھما کر دروازے کو لاک کر دیا اور اس کے بعد اوپر لگا ہوا پلٹ چڑھا دیا۔

وہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا اور اس کی لائٹ آن تھی۔ سڑکی سلٹوں سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہاں چند لمبے پہلے کی سویا لینا ہوا تھا کراہ رہا تھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا اور جب ہی اس کی نظر بڑے سا میبل پر رکے ہوئے فون پر پڑی۔ اکڑے ہوئے تانس اور پیسے سے جیسے ہوئے وجود کے ساتھ وہ جیل کی طرح فون پر جھنجھی، اس نے برق رفتاری سے ریسپورڈر کا کھینکا کا نمبر لانا شروع کر دیا۔ اسے پیر صیوں پر کسی کے بھانجے قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ لوگ یقیناً اب اوپر آ رہے تھے۔ اس کا سانس رکنے لگا۔ وہ کسی بھی لمحے اس تک پہنچنے والے تھے تیل ہو رہی تھی مگر کوئی بھی ریسپورڈر نہیں اٹھا رہا تھا۔

"یا اللہ..... یا اللہ..... اللہ کے واسطے فون اٹھاؤ۔" وہ التجائیہ انداز میں بڑبڑانے لگی اور جب ہی دوسری طرف سے ریسپورڈر اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو!" اس نے شہلا کی آواز سنی مگر اس سے چشمہ کر دکھ کر ہوا بولی، اس نے ساتھ والے دروازے پر کسی کو غور کر مارتا سا اور پھر کوئی بلند آواز میں گالیاں دیتے ہوئے اسے دروازہ کھولنے کے لئے کہنے لگا۔

"شہلا! میں علیہ ہوں۔" اس نے اکڑے ہوئے سانس کے ساتھ سرگوشی میں کہا۔ وہ ابھی اس کا دروازہ نہیں بجا رہا تھے اور وہ جانتی تھی کہ انہیں یہ جگہ نہ ہو کہ وہ اس کمرے کے بجائے ساتھ والے کمرے میں ہے۔

"علیہ! تم..... تم کمرہ کتنی ہو؟" شہلا نے دوسری طرف سے اس سے پوچھا۔

"میں گھر نہیں پہنچی ہوں"

"کیوں اور تم اتنا آہستہ کیوں بول رہی ہو؟" شہلا کی آواز میں حیرت تھی۔

"شہلا! پلیز! اس وقت کوئی سوال مت کر صرف میری بات سنو۔ میں معیشت میں ہوں، وہ لوگ میرے پیچھے آئے تھے۔ سب ایک گھر میں گھس گھس گھس رہی ہیں اور ایک کمرے سے تھیں فون کر رہی ہیں۔ وہ لوگ ابھی اندر آ چکے ہیں۔ اور اب ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" اسے دوسری طرف سے شہلا کی چیخ سنائی دی۔

"پلیز! پلیز میری مدد کرو..... وہ مجھ تک پہنچ جائیں گے۔" علیہ کی ہمت جواب دے گئی وہ رونے لگی۔

"تم کہاں ہو..... تم کس گھر میں ہو؟"

"مجھے کچھ پتہ نہیں..... مجھے کچھ پتہ نہیں..... مگر میں تمہارے ہی علاقے میں ہوں۔"

"مگر کھانا ایڈریس بتا سکتی ہو؟"

"نہیں۔"

"مگر کی کوئی لٹائی؟"

"نہیں..... نہیں۔" وہ گڑگڑائی اور جب ہی اس نے اپنے کمرے کے دروازے کے باہر ایک آواز سنی۔

"مجھے کسی گھر کے اندر داخل ہو جانا چاہیے۔ کسی بھی گھر کے اندر..... اور پھر ان سے مدد لینی چاہیے۔" اس نے یک دم فیصلہ کر لیا۔ علیہ نے کار چلائے ہوئے اب گھروں کے گیٹ دیکھنے شروع کر دیے اور پھر ایک موڑ ہوئے وہ گاڑی ایک گھر کے کھلے گیٹ کے اندر لے گئی۔

وہ گاڑی روکے بغیر سیدھا پورچ میں لے گئی اور وہاں کھڑی گاڑی کے پیچھے اسے روک دیا۔ اس نے اپنے پیچھے گیٹ کی طرف سے آتے ہوئے چوکیدار کو چلائے سنا۔

علیہ نے برق رفتاری سے کار کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر آئی۔ "گیٹ بند کر دو۔" اس نے چلا کر چوکیدار سے کہا مگر وہ اس کی طرف آ کر ہلکا سا خوف محسوس ہونے لگا کہ لڑکوں کی گاڑی بھی اسی طرح کھلے گیٹ سے اندر آ سکتی ہے۔ مگر انہیں یہ شک ہو گیا کہ یہ اس کا اپنا گھر نہیں ہے تو۔

"گیٹ بند کر دو..... کچھ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں۔" وہ بلند آواز میں چلائی اور جب ہی اسے اندازہ ہوا کہ چوکیدار اس کی بات سن نہیں پا رہا۔ وہ خاصا دور تھا اور مسلسل اس کی طرف آ رہا تھا۔

"مجھے خود بھاگ کر گیٹ بند کر دینا چاہیے۔" اس نے سوچا اور ایک قدم بڑھایا اور میں اس وقت اس نے کھلے گیٹ کے سامنے سرک پر ایک گاڑی کو آہستہ آہستہ روکے ہوئے دیکھا۔ وہ چاروں گاڑی میں بیٹھے ہوئے گردنیں موڑے اندر کا جائزہ لے رہے تھے اور علیہ اس کے بالکل سامنے تھی۔ اس نے پلٹ جھپٹنے میں ان کو گاڑی روکے اور پھر خود اسی پیچھے ہوئے دیکھا اور وہ جان چکا تھی کہ وہ لوگ گاڑی اندر لانے والے ہیں۔

دوسرے گٹ کے اندر تو دروازے کی طرف بھاگی اور اسے کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

وہ اس گھر کا لاؤنج تھا۔ علیہ نے ایک گوت کو چھینے سنا۔ اس نے اس عورت کو توجہ دینے بغیر پلٹ کر اس دروازے کو بند کیا اور اسے لاک کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے ایک لمبا اسی اندازہ ہو گیا کہ وہ دروازہ لاک نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی چابی لاک ہول میں نہیں تھی۔ دروازے پر کوئی جتنی بھی نہیں تھی۔

علیہ نے مڑ کر لاؤنج میں دیکھا۔ وہاں ایک عورت اور مرد خوش باشہ انداز سے دیکھ رہے تھے۔

"کون ہو تم، اندر کیوں آئی ہو؟" مرد چلا یا۔

"پلیز نیچے چمک چمک۔ میرے پیچھے کچھ لوگ آئے ہیں، وہ اندر آ رہے ہیں۔" وہ ان بیڑیوں کی طرف بھاگی ہوئی بولی۔

جس نے لاؤنج میں دیکھی تھیں۔ پلٹ جھپٹنے میں وہ بیڑیوں پر تھی۔

"نہیں، تم ہمارے گھر سے چلی جاؤ۔ نکلو یہاں سے۔" وہ مرد کہہ رہا تھا۔ مگر علیہ وہی نہیں۔

اس نے باہر کچھ بھاگتے قدموں کی آواز سنی کہ میں اوروہ جاتی تھی کہ لاؤنج کا دروازہ کسی بھی وقت کھل سکتا ہے۔

برق رفتاری سے بیڑیاں بھلا گئے ہوئے وہ اوپر کی منزل پر آ گئی اور ایک روپڑہ میں داخل ہوئی۔ وہاں کچھ کمرہ کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ اس نے پہلا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ وہ نہیں کھلا، وہ لاک تھا۔ جب ہی اس نے لاؤنج میں شور مچا۔ وہاں بہت سے لوگوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ مرد اب بلند

”مجھے لگتا ہے، وہ یہاں ہے۔ اس کمرے کی لائٹ آن ہے۔ نیچے جا کر چاہیاں لاؤ۔“

”شہلا..... شہلا! وہ میرے کمرے تک پہنچ گئے ہیں۔“ اس نے روتے ہوئے اسے بتایا۔

”ہی..... ہی.....! موبائل سے پولیس کا نمبر ملائیں..... مئی! موبائل سے پولیس کا نمبر ملائیں۔“ اس نے شہلا کو چلا کر اپنی مئی کو ہدایت دیتے سنا۔

اب دوداڑے پر ٹھوکر مار مار جا رہی تھیں۔ وہ گالیوں کی آوازیں سن رہی تھی۔ علیہ معنی ہوئی آواز میں دور رہی تھی۔

”علیؑزہ.....! علیؑزہ.....! فون بند مت کرنا۔ ہم کال ٹریس کرواتے ہیں۔ دیکھو گھبرانا مت۔“ وہ شہلا کی آواز سن رہی تھی۔ وہ بھی اب روری تھی۔

”علیہ.....! علیہ.....!“ اس نے ریسور پر اب شہلا کے بھائی فاروق کی آواز سنی۔

”فاروق..... دروازہ کھٹوٹنے والا ہے۔ وہ اندر آ جائیں گے، وہ ابھی اندر آ جائیں گے۔“ وہ ایک دم بلند واز میں چلا اٹھی۔ دروازہ اب واقعی اتنی بری طرح دھڑ دھڑایا جا رہا تھا کہ یوں لگتا تھا وہ کبھی بھی لمٹے نوٹ کر بیچے مگر لے گا۔

”طبیور کرے میں ہاں ساتھ دم دیکھو..... وہاں اگر ہاتھ دم ہے تو اس کے اندر جا کر دروازہ بند کرنا اور
 لڑکے کی لائٹ آن کر دینا۔ فون اگر ہاتھ دم کے اندر لے جا سکتی ہو تو لے جاؤ اگر تار کی نہیں ہے تو پھر فون اٹھا کر
 دے کیچے چھو چھاؤ مرنے کی نیت کرنا۔“ فاروق بلینہ آواز میں اسے ہدایت دینے لگا۔

ہم کال ٹریس کر لیتے ہیں۔ ہم ابھی تم تک پہنچ جائیں گے۔ گھبراہٹ امت..... روؤ امت۔“
مجھے ایک دروازہ نظر آ رہا ہے۔ وہ باتھ روم کا ہی ہوگا۔“

”تم وہاں چلی جاؤ..... اور اندر جا کر دیکھو، وہاں کوئی ایسی چیز ہے جسے تم اپنے دفاع کے لئے استعمال کر سکتے ہو اور مجھے یہ بتاؤ تم جس گھر کے اندر گئی ہو کیا گاڑی لے کر گئی ہو۔“

”ہاں“ دروازے پر کوئی چیز ماری گئی تھی۔ علیہ کے ہاتھ سے ریسیور گر پڑا۔ دروازہ بری طرح ہلا تھا۔ وہ گتے ہوئے ہاتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور پلورہ جلا۔

ساتھ روم میں ایک نظر دوڑا ہے اسے اپنے بالکل سامنے کی اور دروازہ نظر آیا۔ وہ ہاتھ روم بقیہ دو
 وں کے درمیان تھا اور دیکھ رہی تھی اس نے سب سے پہلے کھولنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بند تھا۔ اس نے
 زور دیا۔ وہ دروازہ کھولا اور اس کے مٹلے سے جی نکلی۔

کمرے میں سولہ مہرہ سالہ ایک لڑکا نائٹ ڈریس میں اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔ وہ بھی اسے دیکھ کر مدغزوہ ہو گیا۔ کمرے میں نائٹ لمب جلا ہوا تھا اور ہاتھ روم کے کھلے دروازے کی روشنی نے صرف اتنی جگہ کو لیا تھا جہاں وہ کھڑا تھا۔

”آپ کون ہیں اور یہاں کیوں آئی ہیں؟“ علیہ کو فوراً اندازہ ہو گیا کہ وہ اس گھر کا ایک فرد ہے اور یقیناً وہ

کچھ دیر پہلے ہی اپنے دروازے پر پڑنے والی ٹھوکروں سے غور فرما کر اٹھا ہوگا مگر اس نے دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں کی اور پھر شاید ہاتھ روم میں ہونے والا شوشن کر دیا اور اصرار آتا ہوگا مگر کسی نے علیحدہ اس ہاتھ روم سے باہر نکل آئی۔

علیہ نے مڑ کر ہاتھ روم کے اس دروازے کو بھی بند کر دیا۔ ”پلیئر میری مدد کرو..... یہ لوگ مجھے چڑنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کمرے کا دروازہ توڑ رہے ہیں اور اس کے بعد وہ اس ہاتھ روم کے دروازے کو توڑ کر یہاں آ جائیں گے۔“ وہ اندھیرے میں اس لڑکے کے سامنے روتے ہوئے نگرنگی کی۔

”میرے پاپا اور مئی ٹھیک ہیں.....؟“ اس لڑکے نے اس سے پوچھا۔

”ہاں وہ ٹھیک ہوں گے، ان لڑکوں کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔“

تب مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔“ وہ اب بری طرح رو رہی تھی۔

”میرے پاس موتیابی ہے میں نے پولیس کو فون کیا ہے.....“ وہ لڑکا بات کرتے کرتے کہ گیا۔ ایک دھڑکے کی آواز آنی لگی۔ برابر والے کمرے کا دروازہ یقیناً ٹوٹ گیا تھا۔ وہ دونوں خوفزدہ ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اتھروم کا دروازہ اب دھڑ دھڑایا جانے لگا تھا۔

”پلیز مجھے کہیں چھا دو..... وہ لوگ یہ دروازہ بھی تو زبردستی گئے۔“ وہ پوری طرح دھشت زدہ ہو چکی تھی۔

”میرے کمرے کی کھڑکیاں پورچ کی چھت پر کھلتی ہیں، آپ وہاں اتر جائیں اور لیٹ جائیں۔

اگر میرے میں آپ نظر نہیں آئیں گی یا آپ وہاں سے بچے لان میں اتریں تو..... مگر چاہیں یہ کہنے لوں گی کہ

آجائے۔ اگر پولیس نہیں بھی آئی تب بھی میں ان لوگوں سے یہی کہوں گا کہ آپ میرے کمرے میں آئی نہیں اور پھر میرے کمرے کا دروازہ کھول کر چلی گئیں۔“ اس لڑکے نے تیزی سے کھڑکیاں کھولتے ہوئے کہا۔

”اس جبر پر دم کر کے اپنے گھر کا ایڈریس بتاؤ۔“ علیزہ نے کھڑکی پر چلتے ہوئے اسے شہلا اور نانو کے نمبر بتا دیے۔

وہ بڑی احتیاط اور خاموشی سے پورچ کی صحت پر اثر لگئی۔ اس نے اپنے پیچھے کھڑکیوں کو دھار بند ہوئے دیکھا۔ مگر کایٹ اب بند تھا۔ علیزہ کا دل بیضہ تھا، باہر جو کچھ اندر نظر نہیں آ رہا تھا۔ بالکل خاموشی تھی۔ وہ پورچ کی صحت سے فطرتاً ما عاقبتی تھی مگر بہت نہیں کر سکتی۔ لان کی تمام لائٹس آن تھیں اور پورچ بھی روشن تھا۔ کئی کئی اسے

بچہ بچہ اڑتے دیکھ لیا تو..... ذہن نہیں جانتی تھی وہ چاروں اندر تھے باہر ان میں سے کوئی باہر بھی تھا وہ پورچ کی چھت کے سب سے تاریک کونے میں جا کر بیٹھ گئی اور اب ہی اس نے کمرے کو روشن ہوتے دیکھا جس کی کمر کیوں سے وہ اتنی تھی، بیٹھا وہ لوگ اب وہاں تھے اور اگر ان میں سے کسی نے کمر کیوں کے پردے ہٹا دیئے تو..... تو وہ راجا جان

جاتے کہ کفر کیوں میں کوئی گمراہ نہیں تھی اور اس کے ذریعے نیچے اترا جا سکتا تھا۔ اس کا پورا جسم خوف سے کانپ رہا تھا۔ وہ سارا صدمہ دیکھ کر ہنسی رہا۔

مکڑی ہوئی۔ پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اس کے جیروں میں جوتا ہے نہ گھٹے میں دو پہن۔
 وہ لڑکے اب اس کے آگے چل رہے تھے۔ مکڑی کے پاس کئی کدو بڑی ہمرتی سے مکڑی پر چڑھ گئے۔
 مدخلیہ اور کاندازہ ہو گیا کہ مکڑی پر نہیں چڑھ سکتی۔ وہ لڑکا اب نیچے اٹھ لٹکے ہوئے اس کی مدد کرنا چاہ رہا تھا۔
 ”نہیں۔ میں نہیں چڑھ سکتی۔“ وہ سر ہلاتے ہوئے ایک بار پھر پورچ کی سمت پر بیٹھ گئی۔ اس نے ان
 لڑکوں کو مکڑی سے غائب ہوتے دیکھا۔ چند منٹوں بعد پورچ کی سمت سے ایک سبز گی لٹکی گئی۔ علیزہ کو ایک بار پھر
 اسی لڑکے کا سر نظر آیا۔

”آپ یہاں سے آجائیں۔“ وہ لڑکا کہتے ہوئے نیچے اتر گیا۔ علیزہ نے سبز گی پکڑ کر نیچے جھانکا اور وہ
 نیچے اترنے کی ہمت نہیں کر سکی۔

نیچے بہت سے لوگ کھڑے تھے۔ وہ دیکھ دیکھ چھپے ہوئی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سبز گی پر پہلا قدم
 دیکھتی ہی نیچے گر جائے گی۔ اس کے جیروں میں اتنی ہار تھی۔

پھر اس نے نیچے سے کسی کو لپٹا کر پناہ دے کر ایک لمحہ میں وہ آواز بچپان گئی۔ وہ عباس حیدر تھا۔ انگلی باز
 حیدر کا تیسرا بیٹا۔۔۔۔۔۔ وہ بھی پولیس میں تھا اور لاہور میں ہی پوٹل تھا۔

”علیزہ۔۔۔۔۔۔ میں عباس ہوں۔ نیچے آ جاؤ، گھبرانے کی ضرورت نہیں، سب کچھ ٹھیک ہے۔“ وہ بلند آواز
 میں اس کا نام پکارتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

وہ دونوں چلتے جاتے تھے کہ اسے یہ تھا شاید آ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ عباس کی شکل دیکھتے ہی وہ خود پر قابو
 نہیں رکھ پائے گی بلکہ اس وقت اپنی چٹلی کے کسی بھی شخص کو دیکھ کر روکنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکتی۔ اس نے اپنے
 بکپکے ہونٹوں کو کھینچ لیا اور سبز گی کی طرف بڑھ گئی۔

”نہیں۔ اسے لوگوں کے سامنے مجھے روکنا نہیں ہے اور پھر میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔“ اس
 نے دل ہی دل میں کہا اور نیچے جھانکا۔ عباس اب سبز گی پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ شاید وہ چنے کا سوچ رہا تھا کہ علیزہ کو
 موردار ہوتے دیکھ کر وہ چند قدم نیچے ہٹ گیا۔

”دیری گڈ علیزہ۔۔۔۔۔۔ آ جاؤ نیچے۔“ اس نے اسے پکارتے ہوئے کہا۔ وہ ہونٹ پیچھتے کاپتے ہوئے
 قدموں کے ساتھ سبز گی اترنے لگی۔

آخری سبز گی پر آتے ہی عباس نے اسے آگے بڑھ کر قہام لیا۔
 ”تم ٹھیک ہو؟“ وہ نرم لہجے میں اس سے پوچھنے لگا۔

علیزہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بغیر سر ہلایا۔ وہ خود پر قابو رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اب
 پولیس والوں کو ہدایت دے رہا تھا۔

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی پورچ میں آگئی اور جب ہی اس نے ایک شخص کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا اور اس
 کا سارا حوصلہ جواب دے گیا۔ وہ عرقا تھا۔ عباس کے برعکس وہ یونیفارم میں نہیں تھا۔ اسے گتے پاؤں دو پہنے کے بغیر

اور پھر اچانک اس نے دور دیکھی پولیس سائرن کی آواز سنی۔ اس کا رکا ہوا سانس یک دم بحال ہونے لگا۔
 اسے اندازہ تھا کہ سائرن کی آواز گھر کے اندر بھی جاری ہوں گی، اور وہ چاروں لڑکے اب وہاں نہیں ٹھہریں گے۔
 پھر اچانک اسے احساس ہوا کہ سائرن کی صرف ایک آواز نہیں ہے۔ ایک سے زیادہ پولیس کی گاڑیاں سائرن بجاری
 تھیں اس نے دیکھ ہی نیچے پورچ میں دروازہ کھلے اور کچھ بھاری قدموں کی آوازیں سنیں۔ پھر اس نے ایک لڑکے
 کو بھاگ کر گیٹ کی جانب جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ پورچ کی سمت پر سر پٹہ کر کے بیٹھ گئی۔
 نیچے پورچ میں کوئی گاڑی اسٹارٹ ہو رہی تھی۔ پھر اس نے ایک گاڑی کے دروازے کی آواز سنی۔ اس
 نے پھر بھی گردن نہیں اٹھائی۔ وہ وہیں کمرے سانس لیتے ہوئے بیٹھ رہی۔

پورچ میں اب یک دم کچھ اور آوازیں آنے لگی تھیں۔ اس نے ایک عورت کی آواز سنی۔ علیزہ جان گئی کہ
 گھر کے افراد باہر نکل آئے تھے۔ وہ چاروں لڑکے یقیناً وہاں سے چائے پیتے تھے۔ علیزہ اب بھی اٹھنے کی ہمت نہیں کر
 پائی۔ آتے آتے وہ جدوجہد میں جان لگ رہا تھا۔ اسے کچھ دیر پہلے کے واقعات پر یقین نہیں تھا۔ پہلی بار اسے اپنے
 جہزے اور ہاتھ میں تکلیف کا احساس ہونے لگا۔

علیزہ نے آہستہ آہستہ کی کوشش کی۔ اٹھ کر بیٹھنے کے بعد اس نے اپنے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر
 منہ چھپا لیا۔ سائرن کی آوازیں اب بہت قریب آتی جاری تھیں۔ وہ شاک کے عالم میں چہرہ گھٹنوں میں چھپائے
 ہوئے بیٹھ رہی۔

اگلے چند منٹوں میں اس نے اس گھر کے بالکل سامنے پولیس کی ایک موبائل رکتے ہوئے دیکھی۔ سائرن
 کی آواز کانوں کو بھاری رہی تھی۔ علیزہ نے ایک نظر اس گاڑی پر ڈالی اور پھر گردن دوبارہ اپنے گھٹنوں میں بندھائی۔
 سائرن کی آواز اب بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بہت ساری گاڑیوں کے گاڑوں کی آوازیں سن سکتی تھی۔ مگر وہ
 گردن نہیں اٹھا رہی تھی۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“ اس نے اچانک اپنے قریب ایک آواز سنی۔ علیزہ نے سر اٹھایا۔ اس کے سامنے
 پورچ کی سمت پر وہی سولہ سترہ سالہ لڑکا کھڑا تھا۔ مگر اب اس کے ساتھ تیرہ چودہ سالہ ایک اور لڑکا بھی تھا۔ وہ یقیناً ان
 ہی دو بکلی مکڑیوں سے کوکر آئے تھے۔

”وہ لوگ بچلے ہیں۔۔۔۔۔۔ پولیس آگئی ہے۔“ خطرے والی کوئی بات نہیں۔ میرے مٹی، پاپا اور بہن بھائی
 بالکل ٹھیک ہیں۔“ وہ بڑی خوشی کے ساتھ اسے بتا رہا تھا۔

وہ مسکراتا چلتی جاتی تھی کہ اسے احساس ہوا کہ وہ مسکرائیں سکتی۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ وہ صرف اس کا چہرہ
 دیکھتی رہی اور پھر اس نے گردن سوڑ کر باہر سوڑ کر دیکھی۔ گیٹ ایک بار پھر کھلا ہوا تھا اور سڑک پولیس کی گاڑیوں سے
 بھری ہوئی تھی۔ سائرن اب آہستہ آہستہ بند ہو رہے تھے۔ وہ گیٹ کے اندر اور باہر پولیس کی یونیفارم میں بیٹوں بہت

سے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔

”آئیں۔“ وہاں کمرے میں چلتے ہیں۔“ اس لڑکے نے علیزہ سے کہا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھ

”اور علیزہ! کچھ بھی چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب کچھ جانتا چاہتا ہوں۔“ علیزہ نے سیٹ کی پشت پر اپنا سر رکھ دیا۔ وہ سب یاد کرتے ہوئے خوف آنے لگا تھا۔

”میں بہت تنگ کی گئی ہوں۔ اس وقت مجھے گھر لے جائیں۔ میں صبح بتا دوں گی۔“

”میں جیسے گھر لے جاؤں گا مگر یہ سب جانتا ضروری ہے۔ ہم انہیں ابھی پکڑنا چاہتے ہیں۔“

وہ چپ چاپ دنگل اسکرین سے باہر نکلتی رہی۔ عمر چند لمبے مختصر نظروں سے اسے دیکھا بار بار پھر کار کے کٹے دروازے سے بے چہچہ اتر گیا۔

دس منٹ بعد وہ دوبارہ نمودار ہوا۔ علیزہ نے دور سے اس کے پیچھے چلتے ہوئے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک لڑے دیکھی۔ کار کے پاس آنے پر عمر نے دروازہ کھول دیا۔ اس شخص نے وہ لڑے کار کی پچھلی سیٹ پر رکھ دی اور دروازہ کھلا چھوڑ کر چلا گیا۔

عمر اب پنجرہ سیٹ پر بیٹھا ہوا گلوکائیٹ منٹ سے کچھ نکال رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ بسکٹ کا ایک پیکٹ لے کر پچھلی سیٹ پر آ گیا۔ علیزہ اس وقت تک لڑے میں رکھے ہوئے چائے کے دو کپس میں سے ایک اٹھا نکلی تھی۔ عمر نے بسکٹ کا پیکٹ کھول کر لڑے میں رکھ دیا اور دوسرا کپ اٹھا لیا۔

علیزہ کو اس وقت بے حاشا بھوک لگ رہی تھی۔ کپے بعد دیگرے اس نے تقریباً سارے بسکٹ کھا لئے۔ عمر خاموشی سے اسے دیکھتے ہوئے چائے پیتا رہا۔ جب اس نے چائے کا کپ لڑے میں رکھ دیا تو عمر نے اس سے کہا۔

”اب بات شروع کرتے ہیں۔“ علیزہ نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ فرانس میں آئے ہوئے کسی شخص کی طرح اسے ایک ایک کر ساری تفصیلات بتاتی رہی۔ عمر اس سے چھوٹے چھوٹے سوال پوچھتا رہا۔ گفتگو کے دوران اس نے علیزہ کے ہاتھ پر لگی ہوئی وہ خراشیں بھی دیکھیں جن سے ابھی تک خون رہا تھا۔ علیزہ نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اپنے بیگ سے ٹشو نکال کر کچھ کچھ صاف کرنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد وہ ٹشو اس پر لپیٹ دیا۔ اپنی بات کے اختتام پر اس نے عمر کا خاموشی سے گاڑی سے اتر کر گھر کے اندر جا گئے دیکھا۔

اس بار اس کی داہنی آدھ گھٹنہ کے بعد ہوئی۔ عباس بھی اس کے ساتھ تھا۔ عمر گاڑی کی طرف آنے کے بجائے وہ دونوں ایک بار پھر پولیس کی گاڑی کی طرف چلے گئے۔ دس منٹ تک وہاں کھڑے کچھ پولیس والوں سے باتیں کرتے رہے۔

پھر علیزہ نے ان دونوں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ عباس پنجرہ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ جبکہ عمر نے پچھلا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر رکھی ہوئی لڑے نکالی اور اس شخص کو تھام کر پیچھے لے لایا تھا۔ پھر وہ خود بھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ علیزہ نے اسی وقت اپنی گاڑی کو کیمٹ کے اندر سے باہر آتے دیکھا۔ اسے کوئی پولیس والا ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

عمر نے اب اپنی گاڑی اشارت کر لی۔ عباس کے پاس ایک ڈرائیونگ سیٹ تھا جسے اس نے پنڈ بریک کے

اس حالت میں اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔ عرنی کا احساس ہوا۔ مگر وہ جب اس کے قریب آیا تو وہ غصے چپوں کی طرح اس سے لپٹ کر بلند آواز میں رونے لگی۔

”اسے گاڑی میں لے جاؤ۔“ اس نے عباس کو کہتے سنا۔ عمر بہت تیزی کے ساتھ اسے اپنے ساتھ لپٹائے اس کا سر تھپک رہا تھا۔

”پانی لے کر آؤ“ وہ اب کسی سے کہہ رہا تھا۔ اس نے علیزہ کو چپ کروانے کی کوشش نہیں کی۔

”گاڑی میں دیکھو، ان کا دو پنڈ اور جو ہے۔ اگر انہیں تو گھر کے اندر دیکھو..... یا ان سے مانگ لینا۔“ وہ مسلسل کسی کو ہدایت دے رہا تھا۔

”کانی ہے علیزہ.....“ تیزی سے کہتے ہوئے اس نے علیزہ کو خود سے الگ کر دیا۔

”سرا! یہ ان کا جوتا دو پنڈ اور بیگ.....“ ایک کانٹیلین گاڑی کے اندر سے اس کی پچھلی سیٹ سے لے کر پاس آ گیا۔

عمر نے دو پنڈ اور بیگ پکڑ لیا۔ وہ جوتا پیٹنے لگی۔ عمر نے دو پنڈ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ علیزہ نے دو پنڈ ٹھیک سے پھیلائے ہوئے اس کے ایک کونے سے اپنا چہرہ صاف کیا اور بیگ کے لئے ہاتھ پھیلا دیا۔

”یہ میں پکڑ لیتا ہوں۔ تم تانی پانی لو۔“ اس نے اب گھر کے اندر سے منگوایا جانے والا پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ علیزہ نے ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر دیا۔

”اور چاہئے۔“ اس نے پوچھا، اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

عمر نے اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے اس شخص کی طرف بڑھایا۔ جو پانی لے کر آیا تھا۔ گلاس دینے کے بعد اس نے بہت تیزی سے علیزہ کی گھڑی پر ہاتھ رکھ کر چہرہ اوپر کرتے ہوئے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

”یہاں کیا ہوا ہے؟“ علیزہ کی آنکھوں میں ایک بار پھر کجی آئی تھی۔

”اں میں سے کسی نے مارا ہے؟“ اس نے سر ہلا دیا۔ عمر نے اس کے چہرے سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔

”آؤ چلیں۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر آ گیا۔ پولیس کی کسی گاڑی کی طرف لے جانے کے بجائے وہ اسے اپنی گاڑی کی طرف لے آیا۔ پچھلا دروازہ کھول کر اس نے اس کا بیگ اندر رکھا اور پھر اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔

”میں ابھی آتا ہوں۔“ وہ دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ سڑک پر موجود پولیس کی گاڑیاں اب وہاں سے روانہ ہو رہی تھیں۔

علیزہ نے دو ایک گاڑی کے پاس عباس اور عمر کو چند دوسرے پولیس والوں کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا۔ وہ دس چارہ منٹ تک وہیں باقی رہے۔ پھر اس نے عباس کو اس گھر کے اندر جا گئے دیکھا جہاں عمر اس کی طرف آیا۔

گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ”اب مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ کیا ہوا تھا.....

شہلا سے میں بات کر چکا ہوں۔ یہ جانتا ہوں وہ چارڈر کے تھے۔ گاڑی کا نمبر بھی اس گھر کے چوکیدار نے بتا دیا ہے۔ میں شہلا کے گھر سے یہاں تک کی ساری تفصیل جانتا چاہتا ہوں۔“ وہ بڑے نرم انداز میں کہہ رہا تھا۔

پاس رکھ دیا۔

”پہلے تو ہاتھ مل چلے ہیں، خودی فرسٹ ایڈ میسین مل جائے۔ اس کے بعد پھر گھر چلیں گے۔ میری کوئی شے بچا دیا ہے تمہارے بارے میں..... اور شہلا مے سے بات کرنا چاہتی ہے۔ تم اسے کال کرو۔“ عمر نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھاتا ہوا کہا۔ عزیز نے تجھے کبھی انداز میں موبائل نہ لیا۔

”ٹھیک گاؤں تم ٹھیک ہو..... میری تو جان پر مبنی ہوئی تھی۔“ کمال ملنے ہی شہلا نے اس سے کہا۔
 ”لو مچی سے بات کرو۔“ عزیزؔ نے باری باری شہلا کی مچی، پاپا اور دونوں بہن بھائیوں سے بات کی۔ پھر
 اس نے فون بند کر کے عمر کی طرف بڑھا دیا۔

”علیہ! میں تو تمہاری بہادری پر حیران ہوں۔ تمہیں تو پولیس میں ہونا چاہئے۔“ عباس خاصی غٹکی سے کہہ رہا تھا۔ علیہ مسکرائیں گی۔

”کیوں عمر! ہم لوگ تو اسے خواہاؤں اور ہر محبت سمجھتے تھے مگر یہ تو خاصی جرات منہ قانون ثابت ہوئی ہیں۔“

”تمہیں۔ میں نے تو کبھی بھی ملکہ کو بد دل نہیں سمجھا۔“ عطیہ اسے بارے میں کہ جانے والی منتظر کو کس

لہجے کے بغیر نہیں رہی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس کی جرات سے متاثر ہوئے تھے اور نہ ہی اس نے ایسا کی کارنامہ کیا

تھا۔ وہ صرف اسے حیرت پر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہاسپٹل میں فرسٹ ایڈ کے بعد اسے کوئی انجکشن لگا دیا گیا۔ وہ واپس گاڑی میں آکر بیٹھی تو عمر نے اس سے کھانے کا پوچھا۔

”نہیں، مجھے بھوکے نہیں ہے۔“ طلیحہ نے انکار کر دیا۔ ”صرف میں گر جانا چاہتی ہوں۔“ اس نے کہا۔ گاڑی چلنے کے کچھ دن بعد اسے احساس ہوا کہ وہ لوگ اسے گر نہیں لے جا رہے ہیں۔ مگر خلاف عادت نژی بہت آہستہ جاتا تھا اور بار بار فی لمحوں پر گاڑی سوڑ رہا تھا۔ وہ دونوں آہ میں کوئی کنکشن نہیں کر رہے تھے۔ طلیحہ کو اپنے اعصاب پر عجیب سا منفی کاری ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے اعزاء ہو گیا تھا کہ اسے کوئی سکون آد

اس سے پہلے کہ وہ عمر سے مگر نہ لے جانے کے بارے میں پوچھتی اس نے دائر لیس پر کوئی پیغام آتے۔
 - مہاس نے پیغام سننا شروع کر دیا۔

”چڑھ لیا۔“ علیہ یکدم چمک چکی۔ ”مگر دروگو کہیں جا نہیں۔ گاڑی کی بسر پلٹ دی ہے۔۔۔ تو اب یہ بیوی ہوں گے۔ تم لوگوں نے ان سے باقی دو کا پوچھا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ دو ہیں۔ ان دونوں نے دروگو راپ کر دیا ہوگا۔ وہ ان نہیں رہے ہیں، تو متواؤ، پوچھو ان سے، کہ کمرہ چھوڑ کر آئے ہیں باقی دونوں کو۔ نہیں اس شخص نہیں لگتا جانا یہ لوگ وہیں آتے ہیں۔“ مہاس نے وائرس بند کر کے ہونے عمر سے کہا۔

”گلابی جڑی ہے کمر اس میں درد لڑکے ہیں اور وہ یہ مان ہی نہیں رہے کہ انہوں نے کسی کا تعاقب کیا ہے بلکہ یہ مان رہے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ میرا خیال ہے ان لوگوں نے اس چیز کو میلے ہی درک آؤٹ کر

”جس کو آپ ابھی لے کر آئے ہیں یہ۔“ عباس اور عمر کے درمیان نظروں کا خاموش تبادلہ ہوا۔
 ”ٹھیک ہے اب تم علیزہ کو لے جاؤ۔۔۔ اور علیزہ! گھر جا کر بالکل آرام سے سو جاؤ۔۔۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ Every thing is over۔“ عباس نے گاڑی سے نکلنے ہوئے گردن موڑ کر اس سے کہا اور ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ دی۔ وہ صرف سر ہلا سکی۔

عمر اب ڈرائیونگ سیٹ پر آ چکا تھا اور اس نے گاڑی موڑ لی۔ سو بائیں کے پاس سے گزرتے ہوئے علیزہ نے سو بائیں کے پچھلے حصے کی طرف عباس کو اس لڑکے کو پیٹنے ہوئے دیکھا۔ وہ اس لڑکے کو بری طرح خنوکریں مار رہا تھا۔ جبکہ لڑکا زمین پر گرکا ہوا تھا۔

۔ پھر گاڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ ”یہ کیا کر رہے ہیں؟“ وہ بے اختیار خوفزدہ ہوئی۔

”ابھی ان چاروں کو کیا کریں گے؟“

”کچھ نہیں۔ پولیس انکسٹین لے جائے گا۔ ایف آئی آر کالنے لگا۔۔۔ اور پھر بند کر دے گا۔“
 ”اس کے بعد؟“

”اس کے بعد کورٹ میں کیس چلے گا۔۔۔ مزاد غیرہ ہو جائے گی۔“ علیزہ کو اطمینان ہوا۔

”میری ضرورت تو نہیں پڑے گی اب؟“

”نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔“ علیزہ نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔



سے کیا کہے۔ ”آپ زبردستی گھر میں گھس گئے؟“

”نہیں۔ پریشان مت ہو۔۔۔ وہ اندر جا کر بتا دیں گے۔۔۔ اندر تو جانا ہے کسی طرح۔“ عباس کے لیے میں حد درجہ اطمینان تھا۔

”مگر آپ تو کہہ رہے تھے کہ وہ۔۔۔“ عباس نے اس کی بات کاٹ دی۔

”اس بات کو چھوڑو کہ میں کیا کہہ رہا تھا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ چرسے پر زیادہ درد تو نہیں ہو رہا۔“ علیزہ نے بے اختیار اپنا گال چھوا۔ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس کا گال سوج چکا تھا اور یقیناً اس پر نیش بھی ہو گا۔

”نہیں۔ ٹھیک ہے۔“ اس نے کہا۔

”اگلی بار جب بھی تم گھر سے نکلو تو اپنا سو بائیں ضرور ساتھ رکھو۔ سو بائیں ہے تمہارے پاس؟“

”نہیں۔ مجھے اس کی کبھی ضرورت نہیں پڑی۔“

”میں صبح تمہیں ایک بھجوا دوں گی۔“

”نہیں میں خرید لوں گی۔“

”میں نے کہا تھا بھجوا دوں گی۔ رزلٹ کب تک آ رہا ہے۔۔۔ یا آپ کا ہے؟“

”ابھی نہیں آیا چند ہفتوں تک آ جائے گا۔“

”چا چا تھا مجھے کوئی میٹیرن جو ان کیا ہوا ہے تم نے؟“

”ہاں۔۔۔ تمہارا عرصہ ہوا ہے۔“

”کیسا کام جا رہا ہے؟“ وہ اسے اپنے کام کی تفصیل بتانے لگی۔ وہ بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔ علیزہ کو اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کتنی مہارت سے بات کا موضوع بدل چکا ہے۔ وہ تو فحاشی و گازی سے باہر نفسی دوزخا تھا۔

وہ اس کے ایک اور سوال کا جواب دے رہی تھی جب اس نے سسٹن انکریز پر اپنا چاک آگے پیچھے تیز رفتاری کے ساتھ دو گزیاں اس کالونی کے اندر جاتے دیکھیں۔ عباس بھی ان کی گاڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ جب گاڑیاں اندر مڑ گئیں تو اس نے علیزہ سے کہا۔

”تم خاموش کیوں ہو گئیں؟“ تمہیں چاہئے تم کوئی اس سے اچھا میٹیرن جو ان کرو۔“ علیزہ نے کچھ اُلجھ کر اسے دیکھا اور پھر اس کے چرسے پر سنجیدگی پائی تو ایک بار پھر اس کے سوالوں کا جواب دینے لگی۔

پندرہ منٹ بعد اس نے اپنا چاک عمر والی گاڑی کو اس کالونی سے نکلے دیکھا۔ عباس نے بڑی پھرتی سے گاڑی اشارت کر دی۔ عمر کی گاڑی ان کے بالکل پاس آ کر رکی اور عمر نیچے آیا۔ ڈرائیونگ سیٹ سے ایک لڑکا بھی نیچے اترا اور پھر پچھلی سیٹ سے ایک کاشیشیل کے ساتھ ایک اور لڑکا نیچے اترا۔ علیزہ نے ایک ڈایہ میں اسے پہچان لیا۔ وہ دیکھ رہا تھا۔ جس نے اس کی گاڑی کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی۔ عمر اپنی گاڑی کی طرف آیا اور پھر سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

”علیزہ! وہ کون لڑکا ہے جس نے تمہیں مارا تھا؟“ اندر بیٹھے ہی اس نے علیزہ سے پوچھا۔

اس کا سر پھینکے ہوئے کہا۔

علیڑہ نے بے اختیار سراہا کر انہیں دیکھا۔ ”وہ وہاں اب تک نہیں گیا؟“

”نہیں، ابھی اب تک نہیں چلا سکا ہے، وہ تو دوبارہ ملاقات وغیرہ کو دیکھ کر سیٹ بک کر دئے گا۔ تب ہی جا سکے گا۔ ابھی تو ذرا تیرا سے اور جوڑھ کو کسی ہوٹل پھوڑنے گیا ہے۔“

علیڑہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ”وہ آئے گا تو میں اس سے ایکسکیمز ذکر کروں گی۔ اور پھر اس سے کہوں گی کہ وہ جوڑھ کو یہاں لے آئے۔ ٹھیک ہے ناؤ؟“ علیڑہ نے ناؤ سے اپنی بات پر رائے لی۔

”ہاں ٹھیک ہے تمہارے بارے میں بہت گرمندہ و رہا تھا، کہہ رہا تھا کہ تم بہت کمزور ہو گئی ہو۔ میں جنہیں کسی ایچے ڈاکٹر کو دکھاؤں..... میں نے اس سے کہا ایسا آپریشن کی وجہ سے ہے۔ پھر یہ جو تمہیں بخار ہو جاتا ہے۔ جنہیں اپنا خیال رکھنا چاہئے۔“ ناؤ اس کے بالوں میں انگلیاں بھیرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ مگر علیڑہ کا دھیان انہیں اور اٹکا ہوا تھا۔

”ناؤ! آپ کو جوڑھ کسی لگی ہے؟“ اس نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد ناؤ سے پوچھا۔

”جوڑھ؟ بہت ابھی ہے۔ وہ..... تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“

”بس ایسے ہی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ کچھ دنوں کے بعد وہ میری فریڈ ہے مگر عمر نے پہلے کسی اس کا ذکر ہی نہیں کیا۔“

ناؤ نے لاہر والی سے کندھے اچکا دیئے۔ ”ہاں اس نے پہلے بھی ذکر نہیں کیا مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہر بات تو وہ نہیں بتا سکا، ویسے بھی وہ کسی کس کے بارے میں بتائے۔ اس کے دوست بہت زیادہ ہیں۔“

”مگر اس کو جوڑھ کے بارے میں بتانا چاہئے تھا، اپنی فریڈ کا بھی تو نام لیتا رہتا ہے۔“ علیڑہ نے اصرار کیا۔

”وہ آئے گا تو اس سے پوچھ لینا کہ اس نے جوڑھ کا ذکر کیوں نہیں کیا۔“ ناؤ نے بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکی۔

”آپ کو پتا ہے وہ جوڑھ کونسا تھا لے کر اب تک گیا ہوا تھا؟“

”ہاں.....“ ناؤ نے ایک نظریہ جواب دیا۔ علیڑہ خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”اس نے فون پر یہ بھی نہیں بتایا۔ بس میں کہا کہ وہ کچھ فریڈز کے ساتھ اب تک نہیں ہے۔ اس کو بتانا چاہئے تھا ناؤ؟“ علیڑہ نے ایک بار پھر ان کی حمایت چاہی۔ ”میں کہہ رہی ہوں نا کہ وہ آئے گا تو تم اس سے یہ سب کچھ پوچھ لینا۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ کون کا رن سبب ہواؤں تمہارا لے۔“ ناؤ نے ایک بار پھر بات کا موضوع بدل دیا۔

”تپا نہیں..... جو مرضی کریں۔“ علیڑہ نے ان کی بات میں دلچسپی نہیں لی۔

”ٹھیک ہے۔ ابھی تمہیں ہوں مگر تم ہی ضرور لینا۔ یہ نہ ہو کہ برسوں کی طرح بھر کر چھوڑ دو۔“

علیڑہ نے کچھ نہیں کہا وہ ایک بار پھر کسی سوچ میں مصروف تھی۔

”ناؤ! جوڑھ عمر کی بیٹ فریڈ ہے۔ ہے ناؤ؟“ ناؤ نے ایک گہرا سانس لیا۔

باب ۴

علیڑہ کچھ دیر بستر میں لیٹی رہی۔ دروازے کے باہر اب بالکل بھی آواز نہیں تھا۔ پھر اسے دور ایک گاڑی کے اشارت ہونے کی آواز آئی۔ وہ جھپکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”کیا عرواقی جوڑھ کو لے کر جا رہا ہے؟“ وہ شہر تھی۔

تیزی سے اٹھ کر اس نے دروازہ کھولا اور لاؤنگ میں آئی۔ وہاں ناؤ کے علاوہ اب واقعی کوئی نہیں تھا۔

”ناؤ! عمر کہاں گیا؟“ اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”وہ جوڑھ کے ساتھ چلا گیا۔“ ناؤ نے اخبار کا مغل پلٹے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟“ وہ تعجباً چلائی ناؤ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ ”تم خود یہ تو یہ چاہتی تھی۔“

”میں کب یہ چاہتی تھی؟“ وہ باہمی سے ان کے پاس صوف پر بیٹھ گئی۔

”تم نے عمر سے یہ نہیں کہا کہ تمہیں جوڑھ کا آنا برا لگا ہے؟“

”نہیں میں نے ایسا تو کچھ بھی نہیں کہا۔“

”عمر نے خود مجھ سے یہی کہا تھا کہ تمہیں جوڑھ کا آنا اچھا نہیں لگا۔“

علیڑہ کی شرمندگی میں اضافہ ہوا۔ ”نہیں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔“

”اگر ایسی بات نہیں تھی تو پھر یہاں بیٹھا چاہئے تھا۔ جوڑھ اور عمر کو کبھی دینی چاہئے تھی۔“

”ناؤ! مجھے نیند آ رہی تھی بس میں اس لئے..... مگر آپ نے عمر کو روک دیا کیوں نہیں..... آپ کو روک دیا جانے تھا۔“ وہ اب روہانی ہو رہی تھی۔

”میں نے روکا تھا مگر جب اس نے تمہارا پیانہ بید کی کاٹا تو پھر میں کچھ نہیں کہہ سکی۔“

علیڑہ کچھ بھی کہے بغیر صوف پر لیٹ گئی اور اس نے ناؤ کی گود میں چھپا لیا۔ اس کی اداسی اور شرمندگی

یک دم بہت بڑھ گئی ناؤ نے اخبار رکھ دیا۔

”وہ شام کو دوبارہ آئے گا۔ تم اس سے ایکسکیمز ذکر کر لینا۔ اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ناؤ نے

”کیونکہ مجھے جڑوی کے ساتھ کھانا کھانا ہے۔“

وہ اس کا چہرہ دیکھ کر رو گئی۔ وہ اب کرشنی کو اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔ طلیوہ نے بے دلی کے عالم میں کرشنی کو پکڑ لیا۔

”آپ کے لئے جوڑتھ بہت اہم ہے۔“

”میرے لئے تم جتنی بہت اہم ہو۔“ عمر نے اس کی بات کے جواب میں ہلاتا ہلکا۔

”مگر جوڑتھ جتنی نہیں۔“ اس کی آواز میں مایوسی تھی۔

”اگر تم میرے لئے اہم ہو تو میں تمہارے کہنے پر یوں فوراً نہ آجاتا۔ اپنا موازنہ کسی دوسرے سے

مت کرو۔ میرے لئے جو تم ہو، وہ تم ہو۔“

وہ خوش نہیں ہوئی۔ ”اور جو جوڑتھ ہے، وہ جوڑتھ ہے۔“

”ہاں۔“ عمر نے ایک بار پھر ہلاتا ہلکا۔

ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہوئے وہ لان سے باہر آنے لگے۔

”آپ اور وہ دونوں یہاں آ جاہیں۔ ہوٹل میں نہ رہیں۔“ طلیوہ نے اس سے کہا۔

”نہیں۔ اب نہیں۔“ عمر نے قطعی لہجے میں کہا۔

”کیوں؟“

”جولوگ مجھ سے وابستہ ہوں، میں ان کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر کسی کو مجھے عزت دینی ہے

مجھ سے پہلے ان لوگوں کو دینی ہوگی جو مجھ سے منسلک ہیں۔ مجھے جوڑتھ کے ساتھ تمہارا رویہ اچھا نہیں لگا اور ایک بار

واپس لے جانے کے بعد میں اسے دوبارہ رہنے کے لئے تو یہیں نہیں لانگا۔ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو یہ جوڑتھ کی

انسلٹ ہوگی، اور میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔“

”میں نے ان کی انسلٹ نہیں کی۔“ اس نے کمزور لہجے میں کہا۔

”اب مگر تم نے یہ ضرور ظاہر کیا ہے کہ تم اسے نا پسند کرتی ہو۔“

”میں ان سے آپ کی پکڑ کر لوں گی۔“ طلیوہ چلتے چلتے رک گئی۔

”اور میں یہ بھی سمجھتی نہیں چاہوں گا، میں تم کو ڈم کر گریہ کبھی نہیں کر سکتا۔ مجھے اس میں بھی اپنی بے عزتی

محسوس ہوگی۔“

اس کے لہجے میں صاف گوئی تھی، وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا: ”آپ جوڑتھ سے محبت

کرتے ہیں؟“

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

”اس لئے ان سے ہاپنڈ کر رہی ہوں؟“ اس سے بات کے جواب میں اس نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔

طلیوہ نے کرشنی کو زمین پر اتار دیا۔ وہ جاتی تھی مگر اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔ اس کا ہر جواب جھوٹ

فہ او دھا گھنڈا لان میں بیٹھ کر دیتی رہی پھر ملازم اسے چائے کے لئے بلانے آیا۔

”مجھے نہیں بیٹھا۔“ اس نے صاف انکار کر دیا۔

وہ جاتی تھی ملازم اندر جا کر اس کا جواب ایسے ہی پہنچا دے گا اور اسے توقع تھی کہ میریا ناؤمیں سے کوئی خور

اسے لینے آئے گا یا پھر ملازم کو دوبارہ بھیجا جائے گا۔ ایسا نہیں ہوا، ملازم دوبارہ آیا نہ ہی میریا ناؤمیں سے کوئی اسے

بلانے آیا وہ اور دل گرفتہ ہوئی۔ اس کے انسواؤ ہستہ آہستہ خور تھیں گے۔

شام کچھ اور دھلی اور لان میں تاریکی اترنے لگی مگر وہ وہیں بیٹھی رہی۔ ہلا خراس نے عمر کو پھر ٹیکہ میں نکلنے

دیکھا وہ بے اختیار خوش ہوئی اس کا خیال تھا کہ وہ اسے منانے کے لئے آیا تھا۔ مگر ایسا نہیں تھا عمر لان کی طرف دیکھے

بغیر پورٹیکو میں کھڑی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ طلیوہ کو چہرے کرٹ لگا۔

”کیا وہ واپس جا رہا ہے، مگر اس نے تورات کھانا بھی نہیں کیا۔“

وہ بے چین ہو گئی۔ اسے تو حق تھی کہ وہ دانت سے کھانے تک رکے گا مگر یہ کرشنی لان میں پھر رہی تھی،

عمر کو لاؤنج سے باہر نکلنے دیکھ کر وہ بھاگتی ہوئی اس کی طرف گئی۔ عمر نے گاڑی کے دروازے کے پنڈل پر ہاتھ رکھا

تھا جب وہ اس کے قریب پہنچ گئی اور اس کی جاکوں سے اپنا جسم مڑا کر لگی۔ طلیوہ نے عمر کو رکے دیکھا اس نے جبکہ

کر کرشنی کو گود میں اٹھایا پھر طلیوہ نے اسے پیٹنے دیکھا۔ وہ اب لان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر طلیوہ نے اسے اپنی

جانب آتے دیکھا۔ اس کے قریب آنے پر طلیوہ نے اپنی ناراضی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پوچھا۔

”آپ جا رہے ہیں؟“

”ہاں۔“ عمر نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ کرشنی کو اس نے دوسرے بازو میں پکڑا ہوا تھا۔

”کھانے کے لئے نہیں رکیں گے؟“ طلیوہ نے اس کے ہاتھ کو نفلر انداز کرتے ہوئے مایوسی سے کہا۔

”نہیں۔“

طلیوہ نے اس کے بڑے ہوئے ہاتھ کو دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

اس کا خیال تھا وہ اس سے ہاتھ ملانا چاہتا تھا مگر ایسا نہیں تھا عمر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

”اٹھ جاؤ طلیوہ۔“ وہ نرم آواز میں کہہ رہا تھا۔ طلیوہ اس کے ہاتھ کو پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

”ناراضی ختم ہوئی تمہاری؟“ وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

”میں ناراض نہیں ہوں، آپ ناراض ہیں۔“

”واک آؤت تو تم نے کیا تھا۔“

”آپ بھی تو کر رہے ہیں۔“ وہ اس بار اس کی بات پر مسکرایا۔

”ہاں میں بھی کر رہا ہوں مگر یہ اچھا نہیں ہے اور جہاں تک تم سے تنگی کا تعلق ہے تو میں تم سے کبھی بھی

ناراض نہیں ہو سکتا۔“

”پھر آپ کھانا کھائے بغیر کیوں جا رہے ہیں؟“ طلیوہ نے فوراً کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ فوراً مان گیا۔ ”بس یا کچھ اور.....؟“

”نہیں بس.....“ عمر کو یک دم کچھ یاد آگیا، اپنی بیوی کی پاکیٹ میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اس نے علیہ سے کہا۔ ”دورا اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔“

علیہ نے کچھ تجسس ہو کر ہاتھ اگے کر دیا مگر اسے اس کی کلائی میں کوئی چیز پہنائی۔ علیہ نے دیکھا وہ ایک خوبصورت فریڈ شپ بیڈ تھا۔

”یاد سلو تا ایک سو ستر شاپ سے لیا تھا۔“ عمر نے بتایا۔ بیڈ کے ساتھ لٹکے والی جین کے ساتھ ایک طویل فائبر، کی جی۔ ”Amigo“، علیہ نے بیڈ پر کندہ نقطہ بڑھا۔ اس نے سر اٹھا کر عمر کو دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔

”ٹھیک ہو۔“ وہ واقعی سرور تھی۔ وہ ایک ہار پھر گاڑی کی طرف جانے لگا، جہاں ڈرائیور اس کا منتظر تھا۔ علیہ اس بار خاص خوشی کے عالم میں اسے گاڑی تک چھوڑنے آئی۔

”اگلی صبح وہ جب بیدار ہو کر ناشتہ کے لئے لاؤنج میں آئی تو اس نے دلاور انا کو غاصی پریشانی کے عالم میں لاؤنج میں بیٹھے دیکھا۔ ڈان فون پر کسی سے بات کر رہے تھے مگر ان کے چہرے کے حادثات..... ناوے کو دیکھ کر علیہ کے پاس آگئیں جوا بھی کھڑی تھی۔

”کیا ہوا ناو؟“ ڈان پریشان ہیں، کیا بات کر رہے ہیں؟“ علیہ نے پوچھا۔

”جہانگیر کی بڑی بیٹی کی ڈیجھ ہو گئی ہے امریکہ میں..... رات دو بجے اس کا فون آیا تھا۔“ علیہ نے بے اختیار سانس رکھا۔ ”مریو۔“

”ہاں۔“ ناو نے سر ہلایا۔

”کیسے؟“ اس کو کیا ہوا؟“

”ہینڈ میں اپنے پارٹنر کی کمزریوں سے بچنے مگر مٹی۔“ ناو کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

”مائی گاڈ.....“ آپ نے مجھے رات کو کیوں نہیں بتایا“

”تم سو رہی تھیں..... فائدہ کیا تھا، میں اور تمہارے ناٹا تو ساری رات نہیں سو پائے۔“

”عمر کو بتا ہے؟“ علیہ نے ذہن میں پہلا خیال مری کا آیا۔

”ہاں اس کو بھی جہانگیر سے فون کر دیا تھا۔“

”مگر ناو مہرین آتی تو اسلام آباد میں آگئی تھیں؟“ علیہ کو یاد آیا۔

”مہرین اسلام آباد میں ہی ہے۔ مگر ولید اور نرود ہیں تھے۔“

”اب کیا ہوگا.....؟“ آپ امریکہ جا نہیں گی؟“

”نہیں، جہانگیر بڑی باڈی پاکستان لا رہا ہے۔ ابھی کچھ انتظامات ہیں جو وہ کرنے میں مصروف ہے، مگر وہ کہہ رہا تھا کہ آپسوں تک وہ اسے یہاں سے لے آئے گا۔“ ناو نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”یہاں ہمارے گھر لے کر آئیں گے۔“

عمر اس کے چہرے پر غم ہوتا تھا اور عمر کو یقیناً وہ جواب مل گیا تھا۔

”وہ آپ کو بتا ابھی گئی ہے؟“ اس نے اگڑے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔

”ہاں.....“ عمر نے ہلا تال کہا۔

”پھر آپ اس سے شادی کر لیں۔“

”مجھے تو سرسک پر چلی والی ہر خوبصورت لڑکی ابھی گئی ہے۔ کیا سب سے شادی کر لوں؟“

”میں جو ڈھکی بات کر رہی ہوں۔“

عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”تم کو اور جو ڈی کو کچھ دے رکھنے بیٹھنا چاہئے، اس کے ساتھ وقت گزار دو گی تو اتنا پابند نہیں کر دو گی اسے اور اگر صرف اس لئے اسے پابند کر دی ہو کہ میں اسے پسند کرتا ہوں تو پھر تم کی جان لینا چاہئے کہ میں بیٹھ اسے پسند کرتا رہوں گا۔ میں اپنے دوست اور دشمن کسی نہیں پڑاؤں۔“

”دوست بھی، دوست بھی، دوست ہے اور بیٹھ دوست ہی رہے گی۔“

عمر نے کسی کئی لمپٹ کے بغیر کہا۔ علیہ نے پہلی دفعہ اس کو اس موڈ میں دیکھا تھا، پچھلے کئی ماہ سے وہ مسلسل اس کے بازو اٹھا رہا تھا۔ آج پہلی دفعہ وہ علیہ کی پابندی کی پرکھ کے بغیر ایک دوسری ”فریج“ کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ اس سے پہلے یہی ہوتا تھا کہ عمر ہر چیز میں اس کی پابندی کو مد نظر رکھتا تھا۔ وہ کھانے کی کوئی ڈش ہو یا پھر خریدی جانے والی کوئی چیز..... کوئی چمک پوائنٹ ہو یا ہر کسی چیز کے بارے میں رائے۔

عمر بڑی آسانی سے اس کی بات مان لیا تھا۔ شاید لاشعوری طور پر علیہ نے سوچا تھا کہ وہ جو ڈھ کے لئے پابندی کی کا اکتدار کرے گی تو عمر بھی ایسا ہی کرے گا مگر کئی بار یہ نہیں ہوا تھا۔

”ہم لوگ کل دو چار بجوں پر جا رہے ہیں تم چلو گی۔“ وہ اس سے کہہ رہا تھا یقیناً وہ جو ڈھ کو شہر کی سیر کروانا چاہتا تھا۔

”نہیں.....“

عمر نے ایک گہرا سانس لے کر اسے دیکھا وہ بہت رنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

”مجھے دیر ہو گئی ہے۔“ اس نے قدم اگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”آپ کل آئیں گے؟“ علیہ اس کے پیچھے آئی۔

”وہ ٹھیک گیا۔“ تم جانتی ہو میں آؤں؟“

”ہاں.....“

”ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا۔“

”مگر آپ تو جو ڈھ کے ساتھ سیر کے لئے جا رہے ہیں۔“ علیہ نے اسے یاد دلایا۔

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا..... تم یہ بتاؤ میں کب آؤں؟“

”کل رات ڈر پر.....“

”ہاں..... تمہارے نانا سب رشتہ داروں کو فون کر رہے ہیں اسی سلسلے میں..... جہانگیر کو ابھی کچھ گھنٹوں کے بعد دوبارہ فون کریں گے۔ اس سے فلاٹ کے بارے میں کنفرم کرنا ہے، تاکہ نیکو ہیچر میں ایڈ دیا جاسکے۔“

”آپ نے فرین آئی سے بات کی؟“

”وہ امریکہ چلی گئی ہیں، ابھی تو پہنچی بھی نہیں ہوں گی، وہاں پہنچ جائے پھر اس سے بات کروں گی۔“

”اور عمر..... وہ واپس جا رہا ہے؟“

”نہیں، جہانگیر نے اسے نہیں طعمرنے کے لئے کہا ہے۔ میں نے ایسی کھلوائی ہے۔ ملازموں سے کہا ہے کہ وہ وہاں کی صفائی کریں، اوپر والے پورشن کو بھی صاف کرنا ہے۔ تم انہی کو دیکھ لینا۔ کافی لوگ آئیں گے۔ تمہارے سارے انگور اپنی ٹیلیویز کے ساتھ آ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے انہیں طعمرنا بھی پڑے کیونکہ فلاٹ کا کوئی پتا نہیں، تماشہ کرلو۔“

نانو کو ہدایت دیتے ہوئے اچانک خیال آیا۔ طعمرہ کی بھوک ختم ہو چکی تھی۔

”میں کروں گی۔“ اس نے نانو کو ٹالا، وہ واپس نانا کے پاس چلی گئی۔



باب ۴۲

وہ جس وقت عمر کے ساتھ گھر پہنچی آدمی رات گزر چکی تھی۔ نانو گیت کے پکرنا گتے ہوئے اس کا انتظار کر رہی تھیں گاڑی کے پورچ میں رکتے ہی وہ برقی رفتار سے طعمرہ کے پاس آ گئیں۔ طعمرہ بمشکل اپنی آنکھیں کھول پاری تھی، سکون آور انکشن اب مکمل طور پر اثر کر رہا تھا۔

گاڑی سے پاؤں باہر رکھتے ہوئے وہ لوکھڑائی تو نانو نے اسے پکڑ لیا۔ اس کے سوچے ہوئے نیلے کالے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔

”تم ٹھیک ہو؟“ انہوں نے طعمرہ سے پوچھا۔

”ہاں نانا میں ٹھیک ہوں۔“ وہ بات کرتے ہوئے دقت محسوس کر رہی تھی۔

”اس کو کیا ہو رہا ہے؟“

نانو کچھ گھبرا گئیں۔ عمر تب تک ڈراما ٹیمک سیٹ چھوڑ کر پیچھے آ چکا تھا۔

”کچھ نہیں گریں..... انکشن دیا ہے، اس لئے خینڈ آ رہی ہے اسے۔“ طعمرہ نے اسے کہتے سنا اور پھر شاید

اس نے نانو کو ہاتھ بنا کر خود اس کا بازو پکڑا تھا۔

طعمرہ بمشکل قدم اٹھا پارہی تھی۔

”تم تو کہہ رہے تھے کہ اسے کچھ نہیں ہوا مگر اس کو تو چو نہیں لگی ہیں۔“ نانو نے اس کے چہرے اور ہاتھ پر

بندھی ہوئی جینز تنگ کر دیکھتے ہوئے گھوکیہ آواز میں کہا۔

”یہ معمولی چو نہیں ہیں، یہ بالکل ٹھیک ہے۔“ وہ اب لاؤنج میں داخل ہو گئے۔

”طعمرہ! اکون تھے وہ لڑکے..... کیوں تم دونوں کے پیچھے پڑ گئے تھے؟“ نانو اب ایک بار پھر اس کی طرف

متوجہ ہوئیں۔

”گریں! ابھی اس سے کچھ نہ پوچھیں..... ابھی اسے سنے دیں۔“

طعمرہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی عمر نے نانو سے کہا۔

بات کر لیتا ایک بار، اور ایذا انگیز سے فہم کن کیا ہے۔ ان کو بھی کال کر لیتا۔

"ایذا انگیز کون..... کیوں؟ کیا ان کو سب کچھ پتا چل گیا ہے؟" وہ کچھ شکر ہوئی۔

"ہاں ان سے میری رات کو بات ہوئی تھی، عباس نے ان کو فہم کیا تھا وہ بس تمہاری خیریت دریافت کرنا چاہتے ہیں۔" عمر نے کہا۔

"آپ کل یہاں کیسے؟" عمر نے اس کی بات کاٹی۔

"میں اتفاقاً آیا تھا، عباس کے پاس قاجب گرینی نے اس کو فہم کیا۔ پھر میں رات یہیں رک گیا۔ بس ابھی نکل جاؤں گا۔" عمر نے تفصیل سے بتایا۔

"ان لڑکوں کا کیا ہوا؟ کس فائل ہو گیا؟" علیزہ کو وہ چاروں یاد آئے۔

"ہاں، میں چلتا ہوں، دیر ہو رہی ہے، شام ہو جائے گی مجھے واپس پہنچنے پہنچتے۔" عمر نے اپنی رست واپس دیکھتے ہوئے کہا اور کھڑا ہوا۔

"میں واپس جا کر ایک بار پھر جہیں فہم کروں گا۔ اور علیزہ! "Just forget about every thing." (سب کچھ بھلا دو۔) تجھ کو بھی نہیں ہوا..... سب کچھ ٹھیک ہے۔" علیزہ نے ایک گہرا سانس لے کر سر ہلا دیا۔ وہ اسے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔

علیزہ فون کا ریسپونڈر تھا کہ عباس کو کال ملانے لگی۔

"ہاں علیزہ! کیسں ہوتی؟" عباس نے رابطہ ہوتے ہی کہا۔

"میں؟ ٹھیک ہوں۔"

"میں کتنی بار کال کر چکا ہوں، تم سو رہی تھی۔ ابھی دوبارہ کال کرنے ہی والا تھا میں۔" عباس نے کہا۔

"پاپا سے بات ہوئی ہے تمہاری؟"

"بالکل ایذا سے..... نہیں ابھی میں ان کو کال کر دوں گی، عمر نے بتایا تھا کہ انہوں نے صبح کال کی تھی۔" علیزہ نے کہا۔ "تمہاری گاڑی درکشاپ میں ہے، ایک دو دن تک میں بنجوا دوں گا۔ شام کو میں آؤں گا مگر یہی کی طرف؟ عمر ابھی وہیں ہے یا چلا گیا؟"

"وہ ابھی ابھی گئے ہیں۔ عباس بھائی ایف آئی آر میں میرا نام بھی آئے گا؟" علیزہ کو کچھ دیر پہلے خیال آیا۔

"نہیں تمہارا نام کس آئے گا؟"

"نہیں تو کیسے کیسے فائل ہوگا؟"

"تم اس کو چھوڑ دو، یہ بتاؤ پھر سے پرگئی ہوئی چلتی ٹھیک ہوئی ہے کچھ؟" عباس نے بات کا سوسنور بدل دیا۔

"ہاں....."

"گڈ..... شام کو میں جہیں ایک بار پھر ڈاکٹر کے پاس نے جاؤں گا۔ وہ تمہارے ہاتھ کی بیڈنگ پیچ کر دے گا۔ مگر یہی کو کہو کہ ابھی اس کا تھا تمہیں کمال۔ اس کے بعد تم آرام سے کوئی انجمنی فلم دیکھو یا پھر کسی دوست کو

وہ لاؤنگ میں رکائیں اس لئے وہ اور ناٹو سیدھا اس کے کمرے میں چلے گئے، علیزہ نے بند پر پلٹتے ہی آکھیں بند کر لیں۔ اس کے جسم کو عجیب سا مکون ملتا تھا۔ کسی نے اسے ایک چادر اوڑھائی تھی۔ عمر شاید ناٹو سے کچھ کہہ رہا تھا، علیزہ اب اس کے الفاظ کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ چند لمحوں بعد اس نے اپنے ارد گرد مکمل خاموشی پائی، آخری احساس کمرے میں ہونے والی تاریکی کا تھا۔ پھر کسی نے دروازہ بند کر دیا۔

اگلے دن وہ جس وقت ابھی اس وقت دو بج رہے تھے کچھ دیر تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ وہ اتنی دیر تک سوئی رہی ہے۔ پھر اسے کچھ رات کے قیام واقعات یاد آئے۔ گئے۔ اس نے انہیں ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔ اس کا جسم اور ذہن اس وقت بالکل یکے پیچھے تھے، اور وہ ایک بار پھر نہیں ہوا نہیں جاتی تھی۔

وارڈ روپ سے پکڑے ٹال کر اس نے شاد راز ایک بار پھر اپنے کمرے سے نکل آئی۔ لاؤنگ میں آتے ہی اس نے عمراور ناٹو کو دیا بیٹھے دیکھا۔ عمر اسے دیکھ کر مسکرایا۔ دو بجی جڑا اسکرپٹی، ناٹو اس کے پاس آیا۔ کراس کا پھر دیکھتے گئیں۔

"ابھی بھی سوچن فرم نہیں ہوئی۔" انہیں نے تشویش سے کہا۔

"نہیں پہلے سے کہ تم گھر دو کچھ زیادہ ہو رہا ہے۔ رات کو تو چوٹ کا اتنا پیچ نہیں چلا۔" علیزہ نے صوفے پر بیٹھے ہوئے کہا۔

"ایک دو دن میں درد ختم ہو جائے گا، البتہ ٹان ان کو فانی تک رہے گا۔" عمر نے اس سے کہا۔

"مگر یہی کھانا گلوادیں اس کے لئے؟"

"آپ لوگ کھانا کھائیں گے؟"

"نہیں، ہم لوگ کھانا کھا چکے ہیں۔ میں تو صرف تمہارا انتظار کر رہا تھا مجھے واپس جانا ہے۔ میں بس ایک بار جہیں دیکھنا چاہ رہا تھا۔" عمر نے کہا۔ ناٹو بھی جا چکی تھی۔

"کیسا محسوس کر رہی ہو تم؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جو بھی کچھ ہوا وہ بہت خوفناک تھا مگر میں..... ٹھیک ہوں۔"

وہ اسے دیکھتا رہا "تم پہلے سے کافی بدل گئی ہو۔" کچھ دیر بعد اس نے کہا علیزہ نے چوک کر اسے دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔ "Much more mature and composed" (زیادہ پختہ اور سنجیدگی ہوئی) ابھی بات ہے۔

"پتا نہیں..... شاید۔"

"ابھی چند منٹے تم گھر پر ہی رہنا، اور آئندہ اگر رات کو باہر جاؤ تو ہمیشہ اپنے پاس کوئی ریلو اور رکھو۔"

"میں دوبارہ کبھی رات کو باہر ہی نہیں جاتاؤں گی۔"

"کیوں ابھی..... کیوں نہیں، جاؤ گی تم باہر..... کسی حادثے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مگر میں خود کو بند کر لیا جائے۔ جو ہو اگر مر گیا۔ عباس نے دو تین بار فون کیا ہے تم سو رہی تھیں۔ اس لئے میں نے بات نہیں کروائی۔ اس سے

”ہاں نہیں کیا ہوا، ہم ہے، مجھ سے بھی سب کہہ رہے ہیں کہ میں چند ہفتے تک باہر نہ جاؤں۔ فون بھی رسیو نہ کروں اور ایذا اٹھنے کے کہے کہ میں میگزین کی جاب سے ریڑان کروں۔“

شہلا نے کندھے اٹھاکے ”شاید احتیاط کے طور پر یہ سب کر رہے ہوں گے۔ خیر میں کل پھر آؤں گی، مجی بھی آنا چاہو، میری جھس کر میں نے آج انہیں روک دیا۔ کل انہیں لاؤں گی۔“ شہلا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”دو قوافی خوفزدہ ہیں آج انہوں نے مجھے ڈرامہ کے ساتھ بھجوا دیا ہے۔“ شہلا اسے بتاتی رہی۔

علیہ دروازے تک اسے چھوڑنے آئی۔

شام ہو چکی تھی اور اب اسے ماس کا انتظار تھا، لیکن وہ نہیں آیا اس نے فون پر اپنے نہ آنے کی اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

”علیہ مجھے کچھ ضروری کام ہے، اس لیے ابھی نہیں آسکوں گا۔“

”کوئی بات نہیں، میری بیٹی جی ابھی بالکل ٹھیک ہے۔“

علیہ نے کہا اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ اور کہیں اس نے رسیور میں دور سے عمر کی آواز سنی۔

”تم میرے ساتھ چلو گے یا میں خود چلا جاؤں؟“

وہ چونک گیا۔

”اچھا علیہ! مجھے کچھ کام ہے، خدا حافظ۔“

ماس نے خاصی غلٹ میں فون بند کر دیا۔

”عمر وہاں کیسے ہے، وہ دو دن اسے اپنے شہلا چلا گیا تھا۔“ وہ کچھ اور اچھے۔

رات کے کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی آئی، کئی دن تک اسے نیند نہیں آئی۔ وہ ایک کتب پرستی رہی مگر اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ جب بہت دور تک وہ نہیں جاتی تو اس نے نیند کی ایک گولی لے لی۔

☆☆☆

اچھی صبح وہ نوجے کے قریب بیدار ہوئی۔ ناشتی کی میز پر نانوں نے اس کا استقبال کیا، علیہ کو خلاف معمول سبز پرکٹی بھی تھوڑے بھر نظر نہیں آیا۔

”نانو! تھوڑے بھر کہاں ہیں؟“ علیہ نے اپنے لیے جانے کا کپ تیار کرتے ہوئے پوچھا۔

”یہیں تھے۔“ نانوں نے کہا۔ ”تم ناشتہ کرو، بعد میں دیکھ لیتا۔“

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی، نانوں نے کون کی طرف بڑھ گئیں۔ دوسری طرف شہلا تھی۔ نانوں نے علیہ کو بلایا۔

”تم نے آج کے اخبار دیکھے ہیں؟“ شہلا نے اس کے لائن پر آتے ہی کہا۔

”نہیں۔ کیوں؟“

”خبر تو رادیکھو۔ فرسٹ پیج۔“ علیہ نے رسیور دکھا دیا۔

”خبر تو اٹھو، کچھ دکھائیں مجھے۔ کہاں ہیں؟“ وہ نانوں کے پاس آگئی۔

بولو۔ کپ شپ لگاؤ اینڈ جسٹ انچوائس پور سیلف اور اب، ایک بہت ضروری بات..... ابھی کچھ ہفتے گھر سے نہیں نکلتا۔ گھر میں نے گاڑ لگاوا دی ہے۔ ابھی کچھ ہفتے اگر کہیں جانا بھی ہے تو پہلے مجھ کو اطلاع کرنا ہے اس کے بعد.....“

وہ بڑل ہو گئی۔ ”کیوں.....؟“

”بہن! دیسے ہی..... احتیاط! ابھی چیز ہے۔ اچھا پھر شام کو آنا ہوں میں خدا حافظ۔“

فون بند ہو گیا، وہ ابھی ہوئی رسیور ہاتھ میں لے اٹھتی رہی۔

نانو کھانا لگوا چکی تھیں۔ علیہ نے کھانا کھانا یا نانوں نے اس سے رات کے واقعات کے بارے میں کچھ بھی نہیں پوچھا۔ شاید عمر انہیں منع کر چکا تھا۔ وہ صرف اسے اکیلے دابوں آتے پر ڈانٹتی رہی۔ علیہ خاموشی سے ان کی ڈانٹ سنتی رہی۔ وہ ابھی کھانا کھا رہی تھی، جب ایذا اٹھ کر فون آیا تھا۔ وہ کچھ نرم ہو گئی جب نانوں نے فون پر بات کرنے کے بعد اسے بلوایا۔

”ہیلو علیہ! چٹا ہاؤ آر یو؟“ ایذا حیدر نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

”فائن!“

”میری ماس سے بات ہوئی تھی رات کو..... ڈونٹ دری..... سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے، اور تمہاری چوٹیں کسی ہیں؟“

”بہت معمولی چوٹیں ہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ علیہ نے کہا۔

وہ کچھ دیر اسی طرح اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

”اچھا! میں آج رات باکل لاہور آؤں گا، باقی باتیں پھر ہوں گی، اور ابھی کچھ ہفتے باہر نہیں جانا مگر رہنا اور کوئی فون کال خود رسیور نہیں کرنی، می کر کے دو۔“ اس کے بعد تم رسیور کرنا اور اپنے میگزین فون کر کے ریڑان کرو۔“

وہ چرائی سے ان کی ہدایت سن رہی، رسیور رکھنے کے بعد اس نے کچھ ابھی ہوئی نظر فون سے نانو کو دیکھا۔

”شہلا کچھ دیر تک آئے گی وہ بھی صبح سے فون کر رہی ہے میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ سہ پہر کو آجائے۔“

”نانوں نے اس کے چہرے کے تاثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے بتایا۔

”اچھا.....“ وہ صوفے پر بیٹھ کر ان تینوں کی ہدایت کے بارے میں سوچتی رہی۔

وہ ابھی لاؤنگ میں تھی جب آدھ گھنٹہ کے بعد انٹر کام کی ٹکلی سنائی دی۔ خانسانا نے انٹر کام پر بات کی اور پھر باہر نکل گیا کچھ دیر بعد شہلا اندر داخل ہوئی اس نے بڑی کمر بھرتی کے ساتھ علیہ کو گھٹے لگایا۔ پھر وہ اس کے ساتھ بیڈ روم میں آگئی۔ رات کے واقعات کے بارے میں وہ دونوں دو بارہ باتیں کرتی رہیں۔

”تمہارے گھر کے باہر اب پولیس کب تک رہے گی؟“ شہلا نے اپنا کپ اس سے پوچھا۔

”گھر کے باہر.....؟“ گیت پر ایک دو لوگ ہوں گے، مگر کیا گھر کے باہر بھی پولیس ہے۔“

”ہاں پولیس کی ایک گاڑی گھڑی ہے۔ میری گاڑی انہوں نے اندر لے گئی تھی۔“ خانسانا سے تصدیق کروانے کے بعد مجھے اندر آنے دیا۔“

عمیرہ احمد صاحبہ کی ناولز پڑھنے کے لئے ابھی وزٹ کریں

وہ اخبار ہاتھ میں لے بہت دیر تک بے حس و حرکت وہیں بیٹھی رہی۔

"ابھی ان چاروں کا کیا کر رہی ہے؟" اسے اس رات عمرے پوچھا جانے والا اپنا سوال یاد آیا۔

"کچھ نہیں۔ پولیس اسٹیشن لے جائے گا۔ ایف آئی آر کاغذ لے گا اور پھر بند کر دے گا۔"

"اس کے بعد کورٹ میں کیس چلے گا۔ سزا وغیرہ ہو جائے گی۔"

وہ بے یقینی سے اس رات ان دونوں کی گفتگو کے بارے میں سوچتی رہی۔

"تم علیحدہ کو کمر لے جاؤ، علیحدہ آتم چاکر آرام سے جو جاؤ۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔" اسے

عماس کی باتیں یاد آئیں۔ میں نے کیوں بے یقینی نہ کیا؟ وہ دونوں نہیں صرف حماس۔ ان چاروں کو

اس وقت مارنے کے لئے اٹھا کر ہاتھ اور دھوئے فوری شناخت کے لئے ساتھ لے لئے نہ بھرتا، اسلحہ ان کا انتظار

کر تا پولیس مقابلہ۔ پولیس مقابلہ۔"

اس کا چہرہ پیسے میں جھینکے گا۔ وہ ان چاروں کے خون میں تسخیر ہوئے چھوٹے پردہ دارہ نظر ڈالنے کی

جرات نہیں کر سکی۔ غم دھسے اور بے یقینی کا ایک آتش فشاں جیسے اس کے اندر اہل بڑا تھا۔

"اتنی بڑی جی سے کوئی کسی کو کیسے مار سکتا ہے۔ اور اس طرح۔۔۔ اس طرح۔۔۔ حماس کو کوئی خوف نہیں آیا

اس نے مجھے اور مردوں کو اندھیرے میں رکھا۔" اس کا داغ جیسے پینے کا تھا۔ اخبار لے دے فیسے کے عالم میں باہر

لاؤغ میں آئی، اس نے شہلا سے بات کرنے کی بجائے اپنی ڈس کیٹ کردی اور حماس کا گھر لانا لگی۔

"صاحب بینک میں گئے ہوئے ہیں۔" دوسری طرف سے اسے اطلاع دی گئی۔ اس نے فون بلیغ دیا۔

نانو نے اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے اخبار اور اس کے چہرے کے اثرات سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ

عماس سے بات کیوں کرنا چاہتی تھی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے علیحدہ کو کاٹیا کیا۔

"کیا ہو علیحدہ۔۔۔؟ حماس سے کیا بات کرنی ہے؟"

علیحدہ نے وہ اخبار نکل پڑا۔ "He is a murderer" آپ دیکھیں نانا! اس نے کس طرح ان

چاروں کو قتل کر دیا ہے۔ چاروں کو کس۔۔۔ میرے خدا۔۔۔ میرے سامنے اس نے ان میں سے دو کان کے گھروں سے

اٹھواٹیا تھا۔۔۔ اور وہ چاروں چاروں پولیس کسٹڈی میں زندہ اور دھوئے دیا ہے۔ پولیس مقابلے میں مر گئے۔" اس کا چہرہ فیسے

سے سرخ ہو رہا تھا۔

نانو اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے صرف خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔ وہ اب دونوں

ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر غصہ اور بے بسی نمایاں تھی۔

"مرید بابا! بابا! لے کر آئیں۔" نانو نے بلند آواز میں غنائناں کو پکارا۔

"مجھے پانی کی ضرورت نہیں ہے۔" علیحدہ نے یک دم سر اٹھا کر انہیں دیکھا، اس کا چہرہ اب بھی سرخ

تھا۔ وہ اٹھ کر کمری ہو گئی تھی۔

"نہ انگل ایاز کے نزدیک انسانی زندگی کی کوئی اہمیت تھی نہ ان کے بیٹے کے نزدیک۔" وہ بے یقینی سے

لاؤغ میں ٹپک رہی تھی۔

"کپ کو شہباز سمیر یاد ہے۔۔۔ انگل ایاز نے اسے بھی اسی طرح ختم کر دیا تھا، عمر ٹیک کہتا تھا وہ بالکل

ٹیک کہتا تھا۔" اس کا اشتعال اب بڑھتا جا رہا تھا، مجھے۔ مجھے کچھ لیتا چاہئے تھا کہ وہ۔۔۔ آپ نے کیوں عباس کو

مرد کے لئے بلوایا؟" وہ یک دم چلائی۔

"تو کس کو بلوائی؟ فوری طور پر اور کون آسکتا تھا؟" نانو نے کچھ روکے انداز میں کہا۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ سب میری وجہ سے۔" وہ ایک بار پھر کمرے کے کچر کاٹنے لگی۔

"اس طرح کمرے میں بھرنے سے کیا ہو گا؟" نانو نے اسے طنز کرنے کی کوشش کی۔ "تم آرام سے

بیٹھ جاؤ۔"

"نانو! میں۔۔۔ میں آرام سے کیسے بیٹھ جاؤں؟ چار انسانوں کا خون اپنے سر لے کر میں آرام سے

بیٹھ جاؤں۔۔۔ آپ کیسی باتیں کرتی ہیں؟"

"تم نے ان چار انسانوں کو قتل نہیں کیا، اس لئے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہاں، میں نے قتل نہیں کیا، مگر وہ میری وجہ سے قتل ہوئے ہیں۔"

"وہ تمہاری وجہ سے قتل نہیں ہوئے۔ اپنی حرکتوں کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ نہ وہ اس طرح کی حرکت کرتے

نہ میں مارے جاتے۔" نانو نے تنبیہ کی کہ۔

وہ چلنے پھرنے لگی۔ "نانو! یہ آپ کر رہی ہیں؟"

"ہاں، میں کہہ رہی ہوں۔ عباس نے جو کیا ٹیک کیا۔"

وہ بے یقینی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا، نانو! اس میں سب کچھ آپ کے منہ سے سن رہی ہوں۔"

"تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہ گھر کے مردوں کے پینڈل کرنے کے

معاملات ہوتے ہیں اور انہوں نے جس طرح ہتھیار بھاسا سناٹے کو پینڈل کیا۔" نانو نے سناٹ لکھے میں کہا۔

"اور مردوں کی اس پینڈلنگ سے چار انسانوں کو زندگی سے محروم کر دیا۔ آپ قہر تو شل روک کر رہی

ہیں نانو! کیا آپ یہ چھوٹی سی بات نہیں سمجھ سکتیں کہ۔۔۔"

نانو نے اس بار کچھ فیسے کے عالم میں اس کی بات کاٹی۔

"تم جو چاہے کہو۔ مجھے مرنے والوں سے کوئی بھداری نہیں ہے وہ چند کھٹے جو میں نے برسوں رات جہاد سے

انتظار میں گزارے تھے ان کی تکلیف بھی کسی قتل سے کم نہیں تھی۔۔۔ چاروں بے گناہ تو نہیں مارے گئے۔"

"مگر ان کے جرم کی سزا کم از کم ہر سزیک موت تھی تھی۔ اور پھر اس طرح کی موت کچر۔

انسانوں کو کسی فراخ کے بغیر اٹھا کر مار دیا جائے۔ وہ نانو کی جذباتیت سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔ "یہ پولیس اسٹیٹ

تو نہیں ہے جہاں کسی کو بھی پکڑ کر اس کے جرم کی تکلیف اور رویت کا اعجاز کئے بغیر شہوت کر دیا جائے۔"

فرح جس طرح انکل ایاز شہباز کو کل کروانے کے بعد بچ گئے۔ اس بار تو عمر کے پاس ہر شے موجود ہے۔ میں گواہی اس کی۔ بھرے لیکن یہ نہیں ہے کہ انکل ایاز کے بچے کو سزا ملے۔ وہ لاؤنچ میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔
 ”مگر عمر..... عمر کہاں ہے؟“ اسے سوائل تو آف نہیں کرنا چاہئے تھا..... مجھے فون کرنا چاہئے تھا..... مجھ سے بات کرنی چاہئے۔ یہ تو وہ جان ہی گیا ہوگا کہ نڈر جیڑے کے ذریعے ہر جڑ مجھے پتا چل گئی ہے..... اسے احساس ہونا چاہئے تھا کہ میں اسے کال کر سکتی ہوں۔“
 وہ بری طرح جھجھلا رہی تھی، جب فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے فون کا ریسیور اٹھایا۔

☆☆☆

”جنس نیاز بہت فیسے میں تھے اور ان کا قصہ بجا ہے۔“ چیف جنس عاقب شاہ اس وقت فون پر چیف فطر نے فون پر بات کر رہے تھے۔

”انگریزی کے بچے کو کھر سے اس طرح اٹھا کر مار دیا جائے گا اور وہ بھی ہائی کورٹ کے ایک جج کے بیٹے کو..... تو پھر ایک عام شہری کے ساتھ آپ کی یہ پولیس کیا کرتی ہوگی؟“ چیف فطر نے ان کے لہجے کی محسوس کی۔
 ”شاہ صاحب! میں اس واقعے پر کس قدر شرمندہ ہوں۔ میں تا نہیں سکتا۔“ عاقب شاہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

”خالی شرمندگی سے تو کچھ نہیں ہوگا۔“

”میں نے انکوائری شروع کرادی ہے۔ جیسے ہی.....“ عاقب شاہ نے ایک بار بھران کی بات کاٹی۔
 ”کیسی انکوائری؟“ پولیس نے اس کو مارا ہے اور آپ پولیس کے ہاتھوں ہی انکوائری کر رہے ہیں۔
 آپ کا خیال ہے کہ پولیس جج سامنے لے آئے گی؟“
 ”ٹھیک ہے پولیس کے بجائے کسی جج سے کرا لیتے ہیں؟ آپ تمام ججز کریں۔ میں آرڈر انیش کر دیتا ہوں۔“ چیف فطر نے فوراً تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔
 ”آپ کیشن پیکشپ ٹیٹا سے جائیں، مگر عملی طور پر کچھ نہیں کریں گے۔“ اس بار عاقب شاہ کی آواز پہلے سے زیادہ بلند تھی۔

”شاہ صاحب! آپ قصہ نہ کریں..... آپ بتائیں کہ میں کیا کروں..... کس طرح مدد کر سکتا ہوں۔“
 چیف فطر نے اپنی آواز قدرے مدہم کرتے ہوئے کہا۔
 ”جنس نیاز کا مطالبہ کیا کیوں نہیں مانتے آپ؟“
 ”کوئی سامطالہ؟“
 ”عاس حیدر کے معطلی کا۔“

”انہوں نے مجھ سے تو کہیں کوئی بات نہیں کی، بلکہ میرا تو وہ فون انیڈ کر رہے ہیں نہ ہی مجھے اپنے گھر نے کی اجازت دے رہے ہیں، میرا بی۔اے دو مجھے لگا تان ان کی منت سماجت کرتا رہا ہے کہ وہ میرا فون انیڈ کر

”جنتیں ان چاروں سے اتنی ہمدردی جتانے کی ضرورت نہیں ہے۔“
 ”کیوں نہیں ہے۔ جب میں یہ جانتی ہوں کہ ان چاروں کو پولیس نے واقعی قتل کیا ہے۔ وہ کسی پولیس مقابلے میں الوداع نہیں تھے تو پھر میں ان سے ہمدردی کیوں نہ جتاؤں..... جب میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ صرف میری وجہ سے اس طرح مارے گئے ہیں۔“
 نایک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ ”میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں..... وہ تمہاری وجہ سے نہیں اپنی حرکتوں کی وجہ سے مارے گئے ہیں، ایسے لوگوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے..... آج نہیں تو کل..... تمہاری وجہ سے نہیں تو کسی اور کی وجہ سے مارے جاتے..... مگر مارے ضرور جاتے۔“
 وہ کہہ کر لاؤنچ سے نکل گئیں، واضح طور پر وہ علیحدہ کے ساتھ کسی حزیہ بحث سے پتا چاہتی تھیں۔ وہ جلیکس بچپانے بغیر انہیں کمرے سے نکلے دیکھتی رہی۔
 وہ تانوں کے جانے کے بعد وہ بے بسی سے صوف پر بیٹھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہ کیا کرے۔ اس کے کانوں میں بار بار اس رات عباس کی کھٹکوتھی رہی اور یاد آئے والا ہر جملہ اس کے غم و غصہ میں اضافہ کرتا رہا۔
 شہلا نے کچھ دیر بعد ایک بار پھر فون کیا تھا اور علیحدہ سے دوسری طرف سے شہلا کی آواز سننے ہی کہا۔
 ”شہلا! میں ابھی تم سے بات نہیں کر سکتی..... تم تعویذ دیر کے بعد مجھے رنج کرتا۔“
 شہلا کچھ حیران ہوئی ”تم ٹھیک تو ہو؟“

”نہیں..... میں ٹھیک نہیں ہوں..... میں بالکل بھی ٹھیک نہیں ہوں۔ اسی لئے تو تم سے بات نہیں کر سکتی۔“
 اس نے فون کا ریسیور ڈال دیا۔ وہ خود نہیں سمجھتی تھی کہ اسے شہلا پر اتنا غصہ کیوں آ چکا تھا۔
 وہ کچھ دیر اسی طرح اپنے اگلے اقدام کے بارے میں سوچتی رہی پھر اس نے ایک بار پھر عباس کو فون کیا۔
 آپ بڑے پھلے والا جواب دیا بارہ دہرایا۔
 ”وہ میٹنگ میں ہیں۔“
 ”کب فارغ ہوں گے؟“

”اس کے بارے میں پتا نہیں، آپ صبیح چھوڑ دیں۔“

علیحدہ نے کوئی پیغام چھوڑنے کے بجائے فون بند کر دیا اور عباس کے موبائل پر کال کرنے لگی۔ موبائل آف تھا۔ اس نے عمر کے موبائل پر غبر ملا، مگر کس موبائل بھی آف تھا۔ اس کی بے چینی بڑھنے لگی۔ عمر آخرا اس وقت کہاں تھا؟ وہ جانا چاہتی تھی، کبھی دیر پھر عباس کے ساتھ تھا۔ یہ وہ جانتی تھی اور کیوں تھا؟ اب وہ اندازہ کر سکتی تھی۔
 ”وہ یقیناً عباس کے ساتھ اس سارے معاملے کے بارے میں بات کر رہا ہوگا، میری طرح اسے بھی شک لگا ہوگا اور وہ شاید کل ہی یہ سب کچھ جان گیا تھا۔ اسی لئے وہ واپس جانے کے بجائے لاہور میں ٹھہر گیا تھا۔ اس نے یقیناً عباس سے اپنی ناراضی کا اظہار کیا ہوگا۔ اسے بتایا ہوگا کہ اس نے کتنا غلط کام کیا ہے۔ وہ ضرور اس معاملے کے بارے میں کوئی نہ کوئی قدم ضرور اٹھائے گا۔ کم از کم اس بار وہ عباس کو بچنے نہیں دے گا..... اس

”جس نیاز کے مصمم بنے کو اس کے گھر سے اٹھا کر قتل کرنے کے بعد آپ کی پولیس کہتی ہے کہ وہ لا اینڈ آرڈر ٹھیک کر رہی ہے۔ ہائی کورٹ کے جج کے بیٹے کو مارنے سے لا اینڈ آرڈر ٹھیک ہو جائے گا؟“ چیف فٹنر مشکل میں پھنس گئے۔

”آپ میری بات نہیں سمجھے شاہ صاحب! میں تو آئی جی کا بیان دہرا رہا تھا آپ کے سامنے، میں نے تو نہیں کہا کہ ان ای کا بیان ٹھیک ہے، ہو سکتا ہے ان کے پاس بھی صحیح معلومات نہ ہوں۔“

”آئی جی کے پاس صحیح معلومات نہ تھیں۔ لیکن نہیں ہے تو وہ کیسے ایک صوبہ سنبھالے گا۔ پھر تو اس کو بھی اتارا چاہئے۔ اس سے بہتر شخص نے کرا نہیں اس پوسٹ پر۔“

”میں آپ کے فٹنر کو سمجھ سکتا ہوں۔“

”نہیں، آپ میرے فٹنر کو کچھ ہی نہیں سکتے۔ آپ اپنی انتظامیہ کو سپورٹ کر رہے ہیں۔ میرا غصہ کسی فرد کا غصہ نہیں ہے۔ سارے ججز نامراض ہیں۔ آج جسٹس کے بیٹے کو مارا ہے۔ کل میرے بیٹے کو اٹھا کر لے جائیں گے آپ لوگ۔“

”ابھی تو چوبیس گھنٹے ہی گزرے ہیں اس واقعہ کو۔ اتنی جلدی نتائج اخذ مت کریں۔“ چیف فٹنر نے انہیں ٹوکا۔

”آپ عباس کو معطل کر دیں۔ میں کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرتا۔“

”میں اسے معطل نہیں کر سکتا۔“ چیف فٹنر نے اٹی بی کے ایسی کا پہلی بار ظہر کیا۔

”کیوں اس لئے۔ کیونکہ وہ سیکرٹری کا بیٹا ہے؟“

”ہات صرف ایک ہوم سیکرٹری کی نہیں ہے۔ وفاقی اور صوبائی سطح پر ہوم سیکرٹری کا ایک پورا حصہ ہے اس کے ساتھ۔ عباس کی بہن کو کرناڑہ کے بیٹے کے ساتھ بایا ہوئی ہے۔ عباس کی بیوی کا بیٹا وفاقی حکومت میں دویر ہے۔ دو کوئی عام سول سرفنٹ تو ہے نہیں جسے میں اٹھا کر باہر پھینک دوں۔ آپ میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کریں۔“

”آپ بھی میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کریں۔ چیف جسٹس کے طور پر اپنے باقت کام کرنے والے ججز کے ساتھ ہونے والی کسی زیادتی پر ایکشن لینا برا فرض بنتا ہے۔“ شاہ کی آواز کچھ جھبی پڑ گئی۔

”جسٹس نیاز نے باقاعدہ مجھ سے شکایت کی ہے۔ بلکہ میری کورٹ کے چیف جسٹس نے بھی خود فون کر کے مجھ سے اسی سلسلے میں بات کی ہے۔“

”میں سمجھتا ہوں جبکہ۔۔۔ شاہ صاحب آپ جسٹس نیاز کو توڑا دیکھیں، عباس کے خلاف انکوائری کروا دیجئے جس کو معطل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے باپ نے بات کی ہے مجھ سے۔۔۔ کل وہ لاہور آ رہا ہے تو اس سے آئے سامنے بات ہوگی۔ میں ان کا سٹیبلو اور اسٹیکرز کو معطل کر دیتا ہوں جنہوں نے اس آپریشن میں حصہ لیا تھا۔ پھر اگر انکوائری میں عباس کے خلاف کوئی ثبوت ملے تو ایکشن لینے کا کوئی جواز تو ہوگا پاس۔ ابھی اگر اس کو معطل کر بھی دیتے ہیں۔ اور بعد میں وہ بے گناہ ثابت ہوا تو میری وزارت اعلیٰ چلی جائے گی۔ اس لئے میں اتنا

لیں یا پھر مجھے اپنی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع دیں۔ مجھے بھی افسوس ہے ان کے بیٹے کی موت کا۔ اور میرا چاہتا تھا کہ خود ان کی جلیبی سے ملاقات کروں۔۔۔ ان کے گھر جاؤں۔۔۔ مگر انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ چیف فٹنر کو میرے گھر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ آئے گا تو کیٹ کے باہر کھڑا رہے گا۔ میں اس کی شکل تک نہیں دیکھوں گا۔ آپ خود سوچیں کہ یہ کوئی طریقہ ہے ایک صوبے کے چیف فٹنر کے بارے میں بات کرنے کا۔“ چیف فٹنر نے پہلا بار قدرے بلند آواز میں جسٹس نیاز کے رویے کی شکایت کی۔

”مجھے میں انسان بہت کچھ کہتا ہوں۔۔۔ آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ ان کا جوان بیٹا مار دیا ہے آپ کی پولیس نے۔“ شاہ نے فوراً جسٹس نیاز کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ مانا ہوں۔۔۔ وہ قصہ میں ہیں، مگر یہ جبکہ انہیں پریس کے سامنے تو نہیں کہنا چاہئے تھا۔ چار اخباروں نے آج ہی خبر کو اچھی کے الفاظ کے ساتھ فرنٹ پیج پر ہیڈ لائن بنا دیا ہے۔ جسٹس نیاز کا چیف فٹنر سے ملنے سے انکار۔۔۔ آپ خود سوچیں انتظامیہ پر کیا اثر ہوگا اس ہیڈ لائن کا۔۔۔“

شاہ نے دوبارہ کہا۔

”شاہ صاحب! اس کی بات ایک بار پھر کرنا ڈی۔“

”جسٹس نیاز نے آپ سے ملنے سے تب انکار کیا تھا۔ جب آئی جی نے عباس حیدر کو معطل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ نہ صرف اس سے انکار کیا بلکہ اسے بے گناہ بھی قرار دیا۔ میرے کہنے پر بھی آئی جی اپنی بات پر اڑا رہا۔۔۔ اس نے کہا کہ امتحان صدیقی نے اسے جو رپورٹ دی ہے، اس کے مطابق تو عباس حیدر نے ایک کارنامہ کیا ہے۔ بروقت کارروائی سے اس نے ایک پورے خاندان کی جان بچائی ہے۔ جب میں نے کارروائی پر اصرار کیا تو آئی جی نے کہا کہ چیف سیکرٹری سے بات کر لیں یا چیف فٹنر سے اگر اوپر سے آرڈر دے جائیں تو میں عباس کو معطل کر دوں گا۔“ شاہ شاہ اب فٹنر میں بول رہے تھے۔

”اور چیف سیکرٹری دو گھنٹے پہلے سرزمین اسٹیل کے کارڈز کی فونٹ میں داخل ہو گیا ہے۔ اس کے بی اے کے مطابق اسے دل کی تکلیف شروع ہو گئی ہے اور اس نے دو ہفتے کی میڈیکل لیو مانگ لی ہے۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق۔۔۔ دو ہفتے کے بعد جب سارا معاملہ ختم ہو جائے گا تو وہ فوراً محنت یاب ہو کر سرزمین سے باہر آ جائے گا اور آپ سے بات کر رہا ہو تو آپ کہہ رہے ہیں کہ جسٹس نیاز نے ایسا کوئی مطالعہ کیا ہی نہیں۔“

”شاہ صاحب۔۔۔ جسٹس نیاز صاحب کا مطالعہ کچھ کہتا تھا۔ آئی جی نے بتا دیا تھا مجھے۔ لیکن حقیقت کے بغیر میں ایک سینئر پولیس آفیسر کو کسی معطل کر سکتا ہوں؟ آئی جی نے تو مجھ پر اپنی ناراضی ظاہر کی تھی، جس طرح آپ نے اور جسٹس نیاز نے ان سے بات کی۔۔۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ پولیس کے کام میں مصل اعدازی کر رہے ہیں، شکایت کی جاتی ہے کہ لا اینڈ آرڈر ٹھیک کیا جائے جب ٹھیک کرنے کی کوشش کی جائے تو پھر اوپر سے اس طرح کا پریشر پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔“ شاہ شاہ کو ان کی بات پر اوروں سے یاد آیا۔

”آئی جی کے بیان کی آپ کے نزدیک ہائی کورٹ کے جج اور چیف جسٹس سے زیادہ اہمیت ہے؟“

”ایسی بات نہیں۔۔۔“ شاہ شاہ نے ان کی بات ٹھہرا دی۔

بڑا رسک نہیں لے سکتا۔ آپ جسٹس نیاز کو سمجھائیں، ان سے بات کریں۔۔۔۔۔ بلکہ وہ کل میرے گھر آ جائیں، وہاں ایاز حیدر اور عباس کی بھی ملاقات کروادوں گا۔۔۔۔۔ آئے سانسے بات ہو تو زیادہ بہتر ہے۔"

ثاقب شاہ خاموشی سے ان کی بات سنتے رہے۔

"میں جسٹس نیاز تک آپ کا پیغام پہنچا دوں گا۔۔۔۔۔ جہاں تک سمجھانے کا تعلق ہے تو یہ کام میں ہو سکتا۔ آپ اس سلسلے میں خود ان سے بات کریں۔"

"آپ نے انکوائری کے لئے کسی کا نام تجویز نہیں کیا؟" چیف فشنر نے انہیں یاد دلایا۔

"میں پہلے جسٹس نیاز سے بات کروں، اس کے بعد ہی اس سلسلے میں آپ کو کوئی نام دے سکوں گا اگر انہوں نے آپ کی پیش کش مان لی تو ٹھیک ہے ورنہ پھر میں کسی کا نام تجویز نہیں کروں گا۔"

چیف جسٹس نے صاف لفظوں میں کہا اور پھر انتہائی نکلتا کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔



باب ۴۳

اگلے دو دن گھر میں کاٹر اور تلے کے لئے آنے والوں کا آتا پاتا حاردا۔ علیزہ شادیوں کے علاوہ پہلی بار اپنے تقریباً تمام جانے والوں اور رشتہ داروں کو کچھ رہی تھی۔ زیادہ تر لوگ بار بار فون کر کے نمرہ کی آخری رسومات کے بارے میں حتمی معلومات لے رہے تھے۔ گھر میں اس کے تمام انکوائری اہل فیلڈ کے ساتھ آچکے تھے۔

علیزہ نے لوگوں کے اسی آنے جانے کے دوران عمر کو بھی دو تین بار گھر آتے جاتے دیکھا۔ اس کے ساتھ جوڑھے نہیں تھی اور وہ اکیلا ہی تھا۔ وہ اس سے تعزیت کرنا چاہتی تھی مگر عمر کے رویے نے اسے اس قدر حیران کیا کہ وہ اس سے بات کرنے کی ہمت ہی نہیں کر سکی۔

وہ جاتی تھی کہ نمرہ اس کی سگی بہن نہیں ہے پھر بھی عمر جس قدر جذباتی اور نرم دل شخص تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی بہن کی موت پر خاصا اندر ہوا ہو گا۔ مگر عمر کے تاثرات اس کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ وہ بالکل پر سکون تھا۔ لوگوں کے تعزیتی کلمات وصول کرتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر کسی غم یا اندر دہی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے نمرہ کی موت پر کوئی شاک لگا تھا نہ ہی دکھ ہوا تھا۔۔۔۔۔ یا پھر شاید اسے نمرہ کی موت یا زندگی کے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی۔

علیزہ کے لئے اس کے تاثرات بہت شاکنگ تھے۔ جو شخص ایک کزن اور ایک گرل فرینڈ کے لئے آؤٹ آف داوے جا کر سب کچھ کرنے پر تیار ہو۔ جو اپنے ایک انڈر واپائٹ کی کافی جانے والی شاع کو دو بارہ گیلے میں جب تک لگائے رکھتا ہے جب تک وہ سوکھ نہ جائے اور سوکھنے کے بعد بھی جو اسے ہٹانے پر تیار نہ ہو۔۔۔۔۔ وہ ایک سو بیڑے سہی مگر خونی رشتہ کی اس طرح کی موت پر کسی درمیل کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ کیا عمر کا واقعی اپنی فیملی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا؟ کیا وہ واقعی ان کے بارے میں کسی قسم کے کوئی احساسات نہیں رکھتا؟ کیا وہ اپنی فیملی کو اس حد تک نا پسند کر سکتا ہے کہ۔۔۔۔۔ یا پھر وہ ہمیشہ کی طرح بہت کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے؟

علیزہ اپنے ذہن میں ابھرنے والے ان تمام سوالوں سے الجھ رہی تھی، وہ بہت اچھی چہرہ شناس نہیں تھی مگر اسے پھر بھی یہ یقین تھا کہ اس نے عمر کا چہرہ چڑھنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ اس کے چہرے پر بے بسی اور لائقیت کے

علاوہ ایک تیسرا جائزہ بھی تھا اور یہ تیسرا جائزہ علیہ کو زیادہ خوفزدہ کر رہا تھا۔ عمر کے چہرے پر اطمینان تھا۔ تیسرے دن جہانگیر غمزدگی ڈیڈ باڈی لے کر پاکستان آ گئے۔ ان کے ساتھ شمرین اور بانی دونوں بچے بھی تھے۔ علیہ کو جہانگیر معاذ کے چہرے پر بھی کئی رنگ یا افسردگی کے تاثرات نظر نہیں آئے۔ ان کے چہرے پر بھیجی گئی تھی۔ وہی بھیجی گئی جو وہ پہلے بھی کئی بار جب ان کے چہرے پر دیکھ چکی تھی، جب وہ شدید غم سے ہوتے تھے۔ جہانگیر کے برعکس شمرین خاصی غلط حال نظر آ رہی تھیں۔ ان کے بانی دونوں بچوں کے چہروں پر بھی ایسے ہی تاثرات تھے۔

میران ملک سے آئیٹھے آنے کے باوجود تمام لوگوں کی طرح علیہ نے بھی محسوس کیا شمرین، ان کے بچوں اور جہانگیر کے درمیان ایک عجیب سی کشیدگی اور سرد مہر کی تھی۔ علیہ کو کا خیال تھا کہ انکل جہانگیر کی کچھ عمر پہلے ہونے والی تیسری شادی اس کی وجہ ہو سکتی تھی مگر اس کے علاوہ اور بھی وجہ ہو سکتی تھی یہ اس کے دہم و مبالغہ میں بھی نہیں تھا۔ غمزدگی کی تدبیر کے بعد آہستہ آہستہ تمام لوگ واپس جانا شروع ہو گئے، جگہ جہانگیر معاذ اور اس کے دو بڑے بھائی اپنی تعلیم کے ساتھ ابھی وہاں تھے، جب ایک رات علیہ نے لاؤنچ میں سب کے سامنے ان کے اور شمرین کے درمیان شدید جھگڑا دیکھا۔

وہ دونوں سب کے سامنے ایک دوسرے پر الزامات لگا رہے تھے اور چلا رہے تھے۔ علیہ کے لئے ایسا جھگڑا کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ نالو کے ہاں وہ اپنے انکل اور ان کی بیویوں کے درمیان پچھلے کئی سالوں سے ایسے بہت سے جھگڑے ہوتے دیکھتی ہوئی آئی تھی۔

مگر اس بار میں انکشاف نے اسے ہولایا تھا، وہ غمزدگی کی موت کی وجہ تھا۔ وہ نیند میں اپارٹمنٹ کی کھڑکی سے نہیں گرتی تھی۔ اس نے خودکشی کی تھی اور اپارٹمنٹ کی کھڑکی سے چھلانگ لگانے سے پہلے اس نے ایک خط میں تفصیلی طور پر اپنی موت کا ذمہ دار جہانگیر معاذ کو ٹھہرایا تھا۔

پولیس کو وہ خط مل گیا تھا۔ مگر چونکہ جہانگیر سفارت خانہ سے منسلک تھے اس لئے ہر چیز بڑی مہارت سے کو راپ کر لی گئی تھی۔ ایک سینئر پولیسٹ کے حوالے سے اس طرح کا کوئی انکسپلن پاکستانی حکومت کے لئے خاصی ندامت اور شرمندگی کا باعث بنتا۔

چند گھنٹوں کے اندر اندر حکومت پاکستان کی درخواست پر پولیس نے اس خودکشی کو اتفاقاً موت قرار دے کر فائلی بند کر دی۔

غمزدگی پاکستان انکسپلن کے ملز کی اتالیقی کے ساتھ اتالیقی تھی۔ وہ جہانگیر معاذ سے بھی عمر میں بڑے اس شخص کے ساتھ شادی پر بعد تھی اور جہانگیر اس کے اس مطالبے کو کسی طور ماننے پر تیار نہیں تھے۔ انکسپلن میں ان کی بیٹی اور اتالیقی کے درمیان چلنے والے اس افیئر کے بارے میں انکسپلن میں کام کرنے والا ہر شخص جانتا تھا اور یہ معاملہ جہانگیر کے لئے خاصی خفت کا باعث بن رہا تھا۔

اگر غمزدگی انکسپلن کے کسی چھوٹے موٹے اہلکار کے ساتھ انوالو ہوئی تو جہانگیر بہت پہلے اس شخص کا یہ صاف

کر چکے ہوتے۔ یا پھر چارون کے اندر اس شخص کو انکسپلن سے نکال دیتے۔ مگر یہاں وہ بری طرح محسوس کرتے تھے۔ انہوں نے غمزدگی بڑی پاکستان بھجوانے کی کوشش کی، مگر وہ اس پر تیار نہیں ہوئی، اس نے واپس پاکستان بھجوانے جانے پر مجبور کرنے پر جہانگیر کو کھر سے چلے جانے اور شادی کر لینے کی دھمکی دی۔ مگر جہانگیر جانتے تھے کہ یہ صرف دھمکی تھی۔ وہ قانونی اعتبار سے ابھی بالغ نہیں ہوئی تھی، اور وہ ملز کی اتالیقی نہیں تھا کہ وہ ایک بالغ لڑکی سے شادی کر کے اپنا تکیہ خطرے میں ڈالتا۔ دوسری طرف جہانگیر اس بات سے بھی واقف تھے کہ کچھ عرصے کے بعد جب وہ قانونی اعتبار سے بالغ ہو جائے گی تو اس وقت ان کے لئے غمزدگی کو روکنا مشکل ہو جائے گا اس لئے وہ بہت مایوس ہو کر اسے پریشان کر رہے تھے اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ ان کے کسی دباؤ میں نہیں آئے گی جب انہوں نے غمزدگی کر دی کہ وہ اگر واپس پاکستان نہیں گئی تو وہ نہ صرف شمرین کو طلاق دے دیں گے، بلکہ غمزدگی سمیت بانی دونوں بچوں کو بھی اپنی جائیداد سے عاق کر دیں گے۔

غمزدگی ان کی دھمکی پر پہلی بار دباؤ میں آئی اور اس حربے کو کامیاب ہونے دیکھ کر جہانگیر اس پر اپنا دباؤ بڑھاتے گئے۔ دوسری طرف وہ ملز کی اتالیقی غمزدگی کو مجبور کر رہا تھا کہ وہ واپس نہ جائے، شاید اسے بھی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ایک بار وہ واپس پاکستان چلی گئی تو پھر اس کا واپس اس کے ہاتھ آنا مشکل تھا۔ نتیجہ وہی تھا جو ہو سکتا تھا۔ غمزدگی کی طور پر اپنی فرسٹ فیز ہو گئی کہ اس نے خودکشی کر لی۔

اور اب جہانگیر اور شمرین ایک دوسرے پر تباہ توڑ الزامات لگانے میں مصروف تھے۔ "یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم نے اپنی بیٹی کو میرے خلاف ہتھیار بنا کر استعمال کرنے کی کوشش کی، ہم ایسا نہ کر سکتے تو وہ بھی خودکشی نہ کرتی۔" جہانگیر شمرین پر دھاوا رہے تھے۔

"میں نے اسے ایسا نہیں بنایا۔ میں تمہارے پیسے خرچ کر کا اس حربے استعمال نہیں کرتی، اس نے صرف تمہاری وجہ سے خودکشی کی ہے۔ تم اس طرح پریشان نہ کرے تو وہ بھی یہ قدم نہ ڈالتی۔"

"میں اسے پریشان نہ کرتا اور انہیں سالہا سال غمزدگی کو لپٹا دینا کہ وہ کوئی کوئی چیز نہ کہنے کا موقع دیتا۔" "اگر تم دوسروں کی افواہوں میں سالہا بیٹوں کے ساتھ شادی کر سکتے ہو اور انہیں چلا سکتے ہو تو دوسرے بھی کر سکتے ہیں، پھر تم کو اعتراض کس چیز پر ہے؟" شمرین اب بلند آواز میں چلا رہی تھیں۔

"انہا مند بندر کو مچھا عورت۔"

"کیوں مند بندر کو، پتا چلنا چاہئے تمہارے خاندان کو تم کی گلی کھاتے بھر رہے ہو۔"

شمرین بالکل خوفزدہ نہیں تھیں۔

"تم نے جان بوجھ کر اس کو اس طرح ٹرپ کیا۔ صرف اس لئے تاکہ مجھ کو بلیک میل کر سکو۔" جہانگیر ایک بار بھر بولے گئے۔

"ہاں، سب کچھ میں نے ہی کیا تھا۔ مگر تمہارے لئے تو سب کچھ بہت اچھا ثابت ہوا ہے۔ جان چھوٹ گئی ہے تمہاری اپنی اولاد اسے آزاد ہو گئے ہو۔ اب مزے میٹل کر سکو گے۔" شمرین کا لہجہ دھڑکا تھا۔

"میں تو میں کر سکتا ہوں، مگر ایک چیز تو ہے کہ تم اور میں اب اکٹھے نہیں چل سکتے۔"

"تمہارے ساتھ اکٹھے چلنا کون چاہتا ہے۔ کم از کم اب میں تو تمہاری بیوی بن کر نہیں رہ سکتی۔ میں کورٹ میں ڈاکی دوسرے کے لئے کیس فائل کر رہی ہوں، اور میں تمام اثاثوں کی برابر تقسیم کا دعویٰ بھی کر دوں گی، میں خیرین شاہ اس بار بہت سے فیصلے پہلے ہی کر چکی تھیں۔"

"اثاثے؟ کون سے اثاثے؟ کون سے اثاثوں کی برابر تقسیم چاہتی ہو تم؟" جاگیر کے اشتعال میں یک دم اضافہ ہو گیا۔

"تم بہت اچھی طرح جانتے ہو، میں کسی اثاثوں کی بات کر رہی ہوں۔ تمہاری لوٹ مار کی کمائی کی بات کر رہی ہوں میں۔"

"میں تم کو ایک پائی بھی نہیں دوں گا۔"

"مجھے پائی چاہئے، مجھے کروڑوں میں حصہ چاہئے۔" علیزہ بے چینی سے ان دونوں کے درمیان ہونی والی منگولوں کی طرح تھکی۔

اپنی بیٹی کی موت کے چوتھے دن وہ دونوں جائیداد کی تقسیم کی معاملے پر لا رہے تھے، علیزہ کی دل گرفتگی اور رنجیدگی میں اضافہ ہو گیا، اسے پہلی بار احساس ہوا، اپنی بیٹی میں اس قدر ذہنی اذیت سے گزر رہی تھی۔ اس کی جڑ بیلن کا ہر فرد تقریباً اسی قسم کے حالات سے دوچار تھا۔

عمر سے اس کی بھوری میں یک یک بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔

"کم از کم میں نے اپنے ماں باپ کو اس طرح لاتے تو نہیں دیکھا۔ اور عمر..... وہ..... تو شاید بچپن سے یہ سارے تھامے دیکھنے کا عادی ہے۔" وہ اس رات لاؤنج میں سے نکلے ہوئے عمر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

عمر ناؤ کے گھر نہیں ٹھہرا تھا، وہ کہاں ٹھہرا ہوا تھا؟ علیزہ نہیں جانتی تھی مگر اس کا اندازہ تھا کہ وہ جوڑھ کے ساتھ اسی ہوٹل میں مقیم تھا جہاں وہ پہلے کیا تھا۔ اگرچہ اس نے جوڑھ کو تقریر کے لئے ناؤ کے گھر آتے یا فون کرتے نہیں دیکھا مگر اسے پھر بھی یقین تھا کہ وہ پاکستان میں ہی ہے۔

اگلے چند دن کے بعد گھر ایک بار پھر خالی ہو گیا۔ ناؤ اور تانا کی افسردگی پہلے سے زیادہ بڑھ چکی تھی۔

رنجیدگی کی ایک دہر اگر نمرہ کی موت تھی تو دوسری دہر جب انیسوار اور شریں کے درمیان ہونی والی متوقع طبعیت کی بھی تھی اور شاید وہ نمرہ کے چھوٹے بہن بھائیوں کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو رہے تھے۔ علیزہ ان کے بدلے ہوئے موڈز کو بچکانہ نگاہ سے دیکھتی تھی۔

باب ۴۴

دوسری طرف عباس تھا اس کی آواز سنتے ہی ریسپورڈر علیزہ کے ہاتھ کی گرفت سخت ہو گئی۔

"بیو علیزہ..... کیا ہر اہم ہے؟ تم نے دوبارہ فون کیا..... سب کچھ ٹھیک تو ہے۔"

"میں نے غصہ نہ دیکھ دیکھ لیا ہے۔"

دوسری طرف یک دم خاموشی چھا گئی۔

"عباس بھائی! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ اس طرح چار انسانوں کو قتل کر سکتے ہیں۔"

"علیزہ! تم ان چیزوں کو نہیں سمجھتی۔" عباس نے بڑے مطمئن انداز میں کہا۔

"تم نے صرف اسی موضوع پر بات کرنے کے لئے فون کیا تھا؟" عباس نے اس کے سوال کا جواب گول کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں مجھے صرف اسی بارے میں بات کرنی ہے۔ آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ ان لوگوں کو پولیس اسٹیشن لے جانا چاہتے ہیں اس لئے انکے سر پر ہیں مگر آپ نے انہیں مار دیا۔" وہ یک دم پھٹ گئی۔

"کوئی انسان اتنی بے رحمی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔"

"تم تو واقعی فیسے میں ہو علیزہ۔" وہ جیسے اس کے فیسے سے محفوظ ہوا، علیزہ کو جب تک احساس ہوا۔

"آپ کو احساس ہے کہ آپ نے کتنا بڑا ظلم کیا ہے؟"

"بالکل احساس ہے کہ میں نے کیا کیا ہے۔ البتہ میں تمہاری طرح اس ظلم نہیں سمجھتا۔ میں نے وہی کیا ہے جو مناسب سمجھا۔" اس کے اطمینان اور سکون میں رتی بھر کی نہیں آئی۔

"چار بے گناہ انسانوں کو اس طرح اٹھا کر مار دینا کہاں سے مناسب لگے ہے آپ کو؟"

"بھائی بات تو یہ کہ وہ بے گناہ نہیں تھے اور دوسری بات یہ کہ انہیں میں نے نہیں مارا۔ پولیس متا بلے میں ہے۔"

مرے ہیں وہ۔" عباس نے اسے ٹوکنے ہوئے کہا۔

"پولیس مقابلہ۔" کون سا پولیس مقابلہ؟ مجھے تو بے خوف و ناگم۔ میرے سامنے آپ نے ان

”مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ دنیا کے کسی قانون میں اس جرم کی سزا موت ہے یا نہیں میں نے انہیں اس جرم کے لئے سزا دی جو وہ کرنا چاہتے تھے۔“

”مگر کیا تو نہیں تھا؟“

”کرنا تو چاہتے تھے۔“ وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

”پولیس صرف ارادے پر لوگوں کو سزائے موت کب سے دے رہے تھے؟“

”مہاس نے دوسری طرف ایک گھبراہٹ مائل۔“

”People are judged by their intentions.“ (لوگ اپنے ارادوں سے ہی جانے

جاتے ہیں۔) اس کا لہجہ اس بار بالکل خشک تھا۔

”لیکن انہیں صرف ان کے ارادوں کی وجہ سے سزا نہیں دی جاتی۔“

”علیہ و اہل اس وقت بہت مصروف ہوں، ایک بینک سے فارغ ہوا ہوں، تھوڑی دیر بعد دوسری بینک ہے۔ اس لئے بہتر ہے اس بات کا بھی غم کر دیں۔ بعد میں اس پر تفصیلی گفتگو ہوگی۔ تم یہ بتاؤ تمہاری چوٹ پہلے سے بہتر ہے یا نہیں؟“

وہ اب واقعی موضوع بدل دینا چاہتا تھا۔

”آپ میری چوٹ کے بارے میں بات نہ کریں، آپ مجھ سے صرف وہی بات کریں جو میں کرنا چاہتی ہوں۔“

”اور اگر یہی بات میں تم سے کہوں کہ تم مجھ سے صرف وہی بات کرو جو میں کرنا چاہتا ہوں تو پھر؟“ مہاس کی ٹون میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

”یہ میری بدقسمتی تھی کہ ناٹو نے آپ سے مدد مانگی، وہ ایسا نہ کر میں تو وہ چاروں آج زندہ ہوتے۔“

”وہ چاروں اگر آج زندہ ہوتے تو زندہ نہ ہوتیں۔“ مہاس نے جیسے اسے یاد دہانی کروائی۔

”آپ ایک بار اہران کی سوچ کی بات کر رہے ہیں۔“

”ہر جرم سوچ سے ہی شروع ہوتا ہے۔“

”میں آپ کی طرح پریکٹیکل نہیں ہو سکتی کہ منٹاٹھاؤں اور جس کو جہاں چاہوں مار دوں یہ کہہ کر وہ جرم کرنے والا تھا۔“

”خون خنک کر رہا ہوں۔“ مہاس نے علیہ سے کہا۔

”کر دیں گروہ بات ضرور سن لیں، جو میں آپ سے کہنا چاہتی ہوں۔“ اس بار علیہ کی آواز میں ٹھہراؤ تھا

مہاس ریسیور رکھتے رکھتے رکا گیا۔ اسے حیرت ہوئی علیہ وہ لکی لوں کی بات کہنا چاہتی تھی۔

”ایسا کیا کوئی بات بات ہو گئی ہے۔ جو تم کہنا چاہتی ہو؟“

”ہاں میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں جنس نیاز کے گھر والوں کو سب کچھ بتا رہی ہوں۔“

چاروں کو اپنی گاڑی میں بٹھا ہوا تھا۔“

”ٹھیک..... اگر تمہیں یہ یاد ہے تو پھر یہ بھی یاد ہو گا کہ میں نے انہیں کیوں پکڑا تھا۔“

”میری وجہ سے پکڑا تھا آپ نے انہیں، اور میری وجہ سے ہی مارا گیا۔“

”تو کیا غلط کیا۔ اب اگر لوگ ہماری عورتوں تک آنا شروع کر دیں۔ تو ہم Don't

again (آئندہ ایسا نہیں کرنا) کہہ کر گال کو سہا کر تو کسی کو نہیں چھوڑ سکتے۔“

”میں نے آپ کو انہیں چھوڑنے کے لئے تو نہیں کہا تھا، آپ انہیں گرفتار کر لینے مگر اس طرح مار دیتے تو نہ۔“

”علیہ و اہل ان باتوں کو نہیں سمجھتیں..... بہتر ہے اس معاملے کے بارے میں بات نہ کرو۔“

”میں کیا نہیں سمجھتی۔ میں سب کچھ سمجھتی ہوں۔“

”تمہیں اتنی بھاری کیوں ہو رہی ہے ان سے؟“

”مجھے بھاری نہیں ہو رہی، میں صرف اس غلط کام کی نشاندہی کر رہی ہوں جو آج ہونے لگا ہے۔“

”غلط کام کی تعریف تم میرے لئے چھوڑ دو تم اس کے بارے میں اپنے ذہن کو مت الجھاؤ، میں اپنا

کام بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔“ مہاس کی آواز میں اس بار دوسری تھی۔

”کیا کام جانتے ہیں آپ، صرف لوگوں کو جانوروں کی طرح قتل کر دینا، اور جعلی پولیس مقابلے قرار دے کر میڈیٹو ہانا۔“

”اے جان چاروں کے ساتھ وہی ہوا ہے جس کے وہ مستحق تھے میرے خاندان کی عورت کے پیچھے کوئی اس طرح آئے گا تو یہی کر دے گا۔ ان کو تو عام عورتوں اور ہماری جنسی کی عورتوں میں کوئی فرق نہیں لگا۔“

”وہ نہیں جانتے تھے کہ میرا تعلق اس خاندان سے ہے میرے خاندان کے بارے میں چھان بین کر کے انہوں نے میرا اچھا کرنا شروع نہیں کیا۔“

”اگر انہیں جانتے تھے تو ان کو جان لینا چاہیے تھا، انہیں اور دماغ نہیں رکھتے تھے کیا وہ۔ آج بے خبری

میں تمہاری پیچھے آئے تھے کل جانتے ہی تھے۔“

”آپ کی منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔“

”تمہارا سمجھ سے تو بہت ساری چیزیں باہر ہیں۔ تم جانتی ہو وہ جسے پکڑ لیتے تو کیا کرتے؟“

”مگر انہوں نے مجھے پکڑا تھا، نہ ہی مجھے کوئی نقصان پہنچایا، میں بچ گئی تھی۔“

”تم اس لئے بچ گئی تھیں کہ پولیس دس منٹ کے اندر اس علاقے میں پہنچ گئی تھی ورنہ وہ تو تمہارا کوئی لحاظ

نہ کرتے۔“

”وہ کیا کرتے اور کیا نہیں میں اس کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ انہوں نے جو کیا آپ اس کی بات کریں۔“

انہوں نے صرف ایک لوگ کو دیکھا کیا اسے انوارا کرنے کی کوشش کی اور اس جرم کی سزا دینا کے کسی قانون کے تحت بھی موت نہیں ہو سکتی۔“

”مگر کیوں؟“

”بہر حال جو بھی ہے اب تم اس کے پاس جاؤ اور اسے سمجھاؤ۔“ عباس نے اس سے کہا۔

”میں نے کچھ خانقاہی انتظامات تو کئے ہیں مگر بہت کم۔ اس کے مراعے کا ٹھیک ہو بہت ضروری ہے۔“
”تم فکر نہ کرو، میں ابھی اس کے پاس جاؤں۔“ سمجھا دوں گا میں اسے سب کچھ وہ بدبانی ہو جاتی ہے۔“
”بدبانی ہونے میں اور متصل سے پیدل ہو جانے میں بہت معمولی فرق ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا یہ سب
کچھ کیا ہو گا پتا چلے دو تو بالکل Furious (برہم) ہو جاؤں گے۔ ابھی پہلے یہ صورت حال خاصی خراب ہے۔ اس پر
اس کا کوئی بیان یا تم کوئی سمجھا سکیا تو سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا تم اس کے پاس جاؤ اور پھر اس سے بات کرنے
کے بعد مجھ سے رابطہ کرو۔“ وہ کچھ دیر مزید میرے اسی بارے میں بات کرتا رہا اور پھر اس نے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

علیہ نے محاسن کو فون کرنے کے بعد اچھی سے چشم نواز کام بنوایا۔ وہ اس نمبر کو ماری تھی جب فون لائن اچانک ڈیو ہو گئی۔ وہ کچھ حیران ہوئی، اس کو پھر وہ پہلے بالکل ٹھیک کام کر رہا تھا۔ اس نے فون ریسپورڈ کیا۔ چند منٹوں کے بعد اس نے ریسپورڈ کیا۔ لائن اب بھی ڈیو تھی۔ یہ عارضی خرابی تھی جس کو ریسپورڈ کر دیا تو ابھی ایسے فلیک ہو جاتی۔ وہ کچھ سے یسین ہوئے گی۔ وہ جلد از جلد چشم نواز سے رابطہ کرنا چاہتی تھی۔

کچھ روز وہ وہیں بیٹھی کچھ سوچی رہی اور پھر ایک خیال آنے پر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اپنا شلڈر بیک نکال کر اس نے ڈالت اندر ڈالا اور پھر جلد بول کر باہر نکل آئی۔ تا نو کے کمرے سے اس نے دوسری گاڑی کی چابی لی۔ تا نو اس وقت کمرے میں نہیں تھے۔ وہ باہر لائن میں تھے۔ علیہ وہاں پر ٹیکو میں نکل آئی تاکہ اس بات کر کے اس نے رپورس کرنا شروع کیا، لیکن وہ دیکھ کر حیران ہو گئی کہ چمکیا کرے گیٹ میں کھولا بلکہ گیٹ کے پاس بیٹھ ہوئے سے کمرے سے نکل کر اس کی طرف آنے لگے۔ اس نے گاڑی روک دی۔

”علیہ و بی بی! آپ کہاں جا رہی ہیں؟“ چوکیدار نے قریب آ کر اس سے پوچھا۔

”کہاں جا رہی ہوں؟“ وہ حیران ہوئی ”باہر جا رہی ہوں، تم گیٹ کھولو۔“

”علیٰ زہلی! مجھے نہیں پتا..... بس کچھ دیر پہلے مجھے بتایا گیا تھا کہ میں کسی کو باہر نہ آنے دوں۔“ چونک کر

”میں خود بات کرتی ہوں ان سے، دیکھتی ہوں یہ مجھے کیسے روکتے ہیں۔“

”اس رات جو کچھ ہوا تھا، میں انہیں بتا دوں گی۔“

"جادو دل کی"۔ ہمارے دل میں دس درجہ ہیں، اس کا ذہن برق رفتاری سے اپنا لاکھ چلنے کے برابر ہے۔ ایک ماہر تھیں کارسیڈور لئے اس نے دوسرے ہاتھ سے انٹر کام کارسیڈور اٹھایا اور کان سے ٹکائے کے بعد کندھے کی مدد سے ٹکائے رکھا دوسرے ہاتھ سے اس فون کارسیڈور کو رہنا کر نیچے کیا اور ماؤتھ جیس پر دوسرا ہاتھ رکھا دیا۔

اس نیاز سے آپ بڑے سے کہہ دو کہ جب تک اسے دو بارہ دہلیات نہیں دے دو جس نیاز سے گھر آنے والی کسی کال کے کارکن ان سے بات نہ کر دے اور جس منبر پر میں ابھی بات کر رہا ہوں۔ اس کو چند منٹوں کے اندر بھیج کے کہہ دے اس کی کٹ کر دو اور اس کی جگہ سے کہہ دو منٹ کے اندر مجھے سے رابطہ قائم کرے۔“

مجھے آواز میں اس نے ساری دہلیات دینے کے بعد انٹر کوم بند کر دیا اور دوبارہ مجھے روکے بیوروکان سے لگا کر علیحدگی میں گفتگو کرنے لگا، اس کے ہاتھ پر بل تھے۔ واضح طور پر اس کی گفتگو اس کے لئے انگواری کا باعث تھی۔

”غرض یہ یہ ذمہ داری عائد ہوئی ہے۔“ وہ اب کہہ رہی تھی۔ ”کہ وہ اپنے سامنے بولنے والے جرم کو پولیس سے نہ چھپائے، پولیس کو اس کے بارے میں ضرور افہام کرے۔ میں نے بھی آپ کو اپنے سامنے بولنے والے اس جرم سے افہام کر دیا ہے، جس میں خود پولیس ہی انوالو ہے۔ آپ چونکہ اسے پروکوری کارروائی میں کر سکتے ہیں اس لئے میں خود قاضی افہام کر رہا ہوں اور ان لوگوں کی تعلیم کو پیشانی دوں گی۔ جن کے بیٹل کو آپ نے مارا ہے۔“

دوسری طرف مکمل خاموشی تھی، علیز کو پہلی بار سکون محسوس ہوا تھا۔ بات مکمل کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

اس کے فون کے بند ہوتے ہی آپریٹر نے انسپکٹر قیوم سے اس کا رابطہ کر دیا۔

”جس گھر پر میں نے گارڈ لگوائی ہے۔ اس گھر سے اب نہ تو کوئی باہر آئے گا۔ نہ ہی اندر جائے گا۔ جب تک میں اجازت نہ دوں، تم اسی ہدایت پر عمل کرو گے۔ گھر کے کسی ملازم کو بھی باہر نہیں نکلے دو گے۔“

اس نے فون بند کرنے کے بعد آپریٹر کو عمر سے رابطہ کروانے کے لئے کہا۔

”ہاں عمر! میں عباس بول رہا ہوں۔“ رابطہ ہوتے ہی اس نے کہا۔

”ہاں عباس! کیا بات ہے؟“

”علیٰ زہ سے جا کر ملو۔“ عباس نے کسی توقف کے بغیر کہا۔

”کیا مطلب؟ سب کچھ ٹھیک تو ہے؟“ عمر کچھ چونک گیا۔

نہیں، کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ عزیزہ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ عباس کے لہجے میں خفگی تھی۔

”کیا ہوا؟“

”ابھی کچھ دیر پہلے فون پر میری اس سے بات ہو رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ وہ جسٹس نیاز کو سب کچھ بتا

”چہ نہیں یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے، ابھی بجلی زندگی گزوری تھی اور اب ایک دم۔“

انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے لپٹی بات ادھوری چھوڑ دی۔ علیحدہ ان کی بات پر غور نہیں کیا۔ وہ اپنا ناخن کاٹتے ہوئے کچھ سوچنے میں مصروف تھی۔

☆☆☆

”آپ کے بیٹے کی وجہ سے بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہوں۔“ چیف فشر نے ایاز حیدر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ وہ ابھی ٹھوڑی دیر پہلے ہی چیف فشر پاؤں پیچھے تھے۔

”مجھے حیرت ہو رہی ہے آپ کی بات پر، عباس کا سر دس ریکارڈر شاندار ہے۔ اس نے ہمیشہ اپنے فرائض کو بڑی ایمانداری سے سر انجام دیا ہے اور وہ آئندہ بھی ایسا ہی کرے گا۔ آپ خود کیا بااس کی تعریف کر چکے ہیں۔“ ایاز حیدر نے بڑے خوشگوار انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

بہت چلتے

”وہ دونوں اس وقت وہاں اکیلے تھے اور اب مومنوں پر بیٹھ چکے تھے۔“
”مجھے اس کی قابلیت یاد بات پر کوئی شبہ نہیں مگر وہ دن پہلے جو کچھ ہوا ہے، میں عباس حیدر جیسے آفیسر سے اس کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ ہائی کورٹ کے ایک جج کے بیٹے کو اس طرح گھر سے اٹھا کر مار دینا اور پھر یہ کہنا کہ وہ پولیس مقابلے میں مارا گیا ہے۔“

”مریمیری عباس سے اس معاملے میں تعینات بات ہوئی ہے۔ وہ لڑاکا ہی رات واقعی پولیس مقابلے میں مارا گیا تھا۔ دیکھنی کی کوشش۔۔۔۔۔“ چیف فشر نے ایاز حیدر کی بات کاٹ دی۔

”میرے سامنے وہ بیان نہ دہرائیں جو اخباروں کا دوا گیا ہے۔ اس کا باپ کہہ رہا ہے کہ گھر سے سادہ کپڑوں میں پولیس اہلکار اس کے بیٹے کو اٹھا کر لے گئے۔“

”جسٹس نیاز یہ نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے۔۔۔۔۔ ایک جج کا بیٹا ایک جرم کرتے ہوئے اس طرح مارا جائے تو اس کی ساکھ کس حد تک متاثر ہوگی۔ آپ تو ابھی طرح اس کا اعجاز کر سکتے ہیں۔“

ایاز حیدر نے بڑے پرسکون انداز میں کہا۔ چیف فشر جواب میں کچھ بولے بغیر خاموشی سے انہیں گھورتے رہے۔

”جسٹس نیاز جھوٹ پر جھوٹ بول رہے ہیں اور یہ ان کی مجبوری ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس جھوٹ کی بنا پر آپ عباس کو سزا دیں۔ میں یہ بات اس لئے نہیں کہہ رہا کہ عباس میرا بیٹا ہے۔ وہ میرا بیٹا جند میں ہے، آپ کی انتظامیہ کا ایک رکن پہلے ہے اور اس کی ایمانداری اور فرض شناسی سب پر بہت واضح ہے میں جانتا ہوں آپ اپنے ایک اچھے اور مستعد آفیسر کو بھی کھانا نہیں چاہیں گے۔“

ایاز حیدر بڑے سنے تھے لنگھوں میں اپنی بات آگے بڑھاتا تھا۔ چیف فشر اب بھی کچھ کہے بغیر ان کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

”عباس نے کوئی غلط کام کیا ہوتا تو میں کبھی یہاں نہ بیٹھا ہوا۔ آپ اس کے ساتھ جو چاہے کرتے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا، لیکن اب عباس نے جو بھی کیا ہے، وہ لا اینڈ آؤڈ کو برقرار رکھنے کے لئے کیا ہے، اور اگر عباس

حیدر جیسے آفیسر کو سزا دی جائے گی تو اس سے ساری پولیس فورس کا مورال ڈاؤن ہوگا۔ خود عباس اس سارے واقعہ پر بہت اہم سیٹ ہے، وہ تو ریڈائن کر دینا چاہتا تھا مگر میں نے زبردستی اس سے روکا وہ کہہ رہا تھا کہ پولیس تو ہمیشہ پولیس کا کھیلو، اسی کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے مگر جب اوپر والے بھی اپنے آفیسر کو سپورٹ کرنے کے بجائے ان کے ایکشن پر شک و شبہ کا اظہار کریں تو پھر کام کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں نے اسے خاصا سمجھایا مگر وہ پھر بھی بہت بد دل ہو گیا ہے اس سارے واقعہ پر، وہ مجھ سے شکایت کر رہا تھا کہ آپ نے اس معاملہ میں اس کی حمایت کرنے کے بجائے انکار کرائی کا حکم دے دیا ہے۔ اس کا واضح مطلب تو یہی ہوا کہ آپ کو جنس نیاز کی بات زیادہ وزنی لگ رہی ہے۔ اور وہ کہہ رہا تھا کہ آپ کے اس حکم سے اس کی کریڈیٹیل سزا ہوئی ہے۔“

چیف فشر ایاز حیدر کی بات سننے سے ہونے لگا۔ مسلسل سگاری پی رہے تھے۔ ان کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ ایاز حیدر کی باتیں ان پر اثر کر رہی تھیں یا نہیں، کم از کم ایاز حیدر کو ان کے چہرے سے یہ جانتے میں کوئی مدد نہیں مل رہی تھی۔ وہ کچھ دیر اور بات کرتے رہے پھر جب وہ خاموش ہو گئے تو چیف فشر نے کچھ آگے جھٹکے ہوئے سامنے پڑی پمیل پر موجود اینٹیں لٹے میں سگاری راکھ بھاری۔

”عباس کے خلاف انکار کرائی کا حکم میں نے نہیں دیا۔“ وہ رکے پھر بولے۔
”میں نے اس پر سے معاملے کی حقیقتات کا حکم دیا ہے اور یہ آؤڈ میں نے کسی خاص شخص کو فوکس (سرکڑ)

بنانے نہیں دیا۔“
”سر! بات ایک ہی ہو جاتی ہے۔ عباس کے خلاف انکار کرائی کر دالی جائے یا پھر اس واقعے کے بارے میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔“ ایاز حیدر نے کہا۔

”انکار کرائی تو مجھے کرنا ہی ہے۔ جسٹس نیاز نے Publically (عوام میں) آپ کے بیٹے کو مجرم ٹھہرایا ہے۔“

”آئی فیشلی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے اس واقعے پر احتجاج کیا ہے۔“

”جسٹس نیاز کے اثرات اب یہ بنیاد ہیں، میں آپ سے پہلے۔۔۔۔۔“ چیف فشر نے ان کی بات کاٹ دی۔
”ان کے اثرات اتنے بھی نہ بنائے نہیں ہیں۔ ہسٹ مارٹر کرنے والے ڈاکٹرز سے تفصیلی بات ہوئی ہے میری۔ انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ موت کا وقت وہ نہیں تھا جو انہوں نے دیا ہے۔ جسٹس نیاز نے جس وقت امتحان

مصدقہ کی بات کی، اس وقت ان کا بیٹا زخمی تھا اور ان کے فون پر امتحان صدیقی سے بات کرنے کے بغیر یا ایک گھنٹے کے بعد اس کی موت ہوئی۔“

چیف فشر اب ایاز حیدر کے چہرے پر نظریں جمائے بول رہے تھے۔ ایاز حیدر کے چہرے کی رنگت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ بالکل پرسکون انداز میں چیف فشر کی بات سن رہے تھے۔

”ڈاکٹر نے یہ بھی اُسے بتایا ہے کہ ان چاروں کی موت بہت قریب سے گولیاں گئے سے ہوئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ سات یا آٹھ فٹ کے فاصلے کے اور کچھ گولیاں کم فاصلے کی وجہ سے ان کے جسم کے آپریشن ہو گئیں۔“

اختلاف کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ میرا جتنا کسی کو بھی ایسے ہی اٹھا کر مار دے۔"

ایاز حیدر نے صاف لفظوں میں انکار کرتے ہوئے کہا۔

چیف فشر نے ایک گھر سانس لیا اور صوفے کی پشت سے ٹپک نکالی۔

"اب باتیں کچھ مکمل کر ہوں گی۔ یہ بات تو صاف طے ہے کہ ماس نے ان چاروں کو ایک جعلی پولیس مقابلے میں مارا ہے۔ کیوں مارا ہے؟....."

"انہوں نے کچھ وقت کیا اور سامنے ٹیبل پر پڑی ایک فائل کو کھول کر اس میں سے ایک ایڈریس پڑھنے لگے۔ ایاز حیدر کے چہرے پر پہلی بار تازہ کی کیفیت نظر آنے لگی۔ وہ ایڈریس اس گھر کا تھا جہاں علیہ وہانو کے ساتھ رہتی تھی۔

"یہ ایڈریس اس گھر کا ہے جہاں آپ کی والدہ آپ کے والد کے انتقال کے بعد رہی ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کی ایک بھانجی بھی رہتی ہے۔..... علیہ و سکندر۔"

وہ خاموش ہو گئے اور فائل میں موجود کاغذات کو دیکھتے رہے، پھر انہوں نے وہ فائل واپس ٹیبل پر رکھ دی اور ایاز حیدر کو دیکھنے لگے۔

"جس رات یہ واقعہ ہوا تھا اس رات آپ کی یہ بھانجی اپنی ایک دوست کے ساتھ کسی کنسرٹ سے واپس آ رہی تھی۔ جب ان چاروں لڑکوں نے ان دونوں کا چھپا کیا۔ آپ کی بھانجی کی دوست اپنے گھر چلی گئی، لیکن جب آپ کی بھانجی گھر جا رہی تھی تو اس کا ایک بار پھر چھپا کیا گیا۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں کیے بعد دیگرے کی کاغذ آئیں۔ چند کار آپ کی والدہ نے کہیں کچھ اس گھر سے کی گئیں جہاں آپ کی بھانجی چھپ گئی تھی۔"

وہ بڑی روایتی سے سب کچھ بتاتے جا رہے تھے۔ ایاز حیدر کو ان کی معلومات پر کوئی حیرت نہیں ہوئی، پولیس صرف ماس حیدر کی وفاداریں ہو سکتی تھی۔

"جس گھر میں آپ کی بھانجی چھپی تھی۔ وہاں کوئی دیکھ نہیں ہو رہی تھی، البتہ وہ لا کے آپ کی بھانجی کے پیچھے ضرور گئے تھے۔ ماس حیدر کے ساتھ اس دن عمر جہانگیر بھی تھا اور اس پورے آپریشن کے دوران اس کے ساتھ رہا۔ عمر جہانگیر کو جانتے ہیں نا آپ؟" چیف فشر نے سکرا کر چیف سے انداز میں کہا اور پھر بات جاری رکھی۔ "ماس نے اس پورے علاقے کا گھیراؤ کر لیا اور اس گھر تک بھی پہنچ گیا۔ وہ لا کے اس وقت تک فرار ہو چکے تھے۔ اس کے بعد کیا ہوا کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے؟ یہ اتنا ہی کافی ہے؟ یہ ضرور یاد رکھیں کہ آپ کی بھانجی کی کار اس وقت بھی پولیس ورکشاپ میں ہے اور اس گھر پر اس وقت بھی پولیس کار ڈوگی ہوئی ہے۔"

انہوں نے بوئے محفوظ ہوتے ہوئے ایاز حیدر کو دیکھ کر پوچھا۔ ایاز حیدر نے ایک گھر سانس لیا۔

"میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کی ماس نے آپ کی بھانجی کی وجہ سے ان چاروں کو مارا تھا۔ کیا صرف اس لئے کہ ان چاروں نے آپ کی بھانجی کا چھپا کیا تھا یا پھر اس لئے کہ آپ کی بھانجی ان میں سے کسی کے ساتھ انٹرویو تھی؟ خاص طور پر پیش خیار کے بیٹے کے ساتھ کیونکہ اس کے علاوہ باقی کسی پر اتنا تشدد نہیں کیا گیا تھا۔ آپ کو یہاں

چیف فشر ایک بار پھر سڑکاری رکھ کر مار رہے تھے۔ ایاز حیدر گھٹس بھگتا رہے تھے ان کا چہرہ دیکھ رہے تھے، یوں جیسے وہ انہیں کوئی بہت دلچسپ کہانی سناتے ہیں میں صرف تھ۔

"اور یہ جان کر بھی آپ خامے محفوظ ہوں گے کہ چاروں کے جسم سے لئے والی گولیاں ایک ہی رائفل سے چلائی گئی ہیں۔ اب پولیس فورس میں کتنے اہل نشانہ باز ہیں۔ یہ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی۔ کیا یہ حیران کن بات نہیں کہ ایک پولیس مقابلے کے چاروں جرم ایک ہی پولیس والے کا نشانہ بنے؟"

چیف فشر کے چہرے پر اب ایک عجیب سی سکراہٹ تھی۔

"ڈاکٹر کے مطابق وہ چند منٹوں کے فرق سے تقریباً ایک ہی وقت مرے ہیں اور پولیس کا کہنا ہے مقابلہ دو گھنٹے جاری رہا اور مختلف جگہوں پر انہیں شہید کیا گیا ایک رائفل ہے؟ چلو انہیں لیتے ہیں مگر جرم اکرم موت کے وقت میں دس چہرہ نہیں تو آٹھ سو منٹ کا فرق ہوتا۔" ان کی آواز میں اب کچھ کئی جھلکے لگی تھیں۔

"اور ڈاکٹر زکے یہ کہنا ہے کہ جنس نیاز کے بیٹے کو موت سے پہلے اچھے خامے تبدیل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی پہلی کی کچھ بڑیوں میں فریڈر تھے اور جسم پر چوڑوں کے کچھ نشانہ بھی تھے۔ اب آپ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟" انہوں نے کچھ طنز پر انداز میں ایک اور کھل لیتے ہوئے کہا۔

"میں صرف یہی کہوں گا کہ ایسے ڈاکٹر پر کیس چلانا چاہئے، انکوڑی ان کی ہونی چاہئے۔ جو ڈاکٹر پہلے ایک بیان دے رہے ہیں پھر دوسرا۔ ان پر اعتماد کیے کیا جاسکتا ہے؟ آپ نے ان سے یہ نہیں پوچھا کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں انہوں نے سب کچھ کیوں نہیں بتایا۔"

ایاز حیدر نے اسی پرسکون انداز میں کہا، جس پر سکون انداز میں وہ چیف فشر کی ساری گفتگو سنتے رہے تھے۔

"پوچھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ انہیں ماس حیدر نے پوسٹ مارٹم رپورٹ بدلتے پر مجبور کیا۔"

ایاز چیف فشر کی بات پر بے اختیار تھ۔

"مگر سوال تو یہ یہ ہوتا ہے کہ ماس نے ایسے کیوں کیا؟"

"اسی سوال کا جواب لینے کے لئے تو میں نے آپ کو یہاں بلایا ہے۔ آپ بتائیے ماس نے یہ سب کیوں کیا؟"

"آپ کی ماس سے بات ہو چکی ہے؟"

"ہاں۔"

"یہ سوال آپ اس سے کر سکتے تھے۔ ہزاروں زیادہ بہتر طریقے سے آپ کو ان سب باتوں کے بارے میں بتاتا۔"

"ڈاکٹر کے زیر کی بات چہرے پہلے ہوتی ہے۔ جبکہ ماس سے بات مکمل ہوتی تھی۔ اگر آپ یہاں نہ آئے ہوتے تو اس وقت ماس ہی یہاں بیٹھا ہوتا۔ میں آپ سے جانتا چاہتا ہوں۔ کیا جنس نیاز کی پہلی کے ساتھ

آپ کے کوئی اختلاف تھا؟"

"نہیں ان کی پہلی کے ساتھ ہمارے کیا اختلافات ہو سکتے ہیں۔ میں تو ان کی پہلی کو ٹھیک طرح سے جانتا تک نہیں ہوں۔ ان کا رول بیک گراؤڈ ہے، ہمارا ارہن ہے پھر کسی اختلاف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور

”ماریکے تک کس لئے؟“ عمر نے علیزہ کو بوسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اب اس کے قریب صوفہ پر بیٹھ رہا تھا۔

”دو شہلا کو نوں کرنا چاہتی ہے۔“ نانو نے کہا۔
”کس لئے؟“

”وہ اسے بلانا چاہ رہی ہے یہاں۔“

”ٹھیک ہے میرا صوبہ لے لو اس پر کال کر داسے۔“ عمر نے اپنا صوبہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
”ہاں اس پر کال کر لو۔“ علیزہ نے اس سے صوبہ لے لیا اور ادھر ادھر کر کھڑی ہو گئی۔

”تم کہاں جا رہی ہو؟“ عمر نے اسے اٹھتے دیکھ کر ڈوکا۔
”اپنے کمرے میں۔“

”میرے سامنے بات کرو شہلا۔“

”ہاں علیزہ، ہمیں فون کرنو۔“ نانو نے بھی مداخلت کی۔
علیزہ نے چونک کر عمر کو دیکھا، اس کے چہرے پر ہنسی کی علامت اور کچھ بھی نہیں تھا۔
”نہیں نانو! میں یہاں فون نہیں کر سکتی۔“ اس نے لاؤنج سے نکلے ہوئے کہا۔

”مگر بتی میں ابھی آتا ہوں۔“

علیزہ نے چلتے چلتے عمر کو کھانسی سنا، وہ اب اس کی طرف آ رہا تھا۔ علیزہ کچھ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ اب اس کے قریب آ کر بڑی نرمی سے اس کے ہاتھ سے صوبہ لے رہا تھا۔
”آؤ تمہارے کمرے میں چلیں، کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے۔“

وہ قدرے مدہم مگر مستحکم آواز میں کہہ رہا تھا۔

”مجھے بھی آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔
دو دونوں کمرے میں آ گئے۔ کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی علیزہ نے عمر سے کہا۔

”آپ نے دیکھا عمار نے ان چاروں کے ساتھ کیا کیا ہے؟“

عمر نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس سے کہا۔

”علیزہ، بیٹھ جاؤ اور بھر بات کرو۔“ وہ صوفہ پر بیٹھ گیا۔

”عمار نے ان چاروں کو گول کر دیا ہے یہ کہہ کر وہ کمرے کے صوفے پر بیٹھ گیا۔ یہ سب جھوٹ ہے، آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں۔ سب کچھ آپ کے سامنے ہی تو ہوا تھا۔“

عمار خود بھی دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا تھا اور بڑے اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”اس نے چاروں کے ساتھ وہی کارٹائل ایاز نے شہباز کے ساتھ کیا۔۔۔۔۔۔ مجھے آپ کی بات پر

یقین آ گیا ہے، آپ جب جگہ کمرہ پر تھے۔“ وہ بھی جاری تھی، عمر نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔

بلانے کی وجہ بھی بتی کہ یہ باتیں آئے سامنے ہو سکیں۔ عمار صورت حال کی چٹکنی کو انڈر اسٹینڈ کر رہا ہے۔ آپ یقیناً ایسا نہیں کریں گے۔ اب یہ آپ کو ملے کرنا ہے کہ ابھی بھی مجھے جگہ بتائیں گے یا پھر وہی سب باتیں دہرائیں گے جو پہلے دہرا رہے ہیں اور یہ بات ذہن میں ضرور رکھیں کہ ایسا کرنے کی صورت میں، میں انکار کی قسم کو پوری ادا کر دے دوں گا اور جو کچھ اس وقت میرے سامنے اس فائل میں پڑا ہے، وہ یقیناً ان تک بھی ضرور پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد آپ اور آپ کی جلی اس طرح کے کسی انکسٹریٹل کو انفرڈر کرنے کی عمار حیدر کا سوچنے اس کا کیا ہو گا۔ عمر کیا آپ کی جلی اس طرح کے کسی انکسٹریٹل کو انفرڈر کرنے کی عمار حیدر کا سوچنے اس کا کیا ہو گا۔ عمر جہانگیر وہ بھی جگہ نہیں کئے گا۔“

دو نوک سیاست دان بدور دیکھ کر ایک دوسرے کے لئے اپنے پتے بڑی ہوشیاری سے کھیل رہا تھا۔ دوسری طرف ایاز حیدر اس کی باتوں کو غور سے سننے کوئے سارے حساب کتاب سمجھ کر مصروف تھے۔

”جنس نیاز جس سیاسی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، آپ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ ابھی طرح نہ بھی جانتے ہوں تو یہ ضرور آپ کے علم میں ہو گا کہ اسٹیبل کے بہت سے کمزور کی پٹ پٹا حاصل ہے نہیں۔ ان کی بات نہ سننے پر مجھے اسٹیبل میں خاموشی شکایت کا سامنا کرنا پڑے گا اور جنس نیاز کا مطالبہ ہے، کہ آپ کے بیٹے کو معطل کیا جائے۔ اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ میں کس بنیاد پر ایسا کرنے سے انکار کروں۔ خاص طور پر یہ جاننے کے بعد کہ آپ کے بیٹے نے ایک غلط کام کیا ہے۔“

”میرے بیٹے نے کوئی غلط کام نہیں کیا، نہ عمار نے نہ ہی عمر جہانگیر نے۔ آپ کو ملے والی اطلاعات ٹھیک ہیں۔ ان چاروں کو ایک جلی پولیس مقابلے میں مارا گیا تھا اور اس لئے کیا گیا تھا کیونکہ۔۔۔۔۔۔ ایاز حیدر نے چیف فسر کی بات سننے کے بعد بڑے دھمے اور دھمک لے لیے میں بات کرنا ضرور کی۔ چیف فسر خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے۔“

☆☆☆

علیزہ نے نانو کے ساتھ لاؤنج میں ہی بیٹھ گئی تھی، جب اسے باہر پورچ میں کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔
”شاید شہلا آئی ہے۔“ نانو نے اس سے کہا۔

”نہیں یہ شہلا کی گاڑی کی آواز نہیں ہے۔“ علیزہ نے کچھ اچھے ہوئے انداز میں کہا۔ اسی وقت عمر لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ علیزہ بے اختیار رخس ہوئی۔ کچھ دیر پہلے وہ بے بسی کے جس احساس سے دوچار تھی، وہ ایک دم غائب ہو گیا تھا۔

”بیٹل۔“ عمر کا لہجہ بالکل غصہ اور خشم تھا۔ اس کے چہرے پر ہنسی تھی۔

”اچھا عمار اتم آ گئے۔ یہ علیزہ بہت پریشان ہو رہی تھی۔ فون ڈیٹ ہے اور باہر موجود پولیس گاڑی کو اندر آنے دے رہا ہے نہ ہی باہر جانے دے رہا ہے۔ علیزہ ماریکے تک جانا چاہتی تھی، تم اسے جلاؤ۔“ نانو نے عمر کو دیکھتے ہی کہا۔

”آپ شہباز کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے، مگر ان چاروں کے بارے میں ہم بہت کچھ کہہ سکتے ہیں آپ اور میں گواہ ہیں سب کچھ ہمارے سامنے ہوا تھا۔ ہم اس کو ایک غلط کام کے لئے سزا دلا سکتے ہیں۔“ وہ اب بھی بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیا یہ ضروری ہے کہ ہر غلط کام کرنے کے بعد عہدہ اور اہل ایاز جیسے لوگ بڑی آسانی سے بچ جائیں۔ کبھی تو انہیں یہ احساس ہونا چاہئے کہ وہ غلط کر رہے ہیں۔ وہ ہر کام غلط طریقے سے کر رہے ہیں، ان کے نزدیک انسانی زندگی کی اہمیت کون نہیں ہے۔“

اسے بات کرتے کرتے محسوس ہوا کہ عمر نے اب تک اس کی کسی بات کی تائید نہیں کی تھی، نہ دوسرے ذہرے کے کسی تاثر سے۔ وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ لاشعور یہ طور پر وہ یہ توقع کر رہی تھی کہ عمر اس کی ہر بات کی نہ صرف تائید کرے گا بلکہ فوراً اس کی مدد کی ہائی بھی بھرے گا۔ مگر وہ..... وہ اس کی جھٹکناٹے بے تاثر چہرے کے ساتھ بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

”کچھ اور بھی کہنا ہے جنہیں؟ یا میں یہی سب کہہ چکا تھا؟“ اس کے ایک دم خاموش ہونے پر اس نے کہا۔ اس کا لہجہ اتنا عجیب تھا کہ وہ چاہنے کے باوجود ایک لفظ بھی نہیں بول سکی۔

”میرا نام کیوں نہیں کیا تم نے اس سلسلے میں..... ایاز اہل، عباس حیدر اور عمر جاگیر؟“ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”مجھ کو بھی اس کی ٹیکری میں رکھو۔“

”عمر امیں.....“

عمر نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی۔ ”زندگی میں جو لوگ دماغ کو استعمال نہیں کرتے، وہ ہمیشہ مرد کے بل کر رہتے ہیں اس لئے اپنے دماغ کو استعمال کرنا سیکھو۔“ اس پر اس کی آواز میں تھپی۔

”اور جو لوگ صرف دماغ استعمال کرتے ہیں، وہ کیسے کرتے ہیں؟“

”وہ مگر سستے ہیں مگر مدد کے بل نہیں۔ عباس نے ایک صحیح کام کیا۔“

”اس نے آپ کی برین واشنگ کر دی ہے، ورنہ آپ اس طرح کے قتل کو تو کبھی صحیح جاہت کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔“ وہ بے اختیار رہ رہی سے بولی۔ وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔

”برین واشنگ مانی فنٹ۔ میں کوئی پانچ سال کا بچہ نہیں ہوں جس کی برین واشنگ کر دی گئی ہے۔ اس ذات ان چاروں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ دم دلوں سے مل کر طے کیا تھا۔“

وہ دم بخود اسے دیکھتی رہی وہ بڑے اطمینان سے اسے بتا رہا تھا۔

”اس کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ ہمارے پاس نہیں تھا۔“

”آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ عباس ان لوگوں کو لاک اپ میں بند کر دے گا۔ ان پر کورٹ میں کیس چلے گا۔“ اس نے غلط آواز میں کہا۔

”میں نے جھوٹ بولا تھا۔“

وہ اس کا منہ دیکھ کر رو گئی۔

”فطیلہ سکندر کو بھی عمر میں یہ خوف بنانا دینا کا آسان ترین کام ہے۔“ اس نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔ ”میں لوگوں کو چاہتا ہوں اور رکھنے میں آج بھی اتنی ہی ناکام ہوں جتنا پہلے تھی۔ کوئی ڈگری، کوئی تجربہ، بیڑی کچھ داری میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ میں کبھی بھی لوگوں کے لفظوں میں چپے ہوئے اصلی مفہوم تک نہیں پہنچ سکتی یا شاید عمر جاگیر وہ شخص ہے جس کے لفظوں کو میں کبھی چاہتا نہیں جاہوں گی۔“

”یہ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ مجھے صاف صاف بتا سکتے تھے۔“

”تاکہ جو طاقت اب کر رہی ہو، وہ اسی وقت کرنا شروع کر دیتیں۔“ اس کی آواز میں اس بار تڑپ تھی۔

”کیا کرنا شروع کرو جی؟“

”تم بہت اچھی طرح جانتی ہو کہ تم کیا کر رہی ہو؟“ اس کی آواز میں تنبیہ تھی۔

”نہیں، میں نہیں جانتی میں کیا کر رہی ہوں۔ آپ بتا دیں۔“

”عباس کو فون پر کیا کیا تھا تم نے؟“ وہ چند لمحوں کے بعد اسے گھورتے رہنے کے بعد بولا۔

علیہ وہ اب کوئی خوش فہمی باقی نہیں رہی..... اس کا ایک اور انداز وہ بالکل غلط ثابت ہو گیا۔ وہ جان مٹی تھی وہ یہاں کس کے لئے آیا تھا۔ عباس کو بچانے کے لئے یا پھر شاید اپنے آپ کو بچانے کے لئے۔

”اگر آپ کو یہ پتا ہے کہ میں نے عباس کو فون کیا تھا تو پھر یہ بھی پتا ہو گا کہ کیوں کیا تھا۔“ اس نے اپنی آواز پر تھپی افسردہ کا پلاپتے ہوئے کہا۔

”تم اپنے لئے اور دوسروں کے لئے پراہلو پیدا کرنے کی کوشش مت کرو۔“ اس نے تیز آواز میں اس سے کہا۔

”میں کس کے لئے پراہلو پیدا نہیں کر رہی۔ میں صرف وہ کر رہی ہوں جسے میں ٹھیک سمجھتی ہوں۔“

”کیا ٹھیک سمجھتی ہو تم خود کو خاندان کا اسکینڈل لائز کرنا.....“

”میں کس کو اسکینڈل لائز نہیں کر رہی ہوں۔“ اس نے عمر کی بات کاٹ دی۔ ”اگر آپ کو اس چیز کا خوف تھا تو آپ کو یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہئے تھا۔“

”اچھا یہ نہیں کرنا چاہئے تھا؟ تو پھر کیا کرنا چاہئے تھا تم بتاؤ گی مجھے؟“

اس کی آواز میں طرہ تھا اور وہ اسے بخوبی محسوس کر سکتی تھی۔

”آپ کو وہی کرنا چاہئے تھا جو مناسب تھا، جو جائز تھا۔ آپ کو انہیں صرف لاک اپ میں بند کر دینا چاہئے تھا۔ ان پر کورٹ میں کیس چلنا پھر جو سزا کورٹ انہیں دے گی آپ اس پر عمل کر سکتے۔“

”لاک اپ میں بند کرنا چاہئے تھا؟ کتنے گھنٹوں کے لئے؟“

”کیا مطلب؟“

”جیسے کچھ اندازہ ہے کہ وہ کتنے بااثر گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں لاکھ آپ میں بند کیا جاتا اور رات گزرنے سے پہلے انہیں چھڑوا لیا جاسکتا ہے ایک فون پر کسی حثایت یا کارروائی کے بغیر۔“
 ”یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ لوگ ایف آئی آر ریزر کرتے تو وہ کیسے ہاؤس کئے تھے۔“
 ”کوئی ایف آئی آر اور کیا حیثیت ہے ایک ایف آئی آر کی؟ جانا چاہو گی؟“
 عمر نے ترش لہجے میں کہتے کہتے سائیکل پر پڑے ہوئے بیچرے میں سے ایک کے لیے برق رفتاری سے پھاڑتے ہوئے قالین پر اچھال دیا۔

”یہ حیثیت ہے ایک ایف آئی آر کی۔ جو کام میں نے یہاں تمہارے سامنے پیش کر کیا ہے وہ ایسے بااثر خاندانوں کے لوگ پولیس اسٹیشن میں پیش کر رہے ہیں۔“

پھٹ

وہ دم سادھے قالین پر گرے ان گڑوں کو دیکھتی رہی۔
 ”کانڈے کے ایک ردی کلو سے زیادہ اہمیت نہیں ہوتی ایف آئی آر کی کوئی سا خاندان اسے سپیٹوں کا نام پولیس اسٹیشن کے ریکارڈ میں آنے دے گا۔ چاہے انہوں نے جو بھی کیا ہو، یہ خاندان کی ساکھ اور مستقل کا معاملہ ہوتا ہے۔ کوئی ان چیزوں کو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔“ وہ رسایت سے ہلکا جا رہا تھا۔

”اور اس صورت حال سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو مار دیا جائے۔ ایک جعلی پولیس مقابلے میں۔ اس طرح سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ سطر سے بولی۔

”سب کچھ نہ کی بہت کچھ۔“

”آپ کی کوئی بات مجھے قائل نہیں کر رہی۔ سوچے کچھ بغیر ایک غلط کام کرنے کے بعد آپ اسے معج ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ کہہ کر ایف آئی آر کے باوجود بھی وہ چھٹ جاتے۔ آپ ان کو نہ رہا ہونے دیتے۔ اتنا اثر و رسوخ تو ہمارے خاندان کا بھی ہے، ان چاروں کو کوڑتھ ٹیک لے جانا آپ کے لئے کوئی مشکل یا نا ممکن کام نہیں تھا۔“ وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

”اچھا لے جاتے ان چاروں کو ہم کوئی دم میں، اس کے بعد کیا ہوتا؟“ وہ پوچھنے کرنے والے انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

”ان پر کیس چتا کوٹ انہیں سزا دیتی۔“

”کون سے یونیورسٹی میں ہوئی ہو تم ظلمہ وایاں اس ملک میں ایک بااثر خاندان کے فرد پر ایک لڑکی کا بچھا کرنے پر کیس چلا۔ جب یہ ہوتا شروع ہو جائے گا تو پھر ایسے لوگ پولیس مقابلوں میں مارے نہیں جائیں گے مجھ وہ واقعی کوئی شرمکے ہو چکا ہے جائیں گے۔“ اس نے اب صوفے کی پشت سے تکی لگا لی۔

”یہاں اب کوئی شرم نہیں بچر افساف کرتے نہیں، افساف بیچتے ہیں۔ جب میں روپیہ اور ماتے پر پڑے خاندان کی اسٹپ ہوئی جا پتے پھر کیل کی ضرورت نہیں پڑتی۔ نہ گواہی، نہ بیجوں کی پھر جی خود آپ کا ہو جاتا ہے۔ ہائی کوٹ کے جج کے بیٹے کو کون سا جج سزا دیتا۔“

وہ اب عجیب سے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

”چمبر آف کامرس کے ایک ممبر کے بارے میں کون سا قانون کے پیچھے رکھ سکتا ہے اور کتنی دیر۔“
 ”پھر کبھی آپ کوشش تو کر سکتے تھے، قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا حق آپ کو کس نے دیا؟“ وہ اس کی کسی بات سے قائل نہیں ہوتی تھی۔
 ”قانون کو ہاتھ میں اس لئے لینا پڑا کیونکہ قانون ان چاروں کے بارے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چاروں اسی رات مار کر ہلاکے جاتے اور اگر کسی طرح ان پر کیس کر بھی دیا جاتا تو کس طرح بیٹا جاسکتا تھا، بیٹوت کیا تھے ہمارے پاس؟“

وہ بے چینی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”بیٹوت تھے ہمارے پاس۔“ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”کون سے بیٹوت؟ پولیس جب گھر پہنچی تو ان چاروں میں سے کوئی بھی وہاں نہیں تھا۔“

”لیکن اس گھر کے لوگوں نے انہیں دیکھا۔ جب وہ زبردستی اندر آئے تھے۔“

”اس گھر کے لوگ؟“ وہ استہزائی انداز میں چننا۔ ”اس گھر کے کتنے لوگ تمہارے لئے گواہی دینے کو رٹ میں آئیں گے، ایک بھی نہیں۔“

”آپ انہیں ایسا کرنے کے لئے پریٹرائز کر سکتے ہیں۔“

”اور یہی کام نہ کرنے کے لئے ان چاروں کے گھر والے بھی انہیں پریٹرائز کر سکتے تھے۔“

”ٹھیک ہے وہ گواہی دے دیتے، میں تو بے کسی تھی۔ میں بچپانی میں ان چاروں کو۔“

وہ اس کی بات پر ایک بار پھر چننا۔

”تم کون ہو ظلمہ وکندہ کیا حیثیت رکھتی ہے تمہاری گواہی۔ جاتی ہو دو کن اورادوں میں پڑھ رہے تھے؟ کوڑتھ تم سے پوچھتی کہ چار ماہی حسب نسب کے نو جوانوں نے آخر تمہارا ہی کیوں بچھا کیا۔ ہو سکتا ہے تم نے ان کو ترغیب دی ہو؟ ہو سکتا ہے وہ کہہ دیے کہ وہیں پہلے جاتے ہیں اور ان میں سے کسی کا تمہارے ساتھ اخیر چل رہا تھا۔ جب اس نے تمہارے ساتھ تعلقات ختم کئے تو تم نے اسے سزا دینے کے لئے یہ سب کچھ پلان کیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ صاف صاف کہہ دیے کہ انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا، وہ جیسے جانتے تھے انہیں اور رات وہ چاروں اپنے اپنے گھر میں تھے، وہ دو تو ہم نے بھی گھر سے ہی اٹھایا۔ یا پھر ہو سکتا تھا کہ ان کے خاندان نے کہتے کہ یہ ان کے کسی دشمن کی سازش ہے، کوئی ان کی رہنمائی خراب کرنا چاہتا ہے۔ تم کیسے کاؤنٹر کرشن ان سب چیزوں کو، کوڑتھ پہلی ہی جوشی میں ان چاروں کو بری کر دیتا۔“

”باعتز بری“ اور اس کے بعد تم کہاں پر کھڑی ہوئیں؟“

وہ کسی ترمیم کے بغیر بڑی بے دلی اور اسفا کے اسے سب کچھ سنارہا تھا۔

”ٹھیک ہے کوڑتھ انہیں سزا دیتی، مگر سب کچھ جائز طریقہ سے ہوتا، غلط طریقہ سے تو نہیں۔“

”اور اس جائز طریقہ کا جو غیاز وہ تم کو بھٹاتا پڑتا اس کا اندازہ ہے جنہیں۔ جو لڑکے اتنی دیدہ دلیری کے

اب بلند آواز میں بول رہی تھی۔

”تم میں سے یہ سننے نہیں آیا کہ میں کون ہوں یا کیا ہوں۔ میں تمہیں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ تم جنس نیاز کو فون نہیں کرو گے۔“

حمر نے اس کے رد عمل کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”میں جنس نیاز کو فون نہ کروں گی۔ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پوسٹ۔ تم یا عباس کب تک مجھے یہاں قید کر کے رکھ سکتے ہو۔ چند دن؟ چند ہفتے؟ چند مہینے؟ چند سال؟ کب تک، آخر کب تک۔ مجھے جب یہ موقع ملے گا تو سب سے پہلا کام یہی کروں گی۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ تم کو مجھ سے جان چھڑانے کے لئے مجھے بھی مار ڈالو۔ شہباز کی طرح، ان چاروں لڑکوں کی طرح، کبھی پولیس مقابلیں میں بھی طرح طرح کے ختموں کو آسانی ہو جائے گی۔“

حمر نے مکمل خاموشی جمائی۔ وہ دونوں اب چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ اس خاموشی کو

حمر نے توڑا۔

”تم جنس نیاز کو ضرور بتاؤ گی۔“

”ہاں میں ضرور بتاؤں گی۔“

وہ اسے دیکھتا رہا مگر کچھ بھی کہے بغیر بے تاثر چہرے کے ساتھ اس نے موہاں اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ

ایک دم گڑبڑا گئی۔

”ابھی دو ہفتوں ضرور ہوگا تمہارے پاس۔“ ہچکچانے کی ضرورت نہیں ہے، لو، غیر ملاؤ اور بات کرو۔

انہیں بتاؤ کہ ہم نے ان کے بیٹے کے ساتھ کیا کیا ہے۔“

اس کا بوجھ چھپ تھا۔ وہ چہلے اسے دیکھتی رہی۔

”میں غیر ملاؤں۔“ وہ اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر خود غبر ملانے لگا۔

”خیلو میں مگر جاگیر ہوں، جنس نیاز سے بات کروائیں۔“

وہ اب کال ملا کر آپ بٹر سے کہہ رہا تھا۔ آپ بٹر سے بات کرنے کے بعد اس نے فون علیحدہ کی طرف بڑھا

دیا۔ اس بار علیحدہ گھر کے بجائے نئی کڑا کراس سے موہاں پکڑ لیا۔

کچھ دیر بعد شہباز غار لائن پر تھے اور وہ ان سے بات کر رہی تھی۔ اس نے انہیں اس رات کے تمام

واقعات سے آگاہ کر دیا مگر اس نے اپنا تاثر دیکھ کر اور فون نمبر بھی انہیں بتا دیا۔

”کیا تم یہ سب پڑھیں اور کورٹ میں کہہ سکتی ہو؟“ انہوں نے اس کا ایڈریس نوٹ کرنے کے بعد صرف

ایک ہی سوال کیا۔

”ہاں جب بھی آپ چاہیں۔“

”فیک ہے، میں بہت جلد تم سے کانٹیکٹ کروں گا۔“

رابطہ ختم ہو گیا اس نے کچھ کہے بغیر فون عمر کی جانب بڑھا دیا۔

ساتھ تمہارے نام پتہ سے واقف نہ ہونے کے باوجود تمہارا اس طرح چھپا کر رہے تھے۔ وہ تمہارے بارے میں

جاننے کے بعد تمہیں چھوڑ دیتے۔ تم ان کو کورٹ میں لے کر جاتیں اور وہ اس کے بعد تمہیں بخش دیتے۔“

”آپ عباس کی طرح Hypothetical (فرضی) باتیں نہ کریں۔ وہ کیا کر دیتے، کیا کر سکتے تھے۔ یہ

ہو جاتا وہ جو جانا حقیقت تو یہی ہے کہ انہوں نے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچایا۔“

”عباس فیک کہہ رہا تھا، تم کج کج حواس کو بکھو ہو۔“ حمر نے اعتراض بھجھا دیا۔

علیحدہ سے اسے دیکھا۔ ”یہ جو اتنا لاپرواہیانا دے رہے ہیں آپ، اس کے بجائے آپ صرف یہ کیوں

نہیں کہہ دیتے کہ عباس اور آپ کے لئے یہ آکا مسئلہ نہ بن گیا تھا۔ وہی مثل شہباز مگر جو یہ برداشت نہیں کر سکتا کراس

کی فحش کی صورت کو ایسے کسی کراس سے گزرا پڑے۔ آپ کی نسبت عباس زیادہ صاف گو ہے۔ جس نے واضح طور

پر اس بات کا اقرار کیا۔ آپ صرف ایک کے بعد دوسرے کے بعد تیسری وضاحت نہیں کھینچتے ہیں۔ آپ بھی عباس

کی طرح یہ اعتراف کر لیں کہ یہ صرف Family Pride (خاندانی افتخار) ہی مجھے Intact (تام) رکھنے کے لئے

آپ نے یہ سب کیا۔“

حمر نے اس کی بات کے جواب میں بڑے واضح انداز میں کہا۔

”اوکے، تم ایسا سمجھتی ہو تو ایسا ہی سمجھاؤ۔ ہاں میں بھی یہ برداشت نہیں کر سکا کہ کوئی میری فحش کی کسی صورت

کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرے، کیا یہ کافی ہے تمہارے لئے؟“

”کیا وہی عمر ہیں آپ، جو چند ماہ پہلے شہباز منیر کے موت پر دادیلا کر رہا تھا اور آج وہ خود چارنا سونوں کو

مارنے کے بعد بھی غمیر پر کوئی بوجھ نہیں محسوس کر رہا۔ کیا اگلے ایاز کے قتل کے دم پر قتل رہے ہیں آپ بھی؟“

اس نے غصے سے کہا۔

”اس وقت شہباز منیر کی بات نہیں ہو رہی۔“ حمر نے اسے ٹوک دیا۔

”کیوں نہیں ہو رہی؟ ہوئی چاہئے۔ اگر آپ کو ان چاروں کو مارنا فیک لگے تو وہ ہو سکتا ہے اس وقت اگلے

ایاز کو بھی شہباز کو مارنا فیک لگے ہو۔ ہر شخص اپنے ہر ارشیں کو حق بجانب ثابت کر سکتا ہے۔ کیا میں نے فیک کیا؟“

”ہاں ہو سکتا ہے، اس وقت شہباز کا مارا جانا فیک ہو۔ ہو سکتا ہے اگلے ایاز نے ایک فیک دم اٹھایا ہو۔“

وہ اس کے جواب پر دھک رہ گئی۔

”اور تم؟ تم وہ شخص تھے، جس کی وجہ سے وہ مارا گیا۔“ وہ بری طرح مشتعل ہو گئی۔ پہلی بار اس نے عمر کو

آپ کے بجائے تم کہہ کر مخاطب کیا تھا اور اس تبدیلی کے عمر کو تنہا نہیں کیا۔

”اور تم وہ شخص تھے جو مجھ کی طرح اس کی موت پر آکسو بہا رہے تھے، اور آج تم یہ کہہ رہے ہو کہ اس کی

موت صحیح تھی۔ تم کو شرم آتی چاہئے۔“ وہ حمر سے اٹھ گئی۔

”تم سب لوگ ایک جیسے ہوتے ہو۔ دوسروں کو کھوں کی طرح نوچنے والے، اپنا ہتھ لے کر اطمینان

سے بیٹھ جانے والے۔ بس یہ ہے کہ تم میں سے کچھ کے دانت شروع میں نظر آ جاتے ہیں، کچھ کے بہت دیر میں۔“ وہ

وہ عمر کے چرے پر جو دیکنا چاہتی تھی۔ اسے نظر نہیں آیا۔ وہ پریشان تھا نہ ہی خوفزدہ اس کا چہرہ بے نیاز تھا۔ اس نے علیزہ کے ہاتھ سے موہاں لے لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ علیزہ کو اس وقت بے پناہ خوشی کا احساس ہوا تھا۔ اپنے کندھے سے ایک دم بہت ہلکے ہلکے گئے تھے۔

”فون کچھ دیر بعد فیک ہو جائے گا اور میں اس سے کہہ دوں گا وہ باہر موجود پولیس گارڈ پٹالے گا۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد تم اپنے ہر فیصلے کی ذمہ دار ہو گی۔ فیصلوں کی بھی اور ان کے نتائج کی بھی۔ میں یا کوئی دوسرا جس میں دیکھانے یا کچھ بھی سمجھانے نہیں آئیں گے۔ تم آزاد ہو جس طرح چاہے اپنی زندگی کی راہوں کا تعین کر سکتی ہو۔“

وہ ابھی راز میں اس سے بات کر رہا اور پھر کمرے سے چلا گیا۔

☆☆☆☆

اس نے اپنے بہت قریب کہیں بے تحاشا فائرنگ کی آواز سنی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ خوف کی ایک لہر اس کے پورے جسم سے گزری۔

وہ یک دم بڑا کر اٹھ بیٹھی۔ چند لمبے پہلے جو چیز اسے اپنا راہبر محسوس ہوئی تھی، وہ ہم نہیں تھی مگر کے باہر مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ کتنا باہر۔ وہ اندازہ نہیں کر سکتی۔

رکے ہوئے سانس کے ساتھ اپنے بند پر بیٹھی، وہ چند لمحوں تک صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ مگر اسے مکمل اندھیرا تھا۔ نائٹ بلب کی آف تھا۔ وہ رات کو نائٹ بلب جلائے بغیر کسی نہیں سوئی تھی مگر اس وقت۔۔۔۔۔۔

ہوش نہیں آتے ہی اسے صورت حال کی سمجھنا کا اندازہ ہونے لگا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کے دل کی دھڑکن کی دقت بھی رک جاتی ہے۔ جب کچھ چند لمحوں میں۔۔۔۔۔۔

اندھیرے میں کانپتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ اس نے ہار کی میں بیڑہ سائیلنٹ لپ کو آن کرنے کی کوشش کی اور اس وقت اسے اندازہ ہوا کہ لائٹ نہیں تھی۔ اسے نائٹ بلب سے بچنے ہونے کی وجہ میں آگئی۔

اگلا خیال اسے ناؤ کا آیا تھا۔ ”نہیں وہ کہاں ہوں گی؟ شاید اپنے کمرے میں یا پھر۔۔۔۔۔۔“ اس نے بیڑہ کو نولتے ہوئے فرش پر کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ فائرنگ اب بھی کسی توقف کے بغیر جاری تھی۔ لڑکھڑکاتے قدموں کے ساتھ اندھیرے میں دروازہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ رستے میں آنے والی کئی چیزوں سے ٹکرائی مگر دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔

دروازے کو کھول کر وہ گوریڈ میں نکل آئی۔ گوریڈ وہی مکمل طور پر تاریک تھا۔ فائرنگ میں اب اور بھی شدت آگئی تھی۔ علیزہ نے گوریڈ کی دیواروں کو نولتے ہوئے ناؤ کے کمرے تک پہنچنے کی کوشش کی۔ ناؤ کے کمرے کے دروازے تک پہنچنے ہی اس نے وحشت کے عالم میں اسے دھڑ دھڑایا۔ دروازہ لاٹھ لٹھ تھا۔

”ناؤ۔۔۔۔۔۔ ناؤ۔۔۔۔۔۔ دروازہ کھولیں۔ میں علیزہ ہوں۔“ اس نے بلند آواز میں پکارنا شروع کر دیا۔ فائرنگ کی آواز کے دوران بھی اس نے اندر سے آنے والی ناؤ کی آواز سنی۔

”علیزہ۔۔۔۔۔۔! ظہور! میں آ رہی ہوں۔۔۔۔۔۔ دروازہ کھولتی ہوں۔“

چند لمحوں کے بعد ناؤ نے دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ ناؤ بہت خوفزدہ لگ رہی تھیں۔

”مجھے نہیں معلوم ناؤ! یہ کیا ہو رہا ہے؟“

”تم فیک تو ہو؟“

”ہاں میں فیک ہوں۔ آپ فیک کیسے ہیں؟“

”ہاں میں ابھی تمہارے پاس ہی آنا چاہ رہی تھی مگر اندھیرے میں رستہ۔۔۔۔۔۔“ وہ خامی سرانگی کے عالم میں ابھری تھیں۔

”اور لائٹ۔۔۔۔۔۔ پائپیں لائٹ کیوں چلی گئی ہے؟“

”ناؤ! یہ فائرنگ کہاں ہو رہی ہے؟“

”چاہئیں۔۔۔۔۔۔ مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے۔“ اندھیرے میں ناؤ کی آواز ابھری۔

”میں سن کر نا چاہتے۔ پولیس کو۔“ علیزہ نے بے تابی سے کہا۔

”کیا آپ نے پولیس کو کون کیا ہے؟“

”نہیں۔۔۔۔۔۔ میں تو کچھ سمجھ ہی نہیں پاری۔۔۔۔۔۔ ابھی میں چند منٹ پہلے ہی ابھی ہوں۔“

”چاہئیں! ابھی کہاں ہے؟“ علیزہ نے پوچھا۔ ”ناؤ!۔۔۔۔۔۔ میں لاؤنج میں جا کر اس سے انٹرکام پر فائرنگ کے بارے میں پوچھتی ہوں۔ ہو سکتا ہے یہاں سے مگر کے باہر نہ ہو رہی ہوں۔“ علیزہ نے کسی امید کے تحت کہا۔

”ظہور! میں ابھی تمہارے ساتھ نکلتی ہوں، مجھے خارج نکال لینے دو۔“ ناؤ نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

”ناؤ! ابھی بھی اسی طرح جاری تھی، اس کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔“

ناؤ اب خاموش تھیں۔ وہ کمرے میں خارج ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”ناؤ! پلیز، جلدی کریں۔ اگر خارج نہیں مل رہی تو رہنے دیں۔ بکن سے خارج لے لیں گے یا پھر اسی لبرج لاؤنج میں چلتے ہیں۔“ علیزہ نے بے ہمتی سے کہا۔

”نہیں! لٹی لٹی ہے مجھے۔“ ناؤ نے اسی وقت خارج روشن کر دی۔ کمرے کی تاریکی یک دم ختم ہو گئی۔

وہ ناؤ کے ساتھ چلتے ہوئے لاؤنج میں آگئی۔ انٹرکام کا سیدھا رٹا کر اس نے گیٹ پر چوکیدار کے کہیں میں اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکی۔

”کیا ہوا؟“ ناؤ نے بے تابی سے پوچھا۔

”میں تو بھول رہی تھی لائٹ نہیں ہے۔ انٹرکام کیسے کام کر سکتا ہے۔“ علیزہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”کیا باہر نکل کر اسے دیکھیں۔“

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ ”علیزہ! بی بی! آپ باہر مت آئیے گا۔“ پیچھے سے خانا ماں کی آواز آئی تو وہ

ایک کمری۔

”مگر نانا وہ لوگ پولیس کو ضرور اطلاع کر دیں گے، بلکہ ہو سکتا ہے اب تک وہ پولیس کو اطلاع کر چکے ہوں۔ ابھی پولیس آنے والی ہی ہوگی۔“

علیہ نے کہا۔ نانا اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے خاموش رہیں۔
تاریخ کی مدد پر روشنی میں بے تحاشا فائرنگ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازوں میں، وہ چند لمبے دم سادے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔

”یہ سب عمر کی وجہ سے ہوا۔ اس نے پولیس گاڑیوں بٹائی ہے۔“ نانا اچانک غصیلی آواز میں پولیس۔
شام کو پولیس گاڑی بھی اور اب ہم یہ سب بھگت رہے ہیں۔“
علیہ دیکھ نہیں بول سکی، وہ کچھ چپری ہی مگنی، وہ انہیں بات نہیں سن سکتی تھی کی یہ سب کچھ خود اس کی وجہ سے.....
نانا ایک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ ”میں مرے سے بات کرتی ہوں۔ وہ کچھ کرے۔“
وہ تاریخ بکڑے باہر کی طرف بڑھیں، علیہ خاموشی سے انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ نانا ب مرید بابا سے بات کر رہی تھیں۔

”تم کسی طرح کو اڑے باہر لکل کر ساتھ والے گھر کی دیوار چھلاک کر ان کے ہاں جانے کی کوشش کرو۔
انہیں ساری صورت حال بتاؤ۔“

علیہ نے اچانک ان کے پاس آتے ہوئے ان کی بات کاٹی۔
”مگر نانا! مرید بابا کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ اگر ساتھ والوں کے چنکدار نے ان پر فائرنگ کر دی تو..... اور وہاں بھی تو کتے موجود ہیں۔“

”تو پھر کیا کیا جائے۔ آخر کتنی دیر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا جا سکتا ہے۔“ نانو نے اسے جواب دیا
علیہ ان کی گھبراہٹ اور پریشانی کا اندازہ نہ کر سکتی تھی۔ وہ خود بھی ان ہی کیفیات سے دوچار تھی مگر وہ بھر بھی سوچ رہی تھی کہ چند منٹوں کے بعد پولیس کسی نہ کسی طرح وہاں آ جائے گی اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ چند دن پہلے ہونے والے واقعہ نے اگر ایک طرف اسے خوف اور سراسیمگی سے دوچار کیا تھا تو دوسری طرف وہ یہ بھی جان گئی تھی کہ اسے مضبوط پٹ پٹائی حاصل ہے اور اس کی صورت حال میں وہ کسی عام شہری کی طرح غیر محفوظ نہیں تھی اس لئے پریشان ہونے کے باوجود وہ بھگتی راہ کی طرح سراسیمگی کا دکھ نہیں تھی۔

”چاہئیں اور کیا کیا مصیبت ابھی باقی ہے۔“ نانو نے سو منے کی طرف جاتے ہوئے کہا شروع کیا۔
”ابھی بھلی زندگی گزر رہی تھی اور اب اچانک.....“

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی اور سر پکڑے ہوئے صوفہ پر بیٹھ گئیں۔ علیہ ان کی ادھوری بات بہت اچھی طرح سمجھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ کچھ اسی کی وجہ سے ہو رہا تھا اور پچھلے کچھ دنوں سے نانو کے لئے وہی کسی نہ کسی طرح پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ پولیس گاڑی بنائے جاتے ہی اس طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

”کیوں؟“

”ہمارے گھر پر فائرنگ ہو رہی ہے۔“

”ہمارے گھر پر؟“ اس کا دل اچھل کر مقلع میں آ گیا۔

”ہاں، میں کچھ دیر پہلے باہر نکلا تھا مگر امی نے مجھے واپس بھجوا دیا۔“ نانا اس نے چنکدار کا نام لیا۔

”فائرنگ کون کر رہا ہے؟“ علیہ نے پوچھا۔

”یہ تو نہیں پتا..... مگر امی گھر پر تھا کہ باہر کی گاڑی ہے اور کچھ لوگوں نے دیوار چھلا گئے کی کوشش بھی

کی۔ وہ اندر آنا چاہ رہے تھے۔ کتوں کے بھونکنے پر امی نے انہیں دیکھا اور وہ اندر نہیں آئے مگر اس کے بعد سے وہ مسلسل فائرنگ کر رہے ہیں۔ امی بھی ان پر جوابی فائرنگ کر رہا ہے۔ مگر وہ لوگ تعداد میں زیادہ ہیں اور ابھی تک گیت کے باہر موجود ہیں۔ انہوں نے گیت پر بھی بری طرح فائرنگ کی ہے۔“ وہ مرید بابا کی پلٹتی آواز میں روش محسوس کر سکتی تھی۔

”ہمارے گھر کے علاوہ اور گھر کے تمام گھروں میں لائن موجود ہے۔ شاید انہوں نے بجلی کی سپلائی کاٹ دی ہے۔ امی خوفزدہ ہے کہ کبھی وہ اندر نہ آ جائیں۔ اندر میرے میں وہ انہیں دیکھ نہیں سکے گا۔“

”مرید بابا میں ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں۔ آپ گھبراہٹ میں مت، بس اپنے کوارٹر میں ہی رہیں۔“

علیہ نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی۔

”علیہ! اب کیا ہو رہا ہے؟“ نانو نے حد خوفزدہ تھیں۔

”میں پولیس کو فون کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی پولیس آ جائے گی، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“

علیہ نے ان کا کام بند کر دیا اور تیزی سے فون کی طرف بڑھی۔ فون لائن کا ریسپورڈ تھا جسے وہ سناٹ ہو گئی۔

”کیا ہوا؟“ فون ملاؤ۔“

”نانو! فون ڈیلے ہو، شاید کسی نے فون کی تار کاٹ دی ہے۔“ اس نے کانپتے ہاتھ کے ساتھ ریسپور

واپس رکھتے ہوئے کہا۔

”اور میرا سواکل بھی کام نہیں کر رہا، اس کا کارڈ ختم ہو چکا ہے۔“

”میرے خدا اب کیا ہو گیا؟ اگر یہ لوگ اندر آ گئے تو؟“ نانو اپنے قدموں پر کھڑی نہیں رہ سکیں۔ وہ صوفے

پر بیٹھ گئیں۔

”جیسا، وہ اندر کیسے آئیں گے؟ پورا علاقہ جاگ چکا ہے..... اتنی فائرنگ ہو رہی ہے۔ ابھی کچھ دیر میں ساتھ والے گھروں کے چنکدار بھی باہر لکل آئیں گے۔ مگر یہ لوگ بھاگ جائیں گے۔“ علیہ نے اپنے خنک

ہوتے ہوئے حلق کے ساتھ کہا۔

”بے وقوفی کی باتیں مت کر علیہ۔“ نانو نے اسے ڈانٹا ”کون اپنے گھر سے اتنی بے تحاشا فائرنگ میں

باہر نکلے گا؟ کوئی نہیں۔“

ہک کر ناؤ کی طرف تھی۔

”اب کیا ہوگا ناؤ؟ وہ لوگ اندر آچکے ہیں۔ اور پتا نہیں۔ پتا نہیں انہوں نے چوکیدار اور مرید بابا کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟“

اس نے ناؤ کے قریب جا کر دبی ہوئی آواز میں کہا۔ ناؤ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”پتا نہیں اب کیا ہوگا؟“

”اگر یہ لوگ دروازہ کھول کر اندر آجائے تو؟“

”طیور! ہمیں لاؤنج سے چلے جانا چاہئے۔“ ناؤ نے دبی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔

”کہاں چلے جانے چاہئے؟“

”اندرونی کمرے میں۔“

”ناؤ! وہ وہاں بھی آجائیں گے۔ ہم کہاں چھپیں گے۔ وہ ہمیں ڈھونڈ لیں گے۔“ وہ اب روہا کی ہو

رہی تھی۔

دروازے پر ایک بار پھر آوازیں گونج رہی تھیں۔ تاب کو ایک مرتبہ پھر چھریا جا رہا تھا۔ پھر باہر سے ایک بھاری اور بلند مردانہ آواز میں کسی نے کہا۔

”ہم لوگ جانتے ہیں اندر صرف تم دونوں ہو۔ ہم صرف طیور کو یہاں سے لے جانے کے لئے آئے

ہیں۔ اور اسے نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ بہتر ہے تم دونوں دروازہ کھول دو۔ ورنہ ہم دروازہ توڑ دیں گے۔“

دشمن اور کرنگلی سے کہے گئے، ان جملوں نے اندر موجود دونوں عورتوں کے ہائی نامہ حواس بھی کم کر دیئے تھے۔

”میرا نام۔“ یہ میرا نام کیسے جانتے ہیں؟“ طیور نے خوف اور بے چینی کے عالم میں کہا۔

”ان کو کس نے سنبھالا؟“ اللہ!۔“ طیور نے سب کیا ہو رہا ہے؟“ ناؤ یک دم کھڑکی ہو گئیں۔

”ہمیں صوفت میں چلے جانے چاہئے۔ یہ لوگ وہاں نہیں آئیں گے۔ جلدی کرو۔“ وہ طیور کا ہاتھ پکڑ کر

کھینچنے لگیں۔

”جب تک پولیس نہیں آجائے ہم وہیں چھپے رہیں گے۔“ تنجری سے اس کے ساتھ چھپنے ہوئے ناؤ نے

کہا۔ وہ ماذف ہوتے ہوئے ذقن کے ساتھ ناؤ کی ہدایت پر بلا چڑھ چڑھ کر تھی۔

تھہرنا خانہ کار دروازہ اندر سے لاک کرنے کے بعد ناؤ نے نارنج اندر سے بجادی۔ وہ تاریکی میں۔ ایک

پرانے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ جو وہاں پڑا ہوا تھا۔ وہاں بہت زیادہ پرانا سامان پڑا ہوا تھا اور وہ ایسے سامان کو اسطور کرنے

کے لئے ہی کام میں لایا جا رہا تھا۔ وہاں بیٹھ کر وہ اوپر گھر میں ہونے والی کسی کارروائی کو جان نہیں سکتی تھیں۔

طیور کا ذقن اب بھی اس شخص کے کہے جانے والے جملے میں اٹکا ہوا تھا۔

”میرا نام۔“ میرا نام۔“ آخر کس لئے۔ یہ کیوں لوگ ہیں؟“ اسے اپنا

آپ کی کھڑکی کے جال میں پھنسا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ چند نر پھیلے کی پر سکون زندگی یک دم جیسے قصہ پارینہ بن گئی

اس کا خیال تھا کہ ماہاس اور ضرورت سے زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کر رہے تھے اور اس کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ مگر اس وقت وہاں بیٹھے، وہ دل ہی دل میں اعتراف کر رہی تھی کہ وہ بہت سے معاملات میں ضرورت سے زیادہ انکجور تھی۔

اگر اسے معمولی سا شائبہ بھی ہوتا کہ اسے ایسی کسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ تو وہ عمر کو بھی پولیس گاڑ ہانٹانے نہ دیتی۔ اگرچہ وہ جانتی تھی کہ پولیس گاڑ ہانٹانے کی اپنی ذات تھی۔ اگر وہ جیل میں نیاز کو لون نہ کرتی تو شاید سب کچھ پہلے ہی کی طرح رہتا۔ وہ اس قدر غیر محفوظ نہ ہوتی مگر ان تمام اعترافات کے باوجود وہ اس وقت وہاں پر بالکل بے بسی بیٹھی ہوئی تھی۔

باہر ہونے والی فائرنگ ایک دم بند ہو گئی۔ وہ دونوں چونک گئیں۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ابھی بھی پہلے کی طرح آ رہی تھیں۔ مگر فائرنگ کی آواز بند ہو گئی تھی۔

”مجھے لگتا ہے وہ لوگ چلے گئے ہیں۔“ طیور نے غیر معمولی پرامیدی سے کہا۔

”ہاں شاید۔“ ناؤ نے دم آواز میں کہا۔ وہ باہر کان لگائے بیٹھی تھیں۔

”میں سر یہ بابا سے بات کرتی ہوں۔ وہ باہر لگ کر دیکھیں کہ چوکیدار کہاں ہے۔“ طیور نے باہر کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ناؤ خاموش رہیں۔

اسی وقت لاؤنج کے دروازے کے بیرونی جانب کچھ آدمی ابھریں، وہ دونوں ایک دم چونک گئیں۔

”میرا خیال ہے مرید بابا اور چوکیدار آئے ہیں۔“ وہ لوگ یقیناً بھاگ گئے ہیں۔“ طیور نے یک دم مطمئن

ہوتے ہوئے کہا۔ وہ بے اختیار لاؤنج کے دروازے کی طرف لگی اس سے پہلے کہ دروازہ کھول دیتی۔ ناؤ نے اسے روک دیا۔

”دروازہ مٹ کھول، پہلے تعذر کی کر لو کہ باہر چوکیدار یا مرید ہی ہے۔“

ناؤ نے دہلی آواز میں کہا۔ طیور ہل گئی۔ دروازے سے کچھ قائلے پر رک کر اس نے دروازے کی طرف

دیکھا۔ دروازے کی دوسری جانب کچھ دمدم آوازیں ابھری تھیں مگر ان میں سے کوئی آواز بھی شائبہ نہیں تھی۔ پھر کسی

نے دروازے کی تاب پر ہاتھ رکھ کر اسے کھلیا۔ طیور نے کپڑے جسم میں سنہاٹت ہو گئی۔ مرید بابا یا اسفر اگر

دروازے کے دوسری طرف موجود ہوتے تو وہ بھی اسی طرح دروازہ کھولنے کی کوشش نہ کرتے۔ وہ بلند آواز میں اجازت لیتے۔

اپنے ہونٹوں پر زبان بچھرتے ہوئے اس نے خوف کے عالم میں پلٹ کر ناؤ کو دیکھا۔ وہ بھی صوفے پر

بالکل ساکت بیٹھی تھیں۔

”باہر کون ہے؟“ طیور نے یک دم اپنی آواز کی لڑکھٹاہٹ پر قابو پاتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

دروازے کے باہر ایک دم خاموشی چھا گئی۔

”باہر کون ہے؟“ اس نے ایک بار پھر بلند آواز میں کہا اس بار بھی کسی نے جواب نہیں دیا۔ وہ یک دم

”تو..... تو..... چاہیں کیا ہوگا؟“ نانو کے سوال نے اس کے خوف کو بھر بیدار کر دیا۔

”آخر ہم یہاں کب تک بیٹھے رہیں گے؟“ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد نانو نے کہا۔

”ہم باہر کیسے نکل سکتے ہیں..... اگر وہ لوگ وہاں ہوئے تو.....؟“

وہ ہمیں پورے گھر میں ڈھونڈ رہے ہوں گے اگر ہم انہیں وہاں نہ ملے تو.....“ علیزہ بات کرتے کرتے خاموش ہو گئی۔

”تو وہ بھرا شاید یہی سوچیں گے کہ ہم کسی سٹریٹ میں ہیں..... اور..... اور پھر..... وہ لوگ شاید یہاں پہنچ جائیں گے۔“

علیزہ نے اپنے ہاتھ کی منڈیاں بار بار کھولیں اور بند کرنی شروع کر دیں۔ اس کے ہاتھوں اور ہیروں کی لرزش بڑھتی جا رہی تھی۔

”میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ مجھے زندگی میں ایسی صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔“ نانو نے اس بار دہمی آواز میں کہا۔ علیزہ چپ چاپ تاریکی کو کھودتی رہی۔ اس کے کان باہر سے آنے والی کسی بھی آواز پر لگے ہوئے تھے۔

”Its Terrible“ (یہ کس قدر ہولناک ہے) اس نے نانو کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کے دم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ چند دن پہلے کے واقعات اتنی جلدی ابھرانے چاہیں گے اور پہلے سے زیادہ بدتر انداز میں۔

نانو اب خاموش ہو گئی تھیں۔ شاید وہ علیزہ کی کیفیات کو سمجھ رہی تھیں۔

وہ دونوں وہاں کتنی دیر چپ چاپ بیٹھی رہیں، انہیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ یہ ضرور جانتی تھیں کہ انہیں وہاں بیٹھنے کی کتنی فکر کر رہے تھے۔

پھر اچانک انہوں نے تہ خانے کے دروازے پر کچھ اٹھیں اور آوازیں سنیں۔ علیزہ نے بے اختیار نانو کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نانو اس کی ہاتھ کی کپکپاہٹ اور غلٹک کو محسوس کر سکتی تھیں۔

”نانو..... انہیں اس آواز بھی اسی طرح لرز رہی تھی۔ وہ کیا کہنا چاہتی تھی، نانو اچھی طرح سمجھ سکتی تھیں۔ تہ خانے کے دروازے کے گلاب کی کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دونوں دم سادھے بیٹھی رہیں۔ پھر علیزہ نے ایک بلند آواز سنئی۔

”مگر تمہی اندر ہیں آپ؟“ وہ عباس تھا۔

”یا اللہ!“ نانو کے منہ سے نکلا۔ علیزہ کا کار کا ہوا سانس دوبارہ چلنے لگا۔

”عباس آگیا ہے۔“ پولیس پہنچ گئی ہوگی۔ آؤ، اب یہاں سے نکلنے ہیں۔“ علیزہ نے نانو کو گھڑا ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ وہ بھی ان کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ نانو نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تارچ جلا دی۔ تہ خانے کا اندر ہوا ایک دم غائب ہو گیا۔

تارچ کی روشنی میں چلتے ہوئے وہ دونوں دروازے تک پہنچیں اور انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ عباس

جی اور اب..... اب آگے اور کیا ہونے والا تھا۔

”یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ علیزہ؟“ نانو کی شکر آواز میں اندر میرے میں گونجی۔

”میں نہیں جانتی نانو..... میں کیا بتا سکتی ہوں۔“ اس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے ہوئے کہا۔

”وہ لوگ تمہارا نام لے رہے تھے۔“

”ہاں، میری سچی تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ ہر نام کیوں لے رہے تھے۔ مجھے کیسے اور کس حوالے سے جانتے ہیں۔“ اندر میرے میں وہ ایک دوسرے کو کچھ نہیں کہتی تھیں مگر ان کی آوازیں ان کی کیفیات کو ظاہر کرنے کے لئے کافی تھیں۔

”یہ سب عمر اور عباس کی وجہ سے ہوا۔ یہ لوگ یقیناً ان چاروں لاکھوں میں سے کسی نمبری کے بھجوائے ہوئے ہیں۔“ وہ ایک دم مشتعل ہو کر بولی۔ ”نہ وہ ان چاروں کو گل کرتے نہ یہ لوگ یہاں اس طرح میرے پیچھے آتے۔“

”عمر اور عباس نے تمہیں بچانے کے لئے سب کچھ کیا۔“

”کیا بچایا ہے انہوں نے..... جو بات چند گھنٹوں میں ایک ایف آئی آر کے ساتھ ختم ہو سکتی تھی۔ وہ اب مجھے اس طرح اپنی زندگی بچانے کے لئے یہاں جینے پر مجبور کر رہی ہے۔ کیا حفاظت کی ہے ان دونوں نے میری۔“

اس کا خوف اب مکمل طور پر اشتعال میں تبدیل ہو گیا تھا۔

”نہ یہ لوگ انہیں قتل کرتے نہ کوئی اس طرح بدلہ لینے کے لئے مجھے نہیں آؤٹ کرتا۔ یہ سب ان کی وجہ سے ہوا۔“ وہ عباس اور عمر کو مورد الزام ٹھہرا رہی تھی۔

”ادھر سے پولیس گاڑ بھی بٹائی۔“ اس نے بے بسی سے بات اور پوری جھوڑ دی۔ ”انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ یہ آخر مجھے کب تک اور کہاں تک تحفظ دے سکتے ہیں، مجھے ہی پتہ نہیں ہے خوف آتا ہے جو اب محبت بن کر میرے سامنے کھڑی ہیں۔“

”وہ دونوں تمہارے دشمن نہیں ہیں۔“ نانو نے ان دونوں کے دفاع کی کوشش کی۔

”دشمن نہیں تو وہ میرے دوست بھی ثابت نہیں ہوئے۔“

اس نے روشنی سے کہا۔ نانو کی طرف سے ان دونوں کے لئے حمایت اس وقت اسے بری طرح مشتعل کر رہی تھی۔

”چاہیں انہوں نے چمکدار اور مرید بابا کے ساتھ کیا کیا ہے؟“ اسے بات کرتے کرتے اچانک ان دونوں کا خیال آیا۔

”پولیس کو اب تک آجانا چاہئے تھا..... آخر قاتل فائرنگ ہوئی ہے اس علاقے میں اور پھر ساتھ والے سارے گھر میں۔“ بھی پولیس کو گنگ کیا ہوگا۔ پھر بھی چاہیں ابھی تک پولیس کیوں نہیں آ رہی۔“ نانو کا اچانک ایک دوسری تشریح سنائیں گئی۔

”اگر پولیس نہ آئی تو؟“

دروازے کے بالکل سامنے تھا۔ مگر شب اب روشنی تھی، شاید بجلی کی کٹی ہوئی تاریں جھڑی مٹی تھیں۔

عہاس اور علیزہ کے درمیان خاموش نظروں کا تبادلہ ہوا مگر عہاس نے ناؤ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“

”ہاں، میں ٹھیک ہوں۔ خدا کا شکر ہے۔ وہ لوگ چلے گئے۔“

”ہاں، پولیس کے آنے سے پہلے ہی چلے گئے۔“

اس نے علیزہ کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا۔ جیسے وہ وہاں موجود ہی نہیں تھی۔ وہ بوجھ جاتی تھی۔

”کون لوگ تھے؟“ عہاس اب ناؤ سے پوچھ رہا تھا۔

ناؤ نے ایک بار پلٹ کر علیزہ کو دیکھا۔ عہاس نے ان کی نظروں کا تعاقب کیا۔ علیزہ کے چہرے کی رنگت کچھ تبدیل ہو گئی۔ ناؤ شاید کسی شکل کش کا شکار تھیں۔

”ووہ..... ووہ..... اوہ یا اللہ..... ان لوگوں نے کیا کیا ہے؟“ ناؤ عہاس کی بات کا جواب دیتے ہوئے یک دم اس کمرے کی چیزوں کو دیکھنے لگیں جو ادھر ادھر بکری ہوئی تھیں۔

”پورے گھر کا یہی حال ہے۔“ عہاس نے ناؤ کو اطلاع دی۔ علیزہ بالکل شاکراتھی۔

”تم کب یہاں آئے؟“

”میں آدھ گھنٹہ پہلے پہنچا ہوں یہاں پر۔“

”مزید اور امیر گھر ہیں؟“ ناؤ کو اچانک یاد آیا۔

”امیر تو ڈی ہے۔ اس کے بازو پر گولی لگی ہے۔ اور مزید کو ہاتھ کر انہوں نے کوارٹر میں بند کر دیا تھا۔

پولیس نے آکر اسے وہاں سے نکالا ہے۔“ عہاس ناؤ کے ساتھ چلتے ہوئے بتا رہا تھا۔

”یہ لوگ اندر کیسے آ گئے؟“

”لاؤنج کے دروازے کا لاک ٹوٹا ہوا تھا۔ وہیں سے آئے تھے۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ صومٹ میں

چھپ گئیں۔ میں تو یہاں آتے ہی پریشان ہو گیا تھا، پہلے تو مجھے یہی خیال آیا کہ شاید وہ لوگ آپ کو اپنے ساتھ لے

گئے ہیں۔ کیونکہ مگر میں کوئی نہیں تھا، مگر پھر مجھے صومٹ کا خیال آیا اور میں نے اسے چیک کرنا ضروری سمجھا۔“ وہ

اب بھی علیزہ کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے تھے۔

وہ لوگ اب لاؤنج میں داخل ہو گئے تھے۔ مگر شب جگہ جگہ پولیس والے فکر پرش لے رہے تھے۔

”فون اور بجلی کی تاریں کی ہوئی تھیں جب میں ابیا سب سے پہلے تو میں نے انہیں ہی ٹھیک کر دیا۔

وہ کون لوگ تھے گرنی۔“ کیا آپ کو کچھ اندازہ ہے؟“ عہاس نے بات کرتے کرتے ایک بار پھر پوچھا۔

ناؤ نے ایک بار پھر علیزہ کو دیکھا۔ ”جائیں“ ان کی آواز دہم تھی۔

عہاس نے بھی علیزہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بہت عجیب تھے۔ اس پر ایک نظر ڈالنے کے بعد

وہ پھر سے ناؤ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”دو گاڑیوں میں آئے تھے وہ لوگ..... آٹھ دس تو ضرور ہوں گے۔ تین چار کو تو امیر نے بھی دیکھا تھا۔

ہاؤسری والا لکٹ تو انہوں نے گاڑیوں کے مکمل طور پر چٹا کر رکھ دیا ہے۔“

وہ لاؤنج میں کھڑا ناؤ کو بتا رہا تھا۔ علیزہ اس کے چہرے پر نظر ڈالنے بغیر اس کی بات سنتی رہی۔

”پولیس ابھی تک باہر سے گولیاں انہیں کر رہی ہے۔“

”یہ سب عمر کی وجہ سے ہوا۔ وہ پولیس گاڑی نہ جانا تو یہ سب نہ ہوتا۔“

علیزہ نے بجلی ہاتھ نکلتی میں مداخلت کی۔ اس کی آواز میں اشتعال تھا۔ عہاس نے بہت سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

”عمر نے آخر پولیس گاڑیوں اس طرح اچانک جٹائی؟“ اسے احساس ہوتا چاہئے تھا۔“ ناؤ نے بھی کچھ برہم ہوتے ہوئے کہا۔

عہاس نے کچھ دم ان کی بات کاٹ دی۔

”اس سے پوچھیں کہ عمر نے پولیس گاڑیوں بٹادی۔“ اس نے علیزہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

علیزہ ساکت ہو گئی۔

”علیزہ ہے؟“ ناؤ نے حیران ہو کر کہا کہ ”علیزہ کا اس سے کیا تعلق ہے..... پولیس گاڑی تو عمر نے جٹائی ہے۔“

”عمر آ رہا ہے..... چند منٹوں تک یہیں ہو گا، اس سے پوچھ لیجئے گا کہ اس نے پولیس گاڑیوں بٹائی۔“

عہاس نے ناؤ سے کہا۔

”علیزہ! کیا تم نے عمر سے گاڑی بٹانے کے لئے کہا تھا؟“ ناؤ نے جا بک مرکز علیزہ سے پوچھا۔

”نہیں ناؤ! میں نے اس سے گاڑی بٹانے کے لئے نہیں کہا۔“

اس نے دم آواز میں سر ہچکاتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ ناؤ کچھ کہیں۔ عہاس نے اچانک لاؤنج میں موجود پولیس کے لوگوں کو کھمبہ کرتے ہوئے کہا۔

”بائی کا مکمل کر لیں۔“ اب تک کچھ کہتے ہوئے ”ووہ“ وہ لوگ اپنا سامان سینے لگے۔

”علیزہ تو.....“ ناؤ نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر عہاس نے ایک بار پھر ان کی بات کاٹ دی۔

”عمر کو آ جانے دیں۔ اس کے بعد بات ہوگی۔“

ناؤ ابھی ہوئی نظروں سے علیزہ کو دیکھتے ہوئے لاؤنج کے صوفہ پر بیٹھ گئیں۔ لاؤنج میں موجود پولیس

لے آہستہ آہستہ اپنا سامان اٹھاتے ہوئے وہاں سے نکلے گئے۔ عہاس بھی ان کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔

پانچ بج کر کے بعد وہ دوبارہ اندر داخل ہوا، وہاں اس بار اس کے ساتھ عمر بھی تھا۔ علیزہ اس وقت ناؤ کے ساتھ

اندر بیٹھی ہوئی آئے والے وقت کے لئے خود کو تیار کر رہی تھی۔

عہاس نے اندر داخل ہوئے ہی لاؤنج کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

”تو طیلوہ بی بی! کیا کرنا چاہتی ہیں آپ؟“

عباس نے اس کے بالفاظ صوف پر بیٹھے ہوئے کہا۔ اس نے سر اٹھا کر اسے اور عرو کو دیکھا۔ سردھری اور تنبیہ کی کے علاوہ ان دونوں کے چہرے پر اور کچھ بھی نہیں تھا۔

فون پر عباس سے بات کرنا اور بات تھی۔ آئے سانے اس سے کچھ کہنا دوسری بات۔ اور وہ بھی ان حالات میں جس میں وہ گرفتار تھی۔ وہ عمر نہیں تھا جس پر وہ چل سکتا۔ اس کی بات کے جواب میں کچھ بھی کہنے کے بجائے اس نے سر جھکا لیا۔ وہ جانتی تھی اب نالوسب کچھ جان جائیں گی۔ پچھلے دن عمر کے ساتھ ہونے والی اس کی گفتگو اور اس کے بعد جنس نیاز کے سامنے کیا جانے والا انکشاف۔

”میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟“ اس کی آواز میں اب کچھ تیزی تھی۔

”میں۔۔۔ میں کیا کرنا چاہتی ہوں؟“ اس نے بے شکل کہا۔

”کیون فون پر کچھ کہہ رہی تھیں تم مجھ سے؟“ طیلوہ نے ناؤ کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہی تھیں۔ طیلوہ کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ عباس کی بات کے جواب میں کیا کہے۔ اس کا قصہ اور اشغال یک دم ہماک کی طرح جیسے کیا تھا۔

”اب خاموش کیوں ہو تم؟“ عباس نے ایک بار پھر پوچھی۔ کہا۔

”آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں مجھ سے؟“ اس نے سر اٹھایا۔

”وہی سب کچھ جو تم فون پر مجھ سے کہہ رہی تھیں۔“ عباس نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”جو کچھ میں نے آپ سے فون پر کہا۔ مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔“ اس نے عباس سے نظریں ملاتے بغیر کہا۔

”اور جو کچھ تم نے جنس نیاز سے کہا۔۔۔؟“

”مجھے اس پر بھی کوئی شرمندگی نہیں ہے۔“

”جنس نیاز۔۔۔ کیا طیلوہ نے جنس نیاز سے کچھ کہا ہے؟“ ناؤ نے اختیار پر پھینکی۔

”کچھ۔۔۔ سب کچھ کر گئی! یہ انہیں فون پر سب کچھ بتا چکی ہے۔“ اس طرح میں نے اسے اسے اپنے اور اس کے دوستوں کو مارا۔ کیوں مارا؟ سب کچھ۔“

”طیلوہ؟“ ناؤ کو جیسے عباس کی بات پر یقین نہیں آیا۔

عباس یک دم ہونٹ پیچھے ہوئے اپنے صوفہ سے اٹھا اور اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ طیلوہ کے ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اس کی جگہ سے اٹھا دیا۔ طیلوہ عباس کی اس حرکت کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ اسی طرح اسے بازو سے کھینچ کر ناؤ کے دروازے کی طرف جانے لگا۔

”عباس! اسے کہاں لے کر جا رہے ہو؟“ ناؤ نے مداخلت کرنے کی کوشش کی۔

”کہیں نہیں کر گئی! ابھی واپس لے آتا ہوں۔“ آپ اطمینان سے بیٹھیں۔“

اس نے طیلوہ کی مزاحمت کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا۔ جواب اس سے اپنا ہاتھ پھرانے کی کوشش کر رہا۔

جی۔ وہ دروازہ کھول کر اسی طرح اسے پیچھتے ہوئے باہر لے آیا۔

”عباس! میرا ہاتھ چھڑا دیں۔ آپ کہاں لے کر جانا چاہتے ہیں مجھے؟“ عباس نے یک دم اس کا ہاتھ چھڑا دیا۔

”کہیں نہیں لے کر جانا چاہتا تھیں۔ میں تمہیں صرف باہر کی دلیار اور وہ گولیاں دکھانا چاہتا ہوں جو چند مہینوں میں یہاں برساتی گئی ہیں۔ تمہیں دیکھنا چاہئے تمہاری صحت کی وجہ سے کیا ہوا ہے؟“

”مجھے کچھ نہیں دیکھنا۔“ طیلوہ نے واپس اندر جانے کی کوشش کی۔

عباس نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے پیچھتے ہوئے گیٹ کی طرف لے جانے لگا۔

”کیوں نہیں دیکھنا جو چیز تمہاری وجہ سے ہوئی ہے۔ اسے دیکھنا چاہئے تمہیں۔“ وہ کہہ رہا تھا۔ طیلوہ نے مزاحمت ختم کر دی۔ اس کا گولی فائدہ نہیں تھا۔

گیٹ کی طرف جاتے ہوئے اس نے بہت دور سے گیٹ پر بے شمار چھوٹے چھوٹے سوراج دیکھ لیے تھے۔ وہ سوراج جس چیز کے تھے۔ اسے پچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ گیٹ خود آ سٹاکا ہوا تھا اور اس کے باہر پولیس کی دو گاڑیاں موجود تھیں۔ گیٹ پر موجود پولیس والے عباس کو آٹا دیکھ کر مستعد ہو گئے تھے۔ طیلوہ کی شرمندگی میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہو گیا۔ عباس اب خاموش تھا مگر وہ اب بھی اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔

گیٹ کے باہر جاتے ہوئے اس نے انگلیں میں طیلوہ سے کہا۔

”دروازے بند کر کے گھر کے اندر بیٹھے ہوئے باقی کرنا۔ بہت آسان ہوتا ہے۔ تمہاری طرح ہر ایک کو اغلاقیات یاد آ سکتی ہیں۔ یہاں کمرے ہو کر اس دلیار کو دیکھو اور پھر سوچو کہ دلیار کی جگہ تمہیں کون۔“

اس نے عباس کی بات کے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ صرف خاموشی سے باؤنڈری وال کو دیکھتی رہی جو بری طرح رخ ہو چکی تھی۔ باہر لگے ہوئے آرائشی پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے۔ رات کو کھلنے والے لٹیکس کی روشنی میں وہ دلیار اور گیٹ جتنا خوبصورت لگ رہا تھا۔ دن کے وقت اس نے زیادہ لگتا۔

”تمہارے لئے تعریف ایک گولی کافی تھی۔“ وہ دم آواز میں انگلیں میں بولا۔ شاید وہ ارد گرد موجود دوسرے لوگوں کی وجہ سے سچاؤ کر رہا تھا۔ طیلوہ کچھ بول نہیں سکی۔ وہ اب اس کا ہاتھ چھڑا چکا تھا۔

”اندرا آؤ۔“ وہ روشنی سے اس سے کہتے ہوئے واپس گیٹ کی طرف مڑ گیا۔

طیلوہ نے اسی خاموشی کے ساتھ سر جھکا لیا۔ وہ اس کی بزدلی کی۔ اس نے گیٹ کے اندر آ کر اس سے کچھ نہیں کہا۔ تیز قدموں کے ساتھ وہ اندر جا رہا تھا۔ طیلوہ سر جھکا کر اس کے پیچھے چلتی رہی۔

آگے پیچھے چلتے ہوئے جب وہ لاؤنج میں پہنچے تو ناؤ اور عمر ابھی بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ ناؤ کے چہرے پر تشویش تھی جبکہ عمر کے ہاتھ میں اس وقت پائن اپٹیل کا ایک ٹکڑا اور وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے ہوئے بڑے اطمینان سے کانٹے کے ساتھ پائن اپٹیل کے سلسلے کھانے میں مصروف تھا۔ ان دونوں کو اندر آتے دیکھ کر اس نے ایک لمبے کے لئے نظر اٹھائی اور پھر ایک بار پھر پائن اپٹیل کھانے میں مصروف ہو گیا۔

علیہ خاموشی کے ساتھ صوفہ پر جا کر بیٹھ گئی۔

”اب اس کے بعد اور کیا ہے آپ کے ذہن میں؟“ عباس نے اس بار علیہ کا نام نہیں لیا تھا مگر علیہ جانتی تھی، یہ سوال اس سے ہی کیا گیا ہے۔

”مجھے اب بھی کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ یہ سب میری وجہ سے نہیں ہو رہا۔“

عمر پاشا اچل کھاتے کھاتے رک گیا۔ عباس اور اس نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”اگر عمر کا رڈ نہ پتا تو لوگ یہاں بھی قتلہ نہ کرتے۔“ وہ کمرہ ہی تھی۔

”کون لوگ؟“ عباس نے نئے اور تیز آواز میں اس سے کہا۔

”جو لوگ بھی یہاں آئے ہیں۔“

”کون لوگ آئے ہیں؟“

”مجھے نہیں پتا۔“

”کیوں نہیں پتا۔“

”مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے؟“

”تمہارے علاوہ اور کس کو پتا ہو سکتا ہے۔“

”آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے کہ یہاں کون آیا ہے۔“

”تم فون کر کے لوگوں کو یہاں بلواتی ہو اور پھر یہ کہتی ہو کہ تمہیں پتا نہیں ہے۔“

وہ عباس کا منہ دیکھنے لگی۔ ”میں لوگوں کو فون کر کے بلواتی ہوں؟“

”ہاں تم۔“

”میں نے کسی کو فون کر کے یہاں نہیں بلوایا۔“

”تم نے جنس نیاز کو فون کیا تھا۔“

اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ”اب آپ کا مطلب ہے کہ ان..... ان لوگوں کو جنس نیاز نے مجھوایا تھا؟“

”اور کون ہو سکتا ہے۔“

وہ ابھی بولتی نظر دے اسے دیکھنے لگی۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جنس نیاز یہ کیسے کر سکتے ہیں؟“

”تم کس دنیا میں رہتی ہو۔ اپنی آنکھوں پر کون سے پائڈلز لگا کر پھر رہی ہو۔“

وہ ماؤف ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ عباس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”جنس نیاز..... جنس نیاز مجھے..... مجھے غوا کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ..... وہ یہ سب کریں گے۔ کیوں..... بالکل۔“ اس کا ذہن سوالوں کے گرداب میں پھنسا ہوا تھا۔

”مجھے یقین نہیں ہے کہ جنس نیاز نے یہ سب کیا ہے۔“

عباس بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ”فون پڑا ہوا ہے تمہارے سامنے..... خبر تم جانتی ہو، فون ملاؤ

اور ان سے بات کر لو..... اپنی خبریت کی اطلاع دو انہیں اور ساتھ یہ بھی بتا دو کہ ابھی تک تم نہیں ہو۔ وہ دوبارہ کسی کو بھیجیں۔“

علیہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔

”تم عقل سے پیدل ہو۔“

”آپ مجھے اس لئے یہ سب کچھ کہہ رہے ہیں کیونکہ آپ خوفزدہ ہیں..... یہ سب کچھ آپ دونوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ لوگ ان چاروں کو قتل نہ کرتے تو آج یہ سب کچھ نہ ہو رہا ہوتا۔“ اس نے سر اٹھا کر عباس سے کہا۔

”(پکے زنی سپلیم.....) کون خوفزدہ ہے اور کس سے..... تم سے؟..... جنس نیاز سے..... بالکل فٹ۔“

عباس اس بار بری طرح ہنسنے سے انکڑا تھا۔

”تم کیا سمجھتی ہو کہ میں بہت خوفزدہ ہوں کل سے۔“ وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”مجھے پتا

کیمرہ دار کا ایک نظر آ رہا ہے؟“

علیہ نے سر جھکا لیا۔

”ابھی گردن میں پھانسی کا پھندہ نظر آ رہا ہے؟“

وہ اپنے ہاتھوں کو چھتی رہی۔

”تمہارے اس انکشاف کی وجہ سے میں نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے؟“ عباس کی آواز بہت بلند تھی۔

”جنس نیاز کے ساتھ ہونے والی مشکوکہ میری نیند اور سکون حرام کر دیا ہے؟“

اس نے عباس کو کبھی اسنے اشتعال میں نہیں دیکھا تھا۔ اگلے ایذا کی طرح وہ بھی ایک نرم شخص تھا مگر اس

وقت وہ جس طرح بول رہا تھا۔

”تمہارا خیال ہے کہ کل میں سلاخوں کے پیچھے ہوں گا؟“

علیہ نے سر جھکائے ہوئے کن انکھوں سے غمو کو دیکھا۔ وہ عباس یا علیہ کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ ہاتھ

میں پکڑے ہوئے کانچے اور پاشا اپیل کے ڈبے کے ساتھ مصروف تھا..... ہر چیز سے بے پردہ..... ہر چیز سے بے

نیاز..... یوں جیسے وہاں بہت دوسرا ہی منظر ہو رہی تھی۔

”تم کون ہو علیہ و سکندر..... اور جنس نیاز کون ہے۔“

علیہ ایک بار پھر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے کی جاب لہز رہے تھے، وہ اس لڑش کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”جس خاندان سے تم اور میں تعلق رکھتے ہیں، اس خاندان کے کسی شخص کو کورٹ میں لے جانا اتنا ہی

ناممکن ہے جتنا سورج کا مغرب سے نکلنا۔ تم نے کل فون پر مجھ سے جو بھی کہہ کہا۔ میں اس سب پر لعنت بھیجتا ہوں۔“

”تم میرے خلاف پرائم Witness (یعنی گواہ) بننا چاہتی ہو ضرور ہو، لیکن میں جنہیں ایک بات بتا

دوں۔“

اس نے سر اٹھا کر عباس کو دیکھا۔

کی آنکھیں پھٹکتی تھیں۔

”جس میں ان سب چیزوں سے بچانے کے لئے ان چاروں کو مارا تھا، لیکن تم نے خود ساری مہینوں کو دھوٹ دے دی ہے۔“ اپنے ساتھ تم نے گہنی کی زندگی کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے۔“ وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔

”اب کیا کرو گی تم؟“ جیسی رہو گی یہاں اندر۔ اسی تہ خانے میں کتنے دن تمہیں گے پولیس گارڈ باہر۔ اور کہاں کہاں پر دفعہ میں دیں گے جیسے۔ بڑا شوق ہے کہ جنہیں ہیروئن بنے گا۔ لائم لائن میں آنے کا۔ جنہیں اندازہ ہے؟“ اس کے آنسوؤں نے عباس پر کوئی اثر نہیں کیا۔

”جس نیاز بابا کی بیویں کے گھر والے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے جنہیں وہیں چھوڑ دیں گے۔ آخر مارے تو وہ تمہاری وجہ سے ہی گئے تھے۔“ اس کی آواز میں اب بھی کے ساتھ بے رحمی تھی۔

علیہ نے اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو غائب کیا۔

”اپنے ٹیوچ کے بارے میں سوچا ہے، کیا ہوگا آگے؟“

اس کی آواز اب چلے سے زیادہ مدہم تھی مگر آواز میں موجود تھی نہیں ہوئی۔

”اخباروں میں تمہارا نام آئے گا۔“ اور اس طرح آئے گا۔“ لوگ سلیٹ کریں گے جنہیں؟“ یا تمہارے ہیرو ازم کو۔“ یا پھر اگلیاں افغانی کے تمہارے کرکٹر پر؟“ وہ اب بھی اسی طرح بول رہا تھا۔ ”اور کون کھڑا ہوگا۔ تمہارے پیچھے۔ جس نیاز؟“ کب تک؟“ نشوونو کی طرح استعمال کریں گے وہ جنہیں۔ اس کے بعد۔ کیا کرو گی۔ تم؟“

اس کا دل چاہ رہا تھا وہ، اندر کہ وہاں سے بھاگ جائے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ عباس کی تمام باتیں سننے پر مجبور تھی۔

”اور دلی کے لوگ کیا کہیں گے؟ اس کے بارے میں سوچا ہے۔ جو بھی کیا کیا تمہارے لئے کیا گیا اور اگر

تم دوسروں کو ڈوبنے کی کوشش کرو گی تو جنہیں ڈوبے ہوئے بھی کوئی تم سے اپنا رشتہ سوچے گا۔ نہ لحاظ کرے گا۔“

اور جب تمہاری اپنی پہلی تمہارے خلاف ہو جائے گی تو تم کیا کرو گی؟“ وہ جیسے لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

”کیا تو چاہتا ہو تم کو کھیلے جا کا مقابلہ کر سکو۔ اور ایک دو دن کے لئے نہیں۔ ساری زندگی کے لئے۔“

وہ بے آواز دور رہی تھی۔

”جس معاشرے میں تم رہ رہی ہو۔ اس کی Norms (ظوار) جاتی ہو۔ خاندان کی

Discarded (مکھڑی ہوئی) عورت کا مقام جاتی ہو تم۔ تم کسی پہاڑ کی چوٹی پر ساری عمر کے لئے چلے کاٹے بھی

بیٹے جاتو تو بھی تمہاری پاک باندی پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔“

عباس کی باتوں میں وہی تھی جی جی عمر کی باتوں میں ہوا کرتی تھی۔ عمر کے لیے جس میں اس کے لئے سردہری

کے باوجود بھی تمہارا اپنا یقین ٹھیکے لگتی تھی۔ عباس کے لہجے میں ایسی کوئی اپنا یقین نہیں تھی۔ وہ بہت غصے لہجے میں

بول رہا تھا۔

”وہ جو چار لڑکے میں نے مارے ہیں، ان دو چاروں اگر خود بھی زندہ ہو جائیں اور کورٹ میں جا کر میرے خلاف بیان دیں تو بھی۔“ مجھے سزا دلانا تو دور کی بات، لاہور سے میرا رشتہ کب کوئی نہیں کر داسکتا۔“

اس کی آواز اور انداز میں کھلا چیلنج تھا۔

”میں نہیں تھا۔ میں ہوں، میں نہیں رہوں گا۔“

اس کی آواز اب چلے سے بگلی اور پہلے سے زیادہ مدہم تھی۔

”اگر جس نیاز بابا تمہیں لوگوں کے کہنے پر پولیس کو سزا ملے گی۔ تو پورے ملک کی پولیس جیسے

سلاخوں کے پیچھے نظر آئے گی۔“

علیہ نے سر جھکا لیا۔

”تم نے کل خامی کسی چوڑی بات کی تھی مجھ سے۔ لیکن مجھے کوئی فرق نہیں پڑا اس سے۔“

یہ سب کچھ میری نیند میں اڑا سکتا۔ میرے ہیروں کے بچے سے زمین کٹانے کے لئے جنہیں اس سے

دس گناہ زیادہ بڑا سزا مل جائے۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ صرف بڑیکس نہیں تھیں۔ یہ وہ جاتی تھی عباس حیدر کو بکوں کی

ضرورت تھی نہیں تھی۔

”عباس بھائی! مجھے آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ ایک غلط کام۔“

عباس نے دہشت سے اس کی بات کاٹ دی۔

”مانٹل ہیرا دان پرش۔ میرے پردیش کی اخلاقیات کھانے کی کوشش کر دو۔ میں اپنے پردیش کو تم

سے بہتر سمجھتا ہوں۔ کیا مجھ سے کیا غلط، اس کی تعریف مجھ سے نہیں چاہئے۔“

وہ خاموش ہو گئی۔ ”And don't try to poke your nose into my affairs.“

(جنہیں میرے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں۔)

وہ اس کی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔

”وہاں کسی فرد کا کلاس کیڑوں کے دفتر میں کام کرنے سے تم اس قابل نہیں ہو گی کہ دوسروں کو صحیح اور غلط

کا فرق بتائی ہو۔“ علیہ نے ہونٹ پیچھے لے۔ ”تمہارے پیسے Self Employed reformers۔ میں

اور نہ ہی جنہیں یہ سب باتیں کی جتنی بھی ضرورت ہے۔“

تالو نے اب تک ہونے والی گفتگو میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ وہ اگر مداخلت کرتی بھی تو عباس انہیں

بولنے کا موقع نہ دیتا۔ لیکن وہ اس کا اندازہ تھا۔

”چند دن اور اگر پولیس کو آئے میں دیر ہو جاتی تو وہ لوگ صوف بھی پیچھے جاتے۔ اس کے بعد وہ کیا

کرتے۔ جنہیں اس کا اندازہ ہے باقی لپیٹ کر؟“ اس کے لہجے میں اب طنز تھا۔ ”جنہیں میں مار دیتے وہ یا پھر لے

جاتے ساتھ۔ کہاں۔۔۔ یہ مگر کسی کو چاند چاند۔“

علیہ کے ہونٹ لرزے لگے۔ ”اپنے آپ کو کس طرح پھنسا لیا ہے تم نے۔“ جنہیں اندازہ ہے؟“ علیہ

”اس نے تمہاری اسلٹ نہیں کی۔ جنہیں خاک تک بتائے ہیں۔“

وہ جواب میں کچھ کہنے کی بجائے رونے لگی۔

”تم نے سوچا ہے، ابھی کچھ دیر کے بعد جب ہم سب یہاں سے چلے جائیں گے تو کیا ہوگا؟ یہاں اکیلے رہے کوئی۔۔۔ اور پھر جو کچھ تم کرنا چاہتی ہو۔۔۔ یا اس کے نتائج پر غور کیا ہے تم نے، تم سب سے ہٹ کیوں نہیں چاہتی؟“

وہ ایک لمحہ کے لئے رکے۔ “Why don't you get out of every thing.”

علیہ نے سر اٹھا کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ”کیا یہ ممکن ہے؟۔۔۔ اب؟“

”کیوں نہیں؟“

”کیسے؟“

”یہ مجھ پر چھوڑ دو۔“

”نہیں کیسے؟“

”اٹنا سامان بیک کر اور وہاں کے ساتھ چلی جاؤ۔۔۔ صبح وہ جنہیں اسلام آباد اہل ایاز کے پاس بھجوادے گا۔ چہاڑ وہاں رہو۔۔۔ جب سب کچھ سبیل ہو جائے تو واپس آ جانا۔۔۔“

It's as simple as that اس نے جیسے چکی بجائے میں چل چیں کیا۔

”کیا تم مجھے لے کر جاؤ گے؟“

”ہاں کیوں نہیں۔۔۔ وہ نہیں تو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ تم ابھی ہمارا حصہ ہو۔“ اس نے جیسے علیہ کو یقین دلاتا۔

”مگر میں جو کچھ چاہتا ہوں۔۔۔ سب کچھ کل برس میں آ سکتا ہے۔ اور پھر۔۔۔“

”اس کو ہم چنڈل کر لیں گے۔۔۔ وہ اب تمہارا دوسر نہیں ہے۔ تم بس خاموشی سے اسلام آباد میں رہنا۔“ وہ ہلکی سی جھپکے بغیر بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگی۔

”میں تم پر کوئی ڈاکو نہیں ڈال رہا ہوں۔ تم فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہو، لیکن میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری زندگی برباد ہو جائے۔۔۔ وہ غلط اور نتیجہ کچھ میں کبہ رہا تھا۔“

”جنہیں کسی چیز کے لئے بھی کٹنی لٹل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تمہارے نزدیک کوئی لٹاکام ہوا ہے تو اس کے ذمہ دار میں اور میں ہیں۔ پھر تم اپنی زندگی کیوں خراب کر رہی ہو۔“ وہ چند لمحوں کے لئے رکے۔

”ابھی کسی کو کچھ بھی نہیں پتا۔ فیملی میں ناؤ، میرے اور وہاں کے علاوہ اور کوئی بھی کچھ نہیں جانتا۔ اور ہم تینوں تمہاری اس حماقت کو مٹا سکتے ہیں۔ چند ماہ بعد تم اپنی زندگی دوبارہ ہمیں سے شروع کر سکتی ہو۔“

اس کے بہتے ہوئے آنسو رک گئے۔ “Stay out of everything Alleezal just stay out.” (دور چلی جاؤ علیہ! اس سب سے دور چلی جاؤ)

”اور جنہیں اگر کہیں یہ شائبہ ہے کہ میں کسی اپنی اس حرکت پر پچھتاوا محسوس کروں گا مجھے اپنے فیصلے پر کوئی شرمندگی ہوگی۔ تو یہ تمہاری غلطی نہیں ہے۔“

وہ مسلسل بول رہا تھا۔

”اگر دوبارہ وقت پیچھے چلا جائے تو میں ایک بار پھر وہی کروں گا جو میں نے کیا۔۔۔ میں ان چاروں کو پھر شوت کر دوں گا۔۔۔ اور اس بار صبح بڑے پرکشی میں بھی کروں گا۔“

اس کا لہجہ اب بھی اتنا ہی تلخ تھا۔ ”یہ کوئی سوچا سمجھا فیصلہ نہیں تھا۔۔۔ طے شدہ تھا۔۔۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا اور مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔“ وہ اپنے صوف پر جا کر بیٹھ گیا۔

”میں نے ابھی تک پایا کہ تمہاری کل کی حرکت کے بارے میں نہیں بتایا۔ اب تاؤں گا۔۔۔ باقی باتیں تم خود ان سے کر لیں۔“ اس کی آواز کا اشتعال اب بہت کم ہو گیا تھا۔

”مگر تم! آپ اپنی پینٹنگ کر لیں۔ آپ ابھی میرے گھر شفٹ ہو رہی ہیں کیونکہ میں آپ کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔ کم از کم جب تک جب تک سب کچھ ٹھیک نہیں ہو جاتا۔۔۔ وہ اب ناؤ سے مخاطب تھا۔

”اور علیہ! جہاں تک تمہارا تعلق ہے۔ تم اپنی نیکوئی کی خود ذمہ دار ہو۔۔۔ بہتر ہے تم خود چشمن نیاز کے پاس چلی جاؤ۔ اس طرح تم از کم تمہاری زندگی محفوظ رہے گی۔ اور اگر تم یہاں ہی رہنا چاہتی ہو تو قہور کہتی ہو لیکن تمہارے لئے میں اب یہاں کوئی پولیس پرکاشن نہیں دے سکتا۔“

وہ بات کرتے اُنچس گیا۔

”آئیے گرنی! آپ کے ساتھ آپ کی پینٹنگ کر دوں۔“

علیہ وہی طرح سر جھکے آؤں بھائی رہی۔ چند منٹوں کے بعد اس نے ناؤ، عمر اور وہاں کے کلاؤنغ سے نکلے محسوس کیا۔

علیہ نے اپنی آنکھوں سے ہاتھ ہٹا لیے اور سر اوپر اٹھایا۔ چند لمحوں کے لئے وہ ساکت ہو گئی۔ عمر وہیں تھا۔۔۔ سامنے صوف پر بیٹھے ہوئے۔ اس پر نظر لیں۔۔۔ اب اس کے ہاتھ میں پائے اکیل کاٹن نہیں تھا۔ علیہ نے ایک بار پھر سر جھکا لیا۔

عمر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔ سینئر فیمل کو کھینچ کر وہ اس کے ہاتھ لے لے آیا اور نیل پر بیٹھے ہوئے اس نے علیہ کی آنکھوں سے اس کے ہاتھ ہٹا دیئے۔ علیہ نے برسی سے اس کے ہاتھ پیچھے کرنے کی کوشش کی۔

”یہ سب تمہاری وجہ سے ہوتا ہے عمر۔“

”میری وجہ سے؟“

”تم نے پائیس کا زور پٹائی تھی۔“

”وہ تمہاری خواہش تھی۔“

”تمہاری وجہ سے مجھ سے میری اسلٹ کی ہے۔“

بیچے جانا چاہا مگر عباس نے اسے روک دیا۔

"علیہ" وہ لڑکی۔ عباس کی آواز نرم تھی، کچھ دیر پہلے والی تھی اور تڑپ غائب ہو چکی تھی۔

"پریشان مت ہو علیہ" اس نے عباس کو دیکھا اور اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔ عباس دو قدم آگے بڑھ

آیا اور اس نے علیہ کے کندھے پر اپنا بازو پھیرا دیا۔

"ہمیں تمہاری بہت پردہ ہے اور اگر میری کوئی بات تمہیں بری لگی ہو تو آئی ایم سوری۔" علیہ نے صرف

سر ہلا دیا۔

"تمہاری چوٹ اب کسی ہے؟" وہ اب اس کے گال پر پڑے ہوئے نل کچھوٹے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"تانیہ اگر اس چوٹ کے بارے میں پوچھے تو اس سے یہی کہنا کہ جہیں مگر میں ہی لگی ہے۔ میں نے

اسے چند دن پہلے کے واقعہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

علیہ نے سر ہلا دیا۔

"تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو لازم یا تانیہ سے کہہ دو۔۔۔ اور آرام سے سو جاؤ۔۔۔ میں سہ پہر کی فلاح

سے تمہیں اسلام آباد بھجوا دوں گا۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ اب اسے تسلیاں دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ علیہ کو شرمندگی ہو رہی تھی۔ وہ عباس کے ساتھ کیا کرنا چاہتی

تھی اور وہ کیا کر رہا تھا۔ "کیا وہ احسان فراموش تھی؟" اسے خیال آیا وہ سر جھکا کر اس کمرے کی طرف جلی لگی جہاں

اسے رہتا تھا۔

عمر اور عباس نے اسے وہاں سے جانے دیکھا۔ پھر عباس ایک گھبراہٹ سے لپٹے ہوئے صوفہ پر بیٹھ گیا۔

"علیہ" نے نل کی میرے پاؤں کے نیچے سے زمین لٹکان دی تھی۔ اپنی شرٹ کے بٹن کھولے ہوئے اس

نے کہا۔

"بہر حال لب تو سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔" عمر بھی مسکراتے ہوئے دوسرے صوفہ پر بیٹھ گیا۔

"You are a master plan maker." (تم بلا کے ساز تلو) عباس نے سناٹکی انداز میں

عمر سے کہا۔

"Planmaker?" عمر نے اپنی ہونٹیں اچکا تے ہوئے کہا۔ "اس نے تو اعمی لگی میں لا کر کھڑا کر دیا

تھا۔ اس کے علاوہ اور چارہ کیا تھا؟"

عباس نے اب اپنا موبائل اٹھالیا۔ "پاپا کو انعام کر دینا چاہئے۔" اس نے ایک غبر وائل کرتے ہوئے عمر

سے کہا۔ عمر نے کچھ کیے بغیر سر ہلا دیا۔

عباس کا رابطہ قائم ہو چکا تھا۔

"بیٹو! وہ اب ایاز حیدر سے بات کر رہا تھا۔" علیہ ہمارے ساتھ آگئی ہے۔" اس نے چھوٹے ہی

وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اور نظروں کو سنتے ہوئے مکمل طور پر کنکیرڈن کا شکار ہو چکی تھی۔ کچھ دیر

اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے سمجھے ہوئے انداز میں سر جھکا دیا۔

"ٹھیک ہے۔"

عمر کے چہرے پر پہلی بار ایک پرسکون مسکراہٹ ابھری۔

"تم جا کر اپنی چیزیں بیک کر دو۔ میں عباس سے بات کرتا ہوں۔"

اس نے علیہ کا ہاتھ جھپٹتا تے ہوئے کہا۔ وہ دیکھ کے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

اپنے بیک میں اپنے کپڑے اور دوسری چیزیں رکھتے ہوئے وہ بری طرح شکست خوردہ تھی۔ اسے یوں لگ

رہا تھا جیسے وہ جنگ کے میدان سے بھاگ جانے والا فوجی ہو۔

"لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے؟۔۔۔ جسٹس نیاز نے یہ سب کچھ کر دیا۔۔۔ جب میں اپنی مرضی سے

ان کا ساتھ دینے پر تیار تھی تو پھر اس سب کا کیا مطلب تھا۔" وہ اپنے پیٹلے صبح ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اور پھر میں نے عمر اور عباس کو نہیں کہا تھا کہ وہ ان چاروں کو مار دیں۔ پھر میں آخر کس چیز کی سزا

جیتوں۔" وہ جانتی تھی ساری ٹیلیشن شرمندگی کے اس احساس کو مٹانے میں کام نہیں جس نے اس کا گھیرا دیا تھا۔

سے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ جس وقت تانیا بیک اٹھانے لائی تھی، اس وقت عباس، عمر اور نانو

تیزوں وہیں تھے۔ شاید وہ اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ عمر نے آگے بڑھ کر اس کا بیک اٹھالیا۔ کچھ کیے بغیر ساتھ چلنے

ہوئے وہ لاؤنچ سے باہر نکل آئے جہاں ایک ایک کارکنز کی تھی۔ وہ چاروں بڑی خاموشی کے ساتھ اس میں سوار ہو

گئے۔ تانو کے گھر سے عباس کے گھر تک کا سفر کبھی اسی خاموشی سے طے ہوا تھا۔ عباس کی بیوی تانیہ ان کا انتظار کر رہی

تھی۔ شاید عباس نے اسے فون کیا تھا۔

"کیا ہوا عباس! میں تو بہت پریشان ہوئی تھی۔۔۔ سب کچھ ٹھیک تو ہے؟" اس نے پورج میں ان لوگوں کا

استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"کون لوگ تھے گر بی؟" وہ اب تانو سے پوچھ رہی تھی۔

"کون لوگ ہو سکتے ہیں۔۔۔۔۔ ڈاکو وغیرہ تھے۔" عباس نے بات گول کرتے ہوئے کہا۔

"اور گاڈ۔۔۔۔۔ کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟" وہ باتوں میں ہمارے لیے جس علیہ نے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔ بس فائرنگ کی تھی انہوں نے اور پھر بھگ گئے۔ چونکہ راز معمولی ڈنکی ہوا تھا۔" اس بار بھی عباس

نے ہی جواب دیا۔

"تم نے کمرے ٹھیک کر دیا ہے؟"

"ہاں میں نے بستر وغیرہ لگوا دیے ہیں۔ ویسے تو صبح ہونے والی ہے مگر آپ لوگ تو ساری رات سوئے

ہی نہیں ہوں گے۔ بہتر ہے کچھ دیر آرام کر لیں۔" تانیہ نے کہا۔

لازم ان کا سامان لے کر پہلے ہی جا چکا تھا۔ تانیہ ناؤ کو ساتھ لے کر اندر جانے لگی۔ علیہ نے بھی ان کے

اسے حالات کا کوئی اعزازہ ہی نہیں ہے۔ آپ اس کی کہنی اور مڑاج تو چاہتے ہی ہیں۔“ عراب کھل کر اس کا دفاع کر رہا تھا۔

”وہ ابھی تک اس شاک سے باہر نہیں آئی۔ کچھ عرصہ کے بعد جب وہ ٹھیک ہوگی۔ تو اپنی اس حرکت کی (نامعقولیت) Absurdity کو خود ہی محسوس کر لے گی۔ اس لئے میں آپ سے ریکویٹ کرتا ہوں کہ آپ اس سے ابھی کوئی بات نہ کریں۔“ ایاز حیدر نے ایک گہرا سانس لیا۔

”ٹھیک ہے۔ میں اس سے بات نہیں کرتا تم اسے صبح اسلام آباد بھجوا دو۔“

”ہاں، وہ وہیں کر دوں گا اور گرینی۔“ عمر نے سکون کا سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

”کی اہلال تو کہیں عباس کے پاس ہی رہے۔ دو۔ بعد میں وہ واپس چلی جائیں گی۔“ ایاز حیدر نے کہا۔

”اور میں؟“ عمر نے ان سے پوچھا۔

”تم بھی ابھی واپس مت جاؤ۔ جب تک سارا معاملہ ٹھیک نہیں ہو جاتا۔ لاہور میں ہی روکو۔۔۔۔۔ میں نے آئی جی سے بات کی ہے۔ وہ تمہارا ایک ہفتے کی چھٹی اپرو کروں گے۔“ وہ اسے بتاتے گئے۔

”آپ کی جنس نیاز کے ساتھ ملاقات ہوئی ہے؟“

”ابھی نہیں۔ شاید کیا پرسوں میں خود بھی یہ معاملہ نفاذ کری واپس جاؤں گا۔ صورت حال ضرورت

سے زیادہ خراب ہے۔“ عمران کے چلنے پر کچھ چوٹا۔

”کیوں کیا ہوا؟“

”جیمز آف کاسرس کا ایک وفد آج چیف مشنر سے ملا ہے اور کل وہ انٹریئر مشنر سے مل رہے ہیں۔ انٹریئر مشنر نے آج فون پر مجھ سے بات کی ہے۔ معاملہ خاصا طویل پکڑ رہا ہے۔“

وہ تنبیہ کی سے ان کی بات مستلزا۔

”تم لوگوں نے بھی احتیاط کا مظاہرہ نہیں کیا۔“

”کیسی احتیاط؟“

”اٹکنسے چلے جھکا کر مار دیے۔“

”اٹکل! آپ جانتے ہیں ساری صورت حال کو، ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔“

”میں جانتا ہوں، اس کے باوجود اتنی Poor پنڈنگ کی ہے تم دونوں نے۔ کہ مجھے تیرائی تو وری ہے۔ تم تو چلو۔ ابھی سنو وہ فیملی میں مگر عباس پر تیرت وری ہے مجھے۔ اتنے جھول چھوڑے ہیں اس نے کراب مجھے سب کچھ کو آپ کر نے میں وقت پیش آ رہی ہے۔“

عمر نے عباس کو دیکھا، وہ اس کی طرف حیرت خور شاید اسے والی گفتگو کا کچھ اندازہ بھی تھا۔

”جب تم لوگوں کو ان کی تعلیم کا پتا چل گیا تھا تو بہتر تھا تم کو نہ مارتے۔ جنس نیاز کے بیٹے کو مار

دیتے۔ باتوں کو چھوڑ دیجئے۔ کم از کم یہ جو کرو چنگ ہو گئی ہے ان چاروں فیملیوں کی۔ یہ تو نہ ہوئی۔“

انہیں اطلاع دی۔

”مگنا۔ اسے کوئی شک تو نہیں ہوا؟“

”نہیں، میرا خیال ہے، اسے کوئی شک نہیں ہوا۔۔۔ وہ خاصی شرمندہ ہے۔“ عباس نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تم اب کل اسے اسلام آباد بھیج دو۔“

”آپ نے اما سے بات کی ہے؟“

”نہیں، ابھی تجویزی دیر بعد کروں گا۔ پہلے یہ تو کنفرم ہو جاتا کہ پانچ

کامیاب رہے یا نہیں۔“ دوسری طرف سے ایاز حیدر نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ آپ اما سے بات کر لیں اور ایک بات کا خیال رکھیں، ہم نے طیلر کو بھی بتایا ہے کہ آپ کو

کچھ چاہئیں ہے اور ہم جو بھی کر رہے ہیں یا اس نے جو بھی کیا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کو بتایا نہیں گیا۔“ عباس

نے اچانک یاد آئے پر کہا۔

”یہ کیوں؟ میں اس سے واقعی بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی اس ساری جانت پر؟“ ایاز حیدر نے کہا۔

”پاپا! یہ عمر نے کہا ہے۔ آپ اس سلسلے میں عمر سے بات کر لیں۔“ عباس نے موبائل پر کہا اور بات

کرتے ہوئے موبائل عمر کی طرف بڑھا دیا۔

عمر ایاز حیدر کے ساتھ ہونے والی اس کی گفتگو بڑے غور سے سن رہا تھا، اس نے کسی سوال یا اعتراض کے

بغیر عباس کے ہاتھ سے موبائل پکڑ لیا۔ دیکھی سلام دعا کے بعد ایاز حیدر نے چھوٹے ہی اس سے بھی وہی کہا جو وہ

عباس سے کہہ چکے تھے۔

”طیلر کو یہ کیوں کہا ہے تم نے کہ تم لوگوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا؟“ انہوں نے جیسے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اٹکل! وہ پہلے ہی خاصی شرمندہ ہے میں اسے اور شرمندہ کرنا نہیں چاہتا۔“ عمر نے دفاعاً نڈاندا میں کہا۔

”ہو سکتا ہے۔ وہ شرمندہ ہو لیکن اس سے اس سلسلے میں بات تو ہونی چاہئے۔ جو کچھ اس نے کرنے کی

کوشش کی ہے۔ It is simply outrageous۔۔۔۔۔ میں تو اس سے اس سب کی توقع ہی نہیں کر رہا تھا اور نہ ہی

عباس۔۔۔۔۔“

”لیکن اٹکل۔۔۔۔۔“ عمر نے کچھ کہنے کی کوشش کی ایاز حیدر نے اس کی بات کاٹ دی۔

”اسے اعزازہ تو ہونا چاہئے کہ اس کی یہ جانت سختی عجیب ثابت ہو سکتی تھی۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مگر وہ آج کل جس فریم آف مائنڈ میں ہے، شاید اسے صحیح اعزازہ ہی نہیں

ہے۔“ ایاز حیدر نے عمر کی بات کاٹ دی۔

”نہیں، اسے اعزازہ تو ہے۔۔۔۔۔ عباس سے اس نے جو کچھ کہا۔ اس سے یہ بات تو خاصی واضح ہو جاتی ہے

کہ وہ یہ سب کچھ سوچے سمجھے بغیر نہیں کر رہی۔“

”اٹکل! وہ اس وقت غصے میں تھی۔ غصے میں بہت ساری باتیں سوچے سمجھے بغیر کہی جاتی ہیں۔ اور مگر

عباس ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ عمر کو کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اس سے پہلے

"چاہے وہ اس طرح کی حماقتیں کرے۔" جہاس نے جیسے انداز میں کہا۔

”وہ آئندہ ایسا کچھ نہیں کرے گی۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔“

عہاس کچھ دبا اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

”شادی کیوں نہیں کر لیتے؟“ عمر نے جرنی سے اس کا منہ دیکھا۔

”کیا اعتقاد سوال ہے۔۔۔ اس ساری گفتگو کے دوران میری شادی کہاں سے آگئی۔“

”میں تمہاری اور علیہ کی شادی کی بات کر رہا ہوں۔“ عہاس نے اسی انداز میں کہا۔

”کم آن۔“ عمر نے سگریٹ کو الٹاں مرنے میں بھیجتے ہوئے سگریٹ کے پیکٹ سے ایک اور سگریٹ نکال لیا۔

”کیوں؟ پسند نہیں کرتے تم اسے؟“

”عہاس! کوئی اور بات کرو۔“

”کیوں؟ یہ کیوں نہیں۔ تمہاری اچھی خاصی Affiliation ہے اس کے ساتھ۔ بلکہ انڈر اسٹینڈنگ

بھی۔۔۔ جنہیں شادی کر لینی چاہئے اس کے ساتھ۔“

”عہاس! ہم کچھ اور بات کر رہے تھے۔“ عمر کا چہرہ سپاٹ تھا۔ ”اور تم اب جو کچھ کر رہے ہو۔۔۔ اس کا

اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”کیا تعلق ہے؟“ عمر نے دوبارہ کہا۔

”تم سے شادی ہونے کے بعد وہ اس سارے واقعے کے بارے میں کسی سے بات نہیں کرے گی۔“

”تم کیسے کہہ سکتے ہو؟“

”اپنے شوہر کو کورٹ میں کیسے کیسے گی؟ میں جینسوں کا تو تم بھی پوچھو گے۔ اور علیہ یہ نہیں کرے

گی۔۔۔ ہم اس کے بارے میں یہ فکر ہو سکتے ہیں۔“

”عمر! میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔“ عہاس نے اس کی بے توقیری محسوس کی۔

”میں جانتا ہوں۔“ عمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”وہ اچھی لڑکی ہے۔“

”میں یہ بھی جانتا ہوں۔“

”تم دونوں ساتھ خوش رہ سکتے ہو۔“

”نہیں۔“ اس نے لمحہ کسی توقف کے کہا۔ ”ہم ایک ساتھ خوش نہیں رہ سکتے۔“

”کیوں؟“ عہاس نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ سب چھوڑ دو۔۔۔ اسلام آباد میں ابھی انکی کچھ عرصہ پر چیک رکھو۔“ عمر نے یک دم موضوع بدل دیا۔

”جسٹس نیاز کے آپرٹر کو بھی کہنا کہ اس سلسلے میں احتیاط کرے۔ علیہ کی آواز پہچانتا ہے۔ آئندہ

بھی اگر کسی وہ کال کرے تو وہ جسٹس نیاز سے رابطہ کروانے کے بجائے خود ہی بات کرے۔“

اس نے اب ہاتھ میں کھڑا ہو سگریٹ سامنے بڑے ہوئے الٹاں مرنے میں اجمال دیا۔

”میں اس کی دوست شہلا سے بھی بات کر لوں گا۔ وہ بھی اس سے بات کرے گی۔ میں بھی دیکھتا ہوں اس

سے رابطہ کرتا رہوں گا۔“

وہ یوں ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ عہاس بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”تم یہیں رہ جاؤ۔ صبح تو ہونے والی ہے۔ اب ہوئی کہاں جاؤ گے؟“

”نہیں۔ مجھے جانا ہے۔ کچھ کام ہے مجھے۔ دینے بھی ہوگی میں زیادہ آرام سے ہوتا ہوں میں۔“ اس

نے مسکراتے ہوئے کہا۔ عہاس اس کے ساتھ چلنے لگا۔

باہر پورج سے نکلے ہوئے اس نے عمر سے کہا۔ ”میری بات پر غور ضرور کرو۔“

”نکس بات پر؟“

”علیہ کے ساتھ شادی پر۔“

”میں بہت پہلے اس پر غور کر چکا ہوں۔“

”چھو۔“

”جنہیں مٹا دو یا ہے۔“

عہاس نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”تم زندگی میں ایک کے بعد ایک بے وقوفی کر رہے ہو۔۔۔ کسی دن

ایمانداری سے اپنا تجزیہ کرنا۔ شاید جنہیں یہ جال چل جائے کہ بعض دفعہ دوسروں کا مشورہ مان لیتا چاہئے۔“ عہاس

نے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہلکا سا ڈاؤنڈال کر کہا۔

”تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہو۔۔۔ صرف تم ہی اسے پسند نہیں

کرتے۔ وہ بھی کرتی ہے۔“

عمر اس بات پر کچھ کہنے کے بجائے صرف مسکرا دیا۔

”صبح دس بجے تو بیچے کے قریب میں جنہیں فون کروں گا۔“

عہاس نے اس کے کندھے کو ہلکا سا چھو لیا۔

”ایک بار مجھ پر مضمون بدل رہے ہو۔ تم ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔“

عمر جواب میں کچھ کہنے لپٹے اپنی کار میں بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆

”تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں اس سارے سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟“

تاہیں کھیلنے میں ایاز حیدر کے ساتھ ہونے والی لمبی چوڑی گفتگو کے بعد کہا۔ وہ ایاز حیدر کے فرسٹ کزن

تھے اور سی بی آر میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ ایاز حیدر کو کچھ دیر پہلے انہوں نے فون کیا تھا۔

بچپن چند دنوں میں ایاز حیدر بہت سارے رشتہ داروں، کونکیز اور دوستوں کے ساتھ مسلسل رابطے میں

خبرات میں یہ اسکیپٹل سامنے آنے پر اور عاس کی اس میں انوالومنٹ کی خبر پائے ہی یہ دراصل شروع ہو گئے تھے۔ ہر ایک انہیں اپنے تعاون اور مدد کا یقین دلا رہا تھا اور ایاز حیدر ابھی طرح جانے تھے کہ یہ صرف خالی غولی تھیں۔ وہ لوگ واقعی ہر قیمت پر ان کے بچنے کی مدد کرنا چاہ رہے تھے۔

”میں چاہتا ہوں، قاسم درانی کو جینٹل کرنے میں تم سیری مدد کرو۔“ ایاز حیدر نے ان کی پیشکش پر کہا۔
 ”کس طرح کی مدد؟“

”اس کی فیکٹریز کی ٹیکس فائلز کو ذرا ایک بار پھر کھولو..... ٹیکس کے معاملے میں ٹریک ریکارڈ کیسا ہے اس کا؟“

ایاز حیدر نے پوچھا۔

ہاویں نے ایک ہکا ساقبہ لگایا "کیسا ہو سکتا ہے؟....." مہنی دیا ہی ہے جیسا جمیر آف کامرس کے کسی بھی عہدے دار کا ہو سکتا ہے..... جو پتہ بنا انکس چور..... دو اتنا ہی بڑا انٹرنرلیسٹ "

”یعنی ہاتھ صاف نہیں ہیں اس کے؟“

”مجھے قہقہہ لگتا تو ہوتا نہیں..... مگر میرا خیال ہے، یہ بھی ان انڈسٹریل میں شامل ہے جو پراپیگنڈا کی وجہ سے بھاہا ہے۔ پراپیگنڈا کی پارتی کوٹھ میں خاصی کمی چوڑی روم دیتا رہتا ہے۔“

”تم تو اسی طور پر نہیں جانتے اسے؟“

”نہیں..... دو چار پارٹیز میں سلام دعا ضرور ہوئی ہے اور چہرے سے واقف ہوں مگر کوئی لمبے چوڑے روابط نہیں ہیں اس کے ساتھ۔“ انہوں نے بتایا۔

”تمہارا کیا خیال ہے، اس کے ٹکس ریکارڈ کی جھانک جین شروع ہونے پر۔“ ادب سے سے غلط اہوت ہو سکتی ہے؟“
 ”یہ تو طے شدہ ہے..... میں نے تمہیں بتایا کہ خاصا بڑی قوم ڈونٹ کرنا رہا ہے پرائم مشنر کی پادری کو۔“
 گالوں نے اپنی رائے دی۔

”دیکھو، میں کوئی اس کے ٹکس کے معاملات ٹھیک کر دانا چاہتا، نہ ہی میں اس کے خلاف تمہارے اپارٹمنٹ کی طرف سے کوئی ٹکس کر دانا چاہتا ہوں۔“

”تو پھر؟“

”میں صرف فوری طور پر اسے پریشر انزکرتا چاہتا ہوں اور اس کے ساتھ جیبر کے جو دوسرے ٹولک کھڑے ہیں، انہیں تھوڑا سا خوفزدہ کرنا چاہتا ہوں۔“ ایاز حیدر نے ان کے ساتھ اٹھانچا عمل دیکس کرتے ہوئے کہا۔

”انگریز مسخرے مجھے بتایا ہے کہ جمہور کے ایک وفد نے اسی سارے معاملے پر ان تک اپنا احتجاج پہنچانے کے لئے ان کے اہل کھٹک لے ہے۔ اور مجھے یہ خوش ہے کہ یہ اسلام آباد جمہور بھی اسی سلسلے میں پریٹریکٹرز کرے۔۔۔۔۔ اہل اس کے غلطی اس کے بڑے بڑے کاسرے۔“

"تم اسلام آباد چیمبر کی فکر مت کرو۔۔۔۔۔ سلیمان سے بات کر لوں گا میں ۔۔۔۔۔ وہ وہاں ایسی کوئی چیز نہیں ہونے دے گا۔۔۔۔۔ پھر بھی مجی ادھر ہی ہوں۔۔۔۔۔ پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے۔" ہالائوں نے اپنے ایک

امت کا نام لیا جو اسلام آباد جمیئر آف کامرس کا عہدے دار تھا۔

”خالی دودھ کے پلٹے سے میں پریشان نہیں ہوتا مگر اگر ان لوگوں نے کوئی اسٹرائیک یا جلوس لانچ کرنے کی کوشش کی تو پھر صورت حال خاصی خراب ہوگی..... میڈیا پہلے ہی سارے معاملے کو بہت ہائی لائٹ کر رہا ہے، انہیں اور فرسٹ پیج اسسٹنٹ مل جائے گا۔“

”ایاز! تو خام خوجوا پریشان ہو رہے ہو۔۔۔ قاسم خاصا بااثر آدمی ہے۔ مگر جہاں تک ایک ایسی کسٹریکٹ کا متعلق ہے تو مجھے یہ ممکن نہیں آتا جیسے کہ الکبشز قریب ہیں اور قاسم کا مخالف گروپ خاصا مضبوط ہے۔ عام الکبشز الکبشال بھی ہے کہ آنے والے الیکشن میں مخالف گروپ کلین سوپ کرے گا۔۔۔ قاسم دیکھے ایسے آئندہ الکبشز میں حصہ نہیں لیں رہے۔ ایسی صورت حال میں جیسے کہ کتنی سپورٹ اس کے پاس ہے۔ یہ تو بہت یکسر ہے۔“ ہالین نے صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

”میں رؤف کو کہوں گا کہ وہ اس سلسلے میں مخالف گروپ سے بات کرے..... بھارتی کا ایک ہلکا ہلکا جھانکا
آج کے اخبار میں بھی تاحس میں اس نے وہ نظریے پیش کیے ہیں کہ جبر کو کسی کے ذاتی مفادات کے لئے استعمال
نہیں ہونا چاہئے اور اس کا اشارہ عام کے بیٹے کی موت کے سلسلے میں جانے والے ان فوجی طرف تھا۔“
”لیکن جبر کے بہت سے لوگ جو مذہبی بیانات دے رہے ہیں اور ترمذی پیش ہوئی ہیں ان کے بارے
میں کیا کہو؟ تم؟“ لہذا میرے کہنا۔

”اودھ پارا بیانات اور قراردادوں کو چھوڑ دو..... اخباری بیانات کی دیکھو کیا ہوتی ہے..... آج لٹن کے چار بیانات شائع ہوئے ہیں کل کو ہمارے آٹھ شائع ہوئے تھیں گے..... میں نے نازی کی بیجان کی بات اس لئے کہ یہیں جیمز کے نام نہاد اتحاد کے بارے میں بتاؤں، جس کے بارے میں تم قہر مند ہو..... ایسے خاصے اختیارات کا قاسم اور نازی کے گروپ میں اور..... جوں جوں وقت گزرے گا یہ برص ہوں گے..... اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ ٹرانسٹیک یا جلوس کی کویت آ سکتی ہے“۔ ”ہاںوں کے لکھ میں لارڈائی تھی۔“

”میں پھر بھی یہ چاہتا ہوں کہ قاسم کے ٹیکس ریٹرنز کو ایک بار پھر دیکھا جائے بلکہ اگر کچھ آفسز پر ریٹرنز ہو
میں تو اور بھی بہتر ہے۔“

”کیونکہ اس کو نوش بھی بخواتین ہوں۔۔۔۔۔ ریزہ ریزہ بھی کروا دیتا ہوں مگر کیا وہ اس پر ادرا نہیں ہو گئے؟“

”جیسے اس کے مجھنے کی پروا نہیں ہے۔ میں اسے اس حوالے سے پریشان کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے حواریوں کو بھی انہیں اسے ٹکڑے ریزہ ریزہ کن کر شروع ہو جائے گی۔“

”ٹھیک ہے، میں کل صبح ہی یہ کام کروا دیتا ہوں لیکن جتنی کچھ مسئلہ کھڑا کرے گا۔ قاسم درانی کی Pay پر ہے وہ اور قاسم سید حوالے ہی پکڑے گا۔“ ہائیوں نے اس علاقے کے انکم ٹیکس کمشنر کا نام لیا جہاں قاسم کی فرمائش تھی۔

”بچی کو سارا مسئلہ بتاؤ..... اسے کہو کہ یا تو وہ چند دن کی چھٹی لے کر کہیں چلا جائے..... یا پھر قاسم کو

محاطات طے کروادیں۔ فی الحال جنس نیاز اس پر رضا مند نہیں ہے۔۔۔۔۔ اس کا مطالعہ ہے کہ پہلے عباس اور عمر کو معطل کیا جائے۔ اس کے بعد بھر کچھ طے ہوگا۔ اور میں ان دونوں کا سرسوں پر رکاز خراب نہیں ہونے دوں گا۔۔۔۔۔“

ایاز حیدر نے کہا۔

”ڈھنٹ درزی، کچھ نہیں ہوگا۔ جنس نیاز کو یہ بھی لازم لاعت میں رہنے کا شوق ہے، ہر دو چار ماہ کے بعد کوئی نہ کوئی انشو بنایا ہوتا ہے اس نے۔۔۔۔۔ اس بار پر میں کو پیلے کی طرح استعمال کرے گا تو خالصا بچتا ہے گا۔“ ہمایوں نکلیل نے فون بند کرنے سے پہلے آخری جملہ ادا کیا۔

☆☆☆

اگلے دن شام کی فلاح سے دوہ اسلام آباد پہنچی۔ ایاز حیدر کے ڈرائیور نے انٹر پورٹ پر اسے ریسو کیا اور گھر پہنچے پر اس نے ایاز حیدر کی بیوی کو اپنا شکر بٹایا۔

رکی ٹیک سلیک کے بعد وہ جان بگی جی گا کہ ایاز حیدر لاہور میں تھے اور انہیں ابھی چند دن رہنا تھا۔ ایاز حیدر کی بیوی سے بات کر کے اسے یہ اعزاء ہو گیا تھا کہ وہ پچھلے کچھ دنوں کے واقعات میں علیہ کی انوائٹمنٹ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ انہیں صرف اتنا پتا تھا کہ لاہور والے گھر پر کچھ ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا۔ اور کچھ عرصہ کے لئے ناؤ اور علیہ نے وہ گھر چھوڑ دیا ہے۔ مرمت وغیرہ ہو جانے کے بعد وہ دونوں واپس وہاں چلی جائیں گے۔

وہ علیہ سے ہونے والے نقصان کے بارے میں پوچھتی رہیں اور اپنے انوسوں کا اظہار کرتی رہیں۔

”لاوائڈ آڈر کا تو تم پچھو ہی مت۔۔۔۔۔ لاہور کے حالات تو خیر پہلے ہی خاصے خراب ہیں مگر اب اسلام آباد بھی محفوظ نہیں رہا۔۔۔۔۔ ہر چرہ اب پوش علاقے میں ہو رہی ہے۔“ وہ چائے پینے کے دوران اسے اپنے بے لاگ تہرے سے نوازی رہیں۔

علیہ کو شش کے باوجود اب کی باتیں نہ تو بے سن نہ ہی منتگلو میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ کر سکی۔ پچھلی رات ابھی بھی پوری طرح اس کے حواس پر اثر انداز ہو رہی تھی اور یہی کسی کمراس وقت اس کی دواں ہو جود کی پوری کر رہی تھی۔ عمارت سے شرفندی کے بے بسی۔۔۔۔۔ بچتا تھا۔ وہ اپنی فیلسنکو کو کپیچان نہیں پارہی تھی۔ نہی انہیں کوئی نام دے پارہی تھی۔

جیلہ ایاز کو بہت جلد ہی اس کی عائب دماغی کا احساس ہو گیا۔ ”تم آرام کرو۔۔۔۔۔ یقیناً تھک گئی ہو گی۔“ علیہ نے بے اختیار خدا کا شکر ادا کیا۔۔۔۔۔ تنہائی کے علاوہ اسے اس وقت کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ اگلے کئی دن وہ اخبار کھنکاتی رہی۔ عمر اور عباس کی بات بالکل ٹھیک تھی۔ کسی بھی اخبار میں جنس نیاز کے ساتھ فون پر کئے جانے والے اس کے انکشاف کے بارے میں کوئی بھی خبر نہیں تھی۔ وہ اعزاء نہیں لگا سکی۔ اسے اس سے خوشی ہوئی تھی یا مایوسی۔

اگلے چند دنوں کے بعد ایاز حیدر اسلام آباد واپس آ گئے تھے۔ ان کے روپے سے علیہ کو احساس نہیں ہوا

بالکل نظر انداز کرے، اس کے رابطہ کرنے پر بھی اس سے بات نہ کرے اور اگر مجبوراً اسے قاسم سے بات کرنی پڑ جائے تو بھر جان مٹول کرے۔۔۔۔۔ قاسم سے کہے کہ سب کچھ ادا ہے۔۔۔۔۔ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔“

”قاسم اسے کیا بچا جائے گا۔۔۔۔۔ وہ براہ لاکھوں دے رہا ہے۔ اسے۔۔۔۔۔ ضرورت پڑنے پر پہنچی اس کے کام نہ آتا تو وہ تو برداشت نہیں کرے گا۔۔۔۔۔ میں یہی کرتا ہوں کہ کئی کچھ جھٹی لینے پر مجبور کر ہوں۔“ ہمایوں نے کہا۔

”ٹھیک ہے جو بھی چاہو کرو۔۔۔۔۔ مگر جلدی کرو۔۔۔۔۔ اور مجھے قاسم درانی کے انکم ٹیکس ریٹرنز کی کچھ کاپیز چاہئیں۔“

”کیوں؟“

”پریس کے لئے۔“

”مگر وہ تو کافینیکل ہوتی ہیں، میں جنس میں دے بھی دوں تو پریس والے اعتراض کریں گے انہیں شک ہوگا اور مجھ وہ واقعی سمجھیں گے کہ قاسم کے دعوؤں میں حقیقت ہے اور بھیر کر کسی اسے پریشان کر رہی ہے۔ انکم ٹیکس والے جان بھر کر اس وقت ٹیکس کے معاملے کے گزے سروے اکٹاز کر ساتے لا رہے ہیں۔“

”ہمایوں! وہ سب میں دیکھ لو گا۔۔۔۔۔ پریس میں ہیں کچھ میرے جانے والے۔۔۔۔۔ وہ سب کچھ سنبھال لیں گے۔“ ایاز حیدر نے لاہور والی سے کہا۔

”اوکے۔۔۔۔۔ میں بھر کس تم سے دوبارہ کامیٹ کرتا ہوں اور تمہیں آگے کی صورت حال بتاتا ہوں، لیکن میں جنسیں بتا دوں کہ اس کے ٹیکس کے معاملات اتنے خراب ہیں کہ اسے بچانے کے لئے بیورو کر سکیں گے اندر کے بہت سے لوگ سامنے آ جائیں گے۔ جن کی مدد سے اس نے پچھلے تین برسوں سال میں ٹیکس بچایا ہے۔ پھر جنسیں بھی خاص حالت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔“ ہمایوں نے اسے غصے سے آگاہ کیا۔

”مجھے اس کے ٹیکس کے معاملات ٹھیک کرانے میں کوئی دیکھی نہیں ہے۔ میں صرف اپنے بیٹے اور عمر کو اس معاملے سے لگانا چاہتا ہوں۔“ قاسم اس کا تے فونم کرے۔۔۔۔۔ میں اس کے ٹیکس انفر ڈکٹو ہماڑ میں پیکس دوں گا اور یہ نیجہ تم ان Big wigs کو ابھی طرح سمجھا سکتے ہو۔“ ایاز نے کہا۔

”تمہارا کیا خیال ہے؟ یہ سب کتنے دن چلے گا؟“ ہمایوں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے تو قاسم اور جنس نیاز کے اسٹیمپا پر منحصر ہے۔“ ایاز حیدر نے کہا۔

”قاسم کو تو اس طرح قابو کرو گے۔ لیکن جنس نیاز کے لئے کیا کرو گے؟“ ہمایوں نے پوچھا۔

”جنس نیاز کے بارے میں خامی خبریں ہیں میرے پاس۔ تمہارے کافی کام آ سکیں گی۔ انصاف

”بیچے۔“ میں خامی شہرت حاصل ہے اس آؤ کی۔۔۔۔۔

”اس کا یہ حوالہ میرے لئے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔“

”چیف فشر کے ساتھ اگلی میٹنگ کب ہے تمہاری؟“

”اس کے بارے میں مجھے پتا نہیں۔۔۔۔۔ وہ کوشش کر رہے ہیں کہ مجھے اور جنس نیاز کو آٹے سامنے بٹھا کر

کردہ کچھ بھی جانتے تھے۔ وہ کم از کم اس معاملے میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔ عمر اور عباس نے اس معاملے میں اسے بچالیا تھا۔ کم از کم وہ بھی سمجھ رہی تھی۔

ایاز حیدر کے گھر پر وہ ایک بہت ہی بڑی زندگی گزار رہی تھی۔ ایاز اور جیلہ کی اپنی مصروفیات تھیں۔ وہ دونوں بہت کم ہی گھر پر ہوتے۔ علیحدہ سارے دن گھر پر ہی دی دیکھتے یا کتابیں پڑھتے ہوئے وقت گزارتی۔ یا پھر لاگت ڈراما پر نکل جاتی۔ رات کے وقت جیلہ اور ایاز حیدر اسے اکثر ان مختلف ڈراموں میں ساتھ لے جاتے تھے۔ وہ عموماً وہ۔ وہ دونوں بہت سوشل تھے اور بہت کم ہی کوئی رات ہوتی جو وہ نہیں دیکھیں یا غور نہ ہوتے۔ علیحدہ بعض دفعہ فونی سے ان کے ساتھ چائی اور بعض دفعہ ایاز حیدر کے اصرار پر زبردستی، وہ دونوں آہستہ آہستہ اسے بہت ساری فلمیں کے ساتھ متعارف کرادے تھے۔

عمر اسے وقتاً فوقتاً فون کرنا رہتا تھا۔

”میں واپس آؤں گی؟“ وہ ہر بار اسے ایک ہی سوال کرتی۔

”بس کچھ دن اور“ وہ ایک ہی جملہ ہر اتار اور پھر کوئی اور بات شروع کرتا۔

پھر آہستہ آہستہ اس کی کالز میں آنے والا وقفہ بڑھنے لگا لیکن ہر بار کال آنے پر اس کی آواز اور لہجے میں اتنی گرم جوش ہوتی کہ علیحدہ شکایت نہ کرنا بھول جاتی یا شاید اگلی بار کے لئے ملوثی کر دیتی۔

وہ نالوارہ شہلا سے بھی مسلسل رابطے میں تھی۔ اپنے زلزل کا بھی اسے شہلا کے ذریعے ہی پتا چلا تھا۔ لاہور واپس جانے کے لئے اس کی بے تابی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

عمر نے اسے مبارکباد دینے کے لئے فون کیا۔ ”ابھی کچھ وقفے تھکے گئے۔“ وہاں کچھ مورت وہ رہی ہے۔ اس لئے وہاں تو تم نہیں ٹھہر سکتی۔ عباس کے ہاں ہی رکنا پڑے گا جہیں۔“ یا پھر تم میرے پاس آ جاؤ۔“

عمر نے ایک بار پھر اس کے سوال پر کہا۔

”نہیں پھر میں نہیں اسلام آباد میں رہتی ہوں لیکن آپ مجھے یہ بتا دیں کہ یہ سرت کب ختم ہوگی؟“

”بہت جلدی“ میں جانتا ہوں۔ تم واپس آنا چاہتی ہو۔ جیسے ہی وہاں کا ختم ہوا میں جہیں بتا دوں گا۔ پھر تم آ جاؤ۔“ عمر نے ایک بار پھر اسے یقین دہانی کرادی۔

علیحدہ نے اسلام آباد آنے کے بعد عمر سے دوبارہ اس سارے معاملے کے بارے میں بات نہیں کی۔ اسے تجسس تھا اور اخبارات میں لگنے والی مختلف خبروں نے اسے تجسس کو اور بڑھا دیا تھا۔ مگر وہ اپنے اعداداتی ہمت نہیں پاتی تھی کہ عمر یا عباس سے اس ساری صورت حال کے بارے میں پوچھے۔

پھر ایک دم اخباروں میں اس سارے معاملے کے بارے میں خبریں آنا بند ہو گئیں۔ کچھ دنوں کے بعد اسے پتا چلا کہ عباس حیدر ایک سال کی چھٹی لے کر انگلینڈ کے مانلو کی کالونی کوس کرنے جا رہا تھا۔ اس کی چھٹی منظور ہونے سے پہلے اس کی پردوشوں بھی تھی۔ علیحدہ کو اندازہ ہو گیا کہ جنس ناز کا کس ختم ہو چکا ہے۔ عمر بھی اپنے پہلے والے شہر ہی میں پوٹلا تھا۔ علیحدہ کے احساس جرم میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

”باتیں یاد دہانی کرنا بہت آسان ہوتا ہے، یہ کام بھی کی جاسکتا ہے۔ مگر سسٹم کو بدلنا یا بدلنے کے لئے ایک جھوٹا سادہ مانگنا بھی آسان نہیں ہوتا۔“ بہت عرصہ پہلے عمر کی یہی کوئی کچھ باتیں اسے بار بار یاد آئیں۔ جو پڑے اسے اس وقت اور خود غرضانہ تھا کہ وہ اب کس قدر عجیب لگ رہا تھا۔ یہ صرف وہی جانتی تھی۔

”بچوں کو پاپنڈ کرنا اور بات ہے۔ اٹھا کر پھینک دینا اور۔ یہ حقیقت ان کو لگتی چاہئے کہ کم از کم ہماری کلاس اس سسٹم کو بدلنے کی اہلیت، صلاحیت یا شاید جرات نہیں رکھتی۔ کوئی بھی شخص اس شخص کو نہیں کاٹا جس پر خود سوار ہو۔ اور ہماری کلاس کسی دوسرے کو یہ سسٹم بدلنے نہیں دے گی۔ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو بھی وہ شے کاٹنے نہیں دیتا جس پر وہ سوار ہو۔“ یہ You miss I hit والی صورت حال ہے۔ ہماری کلاس کی خوش قسمتی ہے، ابھی تک ہم کسی بھی طرح ریسیونگ اینڈ پرنٹ نہیں پہنچے۔“

وہ اس وقت بعض دفعہ اس کی باتوں سے اتفاق نہیں کرتی تھی۔ بعض دفعہ بحث کرتی۔ یا پھر پاپنڈ ہی کے اظہار کے لئے خاموش ہو جاتی، وہ اب ان ساری باتوں کے بارے میں سوچ کر صرف شرمندہ ہوتی تھی۔

اسے شہلا زینیر والا واقعہ ابھی طرح یاد تھا۔ اس وقت اسے عمر سے شکایت ہوئی تھی کہ اس نے ایاز انکل سے کچھ راز کیوں کیا۔ سب کچھ پڑیں اب اور کونسا کب نہیں لے گیا۔

اب خود ایاز حیدر کے گھر بیٹھے وہ حالات کی ختم طریقے پر حیران ہوتی۔ وہ عمر سے کسی بھی طرح مختلف ثابت نہیں ہوتی تھی۔ جب اسے اپنی زندگی خطرے میں نظر آنے لگی تو وہ بھی کچھ راز کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

”زندگی بڑی شرمندہ کردانے والی چیز ہے۔ تم۔ میں۔ یا کوئی بھی۔ ہم سب ایک ہی جھولے میں سوار ہیں اور کوئی بھی اس میں سے اترا نہیں پا جاتا۔ کیونکہ بچے کھڑے ہو کر دوسروں کو آسان تک پہنچنے دیکنا بڑا صبر آزما اور تکلیف دہ کام ہوتا ہے۔ کم از کم مجھ میں یہ تو حوصلہ نہیں۔“ اسے عمر کی باتیں اب سمجھ میں آ رہی تھیں۔

☆☆☆

”میں تم لوگوں کی باتوں پر قطعاً یقین نہیں کر سکتا۔ اور تمہارے بیٹے کے پاس بھوت کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔“ جنس ناز چیخے فشر کی موجودگی کی پروا کئے بغیر ایاز حیدر اور عباس پر پشتال کے عالم میں چلا رہے تھے۔ وہ چاروں گھنٹے وقفہ چیخ فشر کی رہائش گاہ پر موجود تھے۔ ایاز حیدر اور عباس بڑے سکون اور خوش کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنس ناز کے الزامات اور چیخ و کراہ کو سن رہے تھے۔ چیخ فشر بار جنس ناز کا اشتعال کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ یہ نہ کر رہے ہوتے تو شاید جنس ناز یقیناً اب تک ایاز حیدر اور عباس کے ساتھ ہاتھ پائی کر رہے ہوتے۔

”نواز صاحب! آپ۔ دیکھیں۔ میری سیشن۔ میں آپ کے جذبات سمجھتا ہوں مگر دیکھیں۔ اس طرح سب کچھ کیسے بٹے ہوگا۔ آپ دونوں فریق آرام سے ایک دوسرے کی بات سنیں۔“ چیخ فشر نے ان کا بارہ بچنے لانے کی ایک اور کوشش کی۔

”آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ میں بات سنوں۔ میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کروں۔“ جنس ناز ان کی بات

آپ کا عہدہ تھا۔ درنہ لاہور کی ساری پولیس کو اس کے اور اس کے دوستوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ اس بار ایاز حیدر کی آواز بھی بلند تھی۔

”آپ کو اپنے بیٹے کی موت کی بہت تکلیف ہے اور مجھے اپنی بھانجی کی بے عزتی کا کوئی دکھ نہیں ہوتا چاہئے۔“

”میرے بیٹے تمہاری بھانجی کی کوئی بے عزتی نہیں کی اس نے صرف اس کا تعاقب کیا۔“
 ”Your son raped my niece.“ ایاز حیدر نے اس بار سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔

☆☆☆☆

”علیہ و ابھور بن چلوں میرے ساتھ؟“ اس شام جیلہ آئی تھی ڈرنیکل پر اچانک اس سے کہا۔
 ایاز حیدر کی ڈرنپر اڈوائس خطے کے بعد کافی دنوں کے بعد خلاف معمول جیلہ آئی اس کے ساتھ گھر پر ہی ڈرنکر رہی تھیں۔

”بھور بن کس لئے؟“ علیہ کو حیرت ہوئی۔

”دو میڈیکل ایجنٹس جیسا وہاں پر..... اسد لمانت علی خان اور طاہرہ سید کے ساتھ۔“
 ”کس لیے؟“

”فکڑ ریگ کر رہے ہیں ہم ایس او ایس وٹج کے لئے۔“ انہوں نے کھاب کے ککڑے کرتے ہوئے کہا۔
 ”تو یہاں اسلام آباد میں ہی کر لیتے۔ وہاں بھور بن جانے کی کیا ضرورت ہے۔“ علیہ نے کہا۔
 ”جسٹ فار اے چیچ۔“ آج کل وہاں کا موسم بہت خوشگوار ہے۔ لیکن کلب کے ممبرز کا اصرار تھا کہ یہ نقش و دیوار اڑج کیا جائے۔ انہوں نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ”دون کے لئے ابھی آؤنگ رہے گی۔ جنہیں تو دیے بھی میڈیکل سے خاصا دلچسپی ہے۔“ انہوں نے کہا۔
 ”انگل بھی جارہے ہیں؟“ علیہ نے پوچھا۔

”ایاز؟“ انہیں وہ کچھان جا رہا ہے..... ایک دن کی ہوتی تو شاید اس کا سوڈ بھی جاتا مگر دون کے لئے وہاں رکتا تو خاصا مشکل پہنچتا ہے، اس کے لئے۔“

”ٹھیک ہے، میں چلوں گی۔“ علیہ نے کچھ سوچتے ہوئے۔ ”جانا کب ہے؟“

”اگلے دیک اینڈ پر۔“ انہوں نے گلاس میں پانی اٹھ پیتے ہوئے کہا۔

”اگلے دیک اینڈ پر تو میں واپس جانا چاہتی ہوں۔“

”کیوں؟“ جیلہ نے کچھ چونک کر کہا۔ ”ایاز نے تو تمہارے واپس جانے کے بارے میں کوئی نہیں کی۔“
 ”یہاں سے اس سلسلے میں کچھ کہا ہے۔“

”تم رور رہی ہو یہاں پر؟“ جیلہ نے اچانک پوچھا۔

”نہیں، رور تو نہیں ہو رہی۔ مگر میں اب واپس جا کر کچھ کرنا چاہتی ہوں..... رزلٹ کا انتظار تھا مجھے اور

پر اور مشتعل ہوئے۔“ میرا جوان اور معصوم بیٹا اس نے مار دیا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں چلاؤں بھی نہ۔“
 جشن نیاز نے عباس کو گواہی دیتے ہوئے کہا۔ چنگوٹوں کے لئے عباس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

”مرا گلی نہ دیں۔ گالی کے بغیر بات کریں، میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن گالیاں کھانے کے لئے ہم لوگ یہاں نہیں آئے ہیں۔“ ایاز حیدر نے ایک دم جشن نیاز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”تم میرے پورے خاندان کو پریس کے ذریعے ایکٹو لائز کر رہے ہو۔ میرے بیٹے کو گھر سے اٹھا کر تمہارے بیٹے نے جنسی پولیس مقابلے میں مار دیا اور میں تمہارے بیٹے کو گلی تک نہیں دے سکتا۔“

”جو کچھ ہوا مجھے اور عباس کو اس پر انصاف ہے۔ مگر جو کچھ آپ کے بیٹے نے کیا وہ بھی.....“
 جشن نیاز نے فیسے کے عالم میں ایاز حیدر کی بات کاٹ دی۔ ”کیا کیا میرے بیٹے نے..... یوں کیا کیا تھا میرے بیٹے نے؟“

”میں آپ کو بتا چکا ہوں، آپ کے بیٹے نے کیا کیا تھا۔“

”تم کبواس کرتے ہو..... جھوٹ بولتے ہو۔“

”مجھے نہ کبواس کرنے کی ضرورت ہے نہ جھوٹ بولنے کی..... جب انسان کے پاس ثبوت اور حقائق ہوں تو اسے یہ دونوں کام نہیں کرنا پڑتے۔“

”تم اور تمہارے ثبوت اور حقائق..... میں بے وقوف نہیں ہوں۔“

”آپ کی اس چیخ و پکار سے تو آپ کی کوئی تھنڈی نہیں جھلک رہی۔“ ایاز حیدر نے دہر دہا۔

”میرے بیٹے نے گھر آنے کے بعد مجھے اب کچھ بتایا تھا۔ اس نے مجھے کہا تھا اس نے ایک لڑکی کا صرف تعاقب کیا تھا اسے چند دوستوں کے ساتھ..... جسٹ فار اے چیچ اے سنٹ۔ اور اس نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔“

”آپ کے بیٹے نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔“ ایاز حیدر نے پر سکون انداز میں کہا۔

”نہیں..... اس نے مجھ سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ مجھے اس کے ایک ایک لفظ پر اعتبار ہے۔“ جشن نیاز نے اپنی پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”بہتر ہے، آپ اس کے لفظوں کے بجائے حقائق پر اعتبار کرنا سیکھیں۔“ ایاز حیدر نے اسی پر سکون انداز میں کہا۔

”آپ کا بیٹا جس کر دار کا مالک تھا..... آپ وہ.....“

جشن نیاز نے بلند آواز میں ایاز حیدر کی بات کاٹ دی۔ ”میرے بیٹے کے کردار کے بارے میں کبواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ LUMS میں پڑھ رہا تھا میرا بیٹا..... اپنے Batch

کا سب سے آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹ تھا اور تم اس پر اس طرح کے تھرمز کو اس الزامات لگا رہے ہو۔“ ان کی آواز فیسے سے جیسے پھٹ رہی تھی۔

”LUMS کی ڈگری آپ کے بیٹے کا کریٹریٹر ٹیکٹک نہیں ہے۔ وہ اگر سہری میٹر نہیں بنا تو اس کی جب

”اس نے جتنا اپنے ہوساں پر ایاز حیدر کا تیر بچان لیا ہوگا اور اسے توقع ہوگی کہ یہ کال میں نے ہی کی تھی۔“
علیہ نے ریسپورڈر اٹھا کر کریڈل سے نیچے رکھ دیا۔ وہ اس جتنی کیفیت کے ساتھ عمر سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ چند منٹ وہیں بیٹھے رہنے کے بعد اس نے ریسپورڈر واپس کریڈل پر رکھ دیا۔
لاؤنج سے نکلے ہوئے اس نے ملازم کو دعا دیت دی۔ ”تھیر! اگر عمر کا فون ہو تو ان سے کہہ دینا کہ میں بہت دیر پہلے ہو گئی تھی۔ میری ان سے بات مت کرانا۔“
اس نے ملازم کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ میڈیا خانی کی طرف جانے کے بجائے کمری کی طرف بڑھ گئی۔ کمری کے پردے ہٹا کر وہ باہر ان میں دیکھنے کی جہاں اکا کا بیٹے والی درشتیاں اسے کھل کر تکی سے بچا رہی تھیں۔

”Umer! I'll be back in a minute.“

ریسپورڈر پرستی جانے والی آواز ایک بار پھر اس کی سامتوں میں گونج رہی تھی۔ اسے باہر موجود ساری تاریکی اپنے اندر اتنی محسوس ہونے لگی۔

”عمر کے بارے میں میرا برا اندازہ ہمیشہ غلط کیوں ہوتا ہے؟ کیا میں ہمیشہ اتنی ہی بے وقوف رہوں گی یا پھر شاید۔“ وہ اپنی سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔

”میرا خیال تھا جو ڈھکھ اس کی زندگی سے نکل چکی ہے۔ مگر وہ ایک بار پھر آگئی ہے یا پھر وہ شاید کبھی نہیں آگئی ہو گی۔“ اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

☆☆☆☆

”میں تمہاری بکواس پر یقین نہیں کر سکتا۔“ جنس نیاز نے بڑے حقیرانہ انداز میں اپنے ہاتھ کو جھٹکا۔
”حقیقت کو آپ بکواس کہیں یا اس پر یقین نہ کریں، اس سے اکا کا وجود ختم ہوتا ہے نا اس کی Authenticity“ ایاز حیدر نے ایک بار پھر جس سے کہا۔

”تم اور تمہارے خائف۔“ جنس نیاز نے ایک بار پھر ایاز حیدر کو گالی دیتے ہوئے کہا۔ اس بار ایاز کا چہرہ سرخ ہو گیا، مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے چیف فشنر نے مداخلت کی۔

”نیاز صاحب! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مہذب زبان استعمال کریں۔ اس کا علم گونج سے صورت حال اور خراب ہو گئی اور یقین میں سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔“

جنس نیاز، چیف فشنر کی بات پر ایک بار پھر آگ بولہ ہو گئے۔ ”میں یہاں انصاف لینے آیا ہوں کوئی فائدہ نہیں۔“

”آپ کے بیٹے کے ساتھ انصاف ہی کیا گیا تھا۔“ ایاز حیدر کا لہجہ اس بار بالکل سرد تھا۔
اس سے پہلے کہ ان کی اس بات پر جنس نیاز اور فشنر ہوتے چیف فشنر نے ایک مہذب مداخلت کی۔
”اس فضول بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ کس نے کیا کیا میں نے آپ دونوں کو یہاں معاملات لے

کروانے کے لئے بلوایا ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہے۔ اس کو تو بدلائیں جاسکتا، نہ آپ بدل سکتے ہیں۔ یہ۔“
”ہمیں دوستانہ گفتگو کر لینا چاہیے۔“

”ہم اس کے لئے تیار ہیں اور ہم یہاں اسی لئے موجود ہیں؟“ ایاز حیدر نے ان کی تجویز پر کہا۔
”مگر میں اس کے لئے تیار ہوں نہ اس لئے یہاں آیا ہوں۔“ جنس نیاز کے لہجے میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔

”نیاز صاحب! آپ معاملے کو طویل دینے کی کوشش نہ کریں۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔“ چیف فشنر نے اس بار کچھ جھنجھلا کر کہا۔

”اگر آپ کو یہ لگ رہا ہے کہ میں معاملے کو طویل دے رہا ہوں تو ایسا ہی سمجھا۔“

چیف فشنر نے ان سے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر جنس نیاز نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

”ہوسکتا ہے آپ اس کے پریشر میں ہوں، مگر میں ایاز حیدر اور اس کے ٹیگ سے نہیں ڈرتا۔“

ایاز حیدر نے ان کی بات پر ایک لمحہ کے لئے اپنے ہونٹ میچنے لگے۔

”سرا میرے لئے اس طرح کے الفاظ استعمال نہ کریں۔ میں یہاں کسی غلطی کو بڑھانے نہیں آیا اور میں بہت برداشت کا مظاہرہ کر رہا ہوں۔“ ایاز حیدر نے اس بار براہ راست جنس نیاز کو مخاطب کیا۔

”کس نے کہا ہے کہ تم برداشت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔“ جنس نیاز نے تقریباً دھڑکتے ہوئے کہا۔

”میرے بچے کو تم نے مار ڈالا اور اب تم اس پر الزام لگا رہے ہو۔ اخبارات کے ذریعے مجھے بدنام کر رہے ہو اور یہ بھی چاہتے ہو کہ میں تم کو لوگوں کے ساتھ تھفہ بھی کروں۔“ تیم اکبر انتہائی گھٹیا اور کہنے شخص ہو ایاز حیدر۔ وہ ایک ہی سانس میں بولتے گئے۔

”آپ کے بچے کو جس وجہ سے مارا گیا، وہ میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ کوئی سوچا کچھ اٹھ نہیں تھا۔ عباس اور عمر کی جگہ آپ ہوتے اور میری بجائے آپ کی بیٹی ہوتی تو آپ بھی یہی کرتے۔“ ایاز حیدر نے کمری پر کچھ آگے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”اور میں آپ کے بیٹے پر جھوٹا الزام کیوں لگاؤں گا۔ میں اپنی بھائی کو بخود بدنام کر دوں گا۔ اپنے خاندان کی عزت کو باطلہ نہیں اچھاؤں گا؟“

وہ ایک لمحہ کے لئے رکے۔

”جہاں تک اخبارات کا تعلق ہے تو وہاں شائع ہونے والی خبروں میں بھی میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔“

”تم۔“ جنس نیاز نے قبضے کے عالم میں ان کی بات کا ٹپاٹا لی، مگر چیف فشنر نے انہیں روک دیا۔

”نیاز صاحب! آپ انہیں بات تو کرنے دیں۔ پہلے ان کی سن لیں پھر جو چاہے کہیں۔“ ان کا لہجہ اس بار انتہائی تھا۔ جنس نیاز پتا نہیں! سوچ کر چپ ہو گئے۔

”اخبارات کا جوں کا توں چاہئے۔ وہ چھاپ دیتے ہیں۔ وہ میرے غم سے نہیں چلتے، نہ ہی ان پر مجھے کوئی کنٹرول ہے۔ آج وہ آپ کے بارے میں خبر شائع کر رہے ہیں تو کل میرے بارے میں بھی چھاپ سکتے ہیں۔“

ایاز حیدر نے ایک بار بھر بڑی تنگی کی سے اپنی بات شروع کی۔

”وہیے جن میں لوگوں کے حوالے سے وہ خبریں شائع کر رہے ہیں ان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ آپ کا ہی تعلق ہے آپ مختلف اوقات میں ان مقدمات میں فیصلے دیتے رہے ہیں اور ان لوگوں کو ان فیصلوں کے حوالے سے اعتراضات ہیں۔“

جنسٹس نیاز کے ماتھے پر پڑے ہوئے بالوں میں اضافہ ہوتا گیا۔

”اور یہ لوگ صرف اب ہی اخبارات میں بیان نہیں دے رہے، یہ پہلے بھی بہت سے بیانات دیتے رہے ہیں۔ کیا اس وقت بھی انہیں اخبارات تک لانے کا ذمہ دار میں تھا۔“

ایاز حیدر اس بار کچھ فیسے کے عالم میں کہتے گئے۔

”آپ کے بیٹے کے ساتھ سب کچھ کس وجہ سے ہوا میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ آپ اسے جھوٹ سمجھیں یا جرم بھی کہیں اس سے حقیقت تبدیل نہیں ہوگی۔“ انہوں نے اچانک اپنی ٹانگ پر دی۔

”آپ کو اگر اسے بیٹے کی موت کا ٹوکہ ہے تو مجھے بھی اپنی بھانجی کی بے لگائی کا رنج ہے۔ اگر آپ کے بیٹے کو زندگی سے محروم ہونا پڑا ہے تو میری بھانجی کی زندگی میں تباہی ہو گئی ہے۔“ اس بار ان کی آواز میں واضح افسردگی موجود تھی۔

”وہ ابھی تک اسلام آباد کے ایک کلینک میں زیر علاج ہے، اس کی وقتی حالت اتنی خراب ہے کہ ڈاکٹرز اسے علاج کے لئے بیرون ملک لے جانے کا کہہ رہے ہیں۔“

جنسٹس نیاز اس بار خاموش نہیں رہ سکے۔ تم دینا کے سب سے بڑے بھولے آدمی ہو۔۔۔۔۔ میں نے جنہیں بتایا ہے میرے بیٹے نے تہذیبی بھانجی کا صرف تعاقب کیا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ تہذیبی بھانجی تھی اور اس نے مجھے یہ سب کچھ بتا دیا تھا۔

”آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔“ ایاز حیدر نے اس بار پہلی دفعہ ان کی بات کاٹی۔

”میں جھوٹ بول رہا ہوں؟“

”ہاں آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر یہ سچ ہوتا تو آپ نے میری مدد کے گھر پر فائرنگ کروا کر میری بھانجی کو انوار کے کی کوشش نہ کی ہوتی۔“

”میں نے کیا کیا؟“ جنسٹس نیاز جیسے بکا بکا رو گئے۔

”آپ نے ہمارے خاندانی گھر پر حملہ کر دیا اور میری بھانجی کو انوار کے کی کوشش کی، یہ صرف ایک اتفاق تھا کہ میری بھانجی وہاں نہیں تھی اور پولیس وقت پر وہاں پہنچ گئی۔“

جنسٹس نیاز کچھ نہ سمجھتے ہوئے چیف منسٹر کو دیکھنے لگے۔

”یہ کیا کہہ رہا ہے، میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔۔۔۔۔ کون سا حملہ؟ کیا انوار؟“

”یہ حقیقت ہے نیاز صاحب ایاز حیدر غلط نہیں کہہ رہے نہ ہی جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان کے گھر پر حملہ ہوا

ہے۔“ اس بار چیف منسٹر نے تنگی کی سے کہا۔ حملہ کرنے والوں نے چرکیا اور گولی مارنے کے علاوہ گھر پر زبردست فائرنگ کی۔۔۔۔۔ سامان کو توڑ پھوڑ ڈالا۔۔۔۔۔ ان کی بھانجی وہاں نہیں تھیں، صرف سسر معاذ حیدر تھے۔ جو چھپ گئیں۔۔۔۔۔ اسی دوران پولیس وہاں پہنچ گئی اور ان کی جان بچ گئی۔ کیونکہ وہ لوگ وہاں سے فرار ہو گئے۔ ایاز حیدر نے مجھے فوری طور پر اسی وقت اس واقعہ کی اطلاع دے دی تھی۔“

چیف منسٹر نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

”ہو سکتا ہے ہوا ہوا ایسا، لیکن اس سے میرا تعلق کیسے بنتا ہے؟“ جنسٹس نیاز نے اس بار اچھے ہوئے انداز میں کہا۔

”ایاز حیدر نے آپ کا اور قاسم کا نام لیا ہے ان کا خیال ہے کہ یہ قاسم آپ دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ اس سلسلے میں آپ دونوں کے خلاف ایف آئی آر کھنوا دینا چاہتے تھے مگر، میں نے انہیں روک دیا۔۔۔۔۔ میں اس جگہ کے کوارٹر میں نہیں دینا چاہتا۔“

”یہ سب کھاس اور فراز ہے میں اور میرا خاندان ابھی تک اپنے بیٹے کی موت کے شاک سے باہر نہیں آئے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں نے اس کے گھر پر حملہ کر دیا اور اس کی بھانجی کو انوار کے کی کوشش کی۔“ انہوں نے برہمی سے چیف منسٹر کی بات کے جواب میں کہا۔

”مجھے تو یہ یک پائیں تھا کہ وہ لڑکی اس کی بھانجی تھی پھر میں یہ کیسے کروا سکتا تھا۔“ وہ ایک بار بھر مشتعل ہو رہے تھے۔

”ہو سکتا ہے، آپ نے یہ نہ کر دیا ہو۔۔۔۔۔ قاسم درانی نے نہ کر دیا ہو۔“ چیف منسٹر نے کچھ نرمی سے کہا۔

ایاز حیدر بالکل خاموشی سے منگھٹن رہے تھے۔

”اگر قاسم نے یہ کر دیا ہے تو پھر آپ کو یہ سب کچھ قاسم کو بتانا چاہئے تھا، مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔“ انہوں نے ترقی سے چیف منسٹر سے کہا۔

”نیاز صاحب آپ اس وقت اس بات کو چھوڑیں میں نے کہا ہے نا کہ گڑھے مردے اٹھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ میں نے ایاز حیدر کو بھی سمجھایا ہے میں آپ کو بھی سمجھا رہا ہوں تعلقات مزید ٹھیکہ کرنے کے بجائے معاملہ ختم کریں۔“

”آپ کا بیٹا اس طرح مرا ہوتا تو آپ معاملہ اس طرح ختم کر دیتے؟“ جنسٹس نیاز نے چپیتے ہوئے انداز میں کہا۔

”یہ حالات پر منحصر ہوتا۔ اگر میرے بیٹے نے وہ سب کچھ کیا ہوتا تو آپ کے بیٹے نے کیا تو میں اس کو خود کوئی راز دیتا۔“ چیف منسٹر نے دھڑک کہا۔

”میں نے آپ کو کہا ہے میرے بیٹے نے کچھ بھی نہیں کیا۔ وہ بے گناہ تھا۔“ جنسٹس نیاز ان کی بات کے جواب میں چلا گئے۔

"اگر صرف گھماؤنے سے کسی کا جرم یا بے گناہی ثابت ہوتی ہے تو میں آپ سے زیادہ گھماؤ سکتا ہوں۔ اگر آپ بھد نہیں کر آپ کے بیٹے نے میری بھانجی کے ساتھ کچھ نہیں کیا تو میں بھی کہتا ہوں کہ میرے بیٹے نے بھی آپ کے بیٹے کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ وہ واقعی پولیس مقابلے میں مارا گیا۔"

ایاز حیدر نے گلے گلے میں کہے گئے بیٹے کے جواب میں جشن نیاز اس بار صرف خاموشی سے انہیں گھورتے رہے۔

"نیا صاحب! ہو سکتا ہے آپ کے بیٹے نے آپ کو حقیقت نہ بتائی ہو۔ جس طرح کی حرکت اس نے کی تھی اس کے بعد آپ خود سوچیں۔ وہ کس طرح دیدہ و دلیری سے آپ کے سامنے اس کے اعتراف کر سکتا تھا۔ ہائی کورٹ کے ایک جج کے سامنے۔"

چیف جسٹس نے اس بار نفیاتی حربہ استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"اسے خدشہ ہو گا کہ آپ اسے فوراً پولیس کے حوالے کر دیں گے اور اس کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے اسی خوف سے اس نے آپ کو ساری بات نہ بتائی ہو۔" چیف جسٹس جشن نیاز پر دوسرا حربہ آزار ہے تھے۔

"میں اس میں آپ کی بات لیتا ہوں، فرض کیا اس نے کسی خدشہ کے تحت مجھ سے حقیقت چھپائی تھی اور واقعی یہ جرم کیا تھا۔ تو کیا اس جرم کی سزا یعنی قتل کے کسی کو، کسی فرانکلن کے بغیر کیوں کر جان فوروں کی طرح مار دیا جاتا۔"

"میں نے آپ کو بتایا ہے، یہ سب فوری اشتعال کے تحت ہو اور اپنی بھانجی کے ساتھ یہ سب ہونے کے باوجود مجھے آپ کے بیٹے کی موت کا افسوس ہے، میں اس کے لئے معذرت کرتا ہوں۔"

ایاز حیدر نے فوری طور پر چیف جسٹس نیاز کے درمیان ہونے والی گفتگو میں مداخلت کی۔

"تم اور تمہاری معذرت، تمہاری معذرت میرے بیٹے کو واپس لا سکتی ہے؟ مجھے ابھی بھی تمہاری کہو اس پر یقین نہیں ہے۔ میرا بیٹا ایسا نہیں تھا۔" جشن نیاز پر ایاز حیدر کی معذرت کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔

"آپ کا بیٹا کیسا تھا۔ یہ آپ اس فائل کو پڑھ کر جان جائیں گے۔"

عہاس حیدر نے تمام گفتگو کے دوران پہلی بار مداخلت کی، اپنے سامنے پڑی ہوئی ایک فائل کو اس نے نیل کے دوسری طرف پھینکے ہوئے جشن نیاز کی طرف کھدک دیا۔

"پچھلے دو سالوں میں پولیس کو اس کے بارے میں بہت ساری شکایات مل رہی ہیں۔ مگر پولیس نے ایک بار بھی اس کے خلاف ایف۔آئی۔آر نہیں کالی اور اس کی وجہ صرف آپ کے سب سے بڑے احترام کی وجہ سے ہر بار اسے بچایا گیا۔"

"تم اپنا مت اور کو اس بند کرو۔" جشن نیاز اس پر دھاتے لگے۔

"سرا میں نے اپنا مت اور کو اس ابھی تک بند ہی نہیں کر رہا ہے۔ اپنے بڑے تعریف میں جو زمین و آسمان کے قلابے مل رہے ہیں۔ وہ اب ناقابل برداشت ہو رہے ہیں۔" عہاس کا لہجہ پر سکون اور دھماکا "جج صرف آپ کو کہنا آتا ہے۔ دو درجن کو نہیں۔ دو دفعہ آپ کا بیٹا لہری میں لٹ گیا ہے پس چھینے ہوئے پکڑا۔" دونوں دفعہ اسے چھوڑ دیا گیا، ایک دفعہ اس نے کسی کی گاڑی چما کر دی۔ آپ نے اس کو پولیس اسٹیشن جا کر ایف۔آئی۔آر

سے پہلے ہی چھڑا دیا اور پولیس نے اس آدی کو آپ کے ساتھ معاملے کرنے پر مجبور کر دیا۔"

"تم اپنی مدد سے ہاتھ پاؤں رہے ہو۔" جشن نیاز کا چہرہ اس سرخ ہو رہا تھا۔

"نہیں۔ میں آپ کو ان سب چیزوں کے ثبوت دے سکتا ہوں۔ آداری میں دو دفعہ اس نے شراب پی کر ہنگامہ کھرا کیا۔ وہاں کے ٹیجر نے پولیس کو بلوایا اور پولیس اسے پولیس اسٹیشن لے جانے کے بجائے صرف آپ کی وجہ سے آپ کے گھر چھوڑ آئی۔"

"میں جھیں اور تمہاری پولیس کو اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ ڈاکو راج بتایا ہوا ہے تم لوگوں نے۔"

"ہاں پولیس بری ہے۔ پولیس صرف اس وقت اچھی تھی جب پچھلے سال آپ کی گھر لہ لہاڑہ کے اپنے کوارٹر میں خودکشی کے کیس کو اس نے حادثہ قرار دے کر فائل بند کر دی۔ اس لڑکی کے بھائی نے آپ کے بیٹے کی شکایت کی تھی۔ اگر وہ جج کا بیٹا نہ ہوتا تو اس وقت جیل کا رہا ہوتا۔ ان میراٹوں کے وقت تو آپ کو پولیس سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ اب آپ کو پولیس دانے لگے اور ڈاکو لگتے لگے ہیں۔"

عہاس کی آواز میں طنز تھا۔ "یہ اسی چند واقعات ہیں، آپ کی خواہش ہے تو میں آپ کو اور بہت سے واقعات کی تفصیلات سے بھی آگاہ کر دیتا ہوں۔" جشن نیاز مکس جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ یقیناً اس وقت اپنے آپ کو بے بسی کی انتہا پر پہنچا ہوا محسوس کر رہے تھے۔

"میں آپ کی طرح کسی Mud Slinging میں انوکھو ہونا نہیں چاہتا تھا، مگر آپ نے مجھے اس کے لئے مجبور کر دیا۔" عہاس نے اس عقیدہ کیلئے میں اپنی بات جاری رکھی۔

ایاز حیدر نے بڑے اطمینان اور لا پرواہی سے سہارے پینے میں مصروف تھے انہوں نے عہاس کو کسی بھی اسٹیج پر روکنے کی کوشش نہیں کی۔

"جس علاقے میں آپ کا گھر ہے۔ اس علاقے میں آپ کا بیٹا خاصی شہرت رکھتا تھا اور یہ یقیناً آپ سے پوشیدہ تو نہیں ہوگی۔" عہاس کہہ رہا تھا۔ "لیکن شاید آپ کے نزدیک ایسی باتوں کی اہمیت ہی نہیں تھی، اگر آپ نے شرور میں اپنے بیٹے کو روکا ہوتا تو آج اس کے ساتھ یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا۔"

"پچھلے چھتھ گھنٹے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اور تمہارا باپ خود کیا نہیں کرتے؟" جشن نیاز نے ایک بار پھر اسی طرح چیخے ہوئے کہا۔ "تم دونوں خود کیا ہو؟"

"میں اور میرا باپ کون ہیں، یہ سارا ملک جانتا ہے۔"

عہاس ان کی دھماکے سے متاثر ہوئے بغیر بولا۔ "میں ملک اور اس قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔ ہم آپ کے بیٹے کی طرح رات کو لڑکوں کا قاتل قہ کرتے نہیں بھرتے۔" اس کی آواز میں حقیر اور حقارت تھا۔

"اور تم جو جو کرتے ہو۔" جشن نیاز نے مشتعل آواز میں کہا تھا۔

"ہم اور جو جو کرتے ہیں۔ وہ آپ کو نہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ان جو جو کے حوالے سے خود کوئی شفاف فریک ریکارڈ نہیں رکھتے۔ اس نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر ان کی بات کاٹ دی۔

”پریس میں جو کچھ آپ کے بارے میں آرہا ہے وہ ہماری نظروں سے بھی گزرتا ہے اور پولیس والے کم از کم اتنی عقل ضرور رکھتے ہیں کہ جیج اوجھٹ کو پہچان لیں۔“

”پریس میں جو کچھ آرہا ہے، وہ تم لوگوں کی سازش ہے۔ تم لوگ اوجھٹے جھکنڈے استعمال کرنے ہیں میرے خلاف۔“

”ہیں ایسے کسی اوجھٹے جھکنڈے کی ضرورت نہیں ہے، اگر ہم ایسے حربوں میں یقین رکھتے تو پریس کے پاس صرف اثرا مت نہیں ہوتے بھی پہنچے ہوتے۔“

اس بار چیف فشر نے ان دونوں کی گفتگو میں مداخلت کی۔

”اس جٹ کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس معاملے کو اب ختم ہو جانا چاہیے۔“

”میں کسی معاملے کو ختم نہیں کروں گا۔ میں اپنے بیٹے کے قاتلوں کو اس طرح نہیں چھوڑ سکتا۔“ جنس نیاز نے صاف الفاظ میں کہا۔

”ٹھیک ہے آپ کی مرضی۔۔۔۔۔ اگر آپ کو کسی تعقیب کی خواہش نہیں ہے تو ہم بھی کسی Settlement (تعقیب) کے لئے مجبور نہیں ہیں۔ ہم بڑا دل کر کے یہاں آئے تھے لیکن آپ معاملہ کو بڑھانا چاہتے ہیں تو ضرور بڑھائیں۔ ہم بھی اینڈ کا جراب پتھر سے دیں گے۔“

”ایاز حیدر! آپ بیٹے جائیں میں نے آپ لوگوں کو صرف آئے سامنے کے لئے نہیں بلوایا تھا، میں آپ کا بھڑا ختم کروانا چاہتا ہوں۔“

”سرا! میں آپ کے غلوں کی قدر کرتا ہوں اور آپ کی مرضی کے خلاف یہاں۔۔۔۔۔ جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مگر میری اور اس کی یہاں موجودگی کتنی سے معنی اور بے مقصد ثابت ہو رہی ہے، آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ بہتر ہے آپ نہیں جانے دیں، جب انہیں معاملہ ختم کرنے کی خواہش ہو تو آپ ہمیں کال کریں، ہم حاضر ہو جائیں گے۔“

ایاز حیدر نے بڑے صوبہ انداز میں کہا، چیف فشر نے اس بار انہیں روکنے کے بجائے سر کے اشارے سے ان کو جانے کی اجازت دے دی۔

”میں کبھی تم لوگوں کے ساتھ کوئی سیٹل منٹ نہیں کروں گا۔ اب صرف جنگ ہوگی، میں کورٹ میں جاؤں گا۔ میں پریس کے سامنے حقائق لاؤں گا اور میرے انصاف نہیں ملتا تو پھر میں بھی وہی جھکنڈے استعمال کروں گا جو تمہارے بیٹے نے کئے۔“ جنس نیاز نے بلند آواز میں ایاز حیدر کو کہا۔

ایاز حیدر اور اس طے جیتے ایک لمحہ کے لئے رک گئے، پھر جھانپنے پر سکون انداز میں کہا۔
”آپ اپنا شوق ضرور پورا کریں۔ یہ آپ کا حق ہے اور قانونی جنگ کوئی آپ سے بہتر نہیں لڑ سکے گا۔“ وہ دونوں باہر نکل گئے۔

☆☆☆

یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے

وہ بت ہے یا خدا دیکھا نہ جائے

گلوکارہ کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ سامن غزل کے ہر بول کے ساتھ اپنا سر مٹ رہے تھے۔ علیزہ غائب دماغی کے ساتھ۔۔۔۔۔ غزل کو سن رہی تھی۔ یہ ظاہرہ سید کی چچی غزل تھی۔ اگر وہ ذاتی طور پر کپورڈ ہوتی تو شاید اس وقت باقی سب لوگوں کی طرح ہی عمری سے گائی جاتے والی غزل کو سراہ رہی ہوتی۔ مگر اس ذاتی کیفیت کے ساتھ کسی غزل کو سراہنا۔۔۔۔۔

ہر چنی غزل کے ساتھ محفل کا رنگ جتنا جا رہا تھا۔ اس کا دل اور اچاٹ ہوتا جا رہا تھا۔ لوگوں کی فرمائشیں اب ایک قوتار کے ساتھ گلوکارہ کے پاس پہنچنا شروع ہو گئی تھیں۔ اب کائی سر دی جا رہی تھی۔ علیزہ نے اپنے سامنے پڑی پیٹ میں سے کچھ صوف اور لاٹچی میں سے رنگی اور کائی کا ایک کپ اٹھا کر کڑی ہو گئی۔

کھڑے ہونے سے پہلے اس نے اپنے بائیں جانب بیٹھی ہوئی عیلا آگنی کے کان میں تھوڑا سا جھک کر مڑکشی کی۔

”میں کچھ دیر کے لئے باہر جا رہی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آ جاؤں گی۔“ عیلا آگنی نے سر ہلا دیا۔ وہ پوری طرح غزل سے محفوظ ہو رہی تھیں۔

علیزہ اپنی مثال کو اپنے گرد مڑیے لپیٹنے ہوئے ایک ہاتھ میں کائی کا لک لپٹے باہر کی طرف جلی گئی۔ موسیقی کے شور اور ردیو سن سے یک دم قدرے تاریکی اور خاموشی میں آ کر اس نے عجیب سا سکون محسوس کیا۔ فضا میں خشکی بہت بڑھ چکی تھی، اس نے اپنی طرح کچھ اور لوگوں کو بھی کافی تنگ کے ساتھ یا غائبی ہاتھ باہر موجود پایا۔ ان میں اور اس میں فرق صرف یہ تھا کہ وہ آگنی تھی۔

کائی کے کھونٹ لینے وہ دہاں ٹپکنے لگی۔ دانستہ طور پر اس نے باقی لوگوں سے خاموش دور جانے کی کوشش کی۔ وہ اس وقت وہاں کسی سے ویلا ہائے نہیں جانتی تھی۔

اسلام آباد میں اسی جگہ چنہا کے قیام سے اسے ایاز اور جیل کے حلقہ احباب میں خاما متعارف کروا دیا تھا، اور اس وقت بھی جیل میں تقریباً وہی سب لوگ موجود تھے۔ جنہیں وہ اسلام آباد کی مختلف تقریبات میں دیکھا کرتی تھیں۔

اوپن ایئر کی میز میں بیٹھے وہ دور تاریکی میں چھاؤں کے دھندلے ہیولوں اور ان پر کہیں کہیں غلطیوں روشنیوں کو دیکھنے لگی۔

اسے وہاں بیٹھے تھوڑی دیر ہوئی تھی، جب اس نے بہت دور سے کسی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ آتے والا مرد تھا۔ وہ بہت دور سے اسے پہچان نہیں پا رہی تھی، مگر آنے والے کا رخ چونکہ اس کی سمت تھا اس لئے اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی آنے والے شخص پر اپنی توجہ مرکوز کر لی۔

اس سے پہلے کہ وہ اس کے بہت قریب آ جاتا، اس نے اسے پہچان لیا۔ وہ جنید ابراہیم تھا۔

☆☆☆

جید سے اس کا پہلا تعارف وہیں مجبوراً بن میں ہی ہوا تھا۔

دو دوپہر کے قریب جیل کے ساتھ وہاں پہنچی تھی۔ دوپہر کے کمانے کا انتظام کلب کی طرف سے تھا۔ ہوٹل کے ہال میں بٹرنے کے لئے وہ بھی جیل کے ساتھ گئی تھی۔ جیل ہال میں جاتے ہی لیز پر کلب کی وہاں پہلے سے موجود بہت سی خواتین کے ساتھ گفتگو اور خوش چوٹیوں میں مصروف ہو گئیں۔ علیزہ نے اپنی پلیٹ میں کچھ کھانا لیا اور ایک خالی میز پر جا کر بیٹھ گئی۔

اسے کھانا کاتے ہوئے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی جب جیل اس کی طرف آئیں۔ ان کے ساتھ ایک دراز قد نوجوان بھی تھا۔

”جید! یہ ہے علیزہ، جس کا میں ابھی قیودزی دیر پہلے ذکر کر رہی تھی۔“

جیل آئی نے قریب آتے ہی بڑی بے تکلفی سے جید نامی اس شخص سے علیزہ کا تعارف کر دیا۔ علیزہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا گچہ پلیٹ میں رکھ دیا اور کچھ حیرت سے اس کے ساتھ چل پڑے کی جگہ کی سکرانٹ کے ساتھ اس کی طرف متوجہ تھا۔

”اور علیزہ! یہ جید ابراہیم ہے۔ ہمارے بہت ہی اچھے جاننے والوں کا بیٹا ہے۔ آرکیٹکٹ ہے۔ میں جنہیں اس کیلئے پیشہ دیکھ کر اسے پکڑ لائی ہوں تاکہ جنہیں کبھی دے۔ میں ابھی کچھ دیر مصروف ہوں۔“ جیل آئی نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ کہا۔

”نہیں کوئی بات نہیں ہے بہت آرام سے ہوں۔“ اس نے ہلکی سی سکرانٹ کے ساتھ جیل آئی کو یقین دلایا۔

جیل آئی سکرانٹ ہوئے وہاں چلی گئیں۔ جید وہیں کھڑا تھا۔

”آپ جیلہ جا رہیں۔“ علیزہ نے اس سے کہا۔ پچھلے چار ماہ میں مختلف لوگوں کے ساتھ اس طرح کے تعلقات اس کے لئے نئی چیز نہیں تھی۔

”نہیں میں سوچ رہا ہوں پہلے کچھ کھانے کے لئے لایا جائے۔“ جید نے سکرانٹ ہوئے اس کی پیشکش کے جواب میں کہا اور ہال کے کونے میں چلی ہوئی اشتر کی طرف بڑھ گیا۔ علیزہ کھانا کمانے میں مصروف ہو گئی۔

وہ کچھ دیر بعد ایک پلیٹ میں کچھ کھانے کے پاس آ گیا۔ کچھ دیر وہاں خاموشی سے کھانا کاتے رہے، مگر جید ابراہیم نے ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

”آپ کیا کرتی ہیں؟“

”میں؟“ علیزہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”میں نے سال ہی میں سوشیالوژی میں ماسٹر دیا ہے اور۔۔۔۔۔ اور کچھ بھی نہیں کرتی۔“ وہ سکرانٹ ہوئے ایک بار پھر اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”سوشیالوژی؟“ جید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”ایچ کیا ہیں آپ کی؟“ وہ شاید گفتگو کا سلسلہ قطع کرنا نہیں چاہتا تھا۔

”کوئی خاص نہیں بیننگ کرتی ہوں۔۔۔۔۔ کبھی چوتھی ہوں وغیرہ وغیرہ۔“ اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

”Nice Hobbies“ (اچھے مشاغل ہیں) وہ سکرانٹ۔

”جھیک ہو۔“

”آپ آرکیٹکٹ ہیں؟“ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس بار علیزہ نے اس سے پوچھا۔ جید نے انہماک میں سر ہلایا۔

”یہاں آپ ان میوزیکل اینسٹرو کے لئے آتے ہیں۔“

”نہیں۔“ جید نے ایک گھبراہٹ سے کہا۔ ”مجھے میوزک میں اتنی دلچسپی نہیں ہے۔۔۔۔۔ میں اپنے کام کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔“

”کام؟“

”ہاں اس ہوٹل کی عمارت میں کچھ توسیع کر رہے ہیں۔ ہماری فرم نے اسی سلسلے میں مجھے یہاں بھجوایا ہے۔“ جید نے بتایا۔

”میں پچھلے ایک ہفتے سے یہاں ہوں ابھی چند اور ہفتے یہیں رہوں گا۔۔۔۔۔ آپ تو یقیناً ان اینسٹرو کے لئے یہاں آئی ہوں کی؟“ وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

علیزہ کچھ کہنے کے بجائے صرف سکرانٹ۔ وہ۔۔۔۔۔ کھانا تقریباً ختم کر چکی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ وہ جیل کے اب جیل کے پاس چلی جائے یا پھر اوپر اپنے کمرے میں۔

مگر جید ابھی تک کھانا کھا رہا تھا اور اس طرح اٹھ کر وہاں سے چلے جانا غیر مہذب بات ہوتی۔ وہ جیل کی پلیٹ کے خالی ہونے کا انتظار کرتے گئی۔

”آپ اگر جانا چاہ رہی ہیں تو چلی جائیں۔“ جید نے اچانک سر اٹھا کر اس سے کہا وہ بے اختیار مڑ بڑا گئی۔ اسے جید سے اتنی بے تکلفی کی توقع نہیں تھی۔

”نہیں سوچیں کوئی بات نہیں ہے۔“

”مجھے لگا شاید آپ جانا چاہ رہی ہیں، مگر میرا کھانا ختم نہ ہونے کی وجہ سے رکی ہوئی ہیں۔“ اسے جیل کی گھبراہٹ نظر نہ ہوتی۔

”نہیں ایسا نہیں ہے۔۔۔۔۔ میں جانتی ہوں، آپ مجھے کبھی دینے کے لئے جیل آئی کے کہنے پر آتے ہیں۔“

اس نے اپنی فحش مٹانے کے لئے کہا۔

”مگر آپ کو کبھی کی ضرورت ہی نہیں تھی۔“ وہ سکرانٹ۔

”یہ اندازہ آپ نے کیسے لگایا؟“

”آپ نے خود جیلہ آگئی سے کہا تھا کہ آپ کبھی کے بغیر بھی آرام سے ہیں۔“ اس نے کچھ پہلے کہا جانے اعلیٰ کا جملہ دہرایا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے کیا کہنا چاہئے، غوری طور پر کچھ بھی اس کے دماغ میں نہیں آیا۔ وہ اب اپنا کھانا تقریباً ختم کر رہا تھا۔ وہ چپ اسے دیکھتی رہی۔ اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ جینہ کی پیش کش قبول کر کے وہاں سے چلی نہیں گئی۔ آخر اسے وضاحت کی ضرورت ہی کیا تھی۔

”آپ کچھ پریشان ہیں؟“ علیہ وہ اسے دیکھ کر وہ گئی۔

”نہیں کیوں؟ آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ وہ زور سے ہو گئی۔ ”آپ کا چہرہ آپ کے اندر کی کیفیت کا آئینہ ہے۔ آپ مجھے پریشان کی ہیں تو میں نے کہا ہے۔“

جینہ نے زور سے کہا وہ اب نیکیں سے امانت ہو چکے تھے۔ ”Tell tale quality“ عمر کے بعد وہ دوسرا شخص تھا جس نے اس سے یہ بات کہی تھی۔

”کیا میرا چہرہ واقعی ایک آئینہ بنا جا رہا ہے کہ میں اپنی کسی ذاتی کیفیت کو چھپا نہیں پاتی۔“ وہ دل ہی دل میں پریشان ہوئی۔

کھانا ختم کرنے کے بعد جینہ وہاں رکھیں چلا گیا لیکن وہ کافی دیر تک وہیں بیٹھی اس کے چلے پر غور کرتی رہی۔ اور اب وہ ایک بار پھر اس کے سامنے تھا۔

☆☆☆

ایاز حیدر اور عباس کے باہر نکلے ہی جنس نیاز نے مشتعل انداز اور تندہ لہجے میں چیف فشر سے کہا۔ ”دیکھا آپ نے اس شخص اور اس کے بیٹے کالاب دلجو؟“

چیف فشر نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر جنس نیاز نے ان کی بات نہیں سنی۔

”اور آپ نے مجھے اس شخص کے ساتھ میل منٹ کے لئے بلایا تھا۔“

”نیاز صاحب! آپ۔۔۔۔۔“ جنس نیاز نے ایک بار بھران کی بات کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے ہوتے کہا۔

”اس شخص نے مجھ پر سن گھڑت الزامات کی بھر مار کر دی۔ مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہیں یہ دونوں باپ

بیٹا۔ اس بار چیف فشر بلاخر اپنی بات کہنے میں کامیاب ہو گئے۔

”نیاز صاحب! آپ نے ان کی بات نہیں سنی۔ کم از کم میری بات تو سنیں۔۔۔۔۔ مجھے تو کچھ کہنے کا موقع دیں۔“ چیف فشر کے لیے جس میں انور زئی نمایاں تھی۔ جنس نیاز ہونٹ سمیٹتے ہوئے انہیں دیکھنے لگا۔

”میں اگر یہ چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کی سیٹل منٹ ہو جائے تو یہ میں آپ کے لئے کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ ایاز حیدر کے لئے نہیں۔“ چیف فشر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ کی فیملی اور خود آپ کا نام کتنا خراب ہو جائے گا۔ آپ کا کیریئر داؤ پر لگ جائے گا۔“

”آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ کو بھی اس شخص کی بکواس پر یقین آ گیا ہے کہ میرے بیٹے نے۔۔۔۔۔“ جنس نیاز نے بے اختیار مشتعل ہو کر کہا۔

”نیاز صاحب! بات یقین کی نہیں ہے۔ بات ان ثبوت اور حقائق کی ہے جو میرے سامنے ہیں۔۔۔۔۔ آپ کے بیٹے نے واقعی ایسی حرکت کی تھی۔“ چیف فشر نے جنس نیاز کی بات کاٹتے ہوئے بڑی جینگی سے کہا۔

”میرے بیٹے نے۔۔۔۔۔“ جنس نیاز نے ایک بار پھر اپنا موقف دہرانے کی کوشش کی، مگر چیف فشر نے ان کی بات ایک بار پھر کاٹی۔

”ٹھیک ہے ان بیٹے ہیں کہ آپ کا بیٹا ہے قصور تھا۔ اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ بھی مان لیتے ہیں کہ آپ نے اس کی بھانجی کو اغوا کرنے کی کوشش کی نہ ہی اس کے مگر مگر حملہ کر دیا۔ تو پھر اس سب سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”اس معاملہ کو طے تو آپ کو پھر بھی کرنا پڑے گا۔ ایاز حیدر کے ساتھ آپ جھگڑا جتنا بدنامیں گے۔ آپ کو اتنا ہی نقصان پہنچے گا۔“ آپ اس کی دشمنی انور نہیں کر سکتے۔ ”چیف فشر نے آہستہ آہستہ ان کے سامنے حقائق دکھانا شروع کر دیے۔

”کیوں نہیں انور؟ کر سکتا۔ کس کر دے گا میں۔“

”بھئی جیسی باتیں نہ کریں نیاز صاحب! آپ خود جی ہیں۔۔۔۔۔ اس ملک میں قانون اور انصاف کے نظام کو کوئی آپ سے بہتر نہیں سمجھ سکتا۔“ چیف فشر نے انہیں ٹوک دیا۔

”کتنے سال بھاگیں گے آپ، اس کیس کے پیچھے اور عدالت ثبوت مانگتی ہے۔۔۔۔۔ یہ دونوں کہاں سے لائیں گے؟“

”اگر میری اصلی گواہ اور ثبوت نہ ملے تو میں بھی جھوٹے گواہ اور ثبوت لے آؤں گا۔۔۔۔۔ آپ نے خود ہی کہا ہے جس جج ہوں۔ عدالت کے نظام کو مجھ سے بہتر کون جانتا ہے۔“ جنس نیاز نے طنز بے انداز میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ آپ یہ کر لیں گے مگر یہ ثبوت اور گواہ استعمال کس کے خلاف کریں گے۔ ایاز حیدر ایک واحد شخص نہیں ہے ایک ہرے گروپ کا نمائندہ ہے۔ مجھ پر پہلے ہی کہاں کہاں سے پریش پڑ رہا ہے، آپ کو اندازہ نہیں ہے۔ میں ان لوگوں Resist کر سکتا۔“ چیف فشر نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے ابھی اپنی عیال پر دیر کرنی ہے اور میں اپنے خلاف کوئی حماد کرنا نہیں چاہتا۔ آپ ایاز حیدر کو اچھی طرح جانتے ہیں وہ دھوکا خیز استعمال کرنے کا ماہر ہے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ اگلے ایکشن میں پرلے میرے خلاف کوئی الزامات لگے اور مجھے اور میری پارٹی کو نقصان پہنچے۔ ہم نے ان لوگوں کے ذریعے اگر اپنے غلط اور ناجائز کام کرنا ہے تو پھر ہمیں یہ بات نہیں بھولی چاہئے کہ وہ آگئیں اور نہ صرف اسی دھک تک بند رکھتے ہیں، جب تک ہم ان کی دم پر پھیر نہ رکھیں۔“

”مجھے افسوس ہو رہا ہے، یہ دیکھ کر آپ اس حد تک ایاز حیدر سے خوفزدہ ہیں۔۔۔۔۔ مگر میں اس سے خوف زدہ نہیں ہوں۔۔۔۔۔ اگر اس کے پاس ایک پریش گروپ ہے تو میرے پاس بھی پلٹسکل سپورٹ ہے، میں اس سے اس کے خلاف استعمال کروں گا۔“

”میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں، صرف مجھدار سے کام لے رہا ہوں۔ اسی مجھدار سے جس کا مظاہرہ

قائم رسانی لے کیا ہے۔ اگر آپ کے پاس پرنٹنگل سیورٹ ہے تو اس کے پاس بھی ایک پریٹر گروپ ہے، مگر وہ بھی چاروں اخبارات میں جاننا دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکا۔

"میں قاسم کی طرح بزدلی نہیں ہوں۔" جنس نیاز اب بھی اپنی بات پڑا رہے ہوئے تھے۔

"بزدلی اور بھگداری میں فرق ہوتا ہے۔ قاسم نے بزدلی کا نہیں بھگداری کا ثبوت دیا۔ جتنا تو اس کا چاہا مگر وہ تو انہیں سکھا، چاہے وہ کچھ بھی کر لے۔ مگر انکم ٹیکس کی فائلز کھلا کر وہ اپنا پرنٹس کیوں جان کر دے۔ بانی دونوں ٹیلیویژن بھی آپ سے معذرت کر لی ہے کہ انہوں نے اپنا خلافت اللہ پر چھڑ دیا ہے اور وہ اس کیس کی بھڑکی کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ بھی انہوں نے بغیر سوچے سمجھے تو نہیں کیا ہوگا۔ کچھ نہ کچھ تو سوچا ہی ہوگا انہوں نے۔" چیف فشر اب بے صبر کر انہیں سب کا تھکے تارے جارہے تھے۔

"میں چاہتا ہوں آپ بھی ایسی ہی سوجہ بوجہ کا مظاہرہ کریں پرنٹس میں شائع ہونے والی خبروں سے آپ کو یہ اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ ایاز حیدر کس حد تک پاسکتا ہے۔ اب جب وہ آپ کے بیٹے کے بارے میں یہ سارا مواد پرنٹس کو دے دے گا تو پرنٹس کیا شر پائے گا۔ آپ کو اس کا اندازہ ہوتا چاہئے۔

جنس نیاز چیف فشر کا سہہ دیکھتے رہے۔

"ابھی تو اسے اپنی جلی کی عزت اور سادہ کا احساس ہے اس لئے وہ اصل تفصیلات نہیں بتا رہا اخبارات تک نہیں پہنچا رہا، اگر اس نے ایاز کو دیا تو آپ کو اپنے بیٹے اس کے کردار اور اس کی حرکات کے حوالے سے کتنے سوالات کے جوابات دینا پڑیں گے، آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہے۔"

"ایاز حیدر آپ کے ساتھ واقعی اچھی ڈیل کرنا چاہتا ہے۔ اگر آپ اس کے بیٹے اور بیٹے کے خلاف انکوائری پرصر اور نہ کریں اور اس کیس کو قسٹم کر دیں تو وہ پیریم کوٹ کا جج بنانے کے لئے ناگ کرے گا اور اسے حکومت اور عدلیہ کے مقننوں میں بھٹا اور سرخ حاصل ہے، یہ کہ اس کے لئے بالکل مشکل نہیں ہوگا۔"

"میں اپنے بیٹے کے قتل کا سودا کر لوں۔ آپ یہ چاہتے ہیں؟" جنس نیاز نے ایک بار بھر تجلے جی میں کہا مگر اس بار اس کی آواز پہلے کی طرح نہیں تھی۔

"میں آپ کو مجبور نہیں کرتا۔ آپ اپنے آہنڈ کو دیکھ لیں۔ اگر کوئی اور بہتر صورت حال نظر آتی ہے تو وہ اختیار کر لیں۔ مگر میرے خیال میں اس سے بہتر موقع آپ کے پاس نہیں ہے۔ آپ اپنے بیٹے کے لئے اپنا کیریئر کو داؤ پر نہیں لگا سکتے؟"

جنس نیاز اب اس کی بات کے جواب میں خاموش رہے۔ چیف فشر کو ان کے تاثرات سے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ اپنا اتحاد کھو رہے ہیں۔ شاید وہ اب پہلی بار اپنے گل کے نتائج پر غور کر رہے تھے۔ جو چیف فشر نے ان کے سامنے رکھے تھے۔

"ایاز حیدر اور اس کی قبیل کے لوگوں کو ہر خبر سے لگنا آتا ہے۔ مگر آپ اور میں اتنی چابیاں نہیں بدل سکتے، بہتر ہے ایک باعزت سبکدوش کے ساتھ اس معاملہ کو قسٹم کر دیا جائے۔" چیف فشر کا لہجہ اور حکم ہوتا جا رہا ہے۔

"مگر اس سبکدوش کی میری خاموشی کے عوض صرف پیریم کوٹ کی ایک سیٹ؟" جنس نیاز نے کچھ سوچتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو آپ کیا چاہتے ہیں؟ پیریم کوٹ کا جج بننا کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔"

"میرے لئے معمولی ہی ہے۔ میں جو کچھ گوارا کر یہ معہدہ حاصل کر رہا ہوں۔ وہ ایسے بہت سے معہدوں سے بڑھ کر ہے۔

مجھے ایاز حیدر سے کچھ نہیں چاہئے۔ مگر مجھے آپ سے یہ گارنٹی چاہئے کہ مجھے واقعی پیریم کوٹ میں سیٹ ملی جائے گی۔ میں اس مسئلے میں واقعی یقین دہانی چاہتا ہوں۔"

"آپ کو میں زبان دیتا ہوں۔ مجھ پر مجبور ہونا چاہئے۔ آپ کو۔ آپ کے ساتھ کیا جانے والا وعدہ ہر صورت میں پورا کیا جائے۔" چیف فشر نے انہیں یقین دلایا۔

"یہ وقت بتائے گا۔" جنس نیاز نے ایک طویل سانس لی۔ ان کے پورے وجود سے اب کھٹک خور کی محاسن تھی۔

☆☆☆

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ میڈرک کو اتنا چاہندہ کرتی ہوں گی۔" وہ اب اس کے قریب آتے ہوئے دسے خوشگوار لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"آپ کا اندازہ ٹھیک نہیں ہے میں میڈرک کو قطعاً چاہندہ نہیں کرتی۔" علیہ نے اس کے تہرے پر مسکرا کر کہا۔

"ابھی اس وقت یہاں آپ کی موجودگی کا ظاہر کر رہی ہے؟" وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا ہو گیا۔

"میں کچھ دیر خاموشی میں بیٹھنا چاہتی تھی۔ اس لئے باہر نکل آئی۔" اس نے وضاحت کی۔

"بہتر تو شاید میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا؟" اس کا لہجہ اس بار معذرت خواہانہ تھا۔

"نہیں ایسا نہیں ہے۔"

"میں چاہتا تھا کہ میں یہاں ہوں؟"

وہ اس سے کچھ بھٹکتے پڑ پڑ گیا۔ کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے پھر اس خاموشی کو ایک بار بھر جینے ہی دیا۔

پروڈیجٹ سے آپ کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ کتنے بانی میں ہیں۔
 وہ جتنی دہچکی سے بتا رہا تھا وہ اتنی ہی غیر دلچسپی سے سن رہی تھی۔

”حالانکہ بہت تھوڑا سا کام ہے جو مجھے کرتا ہے اور کسی بلڈنگ کا Extension (توسیع) یا Renovation (ترمیم) کرنے میں آرکیٹیکٹ کے پاس کام کا اتنا مارجن نہیں ہوتا، جتنا ایک نئی بلڈنگ ایک Full fledged (مکمل) بلڈنگ بنانے میں ہوتا ہے مگر میں پھر بھی اس پروڈیجٹ کو انجام دے کر رہا ہوں..... اچھا تجربہ ہے اور یہ.....“

بات کرتے کرتے وہ ایک دم رک گیا۔

”آپ کو میری باتیں سمجھ میں نہیں آ رہی ہوں گی۔“ علیزہ کا دل چاہا وہ اس سے کہے کہ اسے خاصی تاخیر سے اس بات کا احساس ہوا ہے مگر اس نے کہا۔
 ”میں سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“

”آپ کو آرت میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

”نہیں مجھے ہے۔ میں پیٹنگ کرتی ہوں مگر پیٹنگ اور آرکیٹیکچر میں بہت فرق ہوتا ہے آرکیٹیکچر خاصی تکنیکی نکل چیز ہے۔“

”تمہیں یہ چاہیے کہ آپ بھی سمجھیں۔“ اس نے جید کو بہت دم آواز میں بڑبڑاتے سنا اور حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ اس کا تیسرہ خاصا غیر متعلق تھا۔

”آپ کا دل نہیں چاہا یہاں آکر کچھ پیٹ کر دے؟“ اس نے فوراً ہی انکا سوال کیا۔

آرٹسٹ اور پیٹرز تو ایسی جگہوں سے بہت انسپاز ہوئے ہیں ویسے آپ کیا بناتی ہیں لینڈ اسکپ..... انٹل لائف یا پورٹریٹ؟“

”موڈر پینٹنگ کرتا ہے مگر انٹر لینڈ اسکپ، بالی وڈوں میں بہت زیادہ دلچسپی نہیں ہے مجھے۔“

”جو پورٹریٹ کو اپنا ایڈل اور کیوس لے کر آتا چاہتا ہے تمہاریاں۔“

علیزہ کو کچھ عرصے بعد چاہیے اس وقت احساس ہوا کہ ایک لمبے عرصے سے اس نے واقعی کوئی لینڈ اسکپ بنانے کی کوشش نہیں کی تھی اور یہ واقعی حیرت کی بات تھی کہ یہاں آکر بھی اسے کچھ بنانے کی تحریک نہیں ہو رہی تھی..... چاروں طرف پھیلے ہوئے رنگوں اور خوبصورتی کے باوجود اس نے ایک گہری سانس کی جینڈا بھی اس کے جواب کا شکر تھا۔

”ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر میں واقعی اپنے ساتھ کچھ لے کر نہیں آئی۔“ ایک ہنسی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کہا۔

”تمہیں کوئی بات نہیں آگئی یا سہی۔“ جید نے بڑی لاہروائی کے ساتھ کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ بھی جید کے موہاں کی سیب سٹائی دینے لگی۔ جید نے اپنا موہاں نکال کر

”نہیں بھی اپنا۔“

علیزہ نے غور سے اسے دیکھا۔ ”مگر آپ خاموش تو نہیں رہتے۔“
 جید کی دم ٹھکسار کر رہی پڑا۔ ”آپ کو لگتا ہے کہ میں بہت باتیں کرتا ہوں؟“ وہ جیسے اس کے تیسرے ہ پوری طرح محظوظ ہوا تھا۔

”بہت نہیں مگر باتیں تو کرتے ہیں۔“

اس نے کہا۔ ”مجبوری ہے۔ تھوڑا بہت تو بولنا پڑے گا مجھے، بالکل خاموش رہ کر تو کام نہیں چلے گا۔“
 علیزہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، وہ صرف مسکرائی۔

”یہاں پہلے کی آئی ہیں؟“

”ہاں چند بار۔“

”کیسی لگی یہ جگہ؟“

”اچھی ہے۔“

”صرف اچھی؟“ وہ حیران ہوا۔

”آپ کے پاس کوئی Superlatives (بہترین اصطلاح) نہیں ہیں اس جگہ کے لئے؟“

علیزہ نے کندھے اچکائے۔

”نہیں بہت اچھی ہے۔“

”ایک بار مگر نہنا۔“

”اصل میں، میں ایسی جگہوں پر زیادہ آرام محسوس نہیں کرتی۔“ اس نے دم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”ارے یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے۔ میں یہاں بالکل مگر کامسا آرام محسوس کرتا ہوں۔“

”اپنے اپنے فرائض کی بات ہے۔“

”ہاں شاید۔“ مجھے لگتا ہے آپ کو سیر تفریح میں زیادہ دلچسپی نہیں۔“ وہ اس کے درست اعداد سے پر مسکرائی۔

”مجھے سیر و سیاحت میں خاصی دلچسپی ہے۔ جب جو بھی ہو۔“

But I love to be here, there, everywhere.

That's where men differ from women.

وہ کہہ کر ایک لمحہ کے لئے رکا۔ شاید وہ علیزہ کا رد عمل دیکھنا چاہتا تھا، مگر اسے پھر خاموش پا کر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

”یہ جگہ چمپائیاں گزارنے کے لئے بہترین ہے میری ہمیشہ خواہش تھی کہ مجھے کبھی ایسی کسی جگہ پر کوئی پروڈیجٹ ملے..... پہاڑی علاقے میں کوئی بھی پروڈیجٹ ڈیزائن کرنا زیادہ مشکل کام ہے۔ بہت سی چیزوں کا فیصلہ رکھنا پڑتا ہے..... آپ کے Potential (استعداد) اور Caliber (قابلیت) کا نمائندہ ہوتا ہے..... ایک ہی

دو چہرے تارہا تھا۔ ”دوسرا بھائی سب سے چھوٹا ہے۔ خاصی روایتی قسم کی فمیلی ہے ہماری۔“ وہ مدہم آواز میں مسکراتے ہوئے کبیرہا تھا۔

”میری بڑی بہن کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ اسلام آباد میں ہی ہوتی ہے۔ میری فمیلی لاہور میں ہے، میں بھی وہیں اپنے بابا کی فرم میں کام کرتا ہوں۔۔۔۔۔ میرے بابا بھی آرکٹیکل ہیں۔“

”کھانا کھاتے ہوئے اس کی باتیں ختم نہ رہیں، کل کی نسبت آج اس کا ڈپریشن خاصا کم ہو چکا تھا اور وہ اندازہ نہیں کر پار ہی تھی کہ اس میں جنید کا کتنا ہاتھ تھا۔“

اس دن چلے پرانے دلوں میں خاصی طویل گفتگو ہوئی اور علیزہ کو احساس ہوا کہ جنید اور اس کی بہت سی عادات ایک جیسی تھیں۔ وہ بہت شائستہ اور نہیں حواج کا مالک تھا۔ اپنی عمر کے عام نوجوانوں کے برعکس وہ خاصی سچور سوچ رکھتا تھا۔ وہ بڑے سچے انداز میں گفتگو کرتا تھا۔

”اس سہ پہر کو اس کے ساتھ ہائیٹلک کے لئے بھی گئی۔“

جنید ایک بہت اچھا فوٹو گرافر بھی تھا۔ علیزہ کو اس وقت خوشحالی محسوس ہوئی جب اس نے کیمرا پاس ہونے کے باوجود اپنے کیمرا سے علیزہ کی کوئی تصویر نہیں لی، البتہ وہ اس کے کیمرا سے کچھ بہت اچھے مناظر کے علاوہ علیزہ کی بھی چند تصویریں لے سکتے ہوئے بچ گئیں۔

”مجھے امید ہے کہ آپ جب اس رول کو ڈویلپ اور پرنٹ کروائیں گی تو آپ کو احساس ہوگا کہ میں صرف اچھا آرٹیکلٹ ہی نہیں فوٹو گرافر بھی ہوں۔“

رات کو دوپل کے پاس بھرے رہے، جنید کے طے کئے ہوئے شیڈول کے مطابق۔

پھر اگلے صبح دو اسے اور جیلڈ کو خدا حافظ کہتے بھی آیا۔

”اچھا لڑکا ہے جنید۔“ جیلڈ نے داکٹی پرنٹس سے گاڑی میں اس سے کہا۔

”ہاں۔“ اس نے مختصر جواب دیا۔

”تمہارا اچھا وقت گزر گیا اس کے ساتھ۔۔۔۔۔ مجھ سے تمہاری تعریف کر رہا تھا۔۔۔۔۔“ جیلڈ نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔ وہ جواباً مسکرائی۔

”ہاں بہت اچھا وقت گزرا میرا اس کے ساتھ۔“

”بہت گروڈنگا مجھے دو۔“ جیلڈ نے ایک اور تبصرہ کیا۔

”آپ اس کی فمیلی کو جانتی ہیں؟“ علیزہ نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے سوال کیا۔

”گانی عمر سے۔“ جیلڈ نے مختصر جواب دیا۔ پھر کہا۔

”تم ملنا چاہو اس کی کے کمرالوں سے؟“

”نہیں۔“ علیزہ گڑبڑا گئی۔ ”میں کیوں ملنا چاہوں گی۔“

”اچھے لوگ ہیں۔“

”ہاں جنید سے مل کر اس کا اندازہ ہوتا ہے، مگر مجھے جنید کو کچھ بہت عجیب سا احساس ہوتا رہا۔“

جیلڈ نے چونک کر اسے دیکھا۔ ”عجیب سا احساس“

”ہاں مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں نے اسے پہلے کبھی دیکھا ہے۔۔۔۔۔ یا اس کی آواز سنی ہے۔ اس کا نام بھی مجھے بہت شائسا لگا۔۔۔۔۔ مگر بہت سوچنے کے باوجود مجھے یاد نہیں آیا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا ہے۔“ علیزہ نے پر سوچ انداز میں کہا۔

”کیا جنید نے تم سے ایسا کچھ کہا؟“

”نہیں اس نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔“

جیلڈ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”تو پھر یہ تمہارا دوہرا ہوگا۔۔۔۔۔ بعض لوگوں کی عقل نہیں ویسے ہی شائسا لگتی ہے۔“ علیزہ اچھے ہوئے انداز میں کندھے اچکا کر رہ گئی۔

”شاید ہو سکتا ہے۔“

☆☆☆

بھور بن سے واپسی کے بعد تیسرے دن وہ لاہور چلی آئی۔ ناٹو واپس اپنے گھر شفٹ ہو چکی تھیں۔ گھر کی دیرنی دیوار اور گیٹ کی نئے سرے سے ترمیم و آرائش کر دی گئی تھی۔ گھر کی پرنٹنگ نظر نے علیزہ کو پھر اس رات کی یاد دلائی۔ وہ کچھ ویرینٹ پر موجود چونکدار کا حال احوال دریافت کرتی رہی۔

پھر اندر آ کر اس نے سب سے پہلے کال شہلا کو کی۔

”میں ابھی آئی ہوں تمہاری طرف۔“

اس نے علیزہ کی آواز سننے ہی پر علیزہ نے فون بند کر دیا۔ وہ جانتی تھی وہ آدھا گھنٹہ کے بعد وہاں موجود ہوگی، اور ایسا ہی ہوا اور اس وقت لاؤنج میں ناٹو کے ساتھ چمپ شپ میں مصروف تھی جب شہلا آ گئی۔

رات تک وہ دونوں بات چیت کرنے میں مصروف رہیں۔ اس کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں سونے کے لئے جانا پڑی تھی چمپ شپ ڈالنے اسے رک گیا۔

”تم سے کچھ بات کرنی ہے۔“ علیزہ

”سارا دن ہم باتیں ہی تو کرتے رہے ہیں ناٹو۔“ اسے ناٹو کی بات پر کچھ حیرت ہوئی۔

”ہاں باتیں ہی کرتے رہے ہیں مگر یہ ذرا عجیب بات ہے اور میں جانتی ہوں تم اسے توجہ سے سنو۔“ ناٹو اب عجیبہ تھیں۔

”نیک ہے آپ باتیں کریں۔ میں سن رہی ہوں۔“ وہ بھی عجیبہ ہو گئی۔

”اسلام آباد میں جیلڈ نے تمہیں ایک لڑکے سے ملوایا تھا۔ جنید ابراہیم نام تھا اس کا۔“ انہوں نے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

”تم جو چاہتی ہو علیزہ..... وہ ممکن نہیں ہے۔“

”میں نے تو آپ سے کچھ بھی نہیں کہا۔“

”میں اس کے باوجود سب کچھ جانتی ہوں۔ ہر بات کو سمجھنے کے لئے لفظوں کا سہارا ضروری نہیں ہے۔“

”کہہ رہی ہیں؟“

”تم واقعی عمر سے شادی کرنا چاہتی ہو۔“

”میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔“ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

”میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا..... کچھ اور پوچھا ہے۔“

”نانو! میں نے ابھی شادی کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔“

”علیہ وسلم“ انہوں نے اس پار تشبیہی انداز میں کہا۔

”جس سوال کا جواب آپ جانتی ہیں، وہ مجھ سے کیوں کہہ رہی ہیں؟“ اس بار اس کی آواز میں واضح فکرت ضرور تھی۔

”عمر کے علاوہ میں اور کسی سے شادی کر سکتی ہوں۔“ اس کی آواز میں درخشش تھی یوں جیسے وہ اپنے
 افسوس پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔ ”آپ مجھ سے سانسے ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی پر پوزل کرنا کرنا دیتی
 ہیں۔“ آپ مجھ سے عمر کے پر پوزل کے بارے میں بات کیوں نہیں کرتیں۔ لیکن میں جانتی ہوں۔“ آپ یہ نہیں کر
 سکتیں۔ اگر عمر کو مجھ میں دلچسپی نہیں ہے تو۔۔۔“

”اس کے باوجود تم.....“ مانو نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

”بالو! میں کیا کر رہی ہوں۔ آپ جانتی ہیں۔۔۔۔۔ میں حقیقت پسند ہونے کی کوشش کر رہی ہوں۔“ وہ ایک لمحہ کے لئے رکی ”میں کوشش کر رہی ہوں کہ زندگی کو عمر کے بغیر گزارنا کیسے جاؤں۔۔۔۔۔ مگر یہ بہت مشکل ہے۔“ وہ سسکرائی۔۔۔۔۔ مگر اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

’جنید بہت اچھا لڑکا ہے۔‘ مانو نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”عمر بھی بہت اچھا ہے۔“ اس نے جواباً کہا۔

اُونچ میں چند لمحے خاموش رہی۔

”ہالو! ایک بار آپ اس سے میرے بارے میں بات کیوں نہیں کرتیں..... آپ ایک بار اس سے میرے بارے میں بات تو کریں۔“ اس بار اس کی آواز میں التجائی تھی۔ ”آپ اسے یہاں بلا کر اس سے میرے بارے میں بات کریں۔“

”اور اگر اس نے انکار کر دیا تو.....؟“

اگر..... اگر اس نے انکار کر دیا..... تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ جنید سے میری شادی کر دیں..... میں



عمر کی امریکہ پر ہنگامہ ہونے کے بعد بھی نانو کے ذہن سے یہ خیال خوشیں ہوا کیونکہ عمر کا ابھی بچہ ہی ان کے اور عطیہ کے ساتھ رابطہ تھا۔ اگرچہ یہ رابطہ پہلے کی طرح مستقل نوعیت کا تھا مگر پھر بھی ابھی اس رابطے نے کئی نوعیت اختیار نہیں کی تھی۔

وہ اب بھی عطیہ کے بارے میں فکر مند رہتا تھا اور اس کے بارے میں اکثر نانو سے گفتگو کرتا رہتا۔ اہم مواقع پر بھی وہ کبھی عطیہ کو کال کرتا نہ بھولتا۔

لیکن پھر آہستہ آہستہ عطیہ اور نانو کے لئے کی جانے والی فون کالز میں کمی آنے لگی۔ وہ اپنی جاب سے مطمئن نہیں تھا۔ کیونکہ مطمئن نہیں تھا یہ بات اس نے کبھی تفصیل سے بتانے کی کوشش نہیں کی تھی مگر وہ جب بھی فون پر نانو یا عطیہ سے بات کرتا..... وہ بخ ہو جاتا..... اس کے لہجے میں رنج جانے والی اس گلی کی وجہ کی تھی..... جہانگیر معاذ..... یا پھر ہر چیز سے بہت جلد آگیا جانے کی اس کی اپنی عادت..... یا پھر جہانگیر معاذ کے دباؤ پر کے جانے والے مسلسل غیر کالونی کا۔

”پاپا مجھے ہراسٹپ کی طرح استعمال کر رہے ہیں۔ مجھے بعض دفعہ محسوس ہوتا ہے کہ میں کوئی بھی کام اپنی مرضی سے بھی کر ہی نہیں سکتا۔ ہر چیز میں پاپا کی انوائمنٹ بہت ضروری ہے۔“

وہ فون پر عطیہ اور نانو سے شکایت کرتا۔

”وہ کہیں گے دن تو مجھے دن کہتا ہے..... وہ کہیں گے رات تو مجھے رات کہتا ہے..... مجھے اگر یہ اندازہ ہو جاتا کہ پاپا میری پرسنل اور پرفیشنل لائف میں اس قدر مداخلت کریں گے تو میں کبھی اس پر دوشن میں نہ آتا..... میں ناراضہ پول پر بیٹھنے کو ترجیح دیتا..... وہ شکستن میں کام کرنے کی نسبت.....“ وہ دہلا رہتا۔

”تجربیں اگر جہانگیر کی اپنے کام میں مداخلت ہاپنڈ ہے تو تم اسے صاف کہہ دو۔ پہلے بھی تو تم اس سے دو ٹوک بات کر لیتے تھے۔“ نانو سے مشورہ دیتے اور وہ آگے سے خاموش ہو جاتا۔

”ایک پاپا کو مداخلت کرنے سے منع کر دوں اور کتنوں کو روکوں..... جس سسٹم کا میں حصہ بن گیا ہوں وہاں کمرے ہو کوئی تقریروں کو کر سکتا ہے تبدیلی نہیں لاسکتا..... غلط کام کرنے سے بچنے کے لئے میں اپنے آپ فٹ نہیں بننے چھپ سکتا..... نناناں کے سرائے کرنے سے انکار کر سکتا ہوں..... جو چیز مجھ تک پہنچتی ہے اور اسے کسی نے غلط نہیں سمجھا تو اسے میں غلط سمجھنے والا ہوں..... بہترین بیورو کرینٹ وہ ہوتا ہے جو آگلیں، کان اور منہ بند رکھے۔ جو سسٹم Cog کا بن کر رہے Maker بننے کی کوشش نہ کرے۔“ وہ استہزائیہ انداز میں ہنسنے ہوئے کہتا۔

نانو کو تب ہی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ احساس ہوتا تھا کہ عطیہ میں عمر کی دلچسپی کم ہو گئی ہے۔ یا پھر مرے سے ہی ختم ہو گئی ہے۔ پھر وہ بھی جان گئیں کہ جہانگیر عمر کی شادی ایک بوڑھے اور نامور سی گھرانی میں کرنا چاہ رہا تھا۔ اگرچہ عمر اس پر تیار نہیں تھا مگر تب پہلی بار انہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ عطیہ کے ساتھ عمر کی شادی ممکن نہیں ہے۔ بلکہ یا پھر جہانگیر عمر کو اس گھرانی میں شادی پر تیار کر ہی لے گا۔ جہانگیر معاذ کے دباؤ کے سامنے ظہیر عمر کے لئے بہت مشکل تھا اور اگر وہ کسی طرح جہانگیر کے دباؤ میں نہ آتے ہوئے اس شادی سے انکار کر دیتا تب بھی اس

باب ۳۵

عمر نے مقابلے کے امتحان میں کامیابی کے بعد اگلے دو سال لاہور اور اسلام آباد میں گزارے تھے۔ وہ نانو کے گھر نہیں رہا تھا مگر وہ مستقل عطیہ سے ملتا اور اسے فون کرتا رہتا تھا۔ کبھی اپنی اگلی دن میں گزرتا تھا جب وہ عطیہ کا فون نہ کرتا ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو اپنے پرے سے پرے دن کی روداد سناتے۔ عمر اسے دیکھتا ہوا اپنے محسوسات سے غور کرتا رہتا تھا، اور وہ آگلیں بند کر کے ان پر عمل کرتی۔

عمر پر اس کا اٹھنا ہر معاملے میں بڑھ گیا تھا اور ایسا کرنے میں بڑا ہاتھ عمری کا تھا۔ شاید وہ ہر معاملے میں اس کی اس طرح مدد نہ کرتا تو وہ ہر معاملے میں اسے اذیت دینا چھوڑ دیتی۔

انہیں دو سالوں کے دوران معاذ جیرو کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد نانو میں ایک دم بہت ساری تبدیلیاں آ گئیں۔ ان کی سوشل سرگرمیاں بہت محدود ہو گئیں اور عطیہ پر ان کی توجہ بہت بڑھ گئی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اب اکیلی ہو چکی تھیں اور ان کے لاشعور میں یہ احساس تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد عطیہ کی شادی کی صورت میں وہ عمل طور پر تنہا ہو جائیں گی۔ شاید ایسی وجہ سے انہوں نے عطیہ پر بہت سی باتیں فرم کر دیں تھیں۔ وہ اب اسے کسی بات پر مجبور نہیں کرتی تھیں۔

عمر ان دنوں اپنی پہلی بیویوں تک پرستگ پر امریکہ جا چکا تھا۔ ان کے درمیان رابطہ بھی ابھی قائم تھا مگر فون کا لڑے تسلسل میں کسی ہو چکی تھی۔ نانو کے ساتھ زندگی میں پہلی بار اس کی بے تکلفی اور دوستی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ ایسی دوستی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اسے لیڈر کے دوران اس کے لئے پروڈکٹ تلاش کرک کر دی تھی۔ غمین اور سکندر کے اصرار اور دباؤ کے باوجود انہوں نے اس معاملے میں وہی اپنا تھا جو عطیہ نے چاہا تھا۔ اس میں بڑا ہاتھ عمر کا بھی تھا جو مسلسل نانو کی برین داؤد کا ہاتھ تھا۔

نانو کے لاشعور میں شاید یہ کہیں یہ بات بھی تھی کہ عمر اپنی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے یہ خواہش رکھتا ہے کہ عطیہ کی ابھی کہیں شادی نہ ہو اور کچھ عرصہ کے بعد جب وہ مکمل طور پر انجیلش ہو جائے گا تو تب وہ خود اس سے شادی کرنا چاہے گا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ جو اس کی تعلیم مکمل کر دے پڑا اتنا اصرار کر رہا ہے تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے۔

بات کا کوئی اسکان نہیں تھا کہ وہ علیزہ میں گزشتہ دلچسپی کی وجہ سے شادی کی خواہش کرتا۔

علیزہ کی عمر میں دلچسپی حد سے زیادہ بچی بچی عمر اس کے باوجود نا تو یہ بات اچھی طرح چانتی تھیں کہ وہ عمر کو پسند کرتی ہے اور خود علیزہ کو بھی احساس تھا کہ نا تو اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں۔

نا تو کا خیال تھا، عمر کے واپس آنے کے اسکان بہت کم ہیں..... اور وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں وہ پیچور ہوگی..... وہ یقیناً عمر کو اپنے ذہن سے نکال دے گی، خاص طور پر اس صورت میں جب ان دونوں کے درمیان ہونے والا رابطہ کم سے کم ہوتا جا رہا تھا۔

ان دونوں کے درمیان رابطہ تقریباً ختم ہو گیا تھا..... اور وہ وقت گزرنے کے ساتھ نا تو کی توقعات کے مطابق پیچور بھی ہو گئی تھی۔ مگر نا تو کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا تھا کہ وہ عمر کو اپنے ذہن سے نکال دے گی..... عمر کے لئے اس کی پسندیدگی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی اور وہی کسی کسر پانچ سال بعد اس کی ایک دم واپسی نے پوری کر دی تھی۔

عمر کی شخصیت میں یقیناً بہت زیادہ تبدیلیاں آ چکی تھیں اور یہ دلتی اور جذباتی تبدیلیاں اس کی پوری شخصیت کا احاطہ کئے ہوئے تھیں..... مگر علیزہ ایک بار پھر کسی متناظر کی طرح اس کی طرف مٹھ رہی تھی..... اور نا تو کو اس بات کا خدشہ تھا عمر پاکستان میں رہتا تو کسی نہ کسی طرح وہ دونوں رابطے میں رہتے..... اور اس کے بعد کیا ہوگا۔ وہ اچھی طرح اندازہ کر سکتی تھیں۔



باب ۴۶

وہ اس دن فیروز سنز سے کچھ کتابیں لینے گئی تھی۔ شہلا اس کے ساتھ تھی۔ کتابیں دیکھتے ہوئے وہ دونوں مختلف حصوں کی طرف بڑھ گئیں۔

وہ ایک کتاب کا لٹپ پڑھنے میں مصروف تھی جب اس نے اپنی پشت پر ایک آواز سنی۔ کسی نے اس کا نام لیا تھا۔ بے اختیار اس نے پلٹ کر دیکھا اور چند لمحوں کے لئے ساکت رہ گئی۔ وہ جینو ابراہیم تھا۔ فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیا پاس دے۔

وہ اب مسکراتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود مسکرا نہیں سکی۔ گردن سوڑ کر اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب کو بند کیا اور واپس رکھ دیا۔

جینو اب تک اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ کسی سلام دعا کے بعد اس نے علیزہ سے کہا۔

”مجھے توقع نہیں تھی کہ آج آپ سے یہاں ملاقات ہوگی۔“

وہ ساٹھ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ چند ہی پہلے بھورہن میں اس کے ساتھ ہونے والی ملاقاتوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی گرم جوشی کی وہ ہی کہیں غائب ہو گئی تھی۔ جینو نے اس تبدیلی کو فوراً محسوس کر لیا تھا۔ اس کے انداز و اطوار میں خاصی تبدیلی تھی۔ وہ قدرے خفیف ہو گیا۔

”ہاں مجھے اپنا وقت ضائع کرنے کا خاصا شوق ہو رہا ہے آج کل..... میں جلد جس طرح کی سرگرمیوں میں ضائع کرتی پھر رہی ہوں۔“

جینو کچھ نہیں سکا، وہ کسی سرگرمی کا ذکر کر رہی ہے۔

اس نے ایک کتاب کی طرف ہاتھ بڑھا لے ہوئے کہا۔

”اچھی کتابوں کی تلاش کرنا کوئی غیر مناسب سرگرمی نہیں ہے، نہ ہی ایسی سرگرمی ہے جس پر کوئی وقت ضائع کرنے کا لیل لگا سکے۔“

اس نے لامحالہ یہی اندازہ لگایا کہ وہ اپنے ہاں آنے کے بارے میں بات کر رہی تھی۔ علیزہ نے سر اٹھا کر

زیادہ دیر ان کے سامنے ٹھہرے۔

”تمہیں جلدی کس بات کی ہے؟“ شہلا نے قدر جبرانی سے کہا۔

”تم باہر چلو، میں تمہیں بتا دیتی ہوں۔“ اس نے شہلا کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے کہا۔

علی ادا کرنے کے بعد شہلا نے اپنی کتابیں لیں اور دونوں باہر نکل آئیں۔ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے ہی

شہلا نے علیہ سے پوچھا۔

”اب بتاؤ۔ کیا ہوا ہے۔۔۔ اتنی افراتفری میں مجھے کیوں لائی ہو؟“

”میں ان لوگوں کو Avoid کرنا چاہتی تھی اس لئے۔“ علیہ نے اطمینان سے کہا۔

”کیوں؟“ شہلا نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔

”وہ آؤں کریم کھانے کے لئے ساتھ چلے گی آؤں کریم ہے، اس لئے۔“

”تھے کن یہ؟“ وہ گاڑی کو پارکنگ سے نکالتے ہوئے بولی۔

”اس لڑکے کا نام حیدر ابراہیم ہے۔“ علیہ نے کچھ سوچے ہوئے کھانا شروع کیا۔ ”چند پلٹے پہلے مجھ پر

میں ملاقات ہوئی تھی میری اس کے ساتھ۔ آؤں کریم جانے والوں کا بیٹا ہے۔“

”پھر؟“

علیہ و چند لمحوں کے لئے خاموش رہی۔

”میرے لاور وواہ اس آئے سے پہلے اس کے گھر والے نانو کے پاس آئے تھے۔ پو پوڈل لے کر۔“

”پھر نانو نے کیا کہا۔“ زینبٹ کر دیا؟“ شہلا نے تکیاں آرائی کی۔

”نہیں۔۔۔ انہوں نے سوچنے کے لئے کجودت مانگا ہے۔“

وہ اب دنگر سکرین سے باہر سڑک پر نظر پڑ گئے تھے۔ شہلا نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

”نانو نے تم سے بات کی ہوگی۔“

”ہاں۔“

”اور تم نے کچھ معمول اٹکا کر دیا ہوگا۔“ علیہ و خاموش رہی۔

شہلا نے آؤں کریم کا ساٹس لیا۔ ”کیا کرتا ہے یہ؟“ اس کا اشارہ جینیڈ کی طرف تھا۔

”آؤں کریم کس ہے۔“

”اس کے ساتھ کون تھا؟“

”اس کی بڑی بہن اور بھانجا۔“

”مجھے دیکھنے میں اچھا لگا ہے۔ سو راور ڈینٹ۔“ شہلا نے رائے دی۔ ”تمہیں کیسا لگا؟“

”اس بار علیہ نے گردن موڑ کر کچھ تڑپی سے پوچھا۔

”کس حوالے سے؟“ ”تمہارا کیا اندازہ ہے۔ میں کس حوالے سے پوچھ رہی ہوں۔“

”جینیڈ نے کافی ذکر کیا تھا تمہارا؟“ رابا بڑی بے تکلفی سے کہہ رہی تھی۔ ”مجھے بہت خواہش تھی تم سے

ملنے کی۔“ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”جینیڈ نے آپ کا ذکر بھی کیا تھا۔ کچھ پلٹے پہلے۔ جب ہم مجھ پر تھے۔“ علیہ نے کہا۔

”میں نے تو جینیڈ سے جب بھی کہا تھا کہ تمہیں میرے کچھ کھانے پر لائے۔ تم اسلام آباد میں ٹھہری تھیں

نا۔۔۔ میری رہائش وہیں پر ہے۔“

علیہ و اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ وہ جینیڈ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ ”میں تمہیں بہت اچھی

کہتی دے سکتی تھی۔ تمہاری پوری خاموشی کم ہو جاتی۔۔۔ خود میرا بھی کچھ وقت اچھا گزر جاتا۔“

”میں مجھ پر تھے۔“ اس نے کہا۔ ”بہت زیادہ دن اسلام آباد میں نہیں ٹھہری۔ تیسرے دن ہی واپس آ گئی تھی اس

لئے یہ ہو نہیں سکتا تھا۔“ علیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں، یعنی اس مجھ پر تھے۔“ علیہ نے کہا۔ ”تم تو تین ماہ رہی ہو وہاں۔“ علیہ و

مسکرائی۔

”پہلے آپ سے ملاقات کیسے ہو سکتی تھی۔ میں تو جینیڈ کو جانتی بھی نہیں تھی۔“

علیہ نے جینیڈ اور رابا کو ایک لمبے کیلئے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے پایا پھر اگلے ہی لمحے جینیڈ نے کہا۔

”ہم لوگ صالح کی فرمائش پر اب آؤں کریم کھانے کے لئے جا رہے ہیں۔۔۔ میں بہت خوش ہو گی اگر

آپ اور اب کی فریڈ بھی ہمیں جوائن کریں۔“

بات کا موضوع ایک بار پھر بدل گیا تھا۔۔۔ رابا نے اس طرح کہا تھا۔ ”جینیڈ اور رابا نے اس کی

مجھے اور شہلا کو واپس جانا ہے۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ میں جلدی ہے۔۔۔ کافی دیر سے

نکلے ہوئے ہیں گھر سے۔“ علیہ نے مسکرتے ہوئے جواب دیا۔ ”اب رابا نے کہا۔

”اگر تمہوڑا سادقت تم میرے ساتھ گزار دو تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔“ اس بار رابا نے کہا۔

”میں ضرور گزارتی۔ اور مجھے اٹھا کر کرتے ہوئے شرمندگی بھی ہو رہی ہے مگر یہ نہیں ہے۔“

”گوئی بات نہیں۔۔۔ آپ کے پاس واقعی جینیڈ ایکسپوز ہے۔“ جینیڈ نے اس کی مدد کرتے ہوئے کہا۔

وہ آؤں خدا حافظ کہہ کر جب واپس شہلا کی طرف آئی تو وہ پہلے ہی اس کی طرف متوجہ تھی۔

”یہ کون تھے؟“ اس نے علیہ کے قریب آئے ہی پوچھا۔

”تم یہاں سے چلو۔ پھر بتاتی ہوں۔“ علیہ نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

”مجھے تو ابھی کچھ اور سن رہی تھی۔“

”وہ تم دو بارہ کی دن دیکھ لینا۔۔۔ فی الحال یہاں سے چلو۔“ علیہ نے اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے کہا۔

جینیڈ اور رابا اب وہیں تھے اور وہ نہیں جانتی تھی کہ ان سے جھوٹ بولنے کے بعد اب وہ شہلا کے ساتھ

ہیں دونوں ایک ہی روم میں..... مسٹر اینڈ مسز عمر جہانگیر کے طور پر۔“

علیہ نے فق ہو تے چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔ وہ گاڑی ڈرائیج کرتے ہوئے ونڈا سکرین سے باہر دیکھ رہی تھی۔

”فاروق کچھ دن پہلے اپنے ایک غیر ملکی کسٹمر کو ٹھہرانے گیا تھا وہاں۔“ اس نے اپنے بھائی کا نام لیتے ہوئے کہا۔

”اس وقت عمر بھی وہاں ریسٹیشن پر چیک ان کر رہا تھا۔ فاروق سے ملا اور جوڈھ کا تعارف بھی کر دیا۔۔۔۔۔۔
فرینڈ کے طور پر۔۔۔۔۔۔ مگر وہاں چیک ان مسٹر اور مسز عمر جہانگیر کے طور پر کیا۔“

وہ دم بخود اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ”فادوق نے گھبرا کر مجھ سے پوچھا تمہاری شادی کے بارے میں۔“
 ظاہر ہے، تو نے تو یہی کہا تھا کہ نہیں ہوئی۔ پھر اس نے مجھ سے سب بتایا۔ پھر برسوں میں نے ان دونوں کو خود غور فرمیں میں دیکھا۔ اس کا مطلب ہے ابھی تک وہ دونوں میں ہیں۔ اور تو نے سب کچھ فراموش کر دیا کہ وہ عمر سے تمہارے پرنسز کے بارے میں بات کریں۔“ شبلیہ نے تجھ کو استہزاء سے اعجاز میں اپنی بات ختم کی۔
 ”عمر نے جو تجھ سے شادی نہیں کی۔“ ظلیہ نے بے اختیار کہا۔

”یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟“
 ”وہ اگر شادی کرتا تو اس طرح چھپ کر نہ کرتا۔ بھلے کھلا کرتا..... اور اگر چوری سے کرتا تو بھی کم از کم تانہ کو ضرور بتا دیتا۔“

”ہوسکتا ہے اس نے کسی وجہ سے اپنی شادی کو خفیہ رکھا ہو۔“ شہلا نے خیال ظاہر کیا۔
 ”میں نہیں تحقیق کر سکی کوئی بات ہے..... وہ اس طرح چھپ چھپ کر شادی کر ہی نہیں سکتا۔“
 ”ٹھیک ہے اس نے شادی نہیں کی ہوگی..... مگر شادی کے بغیر جوڑھ کے ساتھ اس کا ایک ہی روم میں
 قیام زیادہ قابل اعتراض بات ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب تم اس سے شادی کرنا چاہتی ہو۔“
 ”یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے۔“ علیہ نے گزند سے لہجہ میں کہا۔

”کم آواز“: وقتی مسئلہ..... تم اس کی زندگی کا ایک حصہ بننا چاہتی ہو اور تم کہہ رہی ہو کہ اتنا بڑا ایٹھ اس کا اپنی مسئلہ ہے۔“ علیرہ اس بار خاموش رہی۔

”تم نے کبھی ان دونوں کے تعلق کے بارے میں غیر جانب داری سے سوچنے کی کوشش کی ہے؟“
علیزہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”اور خود تمہارے بقول وہ دونوں باقی اسکول میں اکٹھے ہیں..... میں سال تو ہو ہی گئے ہیں ان دونوں کی دیکھو کہ..... اور ایک زمانے میں تمہیں یہ شک بھی تھا کہ عمر اس سے محبت کرتا ہے اور شاید اسی سے شادی کرے گا۔“

”مگر وہ صرف شک تھا..... عمر نے اس سے شادی نہیں کی۔“ طیز نے مداخلت کی۔
 ”اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عمر نے ابھی تک کسی سے ہم شادی نہیں کی..... اگر وہ شادی کرے گا، تو فیصلہ کرنا

”جس حوالے سے تم پوچھ رہی ہو۔ میں نے وہ حوالہ ذہن میں رکھ کر اس پر غور نہیں کیا۔ ویسے وہ اچھا ہے۔ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح۔“ اس نے دو ٹوک انداز میں کہا اور ایک بار پھر دوڑا سکرین سے باہر دیکھنے لگی۔

گھاڑی میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر شہلا نے اس سے کہا۔
 ”جہیں آخر پریشانی کس بات کی ہے۔۔۔ تم کو یہ پر پوزل قبول نہیں ہے، انکار تم کر چکی ہو۔ مانو یہ انکار

”میں نے انکار نہیں کیا۔“ شہلا نے بے اختیار گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اب بھی باہر سڑک پر نظر آ رہی تھی۔

انکار نہیں کیا..... تمہیں یہ ریغزل قبول ہے؟

”میں نے یہ تو نہیں کہا۔“

”یہ کیا بات ہوئی..... تم نے انکار نہیں کیا تو اس کا واضح مطلب تو یہی ہے کہ وہ تمہیں پسند ہے یا کم از کم

”میں نے نانو کو عمر سے بات کرنے کے لئے کہا ہے۔“

”کیا بات کرنے کے لئے؟“

علیزہ نے گردن موڑ کر شہلا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ”It's very

humiliating لیکن میں نے ان سے کہا ہے کہ وہ عمر سے میرے پوپول کے ہارے میں بات کریں۔۔۔۔۔ وہ ایک لمحہ کے لئے رکے۔ ”یہ بہت تکلف وہ عمر میرے ہاں کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ میں آخر تک عمر کے

لئے ہر پوپزل کو جھجکت کرتی رہوں گی۔“
وہ ہونٹ بھینچے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ہانو نے عمر کو لاہور بلوایا ہے..... وہ ابھی کچھ مصروف تھا۔ اس لئے نہیں آسکا..... چند دن تک آجائے..... تب ہانو اس سے بات کر سگیں۔“ اس نے شہلا کو بتایا۔

”تمہیں پتا ہے جو تھ پاکستان آئی ہوئی ہے.....؟“

اقتباس ہوئی تھیں۔ بعد میں بھی علیر، جوزتھ کے بارے میں اسے خاصی تفصیلات بتاتی رہی مگر اب اچانک اس کے

”تمہیں کیسے پتا ہے؟“ علیر نے بے اختیار کہا۔

وہ شبلا کی بات پر چپ سی ہو گئی۔ ”دونوں پچھلے کئی دنوں سے لاہور میں ہیں۔ میں تمہیں بتانا نہیں چاہتی تھی۔ میرا خیال تھا۔ تم مرثاں ہو گئی۔“ وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گئی۔ ”اک فائنو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے

ہے۔ تو وہ کس کا انتخاب کرے گا۔ کیا تم بتا سکتی ہو؟" شہلا اسے آڑے ہاتھوں لے رہی تھی۔

"تم عمر پر آج اتنی تنقید کیوں کر رہی ہو، اس کے لئے میری پسندیدگی تم سے کبھی بھی جھجی نہیں رہی۔ پہلے تو کبھی تم نے جوڈھ کا لٹو بٹانے کی کوشش نہیں کی۔" علیزہ نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں عمر کے لئے تمہاری پسندیدگی سے ہمیشہ سے ہی واقف تھی مگر جوڈھ اور عمر کی ایک دوسرے کے لئے فلیٹگو یا ان کے تعلق کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی۔" محراب بے جاٹے کے بعد عمر کے اس کے ساتھ تعلقات صرف دوستی اور محبت کی حد تک نہیں ہیں۔ میں جنہیں کبھی مشورہ دوں گی کہ تم پیچھے ہٹ جاؤ۔ عمر تمہارے ساتھ دفا دار نہیں ہو سکتا۔"

"میں عمر کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تم اس کے لئے میری فلیٹگو سے ابھی طرح واقف ہو۔" اس نے شہلا سے احتجاج کیا۔

"زندگی صرف فلیٹگو کے ساتھ نہیں گزارنی چاہی سکتی۔ فرض کرو تمہاری شادی اس کے ساتھ ہو جاتی ہے اور جوڈھ مسلسل اس کے ساتھ اس طرح کی دوستی رکھتی ہے تو پھر آپ کیا کریں گی محترمہ؟" شہلا نے استہزاء بھرا انداز میں کہا۔

"ایسا نہیں ہو گا۔"

"کیوں تم پر کوئی دبی نازل ہوئی ہے کہ ایسا نہیں ہو گا۔ اسنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو تم؟" شہلا نے

مناقشہ اڑایا۔

"عمر ایک دیانت دار شخص ہے۔ دھوکا نہیں دے گا مجھے۔" اسے اپنی آواز خود بخود کھلی گئی۔

"اور فرض کرو اگر اس نے دیا تو۔"

"میں ایسی کوئی دھمکانا فرض نہیں کر سکتی۔" اس نے ہنسی سے کہا۔

"زندگی میں بعض دفعہ دھمکانا ہی ڈراؤ نے خواب بن کر سامنے آ جاتی ہیں۔"

"شہلا! ہمیں ٹاپک چینج کر دینا چاہئے۔"

"کیونکہ عمر کے بارے میں سچ سننے کو تیار نہیں ہو۔ ہے؟" اس نے ایک بار پھر اس کا مذاق اڑایا۔

"مردردی تو نہیں ہے کہ عمر کو جوڈھ سے ہی محبت ہو؟"

علیزہ خاموش ہو گئی۔

"اس کو تم سے محبت نہیں ہے۔ علیزہ۔ یہ بات تم حلیم کیوں نہیں کر لیتیں۔" اس بار شہلا کا لہجہ بہت نرم تھا۔

"اسے تم سے محبت ہوتی تو وہ جنہیں اسنے سالوں میں کبھی تو پرواز کرتا۔ کبھی تو تم سے اظہار محبت کرتا۔"

کبھی تو جنہیں کوئی آس ڈلاتا۔ اس نے کبھی ایسا کچھ نہیں کیا۔

"میں نے یہ دیکھی نہیں کیا کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔ کیا میں نے آج تک تم سے کبھی یہ کہا ہے؟" وہ شہلا

کی بات کاٹ کر بولی۔ "میں نے تو یہ خواہش کی کبھی نہیں کہ اسے مجھ سے محبت ہو۔ میں تو صرف شادی کی بات کر

رہی ہوں۔ کیونکہ مجھے اس سے محبت ہے۔"

"دن سائیل ڈائمنز" (ایک طرف محبت)

"ہاں تم اس کو دن سائیل کہو۔ مگر کیا برائی ہے۔ اگر اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جو اچھی

گنتی ہے۔"

"بچپن میں اور انسانوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ علیزہ۔ انسانوں کو کوئی زبردستی اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔"

"میں بھی اس سے کوئی زبردستی نہیں کروں گی۔" چوہنڈل کے بارے میں بات کرتا تو کوئی برائی بات نہیں

ہے۔" اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اور اگر اس نے تم سے شادی سے انکار کر دیا تو؟"

"تو۔ پتا نہیں۔ مگر نا تو کسی سے بھی میری شادی کر دیں۔ میں کچھ نہیں کہوں گی۔"

"اور وہ۔ کئی۔ یقیناً حیدر ابراہیم ہو گا۔"

"ہاں۔ وہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم حیدر ابراہیم کو ہی اپنا پہلا انتخاب رکھو۔ کم از کم اس کی زندگی میں کوئی جوڈھ

نہیں ہے۔"

"عمر کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے بارے میں سوچنے کے لئے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے اور میرے

پاس یہ حوصلہ نہیں ہے۔" اس نے بھی ہنس کر اس بات کے ساتھ کہا۔

"مجھے حیرت ہے علیزہ۔ چند ماہ پہلے یہ تم ہی تھیں جو عمر اس اور عمر کے خلاف اپنی باتیں کر رہی تھیں اور

اب۔۔۔ تم جو اس کی زندگی کا ایک حصہ بننا چاہتی ہو۔ اس کی ساری برائیوں کو جانتے ہوئے بھی۔" شہلا عجیب

سے انداز میں ہنسی۔ "حالانکہ میرا خیال تھا کہ ان حالیہ واقعات نے عمر کے بارے میں تمہاری فلیٹگو کو خاصا بدل دیا ہو

گا۔ لیکن میں غلط تھی۔" شہلا کی آواز میں انفوس جھلک رہا تھا۔ "عمر پر اتنی تنقید کرنے کے بعد بھی تم ابھی تک اس

کی محبت میں اس طرح گھومتا ہو جس طرح پانچ سال پہلے تھیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔"

وہ انداز چھٹکتی کر گئی۔ وہ اسے ڈانٹ رہی تھی یا نصیحت کر رہی تھی۔ جو کچھ بھی تھا، اس وقت اسے نہ گوارا لگ

رہا تھا۔

"میری اس کے ساتھ جو جذباتی انوائونٹ ہے۔ وہ کسی اور کے ساتھ نہیں ہے۔ میرے لئے اس سے

نفرت کرنا ممکن نہیں ہے۔ کم از کم تو یہ بات سمجھو۔" اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"میں نے جنہیں اس سے نفرت کرنے کے لئے نہیں کہا۔ میں جانتی ہوں۔ تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں تو

صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ تم اس کے بارے میں سوچتے ہوئے وقتی طور پر جذبات کو ایک طرف رکھ دو۔ جس آدمی کے

ساتھ شادی کر کے زندگی گزارنی ہو۔ اس کے بارے میں صرف جذبات سے کام نہیں لیا جاسکتا۔ بہت سی باتوں کو

منظر پر رکھنا پڑتا ہے۔" وہ اب قدرے دم آواز میں اسے سمجھا رہی تھی خاص طور پر اس صورت میں جب یہ صرف دن

واقعہ تو نہیں کرتی کہ اپنے۔ اس نے سرخ چہرے کے ساتھ شہلا سے کہا۔

”تم میری بات ماننے کو تیار نہیں ہو۔ میری بر بات تمہیں جھوٹ لگ رہی ہے۔ پھر میں اس کے علاوہ اور کیا کر سکتی ہوں کہ تمہیں خود تہنہاری آکھوں۔ سب کچھ دکھا دوں۔“

علیہ ناراضی سے کھڑکی سے باہر نکلتی رہی۔

”اب کم از کم مجھ سے بارش کو قسم کرو۔“ شہلا نے اس کا سوز ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔

”تمہیں نانو کا ڈاکھ میں بننے کے لئے کس نے کہا تھا۔“ اس نے ایک بار پھر گردن سوز کر اٹھ کرے ہوئے اعزاز میں اس سے کہا۔

”مجھے تہنہاری فکر تھی۔۔۔۔۔ اس لئے۔۔۔۔۔“

”کم آن شہلا! یہ پروا اور فکر جیسے لفظ استعمال مت کرو۔ دوستوں کو کبھی فکر اور پروا کے نام پر حقائق چھپانے اور جھوٹ بولنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ اس سے دوستی جیسا رشتہ کتنی بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ اس کا اعزازہ جتنی نہیں ہے۔۔۔۔۔ وہ اس بار سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔“ کم اب مجھ سے عمر اور جڑو مجھ کے علاوہ اور کسی کے بارے میں کچھ بھی کہہ لیتا۔ مگر ان کے بارے میں کچھ نہیں۔ میں اس سارے معاملے سے خود پٹنہا پٹنی ہوں اور اگر میں نانو کو عمر سے بات کرنے کے لئے کہہ سکتی ہوں تو پھر نانو کے سامنے بیڑہ کہ سب باتیں بھی دیکھ سکتی ہوں۔۔۔۔۔ وہ دیکھ کر پھر قد سے وقت سے بولی۔

”نانو کچھ بات واقعی پیچہ دھ لینا چاہئے کہ میں ہر ایسا فعل کر سکتی کہ اس کا سامنا کر سکتی ہوں۔ کیونکہ طرح آنکھیں بند کرنے والے فیئر سے گزر سکتی ہوں میں۔ بلکہ اہت بہت پیچھے چھوڑ آئی ہوں۔“

”مجھے نانو اور تہنہارے غلطی اور میرے لئے اپنی موت پر شبہ نہیں ہے۔ مگر تم لوگوں کو عمر کے لئے میری فیکٹو کو بھی تو سمجھنا چاہئے۔ میں اسے صرف کسی سی سانی بات کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ میرے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔“ اس کے سچے میں اس بار نمایاں رہی تھی۔

”جہاں تک جڑو مجھ کا تعلق ہے تو وہ تو بیشک سے اس کی زندگی میں رہی ہے۔ جب بھی جب وہ کسی سال پہلے یہاں ہمارے گھر میں ہمارے ساتھ رہا تھا۔ اور اگر اسے مجھ میں کوئی دلچسپی نہ ہوتی تو وہ۔۔۔۔۔ میرے لئے وہ کچھ کہیں کہ نہ رہا تھا جو آج تک نہ کرتا ہے۔ ہر ایک کے لئے تو نہیں کرتا وہ۔ کچھ تو ہو گا اس کے دل میں میرے لئے۔۔۔۔۔ اور مجھ سے یہ نہ کہو کہ بے محبت نہیں ہے۔۔۔۔۔ ہورڈی ہے۔ یا موت۔۔۔۔۔ یہ کم از کم ان دونوں چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔“ اس نے اپنے ہونٹوں کی لڑوئی چھپانے کے لئے ہونٹ بھیجے لئے۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور وہ انہیں چھپکنے سے روکنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

شہلا نے ہورڈی سے اسے دیکھا پھر اس نے نرمی سے اس کے کندھے پر اپنا بازو پھیلا دیا۔ ”میں تہنہاری فیکٹو سمجھ سکتی ہوں۔ تم اگر واقعی یہ سمجھو کہ عمر کے علاوہ۔۔۔۔۔ تو فیکٹو ہے تم کو نانو کا ایک بار پھر۔۔۔۔۔ کہ وہ اس سے بات کریں۔ ہو سکتا ہے وہ۔۔۔۔۔ واقعی تہنہارے کے کچھ خاص لکچوکھو رکھا ہو۔ اور اگر ایسا ہوا تو مجھ سے زیادہ تہنہارے

لے اور کوئی غرض نہیں ہوگا۔ بلکہ اگر تم پتا ہو تو میں خود عمر سے۔۔۔۔۔ وہ اب غلطی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆☆☆

”میں نے آج شام عمر کو بلوایا ہے۔“ نانو نے صبح ناشتے کی میز پر علیہ کو بتایا۔ وہ سلاکس پر جام لگاتے ہوئے گئی تھی۔ اسے اپنے خون کی گردش اور دھڑکن تیز ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔

وہ شام کے بجائے رات کو آیا تھا۔ علیہ اور اس وقت اپنے کمرے میں تھی۔ نانو نے اس کیلئے رات کا کھانا تیار کر دیا ہوا تھا اور اس کے آنے کے فوراً ہی در بعد ہی نانو نے علیہ کو کھانے کے لئے پیغام بھجوایا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ اس نے لازم سے بھلوا یا تھا۔

وہ اس وقت عمر کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نہ ہی وہ کر سکتی تھی۔ اس کے اسلام آباد کے قیام کے بعد وہ آج تکنا بار یہاں آیا تھا۔ اس کے آنے کے کچھ بعد وہ اپنے کمرے کے لائٹ بند کر کے وہ اپنے بیڈ پر آکر لیٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے نیند مکمل طور پر غائب تھی۔ نائٹ بلب کی روشنی میں وہ صحت کو گھورتی رہی۔

عمر بارہ بجے کے قریب واپس آیا تھا۔ اس نے اس کی گاڑی کے اشارت ہونے کی آواز سنی تھی۔ بے اختیار اس کا دل چاہا۔ اور وہ کچھ باہر جانے اور نانو سے پوچھنے کو اس نے کیا کہا ہے۔ کیا پیشہ کی طرح وہی راز راز بنا دیا۔

”میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتا نہ ہی کبھی کروں گا۔ میں آزاد ہوں اور مجھے اپنی بے آزادی پسند ہے۔“ یا پھر یہ کہ ”میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا۔ کچھ سال کے بعد اس کے بارے میں خود کروں گا اور جب شادی کے بارے میں سوچوں گا تو علیہ کے بارے میں بھی خود کروں گا۔“

اسے کئی سال پہلے نانو کے ساتھ ہونے والی اس کی گفتگو یاد آئی جو اس نے اتفاقاً سن لی تھی اور جب پہلی بار اس نے عمر کے بارے میں اپنی جیت سے سوچا تھا۔ ”عمر سے شادی؟ کیا وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ کیا میں اس سے شادی کروں گی؟ ایک ٹھیک انکھر کے طور پر اسے اس بات پر یقینی آئی تھی مگر وہ بات اس کے ذہن سے کبھی نہیں ہوئی۔ وہ اس کے لاشعور کا ایک حصہ بن گئی تھی اور وقتاً فوقتاً اس کے ذہن میں ابھرتی رہتی تھی۔

وہ ادھ کر باہر نانو کے پاس نہیں گئی۔ نانو یقیناً اسے سونے کے لئے جا چکی ہوں گی۔ اگر وہ سونے کے لئے نہ گئی تھیں جب بھی نانو غصے، وہ اس موضوع پر مجھ سے اس وقت بات نہ کریں۔ بہتر ہے میں ان سے صبح ہی بات کروں۔“

اس نے آنکھیں بند کر کے ہونے سونے کی کوشش شروع کر دی۔ یہ کام خاصا مشکل تھا مگر وہ رات کے کسی پھر سونے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

☆☆☆

وہ صبح جی وقت بیدار ہوئی تو نوحہ رہے تھے۔ آنکھیں کھولتے ہی وہ چلا خیال اس کے ذہن میں آیا۔ وہ رات کو عمر کی نانو کے ساتھ ہونے والی ملاقات کے بارے میں تھا۔ ہر روز صبح بیدار ہونے کے بعد کی معمول کی بے فکری یک دم کہیں غائب ہو گئی تھی۔ رات والی بے چینی اور اضطراب نے یک دم اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ناشتہ کرنے کے لئے وہ جس وقت ڈائننگ ٹیبل پر آئی، اس وقت نانو پہلے ہی وہاں موجود تھیں۔ علیہ نے

ان کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی، اسے تاکا کی ہوئی۔ ناوشیدہ نظر آ رہی تھیں۔ وہ عام طور پر سنجیدہ ہی رہتی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ کی طرح غلیظہ کو نا تشہہ پیش کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس وقت ان کے منہ سے نہیں سننا چاہتی تھی۔

”آج میں نے تمہارے لئے فریڈ لوسٹ بخواے ہیں۔ تم کہاؤ، ہمیں پسند آئیگیں گے۔“

”ایکھا لیسٹ لوگی یا پوائنڈ ایک یا فرائیڈ“

وہ کم از کم آج صبح ان سے ایسی کوئی بات نہ سنائیں چاہتی تھی اور وہ اس سے وہی باتیں کر رہی تھیں۔

وہ اپنے اعصاب پر قابو رکھنے ان کی بات سننے سے ہوتے نا تشہہ کرتی رہی۔ وہ مختصر تھی، وہ ابھی خود بات شروع کر چکی۔ ناوشہ نے ایسا نہیں کیا جب اس کا صبر جواب دے گیا تو اس نے سلاخی کو سامنے پڑی پیش ملے رکھتے ہوئے ناوشہ سے کہا۔

”آپ نے عمر سے بات کی۔“

ناوشہ نے چائے پیٹے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر کپ پرچ میں رکھ دیا۔ وہ سانس روکے، ہلکیں چپکائے بغیر ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے ان کے منہ سے نکلنے والے لفظوں کی منتظر رہی۔

”وہ تر سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔“

اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ عمر اناؤٹوک انکار کرے گا نہ ہی یہ توقع تھی کہ ناوشہ انکار کو اسی طرح کسی گلی لپٹی کے بغیر اس کے سامنے پیش کر دیں گی۔

”کیوں؟“ زندگی میں کسی ایک لفظ بولنے کے لئے اسے اتنی جدوجہد نہیں کرنی پڑی تھی، جسی اس وقت کرتی پڑی۔

ناوشہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ اب اس کا میں کیا جواب دوں؟

”کیا عمر سے آپ نے یہ نہیں پوچھا؟“

”پوچھا تھا۔“

”گہرا۔“

”اس کے پاس بہت سی وجوہات ہیں۔“

”شوق؟“

”وہ خاندان میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔“

”یہ تو کوئی وجہ نہیں۔“ اس نے سنجیدگی سے ناوشہ دیکھا۔ ”کیا صرف اس بنا پر وہ مجھے رد کر رہا ہے کہ میں اس کی کزن بنی۔“

”میں نے اس سے کہا تھا یہ گھر اس لئے کہا کہ اگر اس بات کو نظر انداز کر بھی دیا جائے تب بھی تم سے شادی نہ کرنے کے لئے اس کے پاس بہت سی وجوہات ہیں۔“ ناوشہ سنجیدگی سے کہا۔

”معتبا کہا ہوا کہ اس نے یہی کہہ دیا ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔“ غلیظہ نے رنجیدگی سے ناوشہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”ایہ کیا ہوگا کہ وہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔“

وہ ایک لمحہ کے لئے رکی۔

”ناوشہ! میں اس کا انتظار کر رہی ہوں، ویس میں، نہیں سال، ساری زندگی۔“

ناوشہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔

”اور میں یہ باتیں کوئی نہیں ہوں کہ وہ کبھی شادی نہیں کرے گا کبھی نہ کبھی تو اسے شادی کرنا ہی پڑے گی۔ وہ ساری زندگی اکیلا تو نہیں رہ سکا پھر اس طرح کی بات کیوں کر ہے وہ؟“ اس کے لہجے میں اب بے چارگی تھی۔

”آپ بتائیں یہ کیا کہنا ہے ناوشہ؟“

”نہیں۔“ اس نے حیرانی سے ناوشہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے ان کے منہ سے نکلنے والا لفظ دہرایا۔

”اس نے یہ نہیں سنا کیا؟“

”تو پھر اس نے یہ کہا ہوگا کہ میں اس کو ناپسند کرتی ہوں اور اس کی ہر بات پر اعتراض کرتی ہوں اس لئے اسے لگا ہوگا کہ ایسا کوئی رشتہ دیر پا ثابت نہیں ہو سکا اس نے یہی سنا تھا کہ آپ سے؟“

ناوشہ نے ایک لمحہ کے لئے اس کا چہرہ دیکھا۔ غلیظہ کو محسوس ہوا، وہ وہ بات کرتے ہوئے کچھ حائل تھیں۔

”اس نے مجھ سے ایسا کچھ نہیں کہا کہ ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا۔“ ناوشہ چند لمحوں کے بعد بات شروع کی اب پھر کبھی شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔ وہ کہیں ”وہ خود بھی شادی کے بارے میں سوچ رہا ہے اور وہ کہہ رہا تھا کہ ایک دو سال تک وہ شادی کر لے گا۔“

غلیظہ نے ٹھیک پر رے کے اپنے ہاتھ کو ہٹا لیا۔ وہ نہیں جانتی تھی، ناوشہ کے ہاتھ کی لڑش دیکھیں گھر اس وقت اس کے چہرے پر کتنے رنگ بدل رہے ہوں گے، یہ وہ جانتی تھی۔

”اس نے مجھ سے کہا کہ اسے تم میں کبھی بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی، تم اس کے لئے ایک کزن یا دوست سے زیادہ کچھ بھی نہیں رہی۔“ وہ دم سامنے ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ”اس نے یہ بھی کہا کہ تم اس سے آٹھ سال چھوٹی ہو اور تم اس کے فیئر اسٹ کو کبھی نہیں سیتیں۔“

وہ ہلکیں جھپکائے بغیر ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”اس کا خیال ہے کہ اس کے اور تمہارے درمیان کوئی انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہے۔ تم ایسپرر ہو اور خواہوں میں رہنے والی ہو، اس کا کوئی نیکی میں زیادہ Pragmatic (محکم) اپروچ چاہئے جو تم میں نہیں۔“

ناوشہ چند لمحوں کے لئے رکیں اور پھر انہوں نے غلیظہ سے نظر ملے چراتے ہوئے کہا۔

”اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ جو تم میں انڈر اسٹینڈنگ ہے، اس کی جوڑ تھ کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ ہے اور اس کا خیال ہے کہ ایک دو سال میں جب وہ شادی کرے گا، تو جوڑ تھ سے ہی کرے گا وہ اس بات پر حیران ہو رہا تھا کہ میں تمہارے پو پوڈل کے بارے میں اس سے بات کر رہی تھی۔ اسے تو ایسی کوئی توقع ہی نہیں تھی کہ میں تمہارے لئے اس کے بارے میں سوچوں گی۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ میں تمہارے کہنے پر اس سے بات کر رہی ہوں۔“

ناوشہ خاموش ہو گئی، شاید اب ان کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں رہا تھا، بالکل ویسے ہی جیسے غلیظہ کے پاس پو پوچھنے کے لئے کچھ نہیں رہا تھا۔

آدھے گھنٹے کے بعد جب شہلا اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کارپٹ پر بیٹھی اپنے سامنے ایزل پر رکھی ایک پیشینک کوکل کرنے میں مصروف تھی۔

اس نے شہلا سے رکی کی ویلا ہائے کرنے کے بعد ایک بار پھر کیوس اسڑوگ لگاتے شروع کر دیے، شہلا اس سے کچھ فاصلے پر ٹھہر کر شہن پر بیٹھ گئی۔ عزیزہ خاموشی سے کیوس پر اسڑوگ لگاتی رہی۔ اس نے شہلا سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی وہ واقعی مصروف تھی۔ مصروف نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی یا پھر شہلا کو تکثر انداز کرنا چاہتی تھی۔ شہلا اندازہ نہیں کر سکی۔ محراب کا چہرہ اتنا بے ہوش تھا کہ شہلا کو اس سے بات شروع کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

اسے اپنے بھی اپنے اندازے کے علاوہ ہونے پر حیرت ہو رہی تھی۔ ٹائو سے بات کرنے کے بعد اس کا خیال تھا کہ جب وہ عطیہ کے پاس آئے گی تو وہ اسے روتا ہوا پائے گی اور وہ سارا راستہ بھی سوچتی ہوئی آتی تھی کہ اسے عطیہ سے کیا کیا کہتا ہے۔ اس کے طرح دینی ملی ہے۔

محراب اس سے اس طرح دیکھ کر اس کے سامنے لفظ، ساری تسلیاں غائب ہو گئی تھیں۔

”پیشینک کیسی لگ رہی ہے؟“ اس نے بہت دیر بعد کیوس پر اسڑوگ لگاتے لگاتے ایک دم ہاتھ روک کر شہلا سے پوچھا۔

”کیوس تم پیشینک کو دیکھ نہیں رہی؟“

”نہیں۔ میں یہاں پیشینک کو دیکھنے نہیں آئی۔“ عطیہ اسڑوگ لگاتے لگاتے سرکرائی۔

”تم یقیناً یہاں مجھے دیکھنے کے لئے آئی ہو، پھر کیا مجھے یہ پوچھنا چاہیے کہ میں کیسی لگ رہی ہوں؟“ وہ جیسے ماقبلاً اڑاتے ہوئے بولی۔

اس کی سرکراہٹ اب غائب ہو گئی تھی مگر وہ اب بھی کیوس کی طرف ہی متوجہ تھی۔ شہلا نے ایک مگر اس اس لیا کم از کم اس کی خاموشی ختم ہو گئی تھی۔

”میں تم کو دیکھنے نہیں آئی تم سے باتیں کرنے آئی ہوں۔“

”میں چیز کے بارے میں؟“ اس کے لیے میں سر دھری تھی۔ شہلا کچھ بولی نہیں سکی۔

”اوہ! ایسا کچھ بڑے انکار پر تم کو تہہ کو کا جاتی ہے۔“ وہ اس طرح کیوس پر اسڑوگ لگاتے ہوئے بولی۔

”ایسا پھر شاید تم یہ چاہنا چاہتی ہو کہ رنگین گھنٹے کے بعد میں کیا محسوس کر رہی ہوں۔ بہت اچھا محسوس کر رہی ہوں۔ ایسی اوقات کا چاہل جانے کے بعد بندہ جتنا بے لگا محسوس کر سکتا ہے۔ میں بھی ایسا ہی محسوس کر رہی ہوں۔“

وہ ہاتھ روک کر شہلا کی طرف دیکھتے ہوئے سرکرائی۔ ”وہ کیسی بے ہوش ہے۔“ وہ رک کر کچھ یاد کرنے لگی۔

”ہاں یاد آیا۔“

Since i gave up hope i feel much better.

تو میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی ہوں۔

وہ بیٹ پر کچھ اور دمگ بنانے لگی۔

”میں نے پہلے ہی تمہیں یہ سب کچھ بتا دیا تھا، اس تکلیف سے بچانا چاہتی تھی تمہیں۔“ شہلا نے نرم آواز

”میں نے تمہیں پہلے ہی ان سب باتوں کے بارے میں خبردار کیا تھا۔“ ناٹو کا لہجہ بہت نرم تھا۔ شاید وہ عطیہ کی جذباتی کیفیت سمجھ رہی تھیں۔ ”محراب ان سب باتوں کو بھول جاؤ جو ہو گیا اسے جانے دو عمر میں ایسے کون سے سرخاب پر لگے ہوئے ہیں اور پھر تمہارے لئے میرے پاس عمر سے بہتر پر پوزر ہیں۔“ انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اس نے رونا شروع نہیں کیا تھا حالانکہ انہیں توقع تھی کہ وہ ان کی باتیں سننے کے بعد..... لیکن وہ خاموشی جی ناٹو کیوں لگا بیٹھ رہا تھا۔

وہ ٹال کڑ نہیں تھی۔ اسے صرف یہی نہیں تھا کہ کمر کے بارے میں اس سے اندازے کی اتنی بڑی غلطی ہو سکتی ہے..... یا وہ ضرورت سے زیادہ یہی توقع تھی یا پھر خوش گمانی کی حدود کو چھو رہی تھی جو بھی تھی، اس وقت اسے یونہی محسوس ہو رہا تھا، جیسے شدید سردی کے موسم میں کسی نے اسے گرم کمرے سے نکال کر رخ پانی میں پھینک دیا ہو۔

”Pragmatism (عملی) اور Realism (حقیقت پسند)“ اس نے اپنے کانوں سے عمر کی آواز کی جھینکے کی کوشش کی، بے چینی ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

”میں کزن اور دوست کیا میں یہ بات ان سب کی ہوں کہ اس کے علاوہ عمر نے مجھے کبھی کچھ اور سمجھا ہی نہ ہو۔“ وہ ماؤف ذہن کے ساتھ تیل پر پڑی ہوئی اپنی پیٹ کو بے درمیاں کے عالم میں دیکھتی رہی۔

”عطیہ کے ساتھ میری کوئی انٹرسٹینٹ بحث نہیں ہے۔“

انٹرسٹینٹ کے علاوہ اور تھا ہی کیا جو مجھے تمہاری طرف متوجہ نہ تھا۔“ اس کی رنجیدگی بڑھتی جا رہی تھی۔

”نچر اسٹ اور ایچ ڈفرنس۔“ کیا فاصلے پر بیٹھنے دس سالوں میں تو ان دونوں چیزوں میں سے کسی نے ہمارے تعلق کو متاثر نہیں کیا مگر اب یہ دونوں چیزیں درمیان میں کہاں سے آ گئیں؟“

وہ ہونٹ پیچھے تیل کو دیکھتی جا رہی تھی۔

”ایسا پھر..... یا پھر یہ بس جوڈھے ہے جو کسی غلطی کی طرح تمہارے اور میرے درمیان حائل ہے اور میری حماقت ہے جتنی کہ میں نے اسے ستر سالوں میں بھی تم دونوں کے تعلق کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا بھی نہیں ورنہ شاید بہت سال پہلے..... تم میری زندگی سے نکل چکے ہو۔“ Pragmatism تم ٹھیک کہتے ہو، میں نے بھی اپنے تصور کی دنیا سے باہر نکل کر اپنے اور تمہارے تعلق کے بارے میں غور ہی نہیں کیا تھا۔

”عطیہ! ناٹو نے اس کی غائب دماغی کو محسوس کر لیا تھا۔

”مجھے جانے تھیں۔“ اس نے انہیں دیکھتے دیکھتے بغیر کہا۔ ناٹو کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئیں۔ وہ سلاٹس کو ایک بار پھر آگیا۔ نہ کی کوشش کر رہی تھی۔ سلاٹس کے گلابوں کو مٹھنے سے بچنے اتارنے کے لئے بھی اس قدر جدوجہد کی ضرورت آ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ اسے پہلی بار ہوا تھا۔

نو۔ نہ جانے ہا کر اس کے سامنے رکھ دی۔ سر جھکا کر کسی شین کی طرح اس نے سلاٹس ختم کیا، چائے پی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

ناٹو نے اسے روکا نہیں۔ وہ لاؤنج سے نکل گئی۔ ناٹو نے اس کے جانے کے بعد شہلا کو فون کیا۔ انہوں نے مختصر اسے فون پر اس کے..... نے والی گفتگو بتانے کے بعد آئے کے لئے کہا۔

میں کہا۔

وہ بات کرتے کرتے رک کر گردن موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

”دوسروں پر انحصار کرنے سے زیادہ تباہ کن چیز اور کوئی نہیں ہوتی۔ مجھے عمر پر کبھی اس حد تک انحصار نہیں تھا۔“

”علیہ تم ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو رہی ہو۔“ شہلا نے نرمی سے اسے ٹوکا۔

”زندگی میں بہت دفعہ، بہت سے لوگوں کے لئے ہم کچھ محسوس کرتے ہیں پھر شاید کچھ توقعات بھی لگ بیٹھتے ہیں..... بعض دفعہ ہر چیز ویسے نہیں ہوتی جیسے ہم جانتے ہیں۔“ دو گاڑی ڈرائیور کرتے ہوئے اسے سمجھا رہی تھی۔

”لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان خود کو Self-condemnation اور خود ترمی کا شکار بنادے۔“
 ”تم بہت آسانی سے مجھے نصیحت کر سکتی ہو۔“ علیمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم میری فیٹنگو، میری
 تکلیف کو محسوس کری نہیں سکتیں۔“

”علیزہ! میں.....“ شہلا نے کچھ کہنا چاہا، علیزہ نے رنجیدگی سے اس کی بات کاٹ دی۔

”تمہارے پاس سب کچھ ہے۔ ماں باپ..... میں بھائی اور جس شخص کو کم لے پسند کیا اس سے تمہاری جگہ ہوتی..... ہر رشتہ ہے تمہارے پاس..... اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔“ میرے پاس ان میں سے ایک بھی نہیں ہے سات سال سے میں نے باپ کی شکل نہیں دیکھی اور وہ اسی ملک میں ہے۔ چار سال سے میں اپنی ماں سے نہیں ملی، ان دونوں کی ڈائیواریس اور دوسری شادی کے بعد میں اتنے سالوں میں ان سے ملنے والی ہوں۔ میں جنہیں کم کر سکتی ہوں۔ پچھلے دس سال میں میرا رشتہ اور اتفاق عمر سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو چکا ہے..... میرے لئے وہ میری پہلی پہلی چمک ہے۔ ہر رشتہ.....“ وہ چند لمحوں کے لئے رکی۔

”تمہیں اپنے دوستوں میں سے اگر کسی ایک رشتہ سے محروم ہونا پڑے تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی کوئی پوری کرنے کے لئے دوسرے رشتے ہیں، دوسرے لوگ ہیں، میرے پاس دوسرا کوئی نہیں ہے۔“

I get omer I get everything.

I lose him I lose everything”

شہلا خاموش رہ گئی، وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔

”تم ٹھک کہتی ہو، ہمیں کسی اور ٹاک بر بات کرنی چاہئے۔“ شہلا نے یک دم کہتے ہوئے بات کا موضوع

پہلے لکھا جاوے۔

”ایسا کرتے ہیں آج کہیں آوارہ گردی کرتے ہیں سارا دن گھر نہیں جاتے۔ بس شام کو جائیں گے۔ بلکہ ہوں کرو آج رات تم میرے ساتھ میرے گھر رہو یا پھر میں تمہارے ساتھ رہ لوں گی۔“ وہ اسے تسلی دے رہی تھی۔

علیہ وہ اختیار نہیں۔ ”دنیا میں لڑکیوں کے زیادہ احسن اور کوئی نہیں ہوتا۔ خوش فہمی کا آغاز اور اختتام ہم پر ہی ہوتا ہے۔ ساری عمر ہم محبت کی جیسا کیوں کر انتظار کرتی رہتی ہیں تاکہ زندگی کی ریلیں شروع کر سکیں۔ ہمیں ہر مرد کے بارے میں خوش فہمیاں رہتی ہیں کہ وہ آئے گا ہمیں دیکھے گا اور ہمارا ہوجائے گا۔ کوئی ہم سے ہمدردی کرے تو ہمیں خوش فہمی ہونے لگتی ہے۔ کوئی ہمیں سراہے تو ہمیں وہی اطمینان بھی تیز نظر آنے لگتا ہے۔ کوئی ہمارے ساتھ وقت گزارے تو ہمارے ہوش و حواس اپنے ٹھکانے پر نہیں رہتے۔ ”وہ رکی۔“ عمر کا خیال ہے مجھ میں پیچیدگی نہیں ہے، یہ تو کسی لڑکی میں بھی نہیں ہوتی کسی بھی لڑکیاں بھی پیچیدہ ہو سکتی ہیں؟“

وہ ایک بار بھر نہیں۔

”ہم میں پھوٹی صرف تب آتی ہے جب ہمیں اس طرح زنجبٹ کیا جاتا ہے۔ جیسے اب میں پھوڑ ہو گئی ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے پلیٹ سے کھجور دی۔

”اگر دنیا میں بیوقوفی اور حماقت کا کوئی سب سے بڑا ایوارڈ یا میڈل ہوتا تو میں اس کے لئے علیحدہ سکندر کا نام ضرور بھجواتی۔“ وہ بڑبڑاتی ”اور اس سال کم از کم میرے علاوہ کوئی اور اس ایوارڈ کا حقدار ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ a die-hard، فول۔ شہلا خاموشی سے اسے بول دیکھتی رہی۔

”عمر کا خیال ہے کہ میری اور اس کی انڈر اسٹینڈنگ ہی نہیں ہے اور میں ہمیشہ بھی سمجھتی رہی کہ میری اگر کسی کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ ہے تو وہ عمر ہی ہے۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑا جواہریش بھی پلیٹ میں رکھ دیا۔ ”وہ ایسے انڈر اسٹینڈنگ کس کو کہتے ہیں؟“ شہلا جانتی تھی یہ سوال نہیں تھا۔

”یہ سب میری حماقت تھی۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ عمر کو اگر مجھ میں دلچسپی ہوتی تو وہ پچھلے دس سال میں کبھی تو فٹ سے اس دلچسپی کا اظہار کرتا۔“ وہ مدہم آواز میں بول رہی تھی۔

”زندگی میں ایسی بہت سی باتیں ہوتی ہیں، اب اس سب کو بھول جاؤ۔ اپنے آپ کو اتنا Condemn (علا مت) یا Criticize (تقدید کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”Condemn یا Criticize“ نہیں کرنا چاہئے تو کیا کرنا چاہئے۔ اپنی تعریف کرنی چاہئے۔ کہ بہت اچھا کام کیا ہے۔“ اس کی آواز میں موجود طعّان بہت واضح تھا۔

”کہیں باہر چلتے ہیں۔“ شہلانے ایک دم بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”ہاں، کہیں باہر چلتے ہیں۔“ شہلا کو حیرت ہوئی جب وہ بلا تامل تیار ہو گئی۔

”سارا دن بھرتے ہیں، گھنٹل آوارہ گردی کرتے ہیں اور تم مجھ سے عمر کے علاوہ ہر چیز کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔“ وہ کارپنٹ سے اٹھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”ٹھیک ہے۔“ شہلا بخوشی رضامند ہو گئی، اسے اس کی تجویز پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔
 ”تمہیں ڈوا لٹرین یاد ہے؟“ شہلا گاڑی ڈرائیور کر رہی تھی جب علیز نے ایک دم اس سے پوچھا۔

”ابھی طرح ٹھہریں اس وقت اس کا خیال کیسے آیا؟“ شہلانے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھتے ہوئے

علیہ نے کچھ بھی کہنے کی بجائے صرف اسے دیکھا۔

”ہاں ٹھیک ہے، آج کا دن اٹھارہ گز ہے جا رہی۔“ وہ بڑبڑائی۔

☆☆☆

علیہ کو مطمئن کرنے کی اس کی ساری کوششیں اس وقت بری طرح ناکام رہیں جب وہ دونوں ایک رینٹورٹ میں جا کر بیٹھیں۔ شہلا نے ویز کو آؤ رٹورٹ کر دیا اور ویز کو کچھ ایسی چندمت دی ہوئے تھے جب شہلا نے عمر کو جڑتھ کے ساتھ رینٹورٹ میں آتے دیکھا۔ وہ دونوں اس وقت بھی بیکل پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ لگا جگہ پر تھی کہ اندر آئے والے ہر شخص کی پہلی نظر ان پر پڑتی۔ نہ صرف شہلا نے عمر کو دیکھا تھا بلکہ عمر کی بھی اندر داخل ہونے ہی ان پر نظر پڑی تھی وہ محسوس کیا تھا۔

شہلا نے علیہ کو دیکھا۔ وہ بھی عمر اور جڑتھ کو دیکھ چکی تھی۔ شہلا کا خیال تھا عمران دونوں کی طرف نہیں آئے گا لیکن اس کی یہ توقع غلط ثابت ہوئی۔

عمر جڑتھ سے کچھ کہہ رہا تھا پھر شہلا اور علیہ نے جڑتھ کو بھی اپنی بیکل کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے دیکھا۔ علیہ نے ان دونوں سے نفرتیں جٹائیں۔

”ہیلو“ عمر نے قریب آ کر کہا علیہ نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ شہلا اپنی کرسی سے کھڑی ہو گئی تھی۔

”ہیلو علیہ“ اس بار علیہ نے جڑتھ کی گرم جوش آواز سنی۔ وہ بھی اپنی سیٹ سے کھڑی ہو گئی۔

اس نے جڑتھ کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر جڑتھ نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی بجائے اسی پرانی بے تکلیف اور گرم جوش کے ساتھ آگے بڑھ کر اس کے دونوں گالوں کو خیر خدائی اعزاز میں چڑا۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ علیہ ہی ہے، خوبصورت تو یہ پہلے ہی تھی مگر اب..... کیوں عمر؟“

وہ علیہ کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے بڑی بے تکلفی کے ساتھ عمر سے پوچھ رہی تھی۔ علیہ کا دل چاہا وہ اپنے کندھوں سے اس کے ہاتھوں کو جھٹک دے۔

عمر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

”بہت سالوں کے بعد دیکھا ہے میں نے تمہیں علیہ! اکتے سالوں بعد، کچھ یاد ہے تمہیں؟“

علیہ نے سسرانے کی کوشش کی، وہ جانتی تھی یہ بہت مشکل کام تھا۔

”نہیں۔“ اس نے بیک تکلفی جواب دیا۔ اپنی آواز اسے سبہ حد تک کھلی تھی، صرف چہرے سے ہی عین آواز ہی کسی انسان کی کیفیات کا آئینہ ہوتی ہیں۔

جڑتھ اب شہلا سے ہیلو دے رہا تھا۔

”تم لوگ یہاں کچھ کے لئے آئے ہو؟“ عمر نے پوچھا۔

”ہاں۔“ شہلا نے کہا۔

”اٹھنے لچ کر لیتے ہیں۔“ اس بار جڑتھ نے کہا۔

”نہیں۔ ہم لوگ اٹھنے لچ کرنا چاہتے ہیں۔“

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سچے میں سر دھری آگئی تھی اور شاید جڑتھ نے اسے محسوس بھی کیا تھا۔

”کوئی بات نہیں۔ تم لوگ کچھ کرو۔ ہم دونوں کافی پیئے آئے تھے لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں اور پیچے جہاں یہاں کافی رش ہے۔ اچھا خدا حافظ!“ عمر نے بڑی آسانی کے ساتھ باقی قسم کرتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک بار بھی علیہ کو مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی علیہ نے پوری گفتگو کے دوران ایک بار بھی عمر کے چہرے پر نظر نہیں ڈالی۔ اس میں اتنی بہت باقی نہیں رہی تھی۔ وہ صرف جڑتھ کو دیکھ رہی تھی جو ایک بہت خوبصورت سبز شلوار میں لیٹھن تھی۔ اس میں زیادہ جلد نہیں آتی تھی۔ صرف اس کا زیر اسٹائل اور بالوں کا بھر پور کیا تھا۔

علیہ کو یک دم اپنی ہونٹیں بھی ختم ہوئی تھیں۔ وہ ان دونوں کو اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ دونوں رینٹورٹ سے باہر نہیں نکل گئے۔

ویراب ان کی بیکل پر کھانا سرگردا رہا تھا مگر کھانے میں اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ وہ اب یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

اپنی پلیٹ میں کچھ چاول ڈال کر وہ بے دلی سے شہلا کا ساتھ دینے کے لئے کھانا کھاتی رہی۔ شہلا نے کھانے میں اس کی عدم دلچسپی کو محسوس کر لیا تھا مگر اس نے علیہ سے کچھ نہیں کہا اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ کھانا کھا رہی تھی اور اس نے کھانا چھوڑ کر جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

شہلا کے کھانا ختم کرتے ہی علیہ نے اس سے کہا۔ ”میں گھر جانا چاہتی ہوں۔“

یہ جیسے ایک اعلان تھا کہ وہ اب گھر کو سنا نہیں جاتی۔

”مگر تم دونوں نے تو یہ طے کیا تھا کہ تم آج سارا دن اور اصرار پھر میں گے پھر یک دم تم نے اپنا فیصلہ کیوں بدلا ہے؟“ شہلا نے اعتراض کیا۔

”نہیں میں گھر جانا چاہتی ہوں۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔“

وہ اپنا شلوار بیک اٹھاتے ہوئے شہلا سے پہلے ہی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

شہلا نے بھی اصرار نہیں کیا۔ اس کے کمرے کیٹ پر شہلا نے گاڑی روک کر باہر دیا تو علیہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”شہلا! اب تم جاؤ۔ میں کچھ وقت اکیسے رہنا چاہتی ہوں۔“

”مگر علیہ! میں.....“ شہلا نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ علیہ نے زری سے اس کی بات کاٹ دی۔

”ہیلو..... کچھ دیر کے لیے مجھے واقعی اکیلا رہنے دو..... میں اس وقت تمہاری کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں چاہتی، تم میرے ساتھ رہو گی تو میں ڈسٹر رہوں گی۔“

چمکیا دے گیٹ کھول دیا۔ شہلا چپ چاپ اسے گاڑی سے اترے اور جاتے دیکھتی رہی، اس نے گیٹ کے اندر جانے سے پہلے مگر ایک بار شہلا کو دیکھا اور ہلکے سے مسکرائی اس کے بعد وہ اندر غائب ہو گئی۔

☆☆☆

اگلے کئی دن وہ اسی آجیب کی گرفت میں رہی۔ ہر چیز اپنی اہمیت کو بھجکتی تھی۔ وہ دن اور رات کے کسی بھی

ہمارے نہیں بتادیں۔“

"اچھے ہیں۔" وہ جتنا مختصر جواب دے سکتی تھی اس نے دیا۔ نانو نے بے اختیار سکون کا سانس لیا۔
 "تو پھر کبھی پریشان نظریوں آ رہی ہو؟ وہاں بھی تم بہت چپ چاپ تھیں۔"
 "کچھ نہیں آپ کو یوں ہی محسوس ہو رہا ہے۔" اس نے انہیں ہانے کی کوشش کی۔ نانو کچھ دیر خاموش رہیں۔
 "میں جنید کے گھر والوں کو تنہا رہی رضامندی دے دوں؟" انہوں نے کچھ دیر کے بعد پوچھا۔
 "جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے ہنسنے لگے انداز میں کہا۔
 "وہ لوگ فوری شادی نہیں چاہتے، ایک دو تھہ سال تک شادی چاہتے ہیں۔ جنید کو چند کمرے کے لیے ملگا پورا جانا ہے۔ پھر کچھ عرصے کے لیے کونسی کو رہنا ہے، وہاں کوئی پر دیکھتے ہیں اس کا۔" وہ اسے ہاتھ لگیں۔
 "اچھی! وہ چاہتے ہیں کہ انجینٹ ہو جائے۔" وہاں انجینٹ کے عالم میں ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔
 "میں نے عینید سے بات کی تھی۔ وہ بہت خوش ہے، تنہا رہی انجینٹ کے لیے آنا چاہتی ہے۔ اس کی فائنا کا چا چل جائے تو ہم لوگ انجینٹ کی ڈیٹ لے کر لیں گے۔" نانو اپنی رد میں اسے بتاتی جا رہی تھیں وہ ڈنڈی طور پر کہیں اور پگھلی ہوئی تھی۔
 "عینید چاہتی ہے کہ خاصا دھرم دھام سے تنہا رہی انجینٹ ہو، پوری فیملی آ رہی ہے اس کی۔"
 "میں جاؤں نانو؟" وہ ایک دم کمزری ہو گئی۔ نانو اسے گھرا ہونے کے کچھ خاموش ہو گئیں۔
 "نیک ہے تم جلی جاؤ۔" وہ انہیں شب بھر کہتے ہوئے ان کے کمرے سے نکل آئی۔
 اگلے دو تین ہفتے اس کے لیے بہت مبرا آزمائش ثابت ہوئے۔ عینید اپنی فیملی کے ساتھ اس کی انجینٹ میں شرکت کے لیے پاکستان آئی تھیں۔

وہ بڑے جوش و خروش سے آتے ہی اس کی انجینٹ کی چاروں میں گم تھی، ہر روز علیزو کو ساتھ لے کر وہ کمریس کی خاک چھانے لگی کمزری ہوتی۔
 انہیں علیزو کے روپے سے بالکل ہی احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ خوش نہیں ہے یا کسی چیز کی وجہ سے پریشان ہے اور علیزو کو اس بات پر حیرت نہیں ہوئی۔ وہ اس کی ماں تھیں اگر تیس سال ایک دوسرے سے کٹ کر رہنے کے بعد ان سے یہ توقع کرنا کہ وہ اس کے چہرے پر ہنسنے والے ہر رنگ کو پہچان سکیں عبت تھا۔
 اپنے سوچنے بہن بھائی اسے خوشی رشتوں سے زیادہ مہمان نگ رہے تھے نہ صرف وہ بلکہ عینید بھی اور علیزو اپنی پوری کوشش کر رہی تھی کہ وہ مہمانوں سے اچھے طریقے سے پیش آئے۔
 منگنی والی شام پنج پہنچنے کے ساتھ بیٹے اس نے کچھ مائل پر عمر کو دیکھا تھا اس کے چہرے پر موجود معنوی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ عمر بہت خوش یا غمناک نظر آ رہا تھا، حرکت اور ذہن دل، وہ سوچ کی طرف ہی آ رہا تھا۔
 فوٹو گراف اس وقت مختلف رشتہ داروں کے ساتھ ان دونوں کی تصویروں بنا رہا تھا۔ عمر بیٹے پر آنے کے بعد عینید کا جنید کی طرف گیا۔ جنید تھک کر سوتے کھلے بائی لوگوں کا خلاف جنید سے ہاری باری کر دیا گیا تھا چند کزنز کے سوا۔
 علیزو کو حیرت ہوئی عمر اور جنید کو ایک دوسرے سے تعارف کی ضرورت نہیں پڑی، کیا عمر جنید سے واقف تھا؟
 "مبارک ہو علیزو!" اس نے علیزو کے سامنے کھڑے ہو کر اسے مخاطب کیا۔ وہ اس کے پیادہ چلتے

جوتوں کو دیکھتی رہی۔ اس نے ان جوتوں کو دیکھتے ہوئے ہی اس کا شعر پڑا دیا تھا۔

وہ کچھ دیر جنید کے ساتھ باہیں کرنا ہر چار علیزو نے اسے سچے سے اترتے دیکھا۔

اس کے بعد علیزو نے اسے ہال میں کی جگہ پر مختلف لوگوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف دیکھا، وہ ایک لمبے کے لیے بھی اس پر سے اپنی نظر دور دھیان نہیں بناسکی، جنید کی وہ دم سطر میں چلا گیا تھا بلکہ وہ شاید بھی جنس سطر میں آیا ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

رات دس بجے کے قریب وہ سب واپس آئے تھے۔ شہلا، علیزو کے ساتھ تھی اور اسے بات وہیں اس کے ساتھ رکنا تھا۔
 پورا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے سارے انگو اپنی فیملی کے ساتھ وہاں موجود تھے، اس کے کزنز میں سے کچھ منگنی کی تقریب میں شرکت کے بعد ہوئی تھے ہی واپس چلے گئے تھے مگر ابھی بھی کافی کزنز وہیں تھے جنہیں اگلے دن واپس جانا تھا۔

ایک لمبے عرصے کے بعد لاؤنج میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے درمیان غرغر وار گپ شپ ہو رہی تھی۔
 وہ بھی کچھ عرصے کے بعد لاؤنج میں دریا اپنی کزنز کے ساتھ گفتگو کرتی رہی مگر وہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس نے عمر کو بھی وہیں موجود دیکھا تھا اور اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ قریب کے فوراً بعد واپس کیوں نہیں گیا۔
 شہلا کچھ دیر اس کے ساتھ باہیں کرنا ہی مگر وہ دونوں لائٹ بند کر کے سونے لیت گئیں مگر ہنس پر لپٹنے علیزو کی آنکھوں سے نیند غائب ہو گئی تھی۔ نائٹ بلب کی بجلی کی روشنی میں وہ ہجرت کو دیکھتے ہوئے پچھلے کچھ گفتگوں کے بارے میں سوچتی تھی۔ اس کے لیے سب کچھ ایک بھیاک خواب کی طرح تھا، جواب شروع ہوا تھا اور شاید کسی قسم نہیں ہونے والا تھا۔

وہ لائٹ چلائے بغیر اپنے بیڈ سے اٹھ اٹھی، شہلا گہری نیند میں تھی۔ علیزو جاتی تھی وہ ایک بار سونے کے بعد اپنی معمولی سی حرکت پر نہیں جا سکتی گی۔

اپنے کمرے کے دروازہ کھول کر وہ باہر کوریڈور میں نکل آئی۔ لاؤنج سے ابھی بھی باتوں کی آواز آ رہی تھیں۔
 "بیٹا! وہ سب ابھی بھی وہاں موجود تھے۔ وہ لاؤنج میں جانے کے بجائے گھر کے پچھلے حصے کی طرف آئی اور دروازہ کھول کر عینید لان میں نکل آئی۔"

باہر عجیب سی خاموشی نے اس کا استقبال کیا تھا۔ وہ رو پڑی دیوار کے پاس گئی لائٹس اگر چہ تاریکی کو ختم کرنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھیں، اس کی بڑی حد تک تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، تاریکی، خاموشی اور تنہائی اسے اس وقت ان ہی چیزوں کی ضرورت تھی۔

بیچہ لان میں اترنے کے بجائے وہ دراصل کی بیڑیوں میں سب سے اوپر والی بیڑی پر بیٹھی۔ باپاں ہاتھ اپنی گود میں رکھتے ہوئے اس نے واپس ہاتھ مارنے کے فرش پر رکھ دیا۔ فرش کی خشک اسے پوروں کے ذریعے اپنے

”وگرنہ..... گڑب۔“

وہ لطف سانے کے بعد علیزہ کو دیکھتا جواب بھی پورے انہماک اور تنجیدگی کے ساتھ اسے دیکھ رہی ہوتی۔
”مجھے نہیں آیا؟“ وہ بڑی ہمدردی سے پوچھتا۔ وہ دیکھیں چھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہتی۔ انکار اور اقرار دونوں مشکل تھے۔

”آپ آسان جو کس سٹایا کریں۔“

”مثلاً..... ہاں ایسے والے ایک بچہ ہاں سے کہتا ہے۔“ ”مئی آج مجھے ٹیچر نے ایک ایسے کام کے لیے برا دی جو میں نے کبھی کیا ہی نہیں۔“ اس جراتی سے کہتی ہے۔

”کون سا کام؟“

”جو ہم درک۔“ ”بچہ مرے سے کہتا ہے۔“

وہ کندھے سے اچکا تا ہوا لطف خم کرتا۔ علیزہ جیسے لگتی۔ وہ بے اختیار گہرا سانس لیتے ہوئے کہتا۔

”وہ جو آپ میرے جوں جوں کے سانے سے پہلے بنی ہیں نا، وہی ٹھیک ہے۔ کم از کم مجھے یہ مطمئن نا ہو گا کہ تمہاری حس مزاح اچھی ہے۔“ ”وہ مصنوعی انداز سے ٹھکی اسے ڈانٹا۔

وہاں بیٹھے بیٹھے علیزہ کو بہت کچھ یاد آ رہا تھا، چاروں طرف چھائی تاریکی ایک ایسا گنبد بن گئی تھی جس کے اندر اسے اپنی اندر مری آوازوں کی ڈرامت سنائی دے رہی تھی ”اور شاید آج ہم آخری بار یہاں این مین جیوں پر ایک دوسرے کے استے قریب بیٹھے ہیں۔“

اس نے دل گرفتگی کے عالم میں سوچا۔

”تم آج بہت اچھی لگ رہی تھیں۔“ عمر نے یک دم خاموشی کو توڑا۔

”تمہارے ملازم ہر ایک کو۔“ اس نے سوچا۔

”جینید خوش قسمت ہے۔“ وہ کہہ رہا تھا۔

”اور میں بہت خوش قسمت ہوں۔“ اس کے جواب اس کے اندر کو بج رہے تھے۔

علیزہ کی سستی کا خاموش شاید اس کے لیے غیر متوقع تھی۔ وہ چند لمحوں کے لیے خود بھی خاموش ہو گیا۔

”آپ واپس نہیں گئے؟“ علیزہ نے اچانک اس سے پوچھا۔

”میں جانا چاہ رہا تھا۔“ گرتی نے روک لیا۔ ”میں سبھی نمبرز اکٹھے ہوئے تھے اس لیے۔“ وہ مدہم آواز میں تانے لگا۔

”ابھی بھی سب اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ صرف میں باہر آیا ہوں۔ کچھ دیر واک کرنا چاہ رہا تھا۔“ جیسوں دیکھا ڈاؤن کر گیا۔“

وہ اب لائزر سے ہونٹوں میں دبا ہوا ایک سگریٹ جلا رہا تھا۔ چند لمحے چلتے رہنے والے شعلے میں علیزہ نے اس کا چہرہ دیکھا پھر شعلہ بجھ گیا۔

بیچ نے ایک نظر کپچھوے پر ڈالی اور پھر بڑے آرام سے کہا۔

”آپ اس کپچھوے کے دو کٹورے کریں۔ ایک آپ کھا سیں، ایک میں کھاؤں گا۔“

سائیکلو جسٹ اس کے مطالعے پر گڑبڑا گیا۔

”دیکھا میں نے بتایا ہے تاکہ بہت فضول صدمہ نہ کرے۔“ باپ نے کہا۔

سائیکلو جسٹ نے باپ کو قتل دی اور ایک چاقو کے ساتھ کپچھوے کے دو کٹورے کیے اور ایک ٹکڑا اٹھا کر اپنے

منہ میں ڈال لیا اور اس نے بیچ سے کہا۔ ”تم آپ کا ٹکڑا کھاؤ۔“

بیچ نے سائیکلو جسٹ کا چہرہ دیکھا اور کہا۔

”آپ نے میرا ٹکڑا کھا لیا۔“

علیزہ کو بے اختیار گھمن آئی ”یہ کیا جوک تھا۔ وہ بچہ اور سائیکلو جسٹ دونوں پاگل تھے۔ کپچھوے کیے کھا سنے ہیں؟“ وہ بیٹنے کے بجائے جھرجھری لے کر پوچھتی۔

”جوک تھا کپچھوے..... حقیقت تو نہیں تھی۔“ وہ اسے یاد دلاتا۔

”مگر پھر بھی کپچھوے۔“ اسے ایک بار پھر جھرجھری آئی۔

”اچھا..... اچھا چلا، میں تمہیں ایک اور جوک سناتا ہوں۔“ وہ جلدی سے ہاتھ اٹھا کر کہتا ”ایک جرنلسٹ ایک مینٹل ہاسپٹل میں گیا وہاں دو مختلف وارڈز میں پھر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک آدمی پر پڑی جو بہت خاموشی سے ہاتھ میں اخبار لیے کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے بہت شاندار قسم کا سوٹ پہنا ہوا تھا، جرنلسٹ اس کے پاس گیا اور جراتی سے پوچھا۔

”کیا آپ پاگل ہیں؟“

اس نے اخبار سے نظر اٹھا کر بڑی تنجیدگی سے کہا۔ ”نہیں۔“

”تو پھر آپ کو یہاں کیوں رکھا ہے؟“ جرنلسٹ نے پوچھا۔

”کیونکہ میں نے ایک کتاب لکھی تھی دو ہزار صفحات کی۔“

جرنلسٹ کو شدید حیرت ہوئی اس نے پوچھا۔ ”آپ نے کس چیز کے بارے میں کتاب لکھی تھی؟“

”گھوڑوں کے بارے میں۔“ اس نے بڑی تنجیدگی سے بتایا۔

جرنلسٹ غصے کے عالم میں ڈاکٹر کے پاس گیا اور اس سے کہا۔ ”آپ نے بے سوچے سمجھے ایک ڈین آدمی کو پکڑ کر یہاں بند کر دیا جس نے گھوڑوں پر دو ہزار صفحات پر مشتمل کتاب لکھی ہے۔“

ڈاکٹر نے بڑے سکون سے اس کی بات سنی اور کہا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اس شخص نے گھوڑوں پر واقعی دو ہزار صفحات کی ایک کتاب لکھی ہے مگر اس کی

کتاب کے دو ہزار صفحات پر صرف ایک ہی بات ہے۔“

”وہ کیا؟“ جرنلسٹ نے کچھ تجسس کے عالم میں پوچھا۔ ڈاکٹر نے ایک گہری سانس لی اور کہا

کو بھی اس کا احساس ہی نہیں ہوا۔ میں یقین نہیں کر سکتی، کبھی یقین نہیں کر سکتی۔“

وہ اب اس کے کندھے کو کھینچنے سے بکڑے ہوئے کھنڈی نہ تھی۔

”میں نے تم سے کبھی کوئی وعدہ نہیں کیا۔ کیا کبھی میں نے تم سے کچھ کہا؟“ اس نے پرسکون انداز میں پوچھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے کچھ بھی نہیں کہہ سکی۔

”تم اسے بانو یا نہ مانو، حقیقت یہی ہے کہ میں نے کبھی تمہارے بارے میں اس طرح سے سوچا ہی نہیں۔“ وہ بہت بڑی سے اپنے کندھے کو اس کے ہاتھ کی گرفت سے چھڑا رہا تھا۔ وہ کیلے چہرے کے ساتھ اندھیرے میں اس کے چہرے کے نقش کو کھینچ رہی۔

”اگر مجھے تم میں کوئی دلچسپی ہوتی تو میں اتنے سالوں میں ضرور بتا دیتا۔ اگر میں نے ایسا نہیں کیا تو اس کا صاف مطلب ایک ہی ہے اور وہی ہے جو تم سمجھنا نہیں چاہ رہی۔“

عمر کے بچے کی غصہ لک اور سرد مہری نے اسے عمر سے مزید برکت نہیں کیا۔ اپنے کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹانے سے کبھی وہ دل برداشتہ نہیں ہوتی۔

”تم بہت اچھی ہو لیکن مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔“ وہ بہت صاف اور واضح لفظوں میں کہہ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی اسے کیا ہوا۔ وہ اندر نہیں بھاگی۔ وہ عمر پر نہیں چلائی۔ وہ نئے بچوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے اس کا بازو پکڑ کر اس کے کندھے سے سرٹکائے بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔

”مجھ سے یہ مت کہو۔ تمہیں پتا ہے اس سے کتنی تکلیف ہوتی ہے مجھے۔“

عمر اب بالکل ساکت تھا ابلیس جیسے وہ چکر کا کوئی مجسمہ ہو۔

”میرے ساتھ وہ سب حکومت کر جو ذرا اتر میں سے کیا تم دنیا کے آخری آدمی ہو گے جس سے میں یہ توقع کروں گی کہ وہ مجھ سے یہ کہے گا اسے مجھ سے محبت نہیں ہے۔“ وہ اسی طرح روتی رہی۔

”میں کبھی جینید کے ساتھ وفادار نہیں ہو سکتی۔ میں کبھی کسی کے ساتھ وفادار نہیں ہو سکتی۔ تم کیوں نہیں سمجھتے، ہم دونوں بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہیں، ہم دونوں اب بھی اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اگر تم چاہو تو۔۔۔ اگر تم چاہو تو۔۔۔“

”اور میں ایسا نہیں چاہتا۔“ اس کی پرسکون آواز میں کوئی اضطراب تھا نہ ارتعاش۔۔۔ وہ اب بھی اپنی بات پر اسی طرح اڑا ہوا تھا۔ اس کے بازو پر علیحدہ کی گرفت اور سخت ہو گئی۔

”تم کیوں نہیں چاہتے؟ تم کیوں نہیں چاہتے؟“ وہ اس کے بازو سے ہاتھ کھانکے بچوں کی طرح بے تحاشہ روتی تھی۔ عمر نے بازو پر اس کے آنسوؤں کی لمبی کوٹھوسیں کیا۔

”مجھے آج نہیں کہا آنا چاہیے تھا۔“ عمر بڑبڑایا۔ ”میں نے یہاں آ کر غلط کیا۔“

علیحدہ نے اس کے کندھے پر کٹا سر اٹھا کر اندھیرے میں جھنڈی آنکھوں کے ساتھ اسے تلاش کرنے کی کوشش کی اور بہت سالوں کے بعد پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اس نے اپنی زندگی کے دس سال ایک غلط شخص کے

عمر نے لائبر واپس جیب میں نہیں رکھا۔ وہ اسے ایک بار بھر جلا رہا تھا۔ اس بار وہ لائبر جلا علیحدہ کے ہاتھ کے پاس لے گیا۔ لائبر سے اٹھنے والے شعلے کی روشنی میں علیحدہ کے ہاتھ میں پہنی ہوئی انگلی جھکائے گئی تھی۔ وہ کچھ دیر اس کے ہاتھ میں سوچا اور کھینچا کہ وہ لائبر بند کر دیا۔ وہ اب اپنے بائیں ہاتھ سے سرگتے کو ہونٹوں سے نکال رہا تھا۔ سرگتے کا خفا سا شطاب اس کے ہونٹوں سے انگوٹھوں میں قفل ہو چکا تھا۔ علیحدہ اندھیرے میں ہونے والی اس حرکت کو دیکھتی رہی۔

”تم نے مجھ سے کوئی گفت نہیں مانگا؟“ کچھ دیر بعد اس نے مدھم آواز میں کہا۔ علیحدہ کو اپنے قفل میں آنسوؤں کا چندا لگتا ہوا محسوس ہوا۔

”گفت؟ جو کچھ تم مجھ سے لے چکے ہو۔ اس کے بعد پوری دنیا اٹھا کر میرے سامنے رکھ دینے پر بھی خوش نہیں ہو سکتی۔“ اس کے اندر ایک اور سرگتے ہوئی تھی۔

”تم مجھ سے بات نہیں کرو گی؟“ وہ بہت نرم آواز میں پوچھ رہا تھا۔ ”تمہاری ناراضی ختم نہیں ہو گی؟“ وہ ساکت رہ گئی، وہ دس ناراضی کی بات کر رہا تھا کیا وہ جانتا تھا۔ وہ اس سے ناراض ہے اور اگر وہ یہ جانتا تھا تو پھر کیا اس کی ناراضی کی وجہ سے بھی واقعت تھا پھر بھی وہ ایک سب آگے بڑھنا ہی چاہتا رہا تھا۔

”اندھیرے میں بیٹھ کر رونے کی عادت چھوڑ دو علیحدہ۔“ اس کی نرم آواز اسے ایک چابک کی طرح لگی تھی۔ ساری دنیا میں وہی ایک شخص تھا جو تاریکی میں بھی اسے پہچان سکتا تھا جو اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالے بغیر بھی اس کی ساری کیفیات سے باخبر تھا۔ اس نے خود کو بے بسی کی انتہا پر پایا۔

”میرے ساتھ یہ کیوں کیا آپ نے؟“ وہ یک دم بٹ پڑی۔ ”آپ نے میری پوری زندگی تباہ کر دی۔ آپ نے مجھے میرے قدموں پر کھڑے رہنے کے قابل نہیں سمجھا۔“ وہ بچوں کی طرح بلک رہی تھی۔

”مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ مجھے اپنی زندگی سے اس طرح باہر نکال کر پھینک سکتے ہیں۔“ وہ بالکل خاموش تھا۔

”جڑو۔۔۔ آپ کس طرح اسے اپنی زندگی میں لائے ہیں، کس طرح اسے میری جگہ دے سکتے ہیں۔“

”کیا اس سب باتوں کا آپ کوئی فائدہ ہے؟“ اس کی آواز اب بھی اتنی ہی مدھم تھی۔

”کیوں فائدہ نہیں۔ کیوں فائدہ نہیں ہے؟“ اس نے بلند آواز میں کہا۔

”آپ کو پتا ہے آپ نے کس طرح میری ذات کی لٹی کی ہے۔۔۔ کس طرح Crippled (بے بسی) کر دیا ہے مجھے؟“

”علیحدہ۔“ عمر نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر وہ بولتی رہی۔

”دس سال میں آپ کو ایک بار بھی یہ احساس نہیں ہوا کہ میں آپ کے لیے عالم فنگٹ نہیں کر سکتی۔ میں آپ کی گزند میں سے ایک اور گزند نہیں ہوں۔ میں آپ کی فریڈ ز میں سے ایک اور فریڈ نہیں ہوں۔

to me you always meant so much to me. آپ نے مجھی ایسا سوچا ہی نہیں آپ

سب کچھ اسی گھر میں شروع ہوا تھا..... سب کچھ اسی گھر میں ختم ہو گیا تھا۔ علیحدہ نے مڑ کے اوپر والی میز پر قدم رکھ دیا۔ عمر نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ نہ ہی اس نے کچھ کہا۔

وہ غیر ہموار قدموں سے چلی آئی..... اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی..... وہ جانے لگی تھی..... پیچھے رہ جانے والے شخص نے بھی اسے مڑ کر نہیں دیکھا ہوگا..... وہ اس کا ماضی تھا..... ایسا ماضی جس پر اس کا چھٹا دوا اب شروع ہوا تھا۔

وہ اس طرح چلتی ہوئی اعدا رہے کہ اسے آگئی۔ شہلا سو رہی تھی۔ کہ اسے میں تار کی تھی۔ وہ وہاں سے لڑا جاتا ہے اسے سامنے قدم آئیے میں اس نے اپنا کس دیکھا اور وہ چہرہ لکھتے کے لئے اس کے ساتھ رو گئی۔ آئیے میں خود راہ ہونے والا کس کس کا تھا۔ اس نے نظریں چلا لیں۔ کھلتے احساس جرم۔ بچھاؤ۔ رنج اس کے چہرے پر برقرار تھی۔ "بڑا ہوا چہرہ" کوئی آزاد اس کے کانوں میں گونجتی تھی۔ اس نے آئیے کی طرف ہٹ کر لی۔ وہ وہاں وقت وہاں میرے کسی ماتم کے لئے نہیں آئی تھی۔ ماتم کی اپنی کس ہی کہاں رو گئی تھی۔

دو ہاتھ روم میں چل گئی۔ چہرے پر پانی کے چند چھینٹے مار کر اس نے انہی ابروؤں کو تھوڑا سا کھینچ کر
کوشش کی۔ نیم گرم پانی نے اس کی سوجھی ہوئی آنکھوں کو قدرے سکون پہنچایا۔ وہ تھک چکی تھی۔ کوششیں کی
مرحہ چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔ واش بیسن میں گرے ہوئے پانی کی آواز سے وہ جیسے اپنے کانوں میں
کوئی گونجی ہوئی آوازوں کے شور کو ہانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب وہ اس نامکام درمی کو اس نے ہار مانتے والے
چھینٹے مارنا بند کر دیے۔ پانی کی ٹونٹی بند کر کے وہ دائیں ڈریسنگ روم میں آئی اور دروازہ بند کر کے گلیاں
شکریہ ادا کر دی۔

واپس شیم تار یک بیڈروم میں جا کر، وہ ایک گھاس میں پانی لے کر ڈریسنگ روم میں آئی اور اس نے دو لیاں پانی کے ساتھ نگل لیں۔ پھر وہ ڈریسنگ روم کی ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر فرش پر بیٹھ گئی۔

اس کے ہاتھ میں پانی کا گلاس ابھی بھی موجود تھا، مگر اس میں پانی نہیں تھا۔ وہ خالی دستیقی میں گلاس کو دوڑھکا۔ انہوں نے درمیان مگھائی رہی۔ وہ خینکا کا ہتھکڑا کر رہی تھی۔ وہ چادر جس کے سوا اسے اس وقت اور کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ صرف خیندی اسے ان آوازوں سے چھلکارہ دلا سکتی تھی۔ ہوں نے اس وقت اس کے پورے وجود کو گنبد بنا کر رکھ دیا تھا۔ آوازیں..... بازگشت..... مرگوشیاں..... ہنسی..... قہقہے..... وہاں کیا نہیں تھا۔

”اگلی ہار میں علیحدہ کو Joy دوں گا..... پھر Eternity“

”میں تمہیں مس کر دوں گا۔“ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ شاید نیند لانے کے لئے دو گولیاں کافی نہیں تھیں۔ اس پانی کے ساتھ ایک اور گولی نگلی اور دوبارہ وہیں بیٹھ گئی۔

ان دونوں چیزوں کے بارے میں مٹکی سے پہلے سوچ لیا جائے تھا۔ انہیں یہ محسوس ہوتا تھا کہ تم اس کے ساتھ خوش نہیں ہو سکتے تو انہیں اس سے مٹکی کرنا ہی نہیں چاہئے تھی۔ کسی نے یقیناً انہیں پریشان نہیں کیا ہوگا اس پر ہنزل کے لئے کہ تم ہمیں شادی کرو..... تم نہ کرتی۔“

وہ اسے مسئلے کا حل نہیں بتا رہا تھا، وہ اسے اس کی حماقت بتا رہا تھا۔

”بلکہ اب مٹتی توڑ دو..... اگر کہیں یہی محسوس ہوتا ہے کہ کہیں وہ پسند نہیں ہے یا دافاداری اور خوشی کا سوال ہے تو ٹھیک ہے یہ رشتہ ختم کر دو..... ابھی صرف مٹتی ہوئی ہے اور مٹتی کوئی ایسا بازو رشتہ نہیں ہوتا جس کے بائے میں دوبارہ نہ سما جائے۔“

ملکہ کو اپنے ہاتھ پر کن بوتے ہوئے نگ رہے تھے۔
 "لیکن اگر اس غشی اور دودھاری کے البتو کو تمہری ذات سے منسلک کر دی ہو تو فارغیت الہاوت اٹ
 مجھے ہر چیز پر تعلق ہر شے پر ایک گراؤ ہے۔ ہر فرد گراؤ ہے۔ ہر فرد گراؤ ہے۔ ہر فرد گراؤ ہے۔ ہر فرد گراؤ ہے۔
 کوچ کرو۔ ہر چیز میں ہی لگے کہ وہاں کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔ تو یہ خوش فہم کر دو۔ مگر یہ ذہن میں ضرور
 رکھو کہ میں نہیں ہوگا تو کوئی دوسرا ہوگا۔ کوئی دوسرا نہیں ہوگا تو کوئی تیسرا ہوگا۔ کوئی کسی کسی مگر وہ... میں
 نہیں... ہوں گا۔ نہ آج۔ نہ آئندہ کبھی۔"

اس نے آخری جملے کا ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر کہا تھا..... ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے..... صاف..... واضح
 رو رو ٹوک انداز میں..... کسی مطالعے یا خوش فہمی کی گنجائش رکھے بغیر۔

علیہ نے ہر لفظ سناتھا۔ کسی دشواری..... یا رکاوٹ کے بغیر..... کسی خوش فہمی یا غلط فہمی کے بغیر..... عمر کے وہاں نے سے پہلے وہ خواہش کر رہی تھی، سب کچھ تم ہو جائے۔ اس کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔

بہت سے لکھنؤ کے ساتھ وہ آج بھی وہیں تھی، جہاں دس سال پہلے تھی..... انہوں نے ساتھ بیٹھے ہوئے فحش کی شائستہ ختم نہیں کی تھی..... یہ کام روشنی نے لیا تھا..... روشنی مجھے کرتی ہے..... وجود کو اس طرح

یاں کرتی ہے کہ کسی قریب اور دھوکے میں رہنا ممکن ہی نہیں رہتا۔ مقدور کو نمودار دیتی ہے۔ ہار ماننے پر قہر میں
اڑ دیتی ہے۔ نہ ماننے پر تسلیم چڑھا دیتی ہے۔ کسی چیز کو ان کے مقام پر نہیں رہنے دیتی۔ پاس
بوسے نے بغیر کسی انسان سونا بن جاتا ہے اور آگ کے پاس آئے بغیر بھی موم کی طرح کھلنے لگتا ہے۔ عروشی واقعی
غیر سے کرتی ہے۔

وہاں اب خاموشی تھی۔ تحمل خاموشی..... علیہ رحمہ کی "ابتنی" کے ساتھ قرب میں بیٹھی تھی۔ اسے بھی یحییٰ کی وہ انتہا قرار دے دی تھی مگر یہ کہہ کر کہہ کر وہ خاموش رہی۔ اور مہر شاہ نے ان باتوں کے جواب میں اس کی طرف سے کچھ کہے جانے کا منتظر تھا۔ اسے چند وضاحتیں کہہ معذرتیں پہنچانا تھیں۔ اسے توقع تھی۔ علیہ رحمہ کی طرح کا اظہار کرے گی۔ اسے ایسا کچھ نہیں کیا۔

”آپ ٹھک کہتے ہیں۔“ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”کیوں کر مٹی اعلیٰ و پہلے سے زیادہ خوبصورت نہیں ہوگی۔“

اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس دور پھینک دیا۔ شے کا گلاس کا پلٹ پر گرنا لیکن ٹوٹا نہیں۔ اسے وہاں موجود ہر چیز سے الجھن ہو رہی تھی۔

”میں بہت کوشش کروں تو بھی میں اپنے اندر تمہارے لئے کوئی خاص قسم کے جذبات دریافت کرنے میں ناکام ہو جاتا ہوں اور ایسا متعدد بار ہوا ہے تو کیا میں یہ نہ سمجھوں کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔“

علیہ کو نیند آنے لگی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں کو پوچھل ہوتے ہوئے حسوس کیا۔

”دس سال میں کبھی ایسا ہوا کہ میں نے تم سے اظہار محبت کیا ہو.....؟ میں نے نہیں کیا..... اگر دینا میں محبت نام کا کوئی جراثیم موجود ہے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس سے میرا دل اور دماغ کبھی متاثر نہیں ہوا۔“

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ وہ ڈرائیگ روم کا دروازہ بند کر کے بیڈ روم میں آ گئی۔

”مرد اور عورت کے درمیان ہر رشتہ محبت کا رشتہ نہیں ہوتا..... چاہو تو بھی نہیں مل سکتا..... جیسے تمہارا اور میرا رشتہ..... اپنے اور میرے رشتے کو اگر تم نے اتنے سالوں میں کبھی غیر جانبداری سے نہیں دیکھا تو یہ تمہاری غلطی ہے

..... میں کسی Comedy of errors (حادثہ) کا حصہ نہیں بن سکتا۔“ وہ بیڈ روم کی کھڑکیوں کی طرف بڑھ گئی۔ وہ پردے کھینچ رہی تھی جب اس نے دور لان کی سڑکیوں میں اسی جگہ ایک بیوہ کو براجمان پایا جہاں وہ کچھ دیر پہلے موجود تھی۔ سگریٹ کا شعلہ ابھی بھی نظر آیا تھا۔ اس نے ہاتھ روکے بغیر پردہ برابر کر دیا۔ ہیولہ اوجھل ہو گیا۔

”تم نے اپنے آپ کو خود برباد کیا ہے..... جنید کے ساتھ متعلق تمہارا مسئلہ ہے..... میں کھائی کو سونچ چکا ہوں سمجھو کہ اس میں چھانچک لگانے کا عادی نہیں ہوں..... Total disaster (مکمل غداہ)..... لیکن وہ میں..... کبھی..... نہیں..... ہوں..... گا..... نہ آج..... نہ آئندہ کبھی..... وہ بیڈ پر لیٹ چکی تھی..... آوازیں..... بیٹے اور لفظ آج میں بے رہی سے گونڈ ہو رہے تھے۔ اسے بے تحاشا نیند آ رہی تھی، اس نے نیکے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔



باب ۴۷

”علیہ! جنید کا فون ہے، وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔“ وہ ناشتہ کرنے کے لیے لاؤنج میں داخل ہو رہی تھی جب ٹانو نے اس کو مخاطب کیا۔ وہ فون کا ریسیور ہاتھ میں تھا۔ ہوتے ہوئے فون سے

علیہ ایک لمحہ کے لیے ٹھہکی اور پھر ان کی طرف بڑھ آئی۔ صوف پر بیٹھ کر اس نے ٹانو کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔ وہ حیران تھی، جنید عام طور پر اس وقت فون نہیں کیا کرتا تھا۔

”ہیلو!“ اس نے ریسیور تھامتے ہوئے ہاتھ میں کہا۔

”کیسی ہو علیہ؟“ دوسری طرح سے وہ نرم پکارائی ہوئی آواز سنائی دی جس کی اب وہ کچھ عادی ہو گئی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں۔ آپ نے اس وقت فون کیسے کیا؟“

”جھپٹیں تیرائی ہو رہی ہے۔“ جنید نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

”کسی حد تک۔“

”جھپٹیں لچ بڑے چال چادر تھا۔“ اس نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

”آپ رات کو مجھے بتا دیتے جب آپ نے مجھے کال کی تھی۔“

”اس وقت مجھے جھپٹیاں نہیں رہا فون بند کر دیا، جب یاد آیا پھر میں نے سوچا کہ وہ بارہ کال کرنا ٹھیک نہیں۔ میں

مج کرلوں گا اسی لیے نہیں اب کال کر رہا ہوں۔“ جنید نے بتایا۔

وہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔ ”تمہارا لچ آدرا کب شروع ہو رہا ہے؟“ اسے خاموش پا کر جنید نے پوچھا۔

”ایک بچہ۔“ علیہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے پھر میں اُس سے ساڑھے بارہ بچے لکھتا ہوں۔ آدھے گھنٹہ میں تمہارے آفس پیچھے جاؤں

گا۔“ جنید نے گرام لے کرتے ہوئے کہا۔ ”تم لچ آدرا شروع ہوتے ہی باہر آ جانا۔ ہم کئی قریبی ریستورنٹ میں لچ

کر لیں گے پھر میں تمہیں واپس ڈراپ کر دوں گا۔“

”مگر آج تو میں لچ کرنا ہی نہیں چاہ رہی تھی۔“ علیہ نے کہا۔

”کیوں؟“

”آج خاصا مصروف دن گزرے گا آفس میں..... شاید ایک دو کنٹینر کو کمرے کے لیے بھی جانا پڑے تو لچ آور تو نکل ہی جائے گا۔“ اس نے مسدوت ٹونہ پر انداز میں کہا۔

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر جنید نے کہا۔

”تمہیں یقین ہے کہ تم کسی طرح بھی کچھ وقت نہیں نکال سکتیں؟“

”اگر مجھے یقین نہیں ہوتا تو میں آپ سے بھی نہیں کہتی۔“ علیزہ نے کہا ”ہم کسی اور دن لچ کر لینے ہیں۔“

اس نے فوری طور پر ایک تبادلہ مل پیش کیا۔

”فیک ہے۔ کسی اور دن لچ کر لینے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کس دن دستیاب ہوں گی۔“

علیزہ اس کی بات پر مسکرائی۔ وہ اسے آپ ہی وقت کہا تھا جب وہ خاصے خوشگوار موڈ میں ہوتا تھا۔

”کل چلتے ہیں۔“ علیزہ نے اپنی کمزری پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

”کل.....؟ ایک منٹ میں ذرا اپنا شیڈول آدھ کیوں..... چھٹکتا ہے کل، میں آفس سے نکل نہیں سکوں گا۔“

علیزہ نے اسے بڑبڑاتے سنا پھر کچھ دیر خاموشی رہی..... چند منٹوں کے بعد جنید کی آواز دوبارہ آئی۔

”کل ممکن نہیں ہوگا علیزہ.....! پرسوں چلتے ہیں۔ پرسوں میرے پاس خاصا وقت ہوگا۔“

”فیک ہے پھر پرسوں ہی چلتے ہیں..... آپ سے میں نے ایک کام کہا تھا۔ آپ کو یاد ہے۔“ علیزہ کو

بات کرتے کرتے اچانک یاد آئی۔

”نہ صرف یاد ہے بلکہ میں پہلے ہی آپ کا کام کر چکا ہوں..... وہ دن میں، میں نے وہ نقشہ مکمل کر لیا تھا۔

اب میں نے اپنے ایک اسٹنٹ کو اسے دیا ہے تاکہ ایک دفعہ دوبارہ وہ اسے دیکھ لے۔ مجھے امید ہے، آج ناکل ہوگا۔“

وہ کام کر دے گا۔ پھر میں جنہیں سارے بچے زہنجوا دوں گا۔“

مجھے شکر ہے ادا کرنا چاہیے؟“ علیزہ نے خوشگوار انداز میں کہا۔

”یقیناً..... اس میں تو بچے دہائی کوئی بات ہی نہیں ہے۔“ دوسری طرف سے جنید نے بڑی بخوبی سے کہا

”بلکہ بہتر ہے تم مجھے شکر یہ کہ ایک کارڈ بھجوا دو۔ فارمیشنلی ابھی ہوتی ہے۔ اس سے میرے جیسے بوندے کو اپنی اوقات کا

پتا چننا رہتا ہے۔“ وہ اسی بخوبی سے کہتا کیا۔

علیزہ نے اے اچھا فارمیشن! ”ایک کارڈ فیک کر دے گا؟“ اس نے بظاہر بخوبی کے ساتھ جنید سے پوچھا۔

”ہاں فیک کر دے گا۔“ بزارہہ ہو جائے گا۔“ جنید کی بخوبی سے کوئی فرق نہیں آیا۔

”اچھا میں بھجوا دوں گی..... اور بہت زیادہ شکر دے۔“

”کیا مجھے My pleasure کہنا چاہیے؟“ وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

”ویل..... کہنے میں کوئی حرج نہیں۔“ اس نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے اسی بخوبی کے ساتھ کہا۔

”My pleasure“..... جنید نے اس کی بات سننے کے بعد بڑی بخوبی سے کہا۔ وہ بے اختیار

مسکرائی۔

”آپ آج بہت اچھے موڈ میں ہیں۔“

”میں ہمیشہ اچھے موڈ میں ہوتا ہوں۔“ جنید نے بڑھکتی سے کہا۔

”لیکن آج کچھ غیر معمولی طور پر اچھے موڈ میں ہیں۔“

”اس کی واحد وجہ صبح آپ سے گفتگو بھی تو ہو سکتی ہے۔“

فوری طور پر علیزہ کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا جواب دے۔ وہ مسکراتے ہوئے خاموش رہی۔

”بہر حال اتنا وقت دینے کے لیے شکر ہے۔ میں کارڈ کا انتظار کر گا۔“ جنید نے خدا کا تھکے ہوئے

کہا۔ علیزہ نے فون رکھ دیا۔

”ناٹو پلیز، ناشتہ جلدی لگوا دیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔“

علیزہ نے ریسپونڈ کر کے ہی بلند آواز میں ناٹو سے کہا جواس وقت کچن میں جا چکی تھیں۔

وہ علیزہ کی آواز سن کر کچن سے باہر آگئیں۔

”میرے ناشتہ تیار کر چکا ہے، بس چند منٹوں میں نیکل پر لگا دے گا۔“ تم آج داہیں کب آؤ گی؟“

”آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟“ علیزہ کو حیرت ہوئی، وہ عام طور پر یہ سوال نہیں کرتی تھیں۔

”مسز رحمانی نے آج ذرا زہدیا ہے۔ کچنلی دفعہ میں تمہاری وجہ سے نہیں جا سکی اور وہ بہت ناراض ہوئیں اور

اس بار تو انہوں نے خاص طور پر تاکید کی ہے۔“ ناٹو نے اپنی کلب کی ایک ساتھی کا نام لے کر ہونے کہا۔

”ناٹو! میں تو آج بھی خاصا دیر سے آئی ہوں گی۔ مجھے آج ایک دو کنٹینر کو کمرے کے لیے جانا ہے۔

آپ پلیز ایکٹیو جلی جائیں۔“ علیزہ نے فوراً مسدوت کرتے ہوئے کہا۔

”مسز رحمانی نے صرف مجھے اذیت نہیں کیا، جنہیں بھی کہا ہے۔“ ناٹو نے اسے بتایا۔

”میں جانتی ہوں لیکن میں کیا کر سکتی ہوں۔ آپ کو پتا ہے میں آج کل بہت مصروف ہوں۔“ علیزہ نے

وضاحت کی۔

”یہ ساری مصروفیت تم نے خود پائی ہیں۔ میں نے کہا تھا دوبارہ اخبار جرائن کر کے..... بہتر نہیں تھا کہ

میں راتیں کلب میں آتی جاؤں۔“ ناٹو نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

علیزہ خاناساں کو نیکل پر ناشتہ لگا دیکر بھیجی تھی۔ وہ صوفے اٹھ کر ڈائنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

آفس میں کبھی کی طرح تھا۔ وہ اپنے کینن کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی سبز پر چھوٹے موٹے بہت سے فوس

رکھے ہوئے تھے۔ اپنا ٹیک ایک طرف رکھ کر وہ برق رفتاری سے ان فوس کو دیکھنے لگی۔ چند سرکلز تھے سٹاف کے

لیے۔ کچھ آج کے دن کے حوالے سے دیابت اور چند دوسرے نوڈل پر ڈاکٹر کی ٹنگ جواس کو بھیجے گئے تھے۔

”تم نے بہت دیر کر دی۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔“ مالا اس کے کینن میں داخل ہوئی۔

”صبح اس سے اسی کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ میں نے شمریے ادا کیا تو اس نے کہا۔ بہتر ہے میں کارڈ بھیج دوں۔۔۔۔۔ میں نے کہا ٹھیک ہے بھجوا دوں گی۔ اب یہاں آکر میں اتنی معذرت ہوئی کہ مجھے یاد نہیں رہا اور وہ شاید ابھی کاڑھ چاہ رہا ہے۔“

”تو تم باہر تو جا ہی رہے ہیں۔ تم رستے سے کارڈ لوادو کہ ٹیرسروس کے ذریعے بھجوا دو۔“ آفس کے بیرونی دروازے سے نکلے ہوئے صالحہ نے کہا۔

”ہاں۔۔۔ میں بھی بیٹھی سوچ رہی ہوں کہ راستے سے کارڈ لے کر پوسٹ کر دوں۔“ علیزوہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

ایک کارڈ منسٹر سے کارڈ لے کر اس نے کوئٹہ سروس کے ذریعے جنید کے آفس بھجوا دیا اور خود وہ صالحہ کے ساتھ اس نشست میں چلی گئی جو انہیں کور کرنا تھا۔

فٹکنز اور ایک فرائز کو کور کرنے کے بعد وہ صالحہ کو اس کے گھر ڈراپ کر کے جس وقت گھر آئی اس وقت آٹھ بج رہے تھے۔ ناٹو گھر میں موجود نہیں تھیں۔ علیزوہ انہیں گھر پر نہ پا کر مطمئن ہوئی۔ ان کی عدم موجودگی کا مطلب یہی تھا کہ وہ اس کا انتظار کیے بغیر سسر رانی کے ڈر میں چلی گئی تھیں۔

”میں کھانا کھا دوں؟“ مریم بابا نے اسے اپنے بیڈ روم کی طرف جاتے دیکھ کر کہا۔

”نہیں۔ میں کھانا باہر سے کھا کر آئی ہوں۔“ علیزوہ نے انکار کر دیا۔

”بیکمر صلیبہ کا کیک کر کے کئی ہیں کہ آپ کھانا ضرور کھائیں۔“ خانا ماں نے کہا۔

”میں جانتی ہوں مریم بابا! لیکن میں کھانا کھا کر آئی ہوں، اب دوبارہ تو میں کھا سکتی۔۔۔۔۔ آپ ناٹو کو کہہ دیجئے گا کہ میں نے کھالیا۔“ اس نے فریو ہار انازا میں کہا۔

”جنید صاحب نے پھل بھجوا دیئے تھے آپ کے لیے۔ میں نے آپ کے کمرے میں رکھ دیئے ہیں۔“ وہ مریم بابا کی اطلاع پر فریو ہار حیرت کا شکار ہوئی۔

”میں دیکھتی ہوں۔“ وہ خانا ماں سے کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

بیڈ روم کی لائٹ آن کر دی فریڈنگ نیبل پر پڑے ہوئے سرخ گلابوں کے ایک بوکے نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کر دلی۔ وہ بیڈ اور فریڈنگ بیڈ پر اچھالے ہوئے فریڈنگ نیبل کی طرف چلی آئی۔

فریڈنگ نیبل کے اسٹول پر بیٹھتے ہوئے اس نے پھلوں کو اٹھالیا۔ اس کی طرف سے پھینکا جانے والا یہ پھل بوکے میں تھا۔ وہ اکثر اسے اسی طرح حیران کیا کرتا تھا۔ اس نے سسکا رہے ہوئے بوکے پر لگا ہوا چھوٹا سا کارڈ کھول لیا۔

”Always at your disposal“ (ہیش آپ کے لیے حاضر)

”Junaid Ibrahim“

بلکی کی سسکا بہت اس کے چہرے پر نمودار ہوئی۔ ایک گھبراہٹ سا لہجہ لیتے ہوئے اس نے پھل بوکے سے

”تمن! دفعہ آئی ہوں تمہاری تلاش میں۔“ صالحہ نے کہا۔

”ہاں۔ آج مجھے کچھ ضرورت سے زیادہ دیر ہو گئی۔“ علیزوہ نے معذرت خواہانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”کتے بچے کھانا ہے یہاں؟“

وہ صالحہ کے ساتھ ہی ان سوشل اینکویئرز کی کوریج کے لیے نکلا کرتی تھی۔

”وہ تو بارہ بجے ہی گھنٹیں گئیں۔۔۔۔۔ میں جنہیں یہ آڈیکل دکھانا چاہ رہی تھی۔“ صالحہ نے چند ہیپز اس کی نیل پر رکھ دیئے۔

”اس وقت ضروری ہے؟ میں دراصل یہ سارے ہیپز دیکھنا چاہ رہی ہوں۔ کیا یہ کیل کے نیوز ہیپز کے لیے جارہا ہے؟“ علیزوہ نے اس کے آڈیکل پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ کیل کے نیوز ہیپز کے لیے تو میں جا رہا مگر شاید برسوں چلا جائے۔ میں چاہتی تھی تم اس کو دیکھ لو۔ ساڑھ نوے تو اس کو کچھ مختصر کرنے کے لیے کہا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے مگر مزید ایڈیٹنگ کرنے سے اس کا اور آل تاثر خراب ہو جائے گا۔“ اس نے ایڈیٹر کا نام لیتے ہوئے کہا۔

”پھر تو اسے گھر بھی لے جا سکتی ہوں، کل تمہیں دے دوں گی۔ کیونکہ مجھے ذرا یہ کام بچنا ہے۔“ علیزوہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ کل دے دینا۔۔۔۔۔ مگر رات کو رینگ کر کے مجھے تا ضرور دینا کہ تم نے اسے پڑھ لیا ہے۔“

صالحہ نے اس کے کہیں سے نکلے ہوئے کہا۔

علیزوہ نے اس کے آڈیکل کو اپنے فولڈر میں رکھ لیا اور دوبارہ اپنی میز پر پڑے ہوئے کاغذات دیکھنے لگی۔

میکارو بچے تک وہ اسی طرح کام کرتی رہی۔ چند بار وہ آفس کے دوسرے حصوں اور ایڈیٹر کے پاس بھی گئی۔ بارہ بجے وہ اور صالحہ آفس سے نکلنے کی تیاری کر رہے تھے جب اس کے موبائل پر میسج آنے لگا۔

”Still Waiting for the Card“ (کارڈ کے لیے انتظار کر رہا ہوں)

وہ میسج پڑھ کر بے اختیار مسکرائی اس کے ذہن سے جنید کے ساتھ رہنے والی گفتگو اور کارڈ کا غائب ہو چکا تھا۔

”جنید کا میسج ہے؟“ صالحہ نے اسے موبائل کا پیغام پڑھ کر سسکا رہے دیکھ کر پوچھا۔

”ہاں!“ علیزوہ نے سر ہلایا۔ صالحہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے گردن آگے بڑھا کر اس کے موبائل پر نظر ڈالی۔

”یہ کون سے کارڈ کا انتظار ہو رہا ہے؟“ صالحہ نے سسکا رہے ہوئے کچھ جس آئینہ انداز میں کہا۔ ”اس کی برقعہ ڈے ہے؟“

”نہیں۔ برقعہ ڈے نہیں ہے۔“ علیزوہ نے موبائل بیک میں رکھتے ہوئے کہا۔ ”وہ میسج ہے جو ویلنٹیئر ہوم ضرور کیا ہے اس کا نقشہ میں نے جنید سے بخوا تھا، اس نے کچھ چارج کیے بغیر ہی کام کر دیا جبکہ میں صرف یہ چاہتی تھی کہ وہ نہایت کم چارج کرے۔“

علیزوہ نے اپنی ایک کوئیگ کا نام لیتے ہوئے کہا۔

اسے بتا دیا کرتا ابھی سو رہی ہو، وہ بعد میں فون کر لے۔

”میں بعد میں بھی اس سے بات نہیں کروں گی۔“ شہلا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ اس کے لہجے میں کئی غیر معمولی چیز تھی۔

”کیا مطلب؟“

علیہ نے اس کے سوال کا جواب دے بغیر ڈریسنگ روم میں داخل ہو گئی۔ شہلا اس کے پیچھے آئی۔ وہ وارڈ روپ کھولے اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔

”مجھے لگتا ہے۔ تم ابھی بھی خندہ میں ہو۔“ شہلا نے کہا۔

”جس میں خندہ لگتا ہے، میں واقعی خندہ میں ہوں..... شاید کوامیں۔“ وہ کپڑے نکالتے ہوئے بڑبڑائی۔

”تم جلد سے بات کرنا نہیں چاہتیں؟“ شہلا نے کچھ اچھے ہوئے انداز میں کہا۔

”نہیں۔“ کسی وقت کے بغیر جواب آیا۔

”کیوں؟“

”فی الحال تو میں اس کیوں کا جواب نہیں جانتی، جب جان جاؤں گی تو جہیں بتا دوں گی۔“ علیہ نے وارڈ روپ بند کرتے ہوئے کہا۔

”جہیز کا اب فون آئے تو کیا کہیں؟“

”دہی ہو میں نے کہا ہے..... دینا کدو میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ وہ مجھے فون نہ کرے۔“ وہ اپنے کپڑے بچرے نکال رہی تھی۔

”اس کی امی نے بھی فون کیا تھا۔ وہ بھی تم سے بات کرنا چاہتی تھیں۔“ شہلا نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

”میں اس کی امی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی تم انہیں بھی بتا دو۔“ اس کے لہجے میں ابھی بھی وہی پہلے والی رد دہری تھی۔

”تم کچھ تو ہو؟“

”بالکل ٹھیک ہوں۔“

”رات کو تو تم نے جہیز سے بات کی تھی۔ اس وقت تم نے اعتراف نہیں کیا۔“

”علیہ کی جی اب نہیں کروں گی۔“

”تم جا کر تھکاؤ پھر تم سے بات کروں گی اس وقت تم عقل سے پیدل ہو۔“ شہلا نے ڈریسنگ روم سے نکلتے دے کہا۔

وہ آدھ گھنٹہ کے بعد بیڈ روم میں آئی تھی۔

”تھہرا ماماؤ خواب کیوں ہے؟“ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کر بالوں کو برش کرنے لگی تو شہلا نے اس

نکال کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے ہوئے کرٹل کے گھدانا میں لگا دیے۔ ایک لمبی مٹی والے گلاب کو چھوڑ کر اس نے سارے گلاب گھدانا میں پھاردے۔

پھر اس واحد گلاب کو لے کر اپنے بیڈ پر آ گئی اور اسے بیڈ سائڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے گلاس میں رکھ دیا۔ جب سے کچھ پانی اس نے اس گلاس میں ڈالا اور پھر اسے دیکھنے لگی۔

اس نے ایک بار پھر ہاتھ میں پکڑے ہوئے اس چھوٹے سے کارڈ کو کھول کر دیکھا، جسے اس نے پھولوں سے الگ کر لیا تھا۔

☆☆☆

عمر کے ساتھ اس رات ہونے والی تبدیلیوں کے بعد اگلے کئی دن وہ بری طرح ذہنی اختصار کا شکار رہی تھی۔ اس رات سونے کے لیے نیند کی گولیاں لینے کے بعد وہ اگلا سارا دن سوئی رہی تھی اور سر پر کے قریب جس وقت وہ بیدار ہوئی۔ اس وقت گھر میں شہلا، اس کی امی اور تانوکے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔

”حد کر دی علیہ، تم تو، سارے گھر سے گھوڑے بچ کر سو گئیں۔“ اس کے بیدار ہوتے ہی شہلا نے کہا۔ وہ اسی وقت کمرے میں داخل ہوئی کہ اس نے علیہ کو بیڈ پر آگئیں کھولے دیکھ لیا تھا۔

علیہ اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”جہیزیں اغا زادہ ہے کیا وقت ہو رہا ہے؟“ شہلا نے اس کو خاموش دیکھ کر اس کی توجہ کا کی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا۔

علیہ نے بے تاثر چہرے کے ساتھ دوبار پرگی ہوئی گھڑی پر نظر دوڑائی۔ وہاں پانچ بج رہے تھے اسے حیرت نہیں ہوئی۔ وہ پہلے ہی اغا زادہ کو کہتی تھی کہ وہ بہت دیر سے سو رہی تھی۔

”تم مجھے اغا زہتیں۔“ اس نے اپنے کھلے ہوئے بالوں میں کلب لگاتے ہوئے کہا۔

”میں نے ایک بار خوشی کی کمی محرم آئی مہری خندہ میں جس کی میں نے جہیزیں چکانا مناسب نہیں سمجھا۔“ شہلا نے گھڑی کے پردے کھینچے ہوئے کہا۔ ”سب لوگ تم سے لے بغیر ہی چلے گئے۔ میں خود بھی صرف اس لیے رکی ہوئی ہوں کہ تم اٹھ جاؤ پھر جاؤں..... اور تم ذرا اپنی شکل دیکھو۔ کیا طبع بنایا ہوا ہے..... تم کبھی نہ کبھی بری طرح

سوئی ہوئی ہیں اور سرخ بھی ہیں..... تم روئی رہی ہو؟“ شہلا کو بات کرتے کرتے اچانک خیال آیا۔

”میں کس لیے روؤں گی؟“ وہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے سرد آواز میں بولی۔

”تو پھر تہبازی آنکھوں کو کیا ہوا ہے..... شاید زیادہ ڈریسنگ سونے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔“ شہلا نے کہتے کہتے اچانک بات بدل دی۔

”جہیز نے دوبار گھ کیا ہے۔“ وہ ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے رک گئی۔

”کیوں؟“

”کیوں..... کیا مطلب..... ظاہر ہے۔ تم سے بات کرنے کے لیے فون کیا تھا۔“ شہلا نے کہا۔ ”میں نے

”شہلا! میں چند کو کوئی سزا دے رہی ہوں نہ ہی میں اسے قصور وار سمجھ رہی ہوں۔ میں بس اس سے بات نہیں کرنا چاہتی۔“ کچھ عرصہ کے لیے، جب تک جب تک میں وہی طور پر اس کے اور اپنے حلق کو تسلیم نہیں کر لیتی۔ مجھے کچھ وقت چاہیے، کسی کی یادوں سے نکلنے کے لیے نہیں۔ صرف اس بچہ ستارے سے نکلنے کے لیے جس کا میں شکار ہوں۔“ وہ بات کرتے کرتے کھٹکے ہوئے انداز میں ڈورینگ کھیل کے اسٹول پر بیٹھ گئی۔

”کوئی شخص بچہ ستارے اور احساس جرم کی اس اذیت کا انداز نہیں کر سکتا جس کا میں شکار ہوں۔ اس سے بات کرنے کے لیے جس اخلاق کی جرات کی ضرورت ہے، وہ میرے پاس نہیں ہے۔ کس سنا سے میں فون پر اس سے بات کروں۔ مجھے کتنی شرمندگی ہے یہ میں نہیں بتا سکتی اور کتنا اصرار ہے میں اس سے بات کروں۔ میں کچھ عرصہ اس سے کیا کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی۔“ ناک اصرار کا تھکی کرلوں۔ وہ میں نے کرا دالی۔ اب مجھے آزاد چھوڑ دیا جانا چاہیے۔“

شہلا کچھ کہنے کے بجائے صرف اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

☆☆☆

چند سے بات نہ کرنے یا اسے نظر انداز کرنے کا فیصلہ زیادہ درہیکہ قائم نہیں رہا۔ مٹکی کے تیسرے دن اسے کوئی نہ جانا تھا اور وہ وہاں جانے سے پہلے اپنے گھر والوں کے ساتھ ان کے ہاں آیا۔ اس کے رویے سے کسی طرح بھی اس بات کا اظہار نہیں ہوا کہ وہ طیارہ کے اس کا فون دیکھ نہ کرنے پر ناراض ہے۔ اس نے اس سلسلے میں سرے سے طیارہ سے کوئی بات ہی نہیں کی۔ معمول کے خوشگوار انداز میں وہ اس کے ساتھ گفتگو کرتا رہا۔ صرف واپس جانے سے پہلے اس نے لاؤنج سے باہر نکلے ہوئے طیارہ سے کہا۔

”میرے بچے خاصے لیے عرصے سے میری شادی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ خاص طور پر میری بڑی بہن کی شادی کے بعد۔ میری پہلی رواجی قسم کی فلمی سے جس طرح ہوئے بچے سے بہت ساری توقعات لگائی جاتی ہیں۔ اسی طرح اس فلمی بیوی سے بھی خاصی توقعات وابستہ کر لی جاتی ہیں۔ شوری طور پر یا لشوری طور پر۔“ وہ چند کھچکے خنکے خنکے باتیں لوگ لاؤنج سے نکل چکے تھے صرف وہی دونوں ابھی اندر تھے، طیارہ دم سادھے اس کی بات سنتی رہی۔

”میری خواہش ہے کہ آپ ان توقعات پر پورا اتریں کیونکہ توقع اس سے وابستہ کی جاتی ہے جس سے محبت ہوتی ہے، یا جسے ہم اپنے بہت قریب پاتے ہیں اور آپ ہماری فلمی کا ایک حصہ بن چکی ہیں۔“ وہ ہنسی کے کہتا تھا۔ ”مجھے سے بات نہ کرنا کوئی بڑا الجھنیں سے نکلنے میں یہ چاہوں گا کہ آپ میری فلمی کے ساتھ رابطے میں رہیں۔ کوئی برائی نہیں ہے اگر آپ ان کے فون دیکھیں یا ان سے ٹھوڑی بہت کپ کپ کر لیں یا ان کی دعوت پر اہل گھر آ جائیں۔ اس سے خوشی کے علاوہ اور کچھ نہیں ملے گا۔ آپ کچھ مجبور نہیں کر رہا لیکن آپ میری درخواست مان لیں گی تو مجھے اچھا لگے گا۔“

سے کہا۔

”جہیں غلطی ہو رہی ہے۔ میرا موز خراب نہیں ہے۔“ طیارہ نے ہاتھوں میں برش کرتے ہوئے پرسکون انداز میں کہا۔

”مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی میں بے وقف نہیں ہوں۔“ شہلا نے قدرے تنگی سے کہا۔

”میرے علاوہ اور کوئی بے وقف ہو سکی کیسے سکتا ہے۔“ طیارہ اس کی بات کے جواب میں بڑبڑائی۔

”میںہ اتنا اچھا بندہ ہے۔ میں اس سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔“ شہلا نے اس کی بات پر کوئی رد عمل ظاہر کیے بغیر کہا۔ ”سب کو بہت اچھا لگا ہے سب تعریف کر رہے تھے۔“

”مجھے اس کی خوشیوں اور اچھائیوں میں کوئی شبہ نہیں ہے۔“ طیارہ اتنا ہی اچھا ہے وہ جتنا تم کہہ رہی ہو۔“ طیارہ نے آہستہ میں دیکھتے ہوئے اس سے کہا۔

”تو پھر اس سے تنگی کی وجہ کیا ہے؟“

”میں اس سے ناراض نہیں ہوں۔“

”پھر تم اس سے بات کرنے سے انکار کیوں کر رہی ہو؟“

”یہ میں نہیں جانتی۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“ شہلا نے کچھ ہنساتے ہوئے کہا۔

”بس میں اس سے بات کرنا نہیں چاہتی۔“

”جی تو پھر رہی ہوں..... کیوں؟“

”یہ ضروری نہیں ہے ہر شخص کے پاس ہر سوال کا جواب ہو۔“

”یہ اتنا مشکل سوال نہیں ہے جس کے جواب میں جہیں وقت چلی آئے۔“ شہلا بحث کرنے کے موڈ میں تھی۔ ”میں اس سے کیا بات کروں؟“ طیارہ نے اچانک ہنجر برش ڈورینگ کھیل پر ہنستے ہوئے شہلا کی طرف مڑ کر کہا۔

”کیا ڈسکس کروں اس سے؟“

شہلا جراتی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ”اس کا شہیہ ادا کرنے کے لیے اس سے بات کروں یا پھر اظہار محبت کرنے کے لیے کہ مجھے مٹکی سے ہی آپ سے محبت ہو گئی ہے اور آپ جیسا آدمی میں نے پہلے زندگی میں نہیں دیکھا نہ ہی آپ سے پہلے میں نے کسی سے۔“ وہ بات کرتے کرتے اچانک رک گئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

شہلا نے اسے مڑ کر ایک بار پھر ہنجر برش اٹھاتے ہوئے دیکھا۔

”تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا، اس میں چند کی طرح پر بھی قصور وار نہیں ہے۔“

طیارہ نے اس کی بات کا ردی۔ ”میں نے اسے قصور وار نہیں سمجھایا۔“

”تمہارے رویے سے تو یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔“

وہ اپنی بات کے اختتام پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ باہر نکل گیا۔ علیزہ قدم نہیں ہلا سکی۔

☆☆☆

بہت غیر محسوس انداز میں اس نے جینے کے گھر آنا چاہا شروع کر دیا اور اس میل جول نے آہستہ آہستہ اس کے ذہن پر ایسا اور احساسِ جرم کو کم کرنا شروع کر دیا جس کا شکار وہ منتحی کی رات عرس ہونے والی گفتگو کے بعد ہوئی تھی۔ اس کا احساسِ زباں میل طور پر عتاب نہیں ہوا تھا مگر اس کی شدت میں کمی آنا شروع ہو گئی تھی اور اس میں بڑھا تھا اس اہمیت کا تھا جو اسے جینے کے گھر میں ملتی تھی۔

جنید کی اسی تقریر پر روز ہی اس سے فون پر بات کیا کرتی تھیں اور جس دن ان سے منگلو نہ ہوتی اس دن جنید کی چھوٹی بہن سے منگلو ہوتی۔ فری کے ساتھ اس کی خاص دوستی ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ جنید کی فری کے ساتھ خاصی بے تکلفی تھی، وہ جنید سے دو سال چھوٹی تھیں اور ایک سال پہلے اس کا نکاح ہوا تھا۔

شروع میں جید کے گھر جا کر وہ بالکل خاموش بیٹھی رہا کرتی تھی اس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا کہ وہ وہاں کس کے ساتھ کیا گفتگو کر رہی ہے ہاتھ ہات کا بہت عجیب خاص رنگ اور زیادہ تر میں کوٹھن کمر کے کسی لمبی چوڑی منگٹوں میں حصہ لینے سے گریز کرے۔ وہ کسی بات پر بھی اپنی رائے نہیں دیا کرتی تھی اور اگر کبھی اسے مجبور کیا گیا تھا تو وہ اسے ہاں اور نہیں بلکہ یہ سمجھ دیتی تھی۔

آہستہ آہستہ اسے اعزاز دہونے لگا کہ اس کی یہ کم گوئی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ لاشعوری طور پر، وہ جنید کے گھر اور وہاں کے افراد میں بہت زیادہ انوالو ہونے لگی تھی۔ لاشعوری طور پر وہ اس گھر میں جا کر خود کو بہت پرسکون اور خوش بننے لگی تھی۔

لاشعوری طور پر اسے جنید اور اس کے گھروالوں کی طرف سے کی جانے والی کارکردگی کا انتظار رہنے لگا تھا۔

لاشعوری طور پر وہ اپنے گھر میں بھی جیند اور اس کے گھروالوں کے بارے میں سوچنے لگی تھی نہ صرف یہ بلکہ نانہ، شہلا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ گھنگو میں اکٹری جیند اور اس کے گھروالوں کے حوالے بھی آنے لگے تھے اور لاشعوری طور پر عراس کے ذہن سے غائب ہونا شروع ہو گیا تھا۔

مفتی کی رات ہونے والی ملاقات کے بعد اگلے کی ماہدیک مرے ساتھ اس کی کوئی ملاقات یا گفتگو نہیں ہوئی۔ وہ لاہور نہیں آیا۔ اگر آپ بھی اس نے مانوسے لئے کی کوشش نہیں کی، وہ علیحدہ کوکون پریلے ہی بند کر چکا تھا۔ اور نوانے ساتھ فون پر بات کرتے ہوئے میں اس نے بھی علیحدہ کے ساتھ بات کرنے کی خواہش ظاہر نہیں کی اور اگر کرتا بھی تو علیحدہ اس سے بات نہ کرتی۔ اس کے اندر اتنی ہیست نہیں تھی کہ وہ دوبارہ اس سے گفتگو کر سکے۔

نکلی ہا بھت وہ اس بات کے لیے خود کو لامتناہی کرتی رہی تھی۔ آخر خدایں اس نے عمر کے سامنے اس طرح گزار کر ایک باگھی تھی۔ کیوں اس کے سامنے اس طرح اور انتظار دوئی تھی۔ اپنی عمر نفس کو کوڑے کے ذب میں کیوں پیچیدہ دیا تھا عمر کے سامنے اپنی رہی نکاحات کیوں خاک میں ملا دی تھی۔ آخر خدایں وہ خود پر کا پور کیسے میں کام رہی تھی۔ وہ سوچتی ہو اس کی ندامت اور احساس جرم بڑھتا جا تا۔ اس کی خواہش ہوتی کہ وہ کسی طرح اس رات کو کٹ کر اپنی زندگی سے الگ کر دے اور یہ اس کا احساس ندامت ہی تھا کہ وہ محرم کا سامنا کرنے اس سے بات

کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتی تھی۔ عمر اس کی زندگی کی سب سے تکلیف دہ یاد بن چکا تھا۔ اس نے عمر سے نفرت نہیں کی تھی مگر اس نے عمر کی وجہ سے اپنے آپ سے بہت زیادہ نفرت کی تھی۔

منگلی کے بعد کئی ماہ اس نے عمر کا ذکر نہیں کیا تھا حتیٰ کہ تاؤ بھی اس کے بارے میں باکھل جاسوس نہیں۔ پچھلے کئی طرح اس کا فون آنے پر وہ علیر کو اس سے ہونے والی گفتگو سے مطلع نہیں کرتی تھیں اور علیر بھی جانتی تھی وہ ایسا جان بوجھ کر کرتی تھیں۔ وہ دشواری طور پر کوشش کر رہی تھیں کہ علیر کو عمر کو مکمل طور پر اپنے ذہن سے نکال دے۔ عمر انہیں یہ بات نہیں کہتا کہ یہ کام عمر پچھلے ہی کر چکا ہے۔ اب اگر وہ علیر کو اس کے فون کے بارے میں بتا بھی دیتیں تو وہ اس کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں بن سکتا تھا کہ اس کا عمر علیر کا یہی خیال تھا۔

عمر جاگیر اس کی زندگی سے ہوا کے کسی جوہن کے کی طرح بلک جھپٹتے میں نہیں نکلا تھا۔ وہ اس کی زندگی سے ایک تندرہ تیز طوفان کی طرح گزر کر گیا تھا۔ ہر چیز کو اڑاتے اور گراتے ہوئے، ہر چیز کو لمبا میٹ کرتے ہوئے اس طوفان کے گزر جانے کے بعد بے کے علاوہ پیچھے کچھ بھی نہیں بچا تھا اور علیحدہ وہ اس لیے ہر دوبارہ ایک عمارت کھڑی کرنے کے لیے نئی عمارت کی پڑی تھی۔ اس کا اندازہ صرف وہی کر سکتی تھی اور جو چیز اتنی تباہی اور بربادی کر کے کھڑی ہو اسے فراہم کر دینا مشکل نہیں ممکن ہوتا ہے۔ وہ غیر محسوس طور پر انسان کے لاشعور کا حصہ بن جاتی ہے اور لاشعور سے شعور تک آنے میں اسے صرف چند سیکنڈ لگتے ہیں اور علیحدہ وہ خوف تھا کہ اس طوفان کے چھوڑے ہوئے نقوش دوبارہ نہ ابھرے لگیں۔

جلید سے متعلق کے ایک ہفتہ کے بعد اس نے ایک انگلیش اخبار جوائن کر لیا تھا جو ملک کے چند بڑے اخبارات میں سے ایک تھا۔ یہاں کام کرنا اس کے لیے ایک منفرد تجربہ تھا۔ اخبار کو جوائن کرنا ڈپریشن سے فراہم کر ایک کوشش تھی جسے اس نے اضافی مصروفیت میں ڈھونڈنا چاہا تھا مگر اخبار جوائن کرنے کے بعد اسے اندازہ ہوا کہ وہاں اس کے کرنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ بہت سی ایسی چیزیں اور ایسی تجربات جن کا موقع اسے پہلے نہیں ملا تھا جب وہ کینڈیا غیر معروف میگزین کے ساتھ شلک تھی۔

یہاں اسے پرنسپل جرنیلس کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا اور ان لوگوں سے سیکنے کا جن کے ذریعہ دینی و اعلیٰ جات سے اور پھر ان پر بڑی تعداد میں تیسرے بھی کیے جاتے تھے۔ وہ لوگ مسیحیت، اندکی فہمی جو تھی اور حکمرانی کی پرالیسی کی تعلیمات ان کی انکلیں پر ہوتی تھیں۔

ابنیں ہر آنے اور جانے والے کی خبر ہوتی تھی جو کڑے مروے اکھاڑنے میں ماہر سمجھے جاتے تھے اور جن سے ہر حکومت خوفزدہ رہتی تھی۔ جن کی عقید اور بیان کردہ حقائق پر حکومتی اور انتظامی عہدے داران کو وضاحتی نوٹ ہماری کرنے پڑتے تھے۔

وہ اخبار کے دفتر میں اپنے کولیکٹر کے درمیان ہونے والے بحث مباحثہ سنیں اور وہ ان کی معلومات اور طرز استدلال پر رشک کرتی۔

جمہوریہ کا چوتھا ستون مکی اتاعی طاہور تھا جسے باقی تین ستون۔ اسنے طاہور کر بعض دفعہ وہ باقی تینوں ستونوں کو ہلا دیتا تھا۔

علیحدہ اخبار کے پبلیکل ججز سے وابستہ نہیں تھی۔ وہ سوشل ایڈیٹرز پر انکڑ لگتی تھی اور مختلف تقریبات کی کوریج بھی کرتی اور ان تقریبات کو کوریج کرنے کے دوران اسے پریٹنس کے ساتھ لوگوں کے غیر معمولی رویے پر حیرت ہوتی۔

اخبار میں لکھے والی ایک سرخی لوگوں کے لیے کتنی اہمیت رکھتی تھی۔ فرنیٹج نیوز آئٹم بننے کے لیے لوگ کسی کسی حرکات اور کیسے کیے جانا تھے۔ اخبار میں آنے والا نام ایک عام اور غیر معروف آدمی کو معروف کر دیتا تھا، مسلسل خبریں چھپتے رہنے سے کسی شخص کو جہاں لوگوں کی یادداشت سے اوجھل نہ ہونے کی سہولت دیتی تھی، وہیں انگلش اخبار میں چھپنے والی خبر اس کلاس تک رسائی کا ذریعہ بن جاتی تھی جسے وہ لوگ یا ایلینٹ کلاس کہا جاتا ہے۔

میڈیا کی صحیح طاقت کا اندازہ اسے اس بڑے اخبار سے منسلک ہونے کے بعد ہی ہوا تھا، جہاں اخبار کو اشاعت اور سرکوشش کے لیے مختلف لوگوں کے اشتہارات پر انحصار نہیں کرنا پڑتا تھا۔ نتیجہ کے طور پر اخبار کی ک ہاتھ کا مکھڑا بن سکتا تھا۔ کسی کی انگلیوں پر چھائی جانے والی لکھ چلی، کم از کم علیحدہ کا مینی خیال تھا۔

فیکٹر اور Factual جزو کم پانی ہونے کا دعویٰ کرنے والا اخبار نیو یارک ہیلوین پر اپنے لیے لاگ اور کڑے تبصروں اور جانوں کی وجہ سے ان چند اخبارات میں شامل تھا جن کی وجہ سے حکومت ہمیشہ مشکل میں رہتی تھی اور جس میں شائع ہونے والی خبر یا بات کے مستند ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا ہوتا تھا۔

ڈپریشن اور اپنے Sense of Loss (احساس زبانی) سے نجات کی کوشش کے لیے جوان کیا جانے والا اخبار اس کے لیے ایک ایسا ذریعہ بن گیا تھا جس سے وہ دوسروں کے ڈپریشن اور Sense of Loss کو کم کرنے کے لیے کچھ کر سکتی تھی۔

چھ سات ماہ کے دوران اس نے اخبار کے سوشل ایڈیٹرز میں اپنے اپنا اعتبار اپنیلش کر لیا تھا اور اپنے نام سے ملنے والی یہ شناخت اس کے لیے Source of Strength ثابت ہو رہی تھی۔ وہ سوشالیٹی میں بڑے جانے والے فنڈ اور تصدیق کو موجود دور کے حالات و واقعات پر لاگو کر کے نتائج اخذ کرنے اور تبصرے کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ اخبار کے ذریعے ملنے والے Exposure سے اسے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ پاکستان کے سوشل نیٹور کی حالت اس سے کہیں زیادہ خراب ہے جتنی وہ بھی سوشالیٹی کی مختلف کتابوں میں کیے جانے والے اعداد و شمار سے جان سکتی تھی۔

بعض حالات اور جگہوں میں تو ساری عدم مساوات اور محرومیوں کی کہانی خوفناک حد تک تکلیف دہ ہے۔ Haves اور Have-nots کے درمیان حائل طبع جتنی زحمت اب اختیار کر رہی تھی، اتنی پہلے کسی نہیں ہو چکی تھی۔ ہر آدمی کے سورد فیکٹس Sordid facts سامنے لے کر آتے تھے کہ بعض دفعہ اسے اس بے خبری پر حیرت ہوتی جس کا شکار ایلینٹ کلاس تھی یا پھر شاید پاکستان کا ہر وہ شہری جو جائز ناجائز ذرائع سے اپنے آپ کو Establish کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

تیسری دنیا اور اس سے منسلک ساری مرض پہلے اس کے کتابوں سے بڑھی تھی یا پھر فیروز سے ہی تھیں۔ اب وہ انہیں پریکٹیکل لائف میں اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔ ”ترقی پانچ“ ہونے کا صحیح مطلب اب اسے اب سمجھ میں آتا

تھا۔ جب وہ اس کا سروے کے سوشل نیٹور میں حکومت کے دیے جانے والے ”سرکاری“ اعداد و شمار کا موازنہ ”غیر سرکاری“ تحقیقوں کے لکھنے کیے جانے والے اعداد و شمار کے ساتھ کرتی۔ چپنے کے صاف پانی تک رسائی اب بھی چالیس فیصد لوگوں کی ہی تھی۔ کئی ہزار دیہات اب بھی بجلی اور ٹیکس کے بغیر ہی تھے۔ لڑکی ریت کا گراف اب بھی کوئی واضح توجہ جلی نہیں دکھا رہا تھا۔

Human development کے قلعے اب بھی صرف ہوا میں ہی تعمیر کیے جا رہے تھے۔ لوگوں کے سماجی رویے کی بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے اور ایسی صورت حال میں ایک آدمی لکھنا کوئی بڑی تہنیت نہیں لاسکتا تھا کہ کم از کم یہ اسے اپنا نقطہ نظر لوگوں تک پہنچانے میں مدد ضرور دے رہا تھا۔ یہ سوچ کر حیرت ہوتی کہ بعض دفعہ صرف دوسروں تک اپنی بات پہنچانا کتنا مشکل لگا کر رہتا ہے نہ صرف اپنے لیے بلکہ دوسروں کے لیے بھی۔

جینیڈا کی ابھی کسی نہ کسی حد تک سوشل ورک میں انٹرویو تھیں اور علیحدہ کی ان سے اس بات میں گفتگو ہوتی رہتی۔ اس کے چند کونگ چند ان کی آواز کے ساتھ خشک تھے اور ایک ویڈیو ہوم کی تقریر کے لیے سرگرمیوں تھے اور علیحدہ نے ان کے کام میں آسانی پیدا کرنے کے لیے جینیڈہ کے ذریعے اس خدمات کا نقشہ بنوا دیا تھا۔

جینیڈہ صرف اسی کام میں اس کا مددگار نہیں رہا تھا، جھپٹے چڑھ ماہ میں وہ اور بھی بہت سے مواقع پر اس کی مدد کرتا رہا تھا۔ چاہے یہ رپورٹس اور انکڑ کے لیے ریفرنسز کا معاملہ ہو یا پھر کوئی دوسری مدد۔ اس کا سوشل سرکل خاصا وسیع تھا اور اس سوشل سرکل میں ہر فنڈ کے لوگ شامل تھے۔ وہ اس کا کام خاصا آسان کر دیتا تھا کہ بڑے غیر محسوس طریقے سے اور اس تعاون نے بڑے عجیب سے انداز میں دونوں کے درمیان موجود رہنے کو مضبوط کیا تھا۔ علیحدہ کو کبھی اندازہ تک نہیں تھا کہ وہ عمر کے علاوہ کسی اور شخص پر اس طرح اعتماد کرے گی مگر جینیڈہ نے بڑی عمر کی کے ساتھ عمر کی جڑ لے لی تھی۔

”زندگی میں ہر چیز پر محض، فریڈنگ Replacement (تبادل) سوجہ ہوتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں ایسا نہیں ہوتا وہ کبھی اس کرتے ہیں۔“

کئی بار اسے غم کی ہوئی بات یاد آتی اور چند لوگوں کے لیے خود کو جیسے کسی کٹہرے میں پاتی تب اس نے عمر کی بات سے اختلاف نہ کیا تھا۔ بہت ماضی پر

”آپ غلط کہتے ہیں۔ ان تینوں میں سے کسی کا بھی تبادل نہیں ہو سکتا۔ آپ جسے تبادل کہتے ہیں وہ دراصل کم ہیز ہوتا ہے اور نہ ایک چیز ایک شخص یا ایک جذبے کے ختم ہو جانے کے بعد کوئی دوسرا اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ ایک کھٹھ کر جانے تو کیا اس کی جگہ دوسرا ہاتھ لگا سکتا ہے؟“ اس نے اپنی جانب سے بڑی مضبوط دلیل دینے کی کوشش کی تھی۔

”بازار سے مل جاتا ہے نقلی ہاتھ“ عمر کاٹھوئے بغیر بولا۔

”اصلی ہاتھ کی بات کر رہی ہوں۔ کیا نقلی ہاتھ اس طرح کام کر سکتا ہے جس طرح اصلی ہاتھ۔“

”کمزور تو کرتا ہے۔ اگر انسان کا دل خراب ہو جائے تو کسی دوسرے کا دل ٹرانسپلانٹ کر دیتے ہیں۔ کیا یہ Replacement نہیں ہے۔ دل سے زیادہ اہم تو جسم کا کوئی دوسرا حصہ نہیں ہے اگر اس کی

Replacement ہو سکتی ہے تو ہر باتی کیا رو جاتا ہے۔

”بات اہمیت کی نہیں ہے۔ آپ کا پائنت تھا کہ ”ہر چیز“ میں آپ کو تباہی ہوں گے ہر چیز نہیں۔“
 ”سائنس ہاتھ کو Culture کرنے کی کوشش بھی کر رہی ہے۔ جس دن یہ کوشش کامیاب ہو گئی اس دن جسم کے دوسرے بہت سے حصوں کی طرح ہاتھ بھی اگلے جائیں گے۔ Replacement سائنیکل ہماری پوری ہو جائے گی۔“ اس کے لیے میں ہنوز اطمینان تھا۔
 چیزوں کی بات چھوڑیں۔ انسانوں کی بات کریں۔ اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو کیا اس کی کپی پوری ہو سکتی ہے۔ اس کی Replacement متبادل ہو سکتا ہے؟“

”ہاں! ہو سکتا ہے۔“

”کیسے؟“

”دوسرے شوہر سے۔“

”اور اگر پہلے شوہر سے اسے محبت ہو تو؟“

”دوسرے سے بھی ہو جائے گی۔“

”ایسا نہیں ہوتا۔“

”کم از کم جس دنیا میں میں رہتا ہوں، وہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ فرض کرو، دوسرا شوہر ماری دنیا کی آسائش لاکر اس کے سامنے رکھے تو کیا پھر بھی اسے اس سے محبت نہیں ہوگی۔“

”میں آپ کو اپنی بات بھی نہیں سمجھا سکتی۔ آپ ہر بات کو اور طرح سے لیتے ہیں۔“ علیزہ نے کچھ بے بس ہوتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ کا پائنت حقیقی ہے ہی نہیں علیزہ بی بی یہی وہ خدایتن کی سائنیکل کا حصہ ہوتا ہے۔ Replacement پر اہم people full of indispensable Graveyard ایسے لوگ جن کے بارے میں میں خوش بھی رہتی ہے کہ ان کا کوئی Replacement نہیں ہے تو کیا دنیا ان کے بغیر بھی اسی طرح نہیں چل رہی۔ چل رہی ہے کیونکہ نیچرل سائنیکل کے تحت ان کے متبادل آگے کچھ اور لوگ ان کی جگہ آگے۔ اسی کام کو کرنے کے لیے اسی دل کو سر انجام دینے کے لیے۔“

اس نے بڑی بے نیازی سے کندھے جھٹکتے ہوئے بات ختم کی تھی۔ علیزہ اس سے متعلق نہیں تھی مگر وہ خاموش ہو گئی تھی۔

اور اب جید کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے امریکی وہی Replacement theory (نظریہ متبادل) یاد آئی۔ کیا واقعی ہر چیز کی Replacement ہو جاتی ہے۔ ہر لینک کی، ہر شخص کی؟ وہ کئی بار خود سے پوچھتی اور ہنر ذہن میں گونجنے والے جواب اور آواز اسے پریشان کرنے لگتیں۔

کمرے کے دروازے پر یکدم دھک کی آواز سنائی دی۔ علیزہ چونک گئی۔ اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا سائنیکل پر گلاس میں چڑے ہوئے گلاب پر ایک نظر ڈالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دھک کی آواز دوبارہ

سنائی دیتی تھی۔

”عید صاحب کا فون ہے۔“ دروازہ کھولنے پر ملازم نے اسے اطلاع دی۔

”تم چلو، میں آتی ہوں۔“ اس نے اپنی آنکھوں کو مسختے ہوئے کہا۔

چند منٹوں کے بعد وہ لاؤنج میں فون پر بیٹھ سے بات کر رہی تھی۔ دس چندہ منٹ اس سے باتیں کرتے رہنے کے بعد وہ واپس اپنے بندہ روم میں آ گئی اور جب ہی اسے اس آنریبل کا خیال آیا جو صالحہ نے اسے دیا تھا۔ اس نے آنریبل کو نکال لیا۔

اپنے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے اس نے آنریبل کو پڑھا شروع کیا۔ اس کے چہرے پر فکٹیں ابھرنے لگی تھیں۔ الجھن اور اضطراب۔۔۔۔۔

چند منٹوں بعد وہ اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ یکدم بہت زور نظر آنے لگا تھا۔

ہاتھ میں پکڑا ہوا آنریبل اس نے سائنیکل پر رکھ دیا اور اپنی پیشانی کو مسختے لگی۔ کچھ دیر اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد اس نے سائنیکل پر رکھا ہوا موبائل اٹھالیا اور صالحہ کا نمبر ڈائل کیا۔

”ہیلو! صالحہ میں علیزہ بول رہی ہوں۔“ علیزہ نے اس کی آواز سننے ہی کہا۔

”ہاں علیزہ! وہ آڈیو آنریبل پڑھ لیا؟“ صالحہ کو اس کی آواز سننے ہی یاد آیا۔

”ہاں، ابھی کچھ دیر پہلے ہی پڑھا ہے اور میں اس کے بارے میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔“ علیزہ نے کچھ بے چینی سے کہا۔

”ہاں بولو، کیا کہنا چاہتی ہو، کیا تمہیں آڈیو پسند نہیں آیا؟“ صالحہ نے پوچھا۔

”صالحہ! تم نے یہ آڈیو کیوں لکھا ہے؟“ علیزہ نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”کیا مطلب کیوں لکھا ہے؟ کیا مجھے نہیں لکھنا چاہیے تھا۔“ وہ اس کے سوال پر حیران ہوئی علیزہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

”میں نے یہ نہیں کیا کہ کہیں نہیں لکھنا چاہیے تھا، میں صرف یہ پوچھ رہی ہوں کہ تم نے کیوں لکھا ہے؟“

”بھئی! کیوں لکھتے ہیں ایسے آرٹیکلز۔ عوام تک حقائق لانے کے لیے، انہیں تصور کا اصلی رخ دکھانے کے لیے، ان لوگوں کی اسیت سے آگاہ کرنے کے لیے جو ان ہی کے لکھنے سے ان کے عکس بنے بیٹھے ہیں۔“

صالحہ نے بیسٹ کی طرح اپنی تقریر کا کڑوا کر ڈالا۔

”مگر یہ سب کچھ سامنے لانے کے لیے الزام تراشی ضروری ہے؟“ علیزہ نے اس کی بات کو بے مری سے لائے ہوئے کہا۔

”الزام تراشی کا مطلب؟ کون سی الزام تراشی؟“ صالحہ اس کے سوال پر کچھ چوکی۔

”میں تمہارے آرٹیکل کی بات کر رہی ہوں۔“ علیزہ نے کہا۔

”میرا آرٹیکل آغا فارادیک علیزہ! میرے آرٹیکل میں کون سی الزام تراشی تمہیں نظر آ رہی ہے؟“ صالحہ نے پوچھا۔

”جو کچھ تمہارے آرٹیکل میں ہے، مجھے وہ سچ نہیں لگتا۔“ علیزہ نے کہا۔

”جو کچھ میرے آرٹیکل میں ہے، وہ حقائق کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تمہیں وہ

سب جھوٹ لگا ہے اور شاید پہلی بار ہو۔“ صالحہ نے کہا۔

”تم نے اپنے آرٹیکل میں صرف الزامات لگائے ہیں، کوئی ثبوت نہیں دیا۔ اتنا غیر حیات ہو کر کچھ بھی لکھنے کی

کیا ضرورت ہے کہ اگلے دن یا تو اخبار کو معذرت کرنی پڑے یا پھر کورٹ میں کیس چلایا جائے۔“ علیزہ نے کہا۔

”میرے آرٹیکل میں کوئی ایک بھی ایسی چیز نہیں ہے جو جھوٹ ہو یا جس کا میرے پاس ثبوت نہ ہو مگر ہر

ثبوت آرٹیکل میں نہیں دیا جاسکتا اور جہاں تک معذرت یا کسی کا حلقے میں تو اس شخص میں اتنی بہت کبھی ہو ہی نہیں سکتی

کہ وہ یہ دونوں کام کرے کیونکہ میرے تمام الزامات درست ہیں اور وہ انہیں کسی طور پر بھی غلط ثابت نہیں کر سکتا۔“

صالحہ نے دے پر اعتماد انداز میں کہا۔

”تمہیں یہ ساری معلومات کہاں سے ملی ہیں؟“ علیزہ نے اس کی بات پر کچھ تذبذب کا شکار ہوتے ہوئے

کہا۔

”کم آن علیزہ! کم از کم تم تو ایسی بچوں جیسی باتیں نہ کرو، ہم دونوں جرلٹ ہیں اور تم جانتی ہو کہ جرلٹس

کے اپنے source of information (معلومات کے ذرائع ہوتے ہیں)

۔“ اور یہ کبھی کبھار غلط معلومات اور خبریں بھی دے دیتے ہیں۔“ علیزہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے

کہا۔

”ہاں بالکل دے دیتے ہیں مگر کم از کم اس شخص کے بارے میں میرے پاس جتنی بھی معلومات ہیں وہ

بڑے باوثوق ذرائع سے آئی ہیں اور وہ غلط نہیں ہیں۔ غلط ہو ہی نہیں سکتیں۔“ صالحہ نے اسی کے انداز میں اپنی بات

پر زور دیا۔

”پھر کبھی صالحہ! تمہیں ایک بار پھر ان تمام الزامات کی صداقت کو پرکھ لینا چاہیے۔“ علیزہ نے اس بار

قدرے کمزور آواز میں کہا۔

”اس کی ضرورت ہی نہیں ہے، جب میں کہہ رہی ہوں کہ یہ باوثوق ذرائع سے آئی ہیں تو میں مان لو کہ یہ

واقعی باوثوق ذرائع سے آئی ہیں اور غلط نہیں ہو سکتیں۔“ صالحہ نے اس کی بات کاٹنے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

”مگر مجھے حیرت ہے کہ آخر تم اس آرٹیکل میں موجود الزامات پر اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو۔ اس سے

پہلے تو کسی تم نے اس طرح کی کسی آرٹیکل پر کبھی اعتراض کیا نہ ہی مجھے خبردار کرنے کی کوشش کی ہے پھر اس بار کیا

خامس بات ہے۔“

صالحہ کچھ تجسس انداز میں کہا اور پھر بات کرتے کرتے چوک سی گئی۔ ”کیا تم اس شخص کو ذاتی طور پر

جانتی ہو؟“

علیزہ اس کا ایک بے چارے سوال پر گڑبگڑائی۔

”نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے میں اسے ذاتی طور پر کیسے جان سکتی ہوں، میں تو صرف اسے تمہیں

خبردار کر رہی ہوں کہ تمہارے لگے گئے الزامات بہت سنگین ہیں اور اخبار میں یہ آرٹیکل شائع ہو جانے کے بعد تمہیں

کسی پریکٹسی کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔“ علیزہ نے کہا۔

”یہ زمین العابدین کی دی گئی معلومات پر مشتمل آرٹیکل ہے اور زمین العابدین کی کتاب پر پیش ہے اور اس کی

دی گئی انفارمیشن کم قدر authentic (مستبر) ہو سکتی ہے تم خود اندازہ لگا سکتی ہو۔“

صالحہ نے اپنے اخبار کے سب سے اچھے انویسٹیکل جرنلٹ کا نام لینے ہوئے کہا۔

علیزہ کو دل بے اختیار دوڑ گیا۔ ”زمین العابدین؟..... کیا وہ اس پر کام کر رہی ہے؟“

”کی جی! اچھا! لیکن، مگر یہ اس کی اگلی اسائنمنٹ ہے۔“ صالحہ نے علیزہ کو گواہ کیا۔

”مگر زمین العابدین اس معاملے میں کیوں دلچسپی نہ رہا ہے، ایسے چھوٹے چھوٹے معاملات پر کام کرنا تو

کبھی اس کا خاصا نہیں رہا۔“ علیزہ نے خشک ہوتے ہوئے حلق کے ساتھ کہا۔

”یہ تو زمین العابدین ہی بتا سکتا ہے۔ مجھے تو سنس سٹوڈنٹس کے لیے ایک آرٹیکل لکھنا تھا اور اس کے

لیے مجھے انفارمیشن کی ضرورت پڑی تو کسی نے مجھے ٹیپ دی کہ زمین العابدین کی اگلی اسائنمنٹ یہی ہوگی اور وہ یقیناً

اس بارے میں میری مدد کر سکتا ہے۔“ صالحہ نے بولی یاد دلائی ہے کہا۔ ”جب میں نے زمین العابدین سے بات کی تو

اس نے مجھے خاصی معلومات فراہم کیں۔“ صالحہ خاموش ہو گئی۔

علیزہ موبائل کان سے لگے کم مٹ مٹتی رہی۔

”ہیلو علیزہ۔“ صالحہ نے اسے خاموش پا کر کٹا گیا۔

”ہاں! میں سن رہی ہوں۔“ وہ غائب دہائی کے عالم میں بولی۔

”کیا اس سے ہو؟ میں تو اپنی بات ختم بھی کر چکی ہوں۔“ صالحہ نے بتایا۔ ”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

اسے اچانک تشویش ہوئی۔

”ہاں..... نہیں، سر میں کچھ درد محسوس ہو رہا تھا۔“ علیزہ کو اچانک اپنی گفتگو کی بے درگھی چھپانے کا

بہانہ مل گیا۔

”اچھا تو تمہیں چھوڑ جائیں۔“ صالحہ نے کہا۔

”ہاں، مجھے تمہارا آرٹیکل یاد آگیا۔ تم نے کہا تھا کہ میں آج ہی اسے پڑھ کر تمہیں اس کے بارے میں

دراے دوں۔“ علیزہ نے کہا۔

”اتنی ابھری ہوئی نہیں تھی، تمہاری طبیعت اگر ٹھیک نہیں تھی تو تم اسے نہ پڑھیں کل پڑھا جا سکتا تھا۔

بہر حال اب تم نے پڑھ لیا ہے تو تم مجھے بتا دو کیا اس میں کچھ بڑا ایڈیٹنگ کی ضرورت ہے۔“ صالحہ نے کہا۔

”اپنی رائے تو میں نے تمہیں دے دی ہے۔ مجھے الزامات کچھ زیادہ سنگین لگے لیکن اگر تمہیں یقین ہے کہ وہ

ٹھیک ہیں اور بعد میں ان کی وجہ سے تمہیں کسی پریکٹسی کا سامنا نہیں ہوگا تو ٹھیک ہے تم اسے بھیجا دو۔“ علیزہ نے کہا۔

”میں نے تمہیں بتایا ہے۔ اس اسائنمنٹ پر زمین العابدین کا کام کرنے والا ہے اور اس کے سامنے تو میرا

آرٹیکل اور اس میں شامل الزامات کچھ بھی نہیں ہیں، وہ تو جس طرح گڑے مردے اکھاڑتا ہے، تم اچھی طرح جانتی

زین العابدین اب جین الاقریٰ فومر میں بلویا جاتا تھا وہاں وہ پاکستان میں جرترزم کے حوالے سے چڑا آنے والے واقعات اور حادثات کے ساتھ ساتھ حالات بھی سناتا۔ اس کی سادھ اور نام دن بدلتا ہوتا جاتا۔ ہر اس شخص اور ادارے کو خاص طور پر بدست سمجھا جاتا جس پر زین العابدین کی نظر ٹھہر جاتی۔ ہر ایک کو بات کا یقین ہوتا کہ وہ شخص اب اپنے کیریئر کی آخری نیزگی پر کھڑا زین العابدین کے ہاتھوں منہ کے تل گرنے کا شکار ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے سیاست دان زین العابدین کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔

وہ صحافت کی دنیا کا ایک ایسا "کھڑ" بن چکا تھا جو بیٹوں کی سرزمین میں دھناتا پھرتا تھا۔ عمر جہانگیر جیسے چھوٹے موٹے بیوروکریٹس اس کی نظر میں بھی نہیں آتے تھے لیکن اب اگر زین العابدین نے عمر جہانگیر پر کام کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا تو ظہیر و امادہ کو کتنی تھی کہ آنے والے دن عمر جہانگیر اور اس کے خاندان کے لیے کیا بچھ کر آئے والے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ آنے والے دنوں میں زین العابدین عمر جہانگیر کو فرسٹ بیچ نیوز بنانے والا تھا اور زین العابدین کے ساتھ وہ والی یہ ٹیل عمر جہانگیر کے کیریئر کے خاتمے کی جہل گولی تھی۔

اسے سالو کے آرٹیکل میں موجود عمر جہانگیر پر لگنے والے قیام الزامات میں سے کسی پر یقین نہیں آیا تھا مگر سالو کے منہ سے یہ سن کر کہ یہ قیام مصلومات اسے زین العابدین نے پہنچائی تھیں، اسے یہ تو امادہ ہو گیا تھا کہ وہ سب کچھ جھوٹ نہیں ہو سکتا مگر اس کے بارہو وہ عمر اور اپنی فیملی کے لیے پریشان تھی۔ زین العابدین بال کی کمال اتار دیا کرتا تھا۔ وہ متعلقہ شخص کے ہر شے دار کے بارے میں الوٹھی کیمن کیا کرتا تھا اور پھر بڑے دھڑلے سے ہر شخص کا کیا چٹھا اخبارات میں چیں کر دیا کرتا تھا۔ Nothing but the truth کے عنوان کے ساتھ اور وہ اپنی زندگی اور کیریئر کے اس بیچ پر اپنی فیملی کی فیملی کے کسی شخص کو اخبارات کے صفحات پر دیکھا نہیں جانتی تھی۔ چاہے وہ شخص عربی کیوں نہ ہو، چاہے وہ سب کچھ یہ کیوں نہ کر رہا ہوتا جو عمر کر دیا تھا وہ سالو کے آرٹیکل کو بچڑے خالی الذاتی کی کیفیت میں بھیجی رہی۔

☆☆☆

عمر جہانگیر اور زین العابدین کے جھگڑے کی ابتدا اب اور کسی طرح ہوئی تھی؟ اس کا امادہ وہ بھی کئی مہینے طرح سے نہیں لگا سکتا تھا۔

عمر کی پچھلک اس وقت پاکستان کے پہلے پانچ بڑے شہروں میں سے ایک میں تھی۔ عمر اور تجربہ کے لحاظ سے وہ پولیس سروس کے سب سے جونیئر آفیسر میں شامل تھا اور ایک جونیئر آفیسر کے پاس اس شخص کا ہونا حیران کن بات تھی۔ پاکستان میں شاید یہ اپنی حیران کن بات بھی نہیں جانی جاتی ہے کہ جہاں پولیسٹو میں خاندانی اثر و رسوخ ایک بہت بڑا کردار ادا کرتا ہے اور عمر جہانگیر کے خاندان میں یہ دور کر سکی سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی شخص ایسا نہیں تھا جو کسی غیر اہم پوسٹ پر ہوتا اور یہ صرف عمر پر یہ موقوف نہیں تھا، سول سروس کے زیادہ تر آفیسر بھی ایسی ہی جگہ کیوں میں ہاتھ دھو رہے تھے یعنی انہیں اپنی قدر غیر معمولی بات نہیں تھی جو زین العابدین جیسے جڑت کو عمر کی طرف متوجہ کرتی۔ اس سے پہلے زین العابدین کے ریکارڈ پر کسی نو آواز بیوروکریٹ کی چھوٹی موٹی اچھ کی معنائیاں شامل نہیں تھیں۔ اس نے جب بھی کسی بیوروکریٹ پر لکھا تھا وہ اس کی اور اکیس کر لیا ہوا آفیسر ہوتا تھا اور زین العابدین نے کسی بڑے سینکڑا کی

ہو۔ "ظہیر و امادہ دوسری طرف سے سالو کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔
"ٹھیک ہے، پھر تم اسے مجھو اور "ظہیر و" اسے اپنے لہجے کے اضطراب کو چھپاتے ہوئے کہا۔
"تم صبح آ رہی ہو؟" سالو نے اس سے پوچھا۔
"کہاں؟" ظہیر و نے ایک بار مہر غائب دماغی سے کہا۔
"بھئی آؤ اور کہاں؟"
"ہاں، آؤ تھیں آؤں کی کم یوں پوچھ رہی ہو؟" ظہیر و نے کہا۔
"نہیں، میں نے سوچا تھا یہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو شاید تم صبح آؤ۔" سالو نے کہا۔
"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے یہ کیسے نہ کیا، میری طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے۔" ظہیر و نے بے اختیار کہا۔
"ابھی تم نے خود مجھ سے کہا ہے۔" سالو نے حیرت سے کہا۔
"ہاں! اہں میرے..... اپنی زیادہ طبیعت خراب نہیں ہے۔ چلو، خیر، صبح بات کریں گے۔"
وہ بات کرنے کے دوران مسلسل دبی رہی اور پھر اس نے بات ختم کرنا مناسب سمجھا، وہ نہیں جانتی تھی سالو اس کے اس رویے سے حیرانہ اندازے لگانے کی کوشش کرے۔
موہاں بند کر کے اس نے بے دلی سے سائینیل پر دکھ دیا اور ایک بار پھر اس آرٹیکل کو دیکھنے لگی۔ اس کی

بند کر کے جیسے غائب ہو گئی تھی۔

"زین العابدین!" وہ آرٹیکل پر نظر دوڑاتے ہوئے بڑبڑائی۔ صحافی سطوں میں وہ شخص چنیدہ ورا کسز کھولنے میں شہرت رکھتا تھا۔ آج تک وہ جن اسٹیمس پر کام کر چکا تھا ان میں کوئی بھی اس کے فراہم کیے جانے والے خاتون کو پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ نہ ایسی کسی اسٹیمٹ کے بعد اس کے اخبار کو بھی کسی معذرت کی ضرورت پڑی تھی۔ وہ بڑے بڑے سیاسی کرائی سیاست دانوں، فوجی جرنیلوں، صنعت کاروں اور بیوروکریٹس کے کیریئر ڈوبنے میں شہرت رکھتا تھا اس کے ذرا لگے مصلوٹان تھے یا کیا تھے یہ کئی نہیں جانتا تھا مگر وہ اپنی جگہ رپورٹس میں جو کچھ پیش کیا کرتا تھا۔ وہ حقائق کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ سچ اور کھانا ڈانے حقائق۔

چونتیس سالہ زین العابدین نے اپنے اہل سالہ کیریئر میں اسے اپنی این ایس کے بہت سارے ایوارڈ جیتے تھے اور وہ صرف کئی طور پر نہیں تھی جن الاقریٰ فومر پر بھی جانا جاتا تھا۔ نیو یارک ٹائمز، پوسٹ، اس انٹیلیسٹ ناٹورل ڈی ای بورڈ جیسے اخبارات پاکستان کے بارے میں شائع کی جانے والی خبروں اور رپورٹس میں زین العابدین کے آرٹیکل اور رپورٹس کا حوالہ دینے میں کوئی غامض نہیں تھے۔

چار دفعہ ہونے والے قاتلانہ حملوں نے زین العابدین کی سادھ میں اور اضافہ کر دیا تھا، کیریئر کے شروع میں اپنی رپورٹس پر اٹھنے والے بگاڑے کے بعد اسے دو اخبارات میں ان رپورٹس کی گونج سنائی دی تو ملک کے چند دوسرے بی این ایس ایوارڈ جیتنے کے علاوہ بین الاقوامی اخبارات میں ان رپورٹس کی گونج سنائی دی تو ملک کے چند دوسرے بڑے لکھنے اخبارات نے زین العابدین کو مستقل طور پر اپنے ساتھ ملک ہونے کی پیش کش کی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ زین العابدین نے ایک اخبار کی رفر کھل کر لی اور پھر گزرنے والا ہر دن اس کی سادھ اور نام کو پہلے سے بھرتا جاتا گیا۔

وجہ سے ہی اس پر لکھا تھا پھر عمر جہانگیر کی طرح اس کی توجہ کا مرکز بنا تھا علویہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

تیسرے دن اخبار میں صالحہ کا آؤنگل چھپ چکا تھا۔

علویہ نے جب سے اس نئے جذبہ میں کام کرنا شروع کیا تھا عمر کی اپنے شہر میں کارکردگی کے حوالے سے کئی بار اخبار میں اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ شائع ہوتا رہتا تھا۔ بعض دفعہ اس پر تنقید ہوتی، بعض دفعہ اسے سراہا جاتا اور بعض دفعہ اس کی سرگرمیوں کے حوالے سے معلومات ہوتیں۔

پھر ایک دم اس کے حوالے سے آنے والی خبروں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کے خلیع میں امن و امان کی صورت حال خراب ہوتی جا رہی تھی۔ فرقہ وارانہ کشمکش کے حوالے سے حساس ترین شہروں میں سے ایک میں اس کی قیادت کے عرصہ کے دوران دہشت گردی کی کسی فرقہ وارانہ قتل کی کوئی پیش قدمی نہیں کی گئی تھی۔ ری اور ڈول کے طور پر پولیس کے کیے جانے والے اقدامات جن میں ضرورت سے زیادہ گرفتاریاں شامل تھیں وہ بھی اخبارات میں آتی تھیں۔ پھر آخر اوقات وہ پریس کانفرنس میں پولیس کی کارکردگی کے حوالے سے ستائشیاں دیتا بھی نظر آتا۔

کچھ عرصے کے بعد اس نے دھڑا دھڑا اپنے علاقے میں معطلیاں شروع کر دیں، اس کا نتیجہ امن و امان کی صورت حال میں بہتری کی صورت میں آیا مگر دوسری طرف خلیع میں، اپنے عہدہ میں اس کے لیے کاپنڈ پیک میں اضافہ ہوتا گیا۔

پھر اچانک اپنے شہر میں ہی سبزی منڈی کے حوالے سے اس کا اور اس کے شہر کے ڈپٹی کمشنر کا چرچا پیش پریس میں چند کالم نویسوں کے قریبی کالموں میں سام گیا۔

اس کے شہر میں موجود سبزی منڈی ملک کی چند ہی گندمی ترین اور غلط منصوبہ بنے ہوئی سبزی منڈیوں میں سے ایک تھی۔ منڈی کو صرف دو راستے جاتے تھے اور ان دونوں راستوں پر اس قدر رش ہوتا تھا کہ ٹریفک کو گزرنے اور نکلنے میں کئی گھنٹے لگ جاتے۔ ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے وہاں ہر وقت ایک بنگالے کی حالت پر راجتی۔ خاص طور پر صبح فجر اور رات کے اوقات میں جب وہاں ٹرکوں اور ٹرانزپوں پر دوسرے شہروں سے پھل اور سبزی آتی اور ان اجناس کے خریدار مختلف دکاندار اور درجید والے وہاں آتے۔

منڈی میں نہ صرف ٹریفک کا نظام بہت برا تھا بلکہ گندمی کے لحاظ سے بھی اس کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ وہاں سے گزرنے والے دکاندار پانی کا نالہ گدی سڑی سڑی اور پھلوں اور ان کے پھٹکوں سے ہر وقت مجرا رہتا۔ کوڑے کی مقدار اس حد تک زیادہ ہو جاتی کہ پانی کا بہتا بھی مشکل ہو جاتا، نتیجہ یہ تھا کہ پانی بڑی طرح مستحق ہو جاتا، منڈی میں کچھ دکاندار جو کھوس کا کام لگتا تھا۔

برسات کے دنوں میں صورت حال اس قدر خراب ہو جاتی جب نالے میں یکدم پیچھے سے بہت زیادہ پانی آ جاتا اور وہ پانی گزرنے کے بجائے منڈی میں سیلابی ریلے کی صورت میں بھرتا رہتا، پانی کا یہ بچھڑ مارا پلا کئی گنی پٹنے منڈی میں موجود ہوتا اور لوگ اسی حالت میں وہاں کا دہار کرتے رہتے۔ کئی بھتوں کے بعد یہ پانی اتار بھی جاتا جب بھی زمین کو خشک ہونے میں کئی دن لگتے۔ بعض دفعہ وہاں دباؤ میں بھی چھوٹ پڑتیں۔ مگر لوگوں کو ان

چیزوں کی زیادہ پروا نہیں تھی۔

شہر کی انتظامیہ کئی سال پہلے ہی سبزی منڈی کے لیے نہ صرف جگہ مخصوص کر چکی تھی بلکہ بڑے اچھے طریقے سے اس کی پانچ گنے کے بعد کانوں کی تعمیر بھی کی گئی، اس کام میں کارڈوں اور پیسے خرچ ہوئے لیکن جب انتظامیہ اور بلدیہ نے سبزی منڈی کوئی جگہ پر منتقل کرنے کی کوشش کی تو ایک بنگالے پر پا ہو گیا۔

نئی سبزی منڈی آبادی سے غامی دور تھی جب کہ موجودہ سبزی منڈی شہر کے تقریباً وسط میں تھی اور شہر کے اندر ہونے کا یہ قاعدہ کوئی بھی سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

منڈی کے آؤتھیں، بیو پاروں اور خریداروں نے آسان کو کچھ اس طرح سر پر اٹھایا کہ انتظامیہ نے منڈی کو کوام کی بہت سے پیش نظر ہی جگہ پر منتقل کرنے کا کام مصل کر دیا۔ آؤتھیں اور بیو پاروں کی وہمکیاں کوئی بھی سیاسی حکومت ان کو نہیں کر سکتی تھی کیونکہ ہر ایک کو ان کے دوٹوں کی ضرورت تھی اور کوئی رکن اسمبلی یا بلدیہ کا میئر یہ نہیں چاہتا تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں دوٹ اس کے ہاتھ سے نکل جائیں۔ اس لیے جتنے شور شرابے سے ”عوام کی بہت“ کے پیش نظر اس منڈی کو منتقل کرنے کا منصوبہ شروع کیا گیا تھا، اتنی ہی خاموشی کے ساتھ اس منصوبے کو کوام کی بہت کے لیے ترک کر دیا گیا تھا۔

نئی تعمیر شدہ منڈی شہر سے باہر اپنے بھٹیوں کا انتظار ہی کر رہی۔ پھر برائی آنے والی انتظامیہ اور بلدیہ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور ہر بار وہ وہ دودھ کے بھاگ کی طرح پیٹتے رہے۔ بلدیاتی انتخابات میں ہر بار شہریوں سے منڈی کی شہر سے باہر منتقل کے وعدے پر ووٹ لیے جاتے اور انکسٹین جیتنے کے بعد اس وعدے کو کبھی پشت ڈال دیا جاتا۔ پھر اس کام کا بیڑا مرضی میڈا میں عرصہ جہانگیر نے اٹھایا تھا۔ تمام سیاسی دباؤ کو کبھی پشت ڈالنے ہوئے سبزی منڈی کی کاروبار کرنے والے لوگوں کو ڈانٹ دے دتی تھی۔ دوٹوں پر پیچھے سے پڑنے والا دباؤ اس لیے کارگر عہد میں ہوتا تھا کیونکہ دوٹوں ہی بہت باڈر خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی فرمائش کروانا آسان کام نہیں تھا۔

رضی عمر جہانگیر کے بیچ میں سے تھا اور اس کی عمر کے ساتھ ابھی غامی دور تھی۔ ایک ہی خلیع میں اتفاقاً ہونے والی قربانی کے دوران دوٹوں کے درمیان ہر معاملے میں ابھی غامی کو آؤتھیں رضی اور سبزی منڈی کی تبدیلی کے لیے کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔

جب کسی قسم کا کوئی دباؤ کام میں نہیں آیا تو آؤتھیں اور بیو پاروں نے ہڑتال کی دھمکی دے دی۔ رضی محمود اور عمر جہانگیر نے بڑے گھمبیرانہ سے اس ہڑتال کی دھمکی کو نظر انداز کر دیا۔

منڈی کے لوگوں کے احتجاج میں اور شدت آ گئی اور سفرہ تاریخ پر ان کی ہڑتال شروع ہو گئی۔ سفرہ تاریخ پر رضی عمر جہانگیر نے خرمی شہر کی سبزی منڈی میں وہاں کے باڈر لوگوں کے ذریعے پھل اور سبزیوں منگوائیں اور شہر میں کئی جگہوں پر انتظامیہ اور بلدیہ کی زیر نگرانی سستے داموں فراہم کرنا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ سارے شہر میں اعلان ہوا کہ دہار کر اگلے دو ہفتوں میں انتظامیہ اور کئی کن جگہوں پر ایسے بازاروں کا انعقاد کرے گی اور ان کے اوقات کیا ہوں گے۔

غیر محدود مدت کے لیے شروع ہونے والی ہڑتال اگلے دن ہی ختم ہوگئی، انہیں منطقی انتظامیہ کی طرف سے ایسے کسی اقدام کا اندازہ نہیں تھا۔

ہڑتال ختم ہونے کے باوجود ہزبری منڈی میں کاروبار کرنے والوں کا احتجاج نہیں ختم ہوا بلکہ اس میں اور شدت آگئی اور جب مقررہ ڈیلر لائن پر پولیس منڈی کو خالی کرانے لگی تو آڑھینوں کی انجمن کے صدر نے انہیں وہ ایسے آڑو رکھایا جو وہ کوٹ سے لے چکے تھے۔ عدالت نے منطقی انتظامیہ کو جب تک ہزبری منڈی کو خالی کرانے سے روک دیا تھا جب تک اس مقدمے کا فیصلہ نہیں ہو جاتا اور مقدمہ کرنے والوں کو یقین تھا کہ مقدمے کا فیصلہ ہونے میں اتنا وقت ضرور لگ جائے گا کہ مر جائیں اور رضی محمود وہاں سے پوسٹ آڈٹ ہو جاتے اور ان کی جگہ پر آنے والے نئے افسر ضروری نہیں تھا کہ ان جیسے ہی ہوتے، ہزبری منڈی کے لوگوں کو یقین تھا کہ ان کا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ اسے آڑو رکھنے کے بعد ڈپٹی کمشنر اور ایس پی کی قیادت میں آنے والا پولیس کا دستہ بڑی خاموشی کے ساتھ ہزبری منڈی کے لوگوں کے بلند و بانگ تاقا زدنوں کی گونج میں کسی قسم کے رد عمل کا اظہار ہی بغیر وہاں کیسے چلا گیا۔

سارا دن ہزبری منڈی میں مٹھائیاں بچی رہیں، انتظامیہ کو ایک بار پھر شکست دے دی گئی تھی۔ انہیں شہر سے کوئی نہیں نکال سکا تھا۔

اگلی رات دوبارہ ہزبری منڈی کی طرف دوسرے شہر سے آنے والا ٹرک پولیس کے قائم کیے گئے اس کے تاکے پر کھڑا اور پر لدی ہوئی ایک بچی اتروا کر پولیس کے ان چار لوگوں کو دکھا رہا تھا جو کرسیوں پر بڑے اطمینان سے بیٹھے تھے۔ اس سڑک پر وہ پہلا تاکہ تھا اور اس تاکے کے بعد آدھو کسٹر کے قافلے پر چڑھا رہے ہی تاکے تھے۔ وہ ٹرک جو عام طور پر رات ڈھائی بجے کے قریب ہزبری منڈی پہنچ جاتا تھا، وہ اس دن صبح دس بجے کے قریب ہزبری منڈی پہنچا پولیس نے ہزبری منڈی کی دونوں بیرونی سڑکوں کو بلاک کر کے اس پر جابجا تاکے لگا دیئے تھے اور وہ دونوں سڑکیں مکمل طور پر بلاک ہوگئی تھیں۔ پولیس والے ایک ایک بچی اترا تے پھر چڑھتے اگلے تاکے پر پھر یہی عمل دہرایا جاتا، اس سے اگلے تاکے پر پھر..... انتظامیہ نے شہر میں اطلاع کر دیا تھا کہ اس دمان کی بجری ہوئی صورت حال کے پیش نظر شہر میں آنے والے تمام ٹرکوں کے سامان کی اچھی طرح چھان بین کی جائے گی اور شہر میں آنے والے زیادہ تر ٹرک ہزبری منڈی ہی جاتے تھے۔ نتیجتاً اس سڑک پر ٹرکوں کی لمبی قطاریں لگ گئیں اور گری کے موسم میں بہت سے ٹرکوں میں لدا ہوا پھل اور ہزبری بازار خراب ہونے لگے۔ دوسرے شہروں سے بھیجے جانے والے پھلوں اور ہزبریوں کے سودے ختم ہونے لگے۔

ٹرکوں پر لدے ہوئے پھلوں اور ہزبریوں کے خراب ڈیمر کو خریدنے کے لیے ہزبری منڈی میں کوئی تاجریں تھا اور دوسرے شہروں سے لوگ اپنی اجناس اس طرح ضائع کرانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ پولیس اسے آڑو کی پوری طرح پاس داری کر رہی تھی۔ ہزبری منڈی میں کاروبار کرنے والے کسی شخص کو شک نہیں کیا گیا تھا البتہ امن و امان کی حالت کو ٹھیک رکھنا ایک ایسا فرض تھا جو پولیس کو ہر صورت پورا کرنا تھا اور یہ کام رضی محمود اور مر جہانگیر اپنی عمرانی میں کر رہے تھے۔

پچھلے دن پرانی ہزبری منڈی کے لوگ خاموشی سے نئی ہزبری منڈی منتقل ہونا شروع ہو گئے، ایک ہفتہ میں یہ منتقلی ختم ہوگئی، ایک ہفتہ کے بعد پولیس نے اس سڑک پر تمام کے لیے کہتے ہوئے فہم کر دیئے کہ اس دمان کی صورت حال میں بہت زیادہ ہزبری آنے کی وجہ سے اب ان دو سڑکوں پر ٹاکوں کی ضرورت نہیں رہی۔ پرانی ہزبری منڈی سے نئی ہزبری منڈی میں منتقلی کا کام جس قدر سہولت سے ہوا تھا اور اس کے نتیجے میں شہریوں کو جو سکون کا سانس نصیب ہوا تھا۔ اس نے رضی محمود اور مر جہانگیر کے لیے بھی عام شہریوں کے اندر خاصے اچھے جذبات پیدا کیے تھے توکل پولیس میں شائع ہونے والی خبریں جن میں پولیس میں بھی آئیں اور پھر کچھ کالم نویسوں کے کالموں کی زینت بھی بنیں۔

بات شاید یہیں تک رہی تو رضی محمود اور مر جہانگیر کا بیورو والا دوپہا کی طرح قائم رہتا اور دوسرے لوگوں کی طرح علیحدہ بھی یہی سمجھتی رہتی کہ دونوں نے بڑے اچھے طریقے سے ایک مشکل صورت حال کو ہینڈ کیا تھا مگر معاملہ کے آرٹیکل نے اس تمام معاملے پر سے ایک نیا پردہ اٹھاتے ہوئے عمر اور رضی کی بیورو والی حیثیت کو ختم کرتے ہوئے انہیں دمان کی حیثیت دے دی تھی۔

ہزبری منڈی کی نئی جگہ منتقلی کے بعد رضی محمود اور مر جہانگیر نے شہر کے وسط میں موجود اس ہزبری منڈی کی کرد و دلالت کی زمین کو کچھ رقم آپس میں تقسیم کر لی تھی اور معاملہ اسے اس فراڈ کی تمام تفصیلات کو اپنے آرٹیکل میں شائع کیا تھا۔ اس نے نہ صرف زمین کے سنے مالکان کے ناموں کی تفصیل اور قحی بیکہ یہ بھی بتایا تھا کہ چند کالم نویسوں کو کس طرح روپیہ دے کر اخبارات میں رضی محمود اور مر جہانگیر کے نام نہاد پر فیضیوں کی تحریف کرتے ہوئے انہیں مثالی بیورو کریم قرار دیا گیا تھا۔ ایسے بیورو کریم جن پر اس ملک اور آنے والی لسٹوں کو فخر ہوگا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ پرانی ہزبری منڈی کا علاقہ جب شہر کے مصروف ترین کرشل ایریا میں شامل ہو گیا تھا اور اس کرشل ایریا میں اس شہر سے تعلق رکھنے والے ایک ایسے کالم نویس کو بھی کچھ زمین عطا کی گئی تھی جو اپنے کالموں میں دقا وقت اپنے آبائی شہر کے ڈپٹی کمشنر اور ایس پی کی تحریفوں میں زمین اور امان کے قلابے لٹا رہتا رہتا تھا۔ معاملہ نے زمین کے اس ٹکڑے کی دالت کے حوالے سے بھی تحریر کی ثبوت فراہم کیے تھے۔

مائلہ کے آؤپٹیل نے بہت سارے بچے کھول کر رکھ دیئے تھے اور اس رات اس آرٹیکل کو پڑھتے ہی علیحدہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ آرٹیکل مر جہانگیر کے لئے خاص مسائل کھڑے کر سکتا ہے اور ایسا ہی ہوا تھا اخبار کے دفتر میں اس آرٹیکل کے حوالے سے دھڑا دھڑ فون آ رہے تھے لوگ اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے اور ان میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو زمین کی اس خرید و فروخت کے حوالے سے مزید معلومات فراہم کرنا چاہتے تھے۔

شام کو وہ کھر آئی تو بہت زیادہ تھکی ہوئی تھی..... اپنے اخبار میں شائع ہونے والا وہ آرٹیکل اسے اپنے کدھوں پر ایک بوجھ کی طرح لگ رہا تھا..... وہ جانتی تھی وہ آرٹیکل عمر کو بھی خاصا پریشان کر رہا ہوگا اور عمر کی پریشانی کا تصور اس کے لئے بہت ناخوشگوار بات ہو رہا تھا۔

وہ ابھی اپنے کمرے میں آئی تھی کہ اس کا موبائل بجتے لگا نہ چاہے ہوئے بھی اس نے کال ریسیو کی۔

”میلو علیحدہ بھی ہو“ دوسری طرف سے میسج کی طرح ہنسنے لگا۔

”ہائل ٹیک ہوں۔“ علیہ نے اسے اپنے کمر بوجھل میں جھٹکتے ہوئے کہا۔

”ہائل ٹیک ہوتو یہ ابھی بات ہے اس کا مطلب ہے میں اگلے چندہ منٹ کے بعد تمہیں دز کے لئے

پک کر سکتا ہوں۔“ جنید نے بڑے خوشگوار انداز میں کہا۔

وہ انکار کر دیا جاتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا، وہ اپنے سر سے اس آرنگیل کو جھٹک دینا چاہتی تھی اور اس وقت جنید کے ساتھ گزارا ہوا کچھ وقت یقیناً اسے یہ موقع فراہم کر دیا۔

”ٹیک ہے، میں تیار ہو جاتی ہوں، آپ مجھے پک کر لیں۔“ اس نے بانی بھرے ہوئے کہا۔

فون بند کر کے وہ اپنے کمرے کے کمرے کے کمرے میں گھس گئی، اس کو اندازہ تھا۔ جنید واقعی چندہ منٹ بعد یہاں ہوگا اور وہ اس کو انتظار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

چندہ منٹ بعد جب وہ لاؤنج میں آئی تو جنید واقعی وہاں موجود نہ تو سے کپ شپ کر رہا تھا۔ وہ دونوں باہر نکل آئے۔

گاڑی میں جنید اس کے ساتھ کبھی پھٹکی گفتگو میں مصروف رہا۔ علیہ کو ہمیشہ کی طرح اپنی پینشن ریلیز ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔

جنید کم کو کمر ابھی گفتگو کرنے والا آدی تھا اور وہ بتاتا اچھا سامع تھا۔ جب بولنے پر آتا تو اس سے بھی زیادہ اچھا گفتگو کرنے والا ثابت ہوتا۔ اسی خوبی کے باعث علیہ نے جنید کو وقتی طور پر جلدی قبول کر لیا تھا۔

”کہاں چلیں؟“ اس نے بات کرتے کرتے ایک پک علیہ سے پوچھا۔

”کہیں بھی۔۔۔ میرے ذہن میں کوئی خاص جگہ نہیں ہے۔“ علیہ نے فزکی جگہ کے انتخاب کو اس پر چھوڑتے ہوئے کہا۔

”فاسٹ فوڈ؟“ جنید نے ایک بار پھر اس سے پوچھا۔

”یہ بھی آپ پر منحصر ہے۔۔۔ میں کسی خاص کھانے کا سوچ کر باہر نہیں نکلی۔“ علیہ نے ایک بار پھر پہلے کی طرح اس سے کہا۔

جنید اس کے جواب پر مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر تک وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا پھر اس نے علیہ سے کہا۔

”میں آج تمہارا بیڈ بھی دیکھ رہا تھا۔“ اس نے علیہ کو اسے اذیت کا نام لیتے ہوئے کہا۔ علیہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ اسے احساس ہوا کہ جنید خلاف معمول کچھ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

”اس میں، میں نے وہ آرنگیل پڑھا تمہاری دوست صالحہ کا آرنگیل۔“

علیہ کو بے اختیار سبکی اور جک کا احساس ہوا۔ جنید کے منہ سے اس آرنگیل کا تذکرہ سنا اس کے لئے سب سے زیادہ شرمندگی کا باعث تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی وہ اس کے خاندان کے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا۔

”اس نے تمہارے کزن کے بارے میں لکھا ہے، مگر جاگیر، تمہارا دی کزن ہے تاہم سے میں ملا تھا اور

پہ آرنگیل اسی کے بارے میں ہے؟“ جنید نے جیسے تصدیق چاہی۔

علیہ نے کچھ فٹ کے عالم میں سر ہلا دیا۔

”کافی فضول باتیں لکھی ہیں صالحہ نے۔“ جنید نے اس کے سر ہلانے پر تبصرہ کیا۔ علیہ خاموشی سے سامنے دیکھتی رہی۔

”اس قسم کے بے بنیاد الزامات لگانا جڑٹ کا کام نہیں ہوتا۔“ جنید کہہ رہا تھا۔

”تمہیں اس آرنگیل کے شائع ہونے سے پہلے صالحہ نے اس کے بارے میں بتایا ہوگا۔“ اچانک اس نے پوچھا۔

”ہاں، اس نے مجھے بتایا تھا۔“ علیہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”پھر تمہیں اسے منع کرنا چاہیے تھا کہ وہ تمہاری بیٹی کے بارے میں اس طرح کا آرنگیل نہ لکھے۔“ جنید نے سنجیدگی سے کہا۔

علیہ نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ”میں منع کیسے کر سکتی تھی؟“

جنید نے اس کی بات پر گردن موڑ کر دیکھا۔ ”وہ تمہاری دوست ہے۔ تم چاہتیں تو اسے منع کر سکتی تھیں۔“ اس نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”نہیں، میں اسے منع نہیں کر سکتی تھی۔“ علیہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”کیوں۔۔۔ تم ایسا کیوں نہیں کر سکتی تھی؟“ جنید نے پوچھا۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے اس کی چہرہ کو دیکھتی رہی پھر گردن موڑ کر گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

”جڑٹش دوستوں کے کہنے پر اپنی کہانیاں نہیں بدلا کرتے۔“ اس نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

جنید اس کی بات پر بے اختیار ہنس اٹھا۔ علیہ ایک بار پھر اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

”تم کیا بات کر رہی ہو علیہ۔۔۔ ایہ پاکستان ہے۔ یہاں سب کچھ ہوتا ہے اور یہاں جڑٹس کس طرح کے ہوتے ہیں، وہ تو مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہو کیونکہ آخر تم اس پر فیشن سے منسلک ہو۔“

وہ جنید کے منگے سے پہلے ہی اس کا کہنا کہ لاگ تبصرہ سے ہی تھی اور شاید اس تبصرے نے اسے کچھ دیر کے لیے حیران بھی کر دیا تھا۔ اسی لیے وہ جنید کی بات کے جواب میں فوری طور پر کچھ کہنے کے بجائے خاموش ہو گئی۔

جنید کو کھلم کھاس ہوا کہ علیہ کو شاید اس کی بات بری لگی تھی۔

”میں نے ایک جزل تبصرہ کیا ہے۔ میں کسی خاص شخص کے حوالے سے ایسا نہیں کہہ رہا۔“ اس نے ضاحت کی۔

”میں صالحہ سے وہ آرنگیل شائع نہ کرنے کے لیے کیوں کہتی؟“ اس نے سنجیدگی سے جنید سے پوچھا۔

جنید نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ”کیونکہ وہ تمہاری بیٹی کے ایک فرد کے بارے میں تھا۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کس کے بارے میں تھا۔“ جنید اس بار خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھا رہا۔

علیہ ہے جنید کو خود سے دیکھا "عرعر برا کزن ہے، میں عمر کو آپ سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ کیا کر سکتا ہے اور کیا نہیں۔ اس کے بارے میں بھی میری رائے آپ سے زیادہ اہم ہے اور میں سالہ کو بھی اچھی طرح جانتی ہوں وہ کسی Defamation Campaign کا حصہ نہیں ہو سکتی۔" اس نے حکم انداز میں کہا "اور آخر وہ ایسی کسی کمپین کا حصہ کیوں ہے گی۔ اس کی عمر جہانگیر سے کوئی مخالفت ہے نہ ہی اس کے کسی سے کوئی فائدہ حاصل کرنا ہے۔ عمر وہی کاٹ رہا ہے جو اس نے بویا ہے۔" اس نے کندھے اچکا ہے۔

"سالہ کے پاس اس آرنگیل کے لیے میٹرل کہاں سے آیا؟ وہ تو عام طور پر ایسے ایٹوز پر نہیں لکھتی۔" جنید نے اچانک اس سے پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتی۔ سالہ سے اس آرنگیل کے بارے میں میری کوئی بہت تفصیلی گفتگو نہیں ہوئی۔" علیہ نے کہا۔

"کیا یہ حیران کن بات نہیں ہے کہ سالہ نے ایک دم اس قسم کا تنازعہ ایٹو لے کر اس پر لکھا جب کہ اسے اس کا کوئی تجربہ ہے، نہ ہی اس حوالے سے اس کا کوئی بیک گراؤڈ ہے۔"

"یہ بات اتنی حیران کن نہیں ہے جتنی آپ کو لگ رہی ہے، وہ جرنلٹ ہے۔ جب چاہے جس چیز کے بارے میں لکھ سکتی ہے۔ اہم بات تو صرف یہ ہے کہ جو چیز لکھی جائے وہ اچھی طرح لکھی جائے اور اس میں کوئی جھول نہ ہو اور میں سمجھتی ہوں اس کے پاس آرنگیل میں کوئی جھول نہیں ہے۔" علیہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"لیکن سالہ کے پاس ان تمام باتوں کے بارے میں اتنی معلومات اور ثبوت کہاں سے آئے ہیں۔ کیا وہ عمر کے شہر کی جی۔" جنید نے پوچھا۔

"نہیں، وہ وہاں نہیں گئی۔ اس نے یہ ساری انفارمیشن ایک دوسرے جرنلٹ سے لی ہیں۔" علیہ نے کہا۔ "دوسرے جرنلٹ سے؟" جنید جھک حیران ہوا۔

"ہاں ایک دوسرے جرنلٹ سے۔ وہ اس ایٹو پر کام کر رہی تھی۔ انفارمیشن کی ضرورت پڑی تو اس نے اس سے مدد لی۔" علیہ نے بتایا۔

"کس جرنلٹ سے؟" جنید نے پوچھا۔

"آپ اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔ یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے، یہ عمر کا پرالم ہے۔ ہم خواہ مخواہ اس کے بارے میں کیوں پریشان ہوں۔" علیہ نے جنید کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا۔

"کیا تمہیں یہ حیرانی کی بات نہیں لگ رہی کہ سالہ نے ایک دوسرے جرنلٹ کی فراہم کردہ معلومات اپنے آرنگیل میں شامل کیں۔ یہ پریسٹنٹزم ہے۔ ان چیزوں کو شائع کرنا یہ کہہ کر یہ proofs authenticated (مستند ثبوت) ہیں جب کہ حقیقت آپ خود بھی اس کی authenticity کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔" جنید نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ کوئی بات نہیں ہے ہم لوگ اکثر آپس میں معلومات کا تبادلہ کرتے رہتے ہیں۔" علیہ نے اس کے

وہ ایک دم بہت سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔

"پرنٹس کو بے بنیاد الزامات لگانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

سالہ کا کہنا ہے کہ وہ بے بنیاد الزامات نہیں ہیں۔

"ہر چیز اس وقت تک بے بنیاد ہوتی ہے جب تک اس کے بارے میں ثبوت نہ دیے جائیں۔"

"سالہ نے اپنے آرنگیل میں اتنے ثبوت دیے ہیں جتنے ضروری تھے۔"

"ایسے ثبوت کوئی بھی دے سکتا ہے۔ چار چوکوں کے بیانات اور چند کاغذات کی نقل کوئی ایذا ٹھوت نہیں ہوتا کہ اس کی بنیاد پر ایک اہم عہدے پر فائز شخص کے بارے میں اخبارات میں کوئی چیز شائع کر دی جائے۔"

وہ اس بار جنید کی بات پر خاموش رہی۔

"ایک ذمہ دار جرنلٹ کی ذمہ داری صرف دوسروں پر پھینکا جھاننا ہی نہیں ہوتی۔ حقائق کو حقائق بنا کر پیش کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، مرجع سالہ کا انہیں ہر رنگ نغز بنا کر پیش نہیں کرنا چاہیے۔" جنید بول رہا "تم تو خود جرنلٹ ہو، ان چیزوں کو کچھ سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہو۔ جنہیں سالہ سے اس کے بارے میں بات کرنی چاہیے تھی۔" جنید نے ایک بار بھرا اپنی بات دہرائی۔

"میں اس سے یہ سب نہیں کہہ سکتی تھی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میں نے سالہ کو عمر جہانگیر سے اپنے کسی تعلق کے بارے میں نہیں بتایا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ میرا چلی مبر ہے۔" کاڈی میں کچھ دیر خاموش رہی۔

"جنہیں اسے بتادینا چاہیے تھا۔" جنید نے کچھ دیر بعد کہا۔

"میں نے یہ ضروری نہیں سمجھا۔ یہ عمر جہانگیر اور سالہ کا مسئلہ ہے، میں اس میں کیوں آؤں؟" اس نے بڑی مزاحمت سے کہا۔

"یہ صرف عمر جہانگیر اور سالہ کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ تمہاری چلی کا بھی مسئلہ ہے۔ عمر تمہاری چلی کا ایک حصہ ہے۔ چلی کے ایک شخص کا نام خراب ہو تو پوری چلی پر اثر پڑ جاتا ہے۔ تم اتنی پتھور تو ہو کہ یہ بات سمجھ سکو۔" جنید چل بھرے انداز میں اسے سمجھاتا رہا۔

"یہ بات عمر کو سمجھتی چاہیے۔ وہ اس طرح کی پیکٹور میں الزام لگوانا ہوتا ہے کہ بعد میں پریس کے ہاتھوں سیکڑ لڑے ہو۔ اگر اس کو خود اپنی اور اپنی چلی کی عزت یا پریس کی پراپٹس ہے تو کوئی دوسرا کیوں کرے۔"

علیہ نے ایک بار بھر دوسری جواب دیا۔ اسے جنید کے منہ سے عمر کے لیے نکلنے والے یہ حقائق نقرے اچھے نہیں لگ رہے تھے۔

"مجھے اس آرنگیل کی کسی بات پر یقین نہیں ہے۔ مجھے وہ صرف ایک defamation campaign کا حصہ لگے۔" جنید نے کندھے اچکا ہے ہوئے کہا۔

اعتراف میں جواب میں کہا۔

”اور اگر وہ افغانی غلط ہو تو؟“ جنید نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

”ایسا نہیں ہوتا۔“ علیرہ نے مدغم آواز میں کہا۔

”ہو بھی سکتا ہے آخر جنٹلمن پروڈی تو ذرا نہیں ہوتی۔“

”ہم صرف وہی افغانی میں دوسرے کو دیتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں یہ یقین ہو کہ وہ غلط نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اگر غلط افغانی دیں گے تو اپنا انج بھی خراب کریں گے اور اخبار کا بھی۔“ علیرہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”صالحہ کو کس نے افغانی میں دی تھی؟“ جنید نے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اس سے پوچھا۔

”زین العابدین نے۔“ علیرہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”زین العابدین نے؟“ وہ چونک سا گیا۔

”اور آپ جانتے ہیں زین العابدین غلط افغانی میں فراہم نہیں کر سکتا۔ کم از کم اس معاملے میں اس کی کریڈیٹبلیٹی پر شک نہیں کیا جاسکتا۔“ علیرہ نے کہا۔

”مگر زین العابدین کے پاس عمر کے بارے میں اتنی معلومات کیسے آگئی ہیں۔ عمر بورس کا تو دور در تک بھی کوئی تعلق نہیں بنتا۔“ جنید نے کہا۔

”زین العابدین! عمر کے بارے میں اگلے کچھ مہینوں میں کسی اسائنمنٹ پر کام کرنے والا ہے اور وہ اسی سلسلے میں عمر کے بارے میں تمام معلومات انہیں کر رہا ہے۔“ علیرہ نے پروڈی سے لڑکھائی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔

”کس طرح کی اسائنمنٹ، کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے؟“ جنید نے اس سے پوچھا۔

”نہیں، میں کچھ نہیں جانتی۔ ہو سکتا ہے اسی طرح کے چھوٹے موٹے معاملات ہوں۔“ علیرہ نے اپنی رائے دی۔

”مگر زین العابدین چھوٹے موٹے معاملات پر تو کام نہیں کرتا۔“ جنید بڑبڑایا

”ہو سکتا ہے، زین العابدین کے نزدیک یہ چھوٹا معاملہ نہ ہو۔ اس کے علاوہ کئی اور بات ہو جو اس کی دلچسپی کا باعث ہو۔“ علیرہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

”ہاں۔ جانتا ہوں۔ اس کے نزدیک یہ دلچسپی کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے۔“ جنید بے اختیار بڑبڑایا اور علیرہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”آپ زین العابدین کو ذاتی طور پر جانتے ہیں؟“ اس نے جنید سے کہا۔

”کسی حد تک۔۔۔ تم معاملے سے کہو کہ وہ ان معاملات سے دور ہے۔ یہ بہت خطرناک معاملات ہیں اور بہتر ہے کہ دوسرے کے ہاتھ کا ہتھیار نہ بنے۔“

جنید نے اچانک گاڑی ایک ریسٹورنٹ کی پارکنگ میں داخل کرتے ہوئے کہا۔

”جنیدا! آپ جا رہے ہیں، میں صالہ کو دھکاؤں؟“ علیرہ کو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

”نہیں، میں جانتا ہوں تم ایک اچھی دوست کی طرح اسے ایسے آرنیکل تحریر اور شائع کرنے کی صورت میں پیش آنے والے اندازات اور خطرات کے بارے میں آگاہ کرو۔“ جنید نے گاڑی روکے ہوئے کہا ”مجھے امید تو یہی ہے کہ وہ تمہاری فصاحت پر کان نہیں دھرے گی مگر ہر گز تم اپنا فرض تو ادا کرو۔“

”صالہ کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟“ وہ اچھے ہوئے تاثرات کے ساتھ جنید کو دیکھنے لگی۔

”یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں۔ میں متعلق پارٹی نہیں ہوں یہ تو متعلق پارٹی ہی بتا سکتی ہے کہ وہ ایسی صورت حال میں کیا قدم اٹھاتی ہے۔“ جنید نے لا پرواہی سے اپنے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

”فرض کریں اگر یہ آرنیکل آپ کے بارے میں ہوتا تو آپ کا رد عمل کیا ہوتا؟“ علیرہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”میرا رد عمل؟“ جنید چہلے سوجھا نہا۔ ”میں صالہ پر پریذ کوورٹ میں لے جاتا، جگ عزت کے دعویٰ میں“ جنید نے چہلے سوجھنے کے بعد کہا ”نہ صرف اسے بلکہ اس کے اخبار کو بھی۔“

”یہ آپ اس صورت میں کرتے اگر الزامات غلط ہوتے، فرض کریں اگر الزامات صحیح ہوتے تو پھر آپ کیا کرتے؟“ جنید علیرہ کا چہرہ دیکھنے لگا۔

”جب تو آپ کبھی نہیں اسے کوورٹ میں لے جانے کا نہیں سوچ سکتے تھے تب آپ کیا کرتے؟“

”میں نے ایسے ہی کسی اقدام سے بچنے کے لیے تمہیں صالہ کو گھٹا کرنے کے لیے کہا ہے۔“ جنید نے پرسکون انداز میں کہا۔

”یعنی آپ اب بھی یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ الزامات غلط نہیں؟“ جنید کچھ ٹھنوں کے لیے کچھ نہیں بول سکا۔ وہ دوؤں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

”کیا آپ جتنے انکس ایاز یا عباس سے مجھ سے سب کچھ کہنے کے لیے کہا ہے؟“ علیرہ نے پرسکون آواز میں پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔۔“ جنید نے گاڑی بند کر دی۔

”پھر آپ اس سارے معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں؟“ اس کے لہجے میں سدبہری تھی۔

”میں آج آپ کو یہ صاف صاف بتا دوں کہ میرا خاندان صرف میرا خاندان ہے۔ وہ آپ کا خاندان نہیں ہے اور میں یہ پسند نہیں کروں گی کہ آپ میرے خاندان کے بارے میں مجھے کوئی مشورہ دیں یا میرے خاندان کے کسی معاملے کو اتنی تفصیل سے زیر بحث لائیں۔“

جنید ہکا بکا اسے دیکھتا رہا۔

”انکس ایاز کے خاندان سے آپ کے تعلقات کتنے گہرے ہیں یا عباس بھائی سے آپ کی دوستی کی نوعیت

سے اس کی بات کاٹنی۔

”پھر آپ اور کس رشتے کی بات کر رہے ہیں۔ جہاں میں غلط نہیں ہوں۔“

”میں تمہاری اپنی فیملی کی بات کر رہا ہوں۔“

”آپ باہر بیٹھ کر اپنے خاندان کے ساتھ میری غلطی کے بارے میں اندازے مت لگائیں۔“ وہ ایک بار پھر مشتعل ہوئی۔ ”ان کے ساتھ میرے تعلق کو آپ سمجھ سکتے ہیں نہ آپ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔“

”کیوں ضرورت نہیں ہے مجھے؟“

”کیونکہ آپ میرے خاندان کا حصہ نہیں ہیں۔“

”ابھی نہیں ہوں..... جو جاؤں گا۔“

”نہیں۔ جب تک میں نہیں ہوں گے۔ میں آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں۔ میری فیملی میری فیملی ہے۔ ان کا تعلق صرف مجھ سے ہے اور آپ کا تعلق بھی صرف مجھ سے ہے۔ آپ کا اور میری فیملی کا آپس میں کوئی تعلق نہیں رہی آئندہ کبھی بن سکتا ہے۔“

جنید نے اس کی بات پر ایک گہرا سانس لیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ علیہ و اندازہ کر سکتی تھی کہ وہ اپنے اشتعال پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”تمہاری فیملی کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“ اس نے چند لمحوں خاموش رہنے کے بعد دوبارہ کہا۔

”تمہارے نزدیک نہیں ہے..... دنیا کے نزدیک ہے۔ تمہارے کزن کے بارے میں اس طرح کی خبریں شائع ہونے سے صرف تمہاری فیملی کی رپوشی بھی خراب نہیں ہوگی۔ میری فیملی کی رپوشی بھی خراب ہوگی۔ ان کیلئے لڑکا کیا میں جواب دوں گا۔“

علیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”آپ کوئی جواب مت دیں۔ آپ صرف یہ کہہ دیں کہ آپ اس خاندان کو نہیں جانتے نہ اس کے ساتھ آپ کا تعلق ہے۔“

”اتنا کہہ دیجئے ہے لوگوں کے منہ بند ہو جائیں گے؟“

”ہو جائے کیا نہیں۔“

”اور وہ یقیناً کر لیں گے کہ جو میں کہہ رہا ہوں وہی سچ ہے۔“

”نہ کہہ لیتا جاوے۔“

”اور اگر میری بات پر کسی کو یقین نہ آئے تو میں کیا کروں.....! اتنا مذاق بنواؤں یا پھر بات کرنے والے کو تمہارے پاس بھیجوں؟“

وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”لوگ میرے عجیب پر یقین نہیں کریں گے۔“

”آپ اس بات کو سمجھتے نہ رہے دیں۔“

کیا ہے، مجھے اس کی پروا نہیں، لیکن میں اپنی فیملی یا اپنے دوستوں کے لیے کسی قسم کے مشورے نہیں چاہتی..... نہ آج، نہ آئندہ کبھی..... اب آپ مجھے کھرا دہیں چھوڑ آئیں۔“

”علیہ وہ“ جنید نے جیسے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

”مجھے کمر چھوڑ دیں۔“ علیہ نے جنید کے لیے پرتوجہ دینے بغیر اسی طرح کہا۔

”اتنا غصہ کس بات پر آ رہا ہے تمہیں؟“ جنید اب بھی حیران نظر آ رہا تھا۔

”مجھے کمر چھوڑ دیں۔“ اس نے جنید کے سوال کا جواب دے کر بغیر کہا۔

”میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔“ جنید نے اس کی بات پر کوئی فوج نہیں دی۔

”آپ یہ سوال مجھ سے پوچھنے کے بجائے اپنے آپ سے پوچھیں۔“ علیہ نے ناراضی سے کہا۔

”کیا تمہاری فیملی میری فیملی نہیں ہے؟“ جنید نے اسے انور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔“ علیہ نے وہ لڑکے کی طرح کہا۔ ”میری فیملی صرف میری فیملی ہے..... جیسے آپ کی فیملی صرف آپ کی فیملی ہے۔ کیا میں نے آپ کو کبھی آپ کی فیملی کے بارے میں کوئی مشورہ دینے کی کوشش کی ہے؟ میں نے کبھی کسی چیز کو آپ پر چھوڑ کرنے کی کوشش نہیں کی۔“

”میں نے بھی تم پر کوئی چیز چھوڑ کرنے کی کوشش نہیں کی۔“ جنید نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”غلط بیانی مت کریں۔“ علیہ نے تڑپتی سے کہا۔

”کیا غلط بیانی کر رہا ہوں میں؟ کیا میں نے تم پر کوئی چیز چھوڑ کرنے کی کوشش کی ہے؟“ وہ اب براہِ نظر آ رہا تھا۔

”بچھلے آدھ گھنٹے سے آپ اور کیا کر رہے ہیں؟“ علیہ نے انکو انداز میں کہا۔ جنید دم بخود اسے دیکھتا رہا۔

”کیا اپوز کرنے کی کوشش کر رہا ہوں میں آپ پر..... یہ وضاحت کرنا پسند فرمائیں گی؟“ اس نے کہا۔

”میں آپ سے بحث کرنا نہیں چاہتی۔ آپ اس مجھے کمر چھوڑ آئیں۔“ علیہ نے اسی انداز میں کہا۔

”مگر میں تم سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ غلط بیانی کرتا ہوں..... اپنی بات تم پر چھوڑ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں..... ایسے الزامات لگانے کے بغیر تم صرف یہ کہہ کر لو کہ میں سے نہیں جا سکتیں کہ تم مجھ سے بحث نہیں کرنا چاہتیں۔“

علیہ نے پہلی بار اسے مشتعل دیکھا تھا۔ وہ جلد آواز میں بات نہیں کر رہا تھا مگر اس کے دھمکے لہجے کی تڑپ اور تھکی ہوئی بھی آسانی سے محسوس کر سکتا تھا۔

”رہتے غلط مانگتے ہیں۔“ وہ تھکے نرم ہو کر بولا۔

علیہ نے براہِ برہم ہو کر اسے دیکھا۔ ”آپ اپنی اور میری بات کر رہے ہیں؟“

وہ جواب دینے کے بجائے ناراضی سے اسے دیکھتا رہا۔

”آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ غلط نہیں ہوں۔“ اس نے غم دھڑکے عالم میں کہا۔

”اتنی جلدی نتیجہ اخذ مت کیا کرو علیہ.....! میں اپنی اور تمہاری بات نہیں کر رہا ہوں۔“ جنید نے برائی

”کیا مطلب؟“

”یہ رشتہ ختم کروں۔ جموت بچ میں بدل جائے گا۔“

وہ دم بخود اسے دیکھا رہا۔

”ایسا کیوں کروں میں؟“ وہ کچھ دیر بعد جیسے بھڑک کر بولا۔

”آپ کو لوگوں کے سوالوں کا جواب نہیں دینا پڑے گا۔۔۔ ان سے جموت نہیں بولنا پڑے گا۔“ علیزہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”تم یہ رشتہ ختم کرنے پر تیار ہو مگر تم یہ نہیں کر سکتیں کراچی دوست کو ایسے سیکڑ لڑ شائع کرنے سے روکو۔“

”تمہیں۔۔۔ میں ایسا نہیں کر سکتی۔“ اس نے دھوکہ انداز میں انکار کیا۔ ”جس نے جو غلط کام کیا ہے، اسے اس کی سزا ملنی چاہیے۔“

”غلط کام کی جو تعریف تمہارے ساتھ اتھارہا دوست کے پاس ہے، اس پر صرف عمر پورا اترتا ہے۔“ جنید نے مشتعل ہوتے ہوئے کہا۔ ”مصالحوں کو، دو ہر روز ایک آرٹیکل لکھے۔ ہر روز ایک افسر کی عزت اچھالے جو کام عمر نے کیے ہیں وہ تو اور بھی بہت سے کر رہے ہیں۔ پھر عمر جہاں گیری کیوں؟ بالکل ناسمجھی نام دے۔ اپنے خاندان کے لوگوں کے بھی نام دے۔“

”مگر اسے اتنی ہمدردی کیوں ہے آپ کو؟ وہ میرا کزن ہے، مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ مگر آپ۔۔۔“

جنید نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”وہ تمہارا کزن ہے۔ جس تمہیں ہمیشہ یاد دلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”یہ یاد دلانا آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ کو عمر کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی چھوٹی موٹی باتوں سے وہ پریشان نہیں ہوتا۔ یہ کارنامے تو سرخاب کے پر ہیں جو ہر دیر دو کریت اپنے سر پر بجاتا خیر بختا ہے۔ آپ خواہ خواہ اپنا سر کپا رہے ہیں۔“ علیزہ نے سرد مہری سے کہا۔

”میں معاملے سے خوابت کرنا چاہتا ہوں۔“

”آپ ایسا نہیں کریں گے۔“

”کیوں نہیں کروں گا۔ جنہیں اگر ایسی فیملی سے دلچسپی نہیں ہے تو مجھے اس کی پروا کرنے دو۔“

”میری فیملی کو آپ کی پروا اور دلچسپی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ پہلا سیکڑ لڑ نہیں ہے جو وہ فیس کر رہے ہیں۔ ایسی چھوٹی موٹی باتوں پر پریشان نہیں ہوتے۔“

علیزہ نے اسی طرح سرد مہری سے کہا۔

”اور اگر ہوں تو وہ خود ہی ہر مسئلے کا حل نکال لیتے ہیں۔ کسی دوسرے کو زحمت نہیں دیتے۔ اور معاملہ جیسے جڑشش کے آؤنگٹار کے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ وہ جڑشش کے ہاتھوں پریشان ہونے والوں میں سے نہیں ہیں۔ بہتر ہے، آپ اس سارے معاملے سے خود کو دور رکھیں۔“ اس باطنیہ نے قدرے نرمی سے کہا۔

”یہ آپ کا مسئلہ ہے سے ہے ہی نہیں۔۔۔ انکل ایاز اور عباس خود اس مسئلے کو پنڈل کر سکتے ہیں۔ بلکہ عمر بھی۔۔۔ آپ صرف انکل ایاز اور عباس کو یہ بتا دیں کہ معاملے نے میرے کہنے پر یہ آرٹیکل نہیں لکھا اور نہ ہی میں اس کے کسی آرٹیکل پر کوئی اعتراض کروں گی۔ وہ میری دوست ضرور ہے مگر وہ جو چاہے لکھ سکتی ہے۔ اسے میرے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔“

علیزہ کے لہجے کی سرد مہری اسی طرح برقرار تھی۔

جنید کچھ دیر ہونٹ پیچھے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

”اور اگر میں تم سے ریکویسٹ کروں کہ تم میرے کہنے پر معاملے سے بات کرو اور اس سے کہو کہ وہ۔۔۔“

علیزہ نے جنید کو مکمل نہیں کرنے دی۔ ”تو میں آپ سے مددرت کروں گی۔ میں یہ کام نہیں کروں گی۔۔۔ چاہے آپ کہیں، چاہے کوئی اور۔۔۔“

جنید کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کچھ بھی کہے بغیر گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر دی اور اسے پارکنگ سے باہر لے آیا۔

واپس کا سارا سفر بڑی خاموشی سے طے ہوا تھا۔ گاڑی کی فضا میں کشیدگی محسوس کی جاسکتی تھی۔ علیزہ کے ڈپریشن میں اور اضافہ ہو چکا تھا۔ اب وہ پچھتا رہی تھی کہ اس نے جنید کے ساتھ آنے کا فیصلہ کیوں کیا تھا۔۔۔ وہ اس کے ساتھ نہ آتی تو ان کے درمیان یہ جھگڑا کبھی نہ ہوتا نہ ہی جنید کا سوڈا اس طرح خراب ہوتا۔

جنید ہر بار اسے گھر کے اندر چھوڑنے جاتا تھا مگر اس دن اس نے گیٹ پر ہی گاڑی روک دی۔ علیزہ گاڑی کا دروازہ کھول کر خاموشی سے اتر گئی۔ اس کے اترتے ہی جنید نے کچھ بھی کہے بغیر گاڑی کو موڑ لیا۔

”جیسی دیر میں جو چیک ادا کرنے گیٹ کھولا۔ وہاں اسے جا چکا تھا۔ وہ دھڑکنے لگی ہوئی اندر چلی آئی۔“

نانو لاؤنج میں ہی جنید۔

”جنید اندر نہیں آیا؟“ انہوں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

”نہیں اسے کچھ کام تھا۔“ علیزہ نے مسکراتے ہی کوشش کی مگر اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کا چہرہ اس کا ساتھ نہیں دے رہا ہوگا۔

”تمہیں کیا ہوا ہے؟“ نانوتے اس کی کیفیت منٹوں میں بھانپ لی۔

”کچھ نہیں۔۔۔ بس میں تھک گئی ہوں۔ سو نا چاقی ہوں۔“ وہ نانوتے نے نظر میں چرا کر لاؤنج سے نکلے گی۔

”علیزہ! نانو کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔

”جنید سے تمہارا کوئی جھگڑا ہوا ہے؟“

”نہیں۔۔۔ اسے تو قہقہے تھیں۔۔۔ نانوتے جلدی بات کی تھو تھک پہنچ جائیں گی۔

”میں اسے فون کرتی ہوں۔“ نانوتوں کی طرف بڑھتے ہوئے پولیس وہ بے اختیار جھنجھٹا لے ہوئے لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

”یعنی راوی جین ہی جین کتا ہے تمہارے لیے۔“ علیہ نے ہنسنے لیا۔

”کبھی کبھی ہو، کم از کم آج تو راوی جین ہی جین کتا ہوا ہے۔“ دونوں نے تو ویسے بھی شش تھری کی کارواں

گھات کا ڈھیر اٹھانے کی بھرپوری ہوں۔“ سالو نے غریبہ انداز میں کہا۔

علیہ نے سر اٹھائے بغیر صرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ ہلکی سی ہانسی ماری تھی۔

”حالانکہ مجھے شرمندگی بھی ہو رہی ہے کہ اس آرٹیکل میں میرا ایک کٹوری پیش نہیں ہے۔ سارا کام تو زین

العابدین کا ہے۔ میں نے تو صرف ایک دو گھنٹے بیٹھ کر اس کی دی گئی معلومات پر وہ آرٹیکل لکھ دیا۔“

علیہ نے ایک گہری سانس لے کر اپنے سامنے پڑی فائل بند کر کے ایک طرف سرکا دی۔ سالو اب بھی

بول رہی تھی۔

”مگر اصل کریڈٹ کسی کو جاتا ہے تو وہ زین العابدین کو جاتا ہے مگر تم زین العابدین کو دیکھو۔ اس نے خود

بھی فون کر کے مجھے اتنا اڑھائی آرٹیکل لکھنے پر سزا ہے۔“ سالو نے زین العابدین کی تعریف کی۔

”ویسے مجھے کبھی کبھی لگتا ہے کہ اس آدمی کے پاس اللہ دین کا چراغ ہے، روت جس طرح کی معلومات اس

کے پاس اس آسانی سے پہنچ جاتی ہیں، وہ کبھی کسی دوسرے کے پاس نہیں پہنچ سکتیں۔“ وہ اپنی کرسی کو جھلاتے ہوئے

حمین ایمرانہاں میں بولی۔

”تمہیں پتا ہے علیہ؟“ وہ امر جہانگیر اور رضی محمود کے خلاف انکوائری شروع ہونے والی ہے۔“ بات کرتے

کرتے چابک سالو کو جیسے کچھ یاد آیا۔

”مجھے پتا ہو سکتا ہے؟“ علیہ نے دم آواز میں کہا۔

”ہاں واقعی حمین کیسے پتا ہو سکتا ہے، بہر حال مجھے یہ خبر بھی زین العابدین نے دی ہے۔ تم خود سوچو۔ کتنا

زبردست انٹیلیکٹ پڑے گا اس آرٹیکل کا اور میرا کہ ایک آرٹیکل کی وجہ سے مجبور ہو کر کسی بیورو کریٹ کے خلاف

کارروائی شروع کر دی جائے۔“ سالو کے کلبے میں جڑن تھا۔ ”اور وہی امر جہانگیر اور رضی محمود جیسے بیورو کریٹس کے

خلاف..... پاکستان کے سب سے طاقتور ترین خاندانوں میں سے دو کے خلاف۔“ تصور کرو۔“

علیہ نے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی، سالو کا وہی اس انداز سے جو کہ جہانگیر کے دو تین ماہی ہوئے تھے۔

اس سے پہلے وہ فری لانس جرنلسٹ کے طور پر کام کرتی تھی مگر اب اس نے علیہ کے اخبار کو جوائن کر لیا تھا اور پہلے

دن سے ہی علیہ کے ساتھ اس کی بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی مگر دونوں ایک دوسرے کی فحش کے بارے میں زیادہ نہیں

جانتے تھے نہ علیہ نے کبھی اپنے ہانگو اور کزنز کے بارے میں وہاں کسی کو بتایا تھا نہ ہی سالو نے اپنے قریبی رشتہ

داروں کے علاوہ کسی کے بارے میں بات کی تھی اور اب وہ علیہ کو امر جہانگیر اور اس کے خاندان کے بارے میں

معلومات فراہم کر رہی تھی۔

”امر جہانگیر کے خاندان کو بدعاشوں کا ٹولہ کہا جا سکتا ہے۔“ علیہ کا چہرہ سالو کے تہرے پر سرخ ہو

گیا۔ سالو ہمیشہ بے لاگ قسم کے تہرے کیا کرتی تھی۔ اس سے پہلے اس کے لیے کسی تہرے نے علیہ کو کبھی

کے ساتھ ہونے والی گفتگو ایک بار پھر اسے یاد آ رہی تھی اور وہ ایک بار پھر فحش کی ایک لہری اپنے اندر اٹھتی محسوس کر

رہی تھی۔“ آخر اسے عمر کی خاطر مجھے سے لڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک ایسے شخص کی حمایت کرنے کی جسے وہ براہ

راست جانتا تک نہیں.....“ اسے جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی۔

”کیا اسے مجھ سے زیادہ میری فحش کی فکر ہو سکتی ہے؟“ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا چین ٹیبل پر رکھ دیا۔“ اور

آخر اسے مجھ سے یہ سب باتیں کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔“ وہ جھنجھلا رہی تھی۔

”بھارتی چھوٹی سی بات پر وہ اس طرح ناراض ہو گیا ہے اور اس کا دھکی ہے، وہ مجھ سے عبت کرتا ہے۔“

وہ بہت مضطرب تھی۔

”کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میں اسے فون کروں؟“ اسے یکدم ایک خیال آیا۔

”مگر میں اسے فون کیوں کروں..... ناراض وہ مجھ سے ہے، میں تو نہیں۔“

”فطرت بات اس نے کی تھی میں نے تو نہیں.....“ اس نے ایک بار پھر آرٹیکل کو اپنے سامنے کھینچ لیا۔

”مگر اس سے بات کر کے میں کم از کم اس فیشن سے تو دل کشی کروں۔“ اسے ایک بار پھر خیال آیا۔

”لیکن اگر فون کرنے پر اس نے ایک بار پھر مجھ سے وہی مطالبہ کیا تو.....؟“ اس کے دل میں خدشہ پیدا ہوا۔

”اسے خود مجھے فون کرنا چاہیے، میں اسے فون کیوں کروں..... اسے احساس ہونا چاہیے اپنی فحش کا.....“

علیہ نے ایک بار پھر اپنا ارادہ بدل دیا۔

سالو اس دن بہت خوش تھی۔ اس کے آرٹیکل پر ملنے والا ریسپانس بہت اچھا تھا، شاید وہ علیہ سے اس

ریسپانس کو ہی دیکھ کر اتنا جی ہو گیا ہو کہ اسے فوراً ہی حیران کر دیا تھا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا

کہ علیہ کا موڈ اس طرح خراب ہو۔ وہ عام طور پر خوشگوار موڈ میں رہا کرتی تھی۔

تین چار بجے کے قریب سالو دوبارہ ایک بار پھر علیہ کے کمرے میں آئی۔

”تمہارا موڈ کچھ ٹھیک ہوا؟“ اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

علیہ اس بار اسے دیکھ کر مسکرائی۔ ”ہاں ٹھیک ہو گیا۔“

”تھکا کا شکر ہے، ورنہ میں سوچ رہی تھی کہ شاید تم آج سارا دن ہی اسی طرح منہ لٹا کے پھر دو گی۔“ سالو

نے ایک گہری سانس لے کر کرسی کھینچی۔

”تمہارا کام ختم ہو گیا ہے؟“

”تقریباً ختم ہو گیا ہے۔“ علیہ نے اس کی بات کا جواب دیا۔

”چلو اچھا ہے، کچھ ورک اپ شپ تو کر سکتی ہوں تمہارے ساتھ۔“ سالو اطمینان سے بولی۔

”مجھے لگتا ہے، آج تمہارے پاس کرنے کے لیے اور کچھ بھی نہیں ہے۔“ علیہ مسکرائی۔

”ہاں واقعی آج میرے پاس کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔“ فیکشن کی کوریج کرتی تھی۔ وہ میں کر آئی

ہوں۔ چلے چہوٹے مولے دوسرے کام تھے۔ وہ کبھی کر سکتی ہوں۔ اس لیے آج میری کوئی اور مصروفیت نہیں ہے۔“

صالحہ سرخ چہرے کے ساتھ ہوتی جا رہی تھی اور علیزہ کا دماغ ڈاؤف ہو رہا تھا۔
 ”زبردستی مجبور کر دیا میرے اگلے کو سلیف کرنے پر۔ تم اندازہ ہو سکتی ہو، یہ لوگ خود کو بچانے کے لیے کس طرح کے اچھے بھگتندوں کا استعمال کر سکتے ہیں۔“ صالحہ کی آواز میں نفرت تھی۔

”جہیں یہ سب کچھ کس نے بتایا؟“ علیزہ نے اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
 ”میں نے بتا تھا قاضی خاں نے اگلے سے بتایا۔ ہم نے تو مجبور کیا تھا انہیں کہ یہ سب کچھ پریس تک لے جائیں گورنر میں کیس کریں مگر وہ انہیں نہیں ہوئے۔ تم اندازہ کر سکتی ہو کہ ہائی کورٹ کا ایک جج پولیس اور ان لوگوں سے خوفزدہ تھا کہ وہ لوگ اسے اور اس کے خاندان کو حریف تک کریں گے۔ وہ جج کو دوسرے شخص کو کیا انصاف دے گا جہاں لیے انصاف نہ مانگ سکتا ہو۔“ وہ کہتی گئی۔

”ان لوگوں نے خود یہ کہا تھا کہ ان کی بھانجی.....“ علیزہ کو تو جیسے ابھی یقین نہیں آ رہا تھا۔
 ”ہاں خود کہا تھا، جہاں کی پوری بیورو کر سکی کو اس معاملے کا پتا ہے۔“ صالحہ نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔
 ”مجھے یقین نہیں آ رہا۔“ علیزہ بڑبڑائی۔
 ”مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا مگر پھر یقین کرنا پڑا۔“

صالحہ نے اس کی بڑبڑاہٹ کے جواب میں کہا، علیزہ کا سر پچھرا رہا تھا۔
 ”تمہارے اگلے نے ان لوگوں کے گھر پر حملہ نہیں کر دیا تھا؟“ وہ زور دے کر سے ساتھ صالحہ سے پوچھ رہی تھی۔
 ”میرے اگلے کیسے حملہ کر سکتے تھے جب انہیں یہ پتا نہیں تھا کہ اس سارے معاملے میں وہ کسی لڑکی کو دلوالہ کر رہے ہیں۔ تو خود جہازوں ہو گئے تھے ان کا یہ الزام اس..... اور پھر یہ بھی کہ لڑکی اسلام آباد کے قبی مریضوں کے کسی ٹیکنک میں زیر علاج تھی اس واقعہ کے بعد۔“ صالحہ نے کہا۔

”اسلام آباد۔“ قبی مریضوں کا ٹیکنک؟ وہ ایک بار پھر خانی الدینی کے عالم میں بڑبڑائی۔
 ”ہاں، وہ لوگ کہہ رہے تھے اس حادثے کے بعد اس لڑکی کی قبی حالت خراب ہو گئی تھی اور انہوں نے اسے اسلام آباد کے کسی ٹیکنک میں ایڈمٹ کر دیا تھا۔ جھوٹ سبب موت.....“ صالحہ نے ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ پھر اچانک اس کی نظر علیزہ کے چہرے پر پڑی اور وہ ٹھٹھکی گئی۔
 ”جہیں کیا ہوا؟“ اس نے علیزہ سے پوچھا۔

”مجھے..... مجھے کچھ بھی نہیں.....“ علیزہ نے مسکراتے کی کوشش کی لیکن وہ جاتی تھی، وہ اس کوشش میں کامیاب رہی ہوگی۔

”میں اب گھر جانے کا سوچ رہی ہوں۔“ اس نے نافذ ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ ٹھٹھکی پر پڑی ہوئی چیزوں کو اٹھا کر کرنے کی کوشش کی، وہ اب صالحہ سے نظریں چرا رہی تھی۔

صالحہ نے اس کی بات پر دال ٹھٹھکی پر نظر دوڑائی اور پھر کچھ جراتی سے اسے دیکھا۔

”ابھی تو آؤں آؤں زور نہیں ہوئے تم آج جلدی جا رہی ہو؟“

پریشان نہیں کیا کیونکہ ایسے ہجرے کا تعلق اس سے نہیں تھا مگر اب وہ براہ راست اس کے خاندان کی بات کر رہی تھی اور علیزہ سننے پر مجبور تھی۔

”میں تو حیران ہو گئی، زمین العابدین سے اس کے خاندان کے بارے میں سن کر۔ کسی دوسرے ملک میں؟“ لوگ ہوتے تو ڈیڑھ سو سال کی قید کاٹ رہے ہوتے۔ پوری بچوں سمیت..... مگر ان کی خوش قسمتی ہے کہ یہ پاکستان میں ہیں اور اس Land of the pure میں مل جل جھڑے اڑ رہے ہیں۔“ صالحہ نے خطرے سے گھبراہٹ کے ساتھ کہا۔

”اور ان کے اڈورسورنگ کا یہ عالم ہے کہ آج کہیں اس قبیلے کے حوالے سے تعارف نہ دیا جائے تو یہ کابھی استقبال ہوگا۔“ علیزہ نے آٹا پائے سسٹم پر بٹا جائے یا روایا جانے۔
 ”علیزہ چپ چاپ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔
 ”دیکھیں پتا ہے، پچھلے سال ان لوگوں نے میرے اگلے اور ان کے خاندان کے ساتھ کیا کیا؟“ صالحہ نے

دراصل شورو کیا۔
 ”میرے اگلے کے بیٹے کو ایک جھوٹے پولیس مقابلے میں مار دیا گیا۔“

علیزہ کا سانس یکدم رک گیا۔
 ”میرے اگلے کے بیٹے اور اس کے تین دوستوں کو۔“

علیزہ کو لگا اس کی خاموشی اب بھی ختم نہیں ہو سکے گی۔
 ”ایک یہ عمر جہاں گھر تھا، ایک اس کا کزن تھا ماس حیدر۔ ابھی ایک سال کے بعد باہر سے آیا ہے، لاہور

میں پوسٹنگ ہے۔ ان دونوں نے میرے کزن کو اس کے گھر سے اٹھا کر قتل کر دیا۔ تم نے پڑھی ہوگی یہ خبر۔ جیلس نیاڑ کا نام بھی سنا ہوگا؟“

وہ اب علیزہ سے پوچھ رہی تھی۔ علیزہ ہر نہیں ہلا سکی۔
 ”اور اس پر اور اس کے دوستوں پر الزام لگایا تھا کہ ان چاروں نے کسی گھر پر ڈاکہ ڈالا تھا اور وہاں سے

فرار ہوتے ہوئے پولیس کے ساتھ مقابلے میں مار دیے گئے۔“ صالحہ اب ہنسے کے عالم میں بول رہی تھی۔
 ”مگر یہ سب جھوٹ تھا، ان میں سے کوئی بھی اچھے گھر سے باہر نہیں تھا اس رات۔ پولیس چوروں کی طرح

رات کو انہیں ان کے گھر سے اٹھا کر قتل کر دیا۔“
 علیزہ نے ٹھٹھکی پر ہاتھ رکھ کر اپنے ہاتھوں کی لڑش کو چھپایا۔

”میرا کزن ایک آؤٹ سٹینڈنگ سٹوڈنٹ تھا اور ان لوگوں نے اس طرح اسے مار دیا۔ بعد میں میرے

اگلے نے تو بہت ہنگامہ کیا۔ عباس حیدر کے باپ کو اسلام آباد سے آ کر پڑا، افسانیاں بگھڑا کر ایسا تعلقی سے ہو گیا مگر بعد میں یکدم گورنٹ کی طرح رنگ بدل کر کہنے لگا کہ میرے کزن اور اس کے دوستوں نے اس کی کسی بھانجی کو رہا

کیا اور اس کے گھر پر فائرنگ کی۔ میرے اگلے تو بچا نکا ہو گئے اس الزام پر۔ ان کے قوت و دہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ خود کو بچانے کے لیے ان پر اس طرح کا الزام لگائیں گے۔ چیف فٹربک ان لوگوں کی حمایت کر رہا تھا۔“

”ہاں..... میں نے ایئر کو بتا دیا ہے۔ میں آج جلدی مگر جانا چاہتی ہوں۔“

دو اب اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور اپنی دروازہ کھول کر ہائی نامہ پڑھیں اس میں رکشے کی سالاری بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”چلو ٹیک ہے بھرتم سے کل ملاقات ہو گئی۔ آری ہو ناگل؟“ اس نے کمرے سے نکلے نکلے علیہ سے پوچھا۔ ”ہاں..... شاید تائیں..... ہو سکتا ہے نہ ہی آؤں، یا پھر لیٹ آؤں گی۔“ علیہ اچھے ہوئے انداز میں اپنی میز کی دروازہ لاک کر رہ گئی۔

”فون کر دینا۔ مجھے کل آؤں کونسل جانا ہے جہیں یاد ہے۔ اگر تم نہیں آئیں تو بھرتم شین کے ساتھ چلی جاؤں گی۔“ صالحہ نے اسے یاد دہانی کروائی۔

”تم شین کے ساتھ چلی جانا۔ میں اگر آ بھی گئی تو تمہارے ساتھ نہیں جا پاؤں گی۔“ علیہ نے بیٹھتی معذرت کرتے ہوئے کہا۔

”ٹیک ہے بھرتم میں آج ہی شین کو انعام کر دیتی ہوں۔ یہ نہ ہوکل وہ بھی نہ آئے۔“ صالحہ نے آفس سے نکلے ہوئے کہا۔

علیہ وہ اپنا بائیک اٹھا کر صالحہ کے پیچھے پیچھے ہی باہر نکل آئی۔ باہر پارکنگ تک آتے ہوئے وہ مکمل طور پر ڈنٹی طور پر مافوق تھی۔ صالحہ کے منہ سے نکلے ہوئے منٹل اس کے ذہن میں گونج رہے تھے اور اسے ان پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسے یاد نہیں اس نے گاڑی کس طرح پارکنگ سے نکالی تھی۔ سیکل پر گاڑی روک دے وہ اس وقت ہوش میں آئی، جب کسی نے اس کی کھڑکی کے شیشے پر بڑے زور سے ہاتھ مارا، وہ یکدم چونک کر جیسے اپنے ارد گرد کے ماحول میں دباؤں آگئی۔ وہ ایک آدمی تھا جو اب فٹنسکس نظر سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے پیچھے برقی طرح بجنے والے دبان کا شور تھا۔ اس نے گڑبڑا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ سیرنگ بار اس کے ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ اسے یکدم خوف محسوس ہوا کہ گاڑی کہیں نہ کہیں ٹکرا جائے گی۔ پیڈل ہلکی کرتے ہوئے اس نے مین روڈ سے ایک ڈیلی سرک پر گاڑی موڑ دی اور پھر اسے سرک کے کنارے روک دیا۔

”کیا یہ لوگ میرے بارے میں اتنی بڑی بات کہہ سکتے ہیں؟“ اس نے جیسے اپنے آپ سے پوچھا ”کیا یہ لوگ مجھے اس طرح سیکٹل لائز کر سکتے ہیں؟“ وہ اب بھی جیسے بے یقینی کا شکار تھی۔ ”کیا خود کو بچانے کے لیے یہ اس طرح میری قربانی دے سکتے ہیں۔“

”کیسا مجھ اس طرح.....“ اس نے اپنے ارد گرد سے حواس کش محسوس کی۔

”کیا عمری اس طرح کر سکتا ہے؟“ اسے اپنا سوال ایک مذاق لگا ”میں نے کس کو سب کچھ بتایا۔ جنسٹیل نیاز کو؟“

سارے پردے یکدم اٹھنے لگے تھے۔

”یا پھر میں تو ان سے بات بھی نہیں کر سکی ہوں گی۔ کیا یہ اس لیے وہ میرے منہ سے پورا واقعہ سن کر بھی اسی

عمیرہ احمد صاحبہ کی ناولز پڑھنے کے لئے ابھی وزٹ کریں

طرح پر سکون تھے۔ مجھے اس وقت یہ رد عمل معقول کیوں نہیں لگا۔“ وہ اب اس واقعے اور اس کے بعد جنس نیاز کے ساتھ ہونے والی اپنی پوری گفتگو کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی۔ ”یہ لوگ پہلے ہی پورا انتظام کر چکے تھے کہ میرا رابطہ جنس نیاز سے نہ ہوا یہ میرے اتنے بے خبری سے مجھے جنس نیاز سے بات کرنے کے لیے کہہ دیا کیونکہ وہ.....“ علیہ نے ہنست ہنست کہنے۔

”اگر کمرہ دو حملہ..... میرے خدا..... وہ بھی جھٹی تھا..... صرف مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے..... مجھے دھوکہ دینے کے لیے اسی لیے وہ لوگ اندر نہیں آئے۔ اسی لیے یہ دونوں وہاں پہنچ گئے تھے اور کس کو پتا تھا یہ سب کچھ..... کیا تاؤ کو بھی؟“

غم دھنسنے سے اس کی حالت بری ہو رہی تھی۔

”اور میں..... میں عمر کو کیا سمجھ رہی تھی۔ اپنا نہایت دہندہ..... اور وہ حقیقت کیا تھی..... بلکہ یہ سب ہی کیا تھا؟“ وہ دہن کر سکر نے نظر آنے والی سرک کو گھور رہی تھی۔

”اور مجھے..... مجھے کبھی ان پر شک تک نہیں ہوا کہ یہ میرے ساتھ کوئی ٹیم کر رہے ہیں۔ اس قدر احمدا اعتماد..... اس کی آنکھوں میں اب بھی اتارنے لگی۔

”واقعی..... واقعی دنیا میں کوئی کچھ جتنا اچھا نہیں ہو سکتا..... بلکہ میرے علاوہ دنیا میں کوئی اچھا ہے ہی نہیں۔“ اس نے بڑبڑاتے ہوئے اپنی آنکھیں صاف کیں اور گاڑی کو سٹارٹ کرنے لگی ”اور اب یہ ایک بار بھر جینے کے ذریعے مجھے استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب نہیں..... اور میں..... تم بھڑاؤں جاؤ عمر.....! میں واقعی چاہتی ہوں کہ تمہیں پچاسی کے پچندے پر لٹکا دیا جائے اور صرف تمہیں نہیں باری باری سب کچھ.....“

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی آنکھیں ایک بار پھر دھندلا رہی تھیں۔

☆☆☆☆

شام کو چھ بجے وہ اپنے گھر میں داخل ہوئی اور اندر داخل ہوتے ہی اس نے پورچ میں جینے کی گاڑی دیکھ لی۔ بے اختیار اس کا دل چاٹا ہوا وہیں سے واپس پلٹ جائے، اس وقت اس موٹر کے ساتھ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ لاؤنج میں ٹائو کے ساتھ موجود تھا اور دھڑکے بیٹے میں مصروف تھا، جب وہ لاؤنج میں داخل ہوئی۔ رکھی علیک سلیک کرنے کے بعد وہ جینے کی معاملہ نہ دیکھتا ہو کر مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”مجھے لگتا ہے..... اس کا موٹر ابھی بھی آف ہے۔“ جینے نے اسے لاؤنج سے نکلے دیکھ کر کہا۔

”موٹر تو اس کا بج سے ہی ایسا ہے مگر وہ اسے بلا کر لاتی ہوں۔“ ٹائو نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔

”آپ نہیں..... میں خود دیکھ لیتا ہوں.....“ جینے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

وہ جس وقت دروازے پر دستک دے کر اندر آیا، وہ اپنے گھنٹوں کے گرد بازو پھیلے بیڑ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

اسے جینے کے اس طرح اپنے پیچھے آ جانے کی توقع نہیں تھی مگر جب اس نے اسے اندر آ دیکھا تو صرف سر جھٹک

”بالکل ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ آپ جائے نہیں گئے؟“ وہ یکدم بیٹھ سے اترنے لگی۔

جنید نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”میں جانے ہی چکا ہوں۔ جس وقت تم آئیں، میں جائے ہی بی بی رہا تھا۔ تم پریشان ہو؟“ اس نے نرمی سے پوچھا۔

علیزہ نے سر نہیں اٹھایا، وہ اس کے ہاتھ میں موجود اپنے ہاتھ کو دیکھتی رہی۔

”علیزہ! جنید نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

”آپ کو بھی زندگی بڑی تھی؟“ اس نے یکدم سراٹھا کر جنید سے پوچھا، وہ حیران ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگا۔

”میں کیا جواب دوں تمہاری اس بات کا؟“ وہ نہ سمجھنے والے انداز میں بے چارگی سے ہنسا۔

”کبھی زندگی ہی نہیں تھی؟“ علیزہ نے ایک بار پھر اس کی لہجہ میں پوچھا۔

”جی نہیں تھی؟“ جنید نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس سے پوچھا۔

”مجھے تو ہر وقت تھی۔۔۔۔۔ اور آج تو بہت ہی بڑی لگ رہی ہے۔“ وہ بڑبڑائی۔

”حیرتی وجہ ہے؟“ جنید یکدم خمیدہ ہو گیا۔

”نہیں، آپ کی وجہ سے نہیں، اپنی وجہ سے۔۔۔۔۔ دوسروں کی وجہ سے تو۔۔۔۔۔“ اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

”تم۔۔۔۔۔ جنہیں کوئی بات پریشان کر رہی ہے؟“ جنید نے اسے دوبارہ پوچھا۔

”آپ نے مجھے فون نہیں کیا؟“ علیزہ نے یکدم موضوع بدل دیا۔ جنید نے ایک گہرا سانس لیا۔

”جنہیں یہ بات پریشان کر رہی تھی۔۔۔۔۔ اس وجہ سے اتنی دُشرب ہو؟“ جنید نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں میں انتظار کر رہی تھی آپ کی فون کال کا۔۔۔۔۔“

”اتنی سی بات کا انتظار سیرس لے رہی تھیں تم۔ میں تو پریشان ہو گیا تھا۔“ جنید نے جیسے سکون کا سانس لیا

”بلکہ میں تو تہہ را تہہ وار دیکھ کر ڈر رہا تھا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ فون نہ کرنے پر تم۔۔۔۔۔ میں نے تو اس لیے فون نہیں کیا تھا

کہ تمہارا مژدہ آف تھا، بلکہ مجھ میں بھی ناراض تھا۔ میں نے سوچا۔ آخر کیا بات کروں گا میں فون پر، آج صبح بھی میرا مژدہ

ایسا ہی تھا۔“ وہ اچھٹا پڑا جنس دے رہا تھا ”میں نے دوشیں بار پٹا کر جنہیں کال کروں مگر بس بھر۔۔۔۔۔ تم نے بھی تو مجھے

کال نہیں کیا بلکہ میرا خیال ہے کہ اگر میں یہاں نہ آتا تو تم خود بھی مجھے کال نہ کرتیں۔“ وہ اب شکایت کر رہا تھا۔

”آپ یہ کیسے کہتے ہیں؟“

”ایسے ہی میرا خیال ہے؟“

”آپ کا خیال غلط ہے، اگر آپ مجھے کال نہیں کرتے تو میں خود آپ کو کال کر لیتی۔۔۔۔۔ میں Egoist

(انا پرست) نہیں ہوں اور میں رائل کا پہلا نہیں بناتی۔“

”مگر کل تو بڑے دھڑلے سے تم نے کہا تھا کہ میں چاہوں تو تمہاری فٹیلی سے رشتہ ختم کر لوں۔“ جنید نے

مکراتے ہوئے اسے بتایا۔

کر رہی تھی۔

”میں جیتے جاؤں؟“ جنید نے اندر آتے ہی اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ضرور۔۔۔۔۔“

جنید کی کھینچ کر بیٹھ سے کھٹکھٹا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کمرہ میں خاموشی رہی، شاید وہ بات شروع کرنے کے

لیے کچھ لفظ وصول کرنے کی کوشش کر رہا تھا، پھر جیسے وہ اس میں ناکام ہو گیا۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے کہا۔

”اب یہ تو تمہیں پتا چل ہی گیا ہوگا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔“ علیزہ نے سراٹھا کر اسے دیکھا، جنید

نے اس کی سوالیہ نظروں کو دیکھتے ہوئے کہا ”میں محضرت کرنے آیا تھا۔“

”کس لیے؟“

”کل کچھ اچھا نہیں کیا میں نے۔۔۔۔۔ عام طور پر ایسا کرتا تو نہیں مگر۔۔۔۔۔“ وہ سوچ سوچ کر بوتلے ہوئے

جیسے انفسوس کا اظہار کر رہا تھا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ علیزہ نے کہا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ جنید نے کندھے اچکا کر ہوتے کہا۔ ”میرا خیال تھا، اس کی ضرورت ہوگی۔ آخر آل۔ تم مجھ

سے ناراض تھیں۔“

”میں ناراض تھی؟“ میرا خیال ہے آپ ناراض تھے۔“ علیزہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

”میں ناراض تھا؟“ سچ بتاؤں۔۔۔۔۔ وہ بات کرتے کرتے رکا ”میں واقعی کچھ ناراض تھا مگر وہ عارضی طور پر۔

میں نے بعد میں مگر جا کر سوچا، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اب میں یہاں ہوں۔“ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے

چترنگوں کے لیے علیزہ کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کے ذہن میں کچھ دیر پہلے سالو کے

ساتھ ہونے والی گفتگو گونجنے لگی تھی۔

جنید نے اپنی بات کے ختم ہونے پر بھی اسے اپنی طرف خاموشی سے دیکھتے پایا۔

”تم کچھ کہو گی نہیں؟“ اس نے علیزہ سے کہا وہ پھر بھی اسے اسی طرح دیکھتی رہی اور جب ہی جنید کو احساس

ہوا کہ وہ اس وقت غائب و دماغ تھی اور شاید اسے دیکھتے ہوئے بھی نہیں ادھر۔

”علیزہ!۔۔۔۔۔ اس نے بلند آواز میں اسے پکارا وہ یکدم ہڑبڑا کر چوکی۔

”کیا؟“

”تم میری بات سن رہی ہو؟“

”میں۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ میں نے آپ سے کہا ہے کہ معذرت کی ضرورت نہیں۔“

”نہیں۔ تم مجھے یہ بتا رہی تھیں کہ تم نہیں تم سے ناراض تھا۔“ جنید نے اسے یاد دلایا۔ علیزہ نے

آکھیں بند کر لیں۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“

راتوں بچے تک دو دو ہفتوں اور بچے ہر دو اسے خرچہ بننے لگے۔ آئیہ، سوچ میں گاڑی روک کر اس کے اترنے سے پہلے جینے نہ کہا۔ ”تم بائی اور مکی کے لٹل کویکا چیز مضبوط بنائی ہے۔“ دو اس کے سوال پر اس کا منہ دیکھنے لگی، وہ اب بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ کچھ دور پہلے کے جدید سے بالکل برعکس۔

”Sharing“ کو جو چیز پیشان کن بن جائے اسے اس شخص کے ساتھ شیئر کر لیا جائے جس سے آپ کو ملواری بہت محبت ہو یا خود را بہت افس ہو یا جو خود را بہت اچھا لگتا ہو۔ دودھ مرخم کو آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”میں تمھیں جو میری جیورس کر سکتا کہ تم ہر بات مجھ سے شیئر کرو۔ شاید کوئی بھی ہر بات دوسرے سے شیئر نہیں کرتا مگر جو بات تم مجھ سے یا کسی دوسرے سے شیئر نہیں کر سکتیں، اسے اپنے ذہن سے نکال دو۔ تمھیں اگر کسی چیز سے تکلیف ہوگی تو تمھیں بھی ہوگی۔ اس لیے کسی بھی چیز کو اپنے لیے رستا ہونا یا سورت بناؤ۔ تمھاری زندگی بے کار ہے نہ تمھارے پاس اتنا فائدہ وقت سے کہ تم اسے روکنے دھونے میں ضائع کر سکو۔“

”مجھے میرے گھر کے مہرے کی بجائے ایک کھوپڑی کی ضرورت ہے۔ تم ہمارا حصہ ہو اور تم کو یہ بات ہر وقت یاد دہانی چاہیے۔“ وہ بالکل سادہ تھا۔

”تو جو چیز بھی تمہیں آج پریشان کر رہی ہے، اسے اپنے ذہن سے نکال دو کہ مکالمہ کیا جی ہو۔ اپنے بیٹے سے صبح کے لیے کپڑے نکال لو، بی بی دیکھ لو کچھ ریاضے کرنا کتاب پر دھو۔“ افس کا کوئی کام تو نہ کر دوار اس کے بعد اطمینان سے سو جاؤ۔ بغیر رونے دھونے خدا حافظ۔“

وہ اپنی بات کے اختتام پر مسکرایا، وہ مسکرا نہیں سکی۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ نیچے اتر آئی۔ لاؤنج کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے پلٹ کر اسے دیکھا، وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ گاڑی کی ریورس کر رہا تھا۔ اسے حیدر کی ذہانت میں کبھی بھی پکڑتی شہ نہیں رہا تھا۔ لیکن آج.....

”تو وہ جانتا تھا کہ اس سے ہونے والا بھڑکا نہیں کوئی اور بات مجھے پریشان کر رہی تھی اور.....“ اس نے اندر جا جاتے ہوئے سوچا۔ کسی معمول کی طرح وہ اپنے کمرے میں گئی اور لا شعوری طور پر جینہ کی روایات پر عمل کرتی چلی گئی۔ ایک کھینکے کے بعد غصہ کی عالم میں اس نے سوچا..... ”اور یہ خیال تھا میں آج رات سو نہیں پاؤں گی۔“

☆☆☆

اگلے روز وہ بے ہوش بیٹھنا شروع ہوا۔ ناشتے کی میز پر آئی، کانوے کے ساتھ بائیں کرتے ہوئے دو تاشے کر رہی تھی جب اس نے اخبار بھی دیکھنا شروع کر دیا۔ ایک صفحے پر غور و خوض ہی وہ یکدم ٹھٹھک گئی۔ سالہ پروپیگنڈا کا ایک اور آدھارنگل اس کے سامنے تھا۔ موضوع اس بار بھی عمر جلیگر ہی تھا مگر دوسرے کی جانے والی چیز چند ہفتے پہلے ہونے والا ایک پولیس مقابلہ تھا جس میں ایک بدنام زائد اشتہاری مجرم کو مارا گیا تھا۔

”یہ غصہ دلانے والی بات تھی۔“ جنید نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”آپ نے بھی ایک غصہ دلانے والی بات کی تھی۔“ علیزہ نے اسے یاد دلایا۔

”وہ صالح والی بات... فائز گیت لیا بات... میں نے کل قرآن مجید کے بعد یہ طے کیا تھا کہ آئندہ کم از کم میں تمہارے ایسے کسی کام میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔“ جینے اس کا ہاتھ چھوڑے ہوئے کہا۔

”وہ واقعی امتحان بات تھی۔ مجھے بعد میں احساس ہوا کہ میرا واقعی اس معاملے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔“ نہ میرا نہ تمہارا... یہ صالح کا مسئلہ ہے۔ بہتر ہے وہ خود حق اسے بخلائے۔“

جیللا پروائی سے کہا گیا۔ طیلوہ نے غیر محسوس طور پر اپنے کندھوں سے جیسے کوئی بوہمہ محسوس کیا۔
 ”بہر حال ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو تم اپنے اعصاب پر سارست کیا کرو۔ یہ دیکھیے ابھی تو ہم دونوں کے درمیان خامے جھگڑے ہاتھ ہیں۔“ دو خوشگوار لہجے میں مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”حالانکہ تم سے بھگتر کوئی زیادہ مناسب بات نہیں ہے اور نہ ہی کوئی بہت خوشگوار قسم کا تجربہ ثابت ہوا ہے میرے لیے۔ میں خود ہی کل کی رات اور آج سارا دن خاصاً اضطراب میں رہا ہوں لیکن کبھی کبھی روئشن سے بہت کرم بھی کوئی کام کرنا چاہیے۔ کرنا چاہیے؟“ وہ اب بڑی خجندی سے اس کی رائے مانگ رہا تھا۔

”باہر چلے جاتے ہیں کمانا کاتے ہیں، کسی مارکیٹ میں بکرتے ہیں۔ کچھ دفعہ شاپنگ کرتے ہیں۔ اچھا پروگرام ہے؟“ دو کرسی سے کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

”میں کبڑے پہنچ کر لوں؟“ وہ بھی بیڑے اٹھ گئی۔

”محمودؔ نے جناب! کلف نہ کریں..... آپ اس طرح زیادہ اچھی لگ رہے ہیں۔“ جنید نے اسے روک دیا۔
 ”اچھا بال ہالوں۔“ اسے تال ہوا۔
 ”ضرورت نہیں، بال ٹھیک ہیں۔“

”مجھے متوہم لینے دیں۔“
 ”ہاں یہ آپ ضرور کر سکتی ہیں لیکن ساتھ سیکنڈ سے زیادہ کا وقت نہیں لگنا چاہیے اس میں۔“ وہ انگریز مہمزی
 دیکھتے ہوئے بولا۔

علمیہ کو چہرہ دہو گئے اور تمام صرف ایک منٹ لگا۔ برقی رفتار سے چہرے پر پانی کے چھپکے مارے، وہ ایک منٹ میں دواں دروم سے باہر تھی۔

جنید نے اسے باہر آتے دیکھ کر اس کا جیگ اٹھا لیا۔ ”بس اب آپ آ جا کریں۔ خاصا انتظار کر امیں نے

صالٹ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اور تم لوگ کیا کرتے ہو۔۔۔ لوگوں کو گھروں سے اٹھا کر بجلی پولیس مقابلوں میں مارتے ہو۔۔۔ درشت کا چہرہ اکٹھا کرتے ہو، اس پر عیش کرتے ہو۔“

دوسری طرف سے عمر کے ہنسنے کی آواز آئی۔ ”عیش؟ کون سا عیش۔۔۔ آپ جیسے لوگوں سے گالیاں کھانا عیش ہے۔“

”تمیں آپ سے۔۔۔“

دوسری طرف سے عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میرے بارے میں اب اخبار میں کچھ اور شائع نہیں ہوتا چاہئے۔۔۔ ورنہ آپ کو اور آپ کے اخبار کو اس کی غاصی بڑی قیمت چکانا پڑے گی۔“

اس سے پہلے کہ صالٹ کچھ کہتی دوسری طرف سے لاش منقطع کر دی گئی۔ صالٹ نے برسی سے میز پر ہاتھ مارا۔ ”تم اس شخص کا انداز دیکھو۔ کون کہے گا کہ یہ سول سرنٹ ہے۔ اور یہ لوگ لگتے ہیں عوام کو نظم و ضبط سکھانے، مافی فٹ۔“ اس نے ٹھننے سے عالم میں میز پر ایک بار بھر ہاتھ مارا۔ ”اب تم دیکھنا میں اس کے ساتھ کرتی کیا ہوں۔ اس کی ساری گفتگو کو اخبار میں شائع نہ کیا تو بھر کہنا بلکہ اس کال کی ایک ریکارڈنگ ہوم آفس کو بھی بھجوا دی گئی۔ عمر جہاں گھبراہٹ سے آپ کو آخر کھتا ہے۔“

علیٰ نے چپ چاپ صالٹ کو مشتعل ہوتے دیکھتی رہی۔

”اس کا فائدہ کیا ہوگا؟“ علیٰ نے کچھ دیر صالٹ کو جھجک کر چپ ہوتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

”کس کا فائدہ کیا ہوگا؟“ صالٹ نے یک دم رک کر اس سے پوچھا۔

”عمر اور اپنی گفتگو کو اخبار میں شائع کرنے کا؟“

”میں عمر جہاں گھبراہٹ کا تانا پچاتی ہوں کہ میں اس سے خوف زدہ نہیں ہوں۔“ علیٰ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”یہ جان کر عمر جہاں گھبراہٹ پر کیا فرق پڑے گا تم اس سے خوف زدہ نہیں ہوئیں۔“

”اگلی بار وہ مجھے فون کرنے کی جرأت تو نہیں کرے گا۔“

”تھمرا خیال بیچنے کی گفتگو شائع ہونے سے وہ ڈر جائے گا؟“ علیٰ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

”ڈر جائے گا؟“ وہ ڈر گیا ہے۔ ورنہ مجھے فون بھی نہ کرتا۔“ صالٹ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”اور وہ بھی یہاں آفس میں۔“

علیٰ نے ایک گہرا سانس لے کر اسے دیکھا، اس کا دل جاہودہ صالٹ سے کہے کر عمر جہاں گھبراہٹ کی چھوٹی موٹی باتوں پر خوف زدہ ہونے والا شخص نہیں ہے۔ اس کی پشت پر سو بڑوں لوگ اسے طاقتور ہیں کہ وہ ایسے چھوٹے موٹے انکسپڈیو پر پریشان ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کے انکسپڈیو لڑنے کے تجربہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

”صالٹ تم آخر عمر جہاں گھبراہٹ کے بارے میں بار بار ریڈیو کیوں لکھ رہی ہو؟“ علیٰ نے کچھ دیر بعد صالٹ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”یہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ میں اس کے بارے میں کیوں لکھ رہی ہوں۔“ صالٹ کو جیسے اس کی بات پر

”کورٹ کھلے ہیں، جب آپ کا دل چاہے لے جائیں، کیا یہی اطلاع دینے کے لیے آپ نے مجھے فون کیا ہے؟“

صالٹ نے طنز سے لہجے میں کہا۔

”نہیں، میں نے آپ کو یہ اطلاع دینے کے لیے فون نہیں کیا۔ ایسے کاموں کے لیے اطلاع کی ضرورت نہیں ہوتی۔“ وہ اسی طرح رکعت لہجے میں بولتا گیا۔

”میں فون کر کے صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ حاضرت کی کون سی میز پر تشریف فرما ہیں۔ اور یہ بھی چاہتا تھا کہ آپ اپنے قابل احترام انعام کو یہ اطلاع دے دیں کہ اسی شخصوں سے وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“

”کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟“

”زمین العابدین کی بات کر رہا ہوں۔ وہی آپ کا ذریعہ معلومات بنا ہوا ہے نا؟“ علیٰ نے کھالٹ کے چہرے پر بے تحاشا حیرت نظر آئی۔

”زمین العابدین نے مجھے کوئی معلومات نہیں پہنچائیں۔“

”یہ بات آپ کورٹ میں کمرے سے ہو کر بتائیے گا۔ وہاں ضرورت پڑے گی آپ کے اس بیان کی۔“

وہ تڑپ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”میں آپ کی ایسی دھمکیوں سے خوفزدہ نہیں ہونے والی۔“ صالٹ نے قدرے اگے لہجے میں کہا۔

”دھمکیاں کون دے رہا ہے آپ کو۔“ اتنا وقت کس کے پاس ہے میڈم۔ میں آپ کو اپنے لگیل رائٹس کے بارے میں بتا رہا ہوں۔“ اس نے دوسری طرف سے طنز سے انداز میں کہا۔

”اور آپ کو کسی چیز سے ڈرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔۔۔ آپ اپنے ڈیک پر بیٹھ کر Gossip mongering (الزام تراشی) کریں اور اگلے دن اخبار میں چھپوا دیں۔ اللہ اللہ خیر ملا۔ کسی کی جان جائے یا عزت آپ کو اس سے کیا۔“

”میں کوئی Gossip mongering نہیں کرتی۔ جو بات اپنے آرٹیکل میں کہتی ہوں۔ اس کا ثبوت ہوتا ہے میرے پاس۔“ علیٰ نے پٹیلی رکھتی ہوں۔ خوب میں آنے والی چیزوں کو کہیں لکھ دیتی۔ آپ کو مزید ثبوت

جائیں تو آپ یہاں اخبار کے دفتر تشریف لائیں۔ یا پھر کورٹ میں تو آپ جا رہے ہیں۔ کورٹ میں جیج کی دول کی سارے ثبوت۔“

عمر دوسری طرف اس کی بات پر حیرت منقطع ہوا تھا۔

”تم اور جیج جیسے جرنلس اور ان کی کریڈیٹیلٹی۔ تم لوگ ہیڈ لائن لٹا رہے ہو۔ ساری زندگی تم لوگ

ایک چھوٹی سی خبر کو کچھ سالہ میں من مزار دیتے ہو۔ شاید ہر رات تم لوگ یہی خوب دیکھتے ہوئے سوتے ہو کہ

اگلے دن تمہاری دی ہوئی کوئی خبر آیا آرٹیکل تک میں طوفان اٹھا دے گا۔ راتوں رات شہرت مل جائے گی خواہش میں

تم لوگ جھوٹ کے پلندے اکٹھے کرتے رہتے ہو۔ اور پھر انہیں محض ثبوت کا ٹیگ پہنا دیتے ہو۔“

یقین نہیں آیا۔ ”کیا تم نہیں جانتیں کہ میں اس کے بارے میں کیوں لکھ رہی ہوں؟“ علیزہ اس کی بات کے جواب میں کچھ دیر چمکٹیں بول سکی۔

”میں جانتی ہوں، عمر جہانگیر کو اس کے کرف توں کی سزا ملے۔“ وہ اسی طرح بغیر لحاظ کئے بول رہی تھی۔ ”میں جانتی ہوں..... اس کی ٹیلی رسوا ہو.....“ وہ بغیر کے بولتی جا رہی تھی۔ ”میں جانتی ہوں لوگوں کو ان کے اصلی چہروں کی شناخت ہو سکے۔“ صالحہ کے لہجے میں نفرت جھلک رہی تھی۔ علیزہ ٹپکٹیں جھپکے بغیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”ایک بات پوچھوں میں؟“ کچھ دیر کے بعد اس نے بڑے پرسکون انداز میں صالحہ سے کہا۔ ”اگر عمر جہانگیر نے تمہارے انگل کے بیٹے کو نہ مارا ہوتا تو کیا پھر بھی تم اس کے خلاف ایسی طرح لکھتیں؟“ صالحہ بے حس و حرکت ہو گئی، علیزہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے جواب کی منتظر رہی۔

”تم کیا کہنا جا رہی ہو؟“ چٹھوں کی خاموشی کے بعد اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ ”میں یہ پوچھ رہی ہوں کہ اگر عمر جہانگیر سے تمہاری ذاتی پر خاش نہ ہوتی تو کیا تم پھر بھی اس کے بارے میں ایسی طرح آرٹیکل پر آرٹیکل لکھتیں؟“ علیزہ کا لہجہ اب بھی بہت پرسکون تھا۔

”مجھے تمہارے سوال پر حیرت ہو رہی ہے علیزہ! کیا تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں صرف ذاتی دشمنی کی وجہ سے عمر جہانگیر کے خلاف لکھ رہی ہوں؟“ صالحہ کے چہرے پر اب ناراضی جھلک رہی تھی۔

”کیا ایسا نہیں ہے؟“ علیزہ نے کچھ بے نیازی پر رتے ہوئے کہا۔ ”نہیں..... ایسا نہیں ہے۔“ صالحہ نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”حیرت ہے۔“ علیزہ نے عجیب سی سکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ ”میرا خیال تھا کہ تم صرف ذاتی چٹپٹس کی وجہ سے اس کے خلاف لکھ رہی ہو؟“

”یہ خیال کیوں آیا تمہیں؟“ ”تم نے خود مجھے اپنے انگل، ان کے بیٹے اور دوستوں کا واقعہ سنایا تھا۔ اب وہ قصہ سننے کے بعد میں اور کس نتیجے پر پہنچ سکتی تھی۔“

”میں نے جنہیں وہ واقعہ اس نے نہیں سنایا تھا کہ تم یہ سمجھ لو کہ میں صرف اپنی دشمنی کی خاطر اس شخص کو بد نام کر رہی ہوں۔ اس کے خلاف جو کچھ میں لکھ رہی ہوں وہ.....“ علیزہ نے صالحہ کی بات کاٹ دی۔

”ہاں میں جانتی ہوں کہ اس کے بارے میں تم جو کچھ میں لکھ رہی ہو وہ سب سچ ہے۔ سوئی مدد نہ سکا۔ نوے فی صد سکا۔ تم اس کے خلاف سچ ہی شائع کر رہی ہو۔ مگر کیوں، ایسے سچ تو ہر بیورو کرے کہ ساتھ خشک ہیں، پھر عمر جہانگیر کیوں؟“ تم کسی اور کے بارے میں بھی تو لکھو۔“

”میں نے کسی جھوٹ کا ذکر نہیں کیا ہے۔“ پہلے آرٹیکل میں، کیا تم اسے بھول گئی؟“ صالحہ نے اسے یاد دلایا۔ ”میں نے کسی جھوٹ کا ذکر نہیں کیا ہے۔“ پہلے آرٹیکل میں، کیا تم اسے بھول گئی؟“ صالحہ نے اسے یاد دلایا۔ ”میں نے کسی جھوٹ کا ذکر نہیں کیا ہے۔“ پہلے آرٹیکل میں، کیا تم اسے بھول گئی؟“ صالحہ نے اسے یاد دلایا۔

سے بولتی گئی۔

”تم اس کی حمایت کیوں کر رہی ہو؟“

”حمایت نہیں کر رہی ہوں، میں بھی تمہاری طرح سچ ہی بول رہی ہوں۔ وہی جو محسوس کر رہی ہوں۔“ ”مگر بلبت بیورو کر رہی اور بیورو کر رہی کی ہی کرتی ہے تو پھر سب کی کرتی چاہیے۔ ہر برائی کو سامنے لانا چاہیے۔ ہر برے شخص پر تنقید کرنی چاہئے۔“ وہ پرسکون لہجے میں نہ چاہے ہوئے بھی عمر جہانگیر کی دکالت کر رہی تھی۔

”مجھے تمہاری نیت پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ تم یقیناً بیورو کر رہی کی برائیوں کے خلاف ہی لکھنا چاہ رہی ہو گی۔ اس کرپٹ سسٹم اور اسے چلانے والوں کو ہی یہ خطاب کرنا چاہتی ہو گی۔ تو پھر باقیوں کے بارے میں بھی لکھو۔“ علیزہ نے اپنے سامنے پڑا اخبار اس کی طرف میز پر رکھ دیا۔

”یہ خبر پڑھو..... ایک غریب بچل فروش کو چند پولیس والوں نے پکڑنے والے کی کڑھائی میں پھینک کر جلا دیا۔ بچل فروش نے ہاسٹل میں اپنے خزی بیان میں بتایا ہے کہ پولیس والے اس سے بچل لینے کے بعد قیمت دے دیے بغیر چارے تھے جب اس نے انہیں روکنے کی کوشش کی تو انہوں نے اسے بیٹنا شروع کر دیا اور پاس موجود بچل سے بھری کڑھائی میں ڈھکیں دیا۔“ وہ بغیر کے کہہ رہی تھی۔ ”کل اس بچل فروش کی موت ہو گئی اور پولیس کا کہنا ہے کہ انہیں اطلاع کی تھی کہ وہ بچل فروش بیرون کا کاروبار کرتا تھا اور اس دن وہ انہیں لے کے اس کے پاس گئے اور انہوں نے اس کی تلاشی لینے پر اس کے پاس سے بڑی مقدار میں بیرون اور چس برآمد کر لی۔ بچل فروش نے گرفتاری اور اس الزام سے بچنے کے لئے خودکشی کی کوشش کی اور کڑھائی میں گر گیا۔ پولیس نے اس کے خلاف شنایات فروش اور خودکشی کا مقدمہ درج کر لیا ہے۔ کوئی عمل کا اندھا بھی اس خبر اور واقعے میں موجود جھوٹ اور سچ کو جانچ سکتا ہے۔ کیا اس بچل فروش کے قتل کے الزام میں پورے انیشن کے ملے پر مقدمہ نہیں چلانا چاہئے۔“

ایس بی، ڈی ایس بی، اور ایس ایچ او کے خلاف نہیں لکھا جانا چاہئے۔ جو سب آٹھیں بند کئے سورہے ہیں۔ اس بارے میں بھی لکھو، اس ایس بی اور ایس ایچ او کے بارے میں بھی صالحہ پر بڑے زور کو آرٹیکل لکھنے چاہئیں، تاکہ اس شخص کے لواحقین کو بھی دیسی انصاف مل سکے جیسے انصاف تم اپنے انگل کے بیٹے کے لئے جاتی ہو، مگر.....“ علیزہ وایک لمحہ کے لئے رکی۔

”مگر اس بچل فروش کی کسی حمایت کا نام صالحہ پر دینے تو نہیں ہوگا جو اس کے بارے میں آرٹیکل لکھے یا انصاف مانگنے کی جرات کرے۔“ تیری دنیا کے تیسرے درجے کا شہری۔“

”علیزہ! تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟“ صالحہ کا لہجہ اب بار بار ہوا تھا۔ ”میں یہ کہنا چاہ رہی ہوں صالحہ کہ تم اس شخص کی جس حرمت کی بات کرتے ہیں، وہ صرف اب ایک کتابی بات ہے۔ ہم سچ لکھتے ہیں جب اس میں ہمارا اپنا مفاد وابستہ ہو۔ ہم جھوٹ کو یہ خطاب جب کرتے ہیں جب ہمیں اس سے کچھ فائدہ ہونے کی توقع ہو۔“

”تم غلط کہہ رہی ہو علیزہ۔“ ”نہیں، میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں، لوگ ہم دوسروں میں جس پر دیشہنوم کے نہ ہونے کا روٹا روٹے درجے

سب کی تسلیو کے بارے میں۔ کیونکہ میں اپنی فیملی کے بارے میں رعب کا فخر بھی کسی جذبے میں جھان نہیں ہوں۔“
علیہ نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ صالحہ اس بات پر مشتعل ہو گئی۔
- ”میری فیملی نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ جس کے بارے میں اخبار میں کچھ شائع ہوا۔“

”نئی عیب بات ہے جب کہ تمہاری فیملی کے بھی بہت سے لوگ بیوروکریسی میں اور جوڈیشری میں ہیں۔ کیا یہ مجھ کو نہیں ہے کہ وہ بالکل پاک باز ہیں۔ کوئی بری بات انہیں چھو کر نہیں گزری۔ کوئی کرپشن کوئی ایکٹیل ان کے دامن پر نہیں کسی قسم کا کوئی دھبہ نہیں ہے۔ کیا کوئی اس بات پر یقین کرے گا صالحہ؟“ علیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”میری طرح آخر تم بھی یہ تسلیم کیوں نہیں کر لیتیں کہ تمہاری فیملی کے افراد سے بھی بہت سی غلطیاں ہوتی رہی ہوں گی بلکہ اب بھی ہو رہی ہوں گی۔“

”میں ایسی کوئی بات تسلیم نہیں کر سکتی۔ اگر تمہاری فیملی کے بارے میں الزامات سامنے آ گئے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم سب کی تسلیو کو ہی اس ہجرت میں لاکھڑا کرو۔ کم از کم میں اپنی فیملی کو اس فہرست میں شامل نہیں کر سکتی جہاں تمہاری فیملی کا نام درج ہے۔“ صالحہ نے کندھے ہچکاتے ہوئے سرد مہری سے کہا۔

”تم مجھ پر متعصب ہونے کے الزامات لگاؤ۔۔۔۔۔ یا مجھ پر بھی ان پروڈیشن ہونے کے طعنے دو۔۔۔۔۔ مگر اس سے حقیقت نہیں بدلے گی۔ میں عمر جہانگیر کے بارے میں جو کچھ لکھ رہی ہوں، وہ ج ہے اور یہ ضروری ہے کہ اسے اس کے کئے کی سزا دی جائے۔“ صالحہ نے اسی رفتار سے بولتے ہوئے کہا۔ ”اب تم اسے ہمدردی کا نام دو یا رشتہ داری کا، بہر حال میں جانتی ہوں کہ میرے کزن کے ساتھ ہونے والی بے انصافی کا ازالہ کیا جائے گا۔“

”تو مجھ پر قلم سے ہونے والا کوئی جہاد تو نہیں ہے جس کے بارے میں تم اور میں بلند بانگ دعوے کرتے پھرتے ہیں۔ یہ صرف اپنے اپنے مفاد کی جنگ ہے۔ کیوں میں غلط کہہ رہی ہوں۔“ علیہ وہ اب بھی اسی طرح پر سکون تھی۔
”اپنے لئے انصاف طلب کرنا مفاد پرستی کیسے ہو گیا؟“ صالحہ نے اس کی بات پر جیسے ہوئے انداز میں کہا۔
”صرف اپنے لئے انصاف طلب کرنا مفاد پرستی ہی ہے، اسے کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔“

”فیکٹ ہے میری تمام بے مفاد پرستی کا نام دو۔۔۔۔۔ ہاں، میں جانتی ہوں کہ عمر جہانگیر کو سزا ملے کیونکہ اس کو سزا ملنی چاہئے اور اگر پھر بھی اس خواہش کی بجائے اپنی فیملی کے ساتھ اس کی طرف سے کی جانے والی کوئی زیادتی ہے تو بھی میں حق پر ہوں۔“ صالحہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ ”میں انسان ہوں، فحشہ نہیں ہوں۔“
”اور اگر میں اب بھی کہیں کرنا نہیں نے بھی اس خود غرضی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جس خود غرضی کا مظاہرہ ہم سب اپنی

اپنی استطاعت میں کرتے رہے ہیں تو؟“

”تم ایک غلط۔“ علیہ نے اس کی ناراضی سے کہا جانے والی بات کو کٹ دیا۔
”نہیں صالحہ۔“ عمر میری بات سنو۔ میں عمر جہانگیر کو پھانسی جاتی ہوں مگر اس کے باوجود میں جانتی ہوں اسے کچھ بھی نہیں ہوگا مگر میں پرڈیشن اخلاقیات کی بات کر رہی ہوں جو میں سمجھتی جاتی ہیں۔ جہازم ایسا

ہیں۔ وہ ہم میں بھی نہیں ہے۔“ علیہ نے اسی طرح غصے سے لکھ میں کتنی جاری تھی۔ ”کتنے جرنلس واقعی پروڈیشن ہیں۔ تم انہیں اٹھیں کی پوروں پر گمن کتنی ہو، اور کم از کم میں جنہیں پروڈیشن جرنلس میں نہیں گردان سکتی۔ چاہے تم اس بات کو کتنا ہی برا کیوں نہ سمجھو۔“ علیہ نے صاف گوئی سے کہا، صالحہ کچھ نہیں بولی۔

”ہم سب ایک Rotten system (مشتعل نظام) کی پیداوار ہیں اور اس میں رہ رہے ہیں۔ دوسروں پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنا گریبان اور دل دیکھنا بہت ضروری ہے۔ اپنے پردوں پر دوپے کے کردوسروں کے داروغہ کا حاکم کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور تم بھی کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔“ علیہ وہ خاموش ہو گئی۔
”میں پرڈیشن نہیں ہوں۔ تم پرڈیشن ہو۔“ علیہ نے سر اٹھا کر صالحہ کو دیکھا، وہ بڑی عیبی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ ”تو تمہارے میں عمر جہانگیر سے ذاتی پر خاش رکھتی ہوں اس لئے اس کے خلاف کچھ

رہی ہوں اور تمہارے نزدیک یہ پروڈیشن نہیں ہے۔“ صالحہ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔
”تو کیا یہ پروڈیشن ہے کہ تم عمر جہانگیر کو بچانے کی صرف اس لئے کوشش کر رہی ہو کیونکہ اس سے تمہاری رشتہ داری ہے۔“ صالحہ نے بڑے جیسے ہونے انداز میں عیبی اشکاف کیا۔ علیہ وہ جہانگیر کے بغیر مگر آئی۔

”مجھے حیرت نہیں ہوتی کہ تم میرے اور عمر جہانگیر کے رشتے کے بارے میں جانتی ہو، ہاں میں اب تک حیران تھی کہ کیا کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اس رشتے کے بارے میں نہ جانتی ہو جب کہ تمہارا انعام مزین العابدین ہے اور وہ لوگوں کے خاندانوں کو کھال ڈالنے کا ہار ہے۔“ علیہ وہ جیسے محفوظ ہو رہی تھی۔

”ہاں، تم فیکٹ کہہ رہی ہو، یہ بھی پروڈیشن نہیں ہے اور میں نے اپنے آپ کو پروڈیشن گردانا بھی نہیں۔ مگر تمہارا یہ الزام بالکل غلط ہے کہ میں عمر جہانگیر کو بچانے کی کوشش کر رہی ہوں، میں ایسی کوئی کوشش نہیں کر رہی۔“ اس کی آواز اب بھی اسی طرح پر سکون تھی۔ ”میں صرف یہ جانتی ہوں کہ اس کے ساتھ دوسروں کو بھی لکھنے میں لاکر کھڑا کیا جائے۔ صرف ایک عمر جہانگیر کو ہی کیوں نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ صرف اس کے خلاف ہی یہ Defamation campaign (جنگ آیزم) کیوں چلائی جا رہی ہے۔ گڑے مردے ہی اکھاڑتے ہیں تو سب کے اکھاڑے جائیں اور پھر اس وقت تم مجھے ان لوگوں کی فہرست میں شامل نہیں پاؤ گی جو کہ بچانے کے لئے پولیس یا لکھیں گے۔“

”تم جانتی ہو کسی کو نہیں ملتی تو تمہارے کزن کو بھی نہ ملے۔“ صالحہ نے طنز سے انداز میں کہا۔ ”مگر میں کہتی ہوں کہ کہیں نہ کہیں سے تو ابتدا ہوتی چاہیے۔ عمر جہانگیر سے ہی سہی، اس کو سزا ملے تو شاید کسی دوسرے کو عبرت ہو۔“ صالحہ نے سرد مہری سے کہا۔

”ان ساری پرڈیکشن کا آغاز میرے نہیں کیا تھا۔ ان کے بارے میں کیا خیال ہے جنہوں نے یہ سب شروع کیا۔“ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو عمر کا دفاع کرنے پر مجبور پارسی تھی۔

”تم صرف یہ جانتی ہو کہ عمر کو کچھ نہ ہوتا کہ تمہاری فیملی کے بارے میں کچھ بھی اخباروں میں نہ آئے۔“ صالحہ نے عیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں، میں جانتی ہوں سب کی تسلیو کے بارے میں لکھا جائے۔“ جی جی سب کچھ۔ میری تمہاری،

☆☆☆

عمیرہ احمد صاحبہ کی ناولز پڑھنے کے لئے ابھی وزٹ کریں

“آن پڑی۔“

علیہ کو کھانچا ہٹ ہوئی اگر اس کے اور صالحہ کے درمیان کل والی گفتگو نہ ہوئی ہوتی تو وہ یقیناً اسے کال کرنے میں تامل نہ کرتی مگر اب اس کے لیے صالحہ کو فون کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

”تم کیا سوچنے لگیں؟“ نعمانہ نے اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں کچھ نہیں..... بس ایسے ہی۔“ عزیزہ نے کہا کچھ دیر بعد ایک خیال آنے پر اس نے غمانہ سے پوچھا۔

”کیا صالحہ نے کوئی آرٹیکل لکھا ہے۔ کوئی نیا آرٹیکل؟“ نعمانہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”تم کب کی بات کر رہی ہو؟“

”کل کی..... یا آج.....“

”نہیں، اس نے کوئی نیا آرٹیکل نہیں دیا۔ ہو سکتا ہے گھر سے کچھ بھجوا دے یا پھر چھٹیوں کے بعد کچھ لکھ لائے مگر فی الحال اس کا کوئی آرٹیکل میرے پاس نہیں ہے۔“

”اچھا.....“ علیزہ کچھ اور اُکھٹی۔

”کیا اس نے تم سے کسی آرنیل کی بات کی تھی؟“ نعمانہ نے اچانک اس سے پوچھا۔

”نہیں ایسے کسی خاص آریٹل کی بات تو نہیں کی۔ میں دیسے ہی پوچھ رہی تھی کہ شاید پھنسی پر جاتے ہوئے وہ کوئی نئی چیز دے کر گئی ہو۔“

کچھ درِ نعمانہ کے پاس رہنے کے بعد وہ واپس اپنے کیمپ میں آ گئی۔ اسے کیمپ میں آنے کے بعد اس

نے فون اٹھا کر آفس کے آپریٹر سے بات کی۔ ”زکا۔۔۔ صالحہ نے کل آپ سے کسی

ریکارڈنگ لی ہے؟“ اسے لگا دوسری طرف ڈکا جواب دیتے ہوئے کچھ تامل کر رہا ہے۔

”آپ کس کی گفتگو کی بات کر رہی ہیں؟“ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ذکا نے اس سے پوچھا۔

”کل میرے آفس میں آپ نے صالحہ کی عمر جہانگیر کے ساتھ بات کروائی تھی۔ میں اس کی ریکارڈنگ کی

ات کر رہی ہوں۔“ عظیمہ نے اسے یاد دلایا۔

”نہیں، وہ میں نے صالحہ کو نہیں دی..... آپ جانتی ہیں، چیف ایڈیٹر کو بتائے بغیر اور ان سے اجازت لیے

غیر ایسی کوئی ریکارڈنگ کسی کو نہیں دی جاتی۔“ کل سالہ نے مجھ سے وہ ریکارڈنگ مانگی تھی مگر جب میں نے تیمور

صاحب سے بات کی تو انہوں نے وہ ریکارڈنگ دینے سے منع کر دیا۔ ”ذکا نے چیف ایڈیٹر کا نام لیتے ہوئے کہا۔

الہیزہ کچھ پرسکون ہوگئی۔

”تو وہ ریکارڈنگ آپ کے پاس ہے؟“ اس نے ذکا سے پوچھا۔

”نہیں۔ وہ میرے پاس بھی نہیں ہے۔“

”آپ کے پاس نہیں ہے تو پھر کس کے پاس ہے؟“ عظیمہ نے حیرانی سے پوچھا۔

”نہیں، مجھ سے اس کا کوئی جھگڑا کیوں ہوگا۔ ہم ابھی بھی دوست ہیں۔“ اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔
 ”مجھے صرف تجسّس ہو رہا تھا۔ اس لیے میں نے یہ سب کچھ آپ سے پوچھا۔“ علیزہ نے وضاحت کی۔
 ”مگر مجھے حیرانی ہو رہی ہے۔“
 ”کس بات پر؟“

”تیور صاحب اچھی آسانی سے تو پریشرز نہیں ہوتے، بلکہ ہمارے اخبار کی کریڈیٹلٹی ای بات پر عین کرتی ہے کہ ہم ہر قسم کے پریشر کو نہیں کرنا جانتے ہیں اور ابھی بھی پریشر کے آگے سرخڑ نہیں کرتے پھر اب تپا ہونے سے البتہ پر.....“ زہرہ جہار نے کندھے ہچکا ہے۔

”ہاں مجھے بھی حیرت ہے مگر..... ظاہر ہے..... پیچھے کوئی مذکور بات تو ہوگی۔ کوئی ایسی بات ہوگی کہ تیور صاحب نے اس سارے معاملے کو ختم کرنا بہتر سمجھا۔“
 ”اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ زین العابدین اس ای اسائنمنٹ پر کام کر رہا ہے۔ تیور صاحب اسے کیسے روکیں گے؟ وہ تو کبھی دہرا نہیں کرتا۔“

”تم سے کس نے کہا کہ زین العابدین اس اسائنمنٹ پر کام کر رہا ہے؟“ زہرہ جہار نے کچھ چونک کر کہا۔
 ”صالحہ سے پتا چلا ہے مجھے۔“ علیزہ نے صالحہ کا حال دیا۔
 ”میرے پاس ایسی کوئی اطلاع نہیں ہے اور زین العابدین.....“ زہرہ جہار کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔ ”وہ کبھی بھی پہلے سے اپنی اسائنمنٹس کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا، پھر صالحہ..... جو کبھی ہو، زین العابدین اور تیور صاحب کا مسئلہ ہے۔ وہ خود ہی اسے روک آؤٹ کر لیں گے۔“ انہوں نے سر جھٹکتے ہوئے کہا علیزہ وہاں سے باہر آ گئی۔

☆☆☆☆

اگلا دن بہت دھماکا خیز ثابت ہوا۔ وہ دوپہر کے وقت آفس میں کام کر رہی تھی جب نغمہانہ یکدم اس کے کیمین میں داخل ہوئی۔

”مالی گاؤ علیزہ! جیہیں جا رہے، صالحہ کے ساتھ کیا ہوا ہے؟“ اس نے کیمین میں داخل ہوتے ہی کہا۔
 ”نہیں سچ کیا ہوا ہے؟“ علیزہ اس کے سوال سے زیادہ اس کے تاثرات دیکھ کر خوفزدہ ہوئی۔
 ”اس کی گاڑی پر کسی نے فائرنگ کی ہے۔ آج صبح جب وہ آفس آ رہی تھی تو.....“
 ”مالی گاؤ۔“ جیہیں کس نے بتایا؟ وہ ٹھیک تو ہے؟“ علیزہ یکدم پریشان ہو گئی۔
 ”صالحہ نے خود فون کیا تھا ابھی کچھ دیر پہلے آفس میں..... اسی نے بتایا ہے۔“
 ”اس کا مطلب ہے، صالحہ ٹھیک ہے۔“ علیزہ نے سکون کا سانس لیا۔

”ہاں۔۔۔ وہ بہت کچی تھی جو جگ گئی۔“ نغمہانہ نے کرسی کھینچتے ہوئے کہا ”ان لوگوں نے اس وقت اس کی گاڑی پر فائرنگ کی جب وہ ابھی اپنے گھر سے نکلی تھی۔ فائرنگ کی آواز سننے ہی اس کے گھر کا کچھ بھی باہر نکل آیا اور اس نے بھی فائرنگ کی جس کی وجہ سے وہ لوگ بھاگ گئے مگر صالحہ تو بہت زیادہ اپ سیٹ ہے۔ اس نے تیور

میں ایک اور آرٹیکل لکھنے کی بلکہ اس کی تمام گفتگو شائع کر دے گی مگر بھروسہ مجھے پڑ چلی گی اور میرا کوشش کے باوجود اس سے رابطہ نہیں ہو سکا۔“ علیزہ نے جھوٹ بولا۔

”پھر کل مجھے پتا چلا کہ تیور صاحب نے صالحہ کو وہ آرٹیکل لکھنے سے منع کر دیا ہے اور وہ گفتگو کی ریکارڈنگ بھی شائع کر دادی۔“ اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... اوپر سے کچھ پریشر تھا۔“ زہرہ جہار نے اس کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا پریشر.....؟“ علیزہ نے پوچھا۔

”جیہیں پتا ہو تا چاہے علیزہ کیا پریشر ہو سکتا ہے۔ تم آؤ اس خاندان کی ایک فرد ہو۔“ وہ عجب سے اعزاز میں مسکرا کر بولیں۔

علیزہ چہرے کچھ نہیں بول سکی۔ اسے توقع تھی کہ وہ بھی یہ بات جانتی ہوگی۔ ”یقیناً صالحہ نے یہ بات.....“ اس کی سوچ کا حائل نوٹ کیا۔

”میں تو صالحہ سے یہ جان کر حیران رہ گئی کہ تم جہاں تکیر کی زن ہو، میرے تو دم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا، اور مجھے حیرت اس بات پر بھی تھی کہ تم اور صالحہ اتنی اچھی فریڈز ہو اور صالحہ پھر بھی تنہا دلی کی بارے میں لکھ رہی ہے اور تم نے کسی ریکل کا اظہار نہیں کیا۔“ زہرہ جہار اب کہہ رہی تھیں۔

”یہ تو مجھے صالحہ نے بتایا کہ وہ خود بھی چند دن پہلے تک یہ بات نہیں جانتی تھی۔ تم نے اس سے کچھ بھی اس بات کا ذکر ہی نہیں کیا۔“

”یہ ضروری تو نہیں تھا کہ میں ایسا کرتی۔“

”ہاں ٹھیک ہے ضروری تو نہیں تھا مگر ابھی..... چلو کوئی بات نہیں، اب تو ویسے بھی سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔“ زہرہ جہار نے اس کی بات کے جواب میں قدرے لا پرواہی سے کہا۔

”میں یہی جانتا تھا کہ وہی ہوں کہ سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ کل تک تو.....“ زہرہ جہار نے اس کی بات کاٹ دی۔

”یہ تو میں نہیں جانتی۔ تیور صاحب نے اتنی تفصیل نہیں بتائی مگر پرسوں کافی کالز آئی تھیں ان کے پاس، کافی اوپر سے اور وہ قدرے پریشان تھے۔ پھر انہوں نے صالحہ کو بلا کر اس سے بات کی۔“

”مگر وہ کیوں پریشان تھے۔ خود گورنمنٹ نے بھی تو انکوائری کا اعلان کیا تھا مگر کے خلاف۔“

”ہاں گورنمنٹ نے اعلان کیا تھا مگر اعلان کرنے میں اور انکوائری کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ صالحہ تو پرسوں بہت غصہ میں تھی۔ غصہ میں ہی پچھنی لے کر گئی ہے۔“ انہوں نے اسے ایک اور اطلاع دی۔ ”تمہارے اور

صالحہ کے درمیان تو آپس میں کوئی بات نہیں ہوئی؟“

”کیسی بات؟“

”کوئی جھگڑا.....؟“

صاحب سے بھی بات کی ہے اور کل وہ پریس کانفرنس کر رہی ہے۔

”وہ جانتی ہے کہ فائزنگ کس نے کی ہے؟“

”سب جانتے ہیں، وہ جن کے خلاف آج کل لکھ رہی ہے، ظاہر ہے ان لوگوں نے ہی۔“ نغمہ بان بات کرتے کرتے رگمکی۔

”تم عمر جہانگیر کا نام لیتا جا رہی ہو۔“ علیہ نے اس کی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... میں جانتی ہوں، جنہیں یہ بات بری لگے گی عمر جہانگیر کے علاوہ یہ کام اور کوئی نہیں کر سکتا۔ کم از کم آفس میں سب جی کہہ رہے ہیں اور وہ صالحہ کا بھی جی کہتا ہے عمر جہانگیر نے اس کی جیمنی کے دوران اسے گھر بھی فون کر کے دھکا کیا تھا۔

علیہ کچھ بے دم ہوئی۔ اسے یکدم ڈپریشن ہونے لگا تھا۔ آخر عمر جہانگیر کیوں اس طرح کی حرکات میں انوالو ہوتا ہے۔ نغمہ بان کچھ اور بھی کہہ رہی تھی۔ مگر علیہ کو اب کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

عمر کے لیے ایسی کوئی حرکت کرنا ناممکن تھا مگر وہ پھر بھی یہ توقع نہیں رکھتی تھی کہ وہ کسی صورت پر بھی ایسا حملہ کر داسکتا ہے اور وہ بھی تب جب وہ اخبار پر اتار پڑش ڈال چکا تھا کہ اب اس کے خلاف کچھ بھی شائع نہیں ہو رہا تھا۔ اسے عمر سے کھن آئی..... اسے اپنے خاندان سے کھن آئی۔

☆☆☆

شام کو صالحہ سے ملنے اس کے گھر گئی، ملازم نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا، کچھ دیر کے انتظار کے بعد وہ وہاں آیا۔

”بی بی سوری ہیں۔“ ملازم نے اسے اطلاع دی۔ علیہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہاتھ میں بکڑا پھولوں کا بوکے اس نے ملازم کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ میری طرف سے اسے دے دیں اور اسے بتا دیں کہ علیہ و سکندر اس سے ملنے آئی تھی۔ میں اسے کال کروں گی۔“

”ٹھیک ہے، میں ان کو آپ کا پیغام دے دوں گا۔“ ملازم نے سر ہلاتے ہوئے بوکے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ علیہ نے دے دینے کے بعد گھر سے اسے فون کیا مگر ملازم نے فون پر اس کا نام پوچھنے کے بعد اس سے کہا ”بی بی“ ایسی بھی سوری ہیں۔“

”آپ نے انہیں میرا پیغام دیا؟“

”جی..... وہ کھانا کھانے کے بعد دوبارہ اپنے کمرے میں چلی گئی ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ کوئی انہیں مٹرب نہ کرے۔“ ملازم نے اسے صالحہ کا پیغام دیا۔

علیہ نے فون بند کر کے صالحہ کے موبائل پر اسے کال کی۔ کال ریسیو نہیں کی گئی۔ وہ صاف طور پر اسے نظر انداز کر رہی تھی۔ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

علیہ وہ اس کی کیا بات کو کچھ بھی سمجھتی تھی۔ وہ یقیناً اس وقت عمر جہانگیر کے خاندان کے ہر فرد کو اپنا دشمن سمجھ رہی ہو گی اور چند دن پہلے علیہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو سے اس نے یہی اخذ کیا ہو گا کہ علیہ بھی عمر جہانگیر اور اس کے ہر اقدام کی مکمل حمایت کرتی ہے۔

اگلے دن کے اخبارات نے اس خبر کو فوری بیچ بیچ بٹھا دیا تھا۔ عمر جہانگیر پر اور کچھ اچھالا گیا تھا۔ اس کے حوالے سے اگلی پچھلی بہت سی خبروں کو اخبار میں لگایا گیا تھا اور اس باصرف ان کا اخباری یہ سب شائع نہیں کر رہا تھا بلکہ ہر اخبار اس کے بارے میں اسی طرح کی خبریں لگا رہا تھا۔

تیسرے دن کے اخبارات عمر کے بارے میں کچھ اور خبریں لے کر آئے تھے۔ صالحہ پرویز کی پریس کانفرنس کو نمایاں کو بیچ دی گئی تھی جب کہ عمر جہانگیر کی ترویج کو ایک منسلک کالی خبر بنا کر پچھلے صفحے کے ایک کونے میں لگایا گیا تھا۔ اسے بی بی این ایس کی طرف سے اس کی خدمت اور عمر جہانگیر کا برطرفی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

☆☆☆

”آج شام کو لاہور کے سارے صحافی پریس کلب سے گورز ہاؤس تک احتجاجی واک کر رہے ہیں۔ عمر جہانگیر کی معطلی اور اس کے خلاف اس کا خلاف حملہ کی انکوائری کے لیے۔ ہمارے اخبار کے سارے لوگ بھی جا رہے ہیں۔ علیہ وہ تم چلو کی؟“

”نغمہ بان نے تیسرے دن اسے صبح آفس آتے ہی بتایا۔ علیہ کی کچھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیا جواب دے۔“ کوئی ذہن تو نہیں ہے، اگر تم اس واک کو جوا نہیں نہیں کرنا چاہتیں تو کوئی بات نہیں.....“ نغمہ بان اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں تمہاری فیلنگز سمجھ سکتی ہوں.....“ اس نے جیسے علیہ سے ہمدردی کی۔

”میں نے ابھی کچھ نہیں کیا، ہو سکتا ہے میں شام وہاں آ جاؤں۔“ علیہ نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

وہ شام کو نہ چلے پڑے ہوئے بھی اس احتجاجی واک میں شرکت کرنے کے لیے چلی گئی۔ اگلے دن آفس میں کوئی بڑی جھڑپ اور سوالیہ نظروں سے بچنے کے لیے بھی بھڑکتا تھا۔

اسے دیکھ کر وہاں سب کو حیرت ہوئی تھی شاید کوئی بھی وہاں اس کی اس طرح آمد کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ ہائی لوگوں کے ساتھ ساتھ خود صالحہ پرویز بھی خاصی حیران نظر آئی۔ فائزنگ والے واقعہ کے بعد اس دن پہلی بار ان دونوں کا آنا سامنا ہوا تھا علیہ اس کی طرف بڑھا آئی۔

”صوبہ صالحہ..... تم کیسی ہو؟“ اس نے صالحہ سے پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“

”تم تم سے کوئی بات کرنے کی کوشش کرتی رہی ہوں مگر..... شاید تم بہت مصروف تھیں۔“ اس نے صالحہ سے کہا۔

”بس ایسے ہی آف کر دیا تھا۔ کچھ فریڈز کے ساتھ فورٹریس جلیا گئی تھی میں۔“ علیہ نے صوفہ پر بیٹھتے

”یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ آپ میرے فون کا انتظار کر رہی تھیں۔“ طلیزہ اس کے لیے میں ناراضی حاشا کرنے لگی۔ ”میرا تو خیال تھا کہ آپ خالص Self reliant (خود بخیر) ہیں۔ دوسروں کے انتظار جیسی حالت نہیں کر سکتیں۔ بہر حال آپ کی بہت مہربانی کہ آپ میرے فون کا انتظار کر رہی تھیں۔“ وہ پہلی بار اس بات سے آگاہ ہوئی تھی کہ جینے طرز پر منتظر بھی کر سکتا ہے۔ ”میں مصروف تھا اس لیے فون نہیں کیا۔“

کچھ دیر دونوں طرف خاموشی رہی پھر طلیزہ نے ہی ہمت کرتے ہوئے پوچھا ”آپ نے اخبار دیکھا؟“
”روز دیکھتا ہوں؟“ اس کا لہجہ اب بھی بے جا تھا۔

”آج کا اخبار دیکھا؟“
”شاید تم یہ پوچھنا چاہ رہی ہو کہ میں تمہاری تصویر دیکھی؟“ اس نے اتنے ڈائریکٹ انداز میں کہا کہ وہ کچھ نہیں بول سکا۔

”ہاں، دیکھی ہے میں نے..... بہت اچھی آئی ہے۔“ شرمندگی سے طلیزہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
”یقیناً فورٹیس میں بخوائی ہوئی تم نے..... اپنی فریڈ ز کے ساتھ۔“ وہ اب بھی کچھ نہیں بول سکی۔

”صحیح کہہ رہا ہوں نا؟“ وہ بڑے نارمل سے لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔
”جینہ! میں آپ کو بتا دینا چاہتی.....“ جینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا، کیا میں نے کیا ہے؟“
”آپ نے نہیں کیا مگر.....“ جینہ نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

”اور میں نے کوئی وضاحت بھی نہیں مانگی..... کیا مانگی ہے؟“
”نہیں مگر میں پھر بھی معذرت کرنا چاہ رہی ہوں۔“

”کس چیز کے لیے؟“
”غلط جانی کے لیے۔“

”معذرت چاہتا ہوں مگر اس جھوٹ کہتے ہیں جسے آپ غلط جانی کہہ رہی ہیں۔“ وہ کچھ دیر خاموش رہی۔
”ٹھیک ہے، آپ اسے جھوٹ کہہ لیں۔ میں اسے جھوٹ کے لیے آپ سے ایکسکوز دیکرنا چاہتی ہوں۔“

”قائد؟“ طلیزہ کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس کی بات کا کیا جواب دے۔
”مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ سے جھوٹ بولا، مجھے نہیں بولنا چاہیے تھا۔ مجھے آپ کو بتا دینا چاہیے تھا۔“ طلیزہ نے کچھ دیر کے بعد اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”تمہیں اس چیز پر افسوس ہے کہ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا مگر تمہیں اس چیز پر افسوس نہیں ہے کہ تم ایک احتیاط کام کے لیے وہاں گئی تھیں۔“ جینہ نے ٹکی سے کہا۔

”جینہ! میں آپ کو یہ سب کچھ نہیں سمجھا سکتی۔“ اس نے کچھ بے بسی سے کہا۔

”تم مجھے یہ سب کچھ صرف اس لیے نہیں سمجھا سکتی کیونکہ یہ بہت Illogical (غیر منطقی) ہے ایسا کچھ جس کا کوئی سرچری نہیں ہے۔“

”میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ صالحہ میری کو لگے اور دوست ہے۔“
”مگر جانتے رہا ہمارا فرسٹ کزن ہے۔“ جینہ نے اسی طرح کہا۔

”مگر صالحہ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔“
”مگر جانتے رہا ہمارا فرسٹ کزن ہے۔“ جینہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔

”مگر جانتے رہا ہمارا فرسٹ کزن ہے۔“ جینہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔
”صالحہ بھی اس کی خورہ دار ہے۔“

”میں ہم متعلق لوگوں کی وجہ سے آجکل میں بحث کر رہے ہیں؟“ طلیزہ نے کچھ جڑے ہوئے کہا۔
”جب ہم متعلق لوگوں کے لیے مرکب پر پوسٹ پکڑ کر کھڑی ہوئی تو پھر بحث تو ہوگی۔ اگر آج کوئی عمر جانتے رہا ہمارا فرسٹ کزن ہے۔“ جینہ نے اسی طرح کہا۔

”نہیں جاؤ گی۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا..... رشتے دانت داری مانگتے ہیں اور تم یہ حقیقت تسلیم کرو یا نہ کرو مگر عمر جانتے رہا ہمارا فرسٹ کزن ہے۔“ جینہ نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

”میں اپنے گھر والوں کو اس تصویر کی کیا Justification (وضاحت) دے سکتا ہوں کہ میری منجھتا پرانے ہی خاندان والوں کے خلاف پوسٹ پکڑ کر مرکب پر کھڑی ہے؟“ طلیزہ ہائے ہونٹ کاٹنے لگی۔

”میں نے آپ کو بتایا ہے، میں بہت خوشی سے وہاں نہیں گئی تھی۔ مجھے مجبوراً وہاں جانا پڑا۔“
”نہیں۔ میں یہ وضاحت قبول نہیں کر سکتا..... کوئی مجبوراً کچھ بھی نہیں کرنا جب تک کہ اپنی مرضی کسی نہ کسی حد تک اس میں شامل نہ ہو۔“ جینہ نے اسی طرح ترشی سے کہا۔

”میں آپ سے ایکسکوز دیکر تو رہی ہوں۔“
”مجھے تمہارا ایکسکوز کی ضرورت نہیں ہے طلیزہ! جس چیز پر تمہیں شرمندگی محسوس نہیں ہو رہی اس کے لیے ایکسکوز دیت کر پچھتے ہو۔“ جینہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”تو پھر میں اور کیا کروں، آپ کو پتا تو چل چکی ہوں کہ.....“
جینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”میں اس موضوع پر تم سے پھر کبھی بات کروں گا۔“ اس کے لہجے کی فحش اسی طرح برقرار تھی ”اور رات کو میں تمہیں کھانے پر نہیں لے جا سکتا گا کیونکہ کچھ مجھے کام ہے۔“ اس نے ٹکی بتایا پھر گرام کینسل کرتے ہوئے کہا۔

”خدا حافظ.....“ اس کے جواب کا انتظار کچھ لمبے بعد جینہ نے فون بند کر دیا۔
طلیزہ نے ابلیسی سے اپنے سوبائل کو دیکھا۔ ”آخروں سے میرا پوجت آف دیو کیوں نہیں سمجھتے۔ عمر جانتے رہا ہمارا فرسٹ کزن ہے۔“

اتنا سپورٹ کیوں کرتے ہیں۔ تب تک جب وہ غلط ہو۔“ اس نے سوبائل میز پر رکھتے ہوئے سوچا۔

شام کو وہ واپس گھر آئی تو نانو کا خصوصی طرح پر رقرار تھا۔ علیزہ کے ذہن میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔
”میں تو قہر بھی نہیں کر سکتی تھی کہ تم اس طرح مجھ سے جھوٹ بولو گی۔“ انہوں نے رات کو کھانے کی میز پر

بولنا شروع کر دیا۔

”تم بہت خوبصورت ہو گئی ہو علیزہ!“ علیزہ نے خاموشی سے کھانا کھاتے کھاتے چچا اپنی پلیٹ میں مٹی دیا۔
”میں نے ایسا کیا کر دیا ہے جس پر آپ سب اسی طرح مجھے بھڑا رہے ہیں۔“ اس کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔

”ہماری فیملی کی حیثیت یہ رہ گئی ہے کہ تم سڑکوں پر پوسٹر پکڑ کر کھڑی ہو۔۔۔۔۔۔ اور وہ بھی اپنی ہی فیملی کے ایک فرد کے خلاف۔“ نانو بڑی طرح مشتعل تھیں اس کے آنسوؤں نے بھی ان کو تباہ نہیں کیا۔ ”تم اپنی نہیں ہو علیزہ کہ اس طرح کی حماقتیں کبھی پروردگار میں جہیں کو کرکوں۔“ انہیں ہوا۔ اپنی فیملی کا نہیں تو اپنے ان لاڑ کا ہی خیال کیا کرو، کیا سوچے ہوں گے یہ تصویر دیکھ کر کہ تہار سے بارے میں اور ہمارے بارے میں اور خاص طور پر جینہ، وہ کیا سوچتا ہو گا کہ تہار سے بارے میں جس سے تم نے گل بڑے دھڑلے سے جھوٹ بولا تھا کہ تم اپنی فریڈ کے ساتھ فور ٹرفریس گئی تھیں۔“

”کچھ بھی نہیں سوچتا۔۔۔۔۔۔ وہ اور اس کے گھر والے، بس آپ کو ہی زیادہ فکر ہے کیونکہ یہ عمر کا مسئلہ ہے اور عمر کے خلاف تو آپ کبھی بھی جی نہیں کر سکتیں۔“

”جینہ بڑی مت کر علیزہ۔“ نانو نے اسے ڈانٹا۔

”اس میں بد تمیزی والی کیا بات ہے، عمر نے کیوں صاف پر حملہ کر دیا تھا؟ اب اگر کر دیا ہے تو بھگتے۔“

عمر نے صاف پر کوئی حلف نہیں کر دیا۔ وہ اس کی تردید کر چکا ہے۔“

”آپ کیا بات کرتی ہیں نانو۔۔۔۔۔۔ وہ تردید نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا۔ کیا یہ کہے گا کہ ہاں میں نے ہی حملہ کر دیا ہے۔“

”مگر اس سارے معاملے سے تہار کیا تعلق ہے۔ تم کیوں والو ہو رہی ہو ان میں۔ عمر جانے یا صاف۔۔۔۔۔۔ تم خواہ تو اہ۔۔۔۔۔۔ علیزہ نے نانو کی بات کاٹ دی۔

”میں کیا والو ہو رہی ہوں۔ ایک واک اینڈ کر لی، تو آپ سب مجھے اس طرح غلامت کرتے ہیں، آپ نے کبھی عمر کو اس طرح ڈانٹا ہے جس طرح مجھے ڈانٹ رہی ہیں جب کہ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا اور عمر بہت سارے غلط کام کرتا ہے۔“

”صبح کا کام۔۔۔۔۔۔ کون سا صبح کا کام۔ یہ سڑکوں پر کھڑے ہونا، یہ تربیت کی ہے جس سے تہار کی قسم اس طرح سڑکوں پر غور ہو کر پھر دو شرم آتی چاہیے۔ آج تک ہمارے خاندان کی کسی عورت نے ایسے کام نہیں کیے جیسے تم کر رہی ہو۔ لوئر کلاس والی ذہنیت ہوتی جا رہی ہے تہار کی اور کئی کسکندہ فون کر کے تہار سے بارے میں پوچھتے تو کیا کہوں اس سے میں کہ یہ سب میری تربیت کا نتیجہ ہے۔“ وہ بولتی جا رہی تھیں۔ علیزہ نے کچھ کہنے کے بجائے غصہ میں

کھانا چھوڑ دیا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

اگلے دن وہ آفس میں کام کر رہی تھی جب وہ پھر کے قریب اسے پتا چلا کہ صوبائی حکومت نے سماجیوں کے احتجاج کی وجہ سے عمر کو معطل کر دیا تھا اور اس کے خلاف انکوائری کی گئی تھی۔

آفس میں یہ خبر خاصی دلچسپی اور جوش و خروش کے ساتھ سنی گئی تھی۔ خاص طور پر صافہ خاصی خوش تھی اور علیزہ کو یہ خبر بھی اسی نے سنائی تھی۔ علیزہ نے اسے بھی بولی مسکراہٹ کے ساتھ مبارکبادی مگر اس خبر کو سننے ہی اسے یہ احساس ہونا شروع ہو گیا تھا کہ وہ خوش نہیں تھی۔ شاید وہ یہ توقع ہی نہیں کر رہی تھی کہ عمر کو ہلا کر معطل کر دیا جائے گا، اسے یہی توقع تھی کہ اس کے خاندان کے دوسرے لوگوں کی طرح عمر بھی جی جائے گا مگر اب یہ خبر۔۔۔۔۔۔

”عمر کے ساتھ ٹھیک ہوا، ایسا ہی ہونا چاہیے تھا اس کے ساتھ، جو کھانا اس نے کیا۔ اس کی سزا تو اسے ملنی چاہیے تھی۔“ وہ آفس میں سارا وقت اپنی افسردگی کو دور کرنے کے لیے خود سے کہتی رہی مگر اس کے ذہن میں اور اضافہ ہو گیا۔

جینہ نے اس دن بھی اسے فون نہیں کیا تھا اور وہ جانتی تھی اگلے دن اخبارات میں اس کی معطلی کی خبر سن کر اس کی ناراضی میں اور اضافہ ہو گا نہ صرف اس کی ناراضی میں بلکہ نانو کے غصے میں بھی جو عمر کی معطلی کا ذمہ دار بھی اسے ہی سمجھیں گی۔

☆☆☆

اس کا اعزاز وہ ٹھیک تھا، اگلے دن اخبارات میں عمر کی معطلی کی خبر پڑھنے کے بعد نانو کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ علیزہ ہنسنے کرتے ہوئے بڑی خاموشی سے ان کی تندرست نگینکو دیکھتی رہی۔ اس کے پاس اس کے علاوہ دوسرا اور کوئی راست نہیں تھا۔

”تم کو اعزاز ہے عمر کی معطلی سے اس کا کیریئر کس بری طرح متاثر ہو گا۔ میں پہلے ہی تہار کی تصویر کی وجہ سے ایاز اور جہانگیر کی بہت سی باتیں سن چکی ہوں، اپنے خاندان کے خلاف اس قسم کی ریلیز اور واکس میں حصہ لے کر تمہیں کیا مل گیا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اپنے ہی خاندان کے خلاف اس طرح کی حرکتیں کرے۔“ انہوں نے اشتعال کے عالم میں بولے لہجہ بڑھاتے کہا۔

”ایاز تو اس قدر ناراض ہو رہا تھا جس کی کوئی حد نہیں۔ وہ خود تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا مگر میں نے سمجھا بچا کہ اس کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ تہار سے لیے ان سب نے کیا کیا نہیں کیا علیزہ اور تم ہو کہ خود اپنے ہی خاندان کو رسوا کرنے پر تکی ہو۔“

”نانو یہ سب میں نے نہیں، عمر نے۔۔۔۔۔۔ علیزہ نے پہلی بار اپنے دفاع میں کچھ کہنے کی کوشش کی۔
”نام مت لو عمر کا۔۔۔۔۔۔ کچھ نہیں کیا اس نے، جو بھی کیا ہے تم نے کیا ہے۔ صافہ، صافہ۔ کیا ہے یہ صافہ۔۔۔۔۔۔ کیوں ہمارے خاندان کے پیچھے پر تکی ہے اور تم۔۔۔۔۔۔ تم اس لڑکی کو اپنا دوست کہہ کر گھر لاتی رہیں۔“ نانو سے غصے میں اپنی بات مکمل کرنا مشکل ہوتا تھا۔

علیہ نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ وہ جانتی تھی، اس کی کہی ہوئی کوئی بات بھی اس وقت نا تو کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔

☆☆☆

اپنی مسئلہ کے دودن کے بعد عمر لاہور میں تھا اور اس نے ایک پریس کانفرنس میں اپنے خلاف تمام الزامات کو بے بنیاد اور جھوٹا قرار دیا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اس کے خلاف یہ تمام الزامات لگانے والوں کے سیاسی مفادات ہیں۔ اس نے خاص طور پر اپنے علاقے کے کچھ سیاسی گمراہوں کو اس تمام مسئلہ کی جزا قرار دیتے ہوئے کہا کہ وہ لوگ اس کی فراسٹر کردار اپنی سریشی کے شخص کو وہاں لا تا چاہتے ہیں اور اس میں نا کاکی کے بعد انہوں نے صالح پرویز کو اس کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔

آفس میں شام تک اس کی پریس کانفرنس ہی دسکس ہوتی رہی۔ سب کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ عمر جہانگیر نے اس طرح دھڑلے سے ان سیاسی گمراہوں کا نام لیا تھا جو سماجی اور مرکزی حکومت کا حشد تھے۔ سب کو یقین تھا کہ اس نے اپنے تاہات میں آخری کیل ٹھوٹک لی تھی۔

"اب یہ شخص نہیں بچ سکے گا..... پہلے تو شاید یہ بچ جا تا مگر اب ان سیاسی گمراہوں کو اس طرح دھڑلے سے اٹھانے کے بعد چیچے سے اے بجائے والا کوئی نہیں رہے گا۔" حسین نے بچ آ کر کے دوران کہا وہ ان دور پروراز میں سے ایک تھا جو اس پریس کانفرنس کو کور کرنے میں تھے۔

"مجھے تو حق لگے ہے یہ شخص..... ایک تو اس طرح پریس کانفرنس کرنا حماقت تھی۔ اس پر مزید ڈسپنری ایکشن ہو سکتا ہے اس کے خلاف اور دوسرے اس بچا کر اس طرح سیاست دانوں کو اٹھانے والا وہ بھی جو حکومت میں ہیں اپنے بیرون پر نگہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔" دوسرے پر پروراز نے تہمید کہا۔

"مگر مجھے اس شخص کے عیطان اور سکون نے حیران کیا۔ لگتا ہے انہیں تھا کہ وہ اپنی مسئلہ سے پریشان ہے اور پھر جس طرح وہ سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے دو ٹوک انداز میں ہر بات سے انکار کر رہا تھا۔ میں تو اس سے خاصا متاثر ہوا۔

مس علیہ وہ آپ کا یہ کزن ہے لیلنڈ....." حسین نے اپنی کرسی کو تھوڑا سا گھماتا ہوا مس علیہ سے کہا۔ سب کی طرح حسین کی بات پر اس نے بھی کچھ مسکرائے کی کوشش کی۔

"مگر بعض دفعہ ضرورت سے زیادہ سادہ ہونا ہی بندے کو مراد دیتا ہے، اور سادہ ہونا....." نواز نے

تقریب دیتے ہوئے کہا۔

"میں تو اس وقت خاصا حیران ہوا، جب اس نے ان سیاسی گمراہوں کا باقاعدہ نام لیتے ہوئے اس سارے معاملے میں اٹھانے کی کوشش کی۔ دوسرا بیورو کریمے تو ایسا کہ انہیں سکا اور وہ بھی جب وہ مغل جینا ہو۔ اب دیکھتے ہیں کل کے دوسرے اخبارات اس پر کئی خبریں لگاتے ہیں۔" نواز نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے اپنی بات کو ختم کیا۔ علیہ نے اس شام کو ایک بار پھر جینہ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ اسے نا کاکی ہوئی۔ سوبال پر اس

کی کال ریسیو نہیں کی گئی تھی۔ اس نے دوبارہ اس کے کمر فون کیا۔ فون فیری نے اٹھایا تھا کہ ایک ملک ملک کے بعد اس نے جینہ کے بارے میں پوچھا۔

"جینہ بھائی ابھی کمر نہیں آئے۔" فیری نے اسے اطلاع دی۔

"آفس میں ہیں؟" علیہ نے پوچھا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتا..... ہو سکتا ہے، آفس میں ہی ہوں۔" فیری نے لاپٹی کا اکتہار کیا۔

"مگر آفس تو بند نہیں ہو جاتا نا وقت؟"

"ہاں، ہو جاتا ہے مگر پھر دفعہ اگر کام زیادہ ہو تو نہیں ہوتا۔ ویسے بابا تو گھر آ گئے ہیں، اس کا مطلب ہے کام زیادہ نہیں ہے۔" فیری نے اسے اطلاع دی۔

"آپ ان کے سوبال پر رنگ کیوں نہیں کر رہے؟" فیری کو اچانک خیال آیا۔

"میں نے سوبال پر کال کی ہے مگر اس نے کال ریسیو نہیں کی۔" علیہ نے اسے بتایا۔

"اچھا، آپ ایک منٹ ہولڈ کریں، میں بابا سے پوچھ کر آتی ہوں کہ کیا وہ آفس میں ہیں۔" فیری نے اسے ہولڈ کر دیا تو اسے کہا۔ چند منٹ کے بعد وہ دوبارہ لائن پر آ گئی۔

"بابا کمر ہے ہیں کہ وہ آفس میں نہیں ہیں۔ بابا سے کچھ دیر پہلے چلے گئے تھے۔" فیری نے اسے اطلاع دی۔

"آپ یا تو ان کے سوبال پر دوبارہ کال کریں یا پھر کچھ انتظار کریں، وہ گھر آتے ہیں تو شب انہیں آپ کی کال کے بارے میں بتا دیں گی۔"

"میں کچھ دیر بعد دوبارہ کال کروں گی۔"

"چلیں ایسا کر لیں۔" ویسے وہ آئے ہی والے ہوں گے۔" فیری نے کہا۔ علیہ نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

پچھلے چند دنوں سے جینہ سے اس کا کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ وہ جیسے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گیا تھا اور اس کی بس خاموشی نے علیہ کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ آج وہ جینہ سے اس معاملے پر ایک بار

محررات کرنا چاہتی تھی۔

رات گیارہ بجے کے قریب اس نے جینہ کو ایک بار پھر فون کیا۔ فون اس بار بھی فیری نے ریسیو کیا تھا۔ علیہ کی آواز سننے ہی اس نے کہا۔

"بھائی تو کافی دیر ہوئی، مگر آج سے اور میں نے انہیں آپ کی کال کا بھی بتایا تھا بلکہ آپ کو فون کرنے کا کہا تھا کیا انہوں نے آپ کو فون نہیں کیا؟"

"نہیں..... تم میری ان سے بات کر دو۔" علیہ نے اس سے کہا۔

"اچھا آپ ہولڈ کریں۔" فیری نے ریسیو رکھتے ہوئے کہا۔ علیہ انتظار کرنے لگی۔ اس بار فیری کی داہنی ایک لمبے انتظار کے بعد ہوئی تھی۔

"میں نے انہیں آپ کے فون کا بتایا ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ سے کہہ

دوں کہ وہ سو گئے ہیں۔" فری نے ریسیور اٹھاتے ہی بڑی صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔
 "آپ لوگوں کے درمیان کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا؟" اس بار فری نے قدرے تشویش سے پوچھا۔
 "حالانکہ آپ دونوں جس حراج کے ہیں۔ ایسے کسی واقعے کی توقع تو نہیں کی جاسکتی۔"
 "آپ ایسا کر رہیں کہ ایک بار پھر ہولڈ کریں۔ میں ان سے چاکر کبھی ہوں کہ آپ نے مجھے انہیں چگانے کے لیے کہا ہے۔" علیزہ نے اسے منع کرنا چاہا مگر دوسری طرف سے ریسیور دکھ دیا گیا۔ اس بار ایک لمبے انتظار کے بعد اسے ریسیور پر چینی کی آواز سنائی دی۔

"تمہیں کوئی کام تھا؟" ایک مسک بلیک کے بعد جنید نے بہت سرو لیچے میں اس سے پوچھا۔
 "جنید! کیا یہ ضروری ہے کہ مجھے کوئی کام ہو تو ہی میں آپ کو کون کروں۔"
 "ہاں، بہتر یہی ہے۔" علیزہ کو اس کے لیے اور اعزاز پر تکلیف ہوئی۔

"میں دے ہی آپ سے بات کرنا چاہتی تھی۔ کانی دن سے ہماری بات نہیں ہوئی اے۔"
 "تو اس کے لیے مجھے گانے کی ضرورت تو نہیں تھی۔ تم مجھے فون کر سکتی تھیں۔"
 "میں نے آپ کو گانا نہیں، فری نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کو سنیں رہے ہیں۔" دوسری طرف وہ کچھ

دیر خاموش رہا۔
 "فیک ہے، پہلے نہیں سورا تھا اب سونا چاہ رہا ہوں گا۔ تم بات کرنا چاہتی تھیں۔ بات ہو گئی۔ اب میں فون بند کر رہا ہوں۔"
 "کیا آپ کی ناراضی کسی ختم ہو گئی؟"

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ناراضی اس شخص سے ہوتے ہیں جسے آپ کی پروا ہو، تم سے ناراض ہو کر تو۔" وہ کچھ کہنے کیے کرک گیا۔
 "میں سونے کے لیے جا رہا ہوں، تم دوبارہ فون سے مت کرنا۔" اس نے اس بار اپنی بات ادھوری چھوڑ کر فون بند کر دیا۔

علیزہ کو بے اختیار چھٹلاہٹ ہوئی۔ اس کا دل چاہا وہ فون تو ڈالے۔۔۔۔۔۔ "ہر ایک نے عمر کے بجائے مجھے کبھر سے میں کھڑا کر دیا ہے۔ عمر کے بجائے مجھے معذرتیں کرنی پڑی ہیں، مجھے وضاحتیں دینی پڑی ہیں اور یہ جنید ایسا تو نہیں تھا پھر اسے کیا ہو گیا ہے، ایک چھوٹی سی بات کو کیوں اس طرح رائی کا پہاڑ بنا رہا ہے۔ کیا صرف عمر جہانگیر کی وجہ سے یہ مجھ سے اس طرح ناراض ہو گیا ہے۔ صرف عمر کی وجہ سے جس سے اس کا دور دور کوئی تعلق نہیں ہے جس سے یہ کبھی ایک بار سے زیادہ ملاک نہیں۔ کیا صرف اس شخص کے لیے مجھے اس طرح انکوار کر رہا ہے۔" وہ جوں جوں سوچ رہی تھی اس کی جھنجھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

"کیا اسے میری پروا نہیں ہے؟ ذرہ برابر بھی کہ اس کے اس طرح کے رویے سے میں ستنی ڈسٹرب ہو رہی ہوں اور یہ عمر جہانگیر کب تک یہ شخص آئیسیب کی طرح میری زندگی پر منڈلا لارہے گا۔" وہ ساری رات کھاتی رہی۔



باب ۲۸

اگلے دن وہ شام کو شہلا کے ساتھ کے ایف سی گئی جب ایک لمبے عمر سے کے بعد اس نے عمر کو دہاں دیکھا۔ علیزہ اور اس کی ٹیکل کے درمیان کانی فاصلہ تھا اور یہ صرف ایک اتفاق ہی تھا کہ علیزہ اور شہلا کی اپنے ٹیکل کی طرف بڑھتے ہوئے اس پر نظر پڑ گئی، کے ایف سی میں اس وقت خاصا رش تھا اور شاید یہ رش ہی تھا جس کی وجہ سے عمر انہیں نہیں دیکھ سکا۔ وہ ایک ٹیکل پر بیٹھا کھانا کھانے میں مصروف تھا مگر اس کی ٹیکل پر ایک اور فرد بھی موجود تھا۔ یقیناً اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔

شہلانے عمر کو ٹیکل دیکھا اور علیزہ نے عمر کی دہاں موجودگی کے بارے میں اسے بتایا بھی نہیں، وہ دونوں کھانا کھاتے ہوئے پائیس کرتی رہیں مگر دکان فوٹا علیزہ کی نظر میں اس ٹیکل کی طرف جاتی رہیں جہاں پر عمر بیٹھا تھا۔ شہلا کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے اس نے سوٹ ڈرک کا ایک کھونٹ پیا اور پھر اسے جیسے اچھوڑا گا۔
 "کیا ہوا علیزہ؟" شہلانے دیکھا جو اپنے منہ کو صاف کرتے ہوئے کچھ ہکا بکا سی عمر کے ٹیکل پر بیٹھے ہوئے دوسرے شخص کو دیکھ رہی تھی۔

وہ جنید ابراہیم تھا۔
 وہ پکٹیں جھپکا کر جنید کو عمر کے سامنے بیٹھے دیکھتی رہی، اس کی جھوک اڑ گئی تھی۔ وہ دونوں کھانا کھاتے ہوئے ایک دوسرے سے باتوں میں مصروف تھے۔

"جنید! کیا ہوا کھانے کیوں نہیں رہیں تم؟" شہلانے اسے تنبیہ کیا مگر اس نے شہلا کی بات پر دھیان نہیں دیا اور ابھی بھی اس ہی دونوں کو دیکھ رہی تھی شہلانے اس کے تاثرات کو نوٹ کیا اور گردن موڑ کر اس سمت دیکھا جہاں وہ کھینچ رہی تھی۔ چند لمحوں کی جستجو کے بعد اس کی نظر عمر اور جنید پر پڑ گئی۔

"عمر جنید کے ساتھ کیا کر رہا ہے؟" شہلانے بے اختیار گردن سیدھی کرتے ہوئے جراتی سے کہا۔
 "میری زندگی تباہ کرنے کی کوشش۔" علیزہ نے ان دونوں سے نظریں ہٹائے بغیر غصے سے کہا۔
 "نہا کچھ نہیں سمجھی۔ اس نے ایک بار پھر گردن موڑ کر عمر اور جنید کو دیکھا۔"

اس کی بات ماننے سے صاف صاف انکار کر سکتی ہو تو کیا وہ تمہاری بات مانے گا۔ وہ تم سے یہ نہیں کہے گا کہ اب تم کیوں اس کو اپنی مرضی پر چلانے کی، اس کے فیصلوں کو بدلنے کی کوشش کر رہی ہو۔" شہلا نے جیسے حیرت کرنے والے انداز میں اس سے کہا۔

"میں اس کو اپنی مرضی پر چلانے کی کوشش نہیں کر رہی اور نہ ہی آئندہ کبھی کروں گی اور dominate کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر میں عمر کو پسند نہیں کرتی۔ اسے اس بات کا پتا ہوتا چاہیے اور اسے میری پسند یا نا پسند کا احترام کرنا چاہیے۔" اس بار علیہ کا انداز کچھ دھانسان تھا۔

"یہ تو وہ پہلے ہی جان چکا ہوگا کہ تم عمر کو پسند کرتی ہو۔ میرا خیال ہے یہ بات تو اس کے لیے کوئی راز نہیں ہوگی مگر اب اگر وہ اس سے ملتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اسے نا پسند نہیں پسند کرتا ہے۔ پھر اگر اس نے تم سے یہ کہا کہ تمہیں بھی اس کی پسند اور نا پسند کا احترام کرنا چاہیے تو؟"

علیہ اسے گھورنے لگی۔ "تم عمر کو جانتے ہو مجھے بھی اس طرح کی بات کہہ رہی ہو؟"

"ہاں عمر..... میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کو جینید پسند کرے۔ تم عمر کو کیوں نا پسند کرتی ہو۔ اس کی وجوہات بھی دوسری ہیں، صرف معاملہ والا معاملہ تو اس کی وجہ نہیں ہے۔" شہلا نے اطمینان سے برگر کھاتے ہوئے کہا۔ علیہ کچھ لمحوں کے لیے کچھ نہیں بول سکی۔

"پھر میں عمر سے بات کروں گی۔ میں اس سے کہوں گی کہ وہ جینید سے ملنا چھوڑ دے۔" علیہ نے ایک بار پھر ہنسنے کی کوشش کی۔

"آخر تم دفع کیوں نہیں کر تیں اس سارے معاملے کو، وہ اس سے ملتا ہے دو۔ ضرور وہی نہیں ہے کہ ان کے ملنے کی وجہ وہی ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔" اس بار شہلا نے قدرے چڑکھ کر کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ کسی اور وجہ سے آپس میں ملتے ہو۔"

"میں چاہتی ہوں یہ جینید سے ایسے دیسے کیسے بھی نہ ملے۔ میں چاہتی ہوں جینید اس کی شکل تک نہ دیکھے۔" علیہ ہر طرح مشتعل ہو گئی۔

"تم بہت بولتی ہو علیہ۔" شہلا نے یکدم اس سے کہا۔

"کیا مطلب؟" علیہ نے اسے ناراضی سے دیکھا۔

"پانچ سال پہلے تم کسی قسم اور اب کسی ہو؟ اتنا فضا اور ضد تو کبھی نہیں کیا کرتی تھیں تم..... پھر اب کیا ہو گیا ہے؟"

علیہ نے جواب دینے کے بجائے اپنے سامنے پڑا ہوا برگر کھانا شروع کر دیا۔

"تنتی جلدی فضا آ جاتا ہے تمہیں..... اور پچھلے ایک سال سے تو تم..... آخر ہو گیا رہا ہے تمہیں؟" شہلا اب جیسے اسے ڈانٹ رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہو رہا مجھے، میں ایسی ہی تھی ہمیشہ سے۔" اسے شہلا کی بات پر اور غصہ آیا "کیا ہونا ہے مجھے

پچھلے ایک سال میں۔ میں بہت خوش ہوں اور میں آخر خوش کیوں نہیں ہوں گی۔ جینید جیسے آدمی کا ساتھ کسی بھی لڑکی کے لیے خوشی کا باعث ہو سکتا ہے اور ملک کے سب سے بڑے اخباروں میں سے ایک کے لیے کام کر رہی ہوں۔ لوگ میرا نام پہناتے ہیں اور تم کہہ رہی ہو کہ میں غصہ کرتی ہوں۔ کیوں کروں گی میں غصہ، میں اپنی کامیابیوں کو انجوائے کر رہی ہوں۔" اس نے اپنا برگر پلٹ میں مٹا دیا۔ "چاہے تمہیں یہ یاد رکھی کہ اس کا یقین آئے یا نہ آئے مگر یہ سچ ہے کہ میں بہت خوش ہوں اور میں اپنی زندگی سے بہت مطمئن ہوں اور میں اپنی کامیابیوں پر فخر کرتی ہوں جس کا اور کچھ....."

"میں نے یہ سب کچھ تو نہیں پوچھا تھا۔" شہلا نے دم آواز میں کہا۔ "میں نے تو صرف یہ پوچھا تھا کہ اتنی غصیلی کیوں ہو گئی ہو تم، اتنی جلدی غصہ کیوں آتا ہے تمہیں۔ ضد کیوں کرنے لگی ہو اتنی؟ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم مجھے اپنی کامیابیوں اور فتوحات کی داستان سنائی شروع کرو۔"

"تم کیا چاہتی ہو شہلا! میں اسی طرح ڈفر اور ڈل رہی ہوں، جیسا طرح پانچ سال پہلے تھی۔ آنکھوں پر پٹی اور منہ پر شپ لگا کر پھر کر جی طرح دس سال پہلے پہلے تھی، قی، فارا ڈسک میں بے وقف نہیں رہی ہوں۔ عقل اور سمجھا گئی ہے مجھ میں..... عرصے لوگوں کی انجوائے منہ کا سامان نہیں بن سکتی میں، زندگی اب مجھے استعمال کر سکتا ہے اور تو کچھ نہیں بدلا....." اس نے تکی سے کہا۔

شہلا نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے صرف اس کو ایک بار غور سے دیکھا۔

"اس طرح مت دیکھو مجھے۔ میں اب بھی تمہیں کوئی داستان امیر خزانہ نہیں سنارہی ہوں۔" علیہ نے برگر کی ٹرے اپنے آگے سے نکلی کے عالم میں بنا دی۔

"پچھلے دس دیکھیں تمہیں بیڑہ کھانا تو کھاؤ۔" شہلا نے اٹھنے دیکھ کر کہا "کم از کم اب اس طرح منہ افکار یہاں سے مت جاؤ۔"

"نہیں اب مجھے یہاں نہیں رکنا، میں نے بتا کھا کھا تھا کھالیا..... تم کھانا چاہو تو کھاؤ، میں باہر کا ڈی میں تمہارا انتظار کروں گی....." اس نے آکڑے ہوئے انداز میں اپنا بیگ اٹھا لے کر کہا۔

"فارا ڈسک علیہ.....! مجھے تمہارے ساتھ یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" شہلا نے اپنی ٹرے اٹھاتے ہوئے کہا۔

آئندہ آنا..... "علیہ نے اپنا موبائل اٹھا لے کر اس پر ایک نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔

"اب کسے کال کر رہی ہو؟" شہلا نے غصے سے کہا۔

علیہ نے جواب نہیں دیا، وہ کمرے کے کڑے دور دراز کونہ پر جینید کو دیکھتے ہوئے نمبر ڈائل کرتی رہی۔

جینید نے موبائل کی سپر پر اپنا موبائل اٹھا کر کال کا نمبر دیکھا اور پھر موبائل آف کر دیا۔

"کس کی کال ہے؟" عمر نے بات کرتے کرتے دگ کر اس سے پوچھا۔

"ایسے ہی ایک دوست کی....." اس نے عمر کو ٹال دیا۔

ہوئے کہا۔

”کیونکہ وہ اسی ہال میں کچھیں موجود ہے اور اس نے ہم دونوں کو دیکھ لیا ہے۔“ عمر نے اصرار نظر میں دوڑائیں۔

”اب دش اٹا ہے کہ اس طرح بیٹھے بھائے تو کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ کمزور ہو کر دیکھنا چاہیے۔“ عمر اپنی کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑا ہوا اور چاروں طرف نظریں دوڑانے لگا جبکہ جینے نے ایسی کوئی دھت نہیں کی۔ وہ اطمینان سے اسی طرح بیٹھے ہوئے ایک بریٹ چیں کو اس کے ساتھ کھانا بار بار چرچہ منوں کے بعد کندھے اچکاتے ہوئے اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”مجھے ہال میں تو کبھی نظر نہیں آئی۔ حالانکہ میرے اندازے کے مطابق اسے یہیں کہیں ہوتا چاہیے تھا۔“ اگر کال کی وجہ ہم دونوں کا کھینچے لیتا ہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ یوں آرام سے ہمیں کال کرتی پھرے گی۔“ جینے نے سوفٹ ڈرک کا پلے لیتے ہوئے اطمینان بھرے انداز میں کہا۔ ”وہ تو ہمیں دیکھتے ہی یہاں موجود ہوتی اور مجھے بازو سے پکڑ کر اس ٹیبل سے لے جاتی۔“

عمر اس کی بات پر مسکرایا۔ ”میں میرا خیال ہے، وہ پہلے مجھے دو تین چمچہ لگاتی اور اس کے بعد تمہارا بازو پکڑ کر جہیں یہاں سے لے جاتی۔“ اس بار جینے اس کی بات پر مسکرایا اور ٹشو سے اپنا منہ صاف کرنے لگا۔

”اس کے باوجود میرا خیال ہے وہ ہمیں کہیں ہے۔“ عمر اب سوفٹ ڈرک کے پلے لیتے ہوئے اپنے اطراف میں نظریں دوڑاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

”اگر تمہارا اندازہ ٹھیک ہے تو مجھ سے اس کی شکایت میں ایک اور شکایت کا اضافہ ہو گیا ہے اور آج رات کو وہ ایک بار پھر مجھے فون کرے گی اور مجھ سے تمہارے ساتھ ہونے والی میری ملاقات کے بارے میں پوچھے گی۔ اس کا مطلب ہے مجھے پہلے ہی غصا خراہ رہا جانا چاہیے۔“ جینے نے اطمینان سے کہا۔

”اور اچھا ہی ہوا مجھے یہ پتا چل گیا کہ دورے میں پھر اس بارے میں اس سے جھوٹ بولیں۔“ اس نے کٹھنچے پکڑا لے ہوئے عمر سے کہا۔ ”میرے اس کی بات پر کوئی تھرہ نہیں کیا، وہ سوفٹ ڈرک کے پلے لیتے ہوئے اب کٹھنچہ برقی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

☆☆☆☆

شہلا نے علیزہ سے فون جھین کر آف کر دیا اور اس کے بیک میں ڈال دیا وہ اب کے ایف سی کی سیز جیوں سے اتر رہی تھیں۔

”عمر کو فون کرنے کی کیا تنگ تھی ہے۔ اسے فون کر کے تم کیا کو می؟“ اس نے علیزہ کو سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

”جو کئی دل میں آئے گا میں کہوں گی۔“ اور اس نے سب کچھ جینے کو بتا دیا تو؟“

”تم کیا کہہ رہے تھے؟“ اس نے عمر کو بات جاری رکھنے کے لیے کہا۔

علیزہ نے موبائل کان سے ہٹا لیا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

”کیا ہوا؟“ شہلا نے پوچھا۔ علیزہ نے جواب دینے کے بجائے عمر کو درجہ کو دیکھا۔

”جینے کو کال کی ہے؟“ شہلا کو اچانک خیال آیا۔

”ہاں اور اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ جب تک یہ شخص اس کے ساتھ ہے۔۔۔۔۔“ اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اپنے ہونٹ ہنسی۔

”اچھا چلو۔۔۔۔۔ ہم جا رہے تھے یہاں سے۔“ شہلا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک ہاتھ میں اپنی فرسے پکڑی ہوئی تھی، علیزہ اس کے ساتھ چلتے چلتے ایک عمر ساتھ چلتے ہوئے اب وہ ایک بار پھر موبائل پر کوئی نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

”علیزہ! ہار بار نمبر ڈائل مت کرو۔ موبائل کو بیک میں ڈالو۔ جینہ ابھی بات کرنا نہیں چاہ رہا ہوگا کیونکہ وہ کھانے میں مصروف ہے اور پھر عمر کے سامنے وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہ رہا ہوگا۔“

●●●●●

عمر نے جراتی سے اپنے موبائل پر غور اور ہونے والا نمبر دیکھا اور پھر جینے کو۔

”کیا ہوا؟“ جینے نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے کہا۔

”علیزہ کال کر رہی ہے۔“ عمر نے کال ریسیو کرتے ہوئے عمر گھر اس کے ہیو کیے ہی دوسری طرف سے موبائل بند ہو گیا۔

”بات نہیں کی تم نے؟“ جینے نے اس سے پوچھا۔

”نہیں بند کر دیا اس نے۔“ عمر نے کچھ اچھے ہوئے انداز میں کہا۔

”اس کی کال پر اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو تم؟“ جینے نے کہا۔

”کیونکہ بہت عرصہ بعد اس نے آج اچانک موبائل پر مجھے کال کیا ہے۔“ عمر اب بھی الجھا ہوا تھا۔ جینہ یکدم کھانا کھاتے کھاتے رک گیا۔

”جہیں کیا ہوا؟“ عمر نے جراتی سے اسے دیکھا۔

”ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے مجھے بھی کال کی تھی۔“

”وہ کال جو تم کسی دوست کی کہہ رہے تھے؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ اگر وہ جہیں موبائل پر کال نہیں کرتی تو اس طرح آج اچانک اس نے ہم دونوں کو باری باری کال کیوں کی ہے؟“

”میں جانتا ہوں اس نے کیوں بار بار ہم دونوں کو کال کی ہے۔“ عمر نے اچانک اپنی فرسے پیچھے کھسکاتے

نہیں ہے۔" وہ بات کرتے کرتے لڑکے کے لیے رکی "مگر اس نے آج تک میری کوئی بات کسی سے نہیں کہی۔ مجھے اس سے یہ خوف نہیں کہ میں ہوا کر دو میرا کوئی راز کسی تیسرے سے آدھی کو بتا دے گا۔ اس نے میرے ساتھ ایسا بھی کیا ہی نہیں اور مجھیں ایک اور بات بتاؤں۔"

وہ ایک لحظے کے لیے پھر رکی۔ "وہ اگر چہ کہ یہ بات بتا دے گا تو چہیدہ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ تم جس بات سے مجھے ڈر رہی ہو مجھے اس سے اس لیے خوف محسوس نہیں ہوتا کیونکہ میں جانتی ہوں چہیدہ مجھے اتنی معمولی سی بات پر کبھی نہیں چھوڑے گا۔"

شہلا اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکی۔ عزیزہ اب دغہ سرکین سے باہر نظر آنے والی کے الیف سی کی عمارت کو دیکھ کر رہی تھی۔



رات کو چہیدہ نے اسے فون کیا تھا مگر عزیزہ نے فون پر اس سے بات نہیں کی، وہ شاید اس کال پر بہت خوش ہوتی اگر وہ چند گھنٹے پہلے ان دونوں کو وہاں بیٹھے اور پھر چہیدہ کے اس کی کال کو اس طرح نظر انداز کرتے نہ دیکھ چکی ہوتی۔

"آپ اس سے کہہ دیں کہ میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ میں مصروف ہوں جب فرصت ملے گی تو اس سے بات کروں گی۔" اس نے بڑی بے رحمی کے ساتھ اپنے کمرے میں پیغام لے کر آنے والے ملازم سے کہا۔ ملازم نے تھرائی سے اسے دیکھا اور واپس آ گیا۔

چہیدہ کی اگلی کال اس کے موبائل پر آئی تھی۔ اس نے موبائل پر اس کا نمبر دیکھ کر موبائل آف کر دیا، چہیدہ نے اس کے بعد کال نہیں کی۔

اگلے روز چہیدہ نے اس وقت کال کی جب وہ ناشہ کر رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر موبائل آف کر دیا۔ چہیدہ نے دوبارہ کمرے فون پر کال کی۔ اس بار فون نے ناٹو نے اٹھایا۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے کہا۔

"عزیزہ ناشہ کر رہی ہے، میں اسے بلوائی ہوں۔"

پھر انہوں نے ہنسنے لگے۔ چہیدہ نے اسے آواز دی۔ وہ کچھ دیر کاٹنا ہاتھ میں بکڑے کچھ سوچی رہی پھر کانٹے کو پلٹ میں شیخ کر فون کی طرف آگئی، ناٹو نے فون لینے ہی اس نے کسی سلام دعا کے بغیر چھوٹے ہی کہا۔

"میں آؤں گے لیے نکل رہی ہوں، آج آؤں میں بہت کام ہے مجھے۔ اور مجھے وہاں جلدی پہنچنا ہے۔ اس لیے بہتر ہے آج آپ مجھے فون نہ کریں، میں رات کو کبھی دیو سے مگر واپس آؤں گی اور آؤں گی ہی سو جاؤں گی۔" کوشش کروں گی کیکل آپ سے کچھ بات کروں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے، کل میں بہت مصروف ہوں گا اور میں تمہیں بالکل بھی ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا جب تمہیں فرصت ملے تب بات ہو جائے گی۔"

دوسری طرف سے فون دکھ دیا گیا۔ چہیدہ کی آواز میں کوئی گرم جوش نہیں تھی، وہ جان گئی تھی کہ چہیدہ کو اس کی

"کیا بتائے گا وہ چہیدہ کو؟"

"اس کے پاس بتانے کے لیے خاصا کچھ ہے۔" شہلا نے رک کر اسے دیکھا۔

"مثلاً کیا ہے اس کے پاس؟"

"وہ چہیدہ کو اپنے لیے تمہاری ناپسندیدگی کی وجہ بتا دے گا۔"

"چہیدہ پہلے ہی جانتا ہے کہ میں اسے کیوں ناپسند کرتی ہوں۔" عزیزہ اس کی بات سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔

"نہیں چہیدہ نہیں جانتا۔ اگر جانتا ہوتا تو۔"

شہلا نے بات ادھوری چھوڑ دی، وہ دونوں اب پارکنگ میں اپنی گاڑی کے پاس پہنچ چکی تھیں۔

"چہیدہ ابھی طرح جانتا ہے، میں سب کچھ بتا چکی ہوں اسے۔"

"کیا بتا چکی ہو؟" شہلا نے درختی سے گاڑی کے پاس پر رکتے ہوئے کہا۔

"میں عمر کو اس کی حرکتوں کی وجہ سے پسند نہیں کرتی۔" عزیزہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اس کے باوجود تم اس سے شادی کرنا چاہتی تھیں، یہ چاہے چہیدہ کو؟"

عزیزہ جواب میں کچھ نہیں بول سکی۔

"تمہاری ناپسندیدگی کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس نے تم سے شادی نہیں کی۔"

"ایسا نہیں ہے۔" عزیزہ نے کمرور آواز میں کہا۔

"ایسا ہی ہے عزیزہ! چاہے تم اسے ناٹو یا ناوہا مگر تمہاری حرکتوں کی وجہ سے عمر نے چہیدہ کی بات بتادی تو تاج کا اندازہ تم کر سکتی ہو۔" شہلا نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا؟" عزیزہ نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

"یہ مطلب ہے کہ تم اپنے دماغ کو استعمال کیا کرو اور کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس کے بارے میں دو بار سوچا کرو۔" شہلا نے اسے باز آواز میں کہا۔

"کیا بتا دے گا وہ اسے میرے بارے میں؟" کوئی سن قابل اعتراض بات ہے جو شہلا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"قابل اعتراض ہونے کا فیصلہ تم نہیں چہیدہ کرے گا اور اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ عمر اسے کس طرح ساری بات بتاتا ہے۔"

عزیزہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ اس کے ہونٹ جھپٹے ہوئے تھے۔

"اب چلیں یہاں سے؟" شہلا نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم کو ایک بات بتاؤں۔" عزیزہ نے یکدم گردن موڑ کر شہلا سے کہا۔

"عمر ایک انتہائی کینه اور گھٹیا آدمی ہے، وہ بے حد خود غرض شخص ہے، اس کی نظر میں کسی چیز کی کوئی اہمیت

بات بری لگی ہے مگر اس وقت اسے اس پر اتنا غصہ رہا تھا کہ اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔

”ہر بار اسے میں ہی فون کروں۔ ہر بار اسے میں ہی مٹاؤں..... اور یہ ہر بات مجھ سے چھپاتا رہا یہاں تک کہ عمر سے میل جول بھی۔ عمر کے سامنے اس نے مجھ سے بات تک کرنا پسند نہیں کیا۔ فون بند کر دیا۔ یہ اہمیت ہے اس کی نظر میں میری۔“

وہ بری طرح کھنٹی رہی۔ جنید پر اسے پہلے کبھی اتنا غصہ نہیں آیا تھا۔ اس کا خیال تھا جیسے مزاح اور عادات والے شخص پر اسے غصہ آ ہی نہیں سکتا لیکن کم از کم اس طرح کا غصہ نہیں جیسا غصہ وہ اس وقت اپنے اندر محسوس کر رہی تھی۔

جنید نے اگلے دن اسے فون نہیں کیا۔ رات کو جب وہ بے طے کر رہی تھی کہ وہ بھی آئندہ اسے اس وقت تک فون نہیں کرے گی جب تک وہ خود اسے فون نہیں کر لیتا تو اچانک جنید نے اسے موبائل پر کال کر لیا۔ اس کا لہجہ اتنا پرسکون اور خوشگوار تھا کہ طلیزہ کو جیسے جیڑی کرنا کا ایک جھٹکا لگا۔

”تو جتنا..... کیا ہو رہا ہے؟“ رکی سلام دعا کے بعد اس نے طلیزہ سے پوچھا۔ کچھ دیر کے لیے وہ سمجھ ہی نہیں پائی کہ وہ کیا جواب دے۔ وہاں دوسری طرف لگ ہی نہیں رہا تھا کہ ان کے درمیان کوئی ناراضی ہوئی تھی۔

”کچھ نہیں، میں سونا چا رہی تھی۔“ اس نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد کہا۔
”تم نے اتنے دن سے مجھ سے بات نہیں کی۔ تمہیں محسوس نہیں ہوا۔ اب تم سونے جا رہی ہو۔“ جنید نے جیسے انہیں اس کا اظہار کیا۔ ”مجھ سے ناراض ہو کر نیند آ جاتی ہے تمہیں؟“

”کھانا بالکل آ جاتی ہے۔“
دوسری طرف وہ ہنسا۔ ”شعر ہے تم نے نہیں کہا۔ بلکہ پہلے سے زیادہ اچھی آتی ہے۔“
”نہیں پہلے ہی کی طرح آتی ہے۔“

”یعنی میری ناراضی نے تمہارے معمولات پر کوئی اثر نہیں ڈالا؟“
”اگر آپ میری ناراضی سے متاثر نہیں ہوتے تو میں کیوں متاثر ہوں گی۔“
”یہ کس نے کہا ہے کہ میں تمہاری ناراضی سے متاثر نہیں ہوا۔ کھانا چنا چھوڑا ہوا ہے میں نے۔“ دوسری

طرف سے اظہار تنبیہ کی سے کہا کہ طلیزہ کو غصہ آ جا۔
”مگر سے لگنا تک بند کر دیا ہے، اس کے علاوہ اور کیا اثرات ہوتے ہیں؟“
”آپ نے مذاق اڑانے کے لیے کیا ہونا ہے؟“

”ارے..... کس کا مذاق اڑا رہا ہوں میں؟“
”انسان اگر کھانا وغیرہ کھا لے، باہر بھی آ جاتا رہے مگر دوسروں کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کرے تو باہمی تعلقات کے لیے یہ بہتر نہیں ہے۔“

”یہ تم میرے بارے میں کہہ رہی ہو؟“ اس بار جنید نے تنبیہ کی سے کہا۔

”آپ اپنے بارے میں بھی سمجھ سکتے ہیں۔“

”طلیزہ! کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم بچھلے کچھ دنوں کے واقعات کو Skip (چھوڑ) کر کے ایک دوسرے سے بات کریں؟“ اس نے تنبیہ کی سے کہا۔
”کیوں.....؟“

”یہ ہم دونوں کے تعلقات کے لیے زیادہ بہتر رہے گا۔“
”کون سے تعلقات جنید.....؟“ اس نے اس بارے میں پھر سے کہا۔ ”مجھے لگتا ہے کہ ہمارے درمیان اتنے لوگ ہیں کہ براہ راست والا تو کوئی تعلق شاید ہی نہیں۔ آپ نے اتنے لوگوں کو اس رشتے میں فریق بنالیا ہے کہ مجھے تو لگتا ہے ہماری کوئی پرائیویسی بھی نہیں ہے۔“

جنید نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم عمر کی بات کر رہی ہو۔ میں جانتا ہوں۔“
”یقیناً جانتے ہوں گے، آپ نہیں جانتے تھے تو کون جانے گا۔“ طلیزہ نے اس بار ناراضی سے کہا۔ ”آپ کی تو یہ اعلیٰ ظرفی ہے کہ آپ مان رہے ہیں کہ میں عمر کی بات کر رہی ہوں اور آپ یہ بات جانتے ہیں ورنہ آپ پہلے کی طرح صاف انکار کر دیتے اور یہ کہہ دیتے کہ عمر سے کبھی آپ کی کوئی بات ہی نہیں ہوئی تو میں کیا کر سکتی تھی۔“
”کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میں عمر کی بات نہ کر سں۔“ جنید کا لہجہ یکدم خشک ہو گیا۔

”اس کی بات میں سے نہیں آپ نے شروع کی۔ اسے اپنے اور میرے درمیان آپ نے کر کے اتنے تھے پھر اب اس کی بات کرنے سے کیوں ہچکچا رہے ہیں آپ؟“
”میں ہچکچا نہیں رہا ہوں۔ میں بس عمر کی بات نہیں کرنا چاہتا۔“

”آپ اس کے ساتھ کے ایف سی جا سکتے ہیں۔“ طلیزہ نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”آپ مجھے دھوکے میں رکھ سکتے ہیں۔ آپ اس کے معطل ہونے پر مجھ سے بات کرنا بند کر سکتے ہیں مگر آپ اس کے بارے میں مجھ سے بات نہیں کر سکتے۔ آپ مجھے بے وقوف سمجھ رہے ہیں یا بے وقوف بنا رہے ہیں۔“

”تمہیں اچھی بات غصہ آ رہا ہے اور غصہ میں بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔“ جنید نے قہقہے سے کہا۔
”جنید! مجھے غصہ نہیں آنا چاہیے۔ آپ کی غلط بیانی پر بھی مجھے غصہ نہیں آنا چاہیے۔“ وہ جنید کی بات پر اور ناراض ہوئی۔

”آپ نے عمر کی وجہ سے اتنے دنوں سے مجھ سے بات کرنا چھوڑا ہوا ہے اور آپ کو لگتا ہے غصہ میں، میں ہوں۔“
”اگر میں نے بات کرنا چھوڑا ہوا تھا تو فون بھی تو میں نے کیا ہے۔“ جنید نے کہا۔

”آپ نے کتنی بار فون کیا ہے، بس کل اور آج..... اور..... اس سے پہلے جو میں آپ کو فون کرتی رہی وہ.....“
”ہم بچوں کی طرح فضول باتوں پر لڑ رہے ہیں۔ ہمیں علم ہونا چاہیے کہ ہم پیار ہیں۔ عین ابھر نہیں ہیں۔“

سے پوچھا۔

عمر کو شاید اس سے اس طرح کے سوال کی توقع نہیں تھی۔

”میں..... میں ویسے ہی آیا ہوں یہاں۔“ عمر نے جیسے نہیں سمجھتا ہوا کہا۔

”وہی پوچھ رہی ہوں۔ تم یہاں ویسے بھی کیوں آئے ہو؟“ علیزہ کا خون کھول رہا تھا۔ چند ہفتے پہلے صالحہ کا انکشاف ایک بار پھر اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

”کیا ہوا علیزہ! اتنی روڈ کیوں ہو رہی ہوں؟“ عمر نے جیسے اس کے اشتعال کو کم کرنے کی کوشش کی۔

”میں تم سے ہی پوچھ رہی ہوں کہ تم ”میرے“ مگر میں کیا کر رہے ہو؟“ علیزہ نے ”میرے“ پر زور دیتے ہوئے کہا اور عمر چند لمحوں کے لیے کچھ نہیں بولا شاید بولیں سکا پگھلیں بچپانے کے بغیر وہ علیزہ کے چہرے کو دیکھتا رہا جو بری طرح سرخ ہو رہا تھا۔

”تم یہاں کیوں؟ اس کا جواب دے سکتے ہو؟ نہیں، کوئی جواب نہیں ہے تاہم اسے پاس؟“ وہ اب استہزائیہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ”دوسروں کی زندگی پر بار دہانے کے لیے ہر جگہ منہ اٹھا کر پہنچ جاتے ہو؟“ اس کے ہونٹ اور آواز بری طرح لرز رہی تھی۔

”علیزہ!“ عمر اس کی بات پر دم بخود ہو گیا۔

”تم سے عمر! تم سے برداشت ہی نہیں ہوتا کہ میں ایک اچھی پرسکون زندگی گزار سکوں۔“

”پتہ نہیں کیوں برا دکرنا چاہتے ہو تم مجھے۔ پتا نہیں میں نے کیا کیا بڑا ہے تمہارا۔“

”علیزہ! جہیں کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔“ عمر نے اس کی بات کاٹنے ہوا کہا۔

”مجھے غلط فہمی ہو رہی ہے۔“ مجھے؟ ایسا ہے تو تم یہاں کیوں آئے ہو.....؟“ اس نے مشکل خود کو چلانے سے روکا۔

”میں یہاں.....“ عمر نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر علیزہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”یہ میرا گھر ہے عمر!.....! کم از کم یہ وہ جگہ ہے جہاں سے میں نہیں دھکے دے کر نکلتا سکتی ہوں۔“ وہ اب گیت کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ ”یہ نانو کا گھر نہیں ہے جسے میں تمہارے ساتھ شیئر کرنے پر مجبور تھی۔ جہاں تم اپنا حق جتا سکتے تھے۔“

”میں یہاں کوئی حق جتانے نہیں آیا۔“ عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اور میں نے کبھی گرتی کے گھر پر بھی کوئی حق نہیں جتایا۔“ اس کی آواز پر سکون تھی۔ ”تم مجھ پر کم از کم یہ الزام عائد نہیں کر سکتیں۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ میرے گھر تھا۔ اب عمر تم مجھے یہاں سے دھکے دے کر نکالوا سکتی ہو۔“

وہ جب سے انداز میں مسکرایا۔

”مگر اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں اس کے بغیر یہاں سے چلا جاتا ہوں، ابھی اتنی تہذیب تو باقی ہے مجھ کی کہ میرے ساتھ کسی کو زبردستی نہ کرنا پڑے۔“ وہ ”مہم“ آواز میں بولا۔

”تم میں جتنی تہذیب ہے میں جانتی ہوں۔“ علیزہ نے نڈ بٹنے میں کہا۔ ”بلکہ مجھ سے زیادہ یہ بات تو کوئی

جان بھی نہیں سکتا۔“ عمر نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور بھر مڑنے لگا۔

”تم دو بار دیکھی اس گھر میں مت آنا۔“

عمر مڑتے مڑتے رک گیا۔

”کبھی بھی نہیں۔ عمر جہاں گھر نام کے کسی شخص کو نہیں جانتی اور نہ ہی میں جانا چاہتی ہوں۔“

عمر کے چہرے پر ایک سایہ سا گزرا۔ ”ٹھیک ہے..... اور پوچھو؟“ اس نے بہت سکون سے علیزہ سے پوچھا۔

”اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔“ علیزہ نے اگلے انداز میں کہا۔ وہ واپس مڑ گیا علیزہ وہاں نہیں دکی۔ وہ لمبے قدموں کے ساتھ لاڈ لگ کر دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔

جنید کی ای نے بڑی خوش دلی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

”ابھی تمہارا کزن آیا ہوا تھا۔“ انہوں نے بڑے سرسری انداز میں کہا۔

”ہاں میں ملی ہوں باہر پرچ میں۔“ علیزہ نے مسکراتے کی کوشش کی۔

”تمہارا چہرہ کیوں سرخ ہو رہا ہے؟“ انہوں نے اچانک چونک کر علیزہ کو دیکھا۔

”کچھ نہیں بس ایسے ہی.....“ علیزہ نے بہانہ بنایا۔ ”آپ عمر کے بارے میں بات کر رہی تھیں۔“ علیزہ

نے بات کا موضوع بدلا۔

”وہ کس لیے یہاں آیا تھا؟“ علیزہ نے ان سے پوچھا۔

”وہ بس ویسے.....“ جنید کی امی روایتی سے کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ ”یہ تو اس نے مجھے نہیں بتایا شاید جنید

سے ملنے آیا ہوگا۔“ جنید کی امی نے کہا۔

”وہی اچھا ہے..... کیوں علیزہ؟“ جنید کی امی نے اس کی رائے لی۔

”عباس بھائی بھی آتے رہے ہوں کچھ دلوں؟“ علیزہ نے ان کے سوال کو گول کرتے ہوئے پوچھا۔

”عباس..... کون؟“ جنید کی امی کچھ انہیں علیزہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

”جنید کے دوست ہیں..... وہ بھی میرے کزن ہیں انگلنڈ سے آئے ہیں۔“

”ہاں..... کون یاد آتا؟“ بس میرے ذہن سے یہ نکل گیا۔“ جنید کی امی نے کچھ گڑ بڑا کر کہا۔ ”عباس تو

یہاں نہیں آیا۔“

”اچھا..... پھر میرا خیال ہے انہوں نے جنید سے فون پر رابطہ کیا ہوگا؟“ علیزہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

”ہاں ہو سکتا ہے جنید اور اس کا فون پر رابطہ ہو۔ بہر حال وہ یہاں تو نہیں آیا۔“ جنید کی امی نے کہا۔

”اور یہ عمر..... کیا آج بھی بار آیا ہے؟“ علیزہ نے ایک خیال آنے پر ان سے پوچھا۔

”عمر.....؟“ وہ ایک بار بھر کچھ کہتے کہتے رکیں۔ ”ہاں بجلی بار آ رہا ہے۔“

”کیا تمہیں اس کا آتا چاہتا تھا؟“ اس پر علیزہ نے ان کے سوال پر گڑ بڑا دی۔

”نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے اس کا یہاں آنا برا کیوں لگے گا؟“

وہ تقریباً ایک گھنٹہ وہاں رہی اور اس کے بعد واپس گھر آ گئی مگر آ کر اسے پھر کھٹ ہوئی تھی، عمر کی گاڑی اب وہاں کھڑی تھی۔ اسے تو قہقہے کی سی کہ وہ عمر یہاں موجود ہوگا ورنہ وہ ابھی کچھ اور دلت وہاں گزارتی۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے ناؤ اور عمر کو وہاں دیکھ لیا تھا۔ اس نے دوسری نظر ان پر نہیں ڈالی سلام دعا کیے بغیر وہ سیدھی وہاں سے گزرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی اسے تو قہقہے کی عمر کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہاں سے چلا جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔

وہ ابھی کپڑے بدل کر ہاتھ دھو رہی تھی جب اس نے دروازے پر دستک کی آواز سنی۔
 ”دروازہ کھلا ہے“ اس نے اپنے بالوں کو ہینر بیڈ میں جکڑتے ہوئے کہا۔ اگلے ہی لمبے دروازہ کھلا اور عمر اندر آ گیا۔ وہ کچھ دیر شاؤنڈی اسے دیکھتی رہی ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہونے والے جھگڑے کے بعد اسے تو قہقہے کی عمر کو وہ ابھی فوراً دوبارہ اس طرح اس کے سامنے آ جائے گا۔

”تم مجھے دیکھ کر حیران ہو رہی ہو؟“ وہ جیسے اس کے تاثرات بھانپ گیا تھا۔
 ”نہیں میں نے تمہارے بارے میں حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔ میں تم سے کبھی بھی کسی چیز کی توقع کر سکتی ہوں۔“ طیلو نے نرمی سے کہا۔

وہ دروازے سے چند قدم آگے بڑھ آیا۔ ”میں بیٹھ سکتا ہوں؟“
 ”ہاں بالکل جہاں چاہو۔ بیٹھو۔۔۔ اس گھر پر تمہارا حق ہے یہاں میں تمہیں اس طرح Treat نہیں کر سکتی جیسے میں نے جنید کے گھر پر کیا تھا اور یہ بات ابھی طرح جانتے ہو۔ پھر اس طرح فائل کیوں ہو رہے ہوں۔ یوں جیسے تم بڑے مزے مند ہو۔ جیسے ہر کام تمہارے پوچھ کر کرتے ہو۔“ وہ نرمی سے نرمی سے کہتی رہی۔

”ہم کچھ دیر بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟“ وہ کوئی رومل خاں کے بغیر بولا۔
 ”نہیں میں اب تمہارے ساتھ کوئی بات کرنا نہیں چاہتی۔“ طیلو نے دو ٹوک انداز میں کہا۔
 ”میں وجہ جان سکتا ہوں؟“

”نہیں یہ جاننا ضروری نہیں ہے۔“ طیلو نے اگلے انداز میں کہا۔
 ”مجھے ضرورت ہے۔“ عمر نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”تم کس دن آئیے گئے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا چہرہ دکھانا۔ پھر میں وجہ جاننے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“
 ”میں آج یہاں آئیے میں اپنا چہرہ ہی دیکھنے آیا ہوں۔ تم مجھے میرا۔۔۔ بقول تمہارے۔۔۔ اصلی چہرہ دکھاؤ۔“

”یہاں تم کیا ثابت کرنے آئے ہو؟“
 ”مجھے تم پر کچھ بھی ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے طیلو۔“
 ”Then just get out of my room“ (جب آپ میرے کمرے سے تشریف لے جائیں)

”نہیں فی الحال میں یہاں سے جاؤں گا نہیں۔“ عمر نے نرمی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”مجھے لگا کہ تمہیں بار لگا ہے۔“
 ”نہیں برا نہیں مجھے کچھ عجیب لگا ہے۔ عمر دراصل کہیں جاتا نہیں اس لیے۔“ طیلو نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

”مگر۔۔۔“ وہ ایک بار پھر کچھ کہتے کہتے رکس اور انہوں نے طیلو کو فوراً سے دیکھا۔ طیلو کو یوں لگا جیسے ایک بار پھر وہ کچھ کہتے کہتے رہی ہیں۔
 ”تمہاری بہت تعریف کر رہا تھا۔“

انہوں نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ طیلو نے جواباً کچھ نہیں کہا وہ صرف بات کرتے ہوئے انہیں دیکھتی رہی۔

”جنید کہہ رہا تھا کہ تم اسے زیادہ پسند نہیں کرتیں۔“ انہوں نے یکدم اس سے کہا وہ چند لمبے کچھ نہیں کہہ سکی اسے تو قہقہے کی عمر بیڈ لپٹی ای سے ایسی کوئی بات کہہ دے گا اور خود جنید نے یہ اندازہ کیسے لگایا کہ میں عمر کو پانچہدہ صرف پچھلے چند واقعات کی وجہ سے۔“ وہ سوچنے لگی۔

”تم کیا سوچ رہی ہو طیلو؟“ جنید کی ای نے یکدم اس سے پوچھا۔
 ”نہیں کچھ بھی نہیں۔۔۔ اس نے یکدم چونک کر کہا۔

”میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا؟“ جنید کی ای نے جیسے اسے یاد دلایا۔
 ”میں اسے پانچہدہ نہیں کرتی۔“ پانچہدہ کو ایسا لگا کہ اس نے میری اس کے ساتھ اٹھ رہیں گے جن میں ہے

مگر اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہماری ملاقات ہی بہت کم ہوتی ہے۔“ وہ بے اختیار کہتی تھی۔ ”شاید زیادہ ملاقات کا موقع ملتا تو۔۔۔ میں انہیں پسند کرتی اور شاید وہ بھی۔۔۔ مگر جب اس عمر سے ملاقات کا موقع نہ ملے تو پھر یہ چیزیں اتنی اہم نہیں رہتیں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی اور اسے لگا کہ شاید وہ بھی تھی جن میں۔
 ”ہاں میں بھی سوچ رہی تھی کہ آخر تم عمر کو پانچہدہ کیوں کر دیتی۔۔۔ وہ تو اتنا۔۔۔“

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کر پاتیں فون کی تھن بجنے لگی۔ جنید کی ای چونک کر فون کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ طیلو نے گفتگو کا سلسلہ اس طرح نوٹے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

”میں دیکھوں کس کا فون ہے۔“ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
 ”میں فون کی بات جا رہی ہوں۔ اپنے کمرے میں ہی ہے؟“

طیلو نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ جنیں چاہتی تھی فون پر بات کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر اس کے پاس آئیں اور موضوع گفتگو پر عمر جہاں تک میری ہو۔
 ”ہاں اپنے کمرے میں ہی ہے۔“ انہوں نے کہا۔ ”ٹھیک ہے میں اس کے پاس جا رہی ہوں۔“ طیلو

لاؤنج سے نکل گئی۔

مجھے۔ جب لوگوں کو یہ پتا چلا ہے کہ تم میرے کرن ہو۔ تمہارے حوالے سے تعارف پر تکلیف ہوتی ہے مجھے۔ اسی طرح کی تکلیف جتنی دس سال پہلے تمہیں اپنے باپ کے تعارف پر ہوتی تھی۔“

عمر کے چہرے کا رنگ بد لے لگا۔

”یاد ہے نا کیا کہا کرتے تھے تم؟“ وہ غرائی۔

”یاد ہے۔“ عمر نے سرد آواز میں کہا۔

”ہاں یاد کیوں نہیں ہوگا تمہیں۔ وہی سب کچھ سامنے رکھ کر تو شیڈرڈ اور ہیئر ایئرڈ سیٹ کیے ہوں گے تم نے اپنے لیے۔“ وہ غصے سے بولی۔ ”مجھے سمجھتا ہے کہ یہ سیارہ حاصل کرنا ہے۔ انسانیت کے اس ٹپے پر جے کرنا ہے۔ سٹاک کی اس اینریجی پر کھڑا ہونا ہے۔ لوگوں کی زندگی کی تباہی کی یہ سچ حاصل کرنی ہے۔ خود غرض اور بے ضمیر کی اس اونچی منزل پر جا کھڑا ہونا ہے۔“

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، عمر ہونٹ کھینچے اسے خاموشی سے دیکھتا جا رہا تھا۔

”سارے شیڈرڈ تو تم نے وہیں سے سیٹ کیے ہیں۔ اپنے باپ کی ریپنشن کو روٹے تھے تم، اپنی ریپنشن کے بارے میں جا کر پوچھو کسی سے۔ لوگ تمہارے بارے میں کیا کہتے ہیں۔“

عمر نے ہلکی سی ہنسی چھپائی۔ وہ بالکل سادہ تھا، غلیظ و کواس پرز نہیں آیا۔ اس نے زندگی میں یہ کبھی نہیں سوا تھا کہ وہ کبھی عمر جہانگیر سے اس طرح بات کرے گی۔ کبھی عمر جہانگیر سے اس طرح بات کر سکتی ہے۔ کمرے کے وسط میں کھڑے اب وہ مرخص چہرے کے ساتھ خاموشی سے اسے گھور رہی تھی۔

”کوئی جواب ہے تمہارے پاس میری باتوں کا یا نہیں۔؟“ وہ چند لمحوں خاموش رہنے کے بعد بلند آواز میں چلائی۔

”اس سے پہلے کہ عمر کچھ کہتا کمرے کا دروازہ کھول کر نا تو اندر آئیں۔“

”کیا ہو رہا ہے یہاں غلیظ۔۔۔۔۔ ام دوں انہیں میں بھڑو رہے ہو۔ باہر تک آواز آرہی ہے تمہاری۔“ انہوں نے ان دونوں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد کہا۔ اس سے پہلے کہ غلیظ کوئی جواب دیتی عمر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور تانوں کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے نرمی سے انہیں باہر کی جانب دھکیلا۔

”تمہیں ہم میں کوئی بھڑو نہیں ہو رہا، ہم کچھ باتیں دیکس کر رہے ہیں۔ گرہنی پلیر! آپ باہر چلی جائیں، ہم ابھی بات ختم کر کے باہر آ جائیں گے۔“

تانوں نے کچھ کہنے کی کوشش کی، ”مگر عمر۔۔۔۔۔“

”پلیر! گرہنی! میں ریکورڈ کرتا ہوں۔“

عمر نے انہیں اپنی بات مکمل نہیں کرنے دی، وہ بلا خرہ تھپتھپاڑا لٹے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

عمر ایک بار پھر صوفہ پر جا کر بیٹھا گیا۔

”میرے پاس ہر بات کا جواب ہے مگر بہتر ہے کہ پہلے تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو کہہ لو۔ میں بعد میں بات

کروں گا۔“

”مجھے اور کچھ نہیں کہنا، میں کہہ چکی ہوں سب کچھ۔“ وہ غرائی۔ ”وہ صوفہ پر کچھ آگے کو جھک گیا۔“

”ٹھیک ہے۔ سب سے پہلے جھوٹ کی بات کر لیتے ہیں۔ میں نے تم سے کیا جھوٹ بولا ہے۔“

”میں تمہارے کون کون سے اور کتنے جھوٹ گواہوں۔“

”جتنے یاد ہیں اتنے گواہوں۔“

”اس گھر پر جنس نیاز نے حملہ کروایا تھا؟ مجھ پر اور نا تو پر۔۔۔۔۔ مجھے وہ لوگ انکار کرنا چاہتے تھے ہے۔“

”سب تو سچ ہی ہوگا۔ اب بولو۔۔۔۔۔ اب کیوں نہیں بولتے، جنس نیاز نے حملہ کروایا تھا نا اس گھر پر؟“

”نہیں۔۔۔۔۔“ عمر کے چہرے پر اب بھی سکون تھا، غلیظ و کواس کے جواب کے مزے مشتعل کیا۔

”جنس نیاز نے نہیں کروایا، بڑی حیرت کی بات ہے۔ تم نے تو مجھ سے یہی کہا تھا کہ جنس نیاز نے حملہ

کروایا ہے کہا تھا؟“

”ہاں کہا تھا۔“

”اور یہ جھوٹ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح اسے جھوٹ نہیں کہا جاسکتا۔“

”یہ جھوٹ تھا مگر مجھے اس جھوٹ پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔“

”تمہیں شرمندگی ہو بھی نہیں سکتی۔ شرمندہ ہونے کے لیے باخیر ہونا ضروری ہے اور یہ چیز تو تمہارے پاس

کبھی تھی ہی نہیں۔“ عمر نے اس کے نظریے جیسے کو نظر انداز کر دیا۔

”جنس نیاز والے معاملے میں تم سے جھوٹ بولا گیا، مگر میں ایک انہیں تھا اس جھوٹ میں ہر ایک نے تم

سے جھوٹ بولا کیونکہ تم کسی کی بات ماننے پر تیار ہی نہیں تھیں۔“

”ہر ایک سے تمہاری مراد عباس اور تم ہو؟“

”گرہنی بھی۔“ غلیظ نے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

”اس مسئلے جتنے بارے میں وہ پہلے سے جانتی تھیں؟“ اسے اپنی آواز کی کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

”ہاں۔۔۔۔۔“

”چونکہ کارڈاشی ہو بھی ایک ڈرامہ ہوگا۔ وہ بھی کہیں چھٹیاں گزرا کر آ گیا ہوگا۔“

عمر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ”میرے گارے کا جھوٹ کس نے کھڑا، یقیناً تم نے۔“

”نہیں یہ میں نے نہیں کہا۔ مجھے اس کے بارے میں بعد میں محاسن سے پتا چلا تھا اور میں نے اس پر

محاسن۔۔۔۔۔ غلیظ نے ہاتھ اٹھا کر بات کاٹ دی۔

”تم۔۔۔۔۔ کو بعد میں پتا چلا۔ تم کو۔۔۔۔۔ یہ بھی ایک اور جھوٹ ہوگا۔ ہر معاملے میں تم لوگ اکٹھے ہوتے ہو۔

ہر بات کی خبر رکھتے ہو اور تمہیں اس کے بارے میں بعد میں پتا چلا میں یقین نہیں کر سکتی۔“

”مت کرو۔۔۔۔۔ مگر یہ سچ ہے کہ مجھے اس بات کے بارے میں بعد میں پتا چلا۔ اگر پہلے پتا چلا تو میں کبھی

کے سچے سے سٹار ہوئے بغیر ہوئی۔

”کورٹس..... کون سے کورٹس؟“ وہ خنجر سے ہنسا ”کورٹس کہتے ہیں ثبوت لائیں، گواہ پیش کریں، چودہ افراد کو قتل کر دیئے والے شخص کے خلاف کون گواہی دینے کے لیے کھڑا ہوگا جس ملک میں ریوادر کی گولی بلیک میں سات روپے کی اور ایک لائف سینگ ٹیبلٹ سو روپے میں ملتی ہو، وہاں کون اٹھ کر یہ کہے گا کہ ہاں یہ وہ آدمی ہے جس کو روپے کے مرکز پر چارواگوں کو قتل کرتے دیکھا۔“

وہ خنجر سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”جہاں لوگ بدلہ لینے کے لیے انتظار کرتے ہیں کوئی اپنی جیش بھگتنے کوٹ میں آئے تو اسے وہاں مارا جائے، کیونکہ گورٹ میں مانتا ہے کہ زیادہ محفوظ ہے۔ وہاں تم Rule of law اور کورٹس کی Supremacy (برتری) کی بات کرتی ہو،“ وہ مسلسل بول رہا تھا۔

”جہاں Lower courts کے سیکڑوں جج ہیں سے نہ کہنے والے جج کو آدمی اٹھی پر مگن سکتا ہو اور جہاں ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کا بیج کے لیے قابلیت کے بجائے سیاسی بیک گراؤڈ اور اپوچ علیہ ہو۔ جہاں ایک وزیراعظم یہ کہے کہ اس کی خواہش تھی کہ اس کی پادنی کے ایک وقادار جیل کے سپریم کورٹ کا چیف جج بنا دیا جائے اور دوسرے وزیراعظم کی پادنی کے لوگ سپریم کورٹ پر حملہ کر دیں اور سپریم کورٹ تو بین عدالت کا فیصلہ کرنے میں تین سال لگے وہاں کورٹس جرموں کو سزا دلائیں گے۔“

وہ ایک بار بھر ہنسا۔

”جن لوگوں کو پکڑنے میں پولیس کے کئی کئی سال لگ جاتے ہیں اور لاکھوں روپیہ خرچ ہو جاتا ہے..... انہیں پکڑنے کے بعد ان کے خلاف ایک گواہ نہیں ملتا۔“ اس نے سرخ چہرے کے ساتھ ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

”لوگ اسے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے قریبی عزیزوں کے قتل پر گواہ نہیں بنے۔ بیج ہو چھتا ہے کوئی گواہ ہے۔ وکیل اسے استغاثہ کہتا ہے نہیں۔ وکیل صفائی کہتا ہے ضمانت پر رہا کر دیں۔ جناب! میرے موکل کو پولیس نے جان بوجھ کر گرفتار کیا ہے۔ بیج پانچ ہزار کے ضمانت کے چھلکے پر اسے رہا کر دیتا ہے۔ ہمارا پورا ڈیپارٹمنٹ مزدو بیٹھا رہ جاتا ہے۔ یہ ہے اس ملک کا نظام عدل۔“

وہ جلیں جھپکائے بغیر ناگواری سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”اور عدالت کو چھوڑو ان سے پہلے ہی سے بڑے بڑے سیاست دانوں کی سفارش آتا شروع ہو جاتی ہیں، ان کے لیے کیونکہ یہ لوگ ان کے پالے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک قتل ہی اپنے لیے کرتے ہیں تو اس ان کے لیے۔ وزیراعلیٰ یا گورنروں کے کہے کہ فلاں آدمی جو آپ نے پکڑا ہے اسے چھوڑ دیں تو ہم اسے اس کے بارے میں مقدمات کی تفصیل کیسے بنا سکتے ہیں۔ تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ایسے آدمیوں کو پکڑنے کے بعد مار دیا جائے، اس سے پہلے کہ ان کے لیے کوئی سفارش آئے یا عدالت انہیں رہا کرے اور وہ دوبارہ پولیس کا ناک میں دم کریں اور مر جھگیاں لیا کرنے

بھی انہیں ایسی بات کہنے نہ دیتا۔ میں اتنا کر ہوا نہیں ہوں۔“ مراب سونڈ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

”میری جگہ اگر تمہاری اپنی بہن ہوتی..... یا جو ذمہ ہوتی تو اس کے بارے میں ایسی بات برداشت کر سکتے تھے تم..... مجھ سے تو خیر تمہارا رشتہ ہی کوئی نہیں ہے۔“

”تم میرے لیے کسی بھی شخص اور کسی بھی رشتہ سے زیادہ اہم ہو۔“

”نہیں، میں نہیں ہوں..... ایسی باتوں سے اب بے وقوف نہیں بن سکتی عمر جھانگیر۔ اب پیچھو ہو گئی میں“ اس نے طرہ پر انداز میں کہا۔

”جہاں تک صالحہ کا تعلق ہے تو میں نے صالحہ پر کوئی حملہ نہیں کروایا۔ ایسا کام کوئی بے وقوف ہی کر سکتا ہے اور میں کم از کم بے وقوف تو نہیں ہوں۔“ اس نے قدرے جتنا دے والے انداز میں کہا۔

”میں اس وقت آفس میں تھی جب تم نے اسے فون کیا تھا۔“ علیزہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ”اور میں نے خود فون پر سنا تھا۔ تم اسے دھکا رہے تھے۔“

”دن میں، میں اگر دس لوگوں کو دھکا دے گا تو کیا دس لوگوں پر حملہ کرواؤں گا۔“ عمر نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

”میں دوسرے لوگوں کے بارے میں نہیں جانتی مگر صالحہ کا تمہارا علاوہ اور کوئی دشمن نہیں ہے۔“ علیزہ نے دوہرہ کہا۔

”صالحہ خود اپنی سب سے بڑی دشمن ہے۔“

”کیوں وہ تمہارے بارے میں جچ سکتی ہے اس لیے۔“

”جچ..... کیا جچ؟“ وہ سختی سے ہنسا۔

”جرموں کے بھی انسانی حقوق ہوتے ہیں۔“ اس نے صالحہ پرویز کے آئینک کا عنوان کچھ خنجر سے پڑھا۔

”ہاں جرموں کے بھی کچھ انسانی حقوق ہوتے ہیں، وہ کہتے جلیاں نہیں ہوتے کہ کہیں بھی کسی کے پکڑ کر انہیں مار دو۔ اگر تم لوگوں نے یہی سب کچھ کرنا ہے تو عدالتیں بند کر دو۔ لوگوں کو پکڑ دھکڑے کھڑے شوٹ کر دو اور

میں..... یہ دیکھو بھی مت کہ کس نے کیا کیا ہے۔“

”جن جرموں کو پکڑ کر ہم پولیس مقابلوں میں مار دیتے ہیں ان کے کوئی انسانی حقوق نہیں ہوتے کیونکہ وہ انسانی نہیں ہوتے۔“ عمر نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

”اس طرح کے جرم جن میں چاروں کو.....“ عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔

”ان چاروں کو چھوڑ دو۔ وہ ایک علیحدہ کیس تھا۔ باقیوں کی بات کرو، ہر بار یہ گناہوں کو نہیں مارا جاتا۔ چودہ چودہ قتل کیے ہوتے ہیں ان لوگوں نے جنہیں پولیس مقابلوں میں مارا جاتا ہے۔“ وہ اب حیرت آواز میں کہہ رہا تھا ”اور تم لوگ ان کے حقوق کی بات کرتے ہو۔“

”پولیس کا کام جرموں کو پکڑنا ہوتا ہے، انہیں سزا نہیں دینا نہیں۔ کورٹس ہیں اس کام کے لیے۔“ وہ اس

”اگر مجید سے ملنا چھوڑ دوں تو کیا مجھ سے تمہاری ناراضی ختم ہو جائے گی؟“ عمر نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اس سے پوچھا۔

”میری ناراضی کی پروا تم کو عمر! جو کچھ تم میرے ساتھ کر چکے ہو، اس کے بعد کیا تمہیں یہ سوال زیب دیتا ہے؟“

”ہم دونوں بہت اچھے دوست رہ سکتے ہیں علیہ..... اہم کبھی بہت اچھے دوست تھے.....“ اس نے اس بار قدرے اطمینان سے کہا۔

”تمہیں ہم دونوں کبھی بھی دوست نہیں تھے۔ ہم دونوں آئندہ کبھی دوست نہیں رہ سکتے۔“ علیہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”تم مجھے اپنے اور مجید کے درمیان کبھی نہیں پاؤ گی۔ میں اس سے دوبارہ نہیں ملوں گا۔ کیا اس کے بعد تم میرے لیے اپنا دل صاف کر سکتی ہو؟“

”نہیں.....“

عمر کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا، وہ کچھ دیر کچھ کیسے بغیر اسے دیکھتا رہا پھر مسکرا دیا۔

”میرے لیے تم ایک بہت خاص دوست ہو۔ تم مجھے کیا سمجھتی ہو، کیا نہیں، میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتا، محرم آدمی میرے لیے تم ہمیشہ ہی خاص رہو گی اور اگر کبھی پوری دنیا بھی تمہارے خلاف ہو جائے تو تم یہ یاد رکھنا، عمر! جتنا کبھی ہمیشہ تمہاری طرف کھڑا رہے گا۔ چاہے تم غلط ہو یا سچ ہو، میں ہمیشہ تمہیں سپورٹ کروں گا علیہ! وہ آخری شخص نہیں ہوں گا جو کبھی تمہیں تباہ کرنا چاہے گا۔ تم زندگی تباہ کرنے کی بات کرتی ہو، میں تو تم پر ایک خراب برداشت نہیں کر سکتا۔“ علیہ اس کے علاوہ کمرے کی ہر چیز کو دیکھتی رہی۔

”میں تمہاری یہ پیشنگ لے جاؤں۔“ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ علیہ نے بے اختیار اسے دیکھا۔ وہ اب دیوار پر لگی ہوئی ایک پیشنگ کو دیکھ رہا تھا، علیہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر کچھ کیسے بغیر دیوار کی طرف لگی اور اس پیشنگ کو اتار دیا۔ عمر سے نظریں ملائے بغیر اس نے وہ پیشنگ اس کی طرف بڑھا دی۔

”میں تمہارا شکر یہ ادا نہیں کروں گا۔“ اس نے عمر کو کہتے سنا۔

”مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔“ اس کی بات کے جواب میں وہ اس کی بیڈ سائیڈ ٹیبل کی طرف گیا۔ علیہ نے اسے اپنی جیب کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کیس برآمد کرتے اور اسے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

”یہ تمہارے لیے ہے، میں تمہاری برتھ ڈے پر دینا چاہتا تھا مگر نہیں دے سکا۔“

وہ اب دونوں ہاتھوں میں اس پیشنگ کو پکڑ کر دیکھ رہا تھا۔

”اوکے میں چل رہا ہوں، اب.....“

وہ یکدم واپس مڑ گیا۔ علیہ نے اسے کمرے سے باہر جاتے دیکھا کچھ دیر تک وہ خالی لگتی کے عالم میں بیٹھی رہی پھر وہ اٹھ کر بیڈ سائیڈ ٹیبل کی طرف آ گئی۔ کیس آٹھنگی سے اٹھا کر اس نے اسے کھول دیا۔ اندر سونے اور

عمیرہ احمد صاحبہ کی ناولز پڑھنے کے لئے ایپلی وزٹ کریں

ہیروں سے مزین ایک خوبصورت برسلٹ تھا۔ وہ ہونٹ سمیٹنے اس کچھ کو دیکھتی رہی۔ اس سے پہلے عمر نے کبھی بھی اسے سونے کی کوئی چیز نہیں دی تھی۔ پھر اب..... جب..... اس نے بہت آٹھنگی سے ایک بار اس برسلٹ کو چھوا اور کیس کو بند کر دیا۔ باہر عمر کی گاڑی کے سلاط ہوئے کی آواز آ رہی تھی، وہ کمر کی طرف بڑھ آئی۔ بند کھڑکیوں سے اس نے عمر کی گاڑی کو گیت سے باہر نکلنے دیکھا۔

وہ اس شخص کو کبھی بھی نہیں سمجھ سکتی تھی۔ وہ اس شخص کو کبھی سمجھنا چاہتی بھی نہیں تھی۔

☆☆☆

صافحی حلقوں میں حکومت کی تبدیلی کے بارے میں افواہیں زوروں پر تھیں۔ نہ صرف گلپریس بلکہ جین الاقوامی پریس بھی اس بارے میں اعجازے پیش کر رہا تھا۔ علیہ کے آفس میں بھی میری روز اسی بارے میں گفتگو ہوتی رہتی۔ یہ خبریں اس وقت اور زور پکڑ گئیں جب فوج کے ایک کور کمانڈر نے جو ایک حکومتی عہدے دار کے رشتے دار تھے وزیر اعظم سے ملاقات کی۔ اگلے چند دنوں میں آرمی چیف نے ان سے استعفیٰ لے لیا۔ پریس کی قیاس آرائیاں تھیں کہ انہوں نے حکومتی حلقوں کو آرمی کے پان آف ایشن کے بارے میں مطلع کرنے کی کوشش کی تھی۔

”حکومت اب کسی بھی وقت بھی جاسکتی ہے کیونکہ تمام تیاریاں پوری ہو چکی ہیں۔ بیوروکریسی کے بڑے بڑے نام جن کی اس حکومت میں رشہ دار ہیں ان میں سے اکثر طویل رخصت پر ملک سے باہر جا چکے ہیں یا جا رہے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو جاتی چاہے یا نہ چاہیں لیتے ہیں۔ وزیر چاہے جتنے جیان کیوں نہ دیتے پھر میں کہ حکومت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ان کی بات پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔“

اس دن علیہ بھی بریک میں بیٹھیں رنکشن ہو رہی تھی اور اسد ہاتھوں بڑے زور و شور سے اپنا تجربہ کر رہا تھا۔ علیہ لپک کر تے ہوئے وہاں ہوئے والی گفتگو سننے میں مصروف تھی وہ خود دایمی ڈسکشن میں جھپٹنے لیتی تھی۔ اس کی داد مگر سرگرمی ہر ایک کی رائے کو غور سے سننا ہوتا تھا۔

”خاص طور پر وہ بیوروکریسی جن کے رشہ دار آرمی میں ہیں، انہیں تو پہلے میں دی جا رہی ہیں۔“ مقصود جعفر نے گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا۔ ”ایک ہوتی ہے فٹری بیوروکریسی، اور دوسری ہوتی ہے سول بیوروکریسی۔ پاکستان میں دونوں پچھری ہائی حکومت کرتے ہیں۔ مل کر کھاتے ہیں مل کر آتے ہیں۔“

اسد ہاتھوں کی بات میں مقصود جعفر نے کھانگا لگا دیا۔

”مگر مل کر جاتے نہیں ہیں۔“

”جائیں گے کیوں، ابھی اس ملک کی رگوں میں خاصا خون ہے۔ اگلے کئی سال چوسا جا سکتا ہے۔“ اس بار صالو نے تجربہ کیا تھا۔

”ہر چہ ماہ بعد فوج کے آنے کی افواہ گردش کرنے لگتی ہے۔ میری تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ہم کب تک افواہوں پر اس طرح ڈسکشن کرتے رہیں گے۔“ اس بار عصمت نے کہا تھا۔

”جوشش کا کام ہی افواہوں کو ڈسکس کرنا ہوتا ہے۔ آپ کو ہماری باتوں پر یقین آئے یا نہ آئے مگر اس

کے ہر ممکن اقدام کے بارے میں۔"

اسے سالہ کے چہرے پر پھیلی ہوئی طنز پر مکرہات میں جھجی ہوئی ناراضی نظر آگئی لیکن اسے سالہ کے شبہات پر افسوس ہوا۔

"تم سے یہ کہنا تو بے کار ہی ہوگا کہ مجھے کچھ علم نہیں تھا، میں بھی تمہاری طرح ہی لاعلم تھی کیونکہ تم میری بات پر کبھی یقین نہیں کر دئی۔" علیزہ نے اس کی طرحی گفتگو کے جواب میں کہا۔ "وہ ہر کام میرے مشورے سے یا مجھ سے اجازت لے کر نہیں کرتا۔ نہ ہی مجھے باخبر رکھنا کوئی ضروری کام ہے۔"

"مگر بھی کسی نہ کسی حد تک تمہیں پتا تو ہوگا۔"

"وہ تو ہمیں یہاں نیوز جبر کے آفس میں بھی پتا تھا کہ گورنمنٹ جانے والی ہے۔ مگر یہ کوئی

authenticated (یعنی) خبر تو نہیں تھی۔"

"مگر خبر تو سچی ہمیں۔"

"جو بھی ہو تمہارا کزن....."

علیزہ نے سالہ کی بات کاٹ دی۔ "میرا کزن بہت خوش قسمت ہے۔ ہر بار بچ جاتا ہے، اس بار بھی بچ گیا ہے۔ کیا اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کر سکتیں تم، ہمارے پاس اور بھی بہت سے ٹاپک ہیں۔" علیزہ نے کچھ آگے بڑھ کر کہا۔

"یا مگر شاید ہمیں کچھ دیکس کرنا ہی نہیں چاہیے۔ اگر ہر بار بات مگر جہانگیر سے شروع اور اسی پر ختم ہونی ہے تو! علیزہ نے دونوں اعزاز میں کہا۔

سالہ نے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اپنا بیگ اٹھایا اور اس کے آفس سے نکل گئی۔ علیزہ ایک بار مگر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔



بار آپ میری خبروں کی صداقت پر یقین لے آئیں گی۔"

اسد جاویں نے عصمت کی بات کے جواب میں کہا تھا، عصمت نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے چائے پینے پر اکتفا کیا تھا مگر علیزہ سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی کہ چند دن پہلے عمر جہانگیر اسی تبدیلی کی بات کر رہا تھا۔ جس کے بعد وہ ایک بہتر پوزیشن میں آ جائے گا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

"کیا اس کے خلاف ہونے والی انکوائری۔ کیا اس کی طرف سے کی جانے والی پریس کانفرنس ایک سوچی سمجھی سکیمنگ کا حصہ ہے اور وہ آخراں کانفرنس سے کیا لپاؤ واضح حاصل کر سکتا ہے اور فوج اگر حکومت میں آ بھی گئی تو عمر جہانگیر کو اس سے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔"

اسے بہت سارے سوال پریشان کر رہے تھے۔

اس کے سارے سوالوں کے جواب اسے اگلے پختے مل گئے تھے، ملک میں فوج نے حکومت سنبھال لی تھی اور حکومت سنبھالنے کے بعد جو مختلف ڈسٹیکشنز جاری کیے گئے تھے ان میں سے ایک کچھ سرکاری افسروں کی بحالی کا بھی تھا اور ان سرکاری افسروں میں عمر جہانگیر بھی شامل تھا۔ اسے نہ صرف بحال کر دیا گیا تھا بلکہ اسی شہر میں دوبارہ قیادت کر دیا گیا تھا۔ جہاں وہ پہلے پھانسل تھا۔ اس کی انکوائری کا کیا بنا؟ اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں تھی۔ حکومت دینے بھی اسے ضروری کاموں میں لگ بھی ہوئی تھی کہ عمر جہانگیر جیسے ایک معمولی افسر کے کس کے لیے اس کے پاس وقت نہیں ہو سکتا تھا اور پریس خود بھی حکومت کی ہر نئی حکمت عملی کو فالو کرنے میں اس قدر مصروف تھا کہ عمر جہانگیر یکدم جیسے ایک گراؤڈ میں چلا گیا تھا، اگر کسی کو وہ یاد تھا تو وہ علیزہ و سکندر جی یا سالہ پر دیر۔

اس کی بحالی کی خبر آفس میں دیکس ہونے پر سالہ نے اس سے کہا تھا۔

"تمہارا کزن..... واقعی بہت خوش قسمت ہے۔ ہر بار تمہیں سے بال کی طرح نکل جاتا ہے یا نکال لیا جاتا ہے۔ واقعی اس کی قسمت کسی خاص قلم سے لکھی گئی ہے۔"

علیزہ ہنسی میں، یہ تعریف نہیں تھی۔

سالہ خامی یا پس نظر آ رہی تھی۔

"اس کی پریس کانفرنس اور وہ الزامات یقیناً ایک Play تھا۔" سالہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے

کہا۔

"تمہارے کزن کو یقیناً پتا ہوگا کہ گورنمنٹ جانے والی ہے اور اس کے بعد حکومت میں کون آ رہا ہے، اس حکومت کی good books میں رہنے کے سارے طریقے آتے ہیں۔ میری طرف سے مبارکباد دینا ہے۔"

سالہ کے لیے سچی نمایاں تھی۔

"آئی لیے تم بھی میری سپورٹ میں نکلی ہوئی اس ریلی میں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ ظاہر ہے جہیں یہ سب کچھ پہلے ہی پتا ہوگا۔ میرے ساتھ ہمدردی کر کے تم نے میرے ساتھ ساتھ آفس کے دوسرے لوگوں کی نظروں میں بھی خاصا احترام پیدا کر لیا۔ دوسری طرف جہیں عمر کے حوالے سے بھی کوئی فتنہ نہیں تھا۔ خاصی "باخبر" ہو گئی تم اس

عمر جہانگیر بھی پولیس سرورس کے دوسرے تمام آفیسرز کی طرح ان کمپنیز کو پابند کرنے اور ان پر تنقید کرنے والوں میں پیش تھا۔

اس دن بھی صوبائی دارالحکومت میں پولیس آفیسرز کا ایک اجلاس ہو رہا تھا جس میں آری اور حکومت کے لیے جا رہے تھے۔ ایک دن پہلے صوبائی گورنر ان ہی پولیس آفیسرز سے اپنے خطاب کے دوران پولیس کی ناقص کارکردگی اور کرپشن پر انہیں کھڑی کھڑی سناچکے تھے۔ انہوں نے اپنی پینتیس منٹ کی فی البدیہہ تقریر میں ایک بار بھی پولیس کو کسی کام کے لیے نہیں سراہا تھا اور اس چیز نے ان آفیسرز کے غصے کو کچھ اور بادی بھی۔

”گورنر چہیں گھنے لاہ اینڈ آرڈر کی بات کرتے رہے ہیں۔ انہیں پتا ہے لاہ اینڈ آرڈر ہوتا کیا ہے؟“

اس روز آفیسرز میں سے ایک نے گورنر کی تقریر پر بات کرتے ہوئے کہا۔

”ان کا تعلق آری سے ہے، رات کو سوتے سچ انہیں پتا چلا کہ وہ گورنر بن گئے ہیں اور بھرا نہیں اچانک یاد آ گیا کہ صوبے میں ایک پولیس فورس بھی ہے جسے ہم بھلا کہیں گے تو اگلے دن اخبار کے پہلے صفحے پر بیڑ لائن بن جائے گی۔ لوگوں میں گورنر کی نیکی نای ہوئے گی۔“ اپنے نمبر بنانے کے علاوہ اور کیا رہے ہیں وہ۔ ایک اور پولیس آفیسر نے تبصرہ کیا۔

”ان کا کام صرف ایک ہے باری باری اخبار نویسوں اور عالم نویسوں کو اپنے ساتھ مختلف علاقوں کے ذاتی دوروں پر لے جانا اور پھر واپس پر ان کا کم نویسوں کے تقریروں سے بھر پور کالم پر دینا۔ لوگ سمجھتے ہوں گے کیا گورنر پایا ہے، مفاد و راشدین کا زنا نہ لوٹ آیا ہے کہ گورنر ہر وقت گفت پر رہتے لگے۔ انہیں یہ پتا نہیں ہے کہ گورنر بھی ایک سیاست دان کی طرح کنوینک کر رہا ہے۔ اپنے لیے نہیں اپنے اوپر کے ہاسز کے لیے۔“

ایک لہجہ مٹھی قبضہ لگا گیا میاں عمر دہاں اور تھا جو عجیبہ درہ تھا۔

”ان کا خیال ہے اس طرح چہیں گھنے ہمارے سر پر سوار وہ کہ وہ ہمیں کھیل ڈال دیں گے۔ ہمیں اپنے اشاروں پر چلا لیں گے۔“ ایک اور متحدہ مزاج آفیسر نے کہا۔ ”اور یہ جو ٹیلی ویژن جاری ہوا ہے کہ ان کمپنیز کے ساتھ مکمل تعاون کیا جائے۔ آخر کو یہ مکمل تعاون کیا جائے۔ سول سرورس میں ہم اس لیے آئے تھے کہ ہم بلا خرچہ ان کمپنیز اور میجر کے ریک کے آفسیئر چاہے تعاون کی یقین دہانیاں کر داتے ہیں۔“ عمر ایک بار بھر بولا۔

”پہلے ہی فیلڈ میں ان سرورس آری آفیسروں کو پینٹیشن پر بھجوا رہے ہیں، جو پہلے وائٹز ہو چکے ہیں۔ انہیں ہزار ہزار کا خرچہ کس کے ذریعے پر جیکڈ لاٹھیا ہے۔ آری والوں کو سول سرورس میں لایا جا رہا ہے۔ پھر بھی انہیں نہیں چھین نہیں ہے۔ وہ چاہتے ہیں جو خودی بہت پارڈ دوسرے ٹھکانوں کے لوگوں کے پاس رہی ہیں، انہیں بھی چھین لیا جائے۔

ایک اور آفیسر نے کہا۔

”ہمیں یہ کام وہ نہیں کریں گے۔ براہ راست ہماری سینوں پر آ کر نہیں بیٹھیں گے۔ تو کہ گالیاں کھانے والی جگہ ہے یہاں آ کر وہ عوام سے گالیاں کیوں کھائیں، وہ بس ہمیں اپنی ٹہنی میں رکھتا چاہے ہیں، عوام بھی خوش کہ بھی بڑی محنت کر رہی ہے آری، پولیس کی کارکردگی بہتر کرنے کے لیے۔“ اس بار عمر نے کہا ”اور اوپر سے ہمارا ٹھکانہ

باب ۳۹

”آری مینٹرنگ کسٹلی..... اب یہ کیا بکواس ہے؟“ عمر جہانگیر نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل کو میز پر بتر بیا پھینکے ہوئے تھا۔

فوجی حکومت کا اقتدار سنبھالے چند ہفتے ہو گئے تھے اور آری مینٹرنگ کمپنیوں کا شور و غماز ہر جگہ سنائی دے رہا تھا پولیس کے اعلیٰ حکام کے اندر ان مجوزہ کمپنیز کے خلاف بہت زیادہ غصہ اور احتجاج پایا جاتا تھا مگر کھلے عام اس پر کوئی بھی تنقید کرنے سے خوفزدہ تھا۔ ہر ایک جانتا تھا اکیسی کسی تجویز کی مخالفت کم سے کم فرانسز اور زیادہ سے زیادہ معطل کی موجب بن جائے گی اس لیے ہر ایک آری مینٹرنگ کمپنیز کو پابند کرنے کے باوجود ان کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کر رہا تھا۔

فوجی حکومت کا خیال تھا کہ آری کو براہ راست سولین معاملات میں ملوث کرنے سے وہ اس کرپشن پر تباہی پالے گی جو پورے نظام کی جڑیں کو کھلی کر رہی تھی اور ایک بار اس نظام کی خرابی رک جاتی تو شاید لوگوں کا اعتماد بھی بحال ہو جاتا مگر دوسرے بہت سے ٹھکانوں کی طرح پولیس کو بھی ان کمپنیز کے قیام پر اعتراض تھا۔ اگرچہ وہ ان کمپنیز کے خلاف بات کرتے ہوئے اپنے اقتدار میں کمی اور اپنے معاملات میں مداخلت کا حوالہ دے رہے تھے مگر جو حقیقی خدشات ان کے ذہنوں میں تھے وہ کرپشن کی ان کی کڑی دلی زنجیر کو بھانپتا تھا جس کے منظر عام پر آنے سے بہت سے نالی گمراہی لوگوں کے لیے بھی اپنی عزت پر چیلنا بہت مشکل ہو جاتا تھا آفیسرز ہاتھ کی صفائی دیکھنے میں ناہر تھے انہیں یہ خوف تھا کہ ان کا پچھلا کرپشن کا کوئی معاملہ پکڑا بھی گیا تب بھی آئندہ کے لیے کرپشن کے دوران سے بند ہو جائیں گے اور یہ ان کے خاندانوں کے لیے 440 وولٹ کے شاہک کی طرح تھا۔

دوسری طرف آری مینٹرنگ کمپنیز کے ذریعے پہلی بار فوج کو اختتام ہے کہ ان اختیارات اور معاملات میں دلی انداز کی مداخلت مل رہا تھا۔ جہاں وہ پہلے غاصی بے بس رہی تھی، فصل کاٹنے اور بدلے پکانے کا موسم آچکا تھا، وہ اختتامیہ جو پہلے فوج کو کھاس نہیں ڈالتی تھی، اب ان کی زیر نگرانی کام کرنے پر مجبور تھی اور ان کی چھٹائی شروع ہو چکی تھی۔

اضافہ کر دیا تھا۔

وہ تینوں آج پہلی بار وہاں آئے تھے اور اگرچہ وہاں آنے سے پہلے عمر جاگیر کو ان کے بارے میں مطلع کیا گیا تھا اور اس نے اپنے ماتحت عملے کو بھی آری مائیزنگ بمب کی آمد کے بارے میں بتا دیا تھا اور یقیناً اس کا عملہ بہت حتما ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنا ریکارڈ وافرہ بھی درست کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کے باوجود ان تینوں کے وہاں آنے پر عمر جاگیر نے ان کی حواس باختگی دیکھ لی تھی۔ وہ دلاشوری طور پر غورزدہ تھے۔

اب وہ دیکھتا تھا کہ آفس میں اس کے سامنے بیٹھا اسے آئندہ آنے والے دنوں میں اپنے ناخوشگوار کے بارے میں مطلع کر رہا تھا، وہ یقیناً خاصا ہوم ورک کر کے آیا تھا اور عمر کے لیے یہ کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں تھی۔ ان لوگوں کا اٹھنا جس کا نظام ان کا فعال اور موثر تھا کہ چند گھنٹوں کے اندر وہ اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کر سکتے تھے اسی لیے وہ تقریباً اس کے ذرا اجسام آنے والے پر پولیس مشین کے بارے میں بنیادی معلومات رکھنے کے علاوہ ان کی کارکردگی کے بارے میں بھی خاصا علم رکھتا تھا۔

اپنے لب و لہجے سے وہ کوئی بہت زیادہ دوستانہ مزاج کا حامل نہیں لگتا تھا اور یہ شاید آری میں ہونے کی وجہ سے تھا یا پھر اس ذمہ داری کی وجہ سے جو اسے سوئیچ مینیجر کو کسی گلی پٹنی کے بغیر بات کر رہا تھا اور عمر جاگیر کے چہرے پر دقت و قحاس کے تبصروں پر ابھرنے والے ناگواری کے تاثرات کو مکمل طور پر نظر انداز کیے ہوئے تھا۔

خاصے لوازمات کے ساتھ سرو کی جانے والی اس جانے نے بھی اس کے اس انداز میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی جو عمر جاگیر کے ماتحت عملے نے خاصی باجاری اور مستعدی کے ساتھ انہیں سرو کی تھی۔ اپنے سامنے پڑی فائل کو باری باری کھولے وہ تنہائی انداز میں عمر جاگیر کو اپنے اختیارات اور ذمہ داریوں کے ساتھ ان چیزوں سے آگاہ کرتا گیا جو اسے آئندہ آنے والے دنوں میں انجام دینی تھیں۔ عمر جاگیر جانے بیٹے ہوئے کسی قسم کے تبصرے کے بغیر بڑی خاموشی سے اس کی گفتگو سنتا گیا۔ جب اس میں چوڑی گفتگو کا اختتام ہوا تو عمر جاگیر نے بڑے دوستانہ انداز میں اپنی بات کا آواز (وہ پہلی ہی ملاقات میں اختلافات کا آغاز نہیں کرنا چاہتا تھا)

”آپ لوگوں کو میری طرف سے پورا تعاون حاصل رہے گا نہ صرف میری طرف سے بلکہ میرے عملے کی طرف سے بھی اور آپ کے اس عمرانی کے کام سے مجھے خاصی مدد ملے گی بلکہ خاصی آسانی ہو جائے گی کہ مجھے اپنے عملے کی کارکردگی کا پتا چسارے گا اور میں ان کی خاموشی سے آگاہ رہوں گا۔“

عمر نے بڑے اطمینان سے کہتے ہوئے سامنے بیٹھے میجر کے چہرے پر نظر دوڑائی جو اس کے آخری چند جملوں پر اپنی گری پر پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

”اور.....“ اس سے پہلے کہ عمر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کچھ اور کہتا، اس نے میجر نے اس کی بات کا ردی۔ ”چوتھویں ہی ملاقات میں جو ہوئی تو انہیں چاہیے تھی کیونکہ میں نے آپ کو خاصی لمبی ریفنگ دی ہے مگر پھر بھی آپ کو ہوگئی ہے۔ ہم آپ سے آپ کے عملے کو مائیزنگ کرنے آئے ہیں، آپ اسسٹنٹ (معاونت) کرنے نہیں۔“

مذا اٹھانے سوچے کچھ بلیغ دھڑا دھڑا ڈھنگ سے اور سرگرم جاری کر رہا ہے۔ فرما میرا داری اور تابعداری کے لیے سبق پڑھا رہا ہے ہمیں۔“ عمر کو اپنے گھٹے کے انچھالنے والا پر اعتراض ہوا۔

”ان کی مجبوری ہے وہ کیا کریں، اگر یہ تذکر میں تو..... کون حکومت سے خاصیت مول لینا چاہے گا اور وہ بھی اپنی جانب اور اپنے کیریئر کو داؤ پر لگا کر سب سے بہتر پیکر اپنی جان بچانے کا بھیجے ہے کہ سر جھکا دو اور والدین کی ہاں میں ہاں ملاؤ اور اپنی جان بچاؤ مائنٹ ڈراما ادا کر اس وقت یہ مائنٹ کسی کے پاس ہے سب ہی جانتے ہیں۔“ ایک قدر سے جوئیز افسر نے کہا۔

”اور یہ مقابلہ کرتے ہیں ہمارے ساتھ اور یقیناً اسے کو کرے لے کر آ جاتے ہیں۔ جتنا کام پولیس کا ایک سہا کر رہے اتنا فوج کے ایک جوان کو کرنا پڑے تو انہیں چاہیے بارہ، بارہ گھنٹے کی فوٹیج دینے کے بعد بھی انہیں ملتا کہ یہ نہ ہوئی بچوں کو کوئی سہولتیں ہوتی ہیں نہ خود اسے اور جو عام لوگوں کی ہے عزتی برداشت کرنی پڑتی ہے وہ اگ اور یہ جنہیں بچوں کی تعلیم سے لے کر ان کے علاج تک کی سہولتیں دستیاب ہوتی ہیں اور مگر کے راتیں تک پر رعایت ملتی ہے، یہ ہر قدم پر اپنا انداز ان کا مقابلہ کرنے کو کرے ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ذرا اسی چار پانچ ہزار میں ان تمام سہولتوں کے بغیر دیکھ لکھا ہے ہونے عوام کی خدمت کریں تو پھر میں بالوں کر ہاں بھی بوجھ اور ڈھانچا ہے ان میں..... واقعی حب الوطنی پائی جاتی ہے۔“

ایک اور افسر نے تفریحی انداز میں کہا۔

”بہر حال یہ بات ہے کہ کم از کم میں اپنے کاموں میں انہیں مداخلت کے لیے کھلی چٹائی نہیں دوں گا مجھے انداز میں پر نہیں چڑھانا۔“ عمر نے جیسے جیسے انداز میں کہا۔

”اب اس کی وجہ سے سرور ریکارڈ خراب ہوتا ہے تو ہوا ہے تو ہوا جائے۔ گلے دی باغھ کر کم از کم میں کسی کے سامنے میں میں نہیں کر سکتا۔ اگر یہی کام کرنا ہوتا تو پھر اس سرو میں آنے کے بجائے کہیں انداز بیٹھا ہوتا۔“

عمر نے جیسے اپنا فیصلہ نہ ہونے کہا۔ وہاں بیٹھے ہوئے دوسرے کسی افسر نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا مگر ان کے چہروں کے تاثرات واضح طور پر یہ بتا رہے تھے کہ وہ سب ہی آئندہ آنے والے دنوں میں تقریباً اسی قسم کی نکتہ عملی اپنانے والے تھے جو عمر نے اپنانے کا اعلان کیا تھا۔

☆☆☆☆

”میرا نام میجر لطیف ہے میرے اور میری ٹیم کے بارے میں آپ کے پاس نوٹیفیکیشن اور تفصیلات تو پہلے ہی پہنچ چکی ہوں گی۔“

عمر جاگیر خاموشی سے بے تاثر چہرے کے ساتھ میز کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے خاکی پیغام دار میں لمبوں اپنی ہی عمر کے آٹن میجر پر نظر جمائے بیٹھا رہا جو بڑے میکانیکی انداز میں چند فائل سامنے نہیں پر کر کے پھیلے پانچ منٹ سے مسلسل بول رہا تھا وہ کچھ دیر پہلے دوسرے نوٹیفیکیشن کے ساتھ اس کے آفس پہنچا تھا اور خاکی پیغام دار میں لمبوں ان تین افراد کے وہاں پہنچنے پر اس کے عملے میں جو ہر پوزیشن پر تھے ان نے عمر جاگیر کی ناگواری میں

بہت لمبی ہو گئی تھی جیلے کو یہیں ختم کرنے پر اس نے اکتفا نہیں کیا بلکہ انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر پولیس سٹیشن کے دروازے کے بارے میں ہدایات بھی دیئے لگا۔

مہاجر لطفی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر اس کے ساتھ موجود دوسرے فوجی بھی کھڑے ہو گئے عرنہ انکار کا یہودیہ رکھ دیا اور خود بھی کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک معنیٰ میں مسکراہٹ کے ساتھ اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے ٹھیل کے دوسری طرف موجود مہاجر کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ مہاجر لطفی نے نگلایا شاید رسا اس کے بازو سے ہوئے ہاتھ کو تھامتے ہوئے مصافحہ کیا۔ "آپ سے آئندہ آواز دے والے دنوں میں خاصی ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔"

عمر جہانگیر نے اس کے لہجے سے اندازہ لگایا تھا کہ یہ صرف دہلی جملہ نہیں تھا، وہ یقیناً اسے دارنگ دے رہا تھا۔

"ضروریہیں ان کے ملاقاتوں سے اس سسٹم میں کوئی بہتری ہو سکتی ہے تو ہم ضرور دلا کریں گے۔"
عمر نے اسی معنوی سکراہٹ کو کچھ حریف کرنا کرتے ہوئے کہا۔ میجر لطیف نے اس کی بات کے جواب میں
کچھ نہیں کہا اس نے صرف میز پر ڈٹی ہوئی فائل افغانیہ اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ آفس سے نکل گیا۔
عمر نے کمرے میں موجود بی ایس پی جرد جاوید کو اس کے شگفتگی سے روشنی بے کہا۔
"بیٹھے! میجر اور اس سبکی کے تمام لوگوں کے بارے میں مکمل انفارمیشن چاہیے۔ ہر قسم کی انفارمیشن، جعلی
بلکہ گراؤڈ سے لے کر ہر پہل تک مکمل تفصیلات کے ساتھ۔"

جورد جاوید نے اس کی بات پر سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"او کہ.....!"

”سارے پولیس سٹیشن سے کھوا ہٹا ریکارڈ اپ ڈیٹ کریں۔ کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے نہ ہی میں برداشت کروں گا۔“

"This man is going to give us a very tough time"

اس نے میجر لطیف کے بارے میں تبصرہ کیا۔

”یہ گڑے اگھڑے اگھڑے اور بال کی کھال امارے والا آدنی سے اور خاصا بغض پالنے والی عاصپ میں سے ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم لوگوں کی وجہ سے میں اس کے سامنے شرمندگی کا شکار ہوں۔“

عرجا نگہ گیر نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

”کوئی کوتاہی نہیں ہوگی سر۔“ بدر جاوید نے ایک بار پھر یقین دلایا۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ۔“ اس نے انٹرکام اٹھاتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

”ظفر تم اندر آؤ۔“

اس نے اپنے پی اے کو انٹرکام پر اندر آئی کی ہدایت دی اور پھر انٹرکام کا ریسپونڈر رکھ کر اس رپورٹ کے بارے میں دہنے لگا۔ جو بحیرہ لطیف سے ہونے والی اس پہلی ملاقات کے بارے میں تیار کروانے والا تھا، وہ دھوا جاتا تھا۔ اپنے

کھر دے لیجے میں کہے گئے اس جملے نے چند لمحوں کے لیے عمر کو خاموش کر دیا وہ جانتا تھا اس وقت اس کے چہرے پر کتنی دنگ آ کر گزرے ہوں گے۔

”اس لیے یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے کہ میری فہم یہاں آپ کی مدد کے لیے بھیجی گئی ہے آپ کی مدد کے لیے آپ کا اچلا مصلحہ ہے آپ ان ہی پر اس معاملے میں انھما کرکریں تو بہتر ہے۔“

اس سب کے ترکش میں ابھی خامے تر باقی تھے۔

”ہم لوگ صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ لوگوں کی درد ناک فحشا اور بہتر ہو اور یہ اس شہر کے پولیس کے سربراہ کے طور پر آپ کی ذمہ داری ہے۔ ہم صرف یہ دیکھیں گے کہ آپ اور آپ کا عمل اس ذمہ داری کو کس طرح سے پورا کر رہے۔“

دو میجر شاہ محمود و ایاز کو ایک ہی عاف میں کھڑا کر دینے کے مقولے پر عمل کرنے میں یقین رکھتا تھا پھر گر بہ کشتن روز ازل پر عمل ہوا تھا۔ کمرے میں موجود اپنے باقی پولیس آفیسرز کے سامنے ہر جاگیر گیر نے اپنی چمک محسوس کی کچھ دیر بیٹھے گاؤں ستانہ نہایت اصرار کر کے کافیصلہ اس نے چند میگزینز میں بدل دیا تھا۔

”جس میں طرح کا کام کر رہا ہوں اس طرح کرتا رہوں گا، آری مائیزمب نم کی مائیزمب سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی کیونکہ میں بہت اچھے طریقے سے کام کر رہا ہوں اسلئے اچھے طریقے سے جیتے اچھے طریقے سے ممکن ہے کیونکہ میں اپنا کام سیکھ کر یہاں آیا ہوں اور اس سارے نظام کو آپ سے بہتر جانتا ہوں اور جہاں تک عملے کی کارکردگی کا تعلق ہے تو وہ بھی بہتر ہے مگر اس سے زیادہ بہتری بھی ہو سکتی ہے کیونکہ بہتری کی گنجائش تو ہر جگہ ہوتی ہے بالکل اس طرح جس طرح آری میں۔“

اس میجر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

”اور اس بہتری کے لیے میں خاصی کوشش کر رہا ہوں کیونکہ ہم لوگوں کو سہو کرنے کے لیے اس شعبے میں

آئے ہیں بلکہ اسی طرح جس طرح آپ لوگ سرو کر رہے ہیں۔“

اُن ہمارا اس-مبجھنے انہی کری را ایک مار پھر پہلو بدلا۔

”اب دیکھتے ہیں اس معاملے میں ہم اور آپ ”مل“ کرکھا کر سکتے ہیں۔“

عمر نے "مل" پر زور دیتے ہوئے کہا۔ سامنے بیٹھے ہوئے میجر نے ایک بار مجھ پہلو بدلا، یقیناً اس نے عمر کے بارے میں اچھی رائے بنی شروع کر دی تھی۔

”آپ سے اب آئندہ ملاقات تو رہا ہی کرے گی تو تفصیل سے باقی معاملات پر گفتگو ہوگی۔ آج کے لیے تو میرا خیال ہے اتنا ہی کافی ہے، آپ میرے پولیس شیٹن کا راولڈ لیتا جائیں تو میں اسے اس لیے لے دوں گا کہ اب اس سے آپ کو کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ آپ کو ریکارڈ سمیت اپنی چیزوں سے آگاہ کر دے گا اور آپ کو محکمہ پھر کبھی دیکھ سکے ہیں۔ پھر اس کے بعد اگلی ملاقات میں تفصیل سے بات کریں گے۔“

عمر جھانگیر نے اپنے انداز سے انہیں یہ بتا دیا تھا کہ اب انہیں وہاں سے چلے جانا چاہیے کیونکہ میٹنگ

آفس میں پہنچ کر مہر لطف بھی اسی جوش و خروش سے اس سینک کے بارے میں رپورٹ تیار کرنے کا سوچ رہا ہوگا۔

☆☆☆

”جنید کے گھروالے کل کھانے پر آرہے ہیں۔“ شام کی چائے پر نانو نے علیر کو بتایا۔

علیر نے معمول کے انداز میں انہیں دیکھا، جنید کے گھروالوں کا ان کے یہاں کھانے پر آنا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ نانو اکثر انہیں اپنے یہاں مدعو کرتی رہتی تھیں اور خود جنید کی اہم بی بی ان دونوں کو اپنے یہاں کھانے پر بلاتی رہتی تھیں اس لیے علیر وہ کسی خاص رد عمل کا اظہار بھی بغیر کئے چائے پیتے ہوئے سر ہلایا۔

”شادی کی تاریخ نے کیا چارہ دی ہیں وہ..... اس سلسلے میں آرہے ہیں۔“ نانو نے اپنی بات مکمل کی۔

وہ چائے پیتے پیتے رنگ گئی۔ ”شادی کی تاریخ؟“ اس نے غیب سے کہا۔

نانو کو اس کی حیرت پر حیرت ہوئی۔ ”ایک سال گزر چکا ہے علیر! وہ لوگ منگنی کے ایک سال بعد ہی شادی کرنا چاہتے تھے۔“

نانو نے جیسے اسے کچھ یاد دلایا۔ علیر نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کپ ہیز پر رکھ دیا۔

”مگر جنید نے تو مجھ سے اس سلسلے میں کسی بات نہیں کی۔“

”اس نے ضروری نہیں سمجھا ہوگا یہ کوئی غیر معمولی بات تو نہیں ہے۔“ نانو نے قدرے بے نیازی سے چائے کا ایک کپ ہاتھ سے ہلاتے ہوئے کہا۔

”مگر بھی اسے مجھ سے بات تو کرنا چاہیے تھی یا بھرفری ہی کچھ بتا دیتی۔ میں جیسے بٹنے ہی تو ان کے گھر ہی اور بھر بھی برسوں میری اس سے بات ہوئی ہے۔“ علیر نے یہ خود بخود کہا۔

”اب کل کھانے پر آرہے ہیں تو تم خود ہی اس سے پوچھ لینا کر کے ان سے جنہیں نہیں بتایا لیکن مارچ میں وہ شادی کرنا چاہ رہے ہیں، اس کے بارے میں تو میں نے جنہیں چند ماہ پہلے بتایا تھا۔“ نانو کو اچانک یاد آیا۔

علیر نے کچھ کہے بغیر چائے کا کپ اٹھا لیا۔ ”اچھا یہ، جتنی جلدی میں اس ذمہ داری سے بھی فارغ ہو جاؤں اتنا ہی اچھا ہے۔“ نانو نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”کیا شادی چند ماہ آگے نہیں ہو سکتی؟“ علیر نے اچانک کہا۔

”چند ماہ آگے مگر کیوں؟“ نانو نے کچھ چوک کر پوچھا۔ وہ کچھ جواب نہیں دے سکی۔

”چند ماہ آگے کس لیے؟“ نانو نے ایک بار بھر اپنی بات دہرائی۔

”بس ایسے ہی..... اس سے کوئی جواب نہیں بن پایا۔“

”کوئی مناسب بات تو نہیں ہوگی یہ۔ وہ لوگ شادی آگے کرنے کی وجہ جانتا چاہیں گے۔“

”آپ کہہ دیں کہ اچھی ہم تیاری کر رہے ہیں۔“ علیر کی بات پر نانو سکرا گئیں۔

”جنید کی اسی جانتی ہیں کہ ہماری تیاری مکمل ہو چکی ہے۔“

”وہ کیسے جانتی ہیں؟“

”مجھ سے ہر دوسرے تیسرے دن رابطہ ہوتا رہتا ہے ان کا، میں خود انہیں بتاتی رہتی ہوں۔“ نانو نے کہا۔

”آپ بھی نانو..... بس.....“ علیر نے کوئی جواب نہیں بن دیا۔

”کوئی دوسرا ماہ بھی تو کر سکتی ہیں۔“ علیر نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

”ابھی مجھے عینہ اور سکندر سے بات کرنی ہے۔ دیکھنا ہے کہ شفیق کب باہر سے آ سکتے ہیں بھر سکندر کی مصروفیات کا دیکھنا ہے۔ ڈیٹ تو اس کے بعد ہی ملے گی جائے گی، نانو نے کہا۔

”اور اگر کسی نہیں آ سکتیں یا انہوں نے ڈیٹ آگے کر کے کہنا تو؟“ علیر کو اچانک خیال آیا۔

”نہیں شفیق ایسا کچھ نہیں کہے گی۔ میں اس سے پوچھ کر ہی اس کی سکوت کے مطابق تاریخ ملے کروں گی اور اس کے نہ آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا وہ اپنی بیٹی کی شادی پر نہیں آئے گی۔“ نانو نے اس کے قیاس کو مکمل طور پر رد کرتے ہوئے کہا۔

”مگر بھی نانو..... بہتر ہوتا اگر آپ چہ دار اور انتظار کر لیتیں۔“

”آم تو کس لیے؟“

”بس ویسے ہی، جنید کو تھوڑا اور جان لیجی میں۔“ اس نے چائے کا کپ لیے ہوئے کہا۔

”میں تو سمجھتی ہوں کہ تم جنید کو اچھی طرح جان چکی ہو۔ ایک سال کا بیٹا ہے کسی کو جاننے اور پرکھنے کے لیے اور جنید اس طرح کا لڑکا تو نہیں کہ اس کے بارے میں اتنا زیادہ جانتا ہوتا پڑے۔“ نانو نے قدرے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال تھا تھوڑا ہی اس کے ساتھ جاسی، ابھی انڈرٹیننگ ہو چکی ہے۔“

”ہاں وہ اچھا ہے مگر انڈرٹیننگ.....“ وہ بات کرتے کرتے رک گئی۔

”انڈرٹیننگ کیا؟“ نانو نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

”بعض دفعہ لکھتے ہیں اس کے ساتھ میری کوئی انڈرٹیننگ نہیں ہے۔“ علیر نے قدرے اچھے ہوئے انداز میں چائے کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔

”سچ بات ہو؟“ نانو بھی اچھ گئیں۔

”تم نے پہلے کبھی جنید کے بارے میں اس طرح کی بات نہیں کی۔ تم تو ہمیشہ اس کی تعریف ہی کرتی رہی ہو۔“

”ہاں میں نے آپ سے کبھی اس کے بارے میں اس طرح کی بات نہیں کی اور میں اس کی تعریف ہی کرتی رہی ہوں۔“ اس نے ان ہی کے انداز میں کہا۔

”اور تمہیں اس کی فٹلی بھی بہت پسند ہے۔“

”ہاں مجھے اس کی فٹلی بھی بہت پسند ہے۔“

”بلکہ میرا تو خیال تھا کہ تم بیٹنی پہلے ہی ان کے ہاں ایڈجسٹ کر چکی ہو۔“

”ہاں میں بیٹنی پہلے ہی ان کے ہاں ایڈجسٹ کر چکی ہوں۔“ اس نے کسی ردوبت کی طرح دیکھا گی انداز

تانا میں یہ چاروں خصوصیات نہیں تھیں۔“

نانو نے یکدم مسکراتے ہوئے کہا۔

”وہ Short tempered تھے اور مجھے اس کا اندازہ بہت شروع میں ہی ہو گیا تھا۔ خوش مزاجی بھی ان کے مزاج کا حصہ نہیں تھی۔ وہ خانے کم کھتے۔ صرف ضرورت کے وقت ہی یونا پسند کرتے تھے اور اگر ان کے مزاج میں کچھ شکستگی آئی تھی تو جاب سے ریٹائر ہونے کے بعد..... اپنے بڑھاپے میں۔“

اور چھوٹی موٹی باتوں کو نظر انداز انہوں نے بھی کیا ہی نہیں۔ بہت ہی طار رہا پڑنا تھا ان سے بات کرتے ہوئے ورنہ وہ چھوٹی سی بات پر بھڑک اٹھتے تھے اور پھر خانے عرصے تک وہ چھوٹی سی بات ان کے ذہن میں اُگی رہتی تھی اور بھٹ کے دس دس حد تک شوقین تھے تو تو بھی اچھی طرح جانتی ہو۔“ نانو نے اپنا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”نہ صرف بھٹ کرنے کے شوقین تھے بلکہ معمولی باتوں پر بھٹ کرنے کے شوقین تھے اور اپنی بات پر براڑ جانے والوں میں سے تھے۔ دوسرا چاہے انڈیا کیو پیڈ یا سائنس رکھ کر بات کرتا۔ وہ میں نہ مانوں کے صداقت ہی چلتے۔ مجال ہے کہ کسی دوسرے کی بات کو کوئی اہمیت دے دیتے اور اس کے باوجود میں نے ان کے ساتھ بڑی اچھی زندگی گزار لی ہے۔ انہیں اچھے دھڑوں کو بھی کچھتا دانی نہیں ہو کہ ہم دھڑوں کی شادی کیوں ہو گئی۔ ہم نے بھی سے بھی نہیں سوچا کہ ہماری کہیں اور شادی ہوئی ہو تو بہتر ہوتا۔ پھر تمہیں اتنے خدشات کیوں ہیں جنید کے بارے میں۔“

نانو اچانک خمیدہ ہو گئیں۔

”آپ جنید کو اتنا زیادہ کیسے جاننے لگی ہیں؟“ علیزہ نے اچانک ان سے پوچھا۔

”شروع سے ہی جانتی ہوں۔“ نانو نے بے ساختہ کہا۔

”شروع سے ہی جانتی ہیں؟“ علیزہ نے کچھ چمک کر انہیں دیکھا مگر آپ کی بات چیت تو جینید اور اس کے خاندان سے اس پر پوزل کے آنے کے بعد ہوئی ہے۔“

”ہاں میرا مطلب ہے کہ ایک سال سے جب سے وہ یہاں آنے لگا ہے۔ شروع سے ہی وہ بڑی سلیبی ہوئی مادوں کا مالک ہے۔“ نانو نے جلدی سے تصحیح کی۔

”ایک کھال میں اس نے یہاں چند گھنٹوں سے زیادہ وقت نہیں گزارا اور چند گھنٹے کیا کسی آدمی کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں؟“ اس نے تنبیہ کی سے نانو سے پوچھا۔

”ہر آدمی کے بارے میں نہیں مگر کچھ لوگوں کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنے کے لیے تو چند منٹ بھی کافی ہوتے ہیں۔“ نانو نے اسی کے انداز میں کہا۔

”میں نے یہ نہیں کہا کہ جینید برا ہے۔ میں صرف یہ کہہ رہی ہوں میں اسے سمجھ نہیں پاتی۔“ علیزہ نے مدافعا انداز میں کہا۔

”بعض دفعہ تو مجھے تمہیں سمجھنے میں بھی دشواری ہوتی ہے اور بعض دفعہ تم بھی مجھے سمجھ نہیں پاتی ہوگی۔“ نانو نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”اس کے باوجود ہم دھڑوں کی آپس میں خاصی انڈر سٹینڈنگ ہے یا پھر میری سمجھتی ہو

میں کیے بعد دیکھو ان کے تمام پہلو ان کے پیچھے دھراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر آخر براہم کیا ہے؟“ نانو نے قدرے آگے بڑھ کر ہاتھ دھو کر دیکھ کر کہہ نہیں پاتی۔“ اس نے کچھ بے بسی سے کہا۔

”مثلاً کیا سمجھتے ہیں یا تم میں اس کے بارے میں؟“ نانو نے تنبیہ کی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں جانتی کہ اپنی فیلنگوں کا اظہار کیسے کروں۔ مجھے یہ بتانا مشکل لگ رہا ہے کہ اس کے رویے کی کیا بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ بس بعض دفعہ اس کا پوائنٹ آف ویو میرے پوائنٹ آف ویو سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔“ نانو نے ایک گہرا سانس لیا۔

”یہ اسی اہم بات تو نہیں ہے۔ نقطہ نظر میں فرق ہونا تمہارا۔ نانا اور مجھ میں بھی تقریباً ہر بات پر اختلاف رائے موجود تھا مگر اس کے برعکس ہم نے پچاس سال کا عرصہ اکٹھا گزارا اور خاصی پس مندی خوشی گزارا۔“ انہوں نے بڑے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

”آپ دونوں کی شادی کسی کورٹ شپ کے بغیر ہوئی تھی۔ ایک سی سی سادی رائج میرج..... ورنہ شاید ایک دوسرے کی سبکدوشی کا شکار نہ کرتے مگر میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں پہلے ہی اس کے بارے میں جان چکی ہوں جب کہ آپ دونوں کو بعد میں ایک دوسرے کے بارے میں بتا چلا۔“ علیزہ نے قدرے تنبیہ کی سے کہا۔

”ہاں بعد میں یہ سب بتا چلا مگر پہلے پہل بتا چلا تو بھی کچھ زیادہ فرق نہ پڑتا۔ میں اور وہ پھر بھی ایک دوسرے کے ساتھ ہی شادی کرتا پسند کرتے۔“ نانو نے خاصی طبیعت سے کہا۔

”He was a nice man to live with“

علیزہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”اور جینید کے بارے میں بھی میری رائے اتنی ہی اچھی ہے جتنی تمہارے نانا کے بارے میں بلکہ کسی اعتبار سے وہ تمہارے نانا سے بہتر ہے۔“ نانو نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”مثلاً؟“

”مثلاً..... فٹے کے معاملے میں..... وہ Short tempered (غصیل) نہیں ہے۔“

”ہاں..... Short tempered نہیں ہے مگر ضد بہر حال اسے آتا ہے۔“ علیزہ نے انہیں بتایا۔

”نازل بات ہے، کے نہیں آتا، مسئلہ صرف جب ہوتا ہے جب بات ہے بات آتا ہو۔“ نانو نے لاپرواہی سے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

”بہت خیال رکھنے والا آدمی ہے۔“

علیزہ خاموش رہی۔

”خوش مزاج ہے..... فضول بحث نہیں کرتا اور چھوٹے سونے اختلافات کو نظر انداز کر دیتا ہے تمہارا

”چھا تو پھر کیا کہتے ہیں؟“

”میرا خیال ہے اس سے شادی ہی کہتے ہیں۔“

”واقعی؟“ اس بار دوسری طرف سے کچھ مزید جراثی کا اظہار کیا گیا۔

”جی واقعی.....“ وہ اس کے انداز پر مسکرائی۔

”اس میں قید یا غلامی والی کوئی بات نہیں ہوتی؟“ سنجیدگی کے تصدیق کی گئی۔

”نہیں کم از کم مردوں کے لیے ایسی کوئی بات نہیں ہوتی۔ اگر ایسا کچھ ہو بھی تو خواتین کے لیے ہوتا ہے۔“

علیہ نے جتانے والے انداز میں کہا۔

”اچھا.....! مگر میرے دوستوں کا تجربہ تو اس کے برعکس ہے۔“ وہ ابھی بھی اسی موڈ میں بظاہر بڑی سنجیدگی

کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا۔

”عجرات بھی ہوتے ہیں مگر زیادہ تر نہیں، آپ کے دوستوں کے ساتھ کوئی مجرمہ ہوا ہوگا۔“ علیہ اس کی

منطقہ سے معظوظ ہو رہی تھی۔

”ہو سکتا ہے میرے سامنے میں بھی ایسا کوئی مجرمہ ہو جائے؟“ دوسری طرف سے اپنے خدشے کا اظہار کیا گیا۔

”ایسے مجرموں کے لیے خواتین میں کچھ کثف اور کرامات کا ہونا ضرور ہے اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں

کہ میں ان دونوں چیزوں سے عاری ہوں۔“

”آپ سے یہ جان کر خاصی ہمت بندھی میری، خاصا حوصلہ ہوا ہے مجھے یعنی میری آزادی پر کوئی

حرف نہیں آئے گا۔“

”نہیں آپ تسلی رکھیں، آپ کی آزادی پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ آپ ایسے حضرت ہیں بھی نہیں جراثی

آزادی پر کوئی حرف برداشت کر لیں۔“

علیہ نے اسے تسلی دہی دوسری طرف سے وہ بے اختیار ہنسا۔

”I am very timid.“ (میں تو بہت بزدل لوگوں میں سے ہوں)

”اگر آپ بڑے“ لیے timid (بزدل) استعمال کر رہے ہیں تو یقیناً ڈکشنری میں Timid کا مطلب

بہل چکا ہوگا۔“ وہ اس کی بات پر ایک بار پھر ہنسا۔

”میرے بارے میں تم کچھ ضرورت سے زیادہ نہیں جان سکتیں؟“

”نہیں ضرورت کے مطابق ہی جانا ہے آپ کو۔“

”تعمدوی سی ردائیک گفتگو اب لازم نہیں ہو گئی ہم پر؟“ وہ اس کے جواب سے معظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

”میرا خیال ہے ابھی تک ساری گفتگو ردائیک ہی ہوئی ہے۔“

”نہیں..... نہیں..... میں کچھ اظہار محبت اور دعدوں وغیرہ کی بات کر رہا ہوں..... چاند تارے توڑنے

ناپ والی باتیں۔“

”نہیں کل آفس تو مجھے جانا ہے مگر میں وہاں سے جلدی آ جاؤں گی۔“

”جلدی..... کس وقت؟“

”دو پہر کالج کے بعد آ جاؤں گی بلکہ شاید کالج آدے کے دوران ہی۔“ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”ہاں ٹھیک ہے۔ یہ بہتر رہے گا۔“ نالوں نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

اگلے روز شام کو جنید کے گھر والے ان کے ہاں آئے تھے۔ نانہ، حمید اور سکندر سے پہلے ہی فون پر بات کر

چکی تھیں دونوں نے انہیں اگلے آدے کو کوئی بھی تاریخ طے کر دینے کا کہا تھا۔ دونوں ٹھیکوئے نے کھانے کے بعد باہمی

مشورے سے تاریخ طے کر لی۔

جنید اپنے گھر والوں کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ رات بارہ بجے کے بعد جب اس کے گھر والے واپس گئے تو

اس کے کچھ دیر بعد اس نے علیہ کو فون کیا۔ اسی وقت سونے کے لیے اپنے کمرے میں گئی تھی۔

”میں صرف مبارکباد دینے کے لیے کال کر رہا ہوں۔“ سلامی دعا کے بعد اس نے علیہ سے کہا۔ اس

کا کچھ خاصا خوشگوار تھا۔

”جھینکس مگر میں دن پہلے جب ہم لوگ ملے تھے تو آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔“ علیہ نے کہا۔

”کس چیز کے بارے میں؟“ جنید نے قدرے بے نیازی سے کہا۔

”بھئی کہ آپ کے گھر والے تاریخ طے کرنے کے لیے ہمارے گھر آئے والے ہیں۔“

”میں نے سوچا جن میں سر ہارنڈوں۔“

”میں سوچ رہی تھی آپ کہیں سے کہ آپ کو اس کے بارے میں کچھ خبر ہی نہیں تھی۔“

وہ دوسری طرف ہنسنے لگا۔ ”نہیں..... میں کوئی لڑکی نہیں ہوں کہ اسے آخری لمحوں میں کچھ بتا ہی نہ ہو اور نہ

ہی یہ کوئی لم ہے۔ ظاہر ہے میری شادی کی تاریخ مجھ سے پوچھنے بغیر کیسے طے کی جاسکتی ہے۔“

”ہاں آپ سے پوچھنے بغیر کیسے طے کی جاسکتی ہے۔ وہ تو صرف مجھ سے پوچھنے بغیر طے کی جاسکتی ہے۔“

علیہ نے ٹھکڑا دیا۔

”یارا بتا تو رہا ہوں، تمہارے لیے سر ہارنڈ تھا۔ اچھا سر ہارنڈ نہیں تھا کیا؟“ وہ اسی طرح ٹھٹھکی سے بولا رہا۔

”تمہارے موسم میں شاید یہ واحد آدمی ہوں گا جو اتنی خوش خوش اپنی رضامندی کے ساتھ آزادی کے

بجائے غلامی قبول کر دے گا۔ جنہیں تو میرے اس جذبے کو سراہنا چاہیے۔“ اس بار اس کے کچھ میں معنوی سنجیدگی تھی۔

How very magnanimous (کتنا بڑا حوصلہ ہوں) غلامی قبول کر دے گا۔“

”کیسی غلامی؟“

”نہیں شاید قید کہتے ہیں اسے۔ ہے؟“ جنید نے فوراً اپنے جملے میں جھج کرتے ہوئے کہا۔

”جی نہیں قید بھی نہیں کہتے۔“

علیہ ومعنی سنجیدگی سے بولی۔

”دل تو already (پہلے ہی) آپ کے پاس ہے۔ میں تو اس وقت دماغ کا استعمال کرتے ہوئے تعریف کر رہا ہوں۔“

sane, sensible thing (دانا اور سمجھدار)

علیہ و نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

اس کی برعکس آج واقعی لا جواب کر دیئے والی تھی۔

It means that I am going to marry a heartless person (اس کا مطلب

ہے کہ ایسے شخص سے شادی کر رہی ہوں جس کا دل ہی نہیں ہے)

On the contrary I'm going to marry a girl with two hearts (اس کے بر

عکس میں جس لڑکی سے شادی کر رہا ہوں اس کے دو دل ہیں)

جنید نے اتنی ہی بے ساختگی سے کہا۔

”میڈیکل سائنس میں دو دلوں والے انسان کو کیا کہا جاتا ہے۔“ علیہ و نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”میڈیکل سائنس کا تو مجھے چاہئیں مگر غالب اسے ”محبوب“ کہتے ہیں۔“

علیہ و بے اختیار ہنسنے لگا، جنید کے منہ سے غالب کا حوالہ اسے بے حد دلچسپ لگا تھا۔

”میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ بھی زندگی میں کبھی غالب کی بات کریں گے۔ اقبال کا ذکر کب

فرما میں گے؟“

”اقبال کا ذکر مشکل ہی ہے، وہ خود ہی کی بات کرتے ہیں اور محبت ہو جانے کے بعد خود ہی کہاں باقی رہتی

ہے۔ اس لئے اقبال کا ذکر اب باقی ساری زندگی مشکل ہی ہے۔ بس غالب ہی ٹھیک ہیں۔“

”وی غالب جو کہتے ہیں کہ عشق نے کیا کر دیا؟“

”غالب تو یہ بھی فرماتے ہیں“

چٹائے جان ہے غالب اس کی ہر بات

مبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

”میرے سر کے اوپر سے گزر گیا ہے آپ کا یہ شعر۔“ علیہ و نے بھیہٹتے اشارے کرتے ہوئے کہا۔

”یہ میرا نہیں غالب کا شعر ہے اس لئے آپ کو آپ کے سر کے اوپر سے گزر گیا تو کوئی بات نہیں، میں

اعتراف جب کرتا اگر میرا شعر آپ کے سر کے اوپر سے گزر جاتا۔“

”آپ کا اپنا شعر ہوتا تو وہ بھی میرے سر کے اوپر سے ہی گزرتا۔ لڑچر اور خاص طور پر شعر و شاعری کے

معاملے میں کچھ زیادہ اجماع تو نہیں رکھتی۔“

”آپ گھر نہ کریں جناب، میرے ساتھ رہیں گی تو ٹھیک ہو جائیں گی۔“

علیہ و ہنس پڑی، ”نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ان چیزوں کو توڑنے کے بغیر بھی آپ کے بارے میں میری رائے خاصی اچھی ہے۔“

”یہ سن کر خاصی خوش ہوئی ہے مجھے ورنہ میرا خیال تھا کہ پچھلے چند ماہ میں ہونے والے واقعات کے بعد میرے بارے میں تمہاری رائے کا گراف نیچے چلا گیا ہوگا۔“ وہ اب اسے سمجھ رہا تھا۔

”ہو نہ تو چاہیے قلم گھر حال ہوا نہیں۔“

”جب مجھے خود کو خوش نصیب سمجھنا چاہیے۔“

”یہ آپ پر منحصر ہے۔“ اس نے کہا وہ اپنی اینڈل کے اسٹیر پیس کھولتے ہوئے اپنے بیڑ پر بیٹھ رہی تھی۔

”پارا جنہیں بھی تو خوش قسمت سمجھنا چاہیے مجھے۔“

”اچھا ٹھیک ہے، آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔ اب آپ یقیناً یہ کہیں گے کہ میں بھی خود کو خوش قسمت

سمجھوں۔“

جنید نے بے اختیار تہجد لگا دی۔

”آج تمہاری Sense (حس) بڑی شارب ہے۔ میرے کہے بغیر ہی اگلا جملہ بوجھ رہی ہو، کمال کی

اعتراف یہ تک ہے تمہاری۔“

وہ اس کے آخری منٹ پر مسکرائی، جنید واقعی آج بڑے موڈ میں تھا۔

”اگر آپ کے ساتھ رہتا ہے تو senses کو شارب کر رہی پڑے گا۔ ورنہ خاصی مشکل ہو جائے گی۔“

”کس کو؟ مجھے؟“

”مجھے۔ آپ کو تو خاصی آسانی ہو جائے گی۔“ علیہ و نے عینیکو گود میں لیے ہوئے کہا۔

You are pretty intelligent (تم خوبصورت ذہین ہو)

جنید نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

”آپ Pretty کے بعد کو کا گریہ بات کہہ رہے ہیں۔“ جنید اس کی بات پر بے اختیار مکتوظ ہوا۔

”نہیں گل شارب لگا کہہ رہا ہوں You are pretty اس بار علیہ و اس کی بات پر ہنسی۔

”اور Intelligent“ اس نے ہنسی رد کرتے ہوئے پوچھا۔

”نی انا مال اس کو delete کر دیتے ہیں۔ بات Pretty تک ہی رکھتے ہیں اس سے باہر

خوشگوار ہو گیا ہے۔“ جنید کا اشارہ اس کی ہنسی کی طرف تھا۔

”تعریف کے لیے شکر یہ ادا نہ کروں؟“

”بالکل نہیں آپ کی تعریف کر کے میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔ فرض کی ادائیگی پر کیا شعر ہے۔“ جنید اب

اسے جگ کر رہا تھا۔

”اچھا تو صرف فرض کی ادائیگی کے لیے تعریف کر رہے ہیں دل کے باقیوں مجبور ہو کر نہیں کر رہے۔“

”آپ کو کیوں ہوگا؟“

”کیا تمہیں یقین ہے کہ تم گھر اور آفس کو اکٹھا Manage کر سکتی ہو؟“ اس بار جنید واقعی سنجیدہ تھا۔

”ہاں نہیں اسی لئے تو میں ٹیلیفونز بوری ہوں۔“

”تم کو اندازہ تو ہوگا؟“

”کوئی اندازہ نہیں ہے، پہلے مجھ پر گھر کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، صرف جاب ہی ہے۔“

”میرے گھر آ کر بھی تو نہیں کوئی کام تو نہیں کرنا پڑے گا مگر پھر بھی بہت سی دوسری چیزیں ہوتی ہیں۔“

جنید بات کرتے کرتے رکا۔

”تم جاب نہیں چھوڑنا چاہتے؟“

”جواب..... میں؟ چھوڑنا چاہتی ہوں مگر ابھی نہیں۔“

”علیہذا میں کوئی کنٹریوینڈ آئی نہیں ہوں، اگر تم میں کوئی ٹیلنٹ ہے تو میں اسے ضائع کرنا نہیں چاہوں گا..... مگر جس فیلڈ میں تم ہو یہ قدر پر غیب ہے تم اکثر نکلتے دکھ کر رہ جاتی ہو۔ نکلتے کہاں ہوں، کب ہوں، تم کب کب پہنچو..... یہ سب کچھ خاصا complicated ہے۔“

”ہاں میں جانتی ہوں اور اسی لئے ڈبل مائنڈ ہوں، مگر صرف میں صرف کھانے پینے، شاپنگ کرنے اور سونے والی زندگی گزارنا نہیں چاہتی۔ سوسائٹی میں کچھ تو کنٹری بیوش ہونا چاہئے میرا۔“

”تم فری لانسنگ کر سکتی ہو۔“ جنید نے تجویز پیش کی۔

”فری لانسنگ؟“ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”تمہارے لئے یہ خاصا آسان رہے گا۔“ جنید نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”میں نے اس کے بارے میں سوچا نہیں۔“

”تو سوچو لو..... بلکہ تم ایسا کرو..... رہے ان کرنے کے بجائے چھٹی لے لو کچھ عرصہ کے بعد تم اپنی روشن اور زندگی کو دیکھ لینا اور پھر فیصلہ کرنا زیادہ آسان ہو جائے گا تمہارے لئے۔ بعد میں ہم دونوں زیادہ بہتر طریقے سے اس کے بارے میں کچھ طے کر لیں گے، یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تمہارے لئے اور alternatives کیا ہیں۔ بلکہ تم دیکھنا کہ آیا تمہارا بہت سوشل ورک کر رہی ہیں اس میں تم کس طرح مدد کر سکتی ہو۔ تمہارا تو سبکدوش بھی سوشیا لوجی ہی رہا ہے۔ ضروری تو نہیں ہے کہ صرف جرنلزم کے ذریعے ہی سوسائٹی میں کوئی کنٹری بیوش کی جائے۔“

وہ اس کی بات غور سے سنتی رہی۔

”ہاں یہ ضروری نہیں ہے۔“

”بھلا وہ بہت سارے کام ہیں جو تم کر سکتی ہو مگر یہ ضروری نہیں کہ ان کو فائدہ والا کام کیا جائے اور پھر روز ہی کیا جائے، پھر روز میں تم گھر سے نکل جایا کرو گی تو میں تمہاری شکل کیسے دیکھا کروں گا صبح۔“

وہ بات کرتے کرتے کچھ سنجیدہ ہوا۔ علیہذا اس کی بات پر ابھی بھی غور کر رہی تھی اس نے جنید کے آخری

”ٹھیک ہو جاؤں گی یا آپ ٹھیک کر دیں گے؟“

”دونوں میں کوئی فرق ہے؟“

”بہت.....“

”میں ٹھیک نہیں کروں گا آپ خود ہی ٹھیک ہو جائیں گی۔“

”ابھی ٹھیک نہیں ہوں؟“

”نہیں ٹھیک ہیں مگر بعد میں کچھ زیادہ ٹھیک ہو جائیں گی یا پھر میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔“ اس نے ایک گہری

سانس لیتے ہوئے کہا۔

”صرف ٹھیک؟ زیادہ ٹھیک نہیں ہوں گے آپ؟“

اس بار وہ اس کی بات پر بے اختیار ہنسا۔ ”جلیں..... زیادہ ٹھیک ہو جاؤں گا۔ آپ کی طرح غالب کے

شعر میرے بھی سر کے اوپر سے گزرنے لگس گئے۔“

”آپ بڑے عجیب آدمی ہیں جناب۔“

”یہ تعریف ہے یا تنقید؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”دونوں ہی نہیں ہیں، کس تبصرہ ہے۔“ علیہذا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”پھر ٹھیک ہے۔ مگر آپ جب میرے گھر آ کر میرے ساتھ رہیں گی تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ آپ

کی یہ رائے بہت غلط اور بے موقع تھی۔ میں بڑا سیدھا سادہ آدمی ہوں۔“ اس بار وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔

”آپ سے ایک بات پوچھنا چاہ رہی تھی میں؟“

”جی فرمائیں؟“

”کیا نڈر سپرے رہے انی کروں میں؟“

”اس کا فیصلہ تم خود کر سکتی ہو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ جنید نے بڑی سہولت سے کہا۔

”مگر میری کچھ میں کچھ نہیں آ رہا۔“

”یہ اتنا مشکل فیصلہ تو نہیں ہے۔“

”میرے لئے۔“

”تم جو چاہتی ہو وہ کرو۔“

”مجھے یہ بھی نہیں پتا کہ میں کیا چاہتی ہوں، میں ڈبل مائنڈ ہو رہی ہوں اس لئے آپ سے پوچھ رہی

ہوں کیا یہ ضروری ہے کہ میں ریڈائن کروں؟“

”نہیں ضروری نہیں ہے۔“

”آپ کے گھر والوں کو اس پر کوئی اعتراض ہوگا؟“

”نہیں گھر والوں کو تو نہیں ہوگا مگر مجھے ہو سکتا ہے۔“

”میں نے آپ سے کبھی بھی کوئی فرمائش نہیں کی یہ آپ کو یاد رکھنا چاہیے۔“ علیزہ نے اسے جنمایا۔
 ”دو دفعی میں خود ہی تمہارا اتنا خیال رکھتا ہوں کہ تمہیں فرمائش کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ تم یہی کہتا چاہ رہی ہو نا؟“ جنید نے مصنوعی خمیگی سے کہا۔

”تمہیں میں یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ میں فرمائشوں پر کچھ زیادہ یقین نہیں رکھتی، خاصگی قناعت پسندی ہے مجھ میں۔“
 ”اسی لیے تو تمہیں میں نے آخر کی ہے۔“
 علیزہ نے اس کے مسکراتے چہرے کو غور سے دیکھا۔
 ”اگر آپ اتنا اصرار کر رہے ہیں کسی فرمائش کے لیے تو آپ میری ایک خواہش پوری کر دیں۔“ اس نے چند لمحوں کے بعد یکدم خمیگی سے کہا۔
 ”بالکل ضرور کیوں نہیں۔“ جنید نے کچھ دھچکی کے ساتھ نیپل پر اپنی کھپیاں لگاتے ہوئے کہا۔
 ”عمر سے دو بارہ کبھی مت ملیں۔“

جنید کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ ایک بار بھر سیدھا ہوا کر بیٹھ گیا۔ ”یہ کیا بات ہوئی؟“
 ”آپ نے خود ہی کوئی فرمائش کرنے کے لیے کہا تھا۔“ علیزہ نے اسے یاد دلایا۔
 ”مگر یہ تو خاصی نامناسب سی فرمائش ہے۔“ جنید یکدم خمیدہ ہو گیا۔
 ”تمہیں کوئی اتنی نامناسب نہیں ہے۔“ علیزہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ پہلے کی طرح اب بھی عمر سے کوئی رابطہ نہ رکھیں۔ اس سے ملنے سے احتراز کریں اس میں نامناسب بات کیا ہے؟“

”میں اس سے بہت زیادہ تو نہیں ملتا ہوں۔“
 ”میں چاہتی ہوں آپ اس سے نہیں ملے نہ زیادہ۔ سرے سے ہی نہ ملیں۔“
 ”کیوں؟“

”کیونکہ میں اسے پسند نہیں کرتی۔“ اس نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔
 ”تم اسے پسند کیوں نہیں کرتی؟“
 ”آپ جانتے ہیں۔“

جنید نے اس کی بات پر قدرے ناگوار سے سر جھٹکا ”صرف ایک واقعہ کی بنا پر کسی کے بارے میں اس طرح کی حتمی رائے بنالیا اور کسی کو پسنانے کرنے لگنا کچھ مجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔۔۔۔۔ بہت illogical (غیر منطقی) اور Unreasonable (نامناسب) قسم کی بات ہے۔“

”ایک یا دو واقعات کی بات نہیں ہے۔ بہت ساری وجوہات ہیں اس کے لیے میری ناپسندیدگی کی۔“
 علیزہ نے خمیگی سے کہا۔
 ”تم ذرا روشنی ڈالنا پسند کرو گی، ان بہت ساری وجوہات میں سے چند ایک پر۔“

”اگر میں نے یہ کام شروع کیا تو ہم لوگ خاصا وقت ضائع کریں گے۔“ علیزہ نے بات کو کول کر تے ہوئے کہا۔

”کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ تم عمر کو اس کے پروفیشن سے ہٹ کر صرف ایک فیملی ممبر کے طور پر دیکھو۔ اس کے پروفیشن کے حوالے سے اسے بچ نہ کرو۔“ جنید نے بڑی خمیگی سے کہا۔
 ”اس کے باوجود اس کے لیے میری ناپسندیدگی اسی طرح قائم رہے گی۔“ علیزہ نے دو ڈک انداز میں کہا۔ ”اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ میں اسے اس کے پروفیشن کے حوالے سے بچ کروں یا نہ کروں۔“
 ”مجھے حیرت ہوتی ہے اس نے ہمیشہ تمہاری تعریف کی ہے اور تم اس کے بارے میں اتنی نگلیلو سوچ رکھتی ہو۔“
 ”وہ بھی مجھے ناپسند کرتا ہے۔“ علیزہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔
 ”تمہیں کم از کم میں تمہاری بات اس پر یقین نہیں کر سکتا۔“ جنید نے قطعیت سے سر ملاتے ہوئے کہا۔
 ”اسنے سالوں میں میں نے ایک بار بھی عمر کے منہ سے تمہارے خلاف کبھی کچھ نہیں سنا۔ وہ ہمیشہ تمہارے بارے میں بہت نگر مند رہا ہے۔ اس نے ہمیشہ تمہاری تعریف کی ہے۔“

جنید روانی سے کہتا ہوا تھا، علیزہ نے جس حرکت چلیں جھکائے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔
 ”ہوسکتا ہے تم دونوں کے درمیان کچھ غلط فہمی ہو جسے دور ہو جانا چاہیے اور مجھے غلط فہمی کے سوا یہ کچھ اور لگتا بھی نہیں، جب تم اپنے کسی اور رکن پر اس کے کیرئیر یا پروفیشن کے حوالے سے تنقید نہیں کرتیں یا اسے ناپسند نہیں کرتیں تو پھر آخر عمر ہی کیوں، کیا یہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہے۔“

جنید بات کرتے کرتے رک گیا۔ علیزہ کے چہرے کے تاثرات بہت عجیب تھے۔
 ”کیا ہوا؟ کیا میں نے کچھ غلط کہا؟“ جنید نے اس سے پوچھا۔
 ”کتنے سالوں سے جانتے ہیں آپ عمر کو؟“ اس نے سر آواز میں جنید سے کہا وہ اسے دیکھنے لگا۔
 ”کتنے سالوں سے؟“

”ہاں کتنے پچھلوں؟ آپ نے کیا کیا؟“ اس نے ”اسنے سالوں“ سے کبھی عمر کے منہ سے میرے بارے میں کچھ برا نہیں سنا، تو آپ اور عمر ایک دوسرے کو کب سے جانتے ہیں؟“

جنید نے سکرانے کی کوشش کی ”تمہیں میں تو یہ نہیں کہا۔“
 ”آپ نے یہی کہا ہے۔“ اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔
 اس سے پہلے کہ جنید کچھ کہنا دیکھتا ہی تھا اسے سرد کر دینے لگا۔ علیزہ کی جھوک شتم ہو چکی تھی۔ کیا آج پھر کوئی اپنی کھاگس ہونے والا تھا، چند منٹ کے بعد دیکھنا کھانا لگا کر چلا گیا۔

”چند دن پہلے ہی آپ نے فون پر مجھ سے یہی کہا تھا کہ سات آٹھ سال پہلے تو مجھے ختم نہیں آ تھا، میں نے سوچا کہ آپ نے بے دینیائی میں کیا کیا ہے مگر ایسا تو نہیں ہے۔ آپ مجھے کب سے اور کتنا جانتے ہیں۔“
 ”علیزہ! چھوڑو! دارا ہم دونوں کی فضول باتیں لے کر بیٹھے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں۔“ جنید نے موضوع

جینے نے اپنی بات جاری رکھی۔ "صرف میں ہی نہیں میرے گھروالوں کے لیے بھی وہ کوئی اجنبی شخص نہیں ہے۔ وہ ہماری فیملی کا ایک فرد ہے، یہ کچھ لوگ میری کا تیسرا بیٹا ہے۔ وہ اگر وہ آئے نہ تب بھی فون پر میرے گھر والوں سے اس کا رابطہ رہتا ہے۔ میرے چرخس سے خاص طور پر میری بیوی سے۔ غری سے۔"

"تو آپ عباس کے دوست نہیں ہیں؟" اس نے ایک لمبی خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔۔۔۔۔" جینے نے غمی میں سر ہلایا۔ "میرے قوسطے میں تمہیں اور تمہاری فیملی کے اور بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں اور میں عباس بھی شامل ہے مگر عباس سے میری کوئی دوستی نہیں ہے۔ صرف جان پہچان ہے۔" جینے نے کہا۔

"اور مجھے۔۔۔۔۔ مجھے آپ کب سے جانتے ہیں؟" اس نے کونے ہوئے اعزاز میں کہا۔

جینے کے چہرے پر ایک مسکراہٹ ابھری۔ "بہت سال ہو گئے ہیں۔ یہ کہنا بہتر ہے کہ بہت سالوں سے۔۔۔۔۔ پہلی بار میں تم سے ملا تھا جب عرسول سرور کے امتحان کے لیے پاکستان میں تھا۔ عمار کے ساتھ میں تمہارے گھر آیا تھا۔ تم اس وقت کہیں جا رہی تھیں اور ہم لوگ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عمر نے ہم دونوں کو تعارف کروایا تھا مگر دو مہینے بار میں نے فون کیا تھا عمار کے لیے اور تم نے فون کر لیا تو یہ کہتا تھا۔

علی کو یاد آیا کہ جینے سے پہلی بار بحور بن میں ملاقات کے دوران اسے بار بار یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے پہلے ہی کبھی نہیں دیکھ چکی ہے مگر کوشش یہ یاد کروانے میں ناکام رہی تھی کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا، بعد میں اس نے اپنے اس خیال کو جھٹک دیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے نا تو میں آپ کو بہت عرصہ سے جانتی ہوں گی؟"

"ہاں جی ہاں، جب میں عمر کے ساتھ دو چار بار ان کے ہاں آیا۔ بعد میں بھی ان سے بات وغیرہ تو ہوتی تھی مگر ملاقات کا سلسلہ قدرے محدود ہی رہا کیونکہ میں کچھ اور تعلیم کے لیے ایک بار پھر باہر چلا گیا تھا۔" جینے بڑے آرام سے بتاتا گیا۔

"عرسے میں نے تمہارا بہت دگر سنا تھا۔ تم ان چند لوگوں میں سے ہو۔ جن کا نام ہمیشہ اس کی زبان پر رہا ہے۔ تمہارے بچے کی ڈانے میں بہت پریشان بھی رہتا تھا اور میں نے بھی جانتا ہوں کہ تم دونوں کی کسی ڈانے میں آہیں میں بہت اچھی دوستی تھی۔"

وہ گم سم اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"میرے عمر کے کیریئر کی وجہ سے تمہارے اور اس کے درمیان کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں اور تم نے برا سمجھے لگیں۔ مگر عمر کی رائے تمہارے بارے میں ہمیشہ اچھی رہی، میں نے اسے کبھی تمہارے بارے میں کچھ بھی برا کہتے ہوئے نہیں سنا۔ کبھی بھی نہیں۔ تمہاری ہمیشہ قریب کرتا ہے۔ وہ۔" جینہ دھیمے لہجے میں کہتا جا رہا تھا۔

"مجھے سے شادی کرنے کے لیے کس نے کہا تھا آپ کو؟ عمر نے۔"

اپنے ہونٹ کھینچتے ہوئے اس نے جینہ کی بات کو ان کی کر کے پوچھا۔ جینہ اس کی بات کے جواب میں

بدلتے کی کوشش کی۔

"میں یہاں سے اٹھ کر چلی جاؤں گی، اگر آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ عمر کو آپ کب سے جانتے ہیں؟" اس بار اس کی آواز میں واضح طور پر ناراضگی تھی۔

جینہ یکدم جھبہ ہو گیا، کچھ دیر وہ ایک دوسرے کے چہرے دیکھتے رہے پھر جینہ نے ایک گہرا سانس لے کر جیسے ہتھیار ڈال دیئے۔

"پندرہ سال سے۔۔۔۔۔" وہ دم بخود رہ گئی۔

اس وسیع حریف ڈانگ ہال میں اسے اپنا سانس گھٹنا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اپنے ہاتھ کی کینکپا ہٹ کر چھانے اور خود کو جیسے سہارا دینے کے لیے اس نے اپنے ہاتھوں کو ٹیبل پر رکھ دیا۔ وہ اس کے باغیچہ اپنی کرسی پر بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا، وہ آدمی جس کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ عمر کے برعکس اس سے ہمیشہ غلط رہا ہے وہ آدمی جس کے بارے میں اسے خوش فہمی تھی کہ وہ کبھی اسے کسی چیز کے بارے میں دھوکے میں نہیں رکھے گا۔

جینہ اب بات کرتے کرتے کچھ دیر کے لیے رک گیا تھا، شاید وہ بات جاری رکھنے کے لیے کچھ مناسب لفظوں کی تلاش میں تھا۔

علیہ فانی رنگت کے ساتھ اس کے چہرے پر نظرس جیسے ہتھیار تھی۔ دم بخود اور سادگت۔

"ہم لوگ فلیٹ میں تھے۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹس الگ تھے مگر ہم لوگوں کی دوستی پر اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ پوچھو تو اس کے بعد بھی کچھ عرصہ ہم اکٹھے ہی رہے پھر عمر لندن چلا گیا۔ وہاں میں پاکستان آ گیا۔ میں نے اپنے بابا کی فرم کو جوائن کر لیا مگر ہم دونوں ہمیشہ رابطے میں تھے۔" جینہ نے رک کر اپنے گلاس میں پانی ڈالا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"بہت گہری قسم کی دوستی ہے ہماری۔۔۔۔۔ عمار جب بھی پاکستان آتا تھا میرے یہاں بھی آتا تھا۔ بعد میں سول سروس میں آنے کے بعد یہ تعلق کچھ اور گہرا ہو گیا۔ جتنا عرصہ وہ پاکستان میں رہا بڑی بات تھی کہ ہمارے یہاں آتا رہا۔ بعض دفعہ وہ ہمارے گھر ٹھہرتا بھی رہا ہے۔ پندرہ سال بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے، یہ کہی پندرہ دن نہیں ہوتے کہ انسان ایک دوسرے کو جان نہ سکے۔ میں عمر کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں، بہت ہی اچھی طرح اسی لیے جب تم اس پر تنقید کرتی تھیں تو میں۔۔۔۔۔ جینہ نے پانی کا گھونٹ بھرا۔

"تو کبھی یقین نہیں کر سکا کہ عمر اس طرح کا ہے جس طرح کا تم آجاتی ہو۔ اگر ساری دنیا بھی میرے سامنے جمع ہو کر ایک وقت میں وہی باتیں کہے جو تم کہتی ہو، تب بھی میں یقین نہیں کروں گا۔" اس کے لہجے اور اعزاز میں تاکید تھی۔

"وہ میرا بہترین دوست ہے اور میں اسے کبھی کسی دوسرے شخص سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں۔" وہ خالی خالی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

جینہ ابراہیم کا چہرہ، اپنے سنگین کا چہرہ، عمر جہاگیر کے بہترین دوست کا چہرہ۔

”علیہ۔ علیہ۔ علیہ۔ جیہد کچھ پریشان ہوتے ہوئے خود بھی اٹھ کھڑا ہوا مگر علیہ نے مڑ کر اسے نہیں دیکھا۔ جیہد نے اپنے دانت میں سے کچھ تھلک لال کر میز پر رکھ دیے اور خود بھی علیہ کے پیچھے آ گیا۔ وہ اب دروازہ کھول کر میز پر حیاں اتار رہی تھی۔

”علیہ و علیہ۔۔۔۔۔ جیہد ایک بار پھر سے آواز میں دینے لگا۔ اس نے مڑے بغیر میز پر حیاں اتارنا جاری رکھا وہ تیزی سے میز پر حیاں اترتے ہوئے اس کے سامنے آ گیا۔

”کیا ہوا؟ تم اس طرح باہر کیوں نکل آئی ہو؟“

علیہ روک بگی۔ وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا، وہ آگے نہیں جاسکتی تھی۔

”کیا ہوا ہے تمہیں؟“ اس نے پریشانی سے پوچھا۔

”اس طرح کھانا چھوڑ کر کیوں آ گئی ہو؟“

”میں گھر جانا چاہتی ہوں۔۔۔۔۔ ابھی۔۔۔۔۔ ابھی۔۔۔۔۔ اس نے منے ہوئے لہجے میں کہا۔

”میں گھر ہی جانا تھا مگر اس طرح کھانا چھوڑ کر۔۔۔۔۔“

”آپ کھانا کھائیں۔۔۔۔۔ آپ کیوں کھانا چھوڑ کر آ گئے ہیں؟ میں جلی جاؤں گی۔“ اس نے جیہد کے دائیں طرف سے نکلنے کی کوشش کی۔

”میں خود یہاں کھانا کھانے نہیں آیا تھا علیہ! تمہارے ساتھ کھانا کھانے آیا تھا۔“

جیہد نے انہوں سے کہا۔ وہ اب اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ علیہ خاموشی سے چلتی رہی۔

”ٹھیک ہے میں تمہیں گھر واپس کر دیتا ہوں۔۔۔۔۔ جیہد نے ہلکا خیر بھرا زوال دینے۔

علیہ نے اپنے قدم روک دیے۔ جیہد اب بالکل لگ کر طرف جا رہا تھا وہ ہیں کھڑی رہی۔ کچھ دیر کے بعد وہ گاڑی اس کے قریب لے آیا۔ اس نے فرنیٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا، وہ خاموشی سے اندر بیٹھ گئی۔

”میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو مگر میں نے ہر بات کی وضاحت کی ہے۔“

جیہد یقیناً اب پریشان تھا ہی لیے اس نے گاڑی کو مین روڈ پر لاتے ہی ایک بار پھر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر نظر سکرین سے باہر دیکھتی رہی۔

”علیہ۔۔۔۔۔! میری طرف سے کسی غلط فہمی کو بدل میں عہد مت دو۔“

علیہ کی خاموشی جیہد کی پریشانی میں اضافہ کر رہی تھی۔

”میں نے کچھ ہفتے پہلے ہی ایک دن تم سے یہ کہا تھا کہ میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ میں یہاں بات ہیں بتانا چاہتا تھا۔۔۔۔۔ وہ کہہ رہا تھا۔۔۔۔۔ بلکہ میں عمر سے اپنی دوستی کو سرے سے چھپانا چاہتا ہی نہیں تھا۔ یہ اس کا اصرار تھا جس پر مجھے ایسا کرنا پڑا مگر اس میں تمہیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا نہ میری طرف سے نہ تمہاری طرف سے اور میں ایسا کیوں کرنا پڑا۔۔۔۔۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔“

جیہد کا لہجہ قدرے بے رعب ہو رہا تھا۔ علیہ اب بھی وہ سکرین سے باہر دیکھتی رہی۔

جیہد قدرے بے جاہلی کے عالم میں خاموش ہو گیا۔ ”میں پھر بھی ایکسکس ذکر کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے تمہیں یہ سب کچھ بہت برا لگے ہو یا اس سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو۔۔۔۔۔“ وہ چپ ہو گیا۔ شاید اس کے پاس کرنے کے لیے کوئی اور بات باقی نہیں رہی تھی۔

علیہ کے گھر کے گیٹ پر اس نے ہارن بجا کر چکیدار کو متوجہ کیا مگر گاڑی گیٹ پر رکتے ہی علیہ دروازہ کھولنے لگی۔

”علیہ! وہاں گاڑی اندر لے کر جا رہا ہوں۔“ جیہد نے کہا۔

”تمہیں آپ سینما سے چلے جائیں، اندر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ علیہ نے سر آواز میں اس سے کہا۔ جیہد کا چہرہ غمت سے سرخ ہوا۔ چونکہ ارباب گیٹ کھول رہا تھا۔

”تم اپنے شاہزادھا لائو۔“

جیہد نے جھجکی سیٹ پر رکتے ہوئے شاہزاد کی طرف اشارہ کیا مگر اس سے پہلے کہ وہ انہیں اٹھا کر اس کی طرف بڑھا، وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اتر گئی۔ جیہد نے اسے آواز دی مگر اس نے پیچھے مڑے بغیر گیٹ عبور کر لیا۔

کچھ جھنجھلاتے ہوئے جیہد گاڑی کو آہستہ آہستہ اندر لے آیا۔ علیہ کا رویہ۔ اس کے لیے بہت ناقابل یقین تھا۔ اگر اس کے دہم دہم گمان میں بھی یہ ہوتا کہ وہ اس طرح کے رد عمل کا اظہار کر سکتی ہے تو وہ بھی اس کے سامنے اس طرح کے اعکاشات نہ کرتا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ حقوڑا بہت ناراض ہو گیا مگر وہ اسے سمجھا بھجا کر اس کی یہ ناراضی دور کرے گا۔ مگر اس سے توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح بالکل چپ سا مدھ لے لے۔

علیہ نے اپنے پیچھے اس کی گاڑی کے اندر آنے کی آواز سن رہی تھی مگر اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گئی۔ نالو لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں۔ انہوں نے علیہ کو سکرین سے ہونے دیکھا۔

”تم بہت جلد آگئیں میں سوچ رہی تھی قدرے دیر سے آؤ گی۔“

انہوں نے اسے دیکھتے ہوئے حیرت سے کہا۔ علیہ نے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ ایک نظر انہیں دیکھنے کے بعد وہ پچھنے پچھنے لاؤنج سے گزر گئی۔ نالو نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے کچھ بھی اگتازہ نہیں کر سکتی تھیں۔

علیہ وہاں کے بغیر سیدھا اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے بیک کواپے بستر پر اچھال دیا اور خود دیوار کے ساتھ بڑے صوفہ کی طرف بڑھ گئی۔ اسے جوتے اتار کر دونوں پیر صوفہ کے اوپر رکھتے ہوئے کٹن گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی کیفیات خود بھی سمجھنے سے کام لیتی۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ

آج خلاف معمول اس نے روتے نہیں آ رہا تھا۔

”جیہد ایما ایم۔۔۔۔۔“ اس نے ذریعہ اب اس کا نام دہرایا۔ اس نے کچھ دیر پہلے اس کے ہونٹوں سے نکلنے والے تمام جملوں کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ اس کا شک ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ اعزازہ نہیں کر پاری تھی کہ اسے غم زیادہ ہوا تھا یا پھر غصہ اور ان دونوں چیزوں کا تعلق کس سے تھا جیہد سے؟ عمر سے؟ نالو سے؟ یا پھر ان

تیوں سے؟

دروازے پر دستک دے کر نانو اندر آ گئی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں شاہزادے یقیناً حیدر وہ شاہزادہ انکس دے

میا تھا۔

”تم یہ ساری چیزیں اس کی گواہی میں کیوں چھوڑ آئیں؟“ نانو نے تنبیہی انداز میں کہا۔

”اور سوڈ کیوں خراب ہے تمہارا؟“ انہوں نے شاہزادہ بیڑ پر رکھتے ہوئے کہا۔

”پھر کوئی جھڑا ہوا کیسے تم دونوں میں؟“ وہ اب اس سے پوچھ رہی تھیں۔

ان کے لہجے میں تشویش کا عنصر نمایاں تھا۔ ”حیدر بھی کچھ پریشان نظر آ رہا تھا۔ میرے روکنے کے باوجود رکنا

نہیں۔ اوپر سے تمہارے منہ پر بھی بارہ بیچے ہوئے ہیں، آؤ آ رہا ہوا کیسے؟“

علیہ وہ ان کو مکمل طور پر نظر انداز کیے اپنے دانتوں سے انگلیوں کے باخ کن کرتی رہی۔

”تم کچھ تناؤ کی باہمی طرح تنبیہ ہو گئی نہ بند کر کے؟“ اس بار نانو نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔ علیہ

نے اس بار بھی ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ”شادی سے پہلے اس طرح جھگڑ رہے ہو تم دونوں تو بعد میں کیا

ہوگا؟ میں اسی لیے کسی کورٹ شپ کے قریب نہیں تھی اور علیہ وہ کم از کم تم سے تو میں اس طرح کی حماقت کی توقع بھی

نہیں کر سکتی تھی۔“

علیہ نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اب بھی خاموشی سے پہلے کی طرح اپنے دانتوں کو کترتی رہی۔

”کیا تم قسم کھا کر تنبیہ ہو کر تم باطل ہو گئی ہو جاؤ گی اور کچھ بولو گی ہی نہیں۔ آخر کچھ کیونو؟“ نانو کے صبر کا

پکا ناز لبریز ہونے لگا۔

”نانو! آپ اس وقت مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ میں آپ سے صحت بات کروں گی۔“ ایک لمبی خاموشی کے بعد

اس نے نانو سے کہا۔

”مگر آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟“ نانو نے کچھ تیش آئیز انداز میں کہا۔

”جو بھی ہوا ہے میں اس کے بارے میں سچ آپ سے بات کروں گی۔ اس وقت آپ مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔“

علیہ نے اسی انداز میں کہا۔ نانو کچھ دیر کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھتی رہیں پھر انہوں نے

پوچھا۔ ”کھانا کھا لیا ہے تم نے؟“

”سب کچھ کھا چکی ہوں، آپ پریشان نہ ہوں۔“ علیہ نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

نانو کچھ دیر اسی طرح کھڑی اسے دیکھتی رہیں پھر کچھ کچھ بغیر اس کے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ علیہ

اپنے بیڈ پر پڑے ہوئے ان شاہزادہ کو گھورنے لگی جن میں موجود چیزوں کو کچھ دیر پہلے اس نے بڑے شوق سے حیدر کے

ساتھ خرید تھا۔ اس وقت اسے ان تمام چیزوں سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

اسے سب کچھ ناقابل یقین لگ رہا تھا۔ ”آخر یہ کیسے ہوا کہ مجھے بھی جید ابراہیم پر شہ نہیں ہوا۔ کبھی

مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ مہاس کے بہانے وہ خود بھی عمر کا دوست ہو سکتا تھا۔ جب بھی نہیں جہ وہ اتنے زور و غور سے

عمر کی حمایت کرنے میں مصروف تھا، مجھے سوچنا چاہیے تھا کہ یہ صرف معمولی سی شادی تو نہیں جو جید کو اس طرح مجھ سے ناراض کرنے کا سبب بن رہی ہے۔ صرف مہاس کے کہنے پر یا مہاس کے لیے تو وہ عمر کے لیے اس طرح کی فیصلہ کار اکتہار نہیں کر سکتا تھا۔

اور پھر اس دن وہاں کے ایف سی میں ان دونوں کو اکٹھے دیکھ کر کبھی میں نے یہ سوچنے کی کوشش نہیں کی کہ یہ دوتی دیر بید بھی ہو سکتی تھی۔ ان دونوں کے درمیان نظر آنے والی بے تکلفی کے باوجود میں نے یہی سوچا کہ یہ تعلقات ابھی حال ہی میں استوار ہوئے ہیں اور وہ بھی عمر کی کوشش سے..... عمر کو جید کے کمرہ دیکھ کر بھی مجھے اس پر کوئی شہ نہیں ہوا۔ آخر کیوں؟ کیا واقعی میں اس حد تک بے وقوف ہوں کہ کوئی مجھی جب دل چاہے مجھے سے وقف بنا سکتا ہے اور وہ بھی اس حد تک..... وہ تم وعدہ کے عالم میں سوچ رہی تھی اور..... آخر عمر جیتا گیر جاتا کیا ہے، کیا کرتا جاتا ہے؟ اپنے بہترین دوست کو میرے گھرے میں کیوں بلانہ رہا ہے اور وہ بھی اسے اس بات سے بے خبر رکھ کر کہ میں عمر جیتا گیر سے محبت کرتی رہی ہوں اور اس سے شادی کی خواہش مند تھی اور مجھے اس بات سے بے خبر رکھ کر کہ جید سے اس کے تعلقات اس نوعیت کے تھے۔ وہ آخر یہ کیوں جاتا ہے کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ اس سے عمر جیتا گیر کو کیا ملے گا اور کیا سب لوگ نانو، مہاس، مہاس کی بی بی آفران سب نے میرے ساتھ اتنا بڑا جھوکا کیوں کیا۔ کیا انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ میں بھی یہ سب جان جاؤں گی اور پھر..... پھر میں ان کے بارے میں کیا سوچوں گی۔“

اسے اپنے سر میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا، اتنے بہترین طریقے سے اسے ٹریپ کیا گیا تھا کہ آج اگر جید خود اسے سب کچھ نہ بتا دیتا تو اسے کبھی بھی اس سب پر شک نہ ہوتا، مذہب اصلیت جان سکتی۔

علیہ کو اب بھی یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے عمر کے ساتھ آج سے کئی سال پہلے جید کو دیکھا تھا۔ ان دونوں سرسری طور پر اس نے کئی بار عمر کے بہت سے دوستوں کو دیکھا تھا اور ان میں سے جید کو پہچانا اور یاد رکھنا بالکل کام تھا، جب تک کہ خاص طور پر وہ ان دونوں کو آپس میں متعارف نہ کر داتا اور ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ اگر اس سے ملی تھی تو سرسری انداز میں مگر جہاں تک جید کے فون کا ریسرو کرنے کا تعلق تھا اسے وہ یاد آ گئی تھیں۔ عمر جید کو جین کہا کرتا تھا اور کئی بار فون کر پڑے پر وہ عمر تک جین کے پیغام بھی پہنچایا کرتی تھی۔ عمر کے منہ سے اس نے بہت دفعہ جین کا ذکر بھی سنا تھا۔ جڑی بخشنے کے بعد یہ دو سرانام تھا جس کا عمر خاصا ذکر کرتا تھا مگر اس کے باوجود اس نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ جین کا اصل نام کیا ہے۔ اس کے نزدیک یہ بات کبھی اتنی اہمیت کی حامل رہی ہی نہیں تھی۔

اور اب وہ نافذ ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ ان دونوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جید ابراہیم عمر جیتا گیر سے بہترین دوست کے ساتھ بلانہ کیا جاتا ہے عمر مجھے..... دونوں کو دھوکا دیتے ہوئے۔ مجھے بھی جید کو بھی۔



”مجھے تو کوئی شکایت ہو نہ ہو، میں یہ چاہتا ہوں کہ آری ماہیگزنگ ٹیم تک میری کوئی شکایت نہ پہنچے۔“ عمر نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔ ”اور ان سب لوگوں کو تاہو کہ مجھ تک ان کی کرپشن کا کوئی معاملہ نہیں آنا چاہیے۔ اگر مجھ تک اس طرح کا کوئی معاملہ آیا تو میں کچھ دیکھے یا سنے بغیر Suspend (مضطر) کر دوں گا اور اس معاملے میں کوئی وضاحت قبول نہیں کروں گا۔“ عمر نے باہر جاوے کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

”خود تم بھی اپنے“ کھانے پینے“ کا سلسلہ کچھ دیر کے لیے موقوف کر دو۔۔۔۔۔ تمہارا پبلک ریلیشنز خاصا اچھی حالت میں ہے۔“ ایسی کافی لمبا عرصہ اس میں مزید اضافے کے بغیر وقت گزار سکتے ہو۔“

عمر جہانگیر اب خود باہر جاوے کی بات کرنے لگا، جس کے چہرے پر ایک کھسیانی مسکراہٹ نمودار ہو گئی تھی۔

”میں سرا“ اس نے اسی انداز میں اپنی نکتہ کم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”خالی بس سر نہیں میں واقعی تمہیں بتا رہا ہوں۔ اس بارے میں میں بھی نہیں بخشوں گا۔ پہلے تو تمہارے بارے میں جتنی شکایتیں آتی رہی ہیں، انہیں نظر انداز کرتا رہا ہوں مگر اس بار میرے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا، یہ میں تمہیں صاف صاف بتا رہا ہوں۔“

عمر جہانگیر کا لہجہ باہر جاوے کو خلاف معمول تنبیہ لگا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ آج کل وہ جس قسم کی معصیت میں پھنسے ہوئے تھے اس میں یہ استقامتی اقدامات عمر جہانگیر کی مجبوری تھے، اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ شاید آری ماہیگزنگ کمپنی کی موجودگی کے بغیر عمر جہانگیر اس قسم کی کوئی دیانت دینا اور ان پر عمل کروانے کی کوشش کرتا تو اس کا پورا ماتحت حملہ اس کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیتا، عمر جہانگیر کو اس سے پہلے اپنی ہوسنگو میں کچھ اس طرح کے تلخ تجربات ہو چکے تھے، جب اس نے اپنے ماتحت ملے پر کچھ کرنے کی کوشش کی اور اس کا نتیجہ اس کے لیے اچھا نہیں نکلا تھا۔ خود اس کا اپنا بی اے اس کے مکمل اقدامات کے بارے میں تمام اطلاعات اس سے نیچے ملنے کو پہنچاتا رہا تھا۔ اس کے علاقے کے Political big wigs کو اس کے تمام فیصلوں اور اس کی مکمل نقل و حرکت کے بارے میں تمام اطلاعات ہوتی تھیں۔ نتیجہ اس کے ہر بڑے کارنامے کی صورت میں نکلتا تھا۔ صورت حال کچھ اس طرح کی بن چکی تھی کہ اس کے پیٹری پولیس ایک ڈی ایس بی کی قیادت میں ایک طرف تھی اور وہ ایک ایک طرف تھا۔ بظاہر ڈی ایس بی کو باقی تمام پولیس اس کے احکامات پر مستعدی کے عمل کرتے تھے مگر اندرون خانہ اس کے احکامات کی افادیت کو زائل کرنے کے لیے وہ اس کے احکامات آنے سے پہلے ہی سرگرم عمل ہو چکے ہوتے تھے۔ مقامی اخبارات، پولیس کے میٹریک پولیس ایک ڈی ایس بی کی قیادت میں ایک طرف تھی اور وہ ایک ایک طرف تھا۔ مرجع سالانہ ہوتا وہ جانتا تھا، ابتدائی دو ماہ میں انہوں نے عمر جہانگیر کو جج کر دیا تھا۔ اس وقت عباس حیدر اس کے کام آیا تھا وہ سروس میں اس سے پانچ سال سینئر اور تمام داؤد جج کے اچھے طرح واقف تھا۔

”سروس میں تمہارے بہترین ساتھی تمہارا دائرہ تمہارے گاؤں تمہارا بی اے اور تمہارا پریپر ہوئے ہیں اور کسی بھی پولیس سٹیشن کا انہیں جج اور تمہارے ڈی ایس بی اور اے ایس بی نہیں۔“

عمر عباس نے اسے گر سکنا سے خود رکھ کر دیکھتے ہوئے تھا۔

باب ۵۱

”سرا! سبیر لطیف کو رکنا نہ کرنا چاہتا ہے۔“ باہر جاوے اگلے دن عمر جہانگیر کو سبیر لطیف کے کوائف سے آگاہ کر رہا تھا۔ عمر نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

”دو ماہ پہلے پر دوشن ہوئی ہے اس کی۔“ باہر جاوے نے مزید بتایا۔ وہ پچھلے پندرہ منٹ سے عمر جہانگیر کو اس کی دیانت کے مطابق سبیر لطیف کے بارے میں بتا رہا تھا اور عمر کی توضیحات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ مضبوط جیسی ایک گراؤنڈ کا مطلب اس کے لیے پریشانی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ سبیر لطیف کے طور طریقوں سے یہ اندازہ تو اسے پہلے ہی ہو چکا تھا کہ وہ کسی سیٹھ سے سادے عام سے گھرانے کا بھرتہ نہیں تھا۔۔۔۔۔ اس کی گردن کے حیرے میں اسی طرح کے خم تھے۔ جس طرح کے عمر جہانگیر میں تھے اسی لیے عمر جہانگیر نے اس کے طور طریقوں سے یہ اندازہ کر لیا تھا اور یقیناً عمر جہانگیر کے بارے میں یہ اندازہ سبیر لطیف بھی لگا چکا تھا۔ ایسے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے لوگ ایک دوسرے کو بڑی آسانی سے پہچان جاتے ہیں مگر اس کے باوجود کسی موبوس کی امید پر عمر نے سبیر لطیف کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تھی۔

مگر جو تفصیلات باہر جاوے لایا تھا وہ خاصی حوصلہ شکن تھیں۔ اس کا پورا بائو ڈیٹا آری سے شروع ہو کر آری پر ہی ختم ہو جاتا تھا۔

Babar we have to be very careful (میں بہت محتاط رہنا چاہیے)

عمر نے اس کی تمام باتیں سننے کے بعد کہا۔ ”فی الحال ہمارے پاس آری کے خلاف کچھ نہیں ہے جس کو ہم استعمال کر سکیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم قدرے محتاط ہو جائیں۔ میں نہیں چاہتا اسے آتے ہی میرے اوپر کوئی edge حاصل ہو جائے۔ عمر نے باہر کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

”سروس نے پہلے ہی تمام پولیس سٹیشن کے انچارجز کو روانہ کر دیا ہے، خود ریکارڈ چیک کرنا شروع کر دیا ہے میں نے۔ پولیس پٹرولنگ کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ باہر جاوے نے عمر کو یقین دلانے ہوئے کہا۔

عمر اس بار کچھ بھی نہ بولا وہ کچھ نفرت آمیز انداز میں مسکراتا رہا۔

”پہلے بھی تو وہ تمہارے سر پر ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔“ مہاس نے چپے ہوئے انداز میں کہا۔
 ”ان جیسے جموئے اور کرپٹ لوگوں کو میں، سلام کرتا ہوں۔“ عمر جہانگیر کے لہجے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

”تمہارا مسئلہ خود بود۔“ عباس نے اس کی بات کاٹی۔ ”لیکھ لو اخبار کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ انہی کی بارے میں کچھ غلط سمجھتا ہے تو نے جان لگتی ہے ان کی۔ تمہارے بارے میں اگر تمہارے دھڑے سے اور آجی کے بارے میں تجربہ چھپ رہی ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ انہیں کسی کی پشت پناہی حاصل ہے اور وہ بھی خود تمہارے جیسے کسی کے لئے کی اور تمہارے ڈی انہی کے علاوہ یہ کام اور دن کر سکتا ہوگا۔“ اور خود تم نے حد کر دی ہے۔ ڈی جی ای این مدنی طرح جنس رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اپنی پوری سروس میں اتنے ریڈ کر لیں نہیں کیا۔

”اوسے تیرا کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جھوٹ بولے ہیں یا فراڈ کرتے ہیں۔ تجھے کیا ہے“ عباس نے اسے بری طرح جھڑکتے ہوئے کہا۔

”نہیں! آخر کیوں؟ میں ایسے لوگوں کو کیوں منہ لگاؤں، صرف ان سے خوفزدہ ہو کر۔“ مراب بھی اس کی باتوں سے متاثر نہیں ہوا تھا۔

”اگر آپ انہیں منہ نہیں لگائیں گے تو پھر یہ آپ کے ہیروں کی ایسی ری بین جائیں گے کہ آپ کو اپنی جگہ سے ہلے نہیں دیں گے۔“ عباس نے اس بار اسے پکارتے ہوئے کہا۔

”مجھے اگر مرگوت مل گئے کہ ان لوگوں نے جان بوجھ کر مجھ تک غلط افکار میٹن پہنچائی ہے تو میں اب سب کو معطل کر دوں گا۔“

”اس سے کیا فرق پڑے گا۔ ان کی جگہ جو دوسرے لوگ آئیں گے۔ وہ بھی آپ کے ساتھ یہی سلوک کریں گے۔“ عباس نے لا پرواہی سے کہا۔ ”جب تک آپ اپنا طریقہ کار نہیں بدلیں گے، آپ کے ساتھ یہی ہوتا رہے گا۔“

”یہ لوگ اسنے طاقتور نہیں ہیں، جتنا تم انہیں میرے سامنے بنا کر پیش کر رہے ہو۔“ عمر نے عباس کی بات کے جواب میں کہا۔

”آپ ایک مقابلے کا امتحان پاس کر کے آئے ہیں عمر جہاگیر صاحب۔ یہ لوگ کیا کیا چیزیں ”پاس“ کر کے آئے ہیں آپ کو اس کا اعزاز وہ نہیں ہے۔“ عباس نے طنز بے لچکے میں اس سے کہا۔ ”صرف تعلیم نہیں ہے ان کے پاس۔۔۔ اس طرح کی تعلیم جسے آپ اور میں تعلیم سمجھتے ہیں۔۔۔ مگر انہیں ہر وہ جھگڑہ آتا ہے جس سے اس سوسائٹی میں ان کی Survival (بقا) ممکن ہوتی ہے۔“ عباس نے ایک سرگت سلاتے ہوئے کہا۔ ”جہیں پتا ہے یہ ڈرائیور، گاڑی، بی اے، ٹائپ کے تمام لوگ سیاسی مظاہرین پر بھرتی ہوئے ہوتے ہیں، اور جو لوگ ان کو اس جگہ میں بھرتی کر دیتے ہیں وہ صرف ان کی دماغیں لینے کے لئے تو یہ کہ نہیں کرتے۔“

اس نے سرگت کا پیکٹ عمر کے سامنے کھٹکاتے ہوئے کہا۔ عمر نے خاموشی سے اس پر نظر پڑیں بجائے ہوئے اسے اس پیکٹ کا افشا کر اس میں سے ایک سرگت نکال لیا۔ عباس اب لائٹر کے ساتھ اپنے ٹیبل سے کچھ آگے بٹھکتے ہوئے عمر کے سرگت کو سگڑا رہا تھا۔

”یہ ان سیاسی لیڈرز کے کرسمے ہوتے ہیں، منگ ٹھالی کرتے ہیں ان کے ساتھ۔۔۔ یہ ہم لوگوں اور سیاست دانوں کے درمیانی ٹیل کا کام کرتے ہیں اور کسی بھی جلی کو بھی بیکار کچھ کر توڑنا نہیں چاہیے۔“ عباس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”تم ان میں کسی ایک کو معطل کر دو کیونکہ کہاں کہاں سے مظاہرین جتھارے پاس آئیں گی تم خود حیران ہو جاؤ گے۔“ عباس نے سرگت کا ایک ٹکس لینے ہوئے کہا۔

”شفا میرے ڈرائیور کا ایک بیٹا ڈی سی کے دفتر میں جونیئر کلرک ہے۔ اس کا ایک بھائی بیکر ٹریٹ میں چوکیدار ہے۔ ایک اور بھائی گورنر ہاؤس میں مالی ہے اور ایک اور بھائی آئی جی صاحب کی گاڑی کا ڈرائیور ہے اس

سے زیادہ بارسوخ خانداں کوئی ہو سکتا ہے۔“

عباس نے آخری جملہ ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے بڑا احتیاط رہنا پڑتا ہے اس کے سامنے۔۔۔ کیونکہ ہر بات وہ ہر جگہ پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح مجھے اس کے ذریعے ہاں کی تمام باتوں کا پتہ چلتا رہتا ہے۔۔۔ حتیٰ کہ آئی جی صاحب نے جب اپنی دوسری بیوی کو طلاق دینی تھی تو ان کی بیوی سے پہلے مجھے پتا چل چکا تھا۔“

اس بار عباس کی بات پر سرگرمیاں۔

”دراصل عمر! یہ لوگ وہ دلوں ہیں جن کے قبضے میں ہماری جان ہوتی ہے۔ انہیں ہمارے بارے میں سب کچھ پتا ہوتا ہے یا یہ سب کچھ پتا چلا لیتے ہیں۔ وہ خبردار آئی بہت نقصان دہ ہوتا ہے اس صورت میں اگر وہ آپ کا دشمن بھی ہو۔“

اس سے پہلے کہ عباس حریہ کچھ کہتا عباس کا بی اے اعداد آ گیا تھا۔

”مڈر صاحب سے ملوایا ہے جہیں میں نے؟“ اس سے پہلے کہ اس کا بی اے کچھ کہتا عباس نے عمر سے پوچھا عمر نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اس دن پہلی بار عباس کے آفس میں تھا۔

”مڈر صاحب! یہ میرے کزن ہیں عمر جہاگیر اور عمر! یہ مڈر صاحب ہیں، بہت ہی کمال کے آدمی ہیں، میں نے تو آفس کا سارا کام ان سے سیکھا ہے۔“

عباس نے بڑی خوش دلی کے ساتھ اس اور عمر آرمی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”ان چند لوگوں میں سے ایک ہیں یہ جنہیں روڈ اور ریکلشنو زبانی یاد ہیں۔۔۔ عمر نے کچھ حیرانی سے عباس کو دیکھا جو اپنے بی اے کی ایک فاکس پر کچھ سامان کر رہا تھا اور بی اے کے چہرے پر کچھ حریہ مسکراہٹ تھی، عمر نے دھیمے لہجے میں انگلیں میں اس سے کچھ کہنا چاہا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا عباس نے برقی رفتار سے اس کی بات کاٹنی اور بڑی سے نکلی ہے۔

”بھئی! یہ ہیں ہی بڑے قابل آدمی، ایسے بوندے کی تعریف تو کرنی ہی پڑتی ہے۔ میں نے بتایا تھا جہیں کہ میں نے تو سارا آفس ورک ان ہی سے سیکھا ہے۔“

اس بار عمر نے کچھ مسکرا کر اس آفس کو دیکھا۔

”مرا! ایسے ہی تعریف کر رہے ہیں۔ میں کس قابل ہوں۔۔۔ عباس صاحب تو خود بڑے ذہین آدمی ہیں۔“

اس بار اس کے بی اے نے کچھ عاجزانہ سے انداز میں کہا۔

”میں آپ کے آنے سے پہلے عمر سے آپ کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ میں اس کو بتا رہا تھا کہ بی اے اچھا مل جائے تو آدھا کام آسان ہو جاتا ہے۔“

عمر حیرانی سے عباس کو دیکھتا ہوا عباس اس کے تاثرات پر غور کے بغیر اپنے بی اے سے بات کرتا رہا۔ وہ اب اسے کوئی اور ہدایت دے رہا تھا، کچھ دیر بعد بھیجے ہی اس کے بی اے کے کمرے سے باہر قدم رکھا۔ عباس نے بڑے اطمینان سے عمر سے کہا۔

”اس کی قابلیت میں کوئی شک نہیں ہے، مجھے یہ سال کی سروس ہے اس کی۔ کسی رول کے بارے میں بات کرو۔ اسے سب پتا ہے۔ کسی دفعہ کی بات کرو۔ خود تم ایران ہو جاؤ گے یوں لگے گے جیسے کسی ریکل سے بات کر رہے ہو۔ حسن ترمذی کا نام سنا ہے؟“ اس نے بات کرتے کرتے اس سے پوچھا۔

”ہاں بالکل سنا ہے۔ بڑا اچھا انداز قسم کا آفیسر ہے۔“ عمر کو یاد آیا۔

”ہاں بے حد آؤٹ اسٹینڈنگ قسم کا آدمی تھا۔ ایک سال میری اس پوسٹ پر بھی کام کیا ہے۔ روئے ہوئے لگتا تھا اس آفس سے۔۔۔۔۔ اس بندے نے یہاں باقت لوگوں کے ساتھ مل کر کتنی کا ناچ نچا دیا تھا،ے، حالانکہ دیکھتے ہیں جنہیں کتنا مسکین اور مودب لگے گا۔ مگر ترمذی یہاں سے اپنا سروس ریٹائرڈ خواب کروا کر لگتا تھا ان اسٹینڈرز میں پھنسا دو جن کا اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا ہو گا اور میں بہر حال حسن ترمذی تو نہیں ہوں کہ اس جیسے دو کوڑی کے بپا اے کے ہاتھوں خوار ہوتا۔“ عباس اب اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

”اس لئے جنہیں کہہ رہا ہوں کہ ان لوگوں کے ساتھ بنا کر رکھو۔ یہ نہیں کہہ رہا کہ اعتبار کرو یا آستین کا سانپ بنا لو مگر انہیں اسی طرح استعمال کرو جس طرح یہ لوگ ہمارے نام کو استعمال کرتے ہیں۔“ عباس اسے سمجھا رہا تھا ”میں کتنا بھی اچھا نہیں جانتا کہ انہوں نے اسے یہ لوگ دوسروں سے کہیں گے کہ میں اچھا نہیں ہوں تو سب مجھے برا ہی سمجھیں گے اور میں کتنا ہی برا کیوں نہ ہوں اگر یہ لوگ سب سے کہیں گے کہ میں اچھا ہوں تو سب مجھے اچھا ہی سمجھیں گے۔ اس آدمی کے ذریعے اس سال میں نے دو کروڑ روپے کمائے ہیں۔ اس نے خود کتنا کمایا ہے مجھے نہیں پتا مگر بہر حال مجھے دو کروڑ روپے کا منافع ہوا ہے اور پچہ پینس میری سب سے کم کم بڑا اچھا آفیسر ہوں۔“ وہ عمر سے کہتا جا رہا تھا۔ عباس نے واقعی عمر کو اپنے باقت عملے کے ساتھ بیٹنے کے سارے گر کٹھا دیئے تھے۔ اپنی پہلی پوسٹنگ پر باقی کے ڈھائی سال عمر نے بڑے اطمینان کے ساتھ گزارے تھے اور دوسری پوسٹنگ تک وہ اپنے فن میں کچھ اور طاق ہو گیا تھا۔ اسی فن کو وہ یہاں بھی استعمال کر رہا تھا خود کرپشن پر براہ راست عملے کو ڈانٹ ڈپٹ کے بجائے وہ موقع ملنے پر بار بار دیکھ کر استعمال کر رہا تھا اپنے مطلق میں اس کا نام واقعی اس کے باقت عملے کے لئے ایک ہوا میں گیا تھا مگر عباس کی ہدایات کے مطابق اس کے اپنے ڈرائیور پی اے، گاؤڈز ڈرائیور کے دوسب سے بدنام زائد اسٹیج انچ آؤ کے ساتھ تعلقات بہت اچھے تھے۔ جس نے جسٹس نیاز کے بیٹے اور اس کے دوستوں کے قتل کے سلسلے میں عباس کے عملے کی مہارت اور دلاوری دیکھی تھی۔ اوپر سے لے کر نیچے تک ہر ایک نے عباس کو ہر طرح سے بچایا تھا اور اسے پہلی بار ما تحت عملے کی دلاوری کی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن صبح وہ کچھ دیر سے ناشتے کے لئے آئی تھی۔

”بیبی نے صبح دو تین بار فون کیا تھا۔“ نانو نے اسے دیکھتے ہی اطلاع دی۔

وہ کوئی دھم دھم خاگر کے بغیر ناشتے کے لئے ڈائننگ ٹیبل پر جا بیٹھی۔ مرید بابا اسے دیکھ کر ناشتہ لگے۔

”جنہیں یاد ہے آج رات ٹھیکہ آ رہی ہے؟“ نانو نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

”اب تم دیکھو اس حزام روئے نے میرے ساتھ کیا کیا تھا؟“ عباس نے اٹھی سے روڑا دے کر طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا۔ عمر اس کے ہنسنے پر ہکا بکا ہوا گیا۔ ”اس کہنے سے میرے کمرے میں ایسا قسم لگایا تھا جس سے کمرے کی باتیں سنی جا سکیں۔ جب میں نے کہا تو اس کی تعریف کر رہے تھے۔“ عمر نے کچھ ہنسنے ہوئے کہا۔

”تو تمہارا مطلب ہے، یہ گالیاں میں اس کے سامنے دوں اسے۔“ عباس نے عجیب سے انداز میں منکراتے ہوئے کہا۔

”اسی لئے تم اس کے سامنے انکس میں مجھ سے ساری تفصیل پوچھنے لگے تھے۔ عقل کا استعمال کیا کرو عمر!۔۔۔۔۔ ان لوگوں کو بڑی اچھی طرح پتا ہوتا ہے کہ صاحب لوگ انکس اس وقت بولتے ہیں جب وہ کوئی بات ان سے چھپانا چاہتے ہیں اس بات کے انکس کوئی بات کہہ رہے ہوں جو ان کے سامنے کی جارہی ہو۔ اس لئے انکس ان کے سامنے کبھی سب بولو۔ بہتر ہے بچپانی میں بات کرو۔ دیکھو کس طرح کام آسان ہوتے ہیں۔“ عباس خود ہی محفوظ ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”نہیں کیسے پتا چلا کہ اس نے کمرہ Bug کر دیا ہوا ہے؟“ عمر نے پوچھا۔

”وہ ہر رائج سیٹ نہیں تھا عہد خانوئی۔۔۔۔۔ اس نے مجھے اس آدمی کے بارے میں خاصا بریف کیا تھا۔ پہلے وہی قمار میری پوسٹ پر۔۔۔۔۔ میں نے پہلے دن آتے ہی کمرہ چیک کر دیا اور پتا ہے کس سے کر دیا۔ پتا چھوٹے طور پر ایک آدمی کو بولا کہ۔“

عباس بات کرتے کرتے ہنسا۔

”دو دن اپنے جھگے کے کسی آدمی کو بولا کہ یہ کام کروانا تو اس نے کہا تھا کہ کمرہ Bugged نہیں ہے۔ پھر میں نے ”مڈر صاحب“ کو بولا اور انہیں صاف صاف بتایا کہ کچھ پر یہ جھگڑے استعمال نہ کریں۔۔۔۔۔ میرے کمرے میں دوبارہ کوئی چیز آئی تو میں آپ کے علاوہ کسی اور کو نہیں بکڑوں گا۔ ان حضرت نے بڑی تمہیں کہا کہ میں کرائیں کچھ پتا نہیں ہے وغیرہ وغیرہ مگر اس کے بعد وہ میرا کمرہ Bug نہیں کیا گیا۔ کئی دفعہ میں اچانک چیکنگ کروا رہا ہوں۔“

عباس کہتے کہتے انٹرنل میں مگر تب پہنچتے ہوئے بولا۔

”اور جنہیں پتا ہے خود میں نے ان لوگوں کے ساتھ کیا کیا ہے۔ میں نے ان سب کے کمرے Bug کر دئے ہوئے ہیں۔“ عمر نے اس کی بات پر بے اختیار قہقہہ لگایا۔

”تو بھی بڑا چالاک پڑھ ہے عباس۔“

”مردوئی تھا بار۔۔۔۔۔ تم کمرہ آنا میں جنہیں ان لوگوں کی گفتگو سناؤں گا۔ جو گالیاں پر مجھے دیتے ہیں انہیں

سن کر تمہاری طبیعت صاف ہو جائے گی۔“ عباس نے سن کر کہا۔

”تم تو کہہ رہے تھے بڑا عقل آدمی ہے۔“

”وہ آج نہیں آ رہی۔“

”کیوں؟“

”وہ کچھ مصروف ہے اس لئے۔“

”تم اکیلی چلی جاؤ گئیں۔“

”میں میں اکیلے نہیں جانا چاہتی۔“

”چلو ٹھیک ہے، آج غصہ نہ آجائے گی تو کل وہ بھی تمہارے ساتھ چلی جائے گی۔“ نانوک اچانک خیال آیا۔

علیہ نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ اس نے چائے کا کپ اٹھایا تھا جب فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

”جینید فون ہو گا۔ تم اٹھاؤ۔“ نانو نے لاؤنج سے نکلنے ہوئے کہا۔

چائے کا کپ وچیں رکھ کر فون کی طرف بڑھ آئی۔ دوسری طرف جینید ہی تھا۔ رکی سلام دعا کے بعد جینید

نے اس سے کہا۔

”میں صبح سے تین بار فون کر چکا ہوں۔“

”ہاں نانو نے مجھے بتایا تھا۔“ علیہ نے سرسری سے انداز میں کہا، وہ کچھ دیر تک خاموش رہا۔

”تمہارا موبل کیا کیا ہے؟“

”ٹھیک ہے۔“

”ناراضی ختم ہو گئی ہے؟“

”ہاں۔“

”مجھے تو حق تھا کہ تمہارا طعنه جلد ختم ہو جائے گا اور تم میرا پابست آف دیو کچھ جاؤ گی۔“ جینید نے بے اختیار

اطمینان بھرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

وہ خاموش رہی۔

”میں تو بھاری رات بہت تیش رہا ہوں، تمہاری ناراضی کی وجہ سے۔“

وہ کچھ خاموش رہی۔

”تم کچھ بات نہیں کر رہی؟“ جینید کو اچانک محسوس ہوا۔

”کیا بات کروں؟“

”کچھ بھی..... کیا رہنا تا ضروری ہے؟“

”میرے ذہن میں کوئی بات بھی نہیں ہے فی الحال.....“ اس نے کہا۔

”اچھا میں تمہیں رات کو فون کروں گا۔“ جینید نے کہا، ”اس وقت میں گاڑی میں ہوں۔“

”نہیں رات کو فون نہ کریں۔“ جی آ رہی ہیں۔ ہم لوگ مصروف ہوں گے۔“ علیہ نے کہا۔

”اورے ہاں مجھے خیال ہی نہیں رہا..... رات کو تم خاصی مصروف رہو گی۔ کتنے بچے کی فلائس سے آ رہی ہیں؟“

”جی.....“ اس نے مختصر جواب دیا۔

”تم میرے ساتھ ایئر پورٹ اسے ریلیف کرنے چلو گی؟“ نانو نے اس سے کہا وہ لاؤنج کے ایک صوف پر بیٹھی ہوئی تھیں، جب کہ علیہ ان سے قدرے فاصلے پر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھی اس لئے نانوک قدرے بلند آواز میں بات کرتی پڑ رہی تھی۔

”جلی جاؤں گی۔“ علیہ نے بھراہ انداز میں جواب دیا۔ علیہ نے ناشتہ شروع کر دیا نانوک کچھ دیر دور بیٹھے ہوئی اسے دیکھتی رہیں پھر اٹھ کر اس کے قریب چلی آئیں، ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

”کیا ہوا تھا رات کو تمہارے اور جینید کے درمیان؟“

سلاٹس کھاتے ہوئے ایک لمبے کے لئے علیہ کا ہاتھ رکھ کر پھر اس نے سنی ان کی کرتے ہوئے سلاٹس کھانا جاری رکھا۔

”تم لوگوں کا جھگڑا ہوا تھا؟“ نانوک دیکھ کر اس کے جواب کا انتظار کرتی رہیں پھر پوچھا۔

علیہ نے اس بار بھی کچھ نہیں کہا وہ اسی طرح سر جھکا کر سلاٹس کھاتی رہی۔

”جھگڑا تم کرتی ہو اور تمہاری وجہ سے پریشانی مجھے اٹھانی پڑی ہے۔“ اس بار نانو نے بے مہمتری سے کہا۔

”اب کس بات پر جھگڑا ہوا تھا؟“ علیہ نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

”علیہ! اب یہ کچھنا چھوڑ دو..... میں دن رو مجھے تمہاری شادی میں اور تم اب بھی بچوں کی طرح اس سے لڑنے میں مصروف ہو۔ وہ کیا سوچتا ہو گا تمہارے بارے میں اور ہماری فیملی کے بارے میں؟“ نانو نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

سلاٹس پر اس کی گرفت کچھ سخت ہوئی مگر اس نے سر جھکایا نہیں اٹھایا۔ وہ دستور سلاٹس کھاتی رہی۔

”تم میری بات سن رہی ہو؟“ اس بار نانوک ٹھکی میں کچھ اضافہ ہوا۔ ”میں تم سے مخاطب ہوں۔“

”میں سب سن رہی ہوں نانو!“ اس نے ہلکا خراشا کر کہا۔

نانوک اس کے چہرے کے تاثرات بہت عجیب سے لگے۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“ انہوں نے تشریحات سے پوچھا۔

”جی.....“ وہ ایک بار پھر سلاٹس کھانے لگی۔

”جینید کا فون ریلیف کر لینا..... بلکہ بھر ہے کہ تم خود اس کو کال کرلو..... اس نے کہا تو نہیں مگر تم کال کرو گی

تو اسے اچھا لگے گا۔“ انہیں اچانک پھر جینید کا خیال آیا۔

”جی!“ اس نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”شیلاب آ رہی ہے۔ آج کچھ کیڑے لینے کے لئے مارکیٹ جانا تھا تم لوگوں کو۔“ نانو نے کچھ مطمئن

ہو کر اٹھتے ہوئے کہا۔

”تو بھرجب آپ نے دونوں کام خود ہی کر لئے، تو مجھ سے رابطہ کی زحمت کس لئے کی آپ نے؟“ عمر نے اسی انداز میں بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”یقیناً آپ کا بہت قیمتی وقت ضائع ہوا ہوگا میری اس کال سے۔ مگر میں نے ضروری سمجھا کہ آپ کو اطلاع دے دوں کہ آپ کے انٹر پولیس انسپشن میں کیا ہو رہا ہے۔ پھر ان بے ضابطگیوں کی اطلاع اگر اسی طرح اودھ گئی تو آپ کو اور آپ کے ہاتھوں کو ناخوشی تکلیف ہوگی۔“ سمیرا لطیف نے بھی اپنا طعنے انداز پر قرار رکھا۔

”بڑی مہربانی آپ کی..... اس اطلاع کے لئے۔“ عمر نے مختصر کہا۔

”اپنے ہاتھوں کا تو مجھے پتا نہیں کچھ مجھے آپ کی ان رپورٹس سے کوئی تکلیف یا زحمت نہیں ہوگی۔ آپ ان رپورٹس کا سلسلہ جاری رکھیں۔“ عمر نے تنبیہ کی ہے۔

”اس ہفتے میرے پاس آنے والی یہ اٹھارویں شکایت ہے اور ہر بار مجھے اس پر خود ہی ایکشن لینا پڑا ہے۔“ سمیرا لطیف نے کچھ جتنے والے انداز میں کہا۔

”سمیرا صاحب آپ نے اپنا کام کافی بڑھا دیا۔ اصولی طور پر آپ کو یہ تمام شکایات سمجھ کر ریفر کر دینی چاہیے تھیں۔ میں خود اس سے نمٹ لیتا، آپ کو خواہ مخواہ اس طرح کی زحمت نہ کرنی پڑتی۔“ عمر نے سمیرا لطیف سے کہا۔

”زحمت والی تو کوئی بات نہیں۔ آپ اور آپ کے ماتحت اسٹے Efficient ہوتے تو ہمیں یہاں آنا ہی کیوں پڑتا۔ آپ کو تو میں اس سب سے صرف اس لئے انعام کر رہا ہوں تاکہ آپ اپنے ہاتھوں پر چیک رکھیں اور کسی سمجھا رکھنا اپنے فرائض کے علاوہ کہیں ادھر ادھر بھی پکڑ گیا کریں۔“ اس بار سمیرا لطیف کا لہجہ پہلے سے زیادہ طعنے تھا۔

”ہماری زحمت کا آپ کو اتنا خیال ہوتا آپ اپنے ہاتھوں کو خود کھیل ڈال کر رکھیں۔“

”سمیرا صاحب آپ اگر نہ اٹھا کر میری حدود کے آخری پولیس انسپشن کا طواف کرتے پھر میں گئے تو پھر کوئی الزامین کا جن ہی ہوگا جو آپ کی زحمت میں کی کرے گا۔“ عمر کے لہجے میں بھی اس بار پہلے سے زیادہ تندی تیزی تھی۔

”ہر شکایت اچھٹ دینا تینوں کی لے کر رہے ہیں۔ شہر کے اندر کے پولیس انسپشن کی بات کریں۔ وہاں کی درنگ بھی دیکھیں۔“

”کیوں شہر سے باہر کے پولیس انسپشن آپ کے انٹر میں آئے یا پھر دیہاتیوں کو آپ نے پاکستان کے شہریوں کی فہرست سے نکال دیا ہے۔“ سمیرا لطیف نے بڑے کٹپٹے انداز میں کہا۔

”میں نے آپ کو فون اس کے طے کرنے کے لئے نہیں کیا۔ آپ کو یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ آپ کے محلے کے بارے میں ہمارے پاس یہ تمام شکایات آ رہی ہیں۔ آپ ان کا سدباب کرنے کے لئے کچھ کریں ورنہ.....“ عمر نے اسے اپنی بات مکمل کرنے نہیں دی۔

”فیک ہے میں چیک کر لوں گا آپ کی اطلاعیشن کے لئے آپ کا شکریہ۔“ عمر نے فون بند کر دیا۔

”نورجی کی حفاظت ہے۔“

”ٹھیک ہے پھر کل بات ہوئی تم سے۔“ جنید نے خدا حافظ کہتے ہوئے فون بند کر دیا وہ ایک دم ہمت پر سکون ہو گیا تھا ورنہ پچھلی رات سے وہ مسلسل علیحدہ کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔

آفس میں کام کرتے رہنے کے بعد شام کو وہ گھر چلا گیا اور رات کو جلد ہی سو گیا۔

☆ ☆ ☆

”سمیرا لطیف بات کرنا چاہتے ہیں آپ سے۔“ آپ بڑے کے حصے پر عمر کے ماتھے پر کچھ مل آ گئے۔ اس ہفتے کے دوران سمیرا لطیف کی طرف سے ملنے والی یہ چھٹی کال تھی۔

”بات کرائیں۔“ اس نے ہونٹ پیچھے ہونے کہا۔ یہ آدی واقعی اس کا باک میں دم کر رہا تھا۔ رکی سلام دعا کے بعد وہ سیدھا کام کی بات پر آ گیا ایک پولیس انسپشن کا حدود وار بعد بتاتے ہوئے اس نے عمر سے کہا۔

”اس پولیس انسپشن کے بارے میں ایک شہری کی طرف سے شکایت آئی ہے ہمارے پاس۔“

”جی فرمائیے۔ کیا شکایت آئی ہے آپ کے پاس؟“

”اس پولیس انسپشن کے انچارج نے اس شخص کے بیٹے کو چوری کے جھوٹے الزام میں پھیلے چھ ماہ سے بند کیا ہوا ہے۔“ سمیرا لطیف نے تیز لہجے میں کہا۔

عمر بڑے قہر سے اس کی بات نہ سنے لگا۔

”اس شخص نے یہ بھی شکایت کی ہے کہ پولیس نے ایف آئی آر درج کئے بغیر اس آدی کو گرفتار کیا ہے۔“

”آپ اس شخص کا نام بتا دیں، جس کی بات کر رہے ہیں۔“ عمر نے سامنے ٹھیل پر ڈاڑھیں اٹھا تے ہوئے نوٹ پیڑ اپنی طرف کھسکایا۔ سمیرا لطیف نے دوسری طرف سے اس شخص کے کوائف نوٹ کر اپنے عمر نے اپنے سامنے پڑے نوٹ پیڑ پر اس آدی کے کوائف تیز دیکھنے سے لگ گئے۔

”میں چیک کر رہا ہوں کہ اس شخص کی شکایت ٹھیک ہے یا نہیں۔“ عمر نے اس آدی کے کوائف نوٹ کرنے کے بعد کہا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے میں پہلے ہی چیک کر چکا ہوں، اس شخص کی شکایت بالکل درست ہے۔“ دوسری طرف سے سمیرا لطیف نے کہا۔ عمر کے ہونٹ پیچھے گئے۔

”اس شخص کے بیٹے کو واقعی ایف آئی آر درج کئے بغیر غیر قانونی طور پر حراست میں رکھا گیا ہے۔“ سمیرا لطیف دوسری طرف سے کہہ رہا تھا۔ ”وہ پھیلے چھ ماہ سے وہ اس پولیس انسپشن کے انچارج کی قیوم میں تھا۔“

”آپ نے کہاں یہ چیک کرنے کی زحمت کی۔ وہاں اسے چھڑوانے کی زحمت بھی کر لیتے۔“ عمر نے کچھ طعنے انداز میں اس سے کہا۔

”جی یہ زحمت بھی کر چکا ہوں میں۔ چھڑا چکا ہوں اب سے کچھ مجھے پہلے۔“ سمیرا لطیف نے بھی دوسری طرف سے اسی طعنے انداز میں کہا۔

”گورکھاؤڑ کا چنا ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ وہ کوئی غلط کام نہیں کر سکتا۔“ عمر نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

”کی افال اس کا بھی مطلب ہے۔“ آئی جی نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”میں اس سے زیادہ بہتر کام نہیں کر سکتا۔ میں جتنا کر سکتا ہوں کر رہا ہوں۔“ عمر نے کہا۔

”تم اپنے اور میرے مسئلے کفرے کرنے کی کوشش پہلے ہی مجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کس کس کا دفاع کروں، کوئی دن ایسا نہیں جا رہا جب مجھے تم لوگوں میں سے، کسی نہ کسی کو یہاں بلا کر تنبیہ نہ کرنا پڑ رہی ہو اور بعض دفعہ تو تم لوگوں کی وجہ سے خود مجھے بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔“

آئی جی شاید اس دن خاصے پریشان تھے اس لئے وہ عمر جہانگیر کے سامنے اپنے دکھڑے رونے لگے۔ عمر ہونٹ ہنسنے کی باتیں سن رہا تھا۔

”اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں تمہارے لئے؟“ کافی دیر بعد آئی جی دوبارہ اس کے مسئلے پر آ گئے۔

”فرانسفر کرو اور اسکو تمہاری؟“

”آپ اس کی فرانسفر کروادیں۔“

”میں یہ نہیں کر سکتا۔“

”تو پھر میری فرانسفر کیوں؟ وہ تو پہلے ہی چاہتا ہے یہ تو بھیار ڈال کر بھاگ جائے والی بات ہوئی۔“ عمر کے اشتعال میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

”مگر تمہاری جان تو چھوٹ جائے گی اس سے۔“ آئی جی نے تصویر پر روشن پہلو اسے دکھانے کی کوشش کی۔

”دوے بھی یہاں تمہاری شہنشاہ کی شہنشاہ کو دو دروازے تو کچھ اور ماہ کے بعد پورا ہو جائے گا تب بھی تو جیس ہیں کہیں اور جانا ہی ہے۔“

”تب کی اور بات ہے۔ وہ تو ایک معمول کا حصہ ہے مگر اب اس طرح تو کہیں نہیں جانا۔“ عمر نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ پھر فرانسفر کرنا کہاں چاہتے ہیں، بڑے شہروں میں تو کہیں بھی چلے نہیں ہے اور مجھے کسی چھوٹے شہر میں نہیں چاہیے۔“ عمر نے کہا۔

”فیڈرل گورنمنٹ میں بھجوا دوں؟“ آئی جی نے فوراً کہا۔

”سر مجھے کسی دوسرے صوبے میں نہیں جانا۔ مجھے پنجاب میں ہی کام کرنا ہے۔ فیڈرل گورنمنٹ نے مجھے کسی چھوٹے صوبے میں بھجوا دیا تو میری ساری سروس خراب ہو جائے گی۔ مجھے یہیں رہنے دیں۔ جب چند ماہ بعد میری فرانسفر ہوگی تب دیکھا جائے گا مگر کی افال میں اپنا علاقہ چھوڑنا نہیں چاہتا۔“ عمر نے آئی جی سے کہا۔

”جب چند ماہ کی بات رہ گئی ہے تو کچھ اور محتاط ہو جاؤ اور اس سے کوآپ بے خبر نہ کرو، تاکہ کم از کم وہ اوپر دہش بھجوانی تو بند کرے۔ اور اس کے کہنے پر چھوٹے صوبے میں جاتوں کو معطل کرتے رہو کم از کم یہ تو ظاہر ہو کر تم اکٹھیں لے رہے ہو۔“ آئی جی نے اس کو اپنے جتنی مشوروں سے نوازتے ہوئے کہا۔

میجر لطیف اس کو واقعی ناکوں پہنے چہرہ رہا تھا اس نے آتے ہی شہر کے لواحقین علاقوں میں قائم پولیس اسٹیشن کو دیکھنا شروع کر دیا تھا جب کہ عمر کا خیال تھا کہ وہ شہر کے اندر کے پولیس اسٹیشن کو دیکھے گا اور لواحقین علاقوں کو سرے سے نظر انداز کر دے گا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی ہدایات پر شہر کے اندر کے تمام اسٹیشن پر خاص چیک رکھا گیا تھا اس کے انجمن نے نہ صرف اپنا ریکارڈ اپ رینٹ کیا تھا بلکہ باقی تمام معاملات میں بھی ان کا رویہ بہت محتاط ہو گیا تھا۔ ایف آئی آر درج کرنے کے سلسلے میں بھی ان کی کارکردگی بہت بہتر ہوئی تھی۔

میجر لطیف کو اندازہ تھا کہ عمر کہاں سے کام شروع کرے گا۔ اس نے اس کی توقعات کے برعکس سب سے پہلے ان پولیس اسٹیشن کو دیکھنا شروع کیا تھا جو واقعی علاقے میں تھے اور اس کے حسب توقع وہاں بے شمار بے قاعدگیوں اور بے ضابطہ کاریاں تھیں۔ چند محنتوں میں ہی اس کے پاس شکایات کی بھرمار ہو گئی تھی اور میجر لطیف ان شکایات پر دھڑا دھڑا اپنی رپورٹ بنا کر بھجوا رہا تھا۔

عمر جہانگیر ان محنتوں کے دوران میں بار ہیڈ کوارٹر چکا تھا، جہاں ان رپورٹس پر اس کی اور اس کے ماتحت عملے کی کارکردگی زیر بحث آتی تھی۔ تیسری بار وہ ہیڈ کوارٹر جاتے ہوئے خاصا مشتعل تھا اور اس کا اشتعال اس وقت بھی کم نہیں ہوا تھا جب وہ آئی جی کے سامنے پیش ہوا تھا۔

”جب تک یہ آدی میرے سر پر بیٹھا رہے گا۔ مجھے ایسی طرح بار بار یہاں آنا پڑے گا۔ یہ آدی میرے خلاف ذاتی خاصیت۔“ عمر نے آئی جی سے کہا تھا۔

”میں کچھ بھی کروں، یہ پھر بھی ایسی طرح کی شکایتوں کا ذمہ جبران پہنچا رہا ہے گا۔ میں اس معاملے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“

”جسٹ کول ڈاؤن عمر! میں تمہارا مسئلہ سمجھتا ہوں اور تمہاری پوزیشن بھی۔ مگر میں اس سلسلے میں مجبور ہوں۔ کام نہیں میجر لطیف کے ساتھ یہی کرتا ہے اور اپنی کارکردگی بھی بہتر بناتی ہے۔“

انہوں نے بڑے نرم لہجے میں اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ وہ عمر جہانگیر کے فٹلی ٹیک گراؤنڈ سے اچھی طرح واقف تھے اور وہ ملک کی اس طاقتور ترین فٹلی کے پس منظر کو بھی جانتے تھے اور وہ عمر جہانگیر کو ایک معمولی جو جیمر آفیسر کے طور پر ٹرینٹ نہیں کر سکتے تھے۔

"Sir Im already doing my optimum best"

عمر جہانگیر نے اسے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”اگر آپ آدی یہ طے کئے بیٹھا ہے کہ اس نے میرے خلاف کوئی باؤنڈر پورٹ بھجوائی ہی نہیں ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔“ عمر نے کہا۔

”میں نے آپ کے تمام اعتراضات نوٹ کئے۔ میں انہیں فارورڈ بھی کروں گا۔ مگر میں بتاؤں وہ میجر لطیف کو نہیں بدلیں گے نہ وہ یہ بات ماننے کو تیار ہوں گے کہ وہ اپنا کام ٹھیک کی نہیں کر رہا یا جان بوجھ کر جنہیں ٹھک کر رہا ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ کتنا بڑا چٹا ہے۔“

آئی جی نے بہت صاف اور واضح لفظوں میں اس سے کہا۔

”سرا میں پہلے ہی دس ہاتھوں کو معطل کر چکا ہوں اگر مجھے لطیف کے مشورہ پر کام کروں گا تو پھر اگلے ماہ تک میرے ساتھ کام کرنے والے تمام لوگ معطل ہو چکے ہوں گے۔ اس پر پھر آپ کو شکایت ہوگی۔“ عمر کے پاس ہر بات کا گھڑا گھڑا جواب موجود تھا آئی بی نے ایک طویل گھبراہٹ مانی۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ اور میں ایک بار پھر تم سے کہہ رہا ہوں کہ قحط رہو۔“

اس بار عمر جہانگیر نے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا وہ انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔ کیونکہ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ آئی بی اب اس ساری بحث سے بھگ آچکے تھے۔ عمر کو ان کی پریشانی کا بھی اندازہ تھا، وہ کسی بری طرح جیسے ہوئے تھے۔ اگر ایک طرف آزی حتیٰ تو دوسری طرف عمر جہانگیر کا خاندان..... وہ دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی بگاڑ نہیں چاہتے تھے اور نہ کسی بگاڑ سکتے تھے۔ کیونکہ عمر جہانگیر کا خاندان معمولی سی بات پر بھی بگاڑ اور طوفان اٹھا دینے میں کمال مہارت رکھتا تھا۔

عمر جہانگیر اچھی طرح جانتا تھا کہ فرانسز سے وہ واقعی مجھ لطف سے چمک رہا تھا اور خود اس کے اپنے سرس ریکارڈ کے لیے بہتر نہیں ہوتا اس کے باوجود اس دن آئی بی کی عمر سے آنے کے بعد اس نے بڑے خوشے دماغ سے اس سارے معاملے پر غور و خوض کیا تھا کہ وہ اپنی وجہ اب میں اپنی دلچسپی کو رہا تھا اس کے ہاتھ باندھ چکے تھے۔

☆☆☆

اگلی صبح جینے حسب معمول نو بجے کے قریب ہاتھ کے لیے آ جا تھا۔

”بابا نظر نہیں آ رہے؟“ اس نے کسی پر بیٹھنے کی اپنی ای سے پوچھا۔

”وہ آج کچھ دیر سے آفس جا میں اس کے ابھی نہیں اٹھے۔“ اس کی ای نے بتایا، وہ اب اسے ناشتہ سرو کر رہی تھیں۔

”علیہ کی ای آگئی ہیں؟“ انہوں نے جینے کو جانے سرو کرتے ہوئے پوچھا۔

”جہا نہیں رات نو بجے لائٹ تھی۔ جی ای کے بعد اس سے بات نہیں ہوئی۔ آگئی ہوں گی۔“ جینے نے اخبار کو لٹے ہوئے کہا۔

”میں آج ان کی طرف جانے کا سوچ رہی ہوں۔“ اس کی ای نے کہا۔

”ہاں ضرور جائیں..... جینے نے خوش دلی سے کہا۔

”مگر پہلے میں فون پر ان سے بات کر لوں گا ان کی کوئی اور مصروفیت نہ ہو آج کے دن کے لئے۔“ اس کی ای نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

جینے ان کی بات پر سر ہلاتے ہوئے اخبار دیکھنا رہا۔ فرسٹ پیج پر سرخیاں پڑھنے کے بعد اس نے اخبار کا پچھلا صفحہ دیکھا اور اس پر ایک سرسری سی نظر دوڑائی۔ صفحے کے نیچے ایک فٹس پر نظر دوڑنے ہی اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا چائے کا کپ چھوٹے چھوٹے بچا تھا۔

”کیا ہوا جینے؟“ اس کی ای نے کچھ چمک کر اسے دیکھا، جینے کا رنگ فق تھا وہ اخبار کے نچلے صفحے میں

عمیرہ احمد صاحبہ کی ناولز پڑھنے کے لئے ابھی وزٹ کریں

موجود ایک خبر پر نظر میں جمائے ہوئے تھا۔

☆☆☆

عمر نے فون اٹھایا، دوسری طرف سے آپریتار کسی کرل حید کے آن لائن ہونے کی اطلاع دے رہا تھا۔ عمر کے ہاتھ پر چند لمبے عموار ہوئے یہ نام اس کے لئے آشنا نہیں تھا۔

”بات کر ڈاؤن“ اس نے آپریٹر کو لائن ملانے کے لئے کہا۔

کچھ دیر بعد..... دوسری طرف سے..... کسی سلام دعا کے بغیر اگلی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”انہیں اپنی عمر جہانگیر بات کر رہا ہے؟“ عمر کے ہاتھ کے بلوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ ”بول رہا ہوں۔“

”میرا نام کرل حید ہے، میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم کس طرح اس شہر کو چلا رہے ہو۔“ اپنا تعارف کروانے کے بعد اب کرل حید کے لیے کچھ بہت تندی دینے کی آگئی۔ ”پولیس کے جیس میں تم فٹنڈوں کا ٹینگ چلا رہے ہو..... جو کہ کبھی افکار پولیس اسٹیشن میں بند کر دیے ہیں۔“

عمر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”اتنی لمبی بات کرنے کے بجائے تم صرف یہ بتاؤ کہ تمہارا پراہم کیا ہے؟“ عمر نے اس کی بات کاٹ کر۔

تمام ادب کو آدب کو الٹا طاق رکھتے ہوئے اسے تم کہہ کر طعنے لگایا۔ ”میرے پاس اس طرح کی باتیں سننے کے لئے وقت نہیں ہے۔“

”حالانکہ تمہارے پاس وقت ہی وقت ہوتا چاہے۔ کام تو تمہارے لئے تمہارے موز کے کر رہے ہیں۔“

کرل حید کو اس کے اٹھنے لہجے نے کچھ اور مشتعل کیا، شاید اسے قحطی قحطی کر مہراس کے سامنے کچھ بے فائدہ یا معذرت خواہانہ انداز اختیار کرے گا۔

”میں نے تم سے کہا ہے کہ تم لمبی تقریروں کے بجائے صرف کام کی بات کر دو۔ تم میں فون بند کر رہا ہوں۔“

”تمہارے آپریٹوں سے میرے بے کو کچھ لیا ہے، میں میں منٹ میں اپنے لیے کچھ نہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”کیوں پکڑا ہے؟“ عمر نے سرو لہجے میں کہا۔

”تم لوگوں نے اس پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ گاڑی چلا رہا تھا اور اس نے ایک آدمی کو زخمی کیا ہے۔ حالانکہ خود وہ گاڑی چلا رہا تھا۔ یہ اس نے کسی آدمی کا زخمی کیا ہے میں ڈائریکٹ آدمی مانیٹرنگ کینی کے پاس جا سکتا تھا مگر میں تمہیں ایک موقع دیتے ہوئے فون کر رہا ہوں کہ تم سے چھوڑ دو۔“

”کہاں ہے وہ؟“ کرل حید نے اسے اس پولیس اسٹیشن کا نام بتایا۔

”نام کیا ہے اس کا؟“

”ارمستان۔“

”عمر؟“

”بند رہو سال۔“

عمر وہاں بیٹھے بیٹھے بھی بتا سکتا تھا کہ کیا ہوا ہوگا۔ اس کم عمر بچے نے گاڑی چلائے ہوئے کسی کو ڈنگی کیا ہوگا اور اب کرنل حید اس بات سے ہی انکاری تھا کہ اس نے ایسا کیا تھا۔

”گاڑی کون چلا رہا تھا؟“

”سیر ڈرائیور“

”وہ بھی پولیس اسٹیشن میں ہے؟“

”نہیں اسے کسی نے نہیں پکڑا صرف میرے بیٹے کو پکڑ لیا حالانکہ وہ ڈرائیور ٹیک سیٹ پر نہیں تھا۔“

”میں چیک کرتا ہوں۔“

”میں نے تمہیں چیک کرانے کے لئے فون نہیں کیا۔ میں اسے دس منٹ کے اندر اپنے گھر پر دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”میرے پاس کوئی آلہ دین کا چراغ نہیں ہے کہ میں دس منٹ کے اندر اسے تمہارے گھر پہنچا دوں۔“ عمر نے تند و تیز لہجے میں کہا۔ ”اسے پکڑا گیا تو یقیناً اس نے کچھ نہ کچھ تو غلط کیا ہوگا۔ میں صرف یہ دیکھوں گا کہ اس نے کیا کیا ہے، اگر اس نے کچھ نہیں کیا تو وہ تمہارے گھر آ جائے گا لیکن اگر اس نے کچھ کیا ہے تو پھر تمہارا باپ بھی آ کر اسے نہیں چھڑا سکے گا۔“ عمر نے اسے پہنچ کرنے والے انداز میں کہا۔

”میرے باپ کو اسے چھڑانے کی زحمت نہیں کرنی پڑے گی، میں تمہارے باپ کے ذریعے اسے چھڑا دوں گا۔“ کرنل حید نے اس بار تقریر بیا چلائے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے، تم میرے باپ کے ذریعے اسے چھڑا کر دکھاؤ۔“ عمر نے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا اور پھر آپریٹر سے اس پولیس اسٹیشن کے کنسلر ایچ اے بات کرانے کے لئے کہا۔ جہاں کرنل حید کا بیٹا بند تھا۔

”سرا بات کریں۔“ آپریٹر نے کچھ دیر بعد فون پر اس سے کہا۔

”آج تم نے بارہ بجے کسی قریب کسی کرنل حید کے بیٹے ارمان کو پکڑا ہے۔“

عمر نے اسپیکر حائل سے پوچھا، وہ اسے ذاتی طور پر چاہتا تھا اور اس بات سے واقف تھا کہ وہ عام پولیس والوں کے برعکس بہت اہم انداز تھا۔ وہ ایک سال سے اس پولیس اسٹیشن میں کام کر رہا تھا اور صرف اسی کا پولیس اسٹیشن وہ واحد پولیس اسٹیشن تھا جس کے بارے میں عمر کو سب سے کم شکایت ملتی تھیں۔ اسی لئے اسے کرنل حید سے بات کرتے ہوئے بھی یقین تھا کہ اگر وہ اسپیکر حائل کے پولیس اسٹیشن پر ہے تو اس کا واقعی یہ مطلب تھا کہ اس نے کچھ غلط کیا تھا۔

”جی سر! پکڑا ہے۔“ حائل نے صوبہ انداز میں کہا۔

”کس لئے؟“

”سر! وہ گاڑی چلا رہا تھا جبکہ اسکی عمر صرف پندرہ سال ہے پھر اس نے تیز رفتاری سے گاڑی چلائے ہوئے ایک دوسری گاڑی سے ٹکرائے والے آدمی کو گر مار دی۔ اسی آدمی کے رشتہ داروں نے گاڑیوں کا تعاقب کر کے اسے پکڑا، اتفاقاً وہاں پولیس موبائل آگئی اور انہوں نے اسے پکڑا اور شاید وہ لوگ تو اسے وہیں مار دیتے۔ ہم نے

شک پڑنے پر جب اس کا چیک اب کروایا تو پتہ چلا کہ وہ شراب پیئے ہوئے تھا۔ اس ڈنگی کی حالت خاصی ناگہ ہے اور اس کے رشتہ دار بھی بھی یہاں پولیس اسٹیشن پر بیٹھے ہیں۔ وہ بہت مشتعل ہیں کیونکہ یہ لڑکا ان سے کہتا رہا ہے کہ وہ کرنل کا بیٹا ہے کوئی اس کا کچھ نہیں پکاؤ سکتا اور ان لوگوں کو شک ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے گا۔“ حائل نے اسے تفصیل بتائی۔

”مگر کرنل حید تو مجھ سے کہہ رہا تھا کہ گاڑی اس کا ڈرائیور چلا رہا تھا یہ تم لوگوں نے پکڑا ہی نہیں۔“ عمر نے کہا۔

”سر! گاڑی میں اس لڑکے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، میں نے آپ کو بتایا کہ اسے پکڑا بھی ان ہی لوگوں نے ہے، اگر اس کا ڈرائیور ساتھ ہوتا تو وہ اسے کس طرح جانے دیتے۔ وہ اسے بھی اسی طرح پیٹتے جس طرح انہوں نے اسے پیٹا ہے۔“

”زیادہ دیکھیں تو نہیں آئیں اس لڑکے کا؟“

”نوسر..... اتنا زیادہ نہیں پیٹا۔“

”تم نے ایف آئی آر درج کر لی ہے؟“

”سر! وہ تو اسی وقت کر لی گئی کیونکہ وہ لوگ وہیں سے پولیس اسٹیشن آئے تھے۔“

”کرنل حید نے تمہیں فون کیا تھا؟“

”سر! انہوں نے فون کیا تھا، وہ بڑے مشتعل تھے اور اپنے بیٹے کو چھوڑنے کے لئے کہہ رہے تھے۔ مگر میں نے انکار کر دیا کیونکہ میرے لئے ایسا ممکن ہی نہیں تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ آپ سے بات کریں یا پھر اپنے وکیل سے۔“

”اس نے مجھ سے ایسی فون پر بات کی تھی، مجھے حیرانی ہے کہ وہ خود پولیس اسٹیشن اپنے بیٹے کو چھڑوانے کیوں نہیں گیا۔“

”سر! وہ اٹھ دس بجے بات کر رہے تھے میرا خیال ہے کہ وہ ابھی چند گھنٹوں تک یہاں آ جائیں گے اور پھر پولیس اسٹیشن بھی آئیں گے۔“

”تم اس لئے کوئی کاپی کلائی میں رکھو کہ مارنے بیٹے کی ضرورت نہیں..... اگر اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ بھی دیکھ اور کھاؤ، قہر دیکھو، کھانا..... اس کی گاڑی آ رہی کی؟“ عمر کو ہدایت دیتے ہوئے اچانک خیال آیا۔

”نہیں سر..... کارڈی گاڑی نہیں تھی، کرو لائی۔“

”کون سا ماڈل؟“

”سر XE 2000۔“

”پہنچی تھی۔“

”کس سراس کی اپنی ہے۔“

عمر نے ہنسنی اچکا نہیں۔ وہ کرل یا تو کسی بہت بااثر چٹلی سے تعلق رکھتا تھا یا پھر کسی نہ کسی طرح خاصا مال بنا رہا تھا۔

فون بند کر کے اس نے اپنے لی اسے کو بولایا اور اسے کرل حید کے کوائف سے آگاہ کرتے ہوئے اس کے بارے میں معلومات لینے کیلئے کہا۔

”سرا کرل حید کو ہر کوئی جانتا ہے۔“ لی اسے نے کرل حید کا نام سنتے ہی کہا۔ ”یہاں اس کی پوشنگ کا آخری سال ہے، وہ ریجنرز میں ہے بارڈر ایریا میں اسٹینک کا بہت سا مال اس کی وجہ سے آسانی سے آ جاتا ہے۔ بہت راشی آدمی ہے وہ۔“

”خاندان کیا ہے اس کا؟“

”سرا خاندان خاصا اثر و رسوخ والا ہے۔ مگر ایسا نہ بھی ہوتا جب بھی لی آدمی اٹھتا چلا پڑو ہے کہ اسی طرح پیش کر رہا ہوتا ہے اس کا ہوم ٹی بھی ہے۔ یہاں دیپے بھی اس کے جاننے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ صنعت کاروں میں بھی خاصا اثر و رسوخ ہے اس کا، یہ بہت سوشل ہے۔“ اس کے لی اسے نے اسے حریہ معلومات دیں۔

”بس اب تم جاؤ۔ عمر نے اسے جاننے کے لئے کہا۔ لی اسے ابھی کمرے سے نکلا ہی تھا جب آپریٹر نے اسے کرل حید کے ایک بار بھرنا لائن ہونے کے بارے میں بتایا۔

”تم نے پتہ کر دیا ہے میرے بیٹے؟“ کرل حید نے عمر کی آواز سنتے ہی کہا۔

”تمہارے بیٹے کے خلاف چار الزامات کے تحت ایف آئی آر درج ہوئی ہے۔“ لائنس کے بغیر گاڑی چلانے کا الزام ایک آدمی کو اپنی گاڑی سے ڈنکی کرنے اور موٹو حادثات سے فرار ہونے کا الزام۔ شراب پی کر گاڑی چلانے کا الزام اور پولیس کے ایگاہوں کو گالیاں دینے اور ان کے ساتھ بد چیرائی کا الزام۔ بہتر ہے تم کسی دیکل کا بندوبست کرو، کیونکہ اس کی رہائی کسی دیکل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔“

”میں تم سے کہا تھا کہ میرا ایف آئی آر نہیں چار ہوتا۔“

”اس ڈنکی کے رشتہ داروں کے اور پولیس کے مطابق گاڑی میں اس وقت تمہارے بیٹے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔“

”وہ لوگ کبواس کر رہے ہیں، جھوٹ بول رہے ہیں۔“ کرل حید فرمایا۔

”مانا لیگر اس کے چیک اپ کے بعد رپورٹ کے مطابق وہ لٹنے کی حالت میں تھا۔ یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔“

”میں یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں کہ میرے بیٹے نے شراب پی ہے۔ تم لوگ یہ سب اسے اور مجھے چھاننے اور ایک میل کرنے کے لئے کر رہے ہو۔“ کرل حید اس کی بات پر اور مشتعل ہوا۔ ”تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم اسے رہا کر دو۔“

”میں کسی صورت اسے نہیں چھوڑ سکتا۔“ خاص طور پر اس صورت میں جب اس پر اتنے سنگین الزامات ہیں تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم کسی دیکل کا بندوبست کرو اس کے لئے۔“

”اگر تم اسے نہیں چھوڑو گے تو میں کسی اور کے ذریعے اسے چھڑا دوں گا۔“ میں اپنے بیٹے کو پولیس اسٹیشن میں رات گزارنے کیلئے دواں گا۔“ کرل حید نے اسے دھمکایا۔

”میں دیکھوں گا کہ تمہارا بیٹا پولیس اسٹیشن کے لاک اپ سے کسی دیکل کی مدد کے بغیر کیسے باہر آتا ہے۔“ عمر جھانگیر نے دوسری طرف سے لائن کو ڈس کنکٹ ہوتے سنا۔

کچھ دیر بعد رپورٹ ہوا کہ میں بکڑے وہ اس مصیبت کے بارے میں سوچتا رہا جو اس نے مول لی تھی۔ اسے کرل حید کے اگلے اقدام کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں تھا۔ وہ آدمی بائیزنگ ٹیم سے رابطہ کر کے گایا پھر کرل اور دروازہ کھٹکھٹائے گا، اس کو اس کے بارے میں یقین نہیں تھا مگر اسے اس بارے میں پورا یقین تھا کہ اسے مغرب بیلڈ کوارٹر میں ایک اور چٹلی کے لئے حاضر ہونا تھا اور وہ اس چٹلی کے لئے فنی طور پر تیار تھا۔ اگر کرل حید اس کے ساتھ اس لیے میں بات نہ کرتا جس لیے میں اس نے کی تھی تو عمر یقیناً اس معاملے کو دوسرے طریقے سے ہی پینڈل کرتا۔ وہ پوری کوشش کرتا کہ اس کا بیٹا اس معاملے سے بری ہو جائے۔ مگر یہ کرل حید کا حکمانہ انداز تھا جس نے اسے مشکل کر دیا تھا۔

کرل حید سے گفتگو کرنے کے بعد وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ شام کے قریب وہ آفس سے نکلے والا تھا جب انیکلر خائف کی کال اسے موصول ہوئی تھی۔

”ہاں خائف کیا بات ہے؟“ اسے اندازہ تھا کہ اس نے عمر کو فون کرل حید کے بیٹے کے لئے ہی کیا ہوگا۔ ”میں نے کرل حید کے بیٹے کو چھوڑ دیا ہے۔“ دوسری طرف سے خائف کے ہلنے پر عمر ایک دم بھڑک اٹھا۔ ”کس کے کہنے پر چھوڑا؟“ عمر نے پتہ چھڑا دیا میں اسے بھڑکتے ہوئے کہا۔

”سرا میں مجبور تھا کرل حید یہاں آتے تھے اور۔۔۔“ عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔

”وہ آتا تھا تو پھر۔۔۔ تم اس کے ماتحت ہو یا میرے۔ اس کے اندر کام کرتے ہو یا میرے؟“ اس ہلنے پر عمر کے اشتعال میں آواز اضافہ ہوا۔

”سرا کتنی جی صاحب نے فون کیا تھا اور مجھے اسے چھوڑنے کے لئے کہا تھا۔“ عمر نے بے اختیار اپنے ہونٹ جھنجھکے۔

”سرا یہاں پولیس اسٹیشن پر بڑا ہنگامہ ہوا۔“ خائف نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اس آدمی کے رشتہ داروں کے سامنے ہی کرل حید آئے اور پھر آئی جی صاحب کا فون آیا اور میں ان کے بیٹے کو چھوڑنا پڑا۔۔۔ ان لوگوں نے ہنگامہ شروع کر دیا۔ انہوں نے کرل حید کی سرکاری گاڑی پر بہت زیادہ چھڑا دیا۔ کیا۔ میں نے بیشکل انہیں یہاں سے بجھا فٹ نکالا ان لوگوں نے پولیس اسٹیشن پر بھی حملہ کیا۔ ان کے ساتھ بہت زیادہ لوگ تھے وہ آدمی دراصل ہاسٹل میں سر کیا ہے اور اس کے رشتہ دار کہہ رہے ہیں کہ وہ اس کی لاش تک دفن نہیں کریں گے جب تک ہم کرل حید کے بیٹے کو چھڑا کر اس پر یکس چلا جائے۔“

”تمہاری علیہ سے کب بات ہوئی ہے۔“

”نکل۔“ چینیہ نے کہا۔

”کوئی اس طرح کی بات کی اس نے؟“

”نہیں ای! میں نے آپ کو بتایا ہے اس کی کمی رات کو باہر سے آئی ہیں اور وہ اس شادی کے لئے ہی

آئیں ہیں علیہ نے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔“

چینیہ نے قدرے وضاحتی انداز میں کہا مگر یہ بات کہتے ہوئے بھی اس کے ذہن میں دو دن پہلے علیہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو اور پھر علیہ کی خاموشی تھی۔ اس کی چھٹی حس..... بظاہر بظاہر کہہ رہی تھی کہ اس فوجی کی وجہ علیہ کے سامنے اس کا وہ انکشاف ہی تھا جسے اس نے بہت معمولی سمجھا تھا۔ مگر جو اس کی اب تک کی سب سے فاش غلطی ثابت ہوا تھا اور جب اس کے اپنے کمرہ والے اس پر ایک کپڑے کی طرح خود بھی درخشاں رہا آجائے گا۔

”میں فون کرتی تھی سب سزاؤ کو..... آخر ہوا کیا ہے؟“

”لاؤں بڑی ہے۔“ کچھ دیر بعد انہوں نے ریسپورڈ کان سے بتائے ہوئے کہا۔

”آخر ہوا کیا ہے۔“ جوا انہوں نے اس طرح ”میں بتائے، ہم سے پوچھے بغیر شادی ملتوی کر دی ہے۔“

وہ بڑبڑاتی تھیں۔ ”اب تو کارڈز تک تقسیم ہو چکے ہیں اور ایسی تھوڑی دیر میں ہر طرف سے کالز آنا شروع ہو جائیں گی۔ ہم لوگ کیا جواب دیں گے۔“ انہوں نے چینیہ کو دیکھا۔ ”یہ کہائیں چاہئیں کہ کیوں شادی ملتوی ہو گئی ہے۔“ انہوں نے کہتے ہوئے ایک بار پھر ریسپورڈ اٹھایا۔ پھر پہلے کی طرح وہ کچھ دیر فون کان سے لگائے بیٹھی رہیں پھر ان کے چہرے پر ہلکی سی جھلکی گئی۔ انہوں نے فون کا ریسپورڈ نیچے رکھ دیا۔

”لاؤں! ابھی تک بڑی ہے۔“ چینیہ تمچھنے ان کے گھر لے چلوں۔“ انہوں نے اچانک چینیہ سے کہا۔

”فون پر بات کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ میں ان سے آئے سامنے بات کروں۔“

”ای! اس وقت ای! صبح..... کچھ دیر بعد.....“

ای نے فون کی بات کاٹ دی۔ ”کچھ دیر بعد.....؟ مجھ سے مہر نہیں ہو رہا..... میں یہاں بیٹھ کر وقت گزرنے کا انتظار نہیں کر سکتی۔“ ابھی تھوڑی دیر میں جب خاندان اور جاننے والوں کی کالز آنا شروع ہوں گی تو میں انہیں کیا بتاؤں گی..... بہتر ہے میں تب تک ان سے مل آؤں کسی کو کچھ بتانے کے لئے میرے پاس کچھ ہوتو..... ہو سکتا ہے ان لوگوں کو واقعی کوئی مسئلہ ہو۔ کوئی سیریس مسئلہ اس وجہ سے کہ میں انعام نہیں کر سکے۔ اس شادی کے التزام کے بارے میں۔“ وہ اب کسی سوہم دہی امید کے تحت کہہ رہی تھیں یا شاید خود کو بہلا رہی تھیں۔

”تم..... تم علیہ کے سوا ہل پر رنگ کرو۔“ انہیں اچانک خیال آیا۔ چینیہ نے کچھ کہنے کے بجائے نیکل پر اہوا ہوا سوا ہل اٹھا کر علیہ کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ سوا ہل آف تھا۔

”ای! سوا ہل آف ہے۔“ اس نے سوا ہل کان سے بتائے ہوئے بتایا۔

وہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ ”تمہارا اور علیہ کے درمیان کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟“ انہوں نے

”یہ سب تم مجھے بتانے کے بجائے آئی کو فون کر کے بتاؤ، وہ تمہیں اس معاملے میں بہتر کاغیذ کر سکتے ہیں۔“

عمر نے سر دھری سے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ فون بند کر کے وہ کچھ دیر غصے سے کھولتا رہا پھر سر جھک کر اٹھا اپنے آفس سے نکل گیا۔



”کیا ہوا چینیہ؟“ چینیہ کی ای نے کچھ چپک کر اسے دیکھا۔ اس کا رنگ فق تھا، وہ اخبار کے چلے حصے میں موجود ایک فوجی پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

”کیا ہوا؟“ انہوں نے دوبارہ قدرے توشیٹ سے اس سے پوچھا، چینیہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور مسکرنے کی کوشش کی۔

”کچھ نہیں۔“

”کوئی خاص خبر ہے اخبار میں..... جسے دیکھ کر پریشان ہو گئے ہو؟“ اس کی ای نے کہا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“ اس نے اخبار کو دیکھنے کی کوشش کی مگر اس کی ای نے ہاتھ بڑھا کر اس سے اخبار لے لیا۔ چینیہ نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ اب سامنے نیکل پر پڑے چائے کے کپ کو گھور رہا تھا۔

چینیہ کی ای نے اخبار کو اپنے سامنے پھیلا کر ای بیج پر ایک نظر دوڑائی جسے چینیہ دیکھ رہا تھا۔ انہیں اس کی پریشانی کی وجہ جاننے میں وقت نہیں ہوئی، اخبار کے چلے حصے میں ایک کونے میں جلی حرف کا ایک ٹیٹو موجود تھا۔

”میری لڑکی علیہ مسکدر کی شادی جو سورہ ۲۵ مارچ کو طے چکی تھی مگر یہ زوجات کی وجہ سے ملتوی کر دی گئی ہے۔ میں التوا کے لئے ان تمام لوگوں سے بہت زیادہ معذرت خواہ ہوں جنہیں دعویٰ کا کارڈ ارسال کیے جا چکے ہیں۔“

سبز سٹارڈ

چپے علیہ کے گھر کا پتہ درج تھا چینیہ کی ای کو چپے کرٹ لگا۔ بے چینی کے عالم میں انہوں نے چینیہ کو دیکھا۔

”سبز سٹارڈ نے شادی کنسل کر دی ہے؟ کیوں؟“

وہ اخبار ہاتھ میں لئے شاک کے عالم میں تھیں۔

”ای! میں نہیں جانتا۔“ چینیہ نے کہا۔

”مگر وہ یہ کیسے کر سکتی ہیں..... بلکہ کیوں کریں گی اور وہ بھی ہم سے پوچھے بغیر۔“ چینیہ کی ای کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ علیہ کے گھر کا ایڈریس نہ جانتی ہو تھیں تو شاید علیہ اور ناتو کا نام دیکھنے کے باوجود نہیں اس فوجی کی صداقت پر یقین نہیں آتا۔

”ای! کل تو میری بات ہوئی ہے ان سے اور انہوں نے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا پھر ایسی کون سی ایمر جی ہو گئی کہ انہیں یہ قدم اٹھانا پڑا؟“ وہ پریشان ہو گئی تھیں۔

”کل رات ہوئی تھی، انہوں نے قطعاً کوئی ایسا اشارہ نہیں دیا کہ وہ اس طرح کا کوئی قدم اٹھانے کا سوچ رہی ہیں۔“ جنید کی ای نے کہا۔

”مگر وہ ایسا کیوں کریں گی؟ اس رشتہ میں ان کی پسند شامل تھی۔۔۔۔۔ وہ تو دنا فو قاتم سے فون پر بات بھی کرتی رہی ہیں۔ پھر وہ اس طرح کیوں کریں گے؟“

جنید کے بابا نے ٹہنی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”اور بالفرض وہ ایسا کرنا چاہتیں بھی تو یہی وہ اتنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کرتیں کہ خود ہی ایسا کوئی نوٹس دے دیتیں۔ وہ یقیناً پہلے کم لوگوں کو مطلع کرتیں اور وہ نہ کرتیں تو مسز محاذ تو ضرور کرتیں۔۔۔۔۔“

”جنید! تم گاڑی نکالو۔۔۔۔۔ میں کپڑے بدل کر آتا ہوں۔ تم بھی ہمارے ساتھ ہی ان کے گھر چلو۔۔۔۔۔“ انہوں نے جنید کو ہدایت دی۔

”بابا! میرا چانا مناسب ہوگا۔۔۔۔۔؟“ جنید کے بابا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”کیوں مناسب نہیں ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ تمام بات تمہارے سامنے ہو۔“

”جی بابا!“ جنید نے جی ٹکڑا کر کہا۔

”تم گاڑی نکالو۔۔۔۔۔ ہم لوگ آتے ہیں۔“ انہوں نے جنید کی ای کے ساتھ کمرے سے نکلے ہوئے کہا۔

وہ کچھ کے بغیر فون کی ان کے پیچھے ہی باہر کیراج کی طرف نکل گیا مگر اس وقت وہ بے حد پریشان تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اگلے چند گھنٹوں میں عطیہ کے گھر پر اس کے والدین کی موجودگی میں کیا گفتگو ہونے والی تھی اور اسے اب اور بہت سی دوسری باتوں کی طرح، اپنے اس جھوٹ پر بھی بچھتا ہو رہا تھا۔ جو کچھ دیر پہلے اس نے ای سے بولا تھا۔

”بہتر ہے کہ وہاں جانے سے پہلے میں اپنے بیٹرس کوچ بتا دوں۔“ اس نے گاڑی نکالنے ہوئے فیصلہ کیا۔



اچانک جنید سے پوچھا۔

”ای جھڑا کیوں ہوگا؟“ جنید اس سوال کے لئے تیار نہیں تھا۔

”دیکھو جنید۔۔۔۔۔! اگر تمہارے اور اس کے درمیان ایسی کوئی بات ہوئی ہے تو مجھے بتا دو۔۔۔۔۔“ اس کی ای نے اس کے سول کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”ای بلیز! آپ مجھ پر یقین کریں میرا اور اس کا کوئی جھڑا نہیں ہوا۔“ جنید نے بے چارگی سے کہا۔ وہ اس وقت دودن پہلے اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بارے میں اپنی ای کو بتانے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

”بہتر مجھے ان کے گھر لے چلو۔۔۔۔۔ یہاں بیٹھ کر وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ ہم وہاں چلیں۔“ وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”ای بلیز، آپ پہلے بابا کو دیکھا کہ ان سے بات کریں۔ پھر ان کے گھر جانے کے بارے میں سوچیں۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ مجھے پہلے تمہارے بابا سے بات کرنی چاہیے۔ میری غیر موجودگی میں وہ اٹھ گئے تو یہاں اخبار میں اس نوٹس کو دیکھ کر پریشان ہوں گے۔ میں ان کو دیکھتی ہوں۔“

وہ گلت میں وہاں سے چلی گئیں۔ جنید نے ایک بار مجرموکیل اٹھا کر نالو کا نمبر ڈائل کیا۔ لائن ابھی بھی بزی تھی۔ اس نے عطیہ کا نمبر ڈائل کیا موبائل آف تھا۔ موبائل رکھ کر وہ ایک بار پھر اخبار اٹھا کر اس نوٹس کو دیکھنے لگا۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس نوٹس کے پیچھے عطیہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔۔۔۔۔ نالو کا اگر اس طرح کا کوئی ارادہ ہوتا تو وہ کل اس سے ذکر کرتیں یا کم از کم اس سے اکٹھے ہوئے لیجے میں بات کرتیں۔ مگر انہوں نے ہمیشہ کی طرح بڑی خوش دلی کے ساتھ اس سے بات کی تھی۔ البتہ عطیہ۔۔۔۔۔ اس کا عجیب کم سم سا لہجہ اس وقت اسے نہیں نکلا تھا مگر اب

کلک رہا تھا وہ پچھتا رہا تھا کہ اس نے عطیہ سے کل دوبارہ ملنے کی کوشش نہیں کی صرف فون کرنا کیوں کافی سمجھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ اس کے پاس چلا جاتا تو دونوں کے درمیان اس موضوع پر دوبارہ گفتگو ہوتی اور عطیہ اس طرح کا قدم نہ اٹھاتی جس طرح اس نے اب اٹھا لیا تھا۔۔۔۔۔ مگر اب یہ سب پچھتاوے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

تقریباً دس منٹ کے بعد اس کے بابا اور ای دوبارہ وہاں آئے وہ اس دوران میں چار بار نالو کا نمبر ملا چکا تھا مگر رابطہ کرنے میں ناکام رہا تھا۔ بابا کے چہرے سے پریشانی واضح تھی۔

”دیکھا؟ مجھے یوں سا لوٹس ہے؟“ انہوں نے اندازے سے پوچھا۔

”تم نے دوبارہ فون ملایا؟“ اس کی ای نے ایک بار پھر پوچھا۔

”لائن بڑی ہے۔“ اس نے اخبار اپنے بابا کو دے دئے کہا۔ اس کے بابا نے کھڑے کھڑے ایک نظر اس نوٹس پر ڈالی اور ان کے چہرے کی تنبیہ کی اور پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔

”ہاں فون پر بات کرنے سے بہتر ہے کہ ہم ان کے گھر چلیں۔۔۔۔۔ آخر اتنا بڑا قدم انہوں نے اس طرح کیسے اٹھا لیا۔“ انہوں نے اپنی بیوی کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

”تمہاری مسز محاذ سے کب بات ہوئی تھی؟“ انہوں نے اپنی بیوی سے پوچھا۔

”آپ نے اخبار میں کوئی نوٹس نہیں دیا؟“ اب حیران ہونے کی باری امریکی تھی۔

”نہیں میں نے تو کوئی نوٹس نہیں دیا۔ تم کس نوٹس کی بات کر رہے ہو؟“

عمران کے جواب پر اچھ گیا۔ گریٹی سارے بوسے تھوڑے ہیڑ میں آپ کے نام سے ایک نوٹس ہے۔ علیحدہ کی شادی کے التوا کے بارے میں.....

”تم کیسی فضول باتیں کر رہے ہو۔“

”گریٹی! میں کوئی فضول بات نہیں کر رہا۔ نوٹس دیکھ کر آپ سے بات کر رہا ہوں۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ علیحدہ کی ۲۵ مارچ کو ہونے والی شادی آپ نے کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر ملتوی کر دی ہے.....“ عمر نے نوٹس پر ایک نظر ڈال کر اخبار پھیل پر پھینک دیا۔

”میرے خدا..... تم کیا کہہ رہے ہو..... میں کیوں اس کی شادی کینسل کر دوں گی۔“ ٹانوی کی آواز سے ان کی پریشانی کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ”کون سے اخبار میں ہے یہ نوٹس؟“

”چاروں بوسے تھوڑے ہیڑ میں..... میں نے چاروں تھوڑے ہیڑ زنگوا کر دیکھے ہیں۔ آپ نے اب تک اخبار نہیں دیکھا؟“

”نہیں میں نے اخبار نہیں دیکھا..... میں تو ابھی تمہارے فون پر ہی اٹھی ہوں۔“ ٹانو نے کہا۔

”تمیز امریکہ سے آئی تھی رات کو..... ہم لوگ دیر سے سوئے۔ اسی لئے صبح جلدی نہیں اٹھی۔“

”پھر آپ اخبار منگوا لیں۔“ عمر نے انہیں ہدایت کی۔

”تم ہولڈ کر دو راز.....“ انہوں نے کہنے ہوئے فون رکھ دیا۔ اپنے کمرے سے نکل کر وہ باہر لاؤنج میں گئیں۔ لازم مقامی کرنے میں صرف قاتانہ نے تلاشی نظروں سے لاؤنج میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر سینٹر فیکل پر پڑے ہوئے اخبار کو اٹھا لیا۔ اضطراب کے عالم میں پہلا صفحہ پلٹتے ہی وہ نوٹس ان کی نظروں کے سامنے آ گیا تھا۔ وہ جیسے دھک سے روٹی تھیں۔ تیز قدموں کے ساتھ چلتی ہوئی وہ وہاں اپنے کمرے میں آئیں اور انہوں نے ریسپور اٹھا لیا۔

”ہاں عمر میں نے وہ نوٹس دیکھ لیا ہے پھر میں نے وہ نوٹس نہیں دیا۔“ انہوں نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”تو کچھ کہنے سے دیا ہے؟“

”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ علیحدہ کی شادی کے لئے تو تمیز بھی کل پاکستان آ گئی ہے تو کیا اب ہم اس طرح کے نوٹس دیں گے۔“ انہوں نے تعزیر سے کہا۔ ”کسی نے ہمارے ساتھ شرارت کی ہے۔“ انہوں نے ایک نظر اس نوٹس پر ڈالتے ہوئے غصے اور پریشانی سے کہا۔

عمر سمجھ گئی کہ ان کی بات مسترد رہا۔ ”نہیں گریٹی! یہ شرارت نہیں ہو سکتی..... کوئی اخبار بھی اتنا غیر ذمہ دار نہیں ہو سکتا کہ کسی تعہد کی بغیر نوٹس شائع کر دے۔ کہیں یہ نوٹس علیحدہ کے تو شائع نہیں کر دیا۔“ اسے اچانک خیال آیا۔

”علیحدہ نے.....؟ نہیں، علیحدہ کیوں کروائے گی۔“ ٹانو نے کہا۔

باب ۵۲

اخبار دیکھتے ہوئے عمر کے ماتھے پر ٹیل پڑ گئے، اخبار کے صفحے پر نظریں جمائے ہوئے اس نے انتظار کام کا

رہسپور اٹھا لیا۔

”لاہور اس نمبر پر کال ملاؤ۔“

اس نے اپنے آپ پر بیڑ کو ٹانوا ٹھہر دیتے ہوئے کہا۔ ریسپور دیں رکھتے ہوئے اس کے چہرے پر الجھن تھی۔

”آؤ خرگرتی نے اس شادی کو ملتوی کیوں کیا ہے؟ کیا پراہم ہے۔“ وہ ایک بار پھر اخبار دیکھتے ہوئے سوچ

رہا تھا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی آفس میں بچا تھا اور اخبارات پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے اس نوٹس پر اس کی نظر پڑ

گئی۔ یکے بعد دیگرے اس نے چاروں اخبارات کو دیکھ لیا۔ چاروں میں ہی وہ نوٹس موجود تھا۔ اس کا پچھلے کئی دنوں

سے ٹانو کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ خود دیکھ کے ساتھ میں اس کا رابطہ ہوئے کچھ دن گزر گئے تھے۔

فون کی تیلی بجی، عمر نے فون اٹھا لیا۔

”سر! بات کر لیں“ آپریشن کے کال ملتے ہوئے کہا۔

چند لمحوں کے بعد دوسری طرف سے ٹانوی کی آواز سنائی دی تھی۔ ”ہیلو۔“

”ہیلو گریٹی..... میں عمر کی رہا ہوں۔“ عمر نے کہا۔

”ہاں عمر..... کیسے ہو تم؟“ ٹانوی کی آواز میں کچھ حیرت تھی۔

”میں ابھی ٹھیک ہوں..... تم لاہور میں ہو؟“

”نہیں لاہور میں نہیں ہوں۔“

”تو پھر اتنی صبح کیسے کال کر لیا؟“ ٹانو نے بلا غراہنی حیرت کا اظہار کر ہی دیا۔

”میں ابھی ابھی آفس آیا تھا اور اخبار دیکھ رہا تھا۔ اخبار میں آپ کا نوٹس دیکھ کر آپ کو کون کیا ہے۔“

”اخبار میں آپ کا نوٹس پڑھا ہے۔“

”میرا نوٹس.....“ وہ ششدر رہ گئیں۔ ”کیا نوٹس؟“

”وہ اس وقت کہاں ہے؟“ عمر نے پوچھا۔ ”وہ رہی ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا تا کہ رات کو ہم سب لوگ دیر سے سوئے ہیں میں اسے جگا کر اس لوٹس کے بارے میں پوچھتی ہوں۔“ انہوں نے کہا۔

”نہیں! آپ فی الحال اسے مت جگائیں۔ میں چند منٹوں میں آپ کو دوبارہ فون کر کے بتاتا ہوں کہ یہ لوٹس کس نے شائع کر دیا ہے۔“

عمر نے ان سے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔ فون بند کرتے ہی اس نے اپنے پی اسے کو اندر بلایا۔

”خالد! یہ ایک نوٹس شائع ہوا ہے ان تینوں چاروں اخباروں میں۔ تم ان میں سے کسی اخبار کے آفس میں فون کر کے بتا کر کہ نوٹس کس نے شائع کرنے کے لئے دیا تھا۔ ان لوگوں نے یقیناً اس کے شاخشی کارڈ کا نمبر یا اس کی فون نوٹس کی بھی لی ہوگی۔ تم ذرا مجھے یہ بتا کر دو۔۔۔۔۔ اور وہ منٹ کے اندر رائڈ“ اس نے اپنے پی اسے کو یہ ہدایات دیں، وہ اخبار لے کر باہر نکل گیا۔

عمر کچھ ابھسن کے عالم میں اپنی کرسی کو ہٹھا تا رہا۔ ٹھیک دس منٹ کے بعد پی اسے دوبارہ اندر داخل ہوا۔

”سرایے ایک خاتون نے دیا تھا۔ ان کا نام علیزہ سکندر ہے۔“

عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”بس ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔“ وہ اب دوبارہ فون اٹھا رہا تھا اور اس بار اس کے چہرے پر پہلے سے زیادہ تشویش تھی، آپریٹر نے چند منٹوں میں ایک بار پھر کال لادی۔ ناٹو اس کی کال کی منتظر تھیں۔

”ہاں عمر!“ انہوں نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

”کچھ بتا چلا؟“

”مگر پی ایہ علیزہ سکندر کی طرف سے دیا گیا ہے۔“

ناٹو کچھ نہیں بول سکیں۔ ”علیزہ کی طرف سے؟“ چند لمحوں کے بعد انہوں نے بے چینی سے کہا۔

”اس نے آپ سے ایسی کوئی بات کی تھی؟“

”نہیں۔۔۔۔۔ اس نے مجھ سے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ تو شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔“

”جنید کے ساتھ اس کا کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا تو ہوا ہے۔“

”کب؟“

”پرسوں۔“

”پرسوں۔۔۔۔۔ وہ اس کے ساتھ شاپنگ کے لئے گئی ہوئی تھی۔ پھر رات کو واپس آئی تو بہت چپ چپ تھی۔ جنید سے مجھے بتا چلا کہ وہ اس سے ناراض تھی۔“ ناٹو نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”مگر کل تو وہ جھگڑا ختم ہو گیا تھا۔ اس نے جنید کو فون کیا تھا۔ دونوں کے درمیان بات ہوئی تھی؟“ ناٹو اب الجھ رہی تھیں۔

”آپ نے جنید سے علیزہ سے جھگڑے کی وجہ پوچھی؟“

”میں نے جنید سے تو نہیں پوچھی مگر علیزہ سے پوچھی تھی لیکن اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔“ ناٹو نے کہا۔

”میں اسے جگا کر پوچھتی ہوں کہ یہ کیا حرکت ہے آخر اس نے یہ کیوں طے کر لیا ہے کہ اس نے ہمیشہ

مجھے پریشان ہی کرتے رہتا ہے۔“ ناٹو کو اب اس پر غصہ آنے لگا تھا۔

”مگر پی! آپ اسے اٹھا نہیں ضرور مگر جھگڑنے کے بجائے اسے سمجھانے کی کوشش کریں، بلکہ پوچھو

کہیں کہ وہ اسے سمجھائیں۔ زیادہ برا محلا مت کہیں۔“ عمر نے ان سے کہا۔

”جتنا مجھے اس لڑکی نے پریشان کیا ہے، کسی نے نہیں کیا۔ اسے اعزاء ہی نہیں کہ اس کی اس جگہ کا حرکت

کے کتنے بڑے نتائج نکل سکتے ہیں۔ جنید کی فیملی کی اس سوچے کی ہمارے بارے میں۔۔۔۔۔ اور خود علیزہ کے بارے میں۔“

ناٹو کو تشویش ہو رہی تھی۔

”اب تک یقیناً وہ بھی اس لوٹس کو دیکھ چکے ہوں گے۔ تم خود سوچو کہ میں ان کا سامنا کیسے کروں گی۔“

”آپ جنید کی فیملی کے بارے میں پریشان نہ ہوں۔ میں انہیں ابھی فون کرتا ہوں، میں انہیں سمجھا

لوں گا۔ ان کی طرف سے آپ کو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔“ عمر نے ناٹو کی پریشانی کو مٹانے کی کوشش کی۔

”لیکن ابھی جو کالوں کا تا نا بندہ جائے گا پورے خاندان کی طرف سے تو اس کا میں کیا کروں گی؟“

”آپ صرف یہ کہہ دیں کہ شادی ایک ماہ آگے کر دی گئی ہے۔ آگے ڈیٹ کے بارے میں انہیں بعد میں بتا

دیا جائے گا۔“ عمر نے انہیں مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”اور وہ وجہ پوچھیں گے تو؟“

”مگر پی! کوئی کبھی وجہ بتا دیں۔ لوگوں کے پاس اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ وہ تھدقیق کرتے پھریں۔“ عمر

نے قدرے مضطرب کر کہا۔

”اور جو ایاز اور میرے دوسرے بیٹے فون کر کے پوچھیں گے ان سے میں کیا کروں۔۔۔۔۔ ان سے تو میں

جھوٹ نہیں بول سکتی۔“

”پہلے آپ علیزہ کو جگا کر اس سے بات کریں۔ پھر یہ سوچیں کہ آپ کو کس سے کیا کہنا ہے؟“ عمر نے کہا۔

”میں اب جنید کو فون کر رہا ہوں۔ تاکہ اسے بھی کچھ ٹیلی دے سکوں مگر اس نے یا اس کے گھر والوں

نے یہ خبر پڑھ لی ہے تو وہ بھی بہت پریشان ہوں گے اس وقت۔“

عمر نے بات ختم کرتے ہوئے خدا حافظ کہا اور پھر فون رکھ دیا۔



جنید گیارہ بجے گاڑی نکالنے کے بعد اندر آیا تھا، جب اس نے اپنے موبائل کی بپ سنی۔ دوسری طرف

عمر تھا جنید کو اعزاء ہو گیا تھا کہ وہ بھی نوٹس پڑھ چکا ہوگا۔ رکی ملیک ملیک کے بعد جنید نے چھوٹے ہی اس سے

شادی کرنا چاہ رہا تھا۔ درندہ شایہ اس وقت عمر کی پوزیشن زیادہ خراب ہوئی مگر وہ جیندے کے سامنے سخت محسوس کر رہا تھا۔ کرسی کی پشت سے ٹک لگائے ہوئے بیٹھے وہ بہت دیر تک اس ساری صورتحال کے بارے میں سوچتا رہا، آخر وہ جیندے کو کس طرح اس پریشانی سے نکال سکتا تھا۔ جس کا شکار وہ درحقیقت عمر کی وجہ سے ہوا تھا۔

☆☆☆☆

”آپ کو تعلیم مناسب مل رہی ہیں۔“ دسک کی آواز پر علیزہ نے دروازہ کھولا۔ ملازم کھڑا تھا۔
”تم جلد میں آ رہی ہوں۔“ اس نے مڑ کر دال کا پک پر ایک نظر ڈالی، آج اسے اپنے منہ میں واقعی دیر ہو گئی تھی۔
پندرہ منٹ بعد جب وہ لاؤنج میں آئی تو اس نے نالو اور می کو وہاں بیٹھے دیکھا، وہ بے حد متشکر نظر آ رہی تھیں۔ ایک لمحہ کے لیے علیزہ نے ان سے نظریں نہیں بکھروہ ڈانٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی جہاں ناشتہ لگا ہوا تھا۔ محلی اخبار اٹھا کر ان کی طرف آ گئیں۔

”یہ حرکت کیا ہے علیزہ؟“

”کون سی حرکت؟“ اس نے ذلیل روٹی پر چہم لگاتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت تک ان دونوں کی وہاں موجودگی اور ان کے چہروں پر نظر آنے والی خوشی کی وجہ جان سکتی تھی۔

”یہ نوش۔۔۔ جو تم نے شائع کر لیا ہے۔“ شبنم اخبار اس کے سامنے بچل پر رکھتے ہوئے خود بھی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔ علیزہ نے نوش پڑھنے کے بجائے اخبار کو ہاتھ سے ایک طرف کر دیا اور سلاٹ پر چہم لگا جانا رہ گیا۔
”اپنی شادی کیسٹل کر دی ہے تم نے؟“ شبنم نے اس بار قدرے تیز آواز میں کہا۔

”اور تمہاری اتنی جرأت ہوئی کہ تم میرا استعمال کر کے اس طرح کے نوش دو۔ اپنے نام سے دیتیں یہ نوش۔۔۔“ اس بار نالو بھی ہلے کے عالم میں اٹھ کر ڈانٹنگ ٹیبل کے پاس آ گئیں۔

علیزہ پر ان کے ہلے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ”اسے اپنے نام سے یہ نوش دے سکتی تھی مگر اس پر آپ کو یہ اعتراض ہوتا کہ اتنی دیدہ دلیر ہو گئی ہوں کہ اپنے نام سے ایسے نوش دیتی پھری ہوں۔“ اس نے اطمینان سے سلاٹ کھاتے ہوئے کہا۔

”آخر تم نے اس طرح کی حرکت کیوں کی ہے؟“ شبنم نے اس بار کچھ بے چارگی سے کہا۔

”صرف اس لیے کیونکہ میں اس شخص سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔“

”یہ سب تمہیں اب یاد آیا ہے جب شادی میں دو ہفتے رو گئے ہیں۔ پہلے بتانا چاہیے تھا جس کو تم اس شخص سے شادی نہیں کرنا چاہتیں۔“ نالو نے کرسی پر بیٹھے ہوئے کہا۔ ”اور یہ شادی تم سے پوچھ کر طے کی گئی تھی۔ تمہارے سر پر تھوپا تو نہیں گیا تھا جیندے کو۔۔۔ رشہ بٹے ہوئے سے پہلے لٹی رہی ہو تم۔۔۔ جب مطمئن ہو گئیں تب یہ رشہ بٹے کیا کیا بلکہ میں نے تم سے اس وقت بھی یہ کہا تھا کہ اگر تمہیں کوئی اور پسند ہے تو مجھے بتا دو۔ ہم تمہاری شادی وہاں طے کر دیں گے۔ اس وقت تمہیں جیندے پر کوئی اعتراض نہیں تھا اور اب تم کہہ رہی ہو کہ تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتیں؟“ نالو کے بغیر بولتی ہیں۔

”آخر تم نے یہ کیوں طے کر لیا ہے کہ تم ہمیشہ مجھے اور دوسروں کو پریشان کرتی رہو گی؟“

”میں کسی کو پریشان نہیں کر رہی۔ شادی میرا ذاتی معاملہ ہے اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا مکمل حق ہے۔“ اس بار علیزہ نے ابلیسی تڑبی کے ساتھ کہا۔

”اس حق کو اس طرح استعمال کرنا تمہاں نہیں۔“

”مجھے بات کرنے دیں اس سے۔“ اس بار شبنم نے نالو کو روکا۔ ”تمہیں اعزاز ہے کہ تمہاری اس حرکت سے ہمارے اور جیندے کے گھر والوں پر کس طرح کا اثر ہو گا۔“ شبنم نے نچی سے کہا۔

”لوگ کس طرح کی باتیں کریں گے۔۔۔ علیزہ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں بات کرنے سے روکا۔ ”اودہ کم آن می۔۔۔ ہم کسی ٹال کھال کیسے سے تعلق نہیں رکھتے کہ میری اس حرکت سے ہم کسی کو نہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔“ اس نے ناگوار سے کہا۔

”تمہاری ٹیبل میں اتنی چھوٹی چھوٹی چیز دو کوئی مائنڈ نہیں کرتا۔ کیا نہیں ہو جاتا تمہارے طبقے میں اور آپ ایک معمولی بات پر اس طرح مجھے غلامت کرنے بیٹھ گئی ہیں۔“ اس نے اب اپنا سلاٹ پلٹ میں رکھ دیا۔

”وہی ہے بھی تو اتنی غلطی ہوئی رہتی ہیں اگر میں نے صرف معنی توڑ دی ہے تو اس میں کون سی بڑی بات ہو گئی۔“ علیزہ ابلیسی توڑنے کا ابلیسی وقت، ایک طریقہ ہوتا ہے۔ جس طرح تم۔۔۔“

علیزہ نے ایک بار پر شبنم کی بات کا ٹک دی۔ ”میں آپ سے کہتی کہ میری معنی توڑ دیں تو آپ تو ڈر دیتے؟ بالکل نہیں آپ اس وقت بھی سبب مجھ کہہ رہے ہوتے۔“

”آخر تمہیں ایک دم کس چیز سے مجبور کیا ہے کہ تم اب تو اقدم اٹھا رہی ہو۔۔۔“ اس بار نالو نے کہا۔

”کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو گی۔ میں احمق تو ہوں نہیں کہ صرف ایڈیٹر کے لیے ایسی حرکت کروں۔“

”دہی وجہ پوچھ رہی ہوں۔“

”نالو! آپ وجہ ہیں۔“ نالو اس کی بات پر ہکا بکا ہو گئیں۔

”میں چیخ رہی ہوں؟“ انہوں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

”ہاں کچھ وجہ ہیں۔۔۔ جنہوں نے ہمیشہ پانچ سال کی بچی کے علاوہ اور کچھ سمجھا ہی نہیں، علیزہ نے سختی سے کہا۔

”تم۔۔۔ علیزہ نے ان کی بات کا ٹک دی۔

”آپ نے عادت بنالی ہے کہ مجھ سے ہر بات میں جھوٹ بولیں گی۔ ہر معاملے میں مجھے اندھیرے میں رکھیں گی۔۔۔ شاید آپ کا خیال ہے کہ میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ حقیقت سے مجھے آگاہ کر دیا جائے۔“

”تم کس قسم کی باتیں کر رہی ہو؟“ نالو نے اس بار گڑ بڑاتے ہوئے کہا۔

”میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ اگر میرا کوئی بیٹا نہ ہے تو میرا بیٹا نہ اب لبریز ہو چکا ہے۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ کم از کم اب آپ لوگ مجھے اپنے طریقے سے زندگی گزارنے دیں۔ اپنی اگلیوں پر کچھ پٹکی کی طرح بانڈھ کر مجھے

آدی سے شادی کیوں کروں جو مجھ سے کسی دوسرے کے کہنے پر شادی کر رہا ہے..... آپ کو یہ پتا ہے کہ وہ مجھ سے صرف عمر کے کہنے پر شادی کر رہا ہے۔“

”علیہ والہی بات نہیں ہے..... کوئی کسی کے کہنے پر کسی سے شادی نہیں کرتا۔“ اس بار شینہ نے ایک لمبی خاموشی کے بعد مدخلت کی۔

”اس نے مجھے خود یہ بتایا ہے کہ وہ مجھ سے عمر کے کہنے پر شادی کر رہا ہے اور عمر کے کہنے پر وہ مجھ سے ہی نہیں کسی سے بھی شادی کر سکتا تھا۔“

”اس نے ویسے ہی کہہ دیا ہوگا..... جینہ جیسا لڑکا اس طرح کسی کے کہنے پر کہیں بھی شادی کرنے والوں میں سے نہیں..... تمہیں تو اب تک اس کی سچر کا پتا چل جانا چاہیے۔“

”مجھے ہر چیز کا پتا چل چکا ہے..... میں نے اسی لیے یہ فیصلہ کیا ہے..... مجھے عمر کے کسی دوست سے شادی نہیں کرنی۔“

”مگر اس میں عمر کا قصور ہے..... جینہ کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔“

”کیوں قصور نہیں ہے..... وہ بھی برابر کا قصور وار ہے..... اس نے بھی مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔“

”اور اس کے گھر والے..... انہوں نے کیا کیا ہے؟“

”مجھے اس کے گھر والوں کی پروا نہیں ہے۔“ علیہ نے سے کہا۔

”شرم آتی جا ہے..... تم اس کے گھر آتا آتی جاتی رہی ہو اور اب تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں ان کی پروا نہیں ہے۔“ نانو نے اسے جھڑکا۔

”تم اور اس کی باتیں تو میرا ہی احساس کر لو..... میں اپنے شوہر کو کیا مت دکھاؤں گی..... وہ ایک ہفتے تک یہاں آ رہے ہیں..... اور تم.....“

علیہ نے غصہ کی بات کاٹ دی۔ ”کی! آپ کے شوہر آپ کا مسئلہ ہیں..... مجھے پروا نہیں ہے کہ وہ آپ کے باپ سے بارے میں کیا سوچتے ہیں..... جہاں تک ان کے پاکستان آنے کا تعلق ہے۔ آپ انہیں فون پر آنے سے منع کر دیں۔“ انہیں چٹا پن کی شادی کیسٹل ہو گئی ہے۔ ”علیہ وہ دنوں کے انداز میں کہا۔

”اور وہ..... چھپتا تاؤں میں انہیں؟“ شینہ نے ہنسنے لگے ہوئے کہا۔

”جرم شادی کریں۔“

”علیہ..... علیہ.....! آخر کیا ہو گیا ہے تمہیں..... تم اتنی ضدی تو کیسی بھی نہیں تھیں۔“ اس بار نانو نے بے چارگی سے کہا۔

”ہاں میں نہیں تھی..... مگر اب ہو گئی ہوں۔“ اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

”ابھی تمہارا سے انکو سے فون آنے لگیں گے۔ میں کس کس کو کیا کہوں گی..... کیا زک تمہیں پتا ہے وہ.....“

نانو نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

”جپانے کی کوشش مت کریں۔“

”علیہ واپس آ کر کہنا کیا جاتی ہو؟“

”میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ نے مجھ سے یہ بات کہاں چھپائی کہ جینہ عمر کا دوست ہے۔“ نانو دم بخود رہ گئیں۔

”اور عمر نے آپ سے میری اور اس کی شادی کروانے کے لیے کہا ہے۔ جب آپ جانتی تھیں کہ میں عمر کو کس حد تک نا پسند کرتی ہوں تو پھر آپ نے مجھے جینہ کے معاملے میں دھوکے میں کیوں رکھا۔“

اس کی ناراضی میں اب اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

”میں اس آدی کی مثل تک دیکھ نہیں پاتی اور آپ مجھے اس کے بیٹ فرینڈ کے پلے بانہ رہی ہیں..... اور وہ بھی مجھ سے پوچھے بغیر۔“ وہ رکے بغیر کہتی گئی۔ ”آپ ہمیشہ یہ لگا رہتی رہیں کہ جینہ اور اس کی لمبی کو آپ پہلے کسی جاتی ہی نہیں تھیں جبکہ آپ ان سے ابھی طرح واقف تھیں..... میں سوچتی تھی کہ جینہ کتنی جلدی آپ سے اتنا بے تکلف ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ بے تکلفی تو کسی سالوں کی تھی۔“

”علیہ! تمہیں یہ سب کچھ کس نے بتایا ہے؟ یقیناً کسی نے تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔“ نانو نے کچھ دیر بعد اس شاک سے سنبھلتے ہوئے کہنے کی کوشش کی۔

”مجھے یہ سب کچھ خود جینہ نے بتایا ہے..... اس نے مجھے گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب بھی اس کے بارے میں کچھ کہنا چاہیں تو کہہ دیں۔“ سوکتا ہے۔ ”مجھے ہی بیش کی طرح کوئی غلطی ہوئی ہو۔“

”عمر نے مجھے جینہ سے تمہاری شادی کے لیے مجبور نہیں کیا تھا۔“ نانو نے مدافعا انداز میں کہنا شروع کیا

انہیں اعزاز تھا کہ علیہ وہ اب ان کی ہر بات کو بیش کی نظر سے دیکھ گی۔ ”اس نے صرف مجھ سے یہ کہا تھا کہ میں تمہیں جینہ سے ملو اؤں۔“ اگر تم لوگوں کے درمیان کچھ اعتراض شبنگ ہوئی تو پھر اس رشکوٹے کیا جائے کہ مجبور نہیں کیا۔“

نانو بولی رہیں۔ ”جینہ ہر لحاظ سے ایک اچھا لڑکا تھا۔ نہ صرف وہ خود بلکہ اس کی لمبی بھی..... میں واقعی اسے بہت سالوں سے جانتی تھی اس لیے میں عمر کو انکار نہیں کر سکی۔“ تم پر یہ بات ظاہر نہیں کی تھی مگر شادی کے سلسلہ میں تم پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا۔ تم سے یہ نہیں کہا گیا کہ تم صرف جینہ سے ہی شادی کرو۔ اور کسی کے ساتھ نہیں کر سکتیں۔

میں نے انتخاب کا حق نہیں دیا تھا اور تم نے خود جینہ کے حق میں فیصلہ کیا تھا۔“

”مگر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ عمر کا انتخاب ہے۔“ علیہ نے کہا۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”فرق پڑتا ہے۔ آپ کو نہیں پڑتا۔“ مگر میری فرق پڑتا ہے اور آپ نے اس ایک سال کے عرصے میں ایک بار بھی مجھے یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ.....“

نانو نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تمہیں بتانے سے کیا ہوتا۔ تم اس وقت بھی یہی کرتے ہو جو تم اب کر رہی ہو۔“

”ہاں میں اس وقت بھی یہی کرتی تھی جو میں اب کر رہی ہوں۔“ علیہ نے ہنسنے لگے۔ ”آخر میں ایک ایسے

”جیسے ایاز انکل یا کسی بھی دوسرے انکل کی کوئی پروا نہیں ہے۔ یہ میری زندگی ہے، جو چاہوں اس کے ساتھ کروں۔“ وہ ڈانٹنگ ٹیبل سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تمہیں نے اسے روکنے کی کوشش کی۔“ تم ایک بار اپنے فیصلے پر بھروسہ ہو..... تم بہت بڑی غلطی کر رہی ہو۔“

”مجھے پتا ہے..... مگر میں بھر بھی یہ غلطی کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ دو ٹوک انداز میں کہتے ہوئے ڈانٹنگ ٹیبل چھوڑ کر چلی گئی۔

”ممی! آپ نے اس کی کیسی تربیت کی ہے؟“ تمہیں نے اس کے اٹھنے یا اپنی ماں سے کہا۔

”تم میری پریشانی میں اپنے الزامات سے اضافہ نہ کرو۔ اس کی تربیت صرف میرا فرض نہیں تھا۔ اسے سالوں میں جیہیں بھی رکھی اس کی تھوڑی بہت خبر لے لینی چاہیے تھی۔ اس کے باپ کی طرح تم بھی ہر ذمہ داری مجھ پر چھوڑ کر بیٹھ گئیں۔“ نانو نے تکی سے کہا۔

”ممی! آپ کا خیال ہے کہ میں نے اس کا خیال نہیں رکھا۔ اتنی باقاعدگی سے میں نوں پر اس سے راجے میں رہی۔ کتنی بار میں نے چھٹیوں میں اسے اپنے پاس رکھا۔ ہر ماہ میں باقاعدگی سے اس کے لیے پیسے بھجواتی رہی اور آپ کبھی نہیں اس کے ہر ذمہ داری آپ پر چھوڑ دی۔“

”یہ سارے کام تو سکندر بھی کرتا رہ۔ پھر تو وہ بھی اتنا ہی اچھا باپ ہوا جتنی اچھی تم ہوں۔“

”ممی! پلیز اب مجھ پر خلعت کریں۔“ تمہیں نے سکندر کے نام پر انہیں ٹوکا۔

”تو بھرت مجھے کیوں مورد الزام ٹھہرا رہی ہو؟“

”میں کسی کو الزام نہیں دے رہی۔ میں صرف اس کا رویہ دیکھ کر پریشان ہو گئی ہوں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح ضدی ہو گئی ہے..... پہلے تو.....“

”مجھے خود بھی نہیں پتا کہ وہ کچھ بچھلے پانچ چھ سالوں میں کیوں اس طرح کی ہو گئی ہے۔ یہ ضد اس میں پہلے نہیں تھی۔ نہ ہی اتنی خود رستی یہ مگر میں..... جب سے محاذ کا انتقال ہوا تو بالکل بدل گئی۔ معاذ تھے تو بھر بھی اور بات تھی..... انہیں اس کو چنڈل کرنا آتا تھا..... ان کے بعد تو مجھے بہت دقت ہونے لگی۔ یہ اپنے خاندان پر اس قدر تسلط کرتی ہے۔ شاید یہ اخبار میں کام کرنے کی وجہ سے بھی ہوا ہے۔“ تمہیں کون کون سی ککواس ہے جو اس تک پہنچتی رہتی ہے۔“ نانو نے سر جکڑتے ہوئے کہا۔

”اور اب جو یہ ناشورہ چھوڑا ہے۔“

”ممی! مجھے یہ بتائیں کہ یہ بات نہیں ماننے کی تو کیا ہوگا..... کتنی بدنامی ہوگی ساری فیملی میں میری.....“

تمہیں اب روپائی ہوئے لگیں۔

”میں عمر سے بات کرتی ہوں..... وہ یہاں آئے۔“ نانو اپنی کرسی سے اٹھنے لگیں۔

”وہ کس لیے آئے؟“ تمہیں حیران ہوئی۔

”وہ آکر اس سے بات کرے۔ سمجھائے اسے۔“

”عمر کی بات سننے کی ہے؟“ تمہیں نے بے یقینی سے کہا۔ ”عمر کی وجہ سے ہی تو اس نے یہ سب کیا ہے..... آپ کے سامنے ہے اس نے کہ وہ عمر کی اصل تک دیکھنے پر تیار نہیں ہے اور آپ کبھی نہیں کہ عمر کو بلا نہیں گی وہ بات کرے گا اس سے۔“

”اس نے وہی بات کر سکتا ہے..... وہی سمجھا سکتا ہے.....“ نانو نے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”ممی! عمر کو اتنا پابند کیوں کرتی ہے یہ..... کتنی سال پہلے تو اس کی زبان پر عمر کے علاوہ اور کسی کا نام ہی نہیں ہوتا تھا..... آپ خود کہتی تھیں کہ عمر سے اس کی بڑی دوستی تھی..... پھر آخر ہوا کیا؟“

نانو نے مڑ کر تمہیں ٹوک دیکھا۔ ”علیہ عمر سے شادی کرنا چاہتی تھی۔“

”کیا؟“ تمہیں ہکا بکا کر دیا۔ ”آپ تو ابھی کبھی نہیں اسے کوئی پسند نہیں تھا۔“

”عمر کے علاوہ اور کوئی پسند نہیں تھا۔“ نانو نے فون کا ریسیور اٹھا لے کر عمر کے ٹیبل کی کھج کی۔ ”تمہیں بے تابی سے اٹھ کر ان کے پاس آئیں۔“

”تو ممی! پھر آپ نے عمر سے اس کی شادی کیوں کر دینے کی کوشش نہیں کی؟“

”میں نے بہت کوشش کی تھی..... میں نے عمر سے بات کی تھی..... اس نے انکار کر دیا۔“

”کیوں؟“ تمہیں بے اختیار چلا میں۔

”وہ اپنے بہترین دوست سے اس کی شادی کر دیا سکتا ہے۔ خود کیوں نہیں کر سکتا..... آپ ہی تو کہتی رہیں۔ وہ علیہ وہ کہتے خیال رکھتا ہے۔“

نانو کی آنکھوں میں نمی جھلکتی تھی۔ ”صرف خیال نہیں رکھتا۔ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔“ انہوں نے دم آواز میں کہا۔

”پھر..... ممی! انکار کیوں کیا اس نے؟“

”اس نے کہا کہ میں فیملی میں نہیں ہوں۔ میں ایمدادوست بن سکتا ہوں، مگر اچھا شوہر یا اچھا باپ مجھے بنا نہیں آتا۔ میں تمہیں چاہتا کہ میری وجہ سے اس کی زندگی خراب ہو۔ میرے جیسے ٹھہرائے کے آدمی کے ساتھ وہ نہیں رہ سکے گی۔ پھر وہ ایک انسان کی اصل تک نہیں گزار سکتے۔ کوئی پرکھ لینی بنا سکتے ہیں اور میں علیہ یا عمر جیسے کوئی اور نہیں چاہتا۔ وہ زندگی میں بہت کچھ deserve کرتی ہے..... اچھا شوہر محبت کرنے والا خاندان، بچے، سکون..... بہت کچھ..... اور یہ سب کچھ جینا اس کو دے سکتا ہے میں نہیں..... کیونکہ میری طرح جیند کی شخصیت Paradoxes کے بالک سے مل کر نہیں بنی..... میں نے اس سے کہا تھا وہ تم سے محبت کرتی ہے۔ اس نے کہا آج کرتی ہے کل نہیں کرے گی، میرے ساتھ کچھ سال گزارنے کے بعد وہ اسی تنہائی کا شکار ہو جائے گی جس تنہائی کا شکار وہ آپ کے گھر میں ہے۔ میں جس فیملی میں ہوں اس میں تو میں اسے وقت تک نہیں دے سکوں گا..... اور پھر میری چاہ میں مجھے بہت سے ایسے کام کرنے ہوتے ہیں جو اسے پابند ہیں..... میں نہیں چاہتا وقت گزارنے کے ساتھ وہ اور میں اپنے اس رشتے یا تعلق پر چھپتا ہوں..... میں نے اسے بہت سمجھایا تھا میں اس سے

کہا تھا جہاں محبت ہو وہاں کچھ رومانز ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں صرف محبت چاہتا ہوں کچھ رومانز نہیں۔ میں نے ہر رشتے میں کچھ رومانز دیکھا ہے مگر میں اپنے اور علیزہ کے رشتے میں کچھ رومانز نہیں دیکھ سکوں گا..... اور میں جانتا ہوں میں اس سے شادی کروں گا تو یہی سب کچھ ہوگا۔

میں کسی دوسری عورت کے ساتھ اگر کچھ رومانز کی زندگی بھی گزاروں گا تو مجھے وہ تکلیف نہیں ہوگی، جو مجھے علیزہ کے ساتھ ایسی زندگی گزار کر ہوگی۔ کسی دوسری عورت کی تکلیف دیکھ کر مجھے کوئی احساس جرم نہیں ہوگا..... مگر علیزہ میری وجہ سے اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے گی تو میں خود کو معاف نہیں کر سکوں گا..... بچتا ہوں اسے کے ساتھ جینا کچھ پیسے آدمی کے لیے بہت مشکل ہے گری..... اس نے مجھ سے کہا تھا۔ میں اسے اور کیا سمجھا کر کیا کہتی..... پھر میں نے علیزہ سے وہی کہا جو وہاں چاہتا تھا۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ عمر اس سے محبت نہیں کرتی اس کے نزدیک وہ صرف ایک دوست ایک زنانہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔“

”ناٹو افسردگی کے عالم میں کہہ رہی تھیں۔“
”علیزہ کو اس کی باتوں سے شاک کا تھا شاید اسے لاشعوری طور پر یہ یقین تھا کہ عربی اس سے محبت کرتا تھا مگر..... بس پھر ان دونوں کے درمیان پہلے سے ہی کوئی بات نہیں رہی..... کچھ واقعات بھی ایسے ہی ہونے کے عمر سے اس کی ناراضی ہوتی گئی۔“

”پھر آپ کو کبھی بھی جنید کے ساتھ اس کی شادی کی کوشش نہیں کرنی چاہیے تھی۔ کبھی بھی نہیں۔ علیزہ کو جب بھی یہ پتا چلا کہ جنید عمر کا دوست ہے وہ تو اسی طرح مشتعل ہوتی..... مگر آخر آپ نے اس کی فیصلہ کو کھینچ کر کوشش کیوں نہیں کی۔“

”مجھے اس کے لیے جنید سے موزوں کوئی اور لڑکا ہی نہیں..... خود علیزہ کو بھی وہ بہت اچھا لگا تھا اور بچپن سے ایک سال میں ان دونوں کے درمیان چند ایک اختلافات کے باوجود بہت زیادہ انڈر سٹینڈنگ ڈیپل ہو گئی تھی..... علیزہ اس کے گھر آتی جاتی رہی ہے وہ ان لوگوں کے ساتھ قریبی طور پر ایڈجسٹ ہو چکی تھی نہ صرف یہ بلکہ میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ ان کے ساتھ بہت خوش رہتی ہے..... میں نے اس کی خوشی اور سکون کے لیے ہی سب کچھ کیا ہے۔ وہ لوگ ہم سے بہت اچھے اور بہتر ہیں..... ان کا ماحول بہت اچھا ہے۔ علیزہ کو ضرورت تھی ایسے لوگوں کی..... کہیں اور شادی کرنے کی کوشش کرتی تو میرے پاس کیا آپناش ہوتے..... کڑا کچھ جنید جیسے نیچر اور عاقل کا مالک نہیں ہوتا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ جتنا کینریک ہے، علیزہ اس کے ساتھ بہت خوش رہے گی..... صرف اس لیے میں نے جنید کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دی۔“

”جنید نے اس بار کبھی نہیں کہا وہ اب بھی ہوئی سوئی کی طرف بڑھ گئیں۔ ناٹو عمر کو کال کرتے گئیں۔

”میری!“ جنید نے یکدم انہیں مخاطب کیا۔ ناٹو نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔

”کیا آپ ایک بار پھر عمر سے بات نہیں کر سکتیں؟“ جنید نے کچھ عجب سے لہجے میں ان سے کہا۔

”میں اسی سے بات کرنے کے لیے آؤں کر رہی ہوں۔“ ناٹو نے کہا۔ وہ ایک بار پھر نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

”میری میں اس معاملے کی بات نہیں کر رہی۔“

”تو پھر؟“ ناٹو ایک بار پھر فون کرتے کرتے دنگ لگیں۔

”کیا آپ عمر سے ایک بار پھر علیزہ کی شادی کی بات نہیں کر سکتیں؟“

”تم کیا کہہ رہی ہو جنید؟“

”میری! آپ ایک بار پھر عمر سے بات کریں..... اسے یہاں بلائیں۔ اس بار میں بھی اس سے بات کروں

گی، ہو سکتا ہے مان جائے۔ اگر علیزہ اس سے محبت کرتی ہے تو کیا یہ بہتر ہے کہ ہم اس کی شادی اسی کے ساتھ کریں۔“

”جنید علیزہ اس سے محبت کرتی تھی..... اب نہیں کرتی..... اب وہ جنید سے محبت کرتی ہے۔“

”نہیں وہ جنید سے محبت نہیں کرتی۔ اگر اسے جنید سے محبت ہوتی تو وہ کبھی بھی اس طرح شادی نہ کرنے کا

فیصلہ نہ کرتی..... وہ یہ فیصلہ کبھی نہ کرتی..... اسے اب بھی عمر سے محبت ہے اور یہ بات آپ اور عمر بھی اس طرح

جانتے ہیں، پھر کیوں اس کی زندگی کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔“ جنید نے کہا۔

”اور جنید..... اس کا کیا ہوگا..... اگر ایسا ممکن ہوگی جائے تو اس کا کیا ہوگا تم اس کی تکلیف کا اندازہ

کر سکتی ہو؟“

”میری! مجھے اس کی تکلیف کی کوئی پروا اور کوئی دلچسپی نہیں ہے مجھے صرف اپنی بیٹی کی پروا ہے..... مجھے جنید

سے ہمدردی ہے مگر..... اگر علیزہ اس کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی تو بہتر ہے وہ اس کے ساتھ نہ رہے۔“ جنید نے

قدر سے خود غرضی اور شاید صاف گوئی سے کہا۔

”وہ دونوں ایک ساتھ بہت خوش رہیں گے جنید۔“

”نہیں وہ دونوں ایک ساتھ خوش نہیں رہیں گے اگر آپ عمر سے بات نہیں کریں گی تو میں خود عمر سے بات

کروں گی..... اور اگر عمر میری بات پر رضا مند نہیں ہوا تو پھر میں جہانگیر سے بات کروں گی یا پھر میں ایاز بھائی سے

بات کروں گی۔“ جنید نے دونوں کا انداز میں کہا۔

علیزہ کچھ وقت اسے کمرے میں واپس آئی اس نے موبائل کو جینینا بنا۔ بیڈ کے پاس آ کر اس نے موبائل

کو اٹھا کر اس پر آنے والا نمبر دیکھا۔ وہ عمر جہانگیر کا نمبر تھا۔ اس نے بے اختیار اپنے ہونٹ ہینچے لیے۔ کچھ دیر تک وہ

ہاتھ میں پکڑے موبائل کو کبھی دیکھ رہی تھی اس نے اسے آن کر دیا۔

”ہیلو علیزہ..... کبھی ہو تم؟“ دوسری طرف عمر کی آواز سنائی دی تھی۔

”بہت اچھی ہوں.....“ علیزہ نے ہوا کی لہروں سے کہا۔ اسے خلاف معمول عمر کی آواز سن کر غصہ نہیں آیا

تھا بلکہ یہ سوچ کر ایک عجیب سا طبعانہ محسوس ہوا تھا کہ اب وہ پریشان ہوگا۔

”تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟“ وہ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بولا۔

”بس ایسے ہی..... دل چاہ رہا تھا کسی ایڈیٹر کے لیے..... جہیں تو ابھی طرح پتا ہے کہ میں کتنی سچور ہوں۔“

”علیہ! میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔“

”مگر میں تو کر رہی ہوں۔“

”جہیں اپنے اس فیصلے کی جھنجکی کا احساس ہے؟“ عمر نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”بہت اچھی طرح۔“ اس کے لہجے کا اطمینان عمر کو مذہب کر رہا تھا۔

”عمر جیگیا میں تمہارے کسی ”Pei“ (پائو) کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔“

عمر کچھ بول نہیں سکا۔

”جہیں مجھ پر اسے احسان کرنے کا شوق کیوں ہے؟“

”علیہ! میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔“

”تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تمہارا بیٹ فریڈ مجھ سے شادی نہیں کرے گا تو دنیا میں کوئی بھی نہیں کرے گا؟“

”وہ صرف میرا بیٹ فریڈ نہیں ہے، وہ ایک بہترین انسان بھی ہے۔“ عمر نے سنجیدگی سے کہا۔

”بہترین انسان؟ یا جو کے بازار انسان؟“ تمہارا ہر دوست تمہاری ہی طرح جھوٹا اور فرائڈ ہوتا ہے اور ہوتا

بھی چاہیے۔“ علیہ! نے اس بات پر سختی سے تنقید کی۔

”تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ تمہارا غصہ کب ختم ہوگا تاکہ میں تم سے اس وقت بات کر سکوں۔“ عمر نے اس کی

بات کے جواب میں بڑے غصے سے کہا۔

”مجھے اب کوئی غصہ نہیں ہے۔ میرا غصہ ختم ہو چکا ہے۔ میں اس وقت بہت پر سکون ہوں۔ جہیں اعزاز

نہیں ہو رہا؟“

”جینے کے ساتھ اس طرح کر کے جہیں بہت خوش محسوس ہو رہی ہے؟“

”تمہارے دوست کے ساتھ ایسا کر کے مجھے بہت خوش محسوس ہو رہی ہے۔“

”علیہ! وہ اب صرف میرا دوست نہیں ہے۔ تمہارا بھی کچھ تعلق ہے اس سے۔“

”تعلق تھا۔ اب نہیں ہے۔“ اس نے تعلیق سے کہا۔

”اور یہ چیز میں نے تم سے سنی ہے۔ جیگی ہاتھ بٹے ہوئے ہر شے پر تعلق ختم کر دیتا۔“ وہ فون بند کر چکی تھی۔



”ای! ابھی آپ لوگ علیہ کے گھر نہ جائیں۔“

عمر سے فون پر بات کرنے کے بعد جینے نے اندر آ کر اپنی ای سے کہا۔

”کیوں؟“ انہوں نے چونک کر پوچھا۔

”عمر نے ابھی مجھے فون کیا ہے۔“

”پھر؟“

”وہ جانتا ہے کہ آپ لوگ ابھی وہاں نہ جائیں اس نے گرہنی سے بات کی ہے۔ وہ ابھی کچھ دیر تک آپ

کو کال کریں گی۔“

”مگر انہوں نے اس طرح اچانک شادی ملتوی کیوں کی ہے؟“ عمر کے بابا نے پوچھا۔

”یہ تو میں نہیں جانتا۔“

”تم نے عمر سے نہیں پوچھا کہ شادی کیوں ملتوی کی گئی ہے؟“

”عمر کو پتا نہیں ہے۔“

”کیوں؟“ ”تم کہہ رہے ہو اس نے مسر محاذ سے ابھی کچھ دیر پہلے بات کی ہے۔“ جینے چند لمحوں کے

لیے کچھ نہیں بول سکا۔ پھر اس نے کچھ بھگاتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... میں..... اس نے پوچھا تو ہوا مگر شاید گرہنی نے اسے نہیں بتایا۔“

ابراہیم صاحب کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ ”کب فون کریں گی مسر محاذ؟“

”وہ کہہ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد۔“ جینے نے موضوع بدلے جانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

”عمر یہاں لاہور میں ہے؟“

”نہیں بابا! وہ یہاں نہیں ہے۔“

”تو پھر صرف فون پر وہ مسر محاذ سے کیا بات کر سکتا ہے۔ یہ بہتر ہوتا کہ اگر ہم خود وہاں جا کر ان سے

بات کر لیتے۔“

”بابا! عمر نے سنا کیا ہے تو ضرور کوئی بات ہوگی۔ بہتر ہے ہم ابھی نہ جائیں..... ہو سکتا ہے انہیں واقعی کوئی

پر اہم پیش آنی ہو۔“

”ہم لوگ اس پر اہم کے بارے میں ہی تو جانا چاہتے ہیں..... ہو سکتا ہے ہم اس سلسلے میں ان کی مدد کر

سکیں۔“

”بھری مجھ بابا! گرہنی ابھی کچھ دیر میں فون تو کریں گی ہی..... آپ ان سے فون پر بات کر سکتے

ہیں..... وہاں جانا ضروری نہیں ہے.....“ جینے نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔

”اگر وہ کال نہ کرے والی ہوتی تو بہتر ہے کہ ہم گھر پر ہی رہ کر ان کی کال کا انتظار کریں۔“ اس بار ای نے،

مداخلت کی۔ ”اگر بات یہاں ہو جاتی ہے تو زیادہ بہتر ہے۔“

انہوں نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے جینے کی طرف دیکھا۔ ”میں حیران ہوں جینے کہ اس طرح

اچانک انہوں نے فون کیوں شائع کر دیا ہے..... وہ واقعی کوئی سیریس مسئلہ نہیں ہے تو کم از کم مجھے ان کی یہ حرکت،

اچھی نہیں لگی۔ ہم سے پوچھتے بغیر یا ہمیں بتائے بغیر انہیں اس طرح کا کوئی فون نہیں دینا چاہیے تھا۔ محاذ جیسے

خاندان سے میں اس طرح کی چیزوں کی توقع نہیں رکھتا تھا..... مجھے بہت مایوسی ہوئی ہے۔“

جینے نے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ صرف خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ وہ اعزاز کے

تھا کہ اس فون سے انہیں کس طرح کی پریشانی ہوگی۔

”وہ لوگ اتنے غیر ذمہ دار نہیں ہیں..... یقیناً کوئی ایسا مسئلہ ہوگا جس کے بارے میں وہ ہمیں نہیں بتا سکے
دروندہ اس طرح کبھی نہ کرتے۔ ہم تو پھر لڑکے والے ہیں..... وہ تو لڑکی والے ہیں، انہیں یقیناً ہم سے زیادہ ان
باتوں کا خیال ہوگا۔“ جنید کی اہی نے ابراہیم صاحب کی بات کے جواب میں کہا۔

”یہ تو ابھی تمہاری دیر میں پتا چل جائے گا۔“ وہ کہتے ہوئے جنید کی طرف متوجہ ہوئے۔

”تم جاہو تو آفس میں چلے جاؤ۔“

”نہیں۔ آفس جا کر کیا کرے گا، وہاں بھی پریشان رہے گا..... سزا عاز کا خون آتا ہے اور سارا معاملہ سلجھ
جائے تو پھر چلا جائے گا۔“ جنید کی اہی نے مداخلت کی۔

”میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں مگر ان کا خون آئے تو آپ مجھے بتا دیجئے گا۔“ جنید نے واپس مڑتے
ہوئے کہا۔

”جنید! وہ دروازہ کھول رہا تھا جب ابراہیم نے اسے پکارا۔

”وہ واپس مڑا“ یعنی بابا؟“

”کیا واقعی تم نہیں جانتے کہ یہ فوس ان لوگوں نے کیوں چھپوایا؟“ ابراہیم بہت زیادہ عجیبہ نظر آرہے تھے۔

”بابا! واقعی نہیں جانتا کہ یہ فوس انہوں نے کیوں چھپوایا ہے..... ورنہ میں آپ سے کیوں چھپاتا۔“ جنید

کو اس طرح روانی سے سمجھتے ہوئے پرے سے تمنا شرمندگی ہو رہی تھی مگر اس وقت اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

”ٹھیک ہے جاؤ۔“ ابراہیم صاحب نے ایک گہری سانس لیے ہوئے کہا۔

جنید نے کمرے سے باہر نکل کر سکون کا سانس لیا۔ اب وہ دعا کر رہا تھا کہ اس کا جھوٹا افشاں ہو۔

☆☆☆

”ممی! اگر آپ مجھے سمجھانے آئی ہیں تو پلیز یہ کوشش نہ کریں۔“ علیزہ نے غمیزہ کو اپنے کمرے میں داخل

ہوتے دیکھ کر کہا۔ ”میں پہلے ہی آپ کی غامضی سمجھتی ہوں۔“

اس کا اشارہ کچھ دیر پہلے لاؤنج میں ہونے والی گفتگو کی طرف تھا۔ وہ اس وقت اپنے بیڈ کی پشت کے
ساتھ ٹیک لگائے ایک میگزین کھولے بیٹھی تھی۔

”غیمینہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئیں“ نہیں۔ میں تمہیں سمجھانے نہیں آئی۔ تم جنید سے شادی نہیں کرنا چاہتیں
تو نہ کرو۔“

علیزہ نے کچھ حیرانی سے ان کے چہرے کو دیکھا۔

”اگر تم اسے پسند نہیں کر سکتی تو اس سے تمہاری شادی نہیں ہونی چاہیے۔“ انہوں نے سکون سے کہا علیزہ

خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔

”میں تمہاری ماں ہوں علیزہ! مجھ سے زیادہ کسی کو تم سے محبت نہیں ہو سکتی۔“ علیزہ اب بھی خاموش رہی۔

”لگتا ہے تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا؟“ انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا۔

”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔“ علیزہ نے ایک گہری سانس لی۔

”میں نے ابھی تکی سے بات کی تو مجھے پتا چلا۔“

”کس بارے میں؟“

”انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ تم عمر سے شادی کرنا چاہتی تھیں مگر عمر اس شادی پر رضامند نہیں ہوا۔“ علیزہ

سن ہو گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اتنا اس طرح اس بات کے بارے میں غمیزہ کو آگاہ کر دیں گی۔

”وہ میری زندگی کی سب سے بڑی محنت تھی۔“ وہ خود گلائی کے انداز میں بولی۔

”کیوں؟“

”اگر مجھے انسانوں کی ذرا بھی پرکھ ہوتی تو میں کم از کم عمر جیسے انسان کے ساتھ شادی کی کبھی خواہش نہ کرتی۔“

”میں ایسا نہیں سمجھتی علیزہ..... میں جانتی ہوں۔ تم عمر سے محبت کرتی ہو۔“ غمیزہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا

”لیکن دلچسپیاں اور پسندیدہ گیان کبھی نہیں بدلتیں۔“

”میں اس سے محبت کرتی تھی۔“ اس نے ”سچی“ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”وہ شخص اس قابل ہی نہیں ہے کہ

اس سے محبت کی جائے..... وہ دنیا کے بدترین لوگوں میں سے ایک ہے۔“

غمیزہ نے خاموش ہو کر اسے غور سے دیکھا۔

”مگر میں یہ جانتی ہوں کہ عمر سے تمہاری شادی کے بارے میں بات کروں۔“ غمیزہ نے مستحکم انداز میں

کہا۔ علیزہ کو ان کی بات پر کزنٹ لگا۔ اس کے ہاتھ سے میگزین چھوٹ گیا۔

”آپ مجھے دوبارہ بے عزت کرنا چاہتی ہیں۔ میرے لیے ایک دفعہ اس تذلیل اور تکلیف سے گزرنا کافی
ہے۔ بار بار نہیں۔“

”علیزہ تم.....“ غمیزہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی علیزہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

”ممی! میں اس شخص سے اپنی نفرت کوئی نہیں کر رہی کہ آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں..... میں نے صرف اس

کی وجہ سے جنید کو چھوڑ دیا ہے۔ اور آپ جانتی ہیں کہ میں خود اس سے شادی کر لوں..... کبھی نہیں۔“

”کچھ نہیں.....؟“ تم اسے اتنا پسند کیوں کرتی ہو..... اگر وہ پہلے تمہارے لیے اچھا تھا تو اب برا کیسے ہو

گیا..... اگر پہلے تم کسی کو اس سے اپنے پر پزل کے لیے بات کرنے پر مجبور کر سکتی تھیں تو اب کیا ہو گیا ہے کہ میں اس

سے اس معاملے پر دوبارہ بات نہیں کر سکتی۔“ غمیزہ نے اس بار کچھ بلند آواز میں کہا۔

”میں آپ کو بتا چکی ہوں۔ اب سب کچھ تبدیل ہو چکا ہے۔ میں قطعاً کسی صورت عمر سے شادی کرنا

نہیں چاہتی..... مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

”تمہیں عمر کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں جنید کی ضرورت نہیں ہے..... تو پھر تمہیں آخر ضرورت کس کی

ہے؟“ اس بار غمیزہ نے کچھ نمسے سے کہا۔

”مجھے کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے..... میں ہر چیز کے بغیر ہی بہت خوش ہوں۔“

کا ہونا نہ ہو تا میرے لیے کوئی مسکن نہیں رکھتا۔
”کاش واقعی ایسا ہوتا۔“

”ایسا ہی ہے مہی۔ ایسا ہی ہے۔ میں واقعی وہی اور جذباتی طور پر عمر سے بہت دور جا چکی ہوں۔“ اس نے خمیز کو یقین دلانے کی کوشش کی۔ خمیز کو اس کی بات کا یقین آیا یا نہیں۔ بہر حال انہوں نے اس سے کہا۔
”اگر عمر سے نہیں تو پھر تم جینید۔“ طلیزہ نے ان کی بات کاٹ دی۔
”نہیں۔ میں جینید سے بھی کسی طور شادی نہیں کروں گی۔ کسی بھی ایسے شخص سے نہیں جو عمر کو جانتا ہو۔“ اس نے واقف ہو یا جو عمر کا چیتا ہو۔

”جینید بہت اچھا لڑکا ہے۔ تم اسے گنوا کر بچتاؤ گی۔“ خمیز نے اسے ڈرایا۔
”نہیں۔ میں نہیں بچتاؤں گی۔ کم از کم اپنے اس فیصلے پر نہیں بچتاؤں گی۔ بچتا نہ کے لیے پہلے ہی ایک اہتمام جمع ہو چکا ہے میرے پاس۔ آپ تو اس میں اضافہ نہ کریں۔“
خمیز نے کچھ دیر کے بعد خاموشی سے اٹھ کر باہر آ گئیں۔

☆☆☆

”بھائی! بابا بلا رہے ہیں جنہیں۔“ فری نے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے دروازہ کھول کر اسے پیغام دیا۔

”میں آ رہا ہوں۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

”بھائی! یہ سب ہوا کیا ہے۔ ان لوگوں نے اس طرح اچانک شادی ملتوی کیوں کر دی ہے؟“ فری نے پریٹانی سے پوچھا۔

”فری! اب تم لیے جڑے سوال مت شروع کر دینا۔ مجھے کچھ پتا ہوتا تو میں پہلے بتا دیتا۔“ جینید نے کچھ اکتائے ہوئے سبجے میں کہا اور ساتھ ہل دیا۔

”بابا نے اپنی کچھ دیر پہلے طلیزہ کی ناٹو سے بات کی ہے۔“ فری نے اسے اطلاع دی۔ دونوں اب کمرے سے باہر نکل چکے تھے۔

”انہوں نے کیا کہا؟“

”یہ تو مجھے نہیں پتا۔ بابا اور امی نے اپنے کمرے کے فون پر ان سے بات کی ہے۔ مجھے بس یہ پتا ہے کہ انہوں نے خاموشی بھی چڑی بات کی ہے۔“ فری نے بتایا۔

”پھر امی نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو بلا کر لاؤں۔“ جینید نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ وہ چپ چاپ ان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے کا دروازہ کھولنے ان کے چہروں کو دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ سب کچھ ٹھیک نہیں تھا۔

”آؤ بیٹھو۔“ انہما نے اسے دیکھ کر عجیب سے لمحے میں کہا۔ وہ انہیں دیکھتا ہوا سونے پر بیٹھ گیا۔

خمیز اس کی بات پر ٹھٹھک گئیں۔ ”تمہارا اشارہ میری طرف ہے؟“

”میرا اشارہ ہر ایک کی طرف ہے۔“

”طلیزہ! تم آخر مجھ سے اتنی باتیں کیوں ہو۔ میں نے ہمیشہ تمہارا خیال رکھا ہے تمہاری پروا کی ہے۔ جنہیں ساتھ نہیں رکھ سکتی تو اس کی وجہ۔“

طلیزہ نے ان کی بات کاٹ دی۔ ”بلیر می! میں نے آپ سے کوئی شکایت نہیں کی۔ نہ ہی مجھے آپ سے کوئی شکایت ہے اور آپ کو غلط فہمی ہے کہ میں آپ کو برا سمجھتی ہوں۔ میں کسی حوالے سے بھی آپ کو برا نہیں سمجھتی۔ ہر شخص کو زندگی میں Wise Choice کرنی چاہیے۔ آپ نے بھی Wise Choice کی اور ٹھیک کیا۔ میں آپ کو کسی لحاظ سے قصور دار نہیں سمجھتی۔“ طلیزہ کی آواز دھکی ہو گئی۔

”نہ آپ کو۔ نہ پاپا کو۔ اس لیے آپ اس طرح سوچیں بھی مت۔“

”تو پھر تم میری بات کو ایسا دیکھتے ہیں جیسے؟“ خمیز نے فوراً کہا۔

”جتنی اہمیت مجھے دینی چاہیے۔ میں دیتی ہوں۔ مگر آپ ایک نامناسب اور ناممکن بات کہہ رہی ہیں جو میرے لیے ممکن نہیں ہے۔“

”عمر کے بارے میں بات کرنا نامناسب کیسے ہے؟“ خمیز نے اکتڑ انداز میں کہا۔

”آپ اگر اس سب سے گزری ہو تو، جس سے گزر رہی ہوں تو آپ کو اندازہ ہو جاتا کہ عمر کے بارے میں بات کرنا نامناسب کیوں ہے۔“

”بھائی کو بھول جاؤ طلیزہ۔“

”میں بھائی کو بھول چکی ہوں کی۔ اس لیے تو مجھے یہ بھی یاد نہیں ہے کہ مجھے عمر سے محبت تھی۔ میرے لیے وہ صرف ایک کزن ہے۔“

”طلیزہ! میں چاہتی ہوں، تم بہت اچھی زندگی گزارو۔“

”عمر کے ساتھ میں ابھی زندگی نہیں گزار سکتی۔ آپ ایسا سوچتی ہیں تو غلط سوچتی ہیں۔“ طلیزہ نے حتی انداز میں کہا۔

”مجھے ایک بار اس سے بات تو کرنے دو۔“

”قائدہ۔ مجھے عمر سے شادی نہیں کرنا۔ کسی طور بھی نہیں کرنا۔ میں اس کے ساتھ اپنی زندگی ضائع نہیں کر سکتی۔“

”مجھے یقین نہیں آتا طلیزہ کہ ایک بار محبت کرنے کے بعد تم پر اتنے دھڑلے سے کہہ سکتی ہو کہ جنہیں اس سے محبت نہیں ہے۔“

”میں اس سے بھی زیادہ دھڑلے سے آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ مجھے آپ واقعی اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دنیا صرف عمر سے شروع ہو کر عمر پر ختم نہیں ہو جاتی۔ میں اسے اپنی زندگی سے اٹھا کر باہر پھینک چکی ہوں۔ اس

”سز معاذ ہے بات ہوئی ہے ابھی میری۔“ انہوں نے بخیر کسی تہجد کے کہا شروع کر دیا۔

”یہ توں علیہ نے شائع کر دیا ہے۔“ دور کے۔“ جنید انہیں دیکھتا رہا۔

”انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ تہارے اور علیہ کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا تھا اور علیہ نے اس جھگڑے کی بنا پر یہ لوں شائع کر دیا ہے۔“ علیہ نے انہیں جھگڑے کی جو بیس بتائی۔ اب وہ حسرت سے ہانا پاتا ہوں۔“

وہ ساکت ہو گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا جو بات وہ خود ان سے چھپا رہا تھا۔ وہ انہیں ناؤ سے پتا چل جائے گی۔ اس کا خیال تھا۔ ناؤ کوئی ہانا نہ تھیں گی۔

”تم سے میں نے پوچھا تو تم نے صاف کہہ دیا کہ تہار کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ میں یہ توقع نہیں کر سکتی تھی کہ جنید! تم میرے اور اپنے بابا سے جھوٹ بولا گے۔“ جنید کی ای سی تانسف سے کہا۔

”ای! میرا اس سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ تھوڑی سی غلطی ضرور ہوئی تھی مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس جھوٹی سی غلطی پر اتنا بڑا قدم اٹھا سکتا ہے۔“

”کوئی بھی لوگ ایسی بےوقوف نہیں ہوتی کہ کسی چھوٹی سی غلطی پر اتنا بڑا قدم اٹھا لے۔ اور پھر میں علیہ سے یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس طرح کے فیصلے کر سکتی ہے۔ بات یقیناً معمولی نہیں ہو گی۔“ ابراہیم صاحب نے اس کی بات کو مکمل طور پر رد کرتے ہوئے کہا۔ ”بہر حال تم بات بتاؤ۔ اس کے بعد ہی میں یہ طے کر سکتا ہوں کہ یہ معمولی سی غلطی ہے یا نہیں۔“

”بابا! وہ عمو کو بہت پاپند کرتی ہے۔۔۔۔۔۔ آپ بھی جانتے ہیں۔“ جنید نے سوچ سوچ کر بولنا شروع کیا۔

”وہ تو میں دن پہلے میں اسے شاپنگ کے لیے ساتھ لے کر گیا تھا۔ وہاں اس نے مجھ سے عمر کے ساتھ دوٹی ختم کر دینے کو کہا۔ میں نے عمر اور اس کے درمیان ناراضی دور کرنے کی کوشش کی۔۔۔۔۔۔ اور میں نے اسے بتایا کہ عمر اس کا بہت خیال رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ میری شادی کرانے میں بھی عمر کی خواہش کا دخل تھا۔“

”کیا مطلب؟“ جنید کی ای یکدم حیران ہوئی۔ ”عمر کا کیا دخل ہے تم دونوں کی شادی میں؟“

”ای! عمر نے ہی مجھے علیہ سے ملوایا تھا۔۔۔۔۔۔ اس کی خواہش تھی کہ میں اس کے خاندان میں شادی کروں۔۔۔۔۔۔ وہ وہاں تھا کہ ہماری فیملی اور قریب آ جائیں۔ علیہ مجھے بھی ابھی کہی۔۔۔۔۔۔ اسے میں نے اس سے شادی کا فیصلہ کیا۔ اس دن میں نے علیہ سے یہی کہا کہ میں عمر سے دوٹی ختم صورت نہیں چھوڑ سکتا۔ اسے یہ بات بری لگی مگر میں نے اسی وقت اس سے معذرت کر لی تھی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اسے یہ بات اس حد تک بری لگے گی۔“ اس بار جنید کا رو بہ معذرت خواہ تھا۔

”تھیں اس سے اس طرح کی فضول باتیں کرنے کی ضرورت کیا تھی۔“ یکم ابراہیم نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔ ”بلکہ عمر کے ساتھ اپنی دوستی یا تعلق کو ذریعہ بحث لانے کی ہی کیا ضرورت تھی جب تم یہ بات ابھی طرح جانتے تھے کہ وہ یہ سب پاپند کرے گی۔“

”کم از کم تمہیں یہ سب باتیں صحیح ہی ہیں بتا دینی چاہیے تھیں۔۔۔۔۔۔ جھوٹ کیوں بولا تم نے؟“ ابراہیم

عمیرہ احمد صاحبہ کی ناولز پڑھنے کے لئے ایپی وزڈ کریں

صاحب کی پریکٹس ایک دم یکدم ہو گئی۔

معاملے کی نوعیت اتنی تشویش ناک نہیں تھی جتنی وہ سمجھ رہے تھے۔

”فرخانہ! تم علیہ کے ساتھ اس سارے معاملے پر خود بات کرو بلکہ جنید کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی ناراضی دور ہو جائے گی۔“ انہوں نے اس بار جنید کی ای سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

”آپ ساتھ نہیں بیٹھیں گے؟“

”میں ساتھ تو جاؤں گا مگر یہ اپنا بچکا نہ معاملہ ہے تم خود اس کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھا سکتی ہو۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس طرح فیصلے میں آکر اس طرح کی حماقت کرے گی۔ اسے فہم یا ناراضی تھی جسی تو اسے ہم لوگوں سے اس معاملے پر بات کرنی چاہیے تھی یا سز معاذ سے ڈسکس کرنی اور اس میں سارا قصہ دہرا رہے تھیں

آخر اس طرح کی بات اس سے کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ تم عمر کے کہنے پر اس سے شادی کر رہے ہو۔“ وہ ایک بار پھر جنید سے بات کرنے لگے۔

”اگر اسے عمر پاپند ہے تو تمہیں اس پر یہ بتانے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ تمہارے لیے علیہ سے زیادہ اہم ہے۔“

”بابا! میں نے یہ نہیں کہا تھا میں نے تو۔۔۔۔۔۔ ابراہیم نے جنید کی بات کاٹی دی۔

”تم نے کہا ہو نہیں مگر اس نے تمہاری بات کو اسی طرح لیا ہے۔“

”ہم سے تم یہ کہتے رہے کہ علیہ کو یہ نہ بتائیں کہ تم کو ہم عمر سے واقف ہیں یا عمر کا اس گھر میں آنا جانا ہے اور خود تم نے اس سے یہ کہہ دیا کہ تم اس سے عمر کی خاطر شادی کر رہے ہو۔“

”قوی! آپ نے دیکھا یا مجھے اس کو یہ بتانے کا نتیجہ بھی بھینستا پڑ رہا ہے۔ مجھے اس سے اسی بات کا اندیشہ تھا کہ وہ بہت ناراض ہوگی مگر اسے عمر سے میری دوستی کا پتا چل جاتا تو۔“

”اب اس بات پر بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ختم کرو اسے۔“ ابراہیم صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”میں نے سز معاذ سے کہا ہے کہ تم شام کو ان کی طرف آئیں گے۔“

”پھر میں کچھ چار ہوں۔ بابا! کیا آپ بیٹھیں گے؟“ جنید نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”ہاں میں بھی چلا ہوں، آج واقعی بہت دیر ہو گئی ہے۔“

ابراہیم صاحب بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”فرخانہ! تم کسی اور کا فون آنے پر بھی ان سے یہی کہتے رہتا کہ علیہ کی ای کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے شادی کچھ آگے کر دی گئی ہے۔“ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک بار پھر ہدایت کی۔

☆☆☆

”علیہ! اسکندر کا فون آیا ہے، آکر اس سے بات کرو۔“ ناؤ نے علیہ کے کمرے کا دروازہ کھول کر اسے

اطلاع دی۔

”میں ان سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ آپ انہیں بتادیں۔“

”میں تو کسی کو کوئی وضاحت نہیں دوں گی جو بھی کہتا ہے، تم خود آ کر اس سے کہو۔ جب نوٹس دینے کی جرأت کر لی ہے تو پھر نوٹوں سے بات کرنے کی بھی جرأت پیدا کرو۔“ نانو نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”میں تو ہر فون آنے پر تمہیں ہی بلاؤں گی۔ کیونکہ یہ نوٹس تمہارا دیا ہوا ہے۔ پھر میں تمہاری طرف سے وضاحتیں کیوں دوں۔ یہ کام بھی تم خود ہی کرو تا کہ تمہیں احساس ہو اس بے عزتی اور شرمندگی کا جس کا سامنا میں کر رہی ہوں۔“

علیہ وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

لاڈلج میں آ کر اس نے فون کا رسیور اٹھایا اور دوسری طرف کی کوئی بات سننے بغیر بولتی گئی۔

”ہاں بابا! وہ نوٹس میں نے دیا ہے کیونکہ میں جینے سے شادی نہیں کرنا چاہتی..... اور شادی اس لیے کرنا نہیں چاہتی کیونکہ وہ مجھے پسند نہیں ہے اور آپ ان تمام معاملات کے بارے میں پریشان نہ ہوں۔ بالکل اسی طرح جس طرح آپ پہلے کسی پریشان نہیں ہوئے۔“

اس نے اپنی بات مکمل کی اور فون کا رسیور ہٹا دیا۔ اس کی آنکھیں مچلی ہو رہی تھیں۔ نانو لاڈلج کے دروازے میں کھڑی اسے دیکھتی رہیں۔ وہ بات ختم کرنے کے بعد کچھ بھی کہے بغیر واپس مڑی اور تیز قدموں کے ساتھ ان کے پاس سے گزرتی ہوئی لاڈلج سے باہر نکل گئی۔

”اگر کسی کا بھی فون ہو تو آپ مجھ سے بات کر دیاں۔ میں سب سے بات کر لوں گی۔ آخر آپ کو باہمی کو میری وجہ سے یہ زحمت کیوں کرنی پڑے، آپ ٹھیک کہتی ہیں۔“

نانو نے اپنے پاس سے گزرتے ہوئے علیہ کو کہتے سنا۔ انہوں نے مڑ کر اسے کوریڈور میں سے گزرتے ہوئے دیکھا۔



باب ۵۳

”تم آخر کرنا کیا چاہتے ہو عمر؟“ ایاز حیدر فون پر درشت لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ”آخر کتنی بار مجھ تک تمہاری شکایات آئیں گی۔ اب تو مجھے بھی شرمندگی ہوتی ہے جب میں تمہارے سینکڑوں سے تمہارے بارے میں بات کرتا ہوں۔ ہر بار میں ان سے کہتا ہوں کہ میں تمہیں سمجھا دوں گا..... اور ہر بار تم حواست کی حد کر دیتے ہو۔“ عمر خاموشی سے ان کی بات سن رہا تھا۔

ایاز حیدر نے ابھی آٹھ دیر پہلے اس کو آنکس میں فون کیا تھا اور وہ اسے جھڑک رہے تھے۔ معاملہ پھر کرگل حیدر والا ہی تھا۔ عمر کے بارے میں ایک بار پھر ادھر شکایت کی گئی تھی اور آئی بی نے ایک بار پھر ایاز حیدر سے بات کی تھی۔ اس بار وہ سے حد ناراض تھے اور انہوں نے ایاز حیدر کو بتا دیا تھا کہ وہ اب زیادہ سرے تک عمر کی حمایت نہیں کر سکیں گے۔ وہ عمر کی فراسف کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے پاس عمر کی فراسف کے احکامات آئے تھے۔ انہوں نے اس معاملے میں ایک بار پھر عمر سے بات کرنے کے بجائے ایاز حیدر سے بات کرنا ضروری سمجھا اور اب ایاز حیدر اس سے بات کر رہے تھے۔

”بالکل وہ شخص اس قدر بدتمیز تھا کہ.....“ عمر نے کچھ کہنے کی کوشش کی، ایاز حیدر نے غصے کے عالم میں اس کی بات کاٹی۔

”وہ شخص بدتمیز تھا تو تم بڑے تیز والے ہو۔ تم اس سے بھی بدتر ہو۔ وہ تو صرف بدتمیز تھا۔ تم تو ذرا اور ڈال بھی ہو۔“

”اگر آپ اس سے بات کرتے تو میری طرح آپ کو بھی غصہ آتا۔“

”آؤ ضرور آتا..... مگر میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ مجھے کب، کہاں، کس کے سامنے اپنا غصہ دکھانا ہے اور کس سے غصہ چھپانا ہے۔ تمہاری طرح ہر آدمی کے ساتھ مجھڑاؤں اور ڈانٹیں کر سکتا۔“

”جو بھی ہو بالکل.....! میں کسی کے باپ کا ملازم نہیں ہوں کہ کوئی مجھ پر چلائے اور وہ بھی ایسا شخص جس کو میں جانتا تک نہیں۔“

”تو برداشت نہ کرنے کا نتیجہ دیکھ لیا ہے تم نے..... فرانسفر کے آرڈر آؤے والے ہیں تمہارے۔“

”اے دیس، میں چارن نہیں چھوڑوں گا۔“ عمر کوٹیش اُٹھ گیا۔

”فرانسفر آرڈر کے بجائے تم اپنے لیے Suspension orders (معتل) چاہتے ہو یا پھر

termination-

”جو مرضی ہو جائے، میں اس طرح چارن نہیں چھوڑوں گا۔“

”تم آخر چاہتے کیا ہو عمر..... کیوں کسی کے ساتھ بنا کر رکھنا نہیں آتا تمہیں۔ کسی نہ کسی کو تم نے اپنے پیچھے لگا ہوا ہے۔ پہلے پریس والا تھا تھا۔ اب فوج کے ساتھ جھگڑا موصول ہے رہے ہو۔ پتا ہوتا چاہیے تمہیں کہ آج کل ہر کام کئی احتیاط سے کرنا چاہیے ورنہ تم خود تو ڈوبو گے، ساتھ ہی بھی ڈوبو گے۔“

”میں جتنی احتیاط کر سکتا تھا کر چکا ہوں مگر ان لوگوں کو اپنے علاوہ کوئی ایسا اور پاک صاف لگتا ہی نہیں۔ ہم بھی آفیسر ہیں، کوئی کمبل لٹائے کے لیے نہیں بیٹھے ہوئے۔ کام کر رہے ہوتے ہیں، ان کا جب دل چاہتا ہے منہ اٹھا کر میرے آگس میں آ جاتے ہیں۔ مجھ پر چلائے ہیں۔ اگر وہ کرگل ہے تو اسے بھی میرے ریک کا لحاظ ہونا چاہیے۔“ عمر شہید ہنسنے میں تھا۔

”اسے پتا ہوتا چاہیے کہ مجھ سے کس طرح بات کرنی چاہیے۔ وہ کسی پولیس کا ٹیبل سے بات کر رہا تھا کہ اس طرح اس پر چلاتا اور وہ بھی اس صورت میں جب ٹیبل اس کی اپنی کسی اس کا بیڑا پھٹا بلکہ مجرم تھا۔“

”تمہیں معمولی باتوں پر اتنا مشتعل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”اگلے مشتعل ہونے کی بات نہیں ہے۔ میں نے کس طرح اس کے بیٹے کی رہائی کے بعد وہاں مشتعل ہجوم کو کنٹرول کیا ہے۔ آپ یہاں موجود ہوتے تو آپ کو اندازہ ہوتا ہجوم کے اشتعال کا، وہ لوگ پولیس فٹنشن کو آگ لگا دیتا چاہتے تھے اور بالکل جگر کا چاہتے تھے۔ ان کی جگہ میں بھی ہوتا تو یہی کرتا۔ ایک پچھڑا بی کر گاڑی کا ایکسٹنٹ کر کے ایک آدی کو مار دیتا ہے اور اس شخص کے لواحقین کی آنکھوں کے سامنے ایک فون آئے پر اس بچے کو کسی پوچھ گچھ کے بغیر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ واقعی صرف یہاں ہی ہو سکتا ہے، اس کے باوجود میں نے اس ہجوم کے پاس خود جا کر اس نے مذکر اٹکیے۔ پتا نہیں کتنے جھوٹ بول کر ان کا غصہ بخٹھا کیا اور اس آدی کی لاش کو دفنانے پر مجبور کیا اور وہ وہ لوگ اسے گورنر ہاؤس کے باہر لا کر رکھ دیتا چاہتے تھے۔ اس کے باوجود آپ مجھے بتا رہے ہیں کہ میرے فرانسفر کے آرڈر آئے ہیں۔“

”اچھا، میں نے تمہاری تقریریں سننے کے لیے تمہیں فون نہیں کیا، میں صرف یہ بتا دیتا ہوں تمہیں کہ تم کرنل حیدر سے معاملت کرو۔ اپنے اس مسئلے کو خوش اسلوبی کے ساتھ حل کرو۔“ ایاز حیدر نے ایک بار پھر اسے ٹوٹے ہوئے کہا۔

”کمال ہے جتنے آپ بھی۔“ عمر کوٹیل ان کی بات پر جیسے پچھتے لگے۔

”معافت اسے مجھ سے کرنی چاہیے یا مجھے اس کے ساتھ۔ اگر اس سارے معاملے میں کسی نے بدگیری

کی ہے تو وہ میں نہیں کرنل حیدر ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں اس کے ساتھ معاملت کروں۔“

”اچھا فرض کرو کہ کرنل حیدر نے ہی تمہارے ساتھ بدگیری کی ہے..... پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”کیوں فرق نہیں پڑتا..... یہ اس کی ٹیبل ہے وہ اسے ٹھیک کرے۔ وہ مدھرت کرے۔“

”اور وہ ایسا بھی نہیں کرے گا کیونکہ اس کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”تو میں بھی ایسا بھی نہیں کروں گا کیونکہ مجھے بھی ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”تم مجھے مجبور کر رہے ہو عمر کہ میں آئی جی سے کہوں کہ تمہیں فرانسفر آرڈر نہیں ملے گا۔“ Termination

لیو بھگوا میں۔ لکھنہ سارے خلاف کوئی آگواڑی کروا نہیں آتا اس کا قائل نہیں ہو کر تمہاری مدد کی جائے۔ میں تمہیں برائے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم اپنی کواں میں مصروف ہو۔“

ایاز حیدر اس کے جواب پر یک دم ہلکڑا اٹھے۔ عمر نے اس بار کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خاموش رہا۔

”تم پورے خاندان میں واحد ہو۔ جس کے لئے مجھے اتنی باتیں اس طرح کی وضاحتیں اور مدد میں کرنی پڑ

رہی ہیں۔ ورنہ نہ تو کوئی بڑی آسانی سے ہر طرح کے سیٹ اپ میں ایڈجسٹ ہو جاتا ہے۔ صرف تم ہو جسے کسی بھی سے

ٹھکانا شروع ہو جاتی ہیں اور کبھی کسی سے۔“ وہ اب بلند آواز میں دھاڑ رہے تھے۔

”آخر تک میں تمہاری پشت پناہی کرتا رہوں گا۔ تک تک تمہیں پتا رہوں گا کہ تمہیں نہ صورت حال

کی گتینی کا احساس ہوتا ہے نہ اپنی اور کسی کی عزت کا۔ تمہیں ہر دکان نہیں ہے کہ میں تمہارے لئے اپنا کتا وقت ضائع کر کے تمہیں فون کر رہا ہوں تو پھر مجھے کیا ضرورت ہے تمہیں عقل دینے کی۔ جاؤ ڈوبو۔ مائی ناٹ.....“

انہوں نے دوسری طرف سے بڑے ہنسے کے ساتھ فون چا۔ عمر بہت دیر تک ریسپور ہاتھ میں لے بیٹھا

رہا۔ ایاز حیدر کے اس طرح مشتعل ہونے سے اسے اس بات کا اندازہ تو اچھی طرح ہو گیا تھا کہ اس بار معاملہ خاصا

خراب ہے۔ ورنہ ایاز حیدر اس سے اس طرح بات نہ کرتے۔ وہ واقعی پوری جلی کے لئے گاڑ فادر کی طرح تھے۔ ہر

معاملے میں وہ اپنے خاندان کے مفادات کے تحفظ کے لئے کسی حد تک بھی جا سکتے تھے اور کم از کم یہ ایسی چیزیں تھیں

جس نے انہیں کبھی پریشان کیا ہو جس کی وجہ سے وہ کبھی احساس ندامت کا مظاہرہ نہ کرتے۔ ہوں اور اب اگر وہ عمر کے

معاملے پر اس طرح غصہ بخٹھا رہے تھے تو یقیناً اس بار انہیں عمر کا دفاع کرنے میں واقعی کچھ وقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

عمر جاکر کم از کم اتنا نزدیک ضرور تھا کہ اسے اس بات کا اندازہ ہو جاتا اور وہ اتنا افسس یا بھڈتا بھی نہیں

تھا کہ اپنی جاب کو اس طرح بھڈتا ہے کہ اس کو کھاتا۔ فون کا ریسپورڈ کر کر وہ کچھ دیر تک اس سارے معاملے کے

بارے میں سوچتا رہا۔ ایاز حیدر کو اس کی پشت سے ہاتھ اٹھالیں اس کے لئے واقعی خاصا مہنگا بات ہو سکتا تھا۔ عمر انہیں

اس وقت طور کی دہ بارہ فون کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ وہ غصے میں دہ بارہ اس سے بات کرنا پسند نہ کرتے۔ مگر

اس کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ ایک بار ان سے اس سارے معاملے پر گفتگو کرتا۔

اس نے ایک گھنٹے کے بعد ایاز فون کیا۔ ان کے پی اے نے چند منٹوں کے بعد ایاز حیدر سے اس کا

رابطہ کر دیا تھا۔

”جی عمر جہانگیر صاحب! آپ نے کیوں زمت فرمائی ہے یہ کال کرنے کی؟“ ایاز حیدر نے اس کی آواز سننے ہی طفر! کیا تھا مگر اس کے باوجود عمر جانتا تھا کہ وہ اس وقت فیسے نہیں تھے۔ ان کے کال رسیور کھیلنے کا مطلب یہی تھا۔

”انگل! آپ کیا چاہتے ہیں، میں کیا کروں؟“ عمر نے بڑی تنبیہ کی سے کسی تنبیہ کے بغیر ان سے پوچھا۔
 ”میں چاہتا ہوں کہ تم کمرل حیدر سے ملو۔ اس سے معذرت کرو، ہر سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔“
 ”اور اگر اس نے مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا تو؟“

”نہیں کرے گا۔“ میں اس پر بھی کچھ پریشر ڈالوں گا۔ تم بہر حال اس سے ملاقات تو کرو۔“
 ”ٹھیک ہے، میں اس سے مصالحت کی کوشش کرتا ہوں۔ پھر میں آپ کو مطلع ہوں کہ کیا ہوا؟“
 ”مجھے اس کے بارے میں جلدی انتظام کرنا اور ہاں یہ طریقہ سے کسرال دالوں نے شادی کی تاریخ کو آگے کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے، تمہارا تو رابطہ وہاں ان کے ساتھ؟“

ایاز حیدر نے..... موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ ”عمر یک دم ہنگامہ کر گیا۔“
 ”میں نڈر پیچھے میں نوٹس پڑھ کر حیران رہ گیا۔ میں نے تو مئی سے کہا ہے کہ انہیں اس طرح نوٹس دینے سے پہلے مجھ سے بات کر لینی چاہیے تھی“ وہ عمر کو تارہہ تھے۔

”جید کے گھر والوں کو پہلے ہی شادی کی تاریخ سوچ سمجھ کر رکھنی چاہیے تھی۔ بعد میں اس طرح تبدیلی تو بہت نامناسب بات ہے۔“

”آپ کی گرتی سے بات ہوئی ہے؟“
 ”ہاں بڑی لمبی بات ہوئی ہے۔ میں پریشان ہو گیا تھا نوٹس دیکھ کر..... پھر انہوں نے ہی مجھے بتایا کہ جید کے گھر والوں نے شادی کے اتوار کی درخواست کی تھی۔ جنہیں پتا ہے اس بات کا؟“
 ”ہاں میری جینید سے بات ہوئی تھی۔“ عمر نے گول مول انداز میں کہا۔
 ”پھر.....؟“ ایاز حیدر تقریباً تفسیلات چاہتا چارہہ تھے۔

”یکدم ہی جس طرح ہر لمحہ آگے نہیں۔ اس کی بہن کو کچھ مہنتوں کے لیے سکا پور مانا جانا تھا۔ خود اس کے ایک دو پرنٹس کی ڈش کا مسئلہ ہونے لگا۔ اس کے کچھ دوسرے رشید دار بھی ان دنوں باہر سے نہیں آ سکتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے بہتر سمجھا کر ایک ماہ کے لیے شادی آگے کر دی گئی۔“

عمر نے کیے بعد دیگرے جھوٹ بھروسہ بولتے ہوئے کہا۔ ”ناٹو نے قیضا علیہ کو بھانے کے لیے اس نوٹس کو جینید کے گھر والوں کے سر قوپ دیا تھا۔ یہ خوش قسمتی ہی تھی کہ ایاز حیدر نے سید صاحبہ کے گھر فون کر کے اس کے والدین سے بات نہیں کی تھی۔ ورنہ اس جھوٹ کا انکشاف ہو جاتا۔ وہ شاید عمر کے معاملے میں اچھے ہونے کی وجہ سے اس طرف اتنا دھیان نہیں دے پائے تھے۔“

”جینید نے مجھ سے یہ سب کچھ وکس کیا تھا بلکہ اس نے پوچھا تھا کہ اگر شادی کو آگے کر دیا جائے تو

ہماری جلی کوٹنی، اعتراض تو نہیں ہوگا میں نے گرتی سے بات کی تھی۔ پھر میری بھئی ہو کر شادی آگے کر دی گئی۔“
 ”اچھا عمر میری نے تو مجھ سے کہا ہے کہ انہوں نے اچانک ہی درخواست کی تھی۔ یہ تو انہوں نے نہیں بتایا کہ تم نے ان سے اس مسئلے میں بات کی تھی۔“ ایاز حیدر نے کہا۔

”مگر میری کے ذہن میں نہیں رہا ہوگا اور جہاں تک ریکوریٹ کی بات ہے تو وہ انہوں نے اچانک ہی کی تھی۔ ورنہ پہلے تو وہ بھی تیار ہیں میں ہی مصروف تھے۔“ عمر نے گول مول بات کی۔

”میں آج فون کروں گا ابراہیم کو، اس معاملے پر اگر تنویری بہت بات ہو جائے تو اچھا ہے۔“
 ”انگل ابراہیم تو کونڈھ گھسے ہوئے ہیں۔“ عمر نے بڑی رسائیٹ سے کہا۔

”کل رات میں جینید سے بات کر رہا تھا تو اس نے مجھے بتایا تھا۔ وہاں کی ٹیک کی بلڈنگ کا پراجیکٹ ہے۔ جینید بھی دو چار دن تک وہیں جا رہا ہے۔ آپ آگلی فرحانہ سے بات کر لیں۔“ عمر نے آخری جملہ ادا کرتے ہوئے رسک لیا تھا۔

”نہیں، ان سے کیا بات کروں گا۔ ابراہیم کو آئے دو پھر ان ہی سے بات کروں گا۔“ حسب توقع ایاز حیدر نے کہا۔

”اچھا پھر تم مجھے کمرل حیدر سے اپنی ملاقات کے بارے میں جلد انتظام کرو۔“ وہی الوداعی کلمات کے ساتھ انہوں نے فون رکھ دیا۔

عمر کچھ دیر گہری سوچ میں مگم رہا۔ پھر اس نے اپنے بی اے کو کمرل حیدر سے کالنگٹ کروانے کا کہا۔
 وہ ایک فائل چیک کر رہا تھا جب بی اے نے اسے فون پر اطلاع دی۔

”سرا اگر کمرل حیدر کا پریٹر کہہ رہا ہے کہ آپ کون سے کیا بات کرنی ہے؟“
 ”اس سے کہو کہ میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں میں نے یہی کہا تھا مگر وہ پوچھ رہا تھا کہ آپ کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے وہ بات بتائیں۔“
 ”اپنے اپنے کہو کہ میں اس کو بات نہیں تاکہ سک۔ وہ کمرل حیدر سے میری بات کروائے۔“ عمر نے کچھ سختی سے اسے ہدایت دی۔

”کچھ دیر بعد فون کی جھنکی ایک بار پھر بجی۔“ سرا وہ کہہ رہا ہے کہ جب تک آپ بات نہیں بتائیں گے وہ کمرل حیدر سے آپ کا رابطہ نہیں کر سکتا۔“ عمر کو اندازہ ہو گیا کہ کمرل حیدر اسے پریٹر کے ذریعہ جک کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔
 ”اس سے کہو کہ صاحب کمرل حیدر سے کوئی ذاتی بات کرنا چاہتے ہیں۔“ عمر نے اپنے فیسے کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

”کچھ دیر کے بعد بی اے نے ایک بار پھر اس سے رابطہ کیا۔“
 ”سرا وہ کہہ رہا ہے کہ کمرل حیدر دفتر میں ذاتی باتیں نہیں کرتے۔“

”تو پھر اس سے کہو کہ وہ ان کے گھر کا نمبر دے دے۔“ بی اے نے کچھ دیر بعد اس سے کہا۔

”سراوہ کبہ رہا ہے کہ صاحب کا گھر کا نمبر ہر ایرے غیرے کے لیے نہیں ہوتا۔“ اس بار بی اے نے اے کے کچھ جھینکے ہوئے تنکے کرل حید کے بی اے کے الفاظ پہنچانے تھے۔

”بات کراؤ میری اس آپرے سے۔“ اس بار عمر کا بیٹا لیریز ہو گیا۔

”میں سرا“ بی اے نے مستعدی سے کہا۔

چند منٹوں کے بعد عمر نے دوسری طرف کسی کی آواز سنی۔

”اٹس بی بی مٹی عمر جہا نگیر بات کر رہا ہوں۔ کرل حید سے بات کراؤ۔“ عمر نے کھردرے لہجے میں کرل حید کے بی اے سے کہا۔

”سراوہ ابھی کچھ دو پہلے آؤں سے نکل گئے ہیں۔“ اس بار کرل حید کے آپرے کا لہجہ مودب تھا شاید یہ عمر کے حید سے زیادہ اس کے لہجہ کا تھا۔

”کب واپس آئیں گے؟“ عمر نے اسی انداز میں پوچھا۔

”سرا! یہیں چلا، دو ٹیم کے ساتھ گئے ہیں۔“

”میں کل صبح ان سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”سرا! آپ یہ بتادیں کہ آپ کس سلسلے میں ان سے ملنا چاہتے ہیں۔“

عمر نے اس کو بات مکمل نہیں کرنے دی۔

”یہ جانتا تھا ہمارا پلیم نہیں ہے۔ میں ایس بی ہوں، کسی بھی سلسلے میں ان سے بات کر سکتا ہوں۔“ اس بار عمر کا لہجہ اتنا کھردرا اور کھسانہ تھا کہ بی اے نے کچھ ہلکا تو ہوئے کہا۔

”تو سرا! پھر آپ اپنا پائنٹ لے لیں۔“

”اپنا پائنٹ میرا بی اے ملے طے کرے گا تمہارے ساتھ، میں نہیں۔“

عمر نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا اور پھر اپنے بی اے کو کرل حید کے آپرے کے ساتھ بات کرنے کے لیے کہا۔ کچھ دیر بعد بی اے نے اسے اگلے دن کی اپنا پائنٹ کی تفصیل بتادی تھی۔

☆☆☆

”سبے دونی کی باتیں مت کیا کرو طیزو! وہ کیا تم نے طے کر رکھا ہے کہ۔“

طیزو نے منہ کے عالم میں شہلا کی بات کاٹ دی۔ ”تم میرے سامنے ناو کے جھلے مت دہراؤ۔ میں جگ آچکی ہوں اس طرح کے جھلے سن کر۔“

شہلا ابھی کچھ دو پہلے ہی طیزو کے پاس آئی تھی۔ اس نے بھی اخبار میں دو ٹوں بڑھ لیا تھا، وہ کوشش کے باوجود فون پر طیزو سے رابطہ نہیں کر سکی۔ پھر وہ کچھ پریشانی کے عالم میں خود اس کے گھر چلی آئی تھی اور اب وہ طیزو کو سمجھانے کی کوشش میں مصروف تھی۔

”یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔“ شہلا اس کے منہ سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔

”آخر اس سارے معاملے میں جنید اور اس کی ٹیلی کا کیا قصور ہے بلکہ عمر کا بھی کیا قصور ہے۔ اس نے ایسا کون سا غلط کام کر دیا ہے جس پر تم اس طرح ناراض ہو رہی ہو۔“

”تمہارے خیال میں یہ غلط کام ہی نہیں ہے؟ تمہارے نزدیک تو پھر کوئی بھی غلط کام نہیں ہوگا۔“

”عمر نے کیا کیا؟ اس نے تمہیں جنید سے ملوایا، تم نے خود اس کو پسند کیا۔۔۔۔۔ اور پھر تمہاری ہی مرضی کے مطابق اس نے تمہاری شادی ہو رہی تھی۔“

”عمر سے کس نے کہا تھا کہ وہ مجھے جنید سے ملوائے، میرے ساتھ اتنی ہور دی کرنے کی کیا ضرورت تھی اسے؟ غلط جانی کر کے اس نے میرے ساتھ دھوکا کیا۔ کیا میرے اور اس کے درمیان اتنے ایسے تعلقات تھے کہ وہ اپنے بیٹ فرینڈ کو میرے لیے اس طرح پیش کر تا اور وہ بھی ایسا دوست جو صرف اس کے کہنے پر مجھے اپنے گلے میں لگا رہا تھا۔“

”طیزو! واکم اتال کرتی ہو۔ جنید تمہیں کیوں گلے میں لٹکائے گا۔ تمہاری طرح اسے بھی ایک لڑکی سے ملوایا گیا۔ اسے تم پسند آئیں اس لیے وہ تم سے شادی کر رہا تھا۔ کوٹ شپ اور کے کہتے ہیں۔ ہماری ٹیلی ویژن میں اسی طرح لڑکے لڑکی کو آپس میں ملوایا جاتا ہے۔ ملوانے والا کون ہے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اہم چیز تو یہ ہے کہ جس سے ملوایا جا رہا ہے وہ کیسا ہے اور کم از کم میں یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ عمر نے تمہیں کسی غلط آدمی سے نہیں ملوایا۔ تمہارے نزدیک عمر کا دوست ہونے کے علاوہ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے اور یہ ایسی خرابی ہے جو تمہارے علاوہ کسی دوسرے کو نظر نہیں آئے گی۔“

”ہر چیز اس طرح نہیں ہے جس طرح تم میرے سامنے پیش کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ عمر نے جنید کو پریشان کر لیا ہے مجھ سے شادی کرنے کے لیے۔“

”اس نے مجھ سے خود کہا ہے کہ اس کی عمر سے اتنی گہری دوستی ہے کہ عمر اسے میرے بجائے کسی اور سے بھی شادی کا کہتا تو وہ اسی سے شادی کر لیتا۔“ طیزو نے شہلا کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”جینیل! اس طرح کا آدمی لگتا ہے تمہیں کہ وہ انھیں بند کر کے عمر کے کہنے پر کسی کے بھی گلے میں شادی کا ہار ڈال دیتا یا اس کی ٹیلی اس طرح کی نظر آتی ہے تمہیں کہ وہ کسی بھی لڑکی کو آسانی سے قبول کر لیتا۔“ شہلا نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

”جینیل! جینیل! پھر وہ سویرہ آدمی سے وہ کسی بھی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔ چاہے یہ بات وہ اپنے منہ سے کہے بھی تھی۔ اسے اگر یہ احساس ہو جاتا کہ تم اس کی ٹیلی کے ساتھ ایڈجسٹ ہو سکتیں یا تمہارے ساتھ اس کی انڈر سٹینڈنگ نہیں ہو سکتی تو وہ کبھی بھی تم سے شادی نہ کرتا۔ عمر کے کہنے پر بھی وہ اپنی ٹیلی کو نظر انداز نہیں کر سکتا ہے۔ آخر تم اس بات کو محسوس کیوں نہیں کرتیں۔“

”میں کچھ بھی محسوس کرنا نہیں چاہتی۔ میں اس سب سے باہر نکل چکی ہوں اور میں بہت خوش ہوں۔“

”ہر بے خوف آدمی تہاڑی طرح ہی سوچتا ہے۔ معصیت میں قدم رکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ وہ معصیت سے نکل چکا ہے۔ آخر تم خطرہ دیکھ کر کبوتر کی طرح کب تک آنکھیں بند کرتی ہو گی؟“ شہلانے کچھ بڑبڑا کر کہا۔ ”ہر کام سوچے سمجھے بغیر کرتی ہو تم۔“ انوکھے لوگوں کے سامنے جھوٹ بولنا اور وضاحتیں کرنی پڑیں گی۔ یہ سوچا ہے تم نے؟“

”میں کیوں سوچوں؟“ انوکھوں میں اس کے بارے میں آخر انہوں نے بھی تو مجھے ہر چیز کے بارے میں اندازہ سے میں رکھا تھا۔“

شہلا کچھ بے بسی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔ ”جہیں واقعی کوئی انفس، کوئی دکھ نہیں ہو رہا۔ اس رشتے کو ختم کر کے۔“

”نہیں۔ مجھے کچھ عرصہ نہیں ہو رہا۔“

”ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے اس کے ساتھ تمہاری انجکشن کو کیا آخا آسان ہے تمہارے لیے اسے بھلانا۔“ علیرہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

”اگر میں عمو کو بھلا سکتی ہوں تو جینہ۔ اس کو بھلانا کیا مشکل ہے۔ عمر سے زیادہ لمبی ایسوی اینٹیں تو کسی کے ساتھ نہیں ہو سکتی تھی میری۔“ اس نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

”کتنے میں اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے علیرہ۔“ شہلانے عجیب سے انداز میں کہا۔ علیرہ نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔ واقعی کتنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔

”اتنے عرصے سے تم جینہ کے گھر آ جا رہی ہو۔ کیا تمہیں ابھی وہی سے ہونے والی ان کی پریشانی کا بھی کوئی احساس نہیں ہو رہا۔“

وہ ساری گفتگو میں پہلی بار الجھ کر خاموش رہی اسے اگر اس سارے معاملے میں کسی سے غرض نہ تھی تو وہ جینہ کے گھر والے ہی تھے اور کم از کم وہ ان کے حوالے سے وہ اپنے آپ کو مطمئن نہیں کر پا رہی تھی۔

”میرے پاس ان کے لیے معذرت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔“ اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

”وہ واقعی یہ سب کچھ deserve نہیں کرتے جو میں کر رہی ہوں مگر میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔“

”دوسرا راستہ؟“ علیرہ انہماک سے پاس فی الحال ہر راستہ موجود ہے۔ تم اگر اپنے فیصلے پر ایک بار نظر ڈال کر دو۔

سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ ساتھ تم اپنے معاملے کو بھی سمجھا لو گی۔“

”میں کسی معاملے کو سمجھنا نہیں چاہتی۔“ اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ”ہر چیز پوائنٹ آف نو ریٹرن پر پہنچ جاتی ہے۔“

”یا پہنچائی جا چکی ہے؟“ شہلانے کچھ دیر دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم جی جی سمجھ لو۔“

”زندگی میں کوئی پوائنٹ آف نو ریٹرن نہیں ہوتا۔ ہر بار اور ہر جگہ سے واپس آیا جا سکتا ہے اگر تمہواری

فکری اور دور اندیشی کا مظاہرہ کیا جائے تو۔“

”اور یہ دونوں خصوصیات میرے اندر نہیں ہیں۔ یہ تو تم اچھی طرح جانتی ہو۔“ اس نے تیز لہجے میں کہا۔

”آخر تم اپنی خود کشی کیوں کر رہی ہو علیرہ۔“ علیرہ نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔

”اب پھر میرے سامنے تقریر مست کرنا کہ میں پہلے تو ایسی نہیں تھی۔ اب کیوں ہو گی ہوں وغیرہ۔“

”مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تم خود ہی یہ سب جانتی ہو۔“

”ہاں، میں جانتی ہوں اور مجھے ابھی مٹی دھری سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ یہ عادت دیر سے نیکی ہے مگر میرے لیے یہ بہت فائدہ مند ہے۔ دیر آجے درست آجے کہ صدق۔“ علیرہ نے سنجیدگی سے کہا۔

شہلا تقریر تیار نہیں کھنے اس کے ساتھ سر ہکا کر اگلے دن پھر آنے کا کہہ کر چلی گئی تھی۔

☆☆☆☆

عروسی منہ کی اپائنٹ کاسن کرخون کے گھونٹ لپی کر رہا۔

اس نے پولیس سروس صرف اس Absolute power (مکمل اختیارات) کے لئے جوائن کی تھی جو کسی پولیس آفیسر کے پاس ہوتی تھی۔ اسے اب یوں لگنے لگا تھا جیسے اس کے پرکاش کر آزادی دی گئی ہے۔ ہرگز نہ دن اس احساس کو بڑھا تا جا رہا تھا اور وہ یہ احساس رکھنے والا واحد آفیسر نہیں تھا۔ اسے اگر بے جا مداخلت بری لگ رہی تھی تو دوسرے آفیسرز کو کوشش ختم کرنے کے لئے آرمی کا چیکنگ کر رہا تھا۔ یہ ملک تو کم خدمت نہیں تھی جس کے لئے سول سروس میں آتے تھے یہ دو سے چار اور چار سے آٹھ بنانے کا فرمولا تھا۔ جس کو کھینچنے کے لئے لوگ اس میدان میں کودتے تھے یا پھر کچھ گروہ Authority اس طرف کھینچ لاتی تھی جو کسی بھی آفیسر کے پاس موجود ہوتی تھی اور ری، ہیرو اور کسی سے بھی دونوں چیزیں کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

عمر کے ساتھ میں بھی ہو رہا تھا۔ اب جیسے دفعہ اسے فارمن سروس سے پولیس سروس میں آنے کے فیصلے پر انفس ہو تا اور بعض دفعہ سول سروس میں سرے سے آنے پر اگر دوسروں کے ہاتھوں کھ پٹیاں بن کر ہی ناچنا تھا تو پھر تو پوری دنیا پر تھی۔ کبھی بھی جا سکتا تھا۔ کبھی کسی کیئر یا سکتا تھا۔ آخر پاکستان میں کیوں۔ وہ اکثر سوچتا اور اپنے فیصلے پر تیز تیز اور کوئی بڑے ڈکشن کرتا رہتا۔ اس ڈکشن میں حصہ لینے والا وہ واحد منہ تھا وہاں ہر دوسرے بندے کے پاس یہی مسائل تھے۔ پارٹنرنگ آری اور ہیرو اور کسی دونوں کے لئے جیسے گالی کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

آرمی کے بعد اگر ملک میں کوئی دوسرا آرگنائزڈ اسٹرکچر تھا تو وہ ہیرو اور کسی کا ہی تھا اور دونوں ایک دوسرے کے حریف، جھگڑوں اور چالوں سے بخوبی واقف تھے، یہی وجہ تھی کہ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کو مات دینے میں ناکام رہتا تھا۔ دوسرے کے پاس پہلے ہی ہر چیز کا توڑ موجود ہوتا تھا۔ دونوں طرف بہترین دماغ اور بدترین سازش موجود تھے۔ دونوں طرف بہترین خوشامد اور بدترین درباری موجود تھے اور دونوں طرف ذہین ترین انھوں کی بھی بڑی تعداد تھی۔ اس بار پہلی بار آرمی نے سول سٹیٹ اپ پر کاری ضرب لگائی تھی اور پہلی بار ہیرو

کر لی کہ وہ واقعی اپنی پاور خطرے میں محسوس ہونے لگی تھی۔ کچھ دنے عازارائی کا راستہ اختیار کیا تھا کچھ نے بغیر کسی جت کے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ عربی ناپ میں شامل تھا اور دوسری ناپ میں شامل ہونے کی تمام کوششوں کے باوجود اس میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ اگلے دن ساڑھے دس ہونے والی اپنا کھٹ سے پانچ منٹ پہلے ہی کرل حید کے آفس پہنچ گیا۔ یہ ایک حفاظتی قدم تھا جو بحریہ کی صورت میں کرل حید کی طرف اپنا کھٹ کیسٹل نہ ہونے سے بچنے کے لیے اٹھایا گیا تھا۔ کرل حید اسے آفس میں نہیں ملا۔ اس کا پیغام ملا۔ اس نے عمر کی اپنا کھٹ کیسٹل کر دوائی تھی کیونکہ پہلے "اے" صاحب کہہ رہے ہیں کہ وہ بہت مصروف ہیں۔

"یہ تمہارے صاحب کو پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔" عمر نے ناراضی کے عالم میں بی اے سے کہا۔ "اگر انہیں نے اپنا کھٹ ملے کی تھی تو انہیں ملنا چاہیے تھا۔"

"اپنا کھٹ تو سر میں نے ملے کی تھی کرل صاحب نے تو انہیں کی تھی، وہ بھی آپ نے زبردستی اپنا کھٹ ملے کر دوائی تھی۔"

بی اے اب بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ بحریہ سے کہہ رہا تھا شاید اسے عمر کے لئے کرل حید سے خامر بیانات کی تھیں جس عمر کو اس کے سامنے بے پناہ جگہ کا احساس ہوا۔

"وہ آپ کے لئے پیغام دے کر گئے ہیں کہ آپ چاروں فون پر اپنی بات کہہ سکتے ہیں۔" بی اے نے اس سے کہا۔

عمر اس کے پیغام کے جواب میں کچھ بھی کہنے کے بجائے وہاں سے نکل آیا۔ اپنے آفس وائس آنے کے بعد اس نے ایاز حید کو فون کیا اور وائس اس تمام منٹ کی تفصیلات بتا دیں۔ "میں نے آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آدی مصالحت نہیں چاہتا۔" اس نے تفصیلات بتانے کے بعد کہا۔ "یہ آدی صرف بحریہ کے عزتی کرنا چاہتا ہے۔ صرف مجھے اپنے سامنے جھکا نا چاہتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔" وہ تقریباً پھٹ پڑا۔

"اور اب تو میں دوبارہ بھی اس کی شکل تک دیکھنے نہیں جاؤں گا۔" ایاز حید کو دیکھ کر خاموشی سے اسے دہلا دینے رہے پھر انہوں نے کہا۔

"عمر! میں چاہتا ہوں تم چند ماہ کی جھڑپ پر چلے جاؤ۔"

"کیا مطلب؟" وہ یک دم ٹھٹھک گیا۔

"ہاں، تم چند ماہ کی جھڑپ پر چلے جاؤ، نہ تم یہاں رہو گے نہ یہ سکے یہاں رہو گے۔"

"مگر میں کیوں جھڑپ پر چلا جاؤں، اس سے میرا کیا نفع ہے۔"

ایاز حید نے اس کی بات کاٹی، "کیرئیر کی تم فکر مت کرو۔ میں ہوں اس کو دیکھنے کے لئے، تم میں چند ماہ

کے جھڑپ پر چلے جاؤ۔"

"میں اس طرح اپنی جاب چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا، آپ۔۔۔۔۔"

"تم نہیں جاؤ گے تو پھر تمہیں بھیج دیا جائے گا۔"

"آپ نے کہا تھا میری فرانس سفر کر رہے ہیں۔" عمر نے انہیں یاد دلایا۔

"ہاں کر رہے ہیں۔ تمہاری خدمات دفاعی حکومت کو وائس کر رہے ہیں اور وہاں سے تم بھیجے جاؤ گے بلوچستان کو کیونکہ تم کو نہیں ملے گا، اور کوں سا اور کیا شہر مل سکتا ہے۔ اس کا اندازہ تمہیں ابھی طرح ہو گا۔"

عمر کا دل دھک دھک مچا۔ وہ بلوچستان یا سرحد کیجئے جانے کا مطلب ابھی طرح سمجھتا تھا۔

"پھر کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم جھڑپ پر چلے جاؤ۔ کم از کم جھڑپ کے بعد تم کسی بہتر پوسٹنگ کی امید تو رکھ سکتے ہو۔"

"انکل! میں دو چار ماہ کی جھڑپ نہیں چاہتا۔" عمر یک دم ٹھیکہ ہو گیا

"مجھے دو سال کی جھڑپ چاہیے۔۔۔۔۔ انکس پاکستان لیو۔"

"کس لئے؟"

"میں میں واقعی اس سب سے تنگ آ چکا ہوں۔ اگر جھڑپ پر ہی جانا ہے تو یہی جھڑپ پر کیوں نہیں۔"

"تم کرنا کیا چاہتے ہو واقعی یہی جھڑپ کا؟"

"میں کچھ عرصے سے سوچ رہا تھا کہ وائس جا کر اپنی اسٹریجی کو دوبارہ شروع کروں، ایم لی اے کر لوں۔" اس کا کیا فائدہ ہو گا۔ دو سال ضائع ہوں گے تمہارے۔" ایاز حید نے اسے بتایا۔

"ہونے دیں۔ ابھی تو مجھے پوچھنی لگتا ہے جیسے میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔" عمر نے تکی سے کہا۔

"میں اس طرح اپنی tenure پوری ہونے سے پہلے نہیں جانا چاہتا تھا۔ مگر اب اگر یہ مجھے زبردستی فرانس سفر کر دینا چاہتے ہیں تو بہتر ہے میں یہی جھڑپ پر چلا جاؤں۔"

"تم بہت ایک بار پھر جذباتی ہو کر سوچ رہے ہو۔ جاب میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔" ایاز حید نے اس بار بہت نرم لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"بحریہ جاب میں صرف نیچ ہے۔ اونچ ابھی تک مجھے نظر نہیں آئی۔" عمر نے تکی سے منہ کر کہا۔

"قادر سروس میں تم ہی اس طرح منہ اٹھا کر بھاگ گئے تھے۔"

"انکل! آپ جانتے ہیں، میں قادر سروس میں کس کی وجہ سے بھاگ تھا۔ پاپا کی وجہ سے۔ وہ تو میں وہاں بڑا خوش تھا۔" عمر نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اور یہاں پر تم آؤ کی وجہ سے بھاگ رہے ہو۔" ایاز حید نے اپنی بات جاری رکھی۔

"ہر جگہ تم کسی نہ کسی وجہ سے بھاگتے رہو گے تو کام کیسے چلے گا کیرئیر ایسے نہیں بنتا چلا۔ بڑے جھگڑے پڑتے ہیں۔"

”میں نہیں سہہ سکا اور کم از کم آپ تو نہیں، فی الحال تو ہر لحاظ سے میرے مہر کا بیانا نہ لیریز ہو چکا ہے۔“

”تم آئی جلد بازی میں فیصلہ نہ کرو، ابھی طرح اس بارے میں سوچ لو۔“ ایاز حیدر نے کہا۔

”اٹکل! میں بہت ابھی طرح اس کے بارے میں سوچ چکا ہوں، میں نے آپ کو بتایا ہے، میں بچنے کچھ

عرصے سے صرف اسی کے بارے میں ہی سوچتا رہا ہوں۔ آپ پلیز، اس سلسلے میں میری مدد کریں۔“ اس نے

تقلید سے کہا۔

”جب ایم بی اے کر لو گے، اس کے بعد پھر کیا کرو گے؟“

”جانتیں، ابھی تو میں صرف یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔“

”میں جاؤ گئے اس سلسلے میں بات کروں گا۔ تم ابھی سارے معاملے کے بارے میں ایک بار پھر

سوچو۔“ انہوں نے اسے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

”آپ مجھے سمجھنے دلا سکتے ہیں یا نہیں؟“ عمر نے ان کی بات کے جواب میں سوال کیا۔

”دیکھو عمر! فی الحال تو تمہارے لئے صرف وہ چار ماہ کی جمنی پر جانا بہتر ہے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ گزر

جانے کے بعد تم اپنی جمنی بڑھا لیتا۔ کیونکہ ابھی فوری طور پر تم پر کوئی بھی اتار نہیں کرے گا کہ فوراً تمہیں دو

سال کی جمنی دے دے۔ تمہاری حرکتوں کی وجہ سے تمہارا سروس ریڈو خاصا خراب ہو چکا ہے۔ اس لیے پہلے میں

تمہاری چار ماہ کی جمنی منظور کروانا ہوں بعد میں اسے دیکھیں گے۔“ ایاز حیدر نے اسے دو ٹوک الفاظ میں کہا۔

”ٹھیک ہے آپ فی الحال مجھے چار ماہ کی جمنی پر بھجوا دیں۔“ عمران کی بات مان گیا۔

”میں فوری طور پر اپنی جمنی کی منظوری چاہتا ہوں۔“

”آئی کی تم سے اتنا خوش ہے کہ وہ بڑی خوشی سے تمہیں جمنی پر بھجوائے گا۔ تم کو اس بارے میں پریشان

ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ایاز حیدر نے ہلکے ہلکے انداز میں کہا۔

”بکہ وہ تم سے اتنا خیر ہے کہ اس کا بس چلے تو وہ تمہاری اس جمنی کو کبھی نہیں ختم ہونے دے۔“

”وہ خود کوں سا بڑا اچھا آدمی ہے، تاریخ میں اس سے زیادہ ٹکا اور بزدل آدمی ہی آج تک پائنت نہیں

ہوا۔“ عمر نے بڑی بے باکی سے تبصرہ کیا۔

”کچھ احتیاط کرو..... اگر تمہاری لائن انظر اور بزدل ہونے والی تو ایسے تبصروں کے بعد تمہارا کیا حشر ہوگا۔ تمہیں

یاد رکھنا چاہیے۔“

”اگر وہ آپ کا دوست نہ ہوتا تو میں یہ جملہ اس کے منہ پر اس کے آنس میں کہہ کر آتا۔ میں اس سے

خوفزدہ نہیں ہوں۔“ عمر نے بے خوفی سے کہا۔

”تم کتنے بہادر ہو، میں ابھی طرح جانتا ہوں۔ فی الحال فون بند کر رہا ہوں۔ کال خاصی لمبی ہو گئی ہے۔ تم

اب اپنا سامان بیک کرنا شروع کروادو، میں چند دنوں تک تمہاری جمنی کے بارے میں آڈیٹ کم بھجوا دوں گا۔“

ایاز حیدر نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔ فون کا ریسپونڈر کہہ کر نے بے اعتبار کرکھ بھجوا۔ اپنی کرسی کی پشت

سے ٹیک لگا کر وہ بہت دیر تک اپنی کینٹین کو سسٹا رہا۔

☆☆☆

”جینید کے ہیٹس آئے ہیں۔ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔“ شہینہ نے اس کے کمرے میں آ کر اسے اطلاع دی۔

”میں ان سے ملنا نہیں چاہتی۔ آپ معذرت کر لیں، کوئی ایکسپوزے دیں۔“ عطیہ نے ہاتھ میں پکڑی

ہوئی کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔

”ان سے کبھی کہہ دیتی ہوں کہ تم ان سے ملنا نہیں چاہتیں۔“

شہینہ نے داہیں مڑتے ہوئے کہا عطیہ خاموش رہی۔ اس سارے معاملے میں وہ اگر کسی سے واقعی شرمندہ

تھی تو وہ جینید کی پہلی اور خاص طور پر اس کے والدین ہی تھے۔ اس نے شہینہ سے کچھ نہیں کہا وہ کمرے سے کھل گئیں۔

عطیہ نے کتاب کو ایک طرف رکھ دیا۔ وہ پہلے بھی کچھ پڑھ نہیں پاری تھی اور اب اس کا بھی کچھ اور اچانٹ

ہو گیا تھا۔ بیٹے سے اٹھ کر وہ اسٹیئر کی طرف جی اور اس نے کیٹ لگا لیا۔ کچھ دیر وہ کمرے میں بیٹھی ہوئی میز پر کئی

رہی پھر یکدم اس نے اسٹیئر کو بھی آف کر دیا۔

صرف دو دن پہلے سب کچھ بائیل قاسب کچھ اور اب سب کچھ ایک خواب لگ رہا تھا۔ وہ اب ایک عجیب

سے اضطراب کا شکار ہو رہی تھی۔ بار بار وہ اپنے ذہن سے جینید، اس کے گمراہ اولوں اور اس کے گھر کو جھٹکنے کی کوشش کر

رہی تھی اور بری طرح ناکام ہو رہی تھی۔

کمرے کے دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی۔

”لیس کم ان!“ اس نے دیکر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے والی نانوا اور

جینید کی ای قہیں۔ عطیہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ جینید کی ای کا ساتھ یوں اچانک

کمرے میں آ کر کھینکی۔ اس سے بہتر تھا وہ اس سے ملنے کے لیے خود باہر چل جاتی۔

”عطیہ! اسرا بڑا ہیتم ہے ملنا چاہ رہی ہیں۔ میں انہیں یہاں لے آئی۔“ نانو نے اعلان کرنے والے

انداز میں کہا۔

”کچھ نہیں سزا براہیم! میں جائے یہیں بھجوا دیتی ہوں۔ آپ عطیہ کے ساتھ جائے نہیں۔“

نانو نے اس کے کچھ کہنے سے پہلے جینید کی ای سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے

باہر نکل گئیں۔

”آپ نہیں پلیز! عطیہ نے قدرے بکلاتے ہوئے جینید کی ای سے کہا۔ اسے اندازہ تھا اس وقت اس

کے چہرے پر کتنے رنگ آ رہے ہوں گے۔ وہ صوفہ پر بیٹھ گئیں۔

”تم بھی بیٹھو۔“ جینید کی ای نے صوفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ کچھ جھنجھکی ہوئی ان کے پاس

آ کر بیٹھ گئی۔

”جینید نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔“ انہوں نے چند لمے خاموش رہنے کے بعد کہا۔ عطیہ انہیں دیکھنے

گئی۔ ”عمر کو ہمارے گھر آتے ہوئے بہت غمزدہ ہو گیا ہے۔ جنید اور اس کی دوستی بہت پرانی ہے۔ پرانی دوستیوں میں بہت زیادہ جذبات اور احساسات الوداع ہوتے ہیں۔ اس کا منہ بہت گہری ہو جاتی ہے اور عمر کو ہمارے لیے ہمارے گھر کے ایک فرد جیسا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ تم اس کیوں اتنا پسند کرتی ہو، یقیناً تمہارے پاس بھی اسے پسند کرنے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی بالکل اسی طرح جس طرح ہمارے پاس اسے پسند کرنے کی وجوہات ہیں، مگر عمر کو تمہارے اور جنید کے درمیان مسئلہ نہیں بننا چاہیے۔“

وہ چند لمحوں کے لیے رکھیں۔

”جنید تم سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت عمر کی وجہ سے نہیں ہے۔ علویہ تم ابھی ہمارے گھر نہیں آئی ہو، لیکن تم پچھلے ایک سال سے ہمارے گھر میں ہمارے ساتھ ہو، ہم سب کو بہت عادت ہو گئی ہے تمہاری یہ شادی نہ ہونے سے صرف جنید متاثر نہیں ہوگا، ہم سب متاثر ہوں گے اور تم بھی متاثر ہو گئی۔ ہمیں جنید سے ناراضی کا حق ہے لیکن اس ناراضی میں کم از کم تمہیں جو چیزیں کوئی اعتقاد حرکت یا قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔“ وہ اسے تمہاری نہیں۔ ”ہم سب نے یہ تم سے عمر کے بارے میں چھپایا مگر یہ اس لیے نہیں تھا کہ تمہیں جو کچھ دینا چاہتے تھے، یہ صرف اس لیے تھا کیونکہ ہم لوگ تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے۔ عمر کو جنید کا صرف دوست ہے مگر تم تو ہماری فیملی کا حصہ ہیں جاؤ گی۔ ہمارے لیے کسی کی اہمیت زیادہ ہے تم اندازہ کر سکتی ہو، جنید کے لیے کسی کی اہمیت زیادہ ہے یہ بھی تم جان سکتی ہو، جنہیں اگر یہ پسند ہے کہ عمر ہمارے گھر آئے تو میں عمر کو منہ کر دوں گی۔ وہ گھر نہیں آئے گا مگر جہاں تک جنید اور عمر کی دوستی کا تعلق ہے اس کو رہنے دو۔ علویہ! ان کے اس تعلق سے تمہاری اور جنید کی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ میں جنہیں اس بات کی گارنٹی دیتی ہوں عمر کو اپنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس طرح رشوت کو ختم کرنا کہ از کم میں تم سے اس کی توقع نہیں کرتی۔ علویہ! ہم سب بہت پریشان ہیں نہ صرف یہ بلکہ جنید بھی۔ میں جانتی ہوں کچھ بھی ختم نہ ہو سب کچھ دنیا ہی رہے۔ جنید میرے ساتھ آیا ہوا ہے اور تم سے معذرت کرنے کے لیے تیار ہے۔“

علویہ بالکل لا جواب تھی۔ وہ جنید کے گھر والوں کا سامنا کرتی کیا ہے کہ ان سے بات کرتی مگر جنید کی اسی اس طرح اپنا کیا اس کے پاس آگئی تھی کہ وہ اپنی مدافعت کے لیے ان سے کچھ بھی نہیں کہہ پاتی تھی۔

”ہماری زندگی ہمیشہ سے بڑی smooth (ہموار) رہی ہے، ہم نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اس طرح اپنا کچھ ہماری زندگی میں کوئی کراسس آئے گا۔“

وہ ایک بار پھر کہنے لگیں۔ علویہ کے اعصاب کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا، وہاں بیٹھے ایک دم اسے اپنی ہر دھن کے بارے کا اور اپنا اندام بچکانہ لگنے لگا تھا۔

”اس لیے ہم تو کبھی یہ نہیں بارے کہ ہم کیا کریں، ابھی بہت زیادہ لوگوں کو یہ نہیں چلا مگر..... کچھ دنوں میں..... نہیں علویہ! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ تمہاری میری فیملی کے ساتھ اتنی وابستگی ہے کہ تم ہماری فیملی کو سمجھو، اس شرمندگی اور یہ عزتی کا اندازہ کر سکو جس کا سامنا میری فیملی کو کرنا پڑے گا اور صرف میری نہیں تمہاری فیملی کی، میں حیران ہوں کہ اتنی چھوٹی بات پر تم نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا کیا تم نے اس کے نتائج کے بارے میں سوچا۔“

علویہ ان کے احساسات اور ذاتی کیفیات کو سمجھ رہی تھی، وہ یقیناً بہت زیادہ پریشان تھیں۔ علویہ کے پاس اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی جنید کی اسی بہت دیر تک اسے سمجھاتی رہی جنہیں اور شاید اس کی یہ مسلسل خاموشی انہیں موصلاً افزا لگتی تھی، وہ بہت دیر کے بعد اگلے دن دوبارہ آنے کا کہہ کر رخصت ہوئیں۔

جنید کی اسی کو اگر اس کی خاموشی، اس کا ہتھیار ڈال دینا لگا تھا تو واقعی ایسا ہی تھا۔ جن باتوں پر اسے پہلے سوچنا چاہیے تھا، وہ ان کے بارے میں اب سوچ رہی تھی۔ اشتعال اور جلد بازی میں کیے ہوئے فیصلے کے مضمرات اب مکمل بار اس کے سامنے آ رہے تھے۔ یہ یقیناً جنید کی ای کی لکھنکو کا نتیجہ نہیں تھا، اگرچہ ان کی مہکتی اس کی کنفیوژن اور الجھتاوے میں اضافہ نہ کیا تھا مگر وہ اس الجھتاوے کا موجب نہیں تھیں۔ اسے ہر ایک سے اسی رد عمل کی توقع تھی مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ خود اس قدر شرمندگی اور ندامت محسوس کرے گی، اگر دوسروں کو میری پروا نہیں ہے تو مجھے بھی دوسروں کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ اس نے وہ فوسل شائع کروانے سے پہلے سوچا تھا لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ دوسروں کی پروا کرنے کے لیے مجبور ہے۔ کم از کم وہ ہر شخص کو ناراض کر کے خوش رہنے والے لوگوں میں شامل ہونے کی صلاحیت یا اہلیت نہیں رکھتی تھی اور جنید کا واقعی اس کے لیے کوئی احساسات رکھتی تھی.....؟ اس شخص کے لیے جسے وہ چند ہفتوں میں اپنے ہم سفر کے طور پر دیکھ رہی تھی جس کے ساتھ وہ پچھلے ایک سال سے منسوب تھی جس کے ساتھ وہ مستقبل کو بیان کرتی پھر رہی تھی۔

وہ بار بار خود کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ جنید کو اس سے محبت نہیں ہے۔ اس سے شادی صرف عمر کی خواہش کا احترام تھا لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ دوسری طرف جو کچھ بھی تھا، کم از کم اس کے لیے جنید کوئی عام شخص نہیں رہا تھا، وہ اسے بار بار یاد آ رہا تھا قہار آہستہ آہستہ اس کا غصہ اور اشتعال ختم ہو رہے تھے۔

اگلے دو تین دن جنید کے گھر والے آ رہے، جنید بار بار فون کرتا رہا۔ ناٹو اسے سمجھاتی رہیں، حمید اپنی مجبوریاں اسے بتاتی رہیں، سکندر نے کہا جی سے لاہور آ کر اس سارے معاملے پر اس سے بات کی۔

اس نے جو تھے دن ہتھیار ڈال دیے۔ اس نے اعتراف کیا تھا وہ پریشر کے سامنے نہیں کھ سکتی تھی۔ وہ مضبوط تھی جس، اگر وہ ایسی کوشش کر رہی تھی تو بھی کیا وہ جنید اور اس کی فیملی کے بغیر رہ سکتی تھی۔ وہ جنہیں وہ سکتی تھی..... وہ اندیشہ محض نہیں رکھتی تھی۔ وہ انہیں کٹ کر اپنی زندگی سے الگ نہیں کر سکتی تھی۔

ناٹو نے اس کے فیصلے پر سکون کا سانس لیا تھا، اس کے اس فیصلے سے سب سے زیادہ مسائل کا سامنا نہیں ہی کرنا پڑا تھا، وہ خوش تھیں کہ وہ سچ لگیں۔

”میں نہیں جانتا۔ میں تمہارا گھر یہ کیسے آ کر دوں؟“ جنید نے فون پر اس سے کہا تھا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ علویہ نے جوابا کہا۔

”تم میرے لیے بہت اہم ہو۔“

”میں جانتی ہوں۔“ اس نے زخمی آکھا۔

”Last few days were a nightmare I'm happy I'm out of it“

(پچھلے چند دن ایک بمیاک خواب کی طرح تھے، میں خوش ہوں کہ وہ اس سے نکل آیا)
وہ اس کے لہجے سے اس کے سکون اور اطمینان کا اندازہ کر سکتی تھی۔

”جیندا آپ نے ایک حقیقت مجھے بتادی، ایک مجھے آپ کو بتائی ہے۔ کیا ہم کل مل سکتے ہیں؟“ علیزہ نے کہا۔

”کل..... کل نہیں، کل میں مصروف ہوں گا۔“ جیندا کو یاد تھا کل عرلا ہو رہا تھا اور اسے عمر کے ساتھ ہونا تھا۔

”پرسوں ملتے ہیں۔“ ”ٹھیک ہے، پرسوں ملتے ہیں۔“

☆☆☆

عمر اور جیندا ریٹورنٹ میں بیٹھے ڈر زکر رہے تھے۔

”بھروسہ کی کتنی ڈینٹ کب ملے ہو رہی ہے؟“ عمر نے کانٹے سے پھلی کے ایک ٹکڑے کو منہ میں ڈالنے

ہوئے کہہ

”پرسوں بابا چارے ہیں امی کے ساتھ۔“ اس نے ملاؤ کا ایک ٹکڑا اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

”ہو سکتا ہے۔ پرانی والی ڈینٹ ہی دوبارہ رکھ دیں۔ ابھی بھی دس دن تو ہیں ایک ٹوکس اور دینا پڑے گا۔“

جیندا نے کہا۔

”نہیں یارا ڈینٹ پیچ کر دو۔ اس طرح تو ہم لوگ بڑے مشکوک ہو جائیں گے کہ یہ نہیں پہلے کیوں شادی

کینسل کر رہے تھے اور اب کیوں دوبارہ اس ڈینٹ پر کمر ہے۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ لڑکی نے کوئی مسئلہ کھڑا کیا

ہے۔“ عمر ہنسنے لگا انداز میں بولا۔

”یہ مسئلہ کھڑا تو لڑکی نے ہی کیا تھا۔“ جیندا نے کہا۔

”نہیں جو بھی تھا۔ ہم لڑکی والے ہیں، ہماری پوزیشن خراب ہوگی۔“ عمر نے اس کے جیلے کو نظر انداز

کرے ہوئے کہا۔

”اس سارے معاملے میں لڑکی والوں کا رد تو ہماری رہا ہے۔ تم لوگوں کو کیا پریشانی ہوئی ہے، سب کچھ

تو ہمیں ہی کرنا پڑا ہے۔ منت ساجت منگائیں دفنا تمہیں اور کیا کیا کچھ۔“

عمر نے پھلی کھاتے کھاتے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”you deserved it“

تمہارے ساتھ یہی ہونا تھا کیونکہ کیا دھرا تو تمہارا ہی تھا۔“ اس نے عیذیگی سے جیندا سے کہا۔

”میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اس کو میرے.....“ جیندا نے اس کی بات کاٹ دی۔

”تم چرو ہو، ڈاکو ہو کیا ہو کہ میں تمہارے ساتھ اپنے تعلق کو اس سے چھپاتا۔“

”میں پولیس والا ہوں اور وہ دوسرے ان دونوں سے زیادہ برا سمجھی ہے۔“ عمر ہنسنے ہوئے دوبارہ اپنی پلیٹ کی

طرف متوجہ ہوا۔

”اگر کسی شخص سے محبت ہو تو اس سے وابستہ ہر شخص سے محبت ہو جاتی ہے۔“

عمر نے کھانا کھاتے ہوئے اپنے اختیار تبدیل کر لیا۔ جیندا اس کے قہقہے پر کچھ حیرت کیا۔

”اس سے زیادہ محسوس جملہ تم اس موقع پر نہیں بول سکتے تھے۔ یہ کہاں سے پڑھ لیا ہے تم نے جس سے

محبت ہو، اس سے وابستہ ہر چیز سے محبت ہو جاتی ہے۔“ وہ اب بھی اس کے فقرے پر منظور ہو رہا تھا۔

”میں نے پڑھا نہیں، میں نے سنا ہے۔“

”تو آپ نے غلط سنا ہے جیندا ابراہیم صاحب! ایسا تو غاروں کے زمانے کا انسان بھی نہیں کرتا ہوگا اور

آپ بیٹھے ہیں ایک جدید دور میں۔“

”زمانہ بدلا ہے..... تعلیق، احساسات اور جذبات تو نہیں بدلے۔“

”یہ کتنی تہمید ذاتی رائے ہے، مثنیٰ دور کے انسان کے جذبات بھی بدل چکے ہیں۔“

”جی جی ہے، اس کو مجھ سے وابستہ لوگوں کی پروا کرنی چاہیے اور تم سے وابستہ ہو۔“

”اوہ جی کیوں کرنی چاہیے کیا تم کرتے ہو؟“ جیندا نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔

”میں ان تمام لوگوں سے محبت کرتا ہوں جن سے وہ کرتی ہے۔“

”اچھا؟ تو پھر جیسے ان تمام لوگوں سے نفرت بھی ہوئی چاہیے، جن سے وہ کرتی ہے۔“

جیندا جواب ہو گیا۔ عمر ایک بار پھر اطمینان سے پھلی کھاتے میں مصروف تھا۔

”آسان اپنی جگہ چھوڑو گا، زمین اپنی جگہ سے ہٹ جائے گی مگر مجھے یہ تو قہ نہیں رکھنی چاہیے کہ تم علیزہ

کے خلاف کچھ کہو کہ اس کے خلاف میری حمایت کرنا تو ویسے ہی ایک خواب ہے۔“

جیندا نے اپنی پلیٹ میں چڑا ہوا بیج اٹھاتے ہوئے کہا۔ عراس کی بات پر مسکرایا۔

”درست..... تم یہ قہوش کر کیوں رہے ہو، تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ ہماری فٹلی کا سلوکن ہے We are

always right اور اپنی فٹلی کے ایک ممبر کے خلاف اس طرح ریٹورنٹ میں بیٹھ کر میں باتیں کروں، سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔“

”جیندا نے کچھ نہیں کہا۔ اس نے صرف ایک گہرا سانس لے کر اپنی پلیٹ میں کچھ ساس اور ڈالی، عمر

مسکرانے لگا۔

”تمہاری یہ کزن.....“ جیندا نے کچھ کہنا چاہا عمر نے غصے سے منسوب کیا اس کی بات کاٹی۔

”اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے۔“ ”میری کزن“ وہ جہاد ہوئے والی چلی ہے۔“ عمر نے صبح کی۔

”اوکے، اوکے، اوکے“ ”My bride to be“ جیندا نے کندھے سے جھپٹتے ہوئے کہا۔ ”یہ اسی طرح بعد میں کسے

گی تو میں کیا کروں گا؟“

”بعد میں کیا کرے گی۔ کم از کم جیندا تم لوگوں کے درمیان واحد مسئلہ میں ہوں۔ میں یہاں ہوں گا نہیں تو

تم لوگوں کا جھڑوا کر چڑھ رہا ہوں۔“

”پلیز آہستہ۔ ملازم سن رہے ہیں۔ یہ دیکھو عمر آیا ہوا ہے۔ وہ کیا کہے گا۔۔۔ میں نے تانیہ سے کہا کہ بالکل ٹکر نہ کرو نہ ملازم سن رہے ہیں نہ اسی میں کچھ کہوں گا تم مطمئن اسے یہ سلسلہ جاری رکھو۔“

اس بار جینڈا اس کی بات پر ہنس پڑا۔ ”تم بھی بڑے ہی کیٹنے انسان ہو، تم شادی کیسے ہو دوسروں کا۔“
”مجھے ان دنوں کاموں کی خاص ترہیت دی گئی ہے مول سروس میں اور پولیس میں کینگی اور تم شادی کیسے کی اضافی صلاحیت کی وجہ سے ہی شہریت اختیار کر چکی تھی میں نے یہ صلاحیت نہ ہوئی تب بھی اتنا عرصہ پولیس میں رہ کر خود ہی آ جاتی۔“

عمر بیٹو کا رُخ پر نظر ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا، وہ شاید کچھ اور منگوانے کا سوچ رہا تھا۔
”تم شادی کرو گے تو میں دیکھوں گا۔ تم کتنے تمیں دار خان ثابت ہوتے ہو، تم بھی اسی طرح کی فرمائیرداری دکھا رہے ہو جس پر دوسروں کا مذاق اڑا رہے ہو۔“
”میں اس لیے شادی کر رہی نہیں رہا ہوں، زندگی کی آزادی گزار لی چاہیے پاندریوں کے بغیر۔“ اس نے دیگر کو بلا کر ایک اور ڈش کا آرڈر دیتے ہوئے کہا۔

”اور جڑی اس کا بھی سبب خیال ہے؟“ جینڈا اس بار کچھ سنجیدہ ہو گیا۔
”جڑی کا ذکر یہاں کہاں سے آ گیا؟“ عمر نے حیرانی سے کہا۔
”کیوں تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے؟“
”نہیں۔۔۔ تم جانتے ہو گوڈ مرٹ سروس میں رہ کر میں کسی غیر ملکی سے تو شادی نہیں کر سکتا۔“
”مگر تم تو اس میں ہمیشہ سے غلط تھے۔“
”وہ تو اب بھی ہوں۔ مگر شادی؟ نہیں شاید اگر کبھی سروس چھوڑ دی اور شادی کے بارے میں سوچنے کا تو شاید جوڑی سے ہی کر لوں۔“

”اب سروس چھوڑنے کا سوچ رہے ہو؟“ جینڈا کی تجویز میں کچھ اضافہ ہو گیا۔
”فوری طور پر تو نہیں مگر In the long run شاید۔۔۔ ابھی میں ایم بی اے کروں گا پھر اگر کسی انٹرنیشنل ایجنسی میں جا چکے ہو تو دوبارہ پاکستان نہیں آؤں گا، نہ ملی تم میں ہی انچ ڈی کروں گا پھر دیکھوں گا کیا آپشنز ہوتے ہیں میرے پاس، ہو سکتا ہے تب تک پاکستان میں حالات کچھ بہتر ہو جائیں اور میں دوبارہ جاب کے لیے یہاں آ جاؤں اگر انکی میرے پاس بہت سارے ”شاید“ ہیں۔ وہ سنجیدہ ہو گیا۔
”تمہیں کہیں بھی تک کر بیٹنے کی عادت نہیں ہے، اب آہستہ آہستہ یہ عادت اٹالو۔“ عمر اس کی نصیحت پر ہنس پڑا۔
”میں چھٹی ہوں۔ میں کہیں بھی بہت دیر تک نہیں رہ سکتا، یہ سب کچھ کیٹنے سے نہیں آتا یہ سب کچھ قدرتی ہوتا ہے۔“ اس بار اس کی آواز قدرے دھیمی تھی۔ شاید کچھ اور سال گزر جانے کے بعد مجھ میں کچھ تبدیلیاں آ جائیں۔
”God Knows“

اس نے ڈانٹنگ ہال میں ادھر ادھر نظر سر دوڑاتے ہوئے خالی لہجہ میں کہا۔ ”مجھے پرکب جارہے ہو۔“

”تم کہیں اس لیے تو باہر نہیں جا رہے؟“ جینڈا نے اچانک پوچھا۔ ”روند اس طرح چلتی پر جانے کا تمہارا ارادہ پہلے تو نہیں تھا۔“

”میں قدر دوہین آ دی ہو تم۔“ عمر نے اسے سر ہلا۔ ”میں تو اندازہ ہی نہیں کر سکتا تھا کہ تم اتنی جلدی یہ سب جان جاؤ گے۔“

اس کی نظر میں اب جینڈا کے لیے مضحکہ اڑاتی ہوئی سائنل تھی جینڈا بے اختیار کچھ شرمندہ ہوا۔
”میرا دماغ خراب ہے کہ میں تم دونوں کی خاطر پرچلا جاؤں گا۔“ اس بار عمر نے بدلے ہوئے لہجہ میں تیز اور بلند آواز کے ساتھ کہا۔ ”میری اسے ہی آدھ دیکھو گے تو مجھیں اندازہ ہوگا کہ میں کس طرح گردن تک پھنسا ہوا ہوں اور تم یہاں بیٹھے افقوں کی طرح اندازہ لگا رہے ہو۔“

”مجھے ایسے ہی ایک خیال آیا۔“ جینڈا نے قدرے مددرت خواہانہ انداز میں کہا۔
”تم ایسے خیالات سے اپنے دماغ کو خالی رکھا کرو۔“ عمر سلا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”پلیز وہ ایک اچھی بوری اور محبت کرنے والی ماں ثابت ہوگی۔“
جینڈا اس کے تہرے پر مسکرایا۔

I don't doubt that (مجھے اس میں شبہ نہیں ہے)
”تو پھر آخر پرالم ہی کیا ہے، وہ بھی اے اگر تمہیں شادی کرنی ہے تو پھر اس طرح کی بے عزتی برداشت کرنے کا عادی ہونا چاہیے۔“ عمر بات کرتے کرتے پھر اس کا مذاق اڑانے لگا۔

”جس سے بھی شادی کرو گے فرمائیرداری اور غلامی کی زندگی ہی گزارو گے۔ یہ شادی کی ایک Prerequisite (لازمی جزو) ہے جو ہر مرد کو پوری کرنی ہوتی ہے۔ کم از کم میں نے کوئی ایسا شوہر نہیں دیکھا، جس میں فرمائیرداری کی قربانی نہ پائی جاتی ہو۔“

”تمہیں بہت تجربہ ہے ان تمام معاملات کا۔“ جینڈا نے کچھ چیختے ہوئے انداز میں کہا۔
”ہاں بہت زیادہ تجربہ ہے مجھے۔ اپنے اور مرد کے لوگوں سے حاصل کیا ہے، آج میں وہ پھر کوہاس کے ساتھ تھا۔ وہ اپنا گھر بخوار ہا ہے، بے چارے نے اپنے بیڑ مرد کی کلرکسپیم اپنی مرضی کی گئی۔ تانیہ آج اچانک دیکھنے چلی گئی۔ ہم دونوں لچ کر رہے تھے جب وہ وائس کمر آئی اور اس نے وہ بے عزتی کی عباس کی کہ اس کی طبیعت صاف ہو گئی۔ بے چارے نے اسی وقت فون کر کے کلرکسپیم بدلانے کا کہا۔“ وہ بے حد محظوظ ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
”تمہیں شرم آتی چاہیے عمر اتم مذاق اڑا رہے ہو اپنے کزن کا۔“ جینڈا نے کچھ نفوس سے کہا۔

”مجھے کیوں شرم آتی چاہیے، میں تو بڑے مطمئن اس سے لچ کر بنا رہا اور عباس کی وضاحتیں اور مدد قسب سستا رہا۔ یہ وہ عادی تھا جو اپنے پردوں پر پائی نہیں پڑنے دیتا تھا، کوئی اس کے سامنے اونچی آواز میں بات کر لیتا تو ہنگامہ کھڑا کرتا اور اب جب تانیہ کو فہم آتا ہے تو وہ آسمان سر پر اٹھائیں ہے اور وہ کہہ رہا ہوتا ہے سویت ہارٹ، ڈارلنگ، ائی۔“ وہ اب ٹھٹھکلا رہا تھا۔

”جہیں واقعی دوسروں کے جذبات اور احساسات کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ٹھیک ہے، مت آؤ میری شادی پر میری طرف سے بھائی میں جاؤ۔“ جنید ویز کو اشارہ کرتے لگا۔

”ویز کو مت بلاؤ۔ میرا خاصا لمبا ڈزکرنے کا ارادہ ہے، ابھی تو ایک اور کورس چلے گا۔“

عمر نے کہا۔ جنید ویز کو اشارہ کرتے رک گیا۔

”بس اب اپنا قصہ ختم کرو پانی پیو۔“ جہیں پتا ہے تمہارے غصے کا بھجہ پر کوئی اثر نہیں ہوتا، میں دیکھوں گا اگر ممکن ہو اتو فلائٹ کیٹسل کروں گا۔“ عمر نے اسے تسلی دی۔

”تم وعدہ کر رہے ہو؟“ جنید نے کہا۔

”میں ایک امکان کی بات کر رہا ہوں۔“

”مجھے تمہارے امکانات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھ سے صاف صاف بات کرو۔“ جنید نے کہا۔

”یہ بحث ڈزکرنے کے بعد کریں گے، ابھی کھانا انجوائے کرو یا؟“ عمر نے اسے ٹالا۔

جنید کچھ دیر اسے گھورتا رہا اور ایک بار پھر اپنی پلٹ پر جھک گیا، کچھ دیر کے بعد وہ پہلے کی طرح کپ شپ میں مصروف تھے۔

کھانا ختم کرنے کے بعد عمر نے اپنا والٹ نکال لیا۔

”میں مل دوں گا۔“ جنید نے اس سے کہا۔ ”تم کو یہاں میں لایا تھا۔“

”نہیں آج میں دوں گا بیٹے تمہارا کھانا کیا ہے آج تم پولیس والوں کا بھی کھاؤ۔“ عمر نے اپنا والٹ کھولتے ہوئے کہا۔

”مقرر کیوں نہیں، دو مل۔“ جنید نے لا پرواہی سے اپنا والٹ دوبارہ اپنی پاکٹ میں رکھ لیا۔ عمر نے ویز کو اشارہ کیا تھا۔

”جنید! میری گاڑی تم لے لو۔“ اس نے اُچانک کہا۔

”تم لے لے بیٹا چاہے ہو؟“

”مقرر کرنا اپنی چیزیں جہیں نہیں ہیں؟“ عمر نے اُکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ اب مل دیکھتے ہوئے ویز کو ادا کی گئی کر رہا تھا۔

”بھروسہ؟“

”آخر کر رہا ہوں کہ تم لے لو، تجھ دے رہا ہوں یا رامیں تو جا رہا ہوں گاڑی کا اب کیا کرتا ہے، بیٹا میں نہیں چاہتا کیونکہ جلدی میں جس طرح چیزیں بکتی ہیں، تم جانتے ہو اور رکھ میں سکتا نہیں۔ یہاں پاکستان میں گورنر دیکھے گا اسے تم میری طرف سے شادی کا تحفہ سمجھو، پچھلے سال لی ہے یا۔۔۔ ابھی تو بالکل نئی ہے۔“

”لیکن میرے پاس تو گاڑی ہے۔“ جنید نے کہا۔

”کوئی بات نہیں یہ بھی رکھ لو، یہ تم لے لو اپنی والی علیو کو گفٹ کر دیتا۔“ جنید اس کی بات پر ہنسا۔

جنید نے موضوع بدل دیا۔

”بس کچھ دنوں کی بات ہے، سامان وغیرہ کی پینٹنگ شروع کر دادی ہے، میں تک میں لاہور میں ہوں گا

بائیں کو فلائٹ ہے میری۔“

جنید کھانا کھاتے کھاتے رک گیا۔

”کیا مطلب؟“

”کس بات کا؟“

”کہاں کی فلائٹ ہے تمہاری؟“

”امریکہ کی۔“

”تم میری شادی انیڈیڈ کی بغیر جاؤ گے؟“ جنید کو یقین نہیں آیا۔

”مجبوری ہے۔“

”کیا مجبوری ہے؟“ جنید برہم ہو گیا۔

”مجھے امریکہ جا کر اپنے آہنڈو دیکھنا ہیں۔ کون سی یونیورسٹی بہتر رہے گی اور اس طرح کی اور بہت سی چیزیں۔۔۔ میں نے تو آج اپنی فلائٹ کی بکنگ بھی کر دالی ہے۔“

”I don't believe it، تم میرے ساتھ اس طرح کرو گے۔“

”کیا کر رہا ہوں جنید! میرا پرائیم سمجھو یا۔“

”کیا پرائیم سمجھو میری شادی روز روز تو نہیں ہوگی۔“

”مجھے پتا ہے روز روز نہیں ہوگی لیکن میں واپس آؤں گا، یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہونے کے بعد کلاسز شروع ہونے سے پہلے آؤں گا۔ تم لوگوں کو ڈزکرنہ دوں گا مگر مت کرو۔“ عمر نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

”اتنی جلدی جہیں کیٹسل کیسے مل گئی، ابھی تو تم نے چارن پھوڑا ابھی نہیں ہے اور جہیں خود احساس ہو جاے تھا دو تین دن آگے پیچھے ہو جانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”مجھے بہت فرق پڑتا ہے۔“ نہیں کوئی مجھے امریکہ میں ہونا ہے، ہر قیمت پر کیونکہ ایک لمبا چوڑا سلسلہ ہے وہاں میرے کاموں کا، یہ ایک اتفاق ہی ہے کہ مجھے بائیں کی فلائٹ ملی ورنہ میں تو تین کی کوشش کر رہا تھا، مگر اب میں کو لاہور بیٹھتا ہوگا۔ تمہارے ساتھ سارا دن گزاروں گا بلکہ تمہارے گھر پر۔ میری اور تمہاری دوستی اہم ہے، شادی میں آنا نہ آؤ، اہم نہیں ہوتا۔“

”میرے لیے بہت اہم ہے تم جو کر۔۔۔“

عمر نے اس کی بات کاٹی۔

”اچھا تم ایسا کرتا کہ تم بھی میری شادی پر نہ آنا ٹھیک۔۔۔ حساب برابر ہو جائے گا۔“

جنید کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ ”علیو تمہارے بارے میں جو کچھ کہتی ہے، ٹھیک کہتی ہے۔“

انچور، ایسٹن، اسٹن، کزن جی اس نے مجھے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں سمجھایا پھر شاید یہ جوڑتھی تھی جس کی جگہ اس نے مجھے نہیں دی میں نے اسے ٹانو کے ذریعے پوچھا کیا تھا مگر اس نے انکار کر دیا۔ یہ میرے لیے زندگی کا سب سے بڑا صدمہ تھا، ہم دونوں کے درمیان پھر سب کچھ ختم ہو گیا صرف تکی روٹی۔ اس نے زندگی میں کبھی بھی مجھ سے جگ نہیں بولا کبھی نہیں۔ ہمیشہ جھوٹ ہوتا تھا اس کی زبان پر، ہر چیز، ہر حقیقت کو اس نے مجھ سے چھپایا مگر مجھے سب کچھ پتا چلا گیا۔ کچھ وقت لگا مگر میں اس کو بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ اس لیے آپسہ بند کرتی ہوں میں عمر کو، اس لیے نہیں کہ اس نے میرے پر پوزل کو ٹھکرا دیا، شاید شروع میں جب وہ مگر بعد میں یہ اس کی اصلیت تھی جس نے مجھے اس سے برگشتہ کیا۔ وہ میرا پر پوزل قبول کر لیتا تو جی میرے لیے عمر کے ساتھ زندگی گزارنا بہت مشکل ہوتا، میں کسی سنا فنی اور دوغلے آدمی کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی اور جو آدمی ہے، وہ خود غرض اور ظالم بھی ہو۔ اس کے ساتھ تو۔۔۔ آپ کو عمر کے بارے میں میں نے یہ سب کچھ نہیں بتایا کیونکہ مجھے آپ کے اور عمر کے تعلق کا پتہ نہیں تھا ورنہ میں یہ سب کچھ آپ کو بہت پہلے بتا دیتی، ہم جس کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہاں اس طرح کی پسندیدگی اور ups break عام بات ہیں، کوئی بھی شادی کرتے ہوئے یہ ساری چیزیں اٹھا کر دوسرے پارٹنر کے سامنے نہیں رکھتا نہ ہی ایسی چیزوں کے بارے میں اس سے پوچھتا ہے۔ میرے لیے یہ بہت عام بات ہے لیکن اب جب مجھے آپ کے اور عمر کے درمیان تعلق کا پتا چل چکا ہے تو پھر آپ کو کبھی میرے اور عمر کے بارے میں سب کچھ پتا ہونا چاہیے۔ سب کچھ۔ میں اسے پسند کرتی تھی۔ میں نے اس سے شادی کرنے کی کوشش کی میں ناکام رہی اور میں اب اس سے محبت نہیں کرتی ہوں میں شاید اب اس سے نفرت بھی نہیں کرتی ہوں۔

مگر ابھی تک دوبارہ شادی کی تاریخ کے بارے میں کچھ طے نہیں ہوا۔ اب آپ خود یہ طے کر لیں کہ آپ کیا کرتا ہے۔“

وہ کافی کا آخری سپ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ جینہ بلا تک نہیں، کسی جیسے کی طرح وہ منگ، دم بخود وہاں بیٹھا تھا۔ علیزہ مزید کچھ کہے بغیر ریٹورنٹ سے باہر آ گئی۔

جینہ کا ذہن آدھیںوں کی زد میں آیا ہوا تھا۔ عمر جہانگیر۔ اس نے یہ سب کیوں کیا۔۔۔ اس طرح؟ صرف علیزہ نہیں تھیں جسے تاریکی میں رکھا گیا تھا، وہ خود بھی اسی طرح ادھیرے میں رکھا گیا تھا۔ جینہ نے اپنے احساسات کو شفاف کرنے کی کوشش کی۔ کیا یہ قابل یقین تھا کہ وہ عمر جہانگیر علیزہ کے بارے میں یہ جاننے کے باوجود کوئی خاص گوشہ نہیں رکھتا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتی تھی۔ کیا وہ واقعی جوڑتھے سے محبت کرتا تھا۔ اسے کیا کرنا چاہیے تھا۔ کیا عمر سے بات کرنی چاہیے تھی۔ کیا جوڑتھے سے بات کرنی چاہیے تھی۔ وہ اس تاریکی سے لکھنا چاہتا تھا جس میں عمر اسے رکھ رہا تھا۔

اس نے ایک بار پھر اپنے احساسات کو ٹٹولنے کو پچھانے کی کوشش کی۔ غصہ۔ غصہ۔ وہ زندگی میں کبھی اتنا مشتعل نہیں ہوا تھا۔

”تمہاری گاڑی کو پچھاتی ہے۔ طوفان کھڑا نہیں کرے گی وہ؟“
نہیں کرے گی یا راجھا نا، اتنا بھی فرما کر انداز بننے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔“
”اچھا لے لیتا ہوں۔“

عمر مسکرایا۔ ”اور میرا سامان گرہنی کی انکس میں آ جائے گا۔ تم اور علیزہ کو ہاتھ تو وہ بھی لے لو۔“ جینہ نے جبرانی اسے اسے دیکھا۔
”کیوں۔۔۔۔۔؟“

”میں نے تمہیں بتایا ہے، میں لمبے عرصے تک باہر رہنا چاہتا ہوں۔ سامان پڑا پڑا خراب ہوتا رہے گا، ویسے بھی واپس آ کر میں سب کچھ نالوں گا۔“ عمر نے ٹھٹھے ہوئے کہا۔
”تمہیں اتنا حاتم طائی بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ واپس آ کر ان چیزوں کو خود استعمال کرنا۔“ جینہ نے اسے ہنسکا۔

”میری آفر پر قرار ہے۔ تم اور علیزہ جو چاہو، اس میں سے لے سکتے ہو۔“ عمر مسکرا۔
”گاڑی بہت کافی ہے۔ اس سے زیادہ ہنگامہ میری شادی پر کوئی اور نہیں دے گا اور میں بہت زیادہ متاثر اور محروم ہو گیا ہوں۔ مزید کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری چیزوں کا خیال رکھوں گا۔ علیزہ ہے، نا تو ہیں کیوں خراب ہوگا سامان؟“

”گرہنی علیزہ کی شادی کے بعد انکل ایاز کے ساتھ رہیں گی اسلام آباد میں، ملازم ہی ہوں گے دو چارہ وہ بھی اپنے کوارٹر میں، مگر تو تقریباً بندی ہو جائے گا۔ کون دیکھے گا۔۔۔“ وہ اب ریٹورنٹ سے باہر نکل آئے تھے۔
”تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں اور علیزہ جاتے رہیں گے وہاں کوئی چیز خراب نہیں ہوگی I assure you۔“ جینہ نے اسے یقین دہانی کروائی۔

”تم کون سا صدموں کے لیے جا رہے ہو، دو سال بعد آؤ گے ہی بلکہ اس سے پہلے ہی آنے کی کوشش کرنا۔“ جینہ نے اس سے کہا۔

”یہ تو آگے چل کر ہی پتا چلے گا۔“ عمر نے کہا۔

☆☆☆

”مجھے عمر سے محبت تھی، ویسے ہی محبت تھی آپ کرتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ آپ کا دوست ہے اور میری محبت۔۔۔ میرے لیے کسی زمانے میں وہ سب سے اہم شخص تھا، اتنا اہم کہ میں اسے کہنے پر کچھ بھی کر سکتی تھی۔ تب مجھے یہ غلطی تھی کہ شاید میری محبت جینہ کی محبت پر غلبہ کرے۔“

اس نے بت سنے جینہ کو دیکھا اور سر جھکا لیا۔ اس نے اپنی کافی میں ایک چمچ چینی کا اضافہ کیا اور اپنی بات جاری رکھی۔

”ایسا نہیں تھا۔ اسے مجھ سے محبت نہیں تھی، اسے مجھ میں دلچسپی تک نہیں تھی۔ اس کے نزدیک میں ایک

اسے حیرت ہوئی، وہ عام طور پر کتابیں بھی اسی طرح نہیں رکھتا تھا۔ پھر اسے یاد آیا رات کو وہ یہ کتاب پڑھ رہا تھا جب جوڑھ کی کال آئی تھی۔ اس نے فون پر اس سے بات کرتے کرتے کچھ بے دھانی کے عالم میں کتاب کو یک ماہر رکھ کر بند کرنے کے بجائے اسی طرح سائینڈ نیبل پر رکھ دیا۔ وہ جوڑھ سے بات ختم کرنے کے بعد دوبارہ اس کتاب کو پڑھنا چاہتا رہا تھا مگر جوڑھ سے اس کی بات بہت لمبی ہو گئی اور اس نے جس وقت فون بند کیا۔ اس وقت عمر کو نیند آنے لگی تھی۔ وہ کتاب کی طرف متوجہ ہوئے بغیر ہی سو گیا تھا۔

اس نے کتاب اٹھائی اور سائینڈ نیبل پر رکھا ہوا یک ماہر رکھا پھر اس کے اندر رکھا پھر اسے بند کر دیا۔ کتاب کو واپس سائینڈ نیبل پر رکھنے کے بجائے وہ کتابوں کے اس صلیب کی طرف بڑھ گیا اس نے کتاب کو اس صلیب میں رکھ دیا۔ اگلے کچھ دن اسے اس کام کرنے سے تھکے کہ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ اس کتاب کو پڑھنے کے لیے اب وقت نکال سکے گا۔ کچھ دنوں تک اپنے کام نٹانے کے بعد اسے اپنا سامان یک کر دانا تھا اور پھر اسے لاہور بھجوا دینا تھا اور اس کے بعد اسے لاہور سے امریکہ جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتا تھا۔

اس کتاب کو وہ اب شاید امریکہ جا کر ہی پڑھنے کی فرصت نکال پاتا۔ وہ بھی اس صورت میں اگر وہ اس کے ذہن میں رہتی اور وہ اسے امریکہ ساتھ لے جاتا تو زندگی گئے کچھ سالوں تک وہ کتابیں گریڈ کی انکس میں ہی پڑی رہتی تھیں۔ وہ امریکہ جانے سے پہلے اپنے سامان کو ایک بار پھر دہیں رکھوا دیا جتنا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا اس نے جوڑھ کو رات کو اپنی امریکہ واپسی کے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہ بے اختیار چلائی تھی۔

”تو پتا خرم واپس آ رہے ہو؟“

”ہاں ہلا خرم“ عمر اس کے جوش و خروش پر مسکرایا۔

”کب تک رہو گے یہاں؟“

”اس مہینے کے آخر تک۔“ عمر نے اسے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے اسے رات کو جوڑھ ہونے والی اپنی گفتگو یاد دلاتے لگی۔

☆☆☆

Nine

9:20am

اسے اپنے کمرے سے عموماً ہوتے دیکھ کر ملازم تیزی سے اس کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ عمر کے پاس آ کر اس نے مودب انداز میں اسے سلام کیا عمر نے گردن کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر سیدھا ڈاننگ نیبل کی طرف بڑھ گیا جبکہ ملازم نیگل کے انداز میں اس کے بیڈروم کی طرف چلا گیا۔ یہ دروازہ کاملاً معمول کا تھا کہ اسے کمرے سے باہر آ کر نیچے ہی ملازم اس کے بیڈروم میں چلا جاتا اور پھر وہاں پڑا ہوا عمر کا برف۔ کس اور اسٹاک اٹھا کر اس کی گاڑی میں جا کر رکھ داتا۔

عمر عام طور پر نو بجے تک گھر سے نکل جاتا تھا مگر آج وہ قدرے لیٹ تھا۔ ڈاننگ نیبل کے پاس کھڑے

باب ۵۳

9:10am

عمر نے ڈورینگ نیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش کیا اس نے کل رات کو بال کٹوائے تھے۔ پولس فورس میں آنے سے پہلے کہ وہ سال میں کئی بار ہیر سٹائل تبدیل کرنے کا شوقین تھا جس سال پہلے پولس سروس جوائن کرنے کے بعد اگرچہ یہ شوق کچھ کم ہو گیا مگر ختم نہیں ہوا۔ پولس سروس میں وہ جس حد تک ہیر کٹ کے بارے میں آزاد روی کا مظاہرہ کر سکتا تھا اس نے کیا مگر پولس سروس میں آکر یہ شوق یکدم ختم ہو گیا۔ وہ پچھلے کئی سالوں سے معمولی سی تبدیلیوں کے ساتھ کپڑے کو ہی اپنانے ہوئے تھا۔

کل رات بھی اس نے بالوں کو اسی انداز میں تڑھایا تھا، وہ پار ہا بالوں میں برش کرنے کے بعد اس نے برش ڈورینگ نیبل پر رکھ دیا اور پرفیوم اٹھا کر اپنے اوپر ہرے کرنے لگا۔ پھر سے کرتے ہوئے اپنی گردن پر نظر آنے والے چند سرخ نشانات نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔

پرفیوم ڈورینگ نیبل پر رکھتے ہوئے اس نے گردن اوپر کر کے اپنے کار کو کچھ کھولتے ہوئے ان نشانات کو دیکھا۔ کل شام کو کالغ کھینچے ہوئے اسے اس جگہ پر اچانک جلن اور خارش ہوئی تھی بھینسا کسی کیڑے نے اسے کاٹا تھا رات کی نسبت وہ اب کچھ معدوم ہونے لگے تھے۔ اس نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے اپنے کار کو ایک بار پھر درست کیا پھر پلٹ کر اپنے بیڈ کی طرف گیا اور بیڈ سائینڈ نیبل پر پڑی ہوئی دست واچ اٹھا کر اپنی کلائی پر باندھنے لگا۔ دست واچ باندھنے کے بعد اس نے بیڈ سائینڈ نیبل پر پڑا ہوا اپنا موبائل سکرین کیس اور لائٹر اٹھا لیا۔

ڈورینگ نیبل کے سامنے آ کر اس نے ان چیزوں کو نیبل پر رکھا اور سٹینڈ پر لگی کپ اٹار کر بیٹھنے لگا۔ کپ پہن کر اس نے ایک آخری نظر آئینے میں اپنے اوپر ڈالی پھر مطمئن ہوتے ہوئے اس نے ایک بار پھر موبائل سکرین کیس اور لائٹر کو اٹھا لیا پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا وہ واپس سائینڈ نیبل کی طرف گیا۔ اس بار اس نے دروازہ کھل کر اس کے اندر موجود حالت نکالا اور اسے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اس کے بعد اس کی نظر اس کتاب پر پڑی جسے وہ رات کو سونے سے پہلے پڑھ رہا تھا۔ کتاب کو اس نے اوندھا کر کے کھلی حالت میں بیڈ سائینڈ نیبل پر رکھا ہوا تھا۔

”تمہاری آغی مجھے پہلے ہی کی دن سے کہہ رہی ہیں کہ تمہیں کھانے پر انویٹ کروں۔ آج تم کھیر کھاؤ گی صرف آ جاؤ۔ جاننے سے پہلے ہمارے ساتھ وکرو کرو۔“ سید سلطان نے ہتھکی سے کہا۔

”I'm honoured آپ حکم کریں میں حاضر ہو جاؤں گا۔“ عمر نے سگرائے ہوئے کہا۔ سید سلطان جگہ گیر معاذ کے دستوں میں سے اتھر چڑھا پہلے ہی بھر کے شہر میں ان کی پوسٹنگ ہوئی تھی۔

”خیر حکم دالی کو کوئی بات نہیں ہے۔ حکم تمہارے باپ کو دیتا ہوں۔ تم باپ کی طرح ذیقت نہیں ہو، میں جانتا ہوں ویسے آ جاؤ گے۔“

سید سلطان نے برجی سے کہا، عمران کے جملے پر ہنسنا۔
 ”میں آپ کے انڈیشن کا پہلے ہی انتقاد کر رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ جانے سے پہلے آئی کے ہاتھ کا کھانا
 ایک بار کھالوں۔“ سید سلطان نے اس کی بات کاٹ لی۔
 ”جہاں رہے اپنے کروت ہیں جن کی وجہ سے تم ایک دو بار سے زیادہ ہماری طرف نہیں آئے۔ اب تم کس
 قدر فائل ہو کر اپنی حقوق کا اظہار کر رہے ہو۔“ جانے سے پہلے آئی کے ہاتھ کا کھانا ایک بار کھالوں۔ ایک بار
 کیوں دس بار کھاؤ۔ وہ اب اسے اپنے مشہور زمانہ امیزمنٹس جھک کر رہے تھے۔
 ”جی... جی مجھے پتہ ہے۔ میری اپنی کوتاہی ہے۔“ عمر نے فوراً کہا۔
 ”کوئی خاص ڈس بونی ہو جی تو دو۔“ میں تمہاری آئی سے کہہ دوں گا۔“ سید سلطان نے آفر کی۔
 ”آئی کی برڈس خاص ہوتی ہے۔ میں سب کچھ خوشی سے کھاؤں گا۔“
 ”نہیک ہے، بھر آکر بیٹے ہوتا چاہیے جہیں ہماری طرف۔“ سید سلطان نے اسے ہدایت دیتے ہوئے
 ان کی نگر دی۔

☆☆☆

Five

11:00am

مرے ہاتھ میں کسی سے ایک سرگرم نکال کر سلگا لیا۔ وہ اس وقت اپنے آئیں میں بالکل اکلیا تھا۔ سرگرم کے کش لگے ہوئے وہ ان مقامی اخبارات پر ایک نظر ڈالنے لگا جو اس کی میسر ہو رہے تھے۔ اس کے محلے نے ایم ایچ پیس سے محتاط خدشہ کو ہائی لائٹ کیا ہوا تھا۔ اس وجہ سے تمام اخبارات کا تفصیلی مطالعہ کارمیں بند پڑا تھا۔ وہ بڑے قوی اخبارات کا مطالعہ آئیں میں صبح آتے ہی کیا کرتا تھا جبکہ لوکل اخبارات کی باری دوپہر کے قریب آتی تھی۔

اس وقت بھی ان اخبارات کو دیکھتے ہوئے اسے اپنے بارے میں چند سرخیاں نظر آئیں اس کے پوسٹ آؤٹ ہونے کے حوالے سے چند خبریں لگائی گئی تھیں اور ہر ایک مقامی کالم نویس نے اس کی پوسٹنگ کے دوران اس کی کارکردگی کو سراہے ہوئے اس کی شان میں زین و آسمان کے قلعے بنائے تھے۔ وہ دیکھتے ہوئے کالم کو

”میں ان سے کچھ دیر بعد بات کروں گا۔ تم ٹی الحاح و کوشش کے لیے بیٹھ جاؤ۔“ عمر نے اس سے کہا۔
 ”نہیں سر۔“ بی ایس مستعدی سے بیٹھ گیا۔ وہ اس فائل کو دیکھتے ہوئے اسے وکٹیشن دینے لگا۔ کیے بعد
 دھڑے اس نے ٹیبل پر پڑی ہوئی دو تین اور فائلز کو بھی دیکھا اور ان کے بارے میں بھی اسے وکٹیشن دی۔ وہ ساتھ
 ساتھ کچھ اور فائلز پر نوٹ لکھنے میں بھی مصروف تھا۔
 تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد وہ آخری وکٹیشن دے کر ایک گہری سانس لیتا ہوا خاموش ہو گیا۔
 ”یہیں اب میری آخری وکٹیشن ہے۔ کل میں شاید آؤں نہ آؤں اور اگر آ بھی تو زیادہ دیر کے لیے نہیں
 آؤں گا۔“ عمر نے اس سے کہا۔

”میرا خیال ہے دو تین دن تک مسجد بھائی یہاں پہنچ ہی جائیں گے، ابھی اپنے کچھ کام بننا ہے جس دن وہ شاید اب تک پہنچ ہی گئے ہوتے۔“ اس نے آنے والے ایس کی پی کما لیا۔

”اب میں مزید کوئی فائلز نہیں دیکھوں گا۔ مسجد بھائی ہی آکر دیکھیں گے۔ خاص طور پر ان کیسر کی فائلز۔۔۔ انہیں اچھی طرح سٹڈی کی ضرورت ہے اس لیے میں انہیں چھوڑ رہا ہوں اب ان دو تین دنوں میں میرے کچھ دوسرا شیڈول کر دو۔“

عمر نے کچھ جگہوں کے نام لیتے ہوئے کہا۔ ”پہلے اپنی نوٹ بک میں نوٹس لیتے ہوئے“ لیس سر“ کی تکرار کرتا گیا۔

☆☆☆

Six

10:50am

میر پر ہدفوں انچاک بیٹے لگا۔ عمر نے لٹکے کا سلسلہ مستطع کرتے ہوئے رمیور اٹھالیا۔
 ”سراڈکی ہی صاحب کی کال ہے۔“ آ پر بڑے نے اسے بتایا۔
 ”ہات کرواؤ۔“ عمر نے سامنے وال کاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔
 ”ٹھیک ہے، اب تم جاؤ۔“ اس نے رمیور کو ان سے لگائے ہوئے پٹی اسے سے کہا۔ وہ کمرے سے نکل
 گیا۔ چند لمحوں کے بعد کمرہ رمیور میں سپید لیٹان شاہ کی آواز سنائی دی۔
 ”میں اب کچھ دیر پہلے ہی آئی ہوں۔ آپ کو کال کرنے ہی والا تھا۔“ عمر نے مکی سلام دعا کے بعد
 دروازے سے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔
 ”کوئی بات نہیں اب تو میں نے کمرے ہی ہے۔“ سپید لیٹان نے دوستانہ انداز میں کہا۔
 ”آج رات کو کیا کرے ہو؟“

”رات کو..... کچھ خافض نہیں شاید پھر آفس میں ہی ہوں گا..... یا پھر کہیں پٹرولنگ پر۔“
 ”تو بس ٹھیک ہے پھر تم رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ۔“ سید سلطان نے طے کیا۔

عمیرہ احمد صاحبہ کی ناولز پڑھنے کے لئے ابھی وزٹ کریں

”آفیشل ڈنر میں اور گھر پر ہونے والی دعوت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔“

”پھر کبھی سہی رضوان صاحب! بعد میں ملاقات تو رہے گی آپ سے۔“ عمر نے کہا۔

”کہاں میل ملاقات رہے گی..... آپ تو فوری چھٹی پر بیرون ملک جا رہے ہیں۔“ رضوان قریشی نے یاد دہانی کر دوائی۔

”ہاں مگر پاکستان آتا جاتا رہوں گا اور پھر دوبارہ جوائن تو کرنا ہی ہے۔“

”جب کیا پتہ ہم کہاں ہوں..... آپ کہاں ہوں۔“

”جہاں بھی ہوں گا میں آپ سے رابطہ رکھوں گا۔“ عمر نے کہا۔

اگلے پندرہ منٹ اس نے رمضان قریشی کے ساتھ چائے اور سکرپٹ پیتے ہوئے گزارے۔ پھر رمضان گرم جوشی کے ساتھ اس سے مل کر آفس سے نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد عمر نے اگلے پندرہ منٹ وہاں موجود عملے کے ساتھ الوداعی بات چیت کی۔ اپنے

آفس میں موجود اپنی چیزوں کو وہ پہلے ہی اپنی گاڑی میں بھجوا چکا تھا۔

☆☆☆

• One

1:50pm

کچھ مہری میں موجود اپنے آفس سے نکل کر وہ دوبارہ اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ جبار گاڑی چلاتے ہوئے دوبارہ اسے مین روڈ پر لے آیا۔ عمر نے ایک باجر میں گلاسز لگا لیے تھے۔

”کارسروس کروالی ہے میری؟“ عمر نے جبار سے پوچھا۔

”جی سر..... میں کروا کر گھر چھوڑ کر آیا ہوں۔“

”کسی خرابی وغیرہ کے بارے میں کہا تو نہیں ممکنک نے؟“

”نہیں سر..... گاڑی بالکل ٹھیک ہے، اس نے چیک کی تھی اچھی طرح۔“

سفر ہلاتے ہوئے باہر دیکھنے لگا پھر اچانک ایک خیال آنے پر اس نے کہا۔

”راستے میں سے سگریٹ کا پچکٹ لیٹا ہے۔“

”جی سر“ ڈرائیور نے کہا۔ چند منٹوں کے بعد اس نے راستے میں نظر آنے والی ایک مارکیٹ کے سامنے پارکنگ میں گاڑی روک دی اور کچھ کہے بغیر گاڑی سے اتر گیا۔ وہ عمر کے لیے اکثر اسی مارکیٹ کی ایک شاپ سے سگریٹ خرید کر آتا تھا۔

وہ تین منٹ میں سرگرم خرید کر واپس آ گیا۔ عمرائے سرگرم کا چیک اس سے لیتے ہوئے سرگرم کو کہیں
میں رکھنے کے بجائے چیک میں سے ایک سرگرم نکالا اور چیک کو ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔ ڈراما جو جب تک گاڑی سٹارٹ
کر کے اسے زبردستی کرتے ہوئے اڑا رکھتا۔ پولیس سوانحیابہر سڑک پر ہی کھڑی تھی۔ ڈراما جو گاڑی

”شادی کی تیاریاں کیسی چل رہی ہیں؟“

”وہ بھی ٹھیک چل رہی ہیں۔“

عمر کو کچھ اطمینان ہوا۔ کم از کم اس بار علیزہ اور اس کے درمیان کوئی گڑبڑ نہیں تھی، ہوسکتا تھا کوئی اور معاملہ ہو۔
 ”میں دو تین دن تک فارغ ہو کر لاہور آ جاؤں گا۔ پھر اطمینان سے تم سے بات چیت ہوگی۔“ عمر نے

اس سے کہا۔

”میں صرف تمہاری واپسی کے بارے میں ہی جاننا چاہتا تھا۔“

”اچھا پھر میں کروں گا کہیں رات کو کال۔ مجھ کو کپ ٹپ رہے لی ابھی آؤس میں ہوں۔“ عمر نے خدا حافظ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

Two

1:20µm

”میں جائے پہنچے آیا ہوں آپ کے ساتھ۔“ سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے میشن رج رضوان قریبی نے عمر سے کہا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس کے کمرے میں آیا تھا۔ اس کا آفس عمر کے آفس سے کچھ کاٹلے پر تھا اور وہ دینا فوٹا عمر کے دفتر میں آتا تھا رہتا۔ دونوں جائے اکثر ساتھ ہی بیٹے۔

عمر نے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے ٹھنکی بجا کر اردلی کو بلوایا اور چائے لانے کے لیے کہا۔
 ”عطیں! آج آخری بار آپ کو چائے پلدا دیتے ہیں۔ اس کے بعد تو پھر موقع نہیں آئے گا۔“ عمر نے اردلی کے جانے کے بعد رضوان قمری سے کہا۔

”کیوں ابھی تو آپ چند دن اور ہیں یہاں۔“

”ہاں مگر یہاں کچہری میں آج میرا آخری دن ہے۔ پرسوں سعودی ہوائی چارج لے رہے ہیں۔ کل میں یہاں نہیں آؤں گا۔“ کچہرے میں مصروف رہوں گا۔“ عمر نے تفصیل بتائی۔

”بہت احمادیت گزرا عمر جہانگیر صاحب آب کے ساتھ..... اچھی گپ شپ ہو جاتی تھی۔“

”ہاں مگر دس بندہ منٹ کی.....“ عمر نے مسکرا کر کہا۔

”چلیں دس بندہ۔“ نٹ ہی سہی مگر اچھا نام گزرتا تھا۔“ رضوان قریشی بھی مسکرایا۔

”اس میں کوئی شک نہیں۔“ عمر نے سر ہلاتے ہوئے ٹیبل پر مڑی ہوئی چیزوں کو سینٹنا شروع کر دیا۔

”لا اور جانے سے پہلے میری طرف ایک چکر لگائیں، کھانا کھاتے ہیں اس کے بعد ’’رضوان قریشی نے آفر کیا۔
 ’’مضر در کیوں نہیں کھانا کھانا ذرا مشکل ہے، ان دو عین دن کے لئے خاص منکشیس ہو چکی ہیں میری مگر
 جو کچھ آفیشل فیوڈیل اور دو فرزند ہو رہے ہیں، اس میں تو آپ بھی الوائیٹیڈ ہوئے، کھانا کھانے کا موقع تو وہاں ہی مل
 جائے گا۔‘‘ عمر جیسمائے لکھا۔

ایک باہر جہن میں روڑ پر لے آیا۔

عمر نے لاکڑ سے ایک ہاتھ میں اوث بناتے ہوئے ہونٹوں میں دبا ہوا سگریٹ سلگایا اور پھر لاکڑ کو دوبارہ ڈنٹیں پورڈ پر رکھ دیا۔ لاکڑ کی شیشے کو اس نے کھد کر دیا تاکہ دھماکا آسانی سے باہر جاتا رہے، وہ اب اپنے باقی دن کی مصروفیات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ گاڑی تیزی سے سڑک پر دوں دوں کر رہی تھی۔ دائیں طرف سے ایک موٹر سائیکل نے عمر کی گاڑی کو اور ایک لکڑ موٹر سائیکل پر موجود دو آدمیوں سے پیچھے پیٹھے ہوئے شخص نے اپنے جسم کے گرد چادر لپیٹی ہوئی تھی۔ عمر کی گاڑی میں موجود گاڑوں ہاتھ میں کڑے ہتھیار لے کر یکدم چوکنا ہوتے ہوئے اور ٹیک کرتے ہوئے اس موٹر سائیکل کو دیکھنے لگے۔

سگریٹ پیٹے ہوئے عمر نے بھی دو سگریٹوں سے آگے نکلی ہوئی اس موٹر سائیکل کو اپنی نظروں سے دیکھا۔ موٹر سائیکل پر بیٹھے واڈھی والے دو جوان لڑکوں میں سے کسی نے عمر کی گاڑی کی طرف نہیں دیکھا تیزی سے موٹر سائیکل چلاتے ہوئے دو دونوں آہٹیں میں باتوں میں مصروف تھے اور اسی تیز رفتاری کے ساتھ موٹر سائیکل چلاتے ہوئے وہ عمر کی گاڑی سے بہت آگے نکلے ہوئے آنے والی ایک دوسری سڑک پر مڑ گئے۔

پیچھے پیٹھے ہوئے گاڑوں یکدم مطمئن ہو گئے۔ عمر نے سگریٹ کی راکھ کو جھٹکا اور سگریٹ کا ایک اور ٹکڑا لگایا گاڑی کی پیڈیاں آہستہ ہو رہی تھیں۔ انہیں ابھی کسی سڑک پر مڑنا تھا جس سڑک پر وہ موٹر سائیکل مٹی تھی۔

اس سڑک پر مڑتے ہی وہ موٹر سائیکل گئی۔ پیچھے پیٹھے ہوئے لاکڑ نے بڑی بھرتی کے ساتھ اپنی چادر کے اندر سے ایک اسٹین گن نکالی اور اس کے فریگر پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ بالکل خاموشی سے موٹر سائیکل پر یوں پیٹھے کیا جیسے اسکی کا انتظار ہو۔ اس سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ چندرا گھیر اور اکا کا موٹر سائیکل اور گاڑی والوں نے انہیں دیکھا مگر صرف جس بھری نظروں سے دیکھ کر کچھ کر گئے۔

اسٹین گن بکڑے ہوئے لاکڑ کے ہاتھ میں بندھی ہوئی لاکڑی نے ایک چاکل سٹیل دینا شروع کر دیا۔

”آگیا۔“ اس کے منہ سے نکلا، کسی نے یقیناً موڑ پر پیچھے اپنی عمر کی گاڑی کے بارے میں انہیں اطلاع دی تھی۔ موٹر سائیکل چلانے والا موٹر سائیکل کے پیڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے مستعد ہو گیا۔ اسٹین گن اوپر ہو گئی۔ عمر کی گاڑی کا ہونٹ نظر آیا۔ گاڑی مڑ رہی تھی۔ اس دو جوان نے ہونٹ پیچھے ہوئے فریگر دبا دیا۔ پہلا برست ٹانگز پر پڑا تھا۔ گاڑی کو یکدم بریک لگے اور اس سے پہلے کہ گاڑی کا ڈرائیور یا مسافر کو جانے کو کہہ کر کچھ کر سکتے دوسرے برست نے سڑک سرکین کو چھلی کر دیا۔ پولیس کی چیچے آنے والے موبائل نے ایک چاکل سٹیل بجانا شروع کر دیا۔ موٹر سائیکل ایک فریگر کے ساتھ اس سڑک پر بھاگنے لگی۔ وہ دو جوان اسٹین گن اپنی چادر کے اندر کر چکا تھا۔ جب تک موبائل موزم کو عمر کی گاڑی کر اس کرتے ہوئے آگے آئی اس سڑک پر سے موٹر سائیکل غائب ہو چکی تھی۔

☆☆☆

Zero

2:00pm

نفا میں تڑتڑاہٹ کی آواز کے ساتھ ہی جہاز چلایا۔



”مکمل سر۔“ اس کا پاؤں بریک پر تھا۔ وہ آگے کچھ نہیں کہہ سکا۔ وہ دو طرف سے گولیوں کی زد میں آیا تھا۔ ڈرائیور سیٹ کی کھڑکی اور ڈوسٹر سکرین سے..... چاکل نکلے والے بریک کے جھٹکے سے عمر یکدم جنگ گیا۔ اس کا سر ڈنٹیں پورڈ کے پاس تھا۔ جب اس نے جہاز کی چھین میں اور ڈوسٹر سکرین کی کچھوں کو اڑتے دیکھا۔ ایک سیکنڈ کے برابر وہیں سے اس میں پہلے ایک کندھے اور پھر ایک گردن میں لوہے کی گرم سلامیں سی گھسٹی محسوس کیں۔ وہ بے اختیار چلا یا تھا پھر کچھ بعد دیگرے اس نے کچھ اور سلاموں کو اپنی گردن، کندھے اور کندھے کی ہڈت میں دھنسنے محسوس کیا۔ کتنی؟ وہ نہیں جانتا سکتا تھا۔ پھر نفا میں یکدم خاموشی چھا گئی۔ اس کا سر ڈنٹیں پورڈ پر لگا ہوا تھا۔ گاڑی کی بجھلی سیٹ پر بھی کوئی کراہ رہا تھا۔ دردی شدت..... چند سیکنڈ کے لیے کوئی نظروں سے اس نے ڈنٹیں پورڈ سے سر نکالنے کے لئے اپنی آنکھوں میں اتارنی دھند کو جھٹکے کی کوشش کرتے ہوئے نیچے دیکھا۔ اس کے کھٹنے کے قریب خاکی ٹراؤزروں سے بیگ رہی تھی اس کی گردن کے اطراف اور عقب سے نکلنے والا خون ایک دھار کی صورت میں اس کی گردن کے نیچے والے حصے سے بہہ رہا تھا۔ اس نے سائرن کی آواز سنی۔ اس نے سانس لینے کی کوشش کی وہ جانتا تھا۔ پولیس موبائل ابھی اس کے پاس ہو گئی وہ جانتا تھا وہ اگلے چند منٹوں میں ہاسپتال لے جایا جائے گا، اس کے ذہن میں بہت سارے خیالات گزرتے ہوئے تھے۔ چرے آواز میں..... ناشی..... حال..... چیزیں..... لوگ..... وہ سانس لینے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ سچا ایک کراہ بھی نہیں سکتا تھا اس کے احساسات مکمل طور پر مفلوج نہیں ہوئے تھے اس نے دیکھا اس کے ہاتھ میں واڈھی خوں کے اس تالاب میں گرا ہوا تھا جس کے بیروں کے پاس پائیدار میں جمع ہوا تھا کیا مگر وہ ابھی سبک رہا تھا۔ اس میں سے اٹھنا ہوا دھواں عجیب سے اعزاز میں اوپر اٹھ رہا تھا۔ چند سیکنڈ میں اس نے سگریٹ کے شیشے کو مکمل طور پر پیچھے دیکھا پھر دھواں بند ہو گیا۔

اس کی آنکھوں سے پانی نکل رہا تھا اور اس کی ناک سے خون وہ اپنے سر کو سیدھا کارنا چاہتا تھا کوئی اس کا دور دراز کھل رہا تھا کوئی اس کے قریب بلند آواز میں بول رہا تھا۔

اس نے طیوہ کے چرے کو اپنے ذہن کی سکرین پر ابھرتے دیکھا۔ بے اختیار اس نے سانس لینے کی کوشش کی پھر اس نے اس کے ساتھ جھید کر دیکھا وہ سانس نہیں لے سکا۔ اسے اپنا اپنا بازو کسی کے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں محسوس ہوا۔ کوئی اس کے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھنے سے اس کا ہاتھ کی گرفت محسوس کی کوئی اسے سیدھا کر کے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اپنے دائیں کندھے پر کسی کی گرفت سے آزاد ہونے پر ایک گہری تاریکی نے اس کو اپنے حصار میں لے لیا۔

”مجھے سے میت کو تم مجھ سے محبت نہیں کرتے، جہیں پتہ ہے اس سے کتنی تکلیف ہوتی ہے مجھے۔“ اس نے اپنے دائیں کندھے پر کسی کے ہاتھ کی گرفت محسوس کی کوئی اسے سیدھا کر کے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اپنے دائیں کندھے پر کسی کی گرفت سے آزاد ہونے پر ایک گہری تاریکی نے اس کو اپنے حصار میں لے لیا۔

ڈوبتے ہوئے ذہن کے ساتھ جو آخری احساس تھا، وہ کسی کے اسے گاڑی سے نکالنے کی کوشش کا تھا۔ اس کے ذہن میں ابھرتے والا آخری خیال اس کی مٹی کا تھا۔

پر کال کی۔ لائن مصروف تھی۔ پریشانی کے عالم میں اس نے اپنی گاڑی باہر نکال لی۔ راستے میں اس نے ایک بار مگر عباس کو فون کیا۔ لائن اب بھی مصروف تھی۔ دوسری بار کال کرنے کے بعد فون رکھ دی تھی، جب دوسری طرف سے کوئی کال آنے لگی۔ اس نے دیکھا، وہ عباس کا نمبر تھا۔

”ہیلو عباس بھائی! عمر کو کیا ہوا ہے؟“ اس نے کال ریسیو کرتے ہی کہا۔ دوسری طرف چند لمحوں کی خاموشی کے بعد عباس نے کہا۔

”تم کہاں ہو؟“

”میں سرسبز کی طرف آ رہی ہوں۔ ابھی گاڑی میں ہوں..... عمر کو کیا ہوا ہے؟“

”کچھ نہیں، معمولی سا ایکسیڈنٹ ہے، اب ٹھیک ہے، گھبرانے کی ضرورت نہیں، تم آرام سے ڈرائیج کرو..... اپنی گاڑی میں آ رہی ہو؟“

”ہاں۔“

”اور کتنی؟“

”دو میرے ساتھ نہیں ہے۔ شاپنگ کے لیے مئی کے ساتھ گئی ہیں۔“

”ٹھیک ہے، تم آ جاؤ۔“ وہ اب اسے اس گیٹ کے بارے میں بتا رہا تھا جہاں سے اسے آنا تھا۔

”میں سیکورٹی والوں کو تنہا ہی گاڑی کا نمبر دے دیتا ہوں، جنہیں روکیں گے نہیں۔“ عباس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس نے بے اختیار سکون کا سانس لیا۔

”اس کا مطلب ہے کہ عمر ٹھیک ہے۔“

مگر پھر اسے خیال آیا کہ چائیں اسے کتنی چوٹیں آئی ہوں گی..... اور میں نے یہ بھی تو نہیں سوچا کہ وہ ڈنچی کیسے ہوا ہے، اسے خیال آیا۔ عباس کو دوبارہ فون کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ سرسبز کے پاس پہنچ چکی تھی اور وہ وہاں ہاسٹل کی چار دیواری کے باہر جگہ جگہ پولیس کی گاڑیاں اور الیکٹرانک دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ چیز غیر معمولی نہیں لگی۔ کسی حادثے میں پولیس کے اعلیٰ افسر کے ڈنچی ہونے پر پولیس کی نفری کا ہونا ضروری تھا اور پھر وہ جانتی تھی خود عباس بھی دھچکا، وہاں سیکورٹی کی بہر حال ضرورت تھی۔

وہ متعلقہ گیٹ سے اندر چلی گئی، اندر پولیس والوں کی تعداد باہر سے بھی زیادہ تھی، وہ گاڑی پارک کر رہی تھی جب اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔ گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے اس نے کال ریسیو کی، دوسری طرف صالحہ تھی۔

گاڑی کے دروازے کو لاک کرتے ہوئے اس کی نظر سائزن بجائی ایمبیولینس اور پولیس کی گاڑیوں پر پڑی جو ابی گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھیں۔

”ہیلو علیزہ!“ دوسری طرف سے صالحہ کہہ رہی تھی۔

”ہیلو۔“

علیزہ نے گاڑی کے لاک کو چیک کرتے ہوئے کہا۔ اس کی نظر اب بھی اس ایمبیولینس پر تھی جو درجہ تھی جس کی گاڑی

باب ۵۵

”علیزہ! لی لی! آپ ہاسٹل چلی جائیں۔“ وہ گاڑی پر درج میں روک کر ابھی نیچے اتری رہی تھی جب سر یہ بابا نے اس سے کہا۔

”ہاسٹل کس لیے؟“ اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

”عباس صاحب کا فون آیا تھا، انہوں نے کہا ہے۔“ سر یہ بابا نے بتایا۔

”عباس کا..... مگر کیوں؟“ اس بار اسے تشویش ہوئی۔

”بس آپ وہاں چلی جائیں۔“ سر یہ بابا نے کہا۔

”ناؤ اور مئی کہاں ہیں؟“ علیزہ پریشان ہوئی۔

”وہ لوگ شاپنگ کے لیے گئے ہیں۔ عباس صاحب اب ان کا پوچھ رہے تھے پھر انہوں نے کہا کہ انہیں

بھی بیٹھام دے دیں اور آپ کو بھی..... وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ آپ اپنا موبائل آن رکھیں اور ان سے رابطہ کریں۔“

سر یہ بابا نے کہا۔

”کون سے ہاسٹل؟“ علیزہ نے گاڑی میں دوبارہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

”سرسبز ہاسٹل۔“ سر یہ بابا نے کہا۔

”آپ نے ان سے پوچھا کہ سب کچھ ٹھیک ہے نا؟“

”جی میں نے پوچھا..... وہ کہہ رہے تھے کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟“

”کس کا؟“

”عمر صاحب کا۔“ اس کے دل کی ایک دھڑکن مں ہوئی۔

”عمر کا..... وہ ٹھیک تو ہے؟“

”آپ ان سے بات کر لیں۔ انہوں نے جلدی فون بند کر دیا تھا۔“ سر یہ بابا نے کہا۔

علیزہ نے ڈرائیجنگ سیٹ پر بیٹھ کر بیگ سے اپنا موبائل نکالا اور اسے آن کرتے ہوئے عباس کے موبائل

اس کے ارد گرد پولیس الیکاروں کا لمبا چھڑا اجماع تھا۔ وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اس میں عمر ہوگا۔ وہ کچھ متغرب ہی ہوگئی۔

”آئی ایم سوری“ دوسری طرف سے اس نے سالو کو کہتے بنا۔

”کس لیے؟“ وہ سالو کی بات پر کچھ حیران ہوئی۔ اس کی نظراب بھی ایوب لنس پر تھی جس کا پچھلا دروازہ

اب کھل چکا تھا۔

”عمر جاگتیر کی ڈیجھ کے لیے... یقین کرو۔ مجھے واقعی افسوس ہے۔“ موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ

کر نیچے گر پڑا۔

”ڈیجھ۔“ اس نے بے یقینی سے کہا۔

”میرے خدا۔“ وہ ایوب لنس سے نکالے جانے والے سڑچر کو دیکھ رہی تھی۔

سڑچر پر موجود سفید چادر جگہ جگہ سے خون آلود تھی۔

فوفوگرافری کی فلش لاش.....

سڑچر کے ساتھ چٹا ہوا عباس.....

اس کے بہت سارے دوسرے کزنز.....

اس نے ایک قدم آگے بڑھایا..... دوسرا..... تیسرا..... اور پھر اس نے خود کو بھاگتے پایا تھا۔

پاگوں کی طرح جھوم کواٹنے.....

ایک پولیس والے نے اسے روکنے کی کوشش کی، اس نے پوری قوت کے ساتھ اس کو دھکا دیا..... پھر اس

کے کسی کزن نے اسے دیکھا تھا اور بارہا وہ کسی نے اسے نہیں روکا۔

وہ بھاگتی ہوئی سڑچر کے سامنے آئی تھی۔ عباس نے اسے دیکھا تو سڑچر پر رکھا ہوا ہاتھ ہٹا لیا اور چند قدم

تیزی سے چٹا ہوا اس کے پاس آ گیا۔ علیو و گردن باز دھچکلاتے ہوئے اسے ایک طرف کیا تھا۔

سڑچر کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، وہ اسی تیزی کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر رہا..... وہ اس کے

اتنے قریب سے گزرا تھا کہ ہاتھ پر ہا کر اس کا پھڑپھوٹنے لگی۔ سفید چادر جہاں سب سے زیادہ خون آلود تھی، وہ اس

کا سر اور چہرہ ہی ہوسکتا تھا..... لیکن وہ ہاتھ نہیں بڑھا سکی۔

وہ یہ یقین ہی نہیں کر سکتی تھی کہ اس سڑچر پر، اس حالت میں..... اس سفید چادر سے ڈھانچا ہوا وجود عمر کا

ہوسکتا ہے.....

عمر جاگتیر کا.....

اس کی نظروں نے آپریشن تھیمز تک سڑچر کا تعاقب کیا پھر اس نے گردن موڑ کر پہلی بار عباس کا چہرہ دیکھا۔

”عمر۔“ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر حلق سے آواز نہیں نکلی۔ صرف ہونٹوں میں جھنپٹ ہوئی تھی، عباس

نے ٹھٹک خورہ انداز میں سر ہلایا۔ وہ بے یقینی سے اس کا سا ہوا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

ایک فوفوگرافر نے ان دونوں کی تصویر کھینچی..... فلش لائٹ جھپٹنے پر اس نے عباس کو غضب ناک ہوتے دیکھا۔

”اس باسٹرو سے کمرہ لے کر..... دیکھو دے کر اسے یہاں سے نکالو۔“ وہ اب کسی سے کہہ رہا تھا۔

علیو نے چند پولیس والوں کو اس فوفوگرافر کی طرف بڑھتے دیکھا۔

”عباس کو غلطی ہوئی ہوگی، یہ عمر نہیں ہوگا، کوئی اور ہوگا، عمر اس طرح کیسے.....“ نافذ ذہن کے ساتھ

اس نے آپریشن تھیمز کے بند دروازے کو دیکھا۔

اس نے عباس کے بازو کا پکڑے کھدے سے ہٹانے کی کوشش کی، وہ عمر کو اس کے موبائل پر رگ کرنا چاہتی تھی۔

اسے یاد آیا، اس کے پاس نداس کا بیگ تھا، ندافون..... گاڑی کی چابی تک نہیں تھی۔

”علیو! اس کمرے میں چلی جاؤ، تانیہ وہاں ہے۔ میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔“ عباس اسے ایک طرف

لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔

”مجھے موبائل دیں، مجھے فون کرنا ہے۔“ وہ اب کسی دوسرے کو پکڑے ہوئے تھی، اس کا ایک اور کزن خضر علی

ان کے ساتھ تھا وہ اور عباس کچھ کہہ رہے تھے۔ علیو کے لیے ان کی باتوں کو کچھنا مشکل ہو رہا تھا۔

ان کے ساتھ چلتے ہوئے وہ اب کسی کمرے میں داخل ہوگئی، وہاں تانیہ تھی اور اس کی نیلی کی چند دوسری

خواتین بھی۔

”ہلیز فون دیں۔“ اس نے کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”کس فون کرنا ہے، میں کر دیتا ہوں۔“ عباس نے نرمی سے کہا۔

”عمر کو.....“

عباس نے تانیہ کو اشارہ کیا۔ ”Just take care of her.“ (اے سنبھالو)

تانیہ نے اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے جانے کی کوشش کی۔ وہ یکدم مشتعل ہوئی، اس نے روشنی

سے تانیہ کا بازو جھٹکا۔

”میں آپ سے فون مانگ رہی ہوں..... اور آپ میری بات نہیں سن رہے۔“ عباس باہر جاتے جاتے

رک گیا۔ علیو کی آواز بے حد بلند تھی۔ عباس نے ایک نظر دروازے کے باہر موجود جھوم پر ڈالی۔

”خضر! تم چلو، میں آتا ہوں۔“ اس نے ساتھ کھڑے خضر سے کہا اور اس کے باہر نکلے ہی دروازے کو

آہستگی سے بند کر دیا۔

”مجھے فون دیں۔“ علیو ہر ایک بار پھر غرائی۔ ”میں اسے فون کرنا چاہتی ہوں۔“

”خضر تم فون کرنا چاہتی ہو، وہ اب نہیں ہے..... ہلیز تم.....“

اس نے عباس کی بات کاٹ دی۔

”میری بات کروا دیں اس سے..... ہلیز عباس بھائی بات کروا دیں۔ آپ لوگوں کو کوئی غلطی ہے، عمر کو

کچھ نہیں ہوا۔ اسے کچھ نہیں ہوسکتا۔“ اس بااس کی آواز میں بے جا کٹی تھی۔

”اس کے پاس اتنی سیکورٹی ہوتی ہے، اسے کچھ کیسے ہوسکتا ہے، آپ خود سوچیں تاکہ کوئی غلطی ہوگئی ہے

عہاس بھائی۔" وہ بے ربط بیٹے بول رہی تھی۔

کیا کہہ رہی تھی، نہیں جانتی تھی۔ کیا کہنا چاہتی تھی، اس سے بھی خبر نہ تھی۔

عہاس کے چہرے کی تسکین اور شگفتگی اس کے خوف میں اضافہ کر رہی تھی مگر خوف.....؟

"کیا خوف تھا؟ ہے؟ یعنی؟ کیسی ہے یعنی تھی؟

عہاس نے اس بار کچھ نہیں کہا، وہ ایک ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

علیہ کی نظر ٹیبل پر اس کے بائیں ہاتھ میں پڑے سیڈ پیکٹ پر پڑی جس کی سیل وہ اب کھول رہا تھا۔

پیکٹ کی سیل کھولنے کے بعد اس میں موجود چیزوں کو دیکھنے لگی۔ ٹیبل پر اٹھ گیا۔

وہ عمر کا سوا پل، گھاس، سرکٹ کیم، لائٹر، گھڑی، واٹ اور چند دوسری چیزیں تھیں۔ وہ کچھ چیزوں کو

بچھاتی تھی، کچھ کو نہیں بچھاتی تھی۔ کچھ بھی کہے بغیر جوئے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے وہ میز کے قریب آ کر گھڑی ہو

گئی۔ میز پر پڑی ہوئی چیزوں میں سے کچھ خون آلودہ تھیں، وہ ان چیزوں کو ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں کر سکی۔ بس

دونوں ہاتھ میز پر رکھے ایک تک انہیں دیکھتی رہی۔

وہ سب چیزیں بھی اس شخص کی زندگی کا ایک حصہ تھیں جسے وہ اپنے وجود کا ایک حصہ سمجھتی تھی۔

اس سب چیزوں پر اس شخص کے ہاتھوں کا لمس تھا جسے اس نے دنیا میں سب سے زیادہ چاہا تھا۔ مگر جہانگیر

ختم ہو چکا تھا، سامنے بڑا ہوا سوا پل، فون اب بھی عمر کے ساتھ اس کا رابطہ نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے وہیں بیٹھ کر ٹیبل پر اپنا سر رکھ دیا اور غصیاں سمجھ کر روٹی چلی گئی۔

"میں نے بھی اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اس طرح چلا جائے۔" وہ بے حاشا رو رہی تھی، بچوں کی طرح،

جنونی انداز میں۔

اس لمحے اس پر پہلی بار انکشاف ہوا تھا کہ اسے عمر سے بھی نفرت نہیں ہوتی تھی۔ وہ عمر سے نفرت کر رہی نہیں

سکتی تھی صرف ایک دھوکہ اور فریب تھا جو وہ اپنے آپ کو دے رہی تھی، صرف اس خواہش اور اس امید پر کہ شاید کبھی

اسے عمر سے نفرت ہو جائے۔

کبھی..... کبھی..... شاید کبھی.....

☆☆☆

"تم کئی کے مرنے پر اتنا رو رہی ہو تو میرے مرنے پر کتنا روؤ گی؟" عمر نے اس سے بڑی سنجیدگی سے

پوچھا۔

"آپ کس طرح کی باتیں کرتے ہیں؟" وہ بے اختیار بارہمان کر رہی۔

"پوچھ رہا ہوں اپنی معلومات میں اضافے کے لیے۔" عمر مسکرایا۔

علیہ دھمکے چار دن سے کئی کے مر جانے کے بعد دھمکے دھمکے سے رو رہی تھی اور وہ فون پر کئی کے

بارے میں جاننے کے بعد اسلام آباد سے عزیمت کر کے آیا تھا۔ وہ اس قدر رنجیدہ اور دل گرفتہ تھی کہ عمر جو صرف ایک

دن کے لیے آیا تھا، چار دن اس کے پاس رہا۔

چوتھے دن جب وہ ایئر پورٹ تک دوا میڈ کے ساتھ اسے چھوڑنے جا رہی تھی تو اس نے علیہ سے پوچھا تھا۔

"اس طرح کی باتیں نہ کریں میرے ساتھ۔" علیہ کو ایک بار پھر کڑی یاد آئی گئی۔ "مجھے پتا ہے، آپ کو

کچھ نہیں ہوگا۔"

"کیوں؟" عمر کچھ حیران ہوا۔

"بس مجھے پتا ہے....." وہ مڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"تم میرے لیے رونا نہیں جانتی ہو، اس لیے یہ کہہ رہی ہو؟" علیہ کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو

آنے لگے۔

"اوکے..... سو رہی۔" عمر نے بے اختیار دونوں ہاتھ اٹھائے۔ "مگر کڑی بہت لگی ہے جس کے

لیے تم اتنا رو رہی ہو۔" وہ محذرت کرتے ہوئے بھی کہنے سے باز نہیں آیا۔

☆☆☆

تانیہ نے اسے کدوؤں سے پکڑ کر سیدھا کرنے کی کوشش کی، عہاس ہونٹ بیچنے ان تمام چیزوں کو ایک بار

پھر اسی لٹکانے کے اندر ڈال رہا تھا۔

"جسٹ ریٹیکس علیہ وارونے سے وہ آ تو نہیں جائے گا۔" تانیہ نے اس کے کدوؤں پر کچھ دباؤ ڈالنے

ہوئے کہا۔

"میرے رونے سے تو آ جاتا تھا۔" تانیہ کچھ کہہ نہیں سکی۔

"مجھے اس کے پاس چاہتا ہے..... میں اس کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔"

"اس کا پوسٹ مارم ہو رہا ہے علیہ وارمیں کچھ دیر بعد ہمیں اس کے پاس سے جاؤں گا۔" عہاس نے اس

کے کندھے کو تھپکتے ہوئے کہا۔

وہ بیٹھ ہی سے روٹے ہوئے اسے دیکھتی رہی۔ بہت سالوں کے بعد وہ پول کمی کے سامنے رو رہی تھی۔

آنسوؤں کچھ گرنے کی کوئی ارادہ یا غیر ارادہ کی کوشش کیے بغیر۔

"تم کبھی پتھر نہیں ہو سکتیں علیہ وارم کبھی پتھر نہیں ہو سکتی ہو۔" اس حالت میں پہلی بار اسے عمر کی اس بات

کا یقین آ رہا تھا۔ اس کا دل دھت یہاں بیٹھے اس کی ہر بات کا یقین آ رہا تھا۔

وہ ٹھیک کہتا تھا۔ وہ جذبہ پاتی تھی، وہ انجیئر تھی اور وہ عمر کے کسی بھی حصے میں ان دونوں خاصیتوں سے ملتا تھا۔

ماصل نہیں کر سکتی تھی۔ کوئی عمر سے بہتر اسے نہیں جانتا سکتا تھا۔

عہاس اب کمرے سے باہر جا رہا تھا۔ عہاس کے جسم پر موجود یہ بخارم نے اسے ایک بار پھر عمر کی یاد دلائی

تھی۔ کیا کچھ نہ تھا جو اب اسے اس کی یاد دلاتا تھا؟ وہ گھنٹوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔

تو یہ ہوتی ہے زندگی

ایک وقت میں ایک ہی چیز ختم ہی ہے، دونوں نہیں اور اس وقت اس کے دل میں عمر کے لیے کوئی شکایت، کوئی گلہ، کوئی شکوہ نہیں تھا اور اب زندگی میں بھی کوئی شکایت نہیں سکتا تھا۔

”فائرنگ کی تھی کسی نے گاڑی میں اس کا ایک گارڈ اور ڈرائیور بھی مارا کیا۔ عباس کو اس ایکسیڈنٹ کی دس منٹ بعد ہی اطلاع مل گئی تھی۔ وہ بہت اپ سٹ تھا۔ یہاں سے خود بجلی کا پڑ میں گیا تھا اس کی ہاڈی لانے کے لیے، میں کوشش کرتی رہی کہ تم لوگوں کو کسی طرح فریس آؤٹ کر لوں مگر نہیں کر سکی۔ خود عباس نے بھی بہت کوشش کی۔“

تانیہ بھی آواز میں ساتھ والی کرسی پر بیٹھی کھڑی تھی۔ علیزہ کے لیے یہ سب اطلاعات بے معنی تھیں۔

”وہ چند دنوں میں امریکہ جانے والا تھا انیس پاکستان لیو پر اور یہ سب کچھ ہو گیا۔“ علیزہ نے یکدم سر اٹھا کر دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اس کو دیکھا۔

”تھیں لگتا ہے، میں چلا جاؤں گا تو تمہارے اور چند کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا؟ اگر ایسا ہے تو میں واقعی دوبارہ بھی تم دونوں کے درمیان نہیں آؤں گا میں جینے سے دوبارہ بھی نہیں ملوں گا۔“

”تم کچھ پوچھنا چاہتی ہو؟“ تانیہ نے اسے ساتھ کیا، علیزہ نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کے گلے میں آنسوؤں کا چندا سا لگ گیا تھا۔

”تم ہارڈ کور ریسل ہو۔ بس فرق یہ ہے کہ تم نے یو نیٹارم پہنا ہوا ہے جس دن یہ یو نیٹارم اتر جائے گا، اس دن تم بھی اسی طرح مارے جاؤ گے جس طرح تم دوسرے لوگوں کو مارے ہو۔“

علیزہ نے شکست خوردگی کے عالم میں سر ہچکایا۔

اس نے زندگی میں خود کو اس سے زیادہ شکست اور قابلِ رحم بھی محسوس نہیں کیا تھا۔

”وہ کتنی تکلیف سے گزرا ہوا ہوگا۔ کتنا درد برداشت کرنا پڑا ہوگا اسے۔“ وہ ایک بار پھر چھوٹ چھوٹ روئے گی۔

”کون کہتا ہے کہ کسی شخص سے ایک بار محبت ہونے کے بعد اس سے نفرت ہو سکتی ہے۔ جو کہتا ہے وہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹا ہے۔“

Cycle of replacement میں صرف محبت کی replacement نہیں ہوتی۔ خود کو رعب دینے کے باوجود ہم جانتے ہیں کہ ہمارے وجود میں خون کی گردش کی طرح نئے والا نام کس کا ہوتا ہے۔ ہم کبھی بھی اسے اپنے وجود سے نکال کر باہر نہیں پھینک سکتے۔ وہ تمہارے اس کے اوپر دوسری عینوں کا ڈھیر لگائے جاتے ہیں، کیبتے جاتے ہیں۔ اب ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اب ہم اس سے محبت کرتے ہیں لیکن جو زیادہ درد ہوتا جاتا ہے وہ زیادہ قریب آتا جاتا ہے اور وہ ہمارے دل اور دماغ کے اس حصے میں جا پچھتا ہے کہ کبھی اس کو وہاں سے نکالنا پڑے تو پھر اس کے بعد ہم نازل زندگی گزارنے کے قابل ہی نہیں رہتے۔

وہ اس کی محبت میں اٹھارہ سال کی عمر میں گرفتار ہوئی تھی۔ وہ واحد شخص تھا جس سے وہ ہر بات کر لیتی تھی،

بہت ساری وہ باتیں بھی جو وہ کبھی شہلا اور نالو سے بھی نہیں کر سکتی تھی۔

وہ واحد شخص تھا جو اس کے کُڑے برداشت کرتا تھا۔ بازار اٹھاتا تھا۔ اس نے عمر جہانگیر کے علاوہ کسی سے اتنی خدمت نہیں کی تھی۔ کسی کو اتنا تنگ نہیں کیا تھا۔ اس نے عمر جہانگیر کے علاوہ کسی کو برا بھلا بھی نہیں کہا تھا۔ کسی سے بدتمیزی بھی نہیں کی تھی۔ کسی پر چیخ پھانسی بھی نہیں مچی۔

وہ واحد شخص تھا جو اس کی ہر غلطی اپنے کندھوں پر لینے کے لیے تیار رہتا تھا۔ جو اسے محفوظ رکھنے کے لیے کسی بھی حد تک جانساک تھا اور وہ یہ سب کچھ جانتی تھی۔

اور اب جب وہ اپنی زندگی کا سفر ختم کر کے دنیا سے جا چکا تھا تو وہ انہوں کی طرح ہاتھ پھیلائے کھڑی رہ گئی تھی۔ کوئی دوسرا شخص اس کے لیے عمر جہانگیر نہیں بن سکتا تھا۔

دونوں ساتھ ہر رکے دو بچوں کی طرح دور رہتی تھی، بالکل اسی طرح جس طرح وہ اٹھارہ سال کی عمر میں ایک بار عمر کے سامنے پارک میں دوڑتی تھی اور پھر اس کے بعد اس کے سامنے کی بارود کی تھی۔ کیا کچھ تھا جو آج اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔ اسے پہلی بار لگ رہا تھا جیسے سب کچھ ختم ہو گیا۔ سب کچھ..... کبھی بھی، کبھی بھی باقی نہیں رہا تھا۔ کیا تھا اگر وہ اس سے محبت نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی اس کا ہونا ہی کتنا کافی تھا اس کے لیے۔

کچھ قاتلے پر موجود ایک کمرے میں عمر جہانگیر کے جسم کو کاٹنے والے سارے نشتر اسے اپنے وجود پر چلنے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ اسے اپنی زندگی میں بہت سی تکلیف دہ چیزوں سے بچایا کرتا تھا اور وہاں بیٹھے علیزہ سکندر کی خواہش اتنی تھی کہ وہ اس سب کے بدلے عمر جہانگیر کو صرف ایک چیز سے بچالے۔ موت ہے.....

☆☆☆

پورٹرز نے صوبائی وزیر کو گھیرا ہوا تھا۔ جو کچھ دیر پہلے باہر چلے جاتے تھے۔

”آپ کا کیا خیال ہے سر اس قتل کے پیچھے کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟“ ایک پورٹرز نے ان سے سوال کیا۔ ”دیکھیں، اس بارے میں فوری طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پولیس نے انوکھی بحث کا آغاز کر دیا ہے امید ہے جلد ہی اس انفرنٹس ٹاک حادثے کے مجرموں کو پکڑ لیا جائے گا۔“ انہوں نے اپنے پاس کُڑے آئی جی پنجاب کو دیکھتے ہوئے کہا کہ گورنر ہاؤس انداز میں سر ہلے تھے۔

”کیا پولیس کو اس معاملے میں کوئی لیڈ ملی ہے؟“ ایک اور سوال ہوا۔

”اس بارے میں آئی جی صاحب آپ کو زیادہ اچھی طرح بتا سکتے ہیں مگر میں نہیں سمجھتا کہ وہ ابھی فوری طور پر آپ کو کوئی بریکنگ نیوز دے سکتے ہیں۔ پھر بھی بہتر ہے یہ سوال آپ ان ہی سے کریں۔“ انہوں نے آئی جی صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”عمر جہانگیر ہمارے ایک بہت کامیاب فیسر تھے۔“ آئی جی نے اشارہ ہاتھ سے اپنے بیان کا آغاز کیا۔

”ان کے ساتھ ہونے والا حادثہ دراصل ہمارے پورے ڈیپارٹمنٹ کے لیے ایک بہت بڑا نقصان ہے۔ جیسا کہ آپ کو شہر صاحب نے بتایا۔ پولیس نے اپنی انوکھی بحث کا آغاز کر دیا ہے۔ ہم حالات کا جائزہ لینے اور شہداء

کی مدد سے اڈتالیس گھنٹوں کے اندر مجرموں کو پکڑنے کی کوشش کریں اور ہمیں پوری امید ہے کہ ہم اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جائیں گے۔

ایک رپورٹ نے آئی جی کی بات کو کانا "سر یہ جو آپ اڈتالیس گھنٹے کی بات کر رہے ہیں۔ آج تک کون سی پولیس اڈتالیس گھنٹوں میں مجرم پکڑنے میں کامیاب ہوئی ہے؟" آئی جی کی ماتھے کے بل کچھ کمرے ہو گئے۔

"اگر پولیس اڈتالیس گھنٹوں میں مجرم پکڑنے میں کامیاب ہوتی تو آج ہم اور آپ یہاں کمرے ہو کر یہ منگھٹو نہ کر رہے ہوتے۔ پچھلے ایک سال میں جب سے آپ آئی جی منجانب بنے ہیں۔ سات مختلف رنگس کے آفیسر کو مارا گیا ہے اور پولیس اس سلسلے کو روکنے میں مکمل طور پر ناکام رہی ہے۔"

اس بار آئی جی نے قدرے ترشی سے اس فیرنگی براڈ کاسٹنگ کے ادارے سے وابستہ تیز طرارحم کے پاکستانی صحافی کی بات کو کاٹ دیا۔

"پولیس نے ایک سے علاوہ تمام واقعات میں ملوث مجرموں کو پکڑ لیا ہے۔"

"اگر آپ واقعی مجرموں کو گرفتار کر چکے ہوتے تو آج آپ کا ایک اور آفیسر اس طرح مارا جاتا۔" اس رپورٹر نے بھی اتنی ہی تنہی دہنری سے کہا۔

صوبائی وزیر نے بردہ مذاہلت کی۔ "دیکھیں، یہ کچھ زیادہ سخت قسم کا تیز رہا ہے جو آپ کر رہے ہیں۔ آئی جی صاحب نے جب سے اپنی tenure شروع کی ہے، منجانب میں لاوائڈ آرڈر کی صورت حال بہت بہتر ہو گئی ہے۔"

"مرا! آپ نہیں سمجھتے کہ اسے سینئر آفیسر کے قتل کے موقع پر لاوائڈ آرڈر کی بہتر صورت حال کی تعریف کچھ مذاق لگتا ہے؟" صوبائی وزیر چہلے کچھ نہیں بول سکے۔

"وہ۔۔۔ دیکھیں۔۔۔ وہ۔۔۔ اگر۔۔۔ آپ پورے ملک میں دیکھیں۔۔۔ تو۔۔۔ میں اس کے لحاظ سے صورت حال میں بہتری کی بات کر رہا ہوں۔" صوبائی وزیر بے اختیار بولکھائے۔

"ہائی تین سوویں میں کبھی بھی اس طرح ہڑا ہڑا آفیسر قتل نہیں ہوئے۔ خاص طور پر ایک سال میں۔ آخر منجانب میں ہی ایسا کیوں ہو رہا ہے۔"

صوبائی وزیر کے ساتھ ساتھ آئی جی منجانب کا دل چاہا کہ وہ اس رپورٹر کی باتیں کے ساتھ ساتھ اس کی زبان نکال کر بھی اس کے ہاتھ میں رکھ دیں مگر ہارڈو سے پڑھا ہوا وہ صحافی ایک دفاعی ذریعہ کا بیٹا تھا۔ وہ اس کی بجواس اور سوال سننے پر مجبور تھے۔

"آپ منجانب کی آبادی بھی تو دیکھیں۔" وزیر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"آسی ہزار سے آفیسر قتل کا کیا حلقن ہے؟"

"میں لاوائڈ آرڈر کی صورت حال کے حوالے سے آبادی کا ذکر کر رہا ہوں۔" وزیر صاحب نے قدرے غصہ جڑائی کا محبت دیا۔ "ہائی سوویں میں کم آبادی کی وجہ سے اتنے مسائل کا سامنا پولیس کو نہیں کرنا پڑتا جتنا منجانب

میں کرنا پڑتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم حالات کو اور بہتر کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"آپ کا ایک ایس جی جو کسی شہر میں بادشاہ کے برابر ہوتا ہے وہ دن دینا ہڑے اپنے گاڑا اور ڈرائیور کے ساتھ شہر کے چار قتل ہو جائے تو عام لوگ اپنی حفاظت کے لیے کسی کی طرف دیکھیں۔" اس رپورٹر نے چوڑھم چہاتے ہوئے کہا۔

"پولیس اگر اپنے ایک آفیسر کو نہیں بچا سکتی تو وہ ایک عام آدمی کو کتنی سیکورٹی دے سکتی ہے۔"

"دیکھیں، جس شہر میں وہ تعینات تھے، وہ منجانب کے حساس علاقوں میں شمار کیا جاتا ہے اور عمر جہانگیر کے بارے میں مجھے کو کچھ ایسی خبریں ملی تھیں کہ ان کی جان کو خطرہ تھا۔ انہیں دھمکی آمیز فون کاٹز بھی کی جاتی رہی تھیں۔ مجرم اس پورے معاملے میں دہشت گردی کے عنصر کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دے سکتے۔ بہت سارے پکٹرز ہیں جو ایسے حادثات کا سبب بن جاتے ہیں مگر ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ ایسے حادثات دوبارہ نہ ہوں۔" حمزوی دیر میں پولیس آفیسر ڈی ایک ہائی لیول کی میٹنگ ہو رہی ہے۔ کل وزیر داخلہ آ رہے ہیں، وہ بھی ایک میٹنگ کر رہے ہیں۔" اس بار آئی جی نے فشر سے اجازت لیتے ہوئے کہا اور رپورٹر نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تو آئی جی کی جان میں جان آئی۔

"مرا! آپ نے دہشت گردی کا ذکر کیا ہے۔ کیا آپ کا اشارہ مذہبی دہشت گردی کی طرف ہے لاوائڈ آرڈر کی صورت حال کو خراب کرنے کے لیے یہ کسی فیرنگی انجینی کا کام ہے؟" ایک دوسرے رپورٹر نے ٹکتا اٹھایا۔

"میں نے آپ کو بتایا تھا۔۔۔ اس مسئلے پر ابھی کچھ نہیں کہا جا سکا، جیسے ہی ہم اس معاملے میں کچھ پروگریس کرتے ہیں پولیس کانفرنس کے ذریعے آپ لوگوں کو پولیس کی تمام کارروائی کے بارے میں آگاہ کر دیں گے۔" آئی جی جی نے کہا۔

"عمر جہانگیر کا فی تیارہ شخصیت تھی۔ پچھلے کچھ سالوں میں کسی کی حوالوں سے وہ اخبارات میں آتے رہے۔ کہیں یہ کسی ذہنی دشمنی کا نتیجہ تو نہیں ہے؟" ایک دوسرے رپورٹر نے کہا۔

"ابھی سمجھ نہیں کیا جا سکا۔" آئی جی نے اس بار انکائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مگر کیا اس قتل سے آئندہ آنے والی پولیس ریٹائرز پر کچھ اثر پڑے گا؟" اس بار ایک دوسرے رپورٹر نے پوچھا۔

"کیسا اثر؟"

"کیا آپ کو نہیں لگتا کہ پولیس کے اختیارات میں کمی اور دل میں تبدیلی کر کے آپ پولیس آفیسر کو حریف

Vulnerable بنا دیں گے۔"

"اس کے برعکس میں سمجھتا ہوں کہ اس نئے سسٹم سے پولیس اور عوام کے درمیان ایک بہتر ورکنگ ریلیشن

شپ پیدا ہوگا اور اس طرح کے حادثات کا سدباب بھی ہو سکے گا۔" لاوائڈ آرڈر کی صورت حال ابھی اور بہتر ہو گئی۔" صوبائی وزیر نے اپنے پسندیدہ پبلک ایک بار پھر گردان کی۔

”یعنی ایس بی جب ڈی بی او اور ڈی سی ای او کھلانے لگیں گے تو پھر وہ اس طرح نکلے عام سڑکوں پر نہیں مارے جائیں گے۔“

”شیراز صاحب! آج آپ کو ہوا کیا ہے۔ کس طرح کے سوال کر رہے ہیں آپ بار بار؟“ بڑا غر صوبائی وزیر چکر بول اٹھے۔

”شیراز صاحب نے سول سروس کے انگریز میں دوسری پوزیشن لی ہے اور چند ہفتوں میں اکیڈمی جوائن کر رہے ہیں۔“ ایک دوسرے پر پڑنے لگے۔

”پھر تو میں امید کرتا ہوں کہ آپ پولیس سروس میں آئیں گے تاکہ وہ بہتری جو ہم نہیں لائے آسکے آپ لائیں اور ہم بھی آپ کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں۔“ اس بار ڈی بی جی نے اپنے چہرے پر ایک زبردستی کی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

”وہی بھی پولیس کے جھگے کو ضرورت ہے آپ جیسے انفر ڈی۔ آپ سب کا بہت بہت شکر یہ۔“ صوبائی وزیر نے آئی بی کے جواب میں کچھ اضافہ کیا اور گلے کی سوال سے پہلے اپنی گامی کی طرف جانے لگا۔

”میں انوکھا بٹھا ہوں۔ میں جاؤں گا پولیس سروس میں۔“ شیراز صدمہ منی ہو رہا تھا۔

☆☆☆

ہر چیز بہت تیز رفتاری سے ہوئی، دوسرے دن شام کے قریب مر جہانگیر کی تدفین کر دی گئی۔ جہانگیر معاذ وہ پہرے کے قریب پاکستان پہنچے تھے۔ ذرا مسود پاکستان نہیں آسکیں۔ وہ ایک اور پٹیشن کے لیے جا پٹیل میں ایڈمٹ تھیں اور ان کے شوہر نے بیادری اور آپریشن کے مد نظر انہیں اطلاع دینے سے معذرت کر لی تھی۔

معاذ حیدر جیسے خاندان کے لیے مر جہانگیر کا نقل ایک بہت بڑا صدمہ تھا، یہ تصور کرنا بھی ان کے لیے مشکل تھا کہ ان کے اپنے خاندان کے کسی فرد کو بھی اس طرح دن دیا نہ جائے۔

عمر کے قانون کے بارے میں فوری طور پر کچھ جانیں چاہیے۔ وہ کون تھے؟ انہوں نے عمر کو کیوں قتل کیا؟ اور ایسے بہت سے سوالات کا کوئی جواب کہیں نہیں تھا۔ شاید انے وقت بھی ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ معاذ حیدر کا پورا خاندان اگلے دن تک ان کے گھر پر بیٹھ ہوتا رہا۔ موضوع گفتگو ہر ایک کے لیے عمر ہی رہا۔ طلیہ ان سب کو عمر کے بارے میں باتیں کرتے سنتی رہی۔

وہ ڈسکس کرتے تھے، کس طرح عمران تمام باتوں کو انکو رکارڈ ہاں کس طرح اس کی لاپرواہی اسے مختلف مواقع پر نقصان پہنچاتی رہی۔

اور ہر بحث کا نتیجہ ایک ہی نکلا کہ عمر کے ساتھ ہونے والے اس حادثے میں عمر کی اپنی غلطیاں بھی معاون تھیں۔ اسے بے ضرر بن کر سسٹم کا حصہ بنانا نہیں آیا تھا، وہ ایک پاپرلر عمر بھی نہیں تھا۔

طلیہ جانتی تھی، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جسے عمر سے ہمدردی نہیں تھی، جو عمر کے ساتھ ہونے

والے واقعے پر رنجیدہ تھیں تاکہ اس سب کے باوجود وہ Facts اور Figures (حقائق) کی بات کرتے تھے کیونکہ وہ سب پر کنٹرول لگے تھے، حقیقت پسند جو کسی بھی چیز کو رشتوں اور جذباتی حقائق کے حوالے سے نہیں لے سکتے تھے۔

وہ سب گھر کو اتنے سے تاثر اور غیر جذباتی اعزاز میں ڈسکس کر سکتے تھے مگر طلیہ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی، وہ کوئی ایماندار آفسر نہیں تھا۔ وہ بہت سے غلط کاموں میں ملوث رہا تھا، بہت سے لوگوں کو اس نے بہت تکلیف بھی دی تھی اور بہت سے لوگوں کے لیے مسلسل پریشانی کا باعث بھی بن رہا تھا۔ کوئی بھی اس کی موت کو ”جو بڑا درد کاٹا“ قرار دے سکتا تھا۔ کوئی بھی یہ کہہ سکتا تھا کہ عمر جہانگیر ایسا سلوک کا مستحق تھا کہ وہ ایسا نہیں کہہ سکتی تھی۔

اس کی زندگی میں وہ اس پر بے تحاشہ تنقید کرنے لگی تھی۔ اسے عمر جہانگیر کے کاموں پر اعتراض ہونے لگا تھا مگر اس کی موت کے بعد اسے یہ احساس ہوا کہ وہ اچھا آدمی نہیں تھا۔ اچھا آفسر بھی نہیں تھا، دوسروں کے لیے عمر اس کے لیے وہ بیشا اچھا ہی رہا تھا اور وہ عمر جہانگیر کو دوسروں کی عینک سے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ دوسروں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کی بنیاد پر اس سے نفرت نہیں کر سکتی تھی۔ یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ اس کے ساتھ جو ہوا ٹھیک ہوا۔

عمر کی موت کے ایک ہفتے کے بعد اس نے اخبار سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اب اس مسلم کے بارے میں کچھ نہیں لکھ سکے گی۔ وہ کم سن سے ان تمام چیزوں کے لیے تنقید کر رہی تھی جن کے لیے اس نے عمر جہانگیر کو معاف کر دیا تھا جن کے لیے وہ عمر جہانگیر کو بخشنے پر مجبور تھی۔ اپنی غلطی کے اس فرد کو جس کے ساتھ اس کا جذباتی تعلق تھا۔

اسے نہیں پتا تھا کہ جہانگیر معاذ عمر کی موت سے کس حد تک متاثر ہوئے تھے، اس کے خاندان کے دوسرے مردوں کی طرح وہ بھی اسے احساسات چھپانے اور چہرہ کے تاثر رکھنے میں ماہر تھے، یہ وہ خصوصیت تھی جو معاذ حیدر جیسے بڑے خاندانوں کے لوگوں کے ساتھ ساری عمر چلتی تھی۔

طلیہ نے عمر کی موت پر جہانگیر معاذ کو پریشان دیکھا تھا مگر عمر کی موت پر وہ بے حد خاموش تھے، ان کے اور عمر کے درمیان کبھی بھی خوشگوار تعلقات نہیں رہے۔ وہ جانتی تھی، پچھلے چند سالوں سے ان دونوں کے درمیان بول چال تک بند تھی مگر خود طلیہ پچھلے ڈیڑھ سال سے عمر کے ساتھ ناوا سلوک کر رہی تھی۔ اس کے باوجود اس کی موت نے اسے بڑی طرح توڑ ڈیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ جہانگیر معاذ کے اندر کتنی توڑ پھڑ ہوئی ہے۔ آخر وہ ان کا بڑا بیٹا تھا۔

عمر کے حادثے کی وجہ سے اس کی شادی میں منظر میں چلی آئی تھی۔ غمیز نے پاکستان میں اپنا قیام بڑھا دیا تھا مگر انہوں نے حیدر کی غلطی سے اسے حیدر کی غلطی نے ان سے اس معاملے میں لی اغال کوئی بات نہیں کی تھی۔

عمر کے دوسروں کے بعد آہستہ آہستہ سب نے واپس جانا شروع کر دیا۔ ہر ایک اپنی اپنی زندگی کی طرف دوبارہ لوٹ رہا تھا۔ جہانگیر معاذ بھی باور میں دن اپنی غلطی کے ساتھ واپس امریکہ چلے گئے تھے۔



”میں نے اسے اپنے گھر رہنے کے لیے کہا ہے مگر اس کی خواہش ہے یہاں ٹھہرنے کی۔“

”آپ اس سے یہاں آنے کے لیے کہہ دیں، مجھے اور نالو کو انہیں ریسورس کے خوش ہوگی۔“ اس نے دم آواز میں کہا۔ وہ جانتی تھی جو ڈھ پاکستان کیوں آ رہی تھی۔

”انہوں نے آپ کو فلائٹ کی نامیٹو کے بارے میں بتایا ہے؟“

”اسے ایئر پورٹ سے میں ریسورس کو لوں گا۔“ علیہ نے کہا علیہ خاموش رہی۔

”وہ یہاں ہماری شادی تک ڈکے گی۔“ علیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ ایک عجیب سی خاموشی ان دونوں کے درمیان در آئی تھی۔

”چند دنوں تک اسی اور بابا قمر کو لوں سے اس سلسلے میں بات کرنے آئیں گے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس سلسلے میں تم سے بات کروں تاکہ تم نالو کو اور اپنی جی کو تھاکو۔“

علیہ نے اس کے چہرے سے نظر ہٹائی۔

”میں چاہتا ہوں، شادی سادگی سے ہو۔ میں زیادہ دھوم دھڑکا نہیں چاہتا۔“ وہ دھیمی آواز میں بول رہا تھا۔

اس نے جس دن چنید کو اپنے اور عمر کے بارے میں بتایا تھا اس سے لگے دن عمر کے ساتھ وہ حادثہ پیش آ گیا تھا۔ اس نے چنید سے کہا تھا کہ وہ اسے یہ سب کچھ اس لیے بتا رہی ہے کہ تاکہ حقائق سے آگاہ ہو کہ وہ آسانی سے یہ فیصلہ کر سکے کہ اسے ابھی بھی علیہ سے شادی کرنی ہے یا نہیں۔

پچھلے پندرہ دنوں میں چنید سے اس کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ چنید کی کیفیات اور تاثرات کے بارے میں نہیں جانتی تھی مگر وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ چنید کے سامنے ایک بار بھر عمر کے لیے اس کے جذبات اور احساسات عیاں ہو گئے تھے۔

اس نے بڑے ذوق سے عمر کے قتل سے ایک دن پہلے ہوئی میں چنید کر چنید سے کہا تھا کہ وہ عمر سے محبت کرتی تھی مگر اب نہیں کرتی۔ اس کے اور عمر کے درمیان اب سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ وہ اب عمر کی اصلیت جان چکی ہے اور اس کی اصلیت جان لینے کے بعد وہ عمر سے محبت کرے گا اور خود غرض انسان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔

وہ چنید تھی، پچھلے پندرہ دن میں عمر کی موت پر اس کے دماغ نے چنید پر یہ حقیقت آشکار کر دی ہوگی کہ وہ اب بھی عمر سے محبت کرتی ہے۔ وہ اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ یہ اعزازہ ذکر نہ کرے۔ وہ اپنے چہرے کو بھی سے تاثر رکھے میں کامیاب نہیں ہو پائی تھی۔ خوشی اور غم ہر تاثر اس کے چہرے سے جھلکتا تھا اور زندگی میں پہلی بار اسے اپنے چہرے کی اس خوبی پر کوئی شرمندگی نہیں ہوئی، کوئی خسر نہیں آیا تھا۔

اس نے ان پندرہ دنوں میں ہر بار چنید کا سامنا ہونے پر کبھی یہ ظاہر ہونے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ عمر کی موت سے حائر نہیں ہوئی کیونکہ وہ اس کے ساتھ اپنا جذباتی تعلق ختم کر چکی تھی۔ وہ اپنی زندگی اور ذات کے گرد چڑھائے گئے ان خدوئوں سے بچ آگئی تھی جنہیں سنبھالنے سنبھالنے وہ دھچکنے کی سالوں سے بھگانے لگی تھی اور شاید وہ لاشعوری طور پر چنید کے سامنے یہ اعتراف بھی کر لینا چاہتی تھی کہ وہ کبھی عمر سے نفرت نہیں کر سکتی۔ اس کی موت اس کی

”آپ چاہتے ہیں؟“ علیہ نے چنید سے پوچھا۔ ان دونوں کے درمیان تقریباً دو ہفتے کے بعد ملاقات ہو رہی تھی۔ وہ ہاسٹل سے گھر تک، ہر جگہ موجود رہا تھا اور دوسری تک ہر روز اپنے گھروں کے ساتھ ان کے گھر آتا رہا تھا مگر اس کے اور علیہ کے درمیان براہ راست کوئی بات نہیں ہوئی۔ حادثے کے بعد آج پہلی بار وہ علیہ سے مل رہا تھا اور اس کی فیملی اس کے ساتھ نہیں تھی، وہ دس وقت آیا تھا، اس وقت تانیہ داکٹر گھر جا رہی تھی اور علیہ وہ اس کے ساتھ پورچ میں کھڑی تھی، جب کیٹ سے چنید کی کھڑی اندر داخل ہوئی تھی۔ اس نے گاڑی تانیہ کی گاڑی کے پاس لا کر کھڑی کر دی۔ کچھ دیر اس کے اور تانیہ کے درمیان دکی بات چیت ہوئی پھر تانیہ اپنی گاڑی میں بیکر چلی گئی۔

”آپ اندر آ جائیں۔“ یہ پہلا جملہ تھا جو بہت دنوں کے بعد ان دونوں کے درمیان بولا گیا تھا۔

”نہیں، باہر لان میں بیٹھتی ہیں۔“ چنید نے کہا اور وہ خاموشی سے لان کی طرف بڑھ گئی۔

اور اب وہ دیکھنے والے سٹ سے لان کی کرسیوں پر چپ چاپ بیٹھے تھے، علیہ نے اس گہری خاموشی کو توڑنے کے لیے اس سے پوچھا۔

”آپ چاہتے ہیں؟“

”نہیں، میں یہاں آنے سے پہلے چاہنے لگی کر آیا ہوں۔“ چنید نے جوابا کہا اور پھر کچھ توقف کے بعد ”جڑتھ نے فون کیا تھا نہیں؟“

”جڑتھ نے؟“ نہیں۔ نالو سے اس کی وہ بات بات ہوئی ہے۔“ علیہ نے بتایا۔

”خاموشی سے بات کرنا چاہتی تھی۔“

”نہیں، نالو نے مجھے بتایا مگر یہ ایک اتفاق ہی ہے کہ اس سے دونوں بار میری بات نہیں ہو سکی۔“

”وہ ہفتے کی رات کو پاکستان آ رہی ہے۔“ چنید نے بتایا۔ علیہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، وہ کہہ رہا تھا۔

”وہ یہاں ٹھہرنا چاہتی ہے۔“ وہ جانتی تھی چنید کا اشارہ کس طرف ہے۔

تمام بارہویں اور غصے کو ختم کر گئی تھی۔

اور ان پندرہ دنوں کے بعد واحد جس کا وہ سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھی اور جس کی توقع نہیں کر رہی تھی، وہ جید کی طرف سے شادی کے بارے میں دوبارہ بات تھی۔ وہ اس وقت شادی کے بارے میں بالواسطہ طریقے سے بات کرتے ہوئے یقیناً یہ بتا رہا تھا کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد جو اس ورثہ کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔

”کیوں؟“ وہ اس وقت اس ایک سوال کے علاوہ اور کچھ پوچھنا نہیں چاہتی تھی۔

”سب کچھ جاننے کے بعد بھی آپ کیوں اس ورثہ کو قائم رکھنا چاہتے ہیں؟“ اس نے جید کے خاموش ہو جانے کے بعد سوال کیا۔ وہ اس کے عقب میں ایسا دور خستوں پر بیٹھے پرندوں پر نظر کر جاتے ہوئے تھا۔ علیہ کوگا جیسے اس نے اس کی بات نہیں سنی ہو، اس نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔ اس بار جید نے درختوں سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

”پتا نہیں۔“ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”شاید اس لیے کہ تمہارا ساتھ بہت زیادہ انوار ہو چکا ہوں یا پھر شاید اس لیے کہ میں عمر کی لمبی سے اپنا تعلق نہیں ختم کرنا چاہتا۔ بہت کچھ تو بیلے ہی ختم ہو چکا ہے، جو باقی رہ سکتا ہے۔ میں اسے پانے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ وہ بڑے ہموار لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”یا پھر شاید اس لیے کہ یہ عمر کی خواہش تھی؟“ اس نے جید کے چہرے پر نظر کر بجا کر کہا۔ جید نے اس کی بات کی تردید کی نہ اعتراض۔ وہ ایک بار پھر ان درختوں پر بیٹھے پرندوں کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

”میں نے پہلے بار عمر سے تمہارا ذکر تب سنا جب وہ سولہ برس کا امتحان دینے آیا تھا۔ وہ کچھ دنوں کے لیے ہمارے گھر ٹھہرا تھا۔“ علیہ نے جید کو جیسے بڑبڑاتے دیکھا۔ وہ اب بھی ان ہی پرندوں کو دیکھ رہا تھا۔

علیہ کو یاد تھا، وہ اس کی ناراضی کی وجہ سے گھر چھوڑ کر کسی دوست کے ہاں شیفٹ ہو گیا تھا مگر وہ اس دوست کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔

”پھر کچھ دنوں بعد اس نے کہا کہ وہ واپس کر رہی ہے پاس جا رہا ہے، میں ناراض ہو گیا۔ تب اس نے مجھ سے معذرت کی اور مجھے تمہارے بارے میں بتایا کہ کس طرح تم اس کے دہان آ جاتے ہو خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہی ہو اور پھر تم لوگوں کے درمیان دوستی ہو گئی تھی۔ میں نے عمر کی باتوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ میں سمجھتا تھا۔ وہ اس لیے زیادہ ہمدردی محسوس کر رہا ہے کیونکہ وہ خود بھی ایک بروکن لمبی سے تعلق رکھتا تھا۔“ علیہ وہ اسے سمجھتی رہی۔

”پھر اس کی باتوں میں اتنا کھراہڑا ذکر ہونے لگا۔ میں نے تب بھی غور نہیں کیا۔ تمہاری اور اس کی عمر میں بہت فرق تھا۔ تم ایک شین اٹھ رہی تھیں جبکہ عمر بہت پیچھے تھا۔ میرا خیال تھا وہ تمہارے ساتھ ایک ہی عمر میں رہ رہا ہے اور پھر تم سے ہمدردی بھی کرتا ہے، اس لیے غیر محسوس طور پر تم اس کے قریب آنے لگی ہو۔ میں نے تب بھی یہ اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی کہ تمہارے لیے اس کے دل میں کس طرح ٹینگڑا ڈوب چکے ہو رہی ہیں۔“ جید نے اب علیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں تب بھی یہی سمجھتا رہا کہ اس کی سب سے زیادہ دوستی جڑی کے ساتھ ہی ہے اور اگر کبھی اس نے شادی کی تو وہ اس سے ہی کرے گا۔ وہ دونوں ہم عمر تھے اور بہت لمبے عرصے سے ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ ان دونوں کی بہت اچھی انڈر سٹینڈنگ بھی تھی۔ میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ یہی سمجھتا۔“

”آپ نے ٹھیک سمجھا۔“ علیہ نے دھیمی آواز میں پہلی بار اس کی گفتگو میں مداخلت کی۔ ”وہ جو ذمہ سے ہی محبت کرتا تھا۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔“

”میں سمجھتا تھا۔“ جید نے اس کی بات سن کر بھی اپنی بات جاری رکھی۔ ”میں عمر کے بہت قریب ہوں، اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں، اسے بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ ایسا نہیں تھا۔“ جید جپ سے انداز میں مسکرایا۔

”یہ صرف میری خوش فہمی تھی، میں یا اس کا کوئی بھی دوست اس کے اندر تک نہیں جھانک سکا۔ اس نے ہمیں اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ ہم اسے صرف اتنا ہی جان سکے، جتنا وہ چاہتا تھا۔“ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ علیہ کو اس بارے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

”بعد میں اس نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے شادی کروں۔ وہ تب فارن سروس میں اپنی پہلی پوسٹنگ پر جا رہا تھا اور میں لندن میں آ کر کچھ کر حریفہ قسیم کے لیے۔ تم اس وقت کریمپٹن کر رہی تھیں۔“ علیہ کو یاد آیا کہ یہ وہ وقت تھا جب اسے مکمل طور پر یہ یقین ہو چکا تھا کہ صرف وہی نہیں، عمر بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ جب وہ یہ سمجھنے لگی تھی کہ بہت جلدی وہ اسے پر پوز کر دے گا اور وہ اس وقت کیا سوچ رہا تھا۔“ جید کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی اٹھنے لگی۔

”میرا اس وقت شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور عمر کو بھی اس بارے میں کوئی نہیں تھی۔ تم اپنی تعلیم ختم کرو، پاکستان آؤ، پھر تم سے اس بارے میں مزید بات کروں گا لیکن یہ بات طے ہے کہ تمہاری شادی علیہ کے ساتھ ہی ہوگی۔“ وہ مجھ سے کہتا تھا۔

”اگر وہ مجھے ابھی تک تو، اس کے ساتھ میری انڈر سٹینڈنگ ہو سکتی تو۔“ میں ہر بار اس سے کہتا اور وہ مجھے یقین دلاتا۔

”علیہ اور جیمیں انجمن نہ لگے۔ gem of a person، جید gem of a person میں جب ہمیں، ہمیں سال تم اس کے ساتھ گزار لو گے تو پھر تم میرے احسان مند ہو گے کہ میں نے دنیا کی سب سے بہترین لڑکی کے ساتھ تمہاری شادی کر دادی۔“ مجھے آہستہ آہستہ یہ محسوس ہونے لگا کہ میں عمر کو انکار نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی بات منوالا کرتا تھا۔ کچھ سالوں کے بعد جب گھر میں میری شادی کا ذکر ہونے لگا تو عمر نے مجھے تم سے ملوایا مگر یہ کہہ کر میں تم کو عمر سے اپنی دوستی کے بارے میں نہ بتاؤں۔ مجھے تب بھی کوئی تجسس نہیں ہوا۔ اگر اس پر سے دورا یہ میں مجھے ایک بار بھی یہ خیال آ جاتا کہ وہ خود میں سے انٹرنسٹ ہے تو میں..... میں کسی قیمت پر بھی تم سے شادی کرنے کا نہ سوچتا، یا تم مجھے بتا دیتیں، تو تب بھی میں اس سارے معاملے کے بارے میں عمر سے بات کرتا۔

تہمارا انکشاف میرے لیے میری زندگی کا سب سے بڑا عرصہ تھا اور اس شاک سے باہر آنے میں مجھے کئی سال لگیں گے۔

”مجرم میں کبھی بھی انٹرویو نہیں تھا، میں نے آپ کو بتایا تھا، وہ سب میری خوش فہمی تھی۔“ علیزہ نے جیسے خود کھادی کی۔

”جو بھی تھا۔ مگر میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ بہت تکلیف دہ تھا۔“ جنید خاموش ہو گیا۔ علیزہ نے اس کی آنکھوں میں پانی تیرتے ہوئے دیکھا۔

”مجھے ابھی کبھی یہ یقین نہیں آتا کہ وہ..... وہ زندہ نہیں ہے۔ زندگی میں پہلی بار وہ جتنے گزر گئے ہیں اور میں اس سے رابطہ نہیں کر سکا، بل نہیں سکا، نہ اس نے مجھ سے رابطہ کیا، ورنہ ہم لوگ کسی نہ کسی طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں رہتے تھے۔ چاہے ملک میں ہوتے یا بیرون ملک۔“ وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”میں نے عمر سے بڑھ کر genuine (کھرا) آدمی زندگی میں نہیں دیکھا۔ ہم دونوں کے درمیان بہت سے اختلافات ہوتے تھے۔ وہ بہت قلعہ بند تھا۔ میں ایسا نہیں تھا مگر اس کا وجود ہمارے درمیان قائم اختلافات قسم کرنے میں پہل دی کیا کرتا تھا۔“ چوڑو کوئی اور بات کر رہے تھے۔ ”وہ خود مختار شروع کرتا مگر یکدم موضوع بدل دیتا اور میں واقعی موضوع بدل دیتا۔ مجھے ابھی یہ ہی لگ رہا ہے کہ اس نے ایسا ہی کیا ہے۔

اس کی موت سے کچھ دیر پہلے اس سے میری بات ہوئی تھی۔ میں تمہارے سلسلے میں اس سے تفصیلی بات کرنا چاہتا تھا۔“ وہ دم سادے جنید کو دیکھتی رہی۔

”وہ شاید جان گیا تھا کہ میں تمہارے سلسلے میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے رات کو فون کرے گا اور وہ اب رات کبھی نہیں آئے گی۔ وہ ہمیشہ یہی کیا کرتا تھا، جو بات نہیں بتانا چاہتا تھا وہ نہیں بتاتا تھا۔“ جنید کے لہجے میں شکست خوردگی تھی۔

”میں اس کی مثال کی تحقیق نہیں کرنا چاہتا۔ میں بس اس ایک رشتے کو قائم رکھنا چاہتا ہوں جو اس کی خواہش تھی مگر میں صرف اس کی خواہش کے احرام میں ایسا نہیں کر رہا ہوں، میں یہ اپنے لیے کر رہا ہوں، اپنی فیملی کے لیے کر رہا ہوں، تمہارے لیے کر رہا ہوں، تمہاری فیملی کے لیے کر رہا ہوں، کسی بچپتاوے کے بغیر، کسی بوجھ کے بغیر میں چاہتا ہوں، تم تمام پرانی باتوں کو بھلا دو، دونوں کو یاد کرنے کی کوشش نہ کریں۔

زندگی کو آج سے شروع کریں، بد وقت گئے گا مگر مجرب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس نے چند دن پہلے لاہور میں مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہارا بہت خیال رکھوں اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے تمہاری بات نہ مانی ہو۔ میں کسی طرح سے بھی نہیں چوڑو نہیں مسکتا۔“

علیزہ نے اسے اس جملے کے بعد کرسی سے اٹھتے اور لان سے نکلے دیکھا۔ وہ اپنی آنکھوں کو سٹپے لگی۔ وہ اور جنید ایک ہی شخص کی موت میں گرفتار تھے، صرف بہت مختلف تھی نکتہ کی گہرائی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ لان میں چھائے سکوت کو پرندوں کی چہچہاہٹ تو زور ہی تھی۔ بہت دور، جنید کا گڑی کو ریوس کرتے ہوئے

ڈرائیو دے سے نکال رہا تھا۔ اس نے ایک سال کے دوران پہلی بار جنید کی باتوں میں بے دردی محسوس کی تھی۔ وہ بہت ہمواری اور دروالی سے بات کیا کرتا تھا۔ آج پہلی بار اس کی گفتگو میں دونوں چیزیں ملتی تھیں۔ وہ خود اس سے کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں تھی۔ آخر جنید ابراہیم سے کیا بات کی جا سکتی تھی، بغیرت کی جاتی، افسوس کیا جاتا، کون کس سے کرتا۔ عمر کی موت سے دونوں کو ایک ہی طرح متاثر کیا تھا۔

عمر بالکل غلط تھا کہ اس کی موت سے کسی پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، اس کی موت نے بہت سی زندگیوں کو وقتی طور پر ایسا بل کر دیا تھا، ان میں سے ایک زندگی اس کی تھی، دوسری جنید کی اور تیسری.....؟ دردی ایک لہر اس کے اندر سے گزری۔

”تیسری جوڑھ کی۔“ اس نے سوچا۔

☆☆☆☆

پوریج میں چلنے والی لائٹ کی روشنی میں اس نے جوڑھ کو جنید کی گاڑی سے اترتے دیکھا۔ وہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزرز میں بیٹھ گئی تھی۔ ٹائوس اس آگے تھیں اور اب جوڑھ سے رہی تھیں۔ جنید ملازم کی مدد سے گاڑی سے اس کا سامان اترادیا تھا، علیزہ، ٹائو سے چند قدم پیچھے کھڑی رہی دیکھتی رہی۔

زندگی میں پہلی بار جوڑھ کو دیکھ کر اسے کوئی قصہ، کوئی حد محسوس نہیں ہوا۔ جوڑھ، ٹائو سے ملنے کے بعد اس کی طرف بڑھ رہی تھی پھر وہ اس کے مقابل آکر کھڑی ہو گئی۔ علیزہ نے ایک قدم آگے بڑھایا اور جوڑھ کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے گال کو زنی سے چوم لیا۔ جوڑھ نے جواباً اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ دونوں کے درمیان کسی لفظ کا تبادلہ نہیں ہوا تھا۔ جوڑھ کے انداز میں بہت کم جوش تھی، والہانہ پن تھا، بے اختیاری تھی اور کیا تھا۔ وہ جن میں کسی مگر جب وہ اس سے الگ ہوئی تو اس نے جوڑھ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ علیزہ نے اس سے نظریں چلائیں۔ اس کا ہاتھ تمام کر اس نے شینے سے اس کو حصارف کر دیا۔

”یہ میری کی ہیں، جوڑھ!“ جوڑھ شینے سے ہاتھ ملانے لگی۔

جنید بہت کم ملازم کے ہاتھ جوڑھ کا سامان اتر رہا تھا اور خود بھی لاؤنج میں چلا گیا تھا۔

”آپ کپڑے منیجر کر لیں، میں کھانا لگاتی ہوں۔“ علیزہ نے جوڑھ کے ساتھ اندر جاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں، میں کھانا نہیں کھاؤں گی، فائناٹ کے دوران کھا چکی ہوں۔ میں اس وقت صرف سونا چاٹتی ہوں۔“ جوڑھ نے قدرے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”جیسے آپ چاہیں۔“ علیزہ نے سر ہلا دیا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس وقت واقعی بہت دیر ہو چکی تھی۔ جنید لاؤنج کے درمیان کھڑا تھا۔

”جوڑی اب سب ملاقات ہوگی۔“ اس نے جوڑھ سے کہا اور اس کے بعد شینے کے ساتھ بائیں کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

جوڑھ چند منٹ ٹائو کے ساتھ لاؤنج میں کھڑی بائیں کرتی رہی پھر ٹائو نے علیزہ کو اس کے کمرے میں

عمر کے جہانگیر سے تعلقات کیسے تھے۔

عمر کے زارا کے ساتھ تعلقات کیسے تھے۔

عمر ان دونوں کی علیحدگی کے ستاروں پر ہوا تھا۔

اسے کیا چیزیں خوش کرتی تھیں۔

کیا پریشان کرتی تھیں۔

سب کچھ وہ سب کچھ جانی تھی۔ وہ جوڑھ کا چہرہ دیکھنے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

چوڑی اذان کے بعد وہ اندھ کر کھڑی ہو گئی۔

”مجھے عمر سے صرف ایک شکایت تھی۔“

اس نے جوڑھ کو کہتے سنا۔ وہ بیڈ پر پاؤں اوپر کیے بیٹھی ہوئی تھی۔ علیزہ جاتے جاتے رک گئی۔ جوڑھ کی

آنکھیں متورم تھیں۔ وہ اس وقت پیسے کی ٹرانس میں آئی ہوئی تھی۔

”اس نے میرا خیال رکھا۔۔۔۔۔ اس نے میری پروا کی۔ اس نے میری خواہشات کا احترام کیا۔ اس نے

میرے ساتھ ہر چیز شیئر کی۔ بس اس نے مجھ سے محبت نہیں کی۔“

علیزہ نے سر کو اسے دیکھا۔ جوڑھ اسے دیکھ رہی تھی۔

”محبت۔۔۔ اس نے تم سے کی۔“ وہ اب سمجھے ہوئے انداز میں مسکرا رہی تھی۔

”تمہاری منگنی والی رات میں اسلام آباد میں تھی۔ اس نے مجھے رات دو بجے فون کیا۔ وہ بہت زیادہ

ڈپریشن تھا مجھے بہت جبرانی ہوئی۔ کم از کم اس رات اسے ڈپریشن نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس رات تمہاری اور جینیہ کی منگنی

تھی۔ اسے بہت خوش ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اس سے یہ کہہ دیا۔ وہ بہت دیر خاموش رہا۔ اتنی دیر کہ مجھے لگا، فون

ڈس کنکٹ ہو گیا ہے۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔

”میں نے آج صبح 7 بج کر بہت کر لایا ہے۔ بہت زیادہ، میں نے آج اس کو بہت جھڑکا ہے، وہ مجھ سے شادی

کرنا چاہتی ہے۔ وہ جینیہ کے ساتھ منگنی توڑنا چاہتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ وہ میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں نے آج

اسے بہت جھڑکا ہے۔ اسے بہت کر لایا ہے لیکن میں اس کے پاس سے اٹھ کر آیا ہوں تو مجھے لگ رہا ہے۔ میں تو اس

کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی گا۔ مجھے تو اس سے بہت محبت ہے۔ میں کیسے اسے جینیہ کے ساتھ دیکھ سکوں گا۔ مجھ سے

بہت بڑی ٹپکلی ہو گئی ہے۔“

اس نے، اس رات میرے عیروں کے نیچے سے زمین سمجھتی تھی۔ میں تو جب تک یہی سمجھتی رہی تھی کہ وہ

مجھ سے محبت کرتا ہے لیکن وہ۔۔۔۔۔ میں اگلے دن لاہور چلی آئی۔ میں نے اس سے کہا۔

”تم علیزہ کی بات مان لو، اگر تم اس سے محبت کرتے ہو تو اس سے شادی کر لو۔“ اس نے انکار کر دیا۔ اس

نے کہا کہ وہ کبھی رات شراب نہ پیا رہا تھا، شاید شراب کے نئے میں اس نے کوئی فضول بات کی ہوگی اور سنا کوئی

لے جانے کے لیے کہا۔ علیزہ اسے لے کر اس کمرے میں چلی آئی جہاں عمر ٹھہرا کرتا تھا، اس سے پہلے جوڑھ کبھی عمر کے کمرے میں نہیں ٹھہری تھی۔ اسے بیٹھ فرسٹ فلور پر ٹھہرایا جاتا، اس بار علیزہ نے اسے عمر کے کمرے میں ٹھہرایا تھا۔ وہ علیزہ کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہونے کے بعد آگے نہیں بڑھی۔ وہیں کھڑی رہی۔ علیزہ نے آگے بڑھ کر کھڑکیوں کے پردے برابر کر دیے۔ پھر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ جوڑھ اب بھی وہیں کھڑی تھی۔ یوں پیسے وہ وہاں اس کمرے میں کسی کی موجودگی کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ علیزہ جانتی تھی وہ کس کے وجود کا احساس کرتا جانتی تھی وہ عمر کا کمرہ تھا اور جوڑھ بھی یہ بات جانتی تھی۔

”آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے تادیں۔ پانی میں نہ رکھا دیا ہے۔ فریج میں کچھ کھانے کی چیزیں

بھی ہیں پھر بھی اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو۔۔۔۔۔“ علیزہ اس کے پاس چلی آئی۔

”نہیں۔ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔“ جوڑھ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔ پھر آپ آرام کریں۔ گڈ نائٹ۔“ وہ دروازے کی طرف بڑھی، لیکن اچانک ہی جوڑھ نے اس

کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”میرے پاس دو علیزہ! میں آج رات یہاں سو نہیں سکوں گی۔“ وہ اس کا چہرہ دیکھتے بغیر بھی جانتی تھی۔

کہ جوڑھ کی آواز بھرا رہی ہے۔ اس کی آنکھیں اب پانی سے بھر رہی ہوں گی اور وہ اسی ایک لمحہ سے خوفزدہ تھی۔

اسے علیزہ سے عمر کہا کرتا تھا۔ جوڑھ کے منہ سے یہ لفظ نہ کر سکتی تھی اس کا دل بھی میں سمجھتا۔ کوئی بھی

اسے اس نام سے پکار سکتا تھا اس وہ ایک شخص نہیں پکار سکتا تھا جس کا نام عمر جائے گھر تھا۔ اس نے گردن موڑ کر جوڑھ کی

طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی۔ جوڑھ جواب میں نہیں مسکرائی۔ وہ بس آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گئی

اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”اس کی تکلیف میری تکلیف سے بہت زیادہ ہے۔ اس نے اس آدی کو کھو یا ہے جو اس کا تھا۔ جسے وہ

حاصل کرنے ہی والی تھی۔ میں نے اس شخص کو کھو یا ہے جو کسی میرا نہیں تھا کسی ہو سکتا تھا۔“ جوڑھ کی پشت پر اپنے

بازو پھیلاتے ہوئے اس نے گیلی آنکھوں کے ساتھ سوچا۔

”میں آپ کے پاس ہی ہوں۔ آپ مجھ سے بات کر سکتی ہیں۔“ اس نے سر مڑی کے انداز میں کہا۔

اس رات وہ دونوں جانتی رہیں۔ عجیب تعلق تھا جو اس نے جوڑھ کے ساتھ محسوس کیا تھا۔ جوڑھ عمر کے

بارے میں بتاتی رہی۔ وہ پہلی بار عمر سے کس طرح ملی۔ کہاں ملی، ان کی دوستی کیسے ہوئی، یہ دوستی کس طرح گہری ہوئی

گئی۔ ”علیزہ۔ چپ چاپ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

اگر کوئی سوال وہ جوڑھ سے کرنا چاہتی تھی تو وہ صرف یہ تھا۔

”عمر کو اس سے محبت کب ہوئی تھی؟ کیسے ہوئی تھی؟“ اور وہ جانتی تھی وہ اس سے کبھی یہ سوال نہیں کر سکتی

تھی۔ وہ اپنے دل کو ایک بار پھر کسی شخص سے کہتا ہوا محسوس نہیں کرتا جانتی تھی۔

اس کے پاس جوڑھ کو تانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ کوئی راز۔۔۔۔۔ کوئی بات۔۔۔۔۔ کچھ بھی نہیں جوڑھ سب کچھ

بات نہیں ہے مگر میں جان گئی تھی۔ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا تھا یا شاید ویسی محبت نہیں کرتا تھا جیسی تم سے کرتا تھا۔"

علیٰ نے چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ زرد چہرے کے ساتھ، پھر اس نے مڑ کر کمرے پر ایک نظر ڈالی۔

وہ وہیں کہیں تھا۔ اس کی رائنگ چیز اسی طرح جھولتی محسوس ہوئی تھی جیسے وہ جھلایا کرتا تھا، ہر چیز پر جیسے اس کا لمس موجود تھا، ہر طرف جیسے اس کی آواز گونج رہی تھی۔ وہی دھیمہ ٹھہرا، گہرا لہجہ، وہی پرسکون، دل کے کہیں اندر تک اتر جانے والی آواز..... "علیٰ بے۔" اور پھر وہی کھٹکھٹلاتے ہوئے بے اختیار قہقہے۔ اس کمرے میں سب کچھ زندہ تھا۔ واہرے عکس بن گیا تھا اور عکس حقیقت بن کر اس کے ارد گرد پھرنے لگا تھا۔

اس نے مڑ کر ڈرائنگ روم کی طرف دیکھا۔ جوڑتھ شاید اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔

وہ ڈرائنگ روم کی آئینے کے سامنے چلی آئی۔ ایک سایہ اس کے ذہن میں لہرایا، ڈرائنگ روم کی آئینے میں یکدم کوئی نظر آنے لگا۔ اسے اپنی گردن پر، بالوں پر ایک پھواری پڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"میں علیٰ کو Joy دوں گا۔ Eternity۔"

اس نے مڑ کر جوڑتھ کو دیکھا۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

وہ کچھ دیر جوڑتھ کو دیکھتی رہی۔ پھر لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔



حمیرا احمد گورنمنٹ مرے کالج سیالکوٹ سے انگریزی میں ایم اے کرنے کے بعد کچھ عرصہ آرمی پبلک کالج کے کیمبرج ونگ سے منسلک رہیں۔ انھوں نے اپنے تحریری سفر کا آغاز مختلف ڈائجسٹوں سے کیا اور اس وقت وہ مختلف ٹی وی چینلوں کے لیے سکرپٹ رائٹنگ کر رہی ہیں۔ 2007ء میں انھوں نے آرون فاؤنڈیشن انگریز کے **Totleigh Barton** سینٹر سے سکرپٹ رائٹنگ اور **Creative Writing** کے کچھ کورسز بھی کئے۔ 2005ء میں اپنے پہلے سیریل **وجوہ لاریب** کے لیے انھوں نے انٹرس ویشن کا بیسٹ رائٹر ایوارڈ حاصل کیا۔ 2006ء میں انھوں نے بیسٹ بیک ٹیلنٹ ان رائٹنگ کا پاپولر ایوارڈ حاصل کیا۔ اس سال انھوں نے بیسٹ سکرپٹ رائٹر کا پاکستان میڈیا ایوارڈ حاصل کیا۔ اب تک اُن کے سات سیریلز اور تین ٹیلی فلمز **نکس ایوارڈ** سمیت مختلف ایوارڈز اور تاخروں گیاں حاصل کر چکی ہیں۔ اُن کی تمام کتابیں اس وقت انگریزی میں ترجمہ کی جا رہی ہیں۔

کتابیں

- 1- ہم کہاں کے بچے تھے 2- ڈر پارول 3- واپسی
- 4- زندگی گلزار ہے 5- یسٹ پاکستان 6- بچ کا وطن
- 7- لا حاصل 8- میں نے خوابوں کا شجر دیکھا ہے 9- امرتیل
- 10- ایمان امیدوار محبت 11- میری ذات ذرہ بے نشان 12- تحریک استقامت ہے
- 13- صحت منجھک 14- من و سلوکی 15- حاصل
- 16- تھوڑا سا آسمان 17- حنت اور حسن آراء

Rs. 750/-

علم و فن پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔

فون: 7223584 7232336 7352332 فیکس: 7223584

www.ilmofanpublishers.com. E-mail: ilmofanpublishers@hotmail.com

Courtesy www.pdfbooksfree.pk